رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس ارا کین دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

تصانیف شبلی

الفاروق۔ یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت عراق و شام و مصر و ایران کی فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، انتظام، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے۔ نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مع ... ضخامت ۴۰۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم حصہ اول: فارسی شاعری کی تاریخ جس میں شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیاں ... کے خصوصیات اور اسباب ... کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء عباس مروزی سے نظامی تک کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۰ صفحے قیمت سے

حصہ دوم: شعرائے متوسطین کا تذکرہ خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک، مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۳ صفحے، قیمت ؏

حصہ سوم: شعرائے متاخرین کا تذکرہ فغانی سے ابوطالب کلیم تک، مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے قیمت ؏

حصہ چہارم: اس حصہ میں تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہے کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع و اقسام میں سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت سے

حصہ پنجم: اس میں قصیدہ، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت ؏

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیاں، اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۱۹۰ صفحے قیمت ؏

الکلام۔ مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا گیا اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ...

جلد سی ویک | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

عیسوی سن کے خاتمہ پر ۲۸ دسمبر ۳۲ء کو مسیحی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسوی ممالک میں اسلام کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی، وہ کئی برس سے سل کے مرض میں مبتلا تھے، اور اس حالت میں بھی برابر تصنیف و تالیف میں ہمیشہ مصروف رہے، احمدی جماعت میں ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب تھے، اسی لئے ان کے مشن کا بار اٹھانے میں عام مسلمان اور امرا نے بھی شرکت کی تھی، اور شاید یہ راز نہ ہو کہ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم اور مولانا شبلی مرحوم نے انکی امدادی تحریکوں میں سب سے زیادہ دلچسپی لی، مولانا مرحوم نے ندوہ کے باقابلیت نوجوان تعلیم یافتوں میں سے خواجہ صاحب کے عزم تبلیغ کو سامنے رکھکر یہ شعر خود اپنے خط میں لکھا

کاش اس فرقہ زہاد سے اٹھتا کوئی — کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

گو ہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات اور تاویلات سے اتفاق نہیں، تاہم یہ کہنا اظہار واقعہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۳۲ء تک پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ اور اس کے محاسن کی اشاعت اور یورپ میں مسلمانوں کی فراہمی میں صرف کی، اور نیز یہ کہ انکی تصنیفات کے بڑے حصہ کا موضوع "احمدیت" نہیں "محمدیت" ہے، افسوس کہ انکی موت سے دنیا کی مذہبی بزم میں ایک اہم جگہ خالی ہوگئی، اللہ تعالیٰ انکے ان اعمال صالحہ کے صدقہ میں ان کو اپنی مغفرت سے نوازے اور انکی لغزشوں سے درگذر فرمائے،

شاید ناظرین کو معلوم ہو کہ ہماری سیرۃ النبی کی تین گذشتہ جلدون کا ترجمہ قسطنطنیہ مین ترکی زبان مین ہوچکا ہے، جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) جنکے پہلو مین اسلامی درد ہے۔ اور جو نہایت دیندار مسلمان ہین، وہ ترکی کی سیاحت ابھی کر آئے ہین، اپنے ایک کرمت نامہ مین لکھتے ہین:-

"مین کچھ عرصہ ہوا ترکی گیا تھا، اور باوجود اس کے کہ جن لوگون کے ہاتھ مین زمام حکومت ہے وہ اس سے زیادہ تعلق نہین رکھتے، ایک بڑی جماعت ایسے لوگون کی ملی جو سیرۃ النبی مبارک کی بڑی مداح ہے، اور اُس کا جو ترجمہ ترکی مین ہوچکا ہے، اس کو وہ بہت شوق سے مطالعہ کرتے ہین، خود استنبول تو چونکہ مغرب زدہ ہوچکا ہے، وہان زیادہ لوگ نہین ملے، لیکن بروصہ مین جو شاہان عثمانیہ کا فتح استنبول سے پہلے قریب ڈیڑھ سو سال کے دار الحکومت رہا ہے، بہت احباب کو سیرۃ النبی کا دلچسپی سے ذکر کرتے سنا، خدا آپ کے مساعی جمیلہ کو بار آور کرے . . . .

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے دار المصنفین کے اس نیک عمل کو یہ عزت بخشی کہ اُس کے ذریعہ سے ترکی مین جسکے متعلق ہر روز خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے، محمد رسول اللہ صلعم کی محبت کا فیض پہنچایا، دل سے دعا ہے کہ وہ خداوند قلوب اسکے بدولت خود اس کے مؤلف کے اور مسلمانون کے دلون کو اس محبت کی آبادی سے ہمیشہ معمور رکھے،

ہمنے تاریخ ہند کی نسبت پچھلے دو پرچون مین جو تجویز پیش کی تھی، بحمد اللہ کہ اُس نے ہر دلعزیزی حاصل کی، اور اکثر صاحبون نے اسکی ضرورت کا اعتراف کیا، اکثر اردو اور بعض انگریزی اخبارات مین اس کا خیر مقدم کیا گیا، طلبہ کے حلقہ مین خصوصیت کیساتھ اس سے دلچسپی کا اظہار کیا گیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تجویز کتنی ضروری اور اہم ہے، اور عجیب اتفاق ہے کہ پنجاب کونسل مین نواب احمد یار خان دولتانہ نے بھی اسی قسم کی ایک تجویز پیش کی تھی جو افسوس ہے کہ منظور نہ ہوسکی اس مجوزہ تاریخ ہند کی نسبت پورا خاکہ ہم آیندہ پیش کرینگے جسمین جلدون کی تعداد، مباحث کا تعین، اور مصنفین کے نام لکھے جائینگے،

ہندی کو ہندوؤن کی ملکی زبان بنانے کی جو کوشش ملک مین ہو رہی ہے وہ قابل قدر ہے، راجپوتانہ اور اودھ اور بہا آخر

گجراتی بولی والی ریاست بڑودہ مین ہندی کو سرکاری زبان کا منصب مل رہا ہے لیکن ضرورت ہے کہ اسکے ساتھ اردو کو بھی زندہ رہنے دیا جائے، صوبہ متوسط کی تعلیمات سے سنا جارہا ہے کہ اردو کو شہر بدر کیا جارہا ہی، اگر یہ صحیح ہی تو حقیقت مین یہی وہ باتین ہین جو ہندوستان کی دو قومون کو بار بار لڑنے پر آمادہ کرتی ہین،

مدراس کی رکشنا بھارت ہندو پرچار سبھا کے جلسۂ تقسیم انعامات منعقدہ ۲۸ دسمبر ۳۲ء مین میسور کے ڈاکٹر ہسٹری نے یہ بجا کہا ہی کہ "سنسکرت شمال و جنوب کی مادری زبان تھی، اور اردو اور ہندی اسکی دو بیٹیان ہین" لیکن ضرورت ہی کہ ان دونون بہنون کو باہم دست و گریبان ہونے سے بچایا جائے،

ڈاکٹر صاحب نے اس جلسہ مین یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ اردو ہندی دونون زبانون کے ماہرین کا ایک متحدہ جلسہ حیدرآباد مین منعقد کیا جائے تاکہ ان دونون زبانون کے درمیان اتحاد کی دقتون کا حل سوچا جائے، ہم نے خود اسی قسم کی تجویز ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد کے سامنے پیش کی تھی، اب بھی ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے ایک آیندہ شائع ہونے والے مجموعۂ مضامین مین اپنے ایک مضمون مین پیش کی ہی، ضرورت ہی کہ دونون زبانون کے چند نیک دل اتحاد پسند اس مسئلہ کی اہمیت کیطرف توجہ فرمائین،

سنا جارہا ہی کہ بنگال کے کچھ مسلمان اسپر مصر ہین کہ اردو کو اپنے صوبہ کے دائرۂ تعلیم مین داخل نہونے دین تاکہ صوبہ کے زبانی اتحاد مین فرق نہ آنے پائے، یہ خیال مبارک ہی مگر سوال یہ ہی کہ صوبہ کے ہندو اگر ہندی کو ملک کی عمومی زبان کی حیثیت سے صوبہ مین داخل ہونے کی اجازت دیدین تو اس اتحاد مین فرق آجائیگا یا نہین، اور اس وقت بنگال کے مسلمانون کا اردو کی نسبت طرز عمل کیا ہوگا؟

ہمکو یہ اچھی طرح معلوم ہی کہ بنگال، گجرات، مہاراشٹر، مدراس وغیرہ مختلف صوبون کے مسلمان بچون کو اپنے صوبہ کی زبانون کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان اردو سیکھنے کی مشکل بھی پیش آتی ہی جو ہندو بچون کو پیش نہین آتی لیکن اس تھوڑی سی دقت اٹھانے کا فائدہ یہ کیا کم ہے کہ آج اردو مین لکھی ہوئی ہر کتاب ہندوستان کے ہر صوبہ کے اکثر مسلمان پڑھ لیتے ہین، اور ایک اردو اخبار پورے ملک کے مسلمانون کو بیدار اور ہشیار رکھنے مین کامیاب ہے اور ہندوستان کے ہر صوبے کے جلسہ مین اردو ذریعۂ تقریر بنا ہوا ہی، ہماری قوم اس ملکی عالمگیری کیلئے انگریزی کا سہارا لینے پر ہر قدم پر مجبور ہی، اسکے علاوہ اب تو ہر صوبہ کے ہندو بھی ہندی کو ملکی زبان کی حیثیت سے قبول کرتے جاتے ہین، اسطرح ایک نئی زبان کا بار صوبون کی دونون قومون پر آیندہ شاید برابر ہوگا،

مقالات

ترجمان القرآن و تفسیر حضرت مولینا ابوالکلام آزاد

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز نئی دہلی)

جناب غلام احمد صاحب پرویز کو، مولینا ابوالکلام آزاد کی تالیف و ترجمہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے چند شبہات پیدا ہوئے ہیں جنھیں انھوں نے قلمبند کر کے رفع شکوک کیلئے اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اگرچہ اون میں سے بعض شبہات کی بنا بعض غلط فہمیوں پر بھی ہے تاہم وہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، ہم ان شبہات و شکوک پر کسی آیندہ موقع پر ایک نظر ڈالیں گے،

"سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر"

خوش قسمتی سے میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوں جنھیں ایک عرصہ سے حضرت مولینا ابوالکلام آزاد مدظلہٗ کے ترجمہ یا تفسیر قرآن کریم کا ایک "مہدی موعود" کی طرح انتظار تھا، بارے الحمد کہ ایک مدت کے مدوجزر کے بعد یہ گوہر تابناک بحر العلوم کی گہرائیوں سے ابھر کر سطح آب پر آیا اور اسی سال ترجمان القرآن کی پہلی جلد طبع ہو کر منتظرین کے لئے وجہ سکون ہوئی، ترجمہ قرآن کے متعلق کچھ بھی عرض کرنا گویا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے، ایک تو خود قرآن کریم کا معجزانہ انداز کلام اس پر حضرت مولینا کا ساحرانہ اسلوب بیان، بیساختہ غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے؛

ذکر اوس پری رخ کا اور پھر بیان اپنا ۔۔۔ بن گیا رقیب آخر، جو تھا رازدان اپنا

ترجمان القرآن کے شروع میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پونے دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا حرف حرف ترجمان القرآن کی طرح حضرت مولینا کے تبحر علمی کا آئینہ دار ہے، اور بلا شائبہ تشکیک کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی لٹریچر

میں پیغامِ حقیقت کی وہی حیثیت ہے، کوئی تبصرہ نگار اس کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہے کہ

خاموش از ثنائے تو حدِّ ثنائے تست

اس عاجز نے بھی کئی مرتبہ اس تفسیر کو پڑھا، اور ہر بار نئے نئے نکاتِ نادرہ کا انکشاف ہوا، لیکن اس میں دو ایک مقام ایسے نظر پڑے جن میں اعتقادی طور پر کچھ شبہہ معلوم ہوا اور غور و تفحص کے باوجود ان کا حل نہیں مل سکا، میں منتظر تھا کہ کوئی صاحبِ علم ہستی اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالے تو شاید میرا عقدہ بھی ضمناً ہی حل ہو جائے، لیکن یہ انتظار اس وقت تک بے سود رہا، اور کسی طرف سے اس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، ہر چند میری یہ کیفیت کہ حضرت مولینا کے مقابلہ میں:-

چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

کا مضمون ہے. لیکن اس خیال سے کہ ان شکوک کو زیادہ عرصہ کے لئے سینہ میں تھامے رکھنا ذہنی الجھن اور پیچیدگی دیتا جائے گا، مجبوراً جسارت پذیر ہو رہا ہوں، کہ معترضانہ نہیں بلکہ سائلانہ حیثیت سے ان شبہات کو اربابِ علم و ذوق کے سامنے پیش کر دوں. کہ شاید خود حضرت مولانا یا کسی اور صاحب کی توجہ میرے لئے طمانیتِ قلب کا باعث ہو سکے.

(۱)

تفسیر ایمان باللہ کے متعلق حضرت مولینا نے نہایت شرح و بسط سے بحث کی ہے جس کا ملخص یہ ہے، کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد ذہنِ انسانی کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ اوسکی فطرت کا وجدانی احساس ہے، البتہ جس چیز کی تخلیق ذہنِ انسانی کی رہینِ منت ہے، وہ تصورِ صفاتِ باری تعالیٰ ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نوعِ انسانی کے تصوراتِ الوہیت میں مادی تصورات کی طرح ایک طرح کا تدریجی ارتقائی سلسلہ جاری ہے،

یہاں تک تو صاف ہے، اور یہی امر وحی و نبوت کی ضرورت پر دلیلِ قاطع ہے کہ چونکہ ذہنِ انسانی تنہا، محض عقل و تفکر کے سہارے پر تصورِ صفات میں غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ماورائے سرحدِ ادراک کسی ایسی روشنی

کی ضرورت تھی جو ذہنی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر صحیح صحیح تصورِ الوہیت بنی نوعِ انسان کے سامنے پیش کرے، یہی وہ روشنی ہے، جسے ماموریں من اللہ بہ تقاضائے ضرورت وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ لے کر مبعوث ہوئے اور جب بھی کسی قوم نے اس پیش فرمودہ تصور میں غلطی کی، اس پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور مامور تشریف لے آیا لیکن اس سے آگے جو کچھ حضرت مولینا نے فرمایا ہے، وہ غور طلب ہے، وہ فرماتے ہیں :۔

"بہرحال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفاتِ الٰہی کا تصور بھی اس کی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ وہ تصورِ الٰہی ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی درجہ کا سبق دے پس انبیاء کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایہ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا، بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے" (ترجمان ص۱۰۵)

اس شکل کے دو مختلف گوشے ہیں، ایک تو یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی تصور ہر زمانے میں پیش کیا، البتہ جن الفاظ میں پیش کیا، وہ مخاطبین کے قدرِ عقول کے مطابق تھا، دوسرے یہ کہ ان کا پیغام ہی وقتاً فوقتاً اسی سلسلۂ ارتقا کی ایک کڑی ہوا کرتا تھا، جو نوعِ انسانی میں تدریجی جاری تھا گویا ایک نبی جس زمانہ میں آیا، اُس کا پیغام اپنے ماحول اور گرد و پیش کے ارتقائی تخیلات کے حدود کے اندر رہتا تھا، اور جوں جوں ذہنِ انسانی نے ترقی کی، اس تصور میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ حضرت مولانا کے بیان سے اس دوسری شکل کی زیادہ تائید ہوتی ہے، کیونکہ ایک دوسرے مقام پر وہ اس سے ذرا واضح تر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تو صاف نظر آ جائیگا کہ اس سلسلہ کی سب سے آخری اور اس لئے سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے، جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کر دی ہے (ترجمان ص۱۰۴)

اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کا یہ پیغام ذہنِ انسانی کے ارتقائی مدارج کا ساتھ دیتا رہا ہے، اور اس سلسلہ

کی آخری کڑی قرآنی تعلیم کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مفہوم کے مطابق نہیں قرآن حکیم نے زمان و مکان کے اختلافات کی بنیاد پر شرائع و منہاج میں اختلاف و تباین کی ضرورت تو بتلائی ہے لیکن جہاں تک ایمان باللہ کا تعلق ہے اسے کہیں بھی ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا تبع نہیں بتایا، بلکہ یہ حقیقت عظمٰی واضح کر دی کہ جہاں اور جیسا بھی ذہن انسانی نے اس بارے میں غلطی کی، یا دانستہ طور پر اس میں تحریف کی، تو اس منحرف یا فراموش کردہ پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور پیغامبر تشریف لے آئے اور حضرت آدم سے نبی اکرم صلعم تک بلا لحاظ احوال و ظروف ایک ہی اصول پیغام پیش کرتے رہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً	اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا،
ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (۱۶ : ۳۶)	(جس کی تعلیم یہ تھی) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی	(اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول بھی دنیا میں نہیں بھیجا
الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (۲۱ : ۲۵)	مگر اس ہی کیساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی۔

سورۂ نساء میں اسے اور بھی واضح طور پر بیان کیا ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا : :	ہم نے آپکے پاس وحی بھیجی ہے جیسی نوح کے پاس بھیجی تھی،
.. ..	اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم اسمٰعیل،
.. ..	اسحاق اور یعقوب اور آل یعقوب اور عیسٰی اور ایوب اور یونس
.. ..	اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد
.. ..	کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن کا
.. ..	حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں، اور ایسے پیغمبروں

.. .. کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، اور موسیٰ سے اللہ

.. .. .. تکلیما، (۴ - ۱۶۱) تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا،

سورۂ بقرہ آیت ۲۰۹ کے تشریحی نوٹ میں خود حضرت مولانا فرماتے ہیں، کہ

"ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین"؛

سو ظاہر ہے کہ جب تمام انبیاء کرام خدائے واحد کی تعلیم پیش کرتے تھے، تو جس "خدا" کا نام لیتے تھے، اوس کی صفات کی تشریح بھی تو فرماتے ہوں گے، ذہنِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا تصور اسی صفاتی تشریحات پر مبنی ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر یہ تفصیل و تشریح ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں، تو تصورِ الوہیت بھی مختلف ہو جائے گا، اور یہی اختلافِ تصور ہی تو ہے جس کی بنا پر "خدا پرستوں" میں خود اس قدر اختلاف موجود ہے، اور یہی اختلاف ہے جس کے مٹانے کے لئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے! اور یہ اسی صورت میں مٹ سکتا تھا، کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا ایک ہی تصور ہر حال میں پیش کیا جاتا، اور یہی "لا الٰہ الا ھو" سے مقصود ہے، کہ اوس ایک الٰہ کا صحیح صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے، ورنہ ذات "الٰہ" کا یقین دلانے کی تو بقول حضرت مولانا ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ یہ تو انسانی فطرت کا وجدانی احساس ہے،

بہرکیف حضرت مولانا کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر والے بیان کا مفہوم اگر وہی ہے، جو یہ عاجز سمجھا ہے اور جو اوس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے تو وہ قرآنی تعلیم کے مطابق معلوم نہیں ہوتا، اور اگر اوس کا مفہوم یہ نہیں تو ادائے مطلب میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، کیونکہ اسکی موجودہ شکل میں ایک بہت بڑے شبہہ کا دروازہ کھل رہا ہے، جو اس دورِ مادہ پرستی میں جب کہ عام طبائع کا رجحان پہلے ہی اس طرف جا رہا ہے، کہ نبی کی حیثیت اپنی قوم کے ایک ریفارمر سے زیادہ نہیں ہو سکتی، ایک فتنۂ عظیم برپا کرنے کا موجب بن جائے گا،

(۲)

دوسرا مسئلہ بہت اہم ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تفسیر یا حواشی ترجمہ کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے، تو یہ امر

واضح ہوجاتا ہے کہ دراصل یہی ایک پیغام ہے، جو حضرت مولینا لوگون تک پہنچانا چاہتے ہین، اس پیغام کی تفصیل تو بہت طویل ہے، لیکن اس کا ماحصل یہ ہے، کہ تمام مذاہب عالم اپنے اپنے طریقہ پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور نیک عملی کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان بنائی گئی ہین، وہ اس تعلیم کے منافی ہین، بظاہر یہ اصول مذہب نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے، اور باور ہی نہین کیا جا سکتا کہ اسمین کسی اعتراض کی گنجایش ہوسکتی ہو، لیکن اس اجمال کی تفصیل پر اگر نظر ڈالی جائے، تو اوسکے بہت سے گوشے ایسے نکلین گے جنھین بمشکل سے تسلیم کیا جاسکے گا، بہتر ہے کہ اس تفصیل کو حسب حیثیت مقامات سے خود حضرت مولینا کے الفاظ ہی مین پیش کیا جائے، تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے مین غلطی کا امکان نہ رہے،

تفریق بین الرسل و تحزب و تشیع کے تفصیلات کی بحث کے خاتمہ پر آپ ارشاد فرماتے ہین :-

(خلاصۂ بحث، متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات مین بیان کیا جا سکتا ہے،

(و) اس نے (قرآن نے) صاف لفظون مین اعلان کر دیا، کہ اوسکی دعوت کا مقصد اسکے سوا کچھ نہین ہو کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجائین، وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہین لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہین، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لین، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور اونھون نے مجھے قبول کر لیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے، جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہی،

(ھ) اس نے بتلایا کہ تمھاری مذہبی گروہ بندیون اور اون کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت مین کوئی دخل نہین، یہ گروہ بندیان تمھاری بنائی ہوئی ہین، اور خدا کا ٹھرایا ہوا دین ایک ہی ہے، وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کریگا، اوس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیون مین داخل ہو یا نہ ہو" (ترجمان ص ۱۶۳)

دوسری جگہ فرماتے ہین :-

"اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہین کہ اوس نے (قرآن نے) کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہین کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ

یا نیا اصول قبول کرلے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے"۔ (ترجمان صـ۱۵۴)

سورۂ بقرآیت صـ۱۷۲ کے تشریحی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسیطرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصل شئے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہوجائے" (" صـ۲۲۹)

اسی کے آگے درج ہے" جہاں تک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیئے نہ کہ وسائل کی"

خلاصہ اس بحث کا یہی ٹھہرا کہ نجات کے لیے یہی کافی ہے کہ

۱۔ ایک خدا کی پرستش کیجائے،

۲۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق یا اپنے اپنے مذہبی اعتقاد کے مطابق جس عمل کو نیک سمجھا جائے اوس پر عمل پیرا ہوا جائے، اور

۳۔ حصول مقصد (یعنی کسی خاص "مقام" پر پہنچ جانے کے بعد شریعت کے ظاہری رسوم و احکام کو بھی خواہ چھوڑ دیا جائے،

اور یہ ضروری نہیں کہ :-

(۱) ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے، (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کتب الہیٰ انبیاء کرام آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے، جس شکل میں قرآن نے پیش کیا، اور نبی اکرمؐ نے کرکے دکھایا،)

(۲) احکام و عوامل، اوامر و نواہی میں شریعت محمدی کی ہی پیروی کیجائے اور عبادت و مناسک میں قرآنی احکام کا ہی اتباع کیا جائے،

۳۔ حرام و حلال (کھانے پینے کی پابندیوں) میں قرآن کے فیصلوں کو ہی قول فیصل مانا جائے،

بظاہر یہ تعلیم بڑی نظر فریب اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے، اور اس میں بڑی مفاہمت اور مصالحت کی جھلک نظر پڑتی ہے، کہ جس کی برادری ایک عالمگیر وسعت بداماں ہوگی، اور دنیا میں پھر کوئی اختلاف ونزاع باقی نہ رہیگا، لیکن دیکھنا ہے کہ نجات وسعادت کی یہ شکل قرآنی زاویۂ نگاہ سے کہاں تک واجب التسلیم والعمل ہے، سب سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر یہ تعلیم قابلِ عمل بھی ہو تو کیا اس سے وہ مقصدِ عظیم حاصل ہو سکے گا، جس کے حصول کے لئے حضرت مولینا نے یہ تعلیم تجویز فرمائی ہے، یعنی گروہ بندیوں اور تحزب وتشیع کا وجود فی الواقعہ دنیا سے اوٹھ جائے گا، اس میں شبہہ نہیں، کہ اس تعلیم میں بہت بڑی لچک موجود ہے، اس لئے یہ حلقہ زیادہ کھینچنے سے ٹوٹے گا نہیں، لیکن یہ حلقہ برادری کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوجائے، پھر بھی اس میں ایک "گروہ بندی" کی شکل موجود رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ بندی ایک بہت بڑی گروہ بندی ہوگی، جس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی گروہ بندیاں جذب ہوجائیں گی، لیکن وسعت تحزب" سے عدم تحزب کیسے لازم آجائے گا، گروہ بندی تو بہرحال قائم رہیگی،

وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری ؎ چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی

اسکے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کیا آج صفحۂ ہستی پر کوئی گروہ ایسا بھی موجود ہے، جس کے اصولِ زندگی یا اصول مذہب من وعن وہی ہوں، جو حضرت مولینا نے تجویز فرمائے ہیں، اور اگر کوئی ایسا گروہ موجود ہے تو اس جدت پھر کیا ضرورت، کیوں نہ اُسی حلقہ کو وسیع کیا جائے، اس تلاش کے لئے ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، خود ہمارے ہندوستان میں ایک ایسا گروہ موجود ہے، جس کی تعلیم حرفاً حرفاً وہی ہے، جو حضرت مولانا نے پیش کی ہے، برہمو سماج کے نام سے آج کون واقف نہیں، اس کے بنیادی اصول ہی "خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی" ہیں، لفظ برہما کے معنی ہی ایسا گروہ ہیں جو خدا پرست ہو، ان کی توحید کا عقیدہ جس قدر منزہ عن الشرک ہے اوسکی تفصیل بانی سماج سوامی رام موہن رائے کے سب سے پہلے رسالہ تحفۃ الموحدین میں موجود ہے، اس سماج کے اجتماع کے لئے آج سے قریب ایک سو سال پیشتر جیت پور روڈ پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی، اوسکے TYUSTDEED (وثیقہ وقف) میں یہ عبارت موجود ہے :-

"یہ عمارت اس غرض کے لئے تعمیر کی گئی ہے کہ اوس مین بلا تفریق (مذہب وملت) ہر قسم کے ایسے لوگ جمع ہوا کرین، جنکا باہمی سلوک نہایت شریفانہ ہتین، اور نیک ہو، اور جو بلحاظ مذہبی عقائد کے ساتھ اُس ایک خدا کی پرستش اور تسبیح وتقدیس کے لئے جمع ہوا کرین جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جس کو (عقل انسانی کی) تلاش سے پایا نہین جاسکتا، جو نقائص سے منزہ ہے، جس کی ذات اس عالم موجودات کی خالق اور محافظ ہے، اور جسے اس نام کے علاوہ کسی اور ایسے نام سے مخاطب نہین کیا جاسکتا جو اوس کے علاوہ کسی اور ذات کیلئے یا کسی انسان یا انسانون کی جماعت کیلئے بولا جاتا ہو، اس عمارت مین کسی قسم کا کوئی کندہ کردہ مجسمہ، تصویر، بت، نقاشی کی شکل کوئی انسانی تصویر، یا کوئی ایسی چیز جو ان سے ملتی جلتی ہو، ہرگز داخل نہین کی جائیگی۔

ان کے مذہبی عقائد مین یہ چیزین شامل ہین،

ا۔ خدا واحد کی اور صرف اسی کی پرستش کیجائے، خدا کا کوئی اوتار نہ مانا جائے بت پرستی کی مخالفت کیجائے،

۲۔ صحیفۂ فطرت کو مذہبی اعتقادات کا بنیادی اصول مانا جائے،

۳۔ اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی خاص کتاب پر نہ رکھی جائے لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا جائے،

۴۔ ہر مذہب کے سچے اصولون کو اعتقادی اصول مانا جائے،

۵۔ ظواہر ورسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے، بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے،

وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور سائیکلوپیڈیا، اوف ریلیجنس اینڈ ایتھکس از جیمس ہیسٹنگز)

حضرت مولینا کی تعلیم اور مندرجہ صدر عقائد کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین رکھکر موازنہ فرمالیجئے، ایک حرف کا بھی فرق نظر نہین آئے گا، اب سوال یہ ہے کہ اگر "الدین" اور "الاسلام" ذہی ہے، جو برہمو سماج کہان موجود ہے تو کیون نہ اوسی حلقہ کو زیادہ وسیع کیا جائے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان اصولون کو مانتے ہوئے برہمو سماج پھر بھی ایک علیحدہ گروہ تسلیم کیا جاتا ہے اور اوسے یا کسی اور ایسے ہی گروہ کو وسیع کردینے پر بھی وہ علیحدہ گروہ رہیگا،

اس کے بعد یہ دیکھنا ہی کہ قرآن حکیم مین اوسکے متعلق کیا ارشاد ہے، ہرچند یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم مین تنگ نظری

اور تعصب کی کوئی گنجایش نہین لیکن جو وسعت ومفاہمت اصول وعقائد کی قیمت پر خریدی جائے، قرآن اسکی بھی اجازت نہین دیتا، جہانتک یہ عاجز سمجھا ہی، قرآن کریم کی تعلیم اس ضمن مین یہ ہے کہ

۱۔ تمام انبیاء کرامؑ خدائے تعالی کی طرف سے سچے اصول دین لیکر مبعوث ہوئے تھے،

۲۔ تمام الہامی کتابین خدا کی طرف سے سچی اور برحق تھین،

۳۔ تمام شرایع ومنہاج اپنے اپنے وقت مین واجب العمل اور خدا کا بتایا ہوا سچا راستہ تھین،

لیکن چونکہ الہامی کتابین دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین، شرعی احکام کی صورت انسانی تحریف نے مسخ کر اور کسی حکم وعقیدہ کے متعلق قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہوگیا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے یا انسانی تحریف، نیز احوال وظروف کے بدلنے سے قبی شرایع مین بھی تبدیلی ہوتی گئی، لہذا تمام سابقہ سچائیون کو ایک مجموعہ کی شکل مین "تالیف" کرکے اپنے آخری پیغام کی صورت مین دنیا پر نازل فرمادیا، اور اوسکی حفاظت کا اللہ تعالی نے خود ذمہ لے لیا، (نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون)

لہذا اب نبی اکرمؐ کی بعثت مبارک قرآن کی تنزیل کے بعد، نجات وسعادت کے لئے یہ ضروری ٹھہرا، کہ

۱۔ اللہ تعالی پر ایمان انھی شرائط و پابندیون کے ساتھ وابستہ کیاجائے جو قرآن نے تجویز کی ہین،

اسلئے کہ اللہ کو نہ ماننے والے تو بالکل النادر کالمعدوم ہین جس چیز مین "خدا پرستون" مین اختلاف ہے، وہی قیود وشرائط ہی ہین،

۲۔ محمد رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو عملی زندگی مین خضر راہ بنایا جائی،

اس لئے کہ قرآن اگر نقوش وحروف کی شکل مین ہے تو حضورؐ کی زندگی اوس کا عملی نمونہ ہے اور تعلیم بلا عمل کے سمجھنے مین دقت ہے

(چونکہ بالعموم بعض اوقات اسکے سمجھنے مین غلطی ہوجاتی ہی)

۳۔ عبادت ومناسک، اوامر ونواہی، غرضیکہ تمام عمل واحکام مین شریعت محمدی (یعنی احکام قرآنی) کا اتباع کیاجائے،

اس لئے کہ قرآن خدا کا آخری پیغام ہونیکی وجہ سے اعلی ترین اصول حیات کا حامل ہی، اور ہر شعبۂ زندگی مین بلا لحاظ زمان ومکان بہترین احکام پیش کرتا ہی، اور اعلی کو چھوڑ کر ادنی کی طرف رجوع کرنا کہان کی عقلمندی ہے؟

اس اجمال کی تفصیل اس عاجز کے مضمون "ایمان و عمل" مطبوعہ معارف بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۳ء مین گذر چکی ہی، قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مضمون پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال لین جس سے میرے اس بیان کی تائید بحوالہ آیات قرآنی ہوجائیگی، اس کے علاوہ ذیل کے مقامات کا پیش نظر رکھنا بھی مفید ہوگا، جن کا ترجمہ مین نے ترجمان[۱] القرآن ہی سے نقل کیا ہے، سب سے پہلے "خدا پرستی اور نیک عملی" کی تعلیم کے لئے نبی اکرم ص کی اتباع و اطاعت کے متعلق قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے :-

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ... ... غفور رحیم (آل عمران - ۲۹)

(اے پیغمبر) ان سے کہدو کہ اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمہین چاہئے کہ میری پیروی کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائین بخشدیگا، جو بڑا ہی بخشنے والا، اور رحمت ... [حاشیہ: ... والا]

(حاشیہ از حضرت مولینا :- جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعویدار ہے، تو اوسے چاہئے کہ اللہ کے رسول کی پیروی کرے، اللہ کی محبت کا دعوی اور اوس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل مین جمع نہین ہوسکتے، ترجمان ص ۲۸)

(۲) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول .... (النساء ۶۲)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو،

(حاشیہ: مسلمانون کیلئے اصل دین یہ ہو کہ اللہ کی اطاعت کرین، اللہ کے رسول کی اطاعت کرین، .. پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ مین نزاع پیدا ہوجائے، تو چاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کیطرف رجوع کرین، اور جو فیصلہ ملے اوس کے آگے سر تسلیم خم کردین، ترجمان ص ۳۴)

(۳) وما ارسلنا من رسول الا

(حاشیہ: اور صاف صاف کہدیا ہو کہ جو شخص اللہ کے رسول کے

---

[۱] ان حوالجات مین مین نے اسی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے جہانتک ترجمان القرآن جلد اول طبع ہوکر ہمارے سامنے آچکی ہے

لیطاع باذن اللہ ۔ (النساء ۶۴) ... اور فیصلہ پر یقین نہیں رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہو سکتا، یقین کے لئے صرف یہی کافی نہیں، کہ حکم مان لیا جائے، بلکہ "لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت" ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کی خلاف دل میں کوئی تنگی و خلش بھی محسوس نہ ہو، (ترجمان ص ۲۴۵)

(۴) یا ایھا الناس قد جاءکم رسول بالحق ..... خیرا لکم (النساء ۱۷۰) اے افراد نسل انسانی بلا شبہہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس سچائی کے ساتھ آگیا ہے، (اور اوسکی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمھارے لئے (اسی میں) بہتری ہے۔

تفسیر میں حضرت مولینا خود ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہوہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے، .... اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے" (ص ۱۱۹)

معلوم نہیں جب ایک طرف یہ تعلیم ہو کہ "ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے اور یہ بھی ضروری نہ ہو کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اس قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کر لی جائے، تو رسول اکرمؐ کی پیروی پھر کس بات میں کیجائے،

اسکے بعد قرآن کریم پر ایمان لانے کے متعلق ملاحظہ فرمایئے، یوں تو سارا قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ نجات

وسعادت کے لئے قرآنِ کریم کے احکام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے، لیکن بخوفِ طوالت مین یہان صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہون حضرت مولینا نے فرمایا ہے کہ اصل دین یہ ہی کہ "ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے" لیکن قرآنِ کریم یہ کہتا ہی کہ ایک یہودی وعیسائی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائے، چنانچہ ارشاد ہے:-

وَاِذَا سَمِعُوا ....

محسنین (المائدہ ۸۳-۸۶)

اور جب یہ عیسائی وہ کلام سنتے ہین جو اللہ کے رسول
پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو، کہ اون کی آنکھین
جوشِ گریہ سے بہنے لگتی ہین، کیونکہ اونھون نے
(اس کلام کی) سچائی پہچان لی ہے، اور وہ
(بے اختیار) بول اوٹھتے ہین "خدایا ہم (اس
کلام پر) ایمان لائے، پس ہمین بھی اونھی مین
سے لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہین"
اور (وہ کہتے ہین) ہمین کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر
اور اوس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس
آیا ہے ایمان نہ لائین، اور اللہ سے اس کی
توقع نہ رکھین کہ وہ ہمین نیک کردارون کے
زمرے مین داخل کر دے تو دیکھو خدا نے ان کے
اس کہنے کے صلے مین انھین دنعمت و سرور ابدی
کی جنتین عطا فرمائین جن کے نیچے نہرین بہ رہی
ہین، (اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزان

تھین) وہ ہمیشہ انھین جنتون مین رہینگے اور ایسا

ہی بدلہ ہے جو نیک کردارون کے لئے ٹھہرادیا گیا ہے"

(ترجمان ص ۴۰۵)

ب شرع ومنہاج کا سوال جس کے لئے حضرت مولینا فرماتے ہین کہ اسکی بھی کوئی ضرورت نہین کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کیجائے، سو اول تو قرآن پر ایمان لانے کے معنی ہی یہی ہین کہ اوس کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے، لیکن اصولی طور پر اس کی ضرورت کے متعلق خود حضرت مولینا ماننسخ من آیۃ اوننسہا (۲: ۱۰۰) کے حاشیہ مین تحریر فرماتے ہین :-

"ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوئی، یا "نسیان" کی، "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی، اور اوسکی جگہ دوسری بات آگئی، "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہین یعنی بعض حالتون مین ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل مین موجود تھی، لیکن احوال وظروف بدل گئے تھے، یا اوس کے پیروؤن کی عملی روح معدوم ہوگئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور مین آئے (؟ پرویز) بعض حالتون مین ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہوگئی، اور اصلیت مین سے کچھ باقی نہ رہا، پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی، سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرایع ہو یا نسیان شرایع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے، یا کم از کم اوس کے مانند ہوتی ہے ایسا نہین ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل وارتقاء ہے نہ کہ تنزل وتسفل" ترجمان ص ۲۰۳، ۲۰۴)

مجھ مین نہین آتا کہ جب ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل کر سکتا ہے، تو پھر نسخ شرائع کی کیا ضرورت! اور جب نسیان شرائع کا وجود بھی مانا جاتا ہے، تو ہر گروہ اپنے مذہب کی "حقیقی تعلیم" کو کہا سے ڈھونڈ کر لائے، حیرت اندر حیرت است ومشکل اندر مشکل است،

مین یہان تک لکھ چکا تھا کہ حسن اتفاق سے مجھے خود حضرت مولینا کا ایک سلسلۂ مضامین خاص انہی موضوعات پر مل گیا، جو اونھون نے آج سے قریب ۲۰ سال پیشتر شایع فرمایا تھا، مناسب معلوم ہوا کہ جستہ جستہ

سے اس سلسلہ کی کچھ کڑیاں پیش کر دی جائیں، تاکہ ان شبہات کا خود حضرت مولینا کے الفاظ سے ہی فیصلہ ہو جائے،

۱۹۱۳ء ۱۳۳۱ھ کا ذکر ہے کہ حضرت مولینا نے جماعت "حزب اللہ" کے نام سے ایک تحریک کی بنا ڈالی تھی، اور اس غرض کے لئے اونھوں نے "الہلال" میں "الداء والدواء" کے زیرعنوان کئی متفرق اشاعتوں میں یہ سلسلہ مضامین شائع فرمایا تھا، اس وقت میرے پیش نظر ۲۰ رجون لغایت ۳ ردسمبر ۱۹۱۳ء کے پرچے ہیں، اور ذیل کے اقتباسات انہی پرچوں سے لئے گئے ہیں، یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جماعت حزب اللہ کی بنا حضرت مولینا نے کسی خاص سیاسی یا معاشرتی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے نہیں ڈالی تھی، بلکہ ان کے الفاظ میں وہ عین اسلامی جماعت تھی چنانچہ آغاز تحریک میں وہ اپنے مطلب کو ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں :۔

"بہتر ہے کہ میں اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دوں، میرا مقصود اس صدائے دعوت سے ہے، جو محض آجکل کی مصطلح تحریک اور ایک رسمی آواز ہی نہ ہو، بلکہ اسکی داعی ایک ایسی جماعت ہو جو اپنی زبانوں کی طرح اپنے اعمال کے اندر بھی ایک صدائے دعوت رکھے، جو سر سے پیر تک اس دعوت کا ایک پیکر مجسم ہو، جو دنیا کو اللہ کی طرف بلانے سے پہلے خود اللہ کیلئے ہو چکی ہو، .... اوسکے اندر حقیقت اسلامی کی عملی روح ہو، اوس کا دل جمال الٰہی کا مسکن، اور اس کا چہرہ حسن حقیقت کا حجاب ہو، وہ دنیا کی تمام طاقتوں اور ماسوا اللہ قوتوں سے باغی ہو کر صرف خدائے اسلام کی وفادار اور تابع احکام ہو،"

.... (الہلال ۲ رجولائی ۱۹۱۳ء)

جب کہ میرا اشارہ ایک ایسی جماعت کی طرف ہے تو پھر کیوں متعجب ہوتے ہو۔ کہ اگر میں نے اوسکی صدا، کو صدائے حق، اور اوسکے جمال کو جمال الٰہی کہا، حالانکہ جو نفوس قدسیہ نفس وشیطان کے تسلط کی زنجیروں کو توڑ کر حقیقت اسلامیہ کی محویت وخود فروشی کے مقام کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں یعنی اپنی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ اللہ کے ساتھ بک جاتے ہیں اور ہر طرف سے گردن موڑ کر صرف اوسی قبلۂ ارواح وکعبۂ قلوب کے آگے منہ کر لیتے ہیں، پھر وہ "مسلم" ہوتے ہیں، اور "اسلام" کے معنی گردن کے رکھدینے حوالہ کر دینے اور جھکا دینے کے ہیں، ...." (ایضاً)

پھر اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے،

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان	یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے
.. ..	ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی نصرت
.. ..	فرمائی ہے، پھر وہ انہیں کامیابی و فتحمندی کے ایسے باغوں
.. ..	میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی
.. ..	اور وہ ہمیشہ اوس کا عیش ابدی حاصل کریں گے، یہی
.. ..	وہ خدا کے خاص بندے ہیں جن پر وہ راضی ہے اور وہ خدا
.. .. ..ورضوا عنه (۵۸ : ۲۱)	سے راضی ہیں" (الہلال ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا بارگاہ الٰہی میں انکا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا سے خوش اور راضی ہیں اور خدا اون سے خوش اور راضی ہے، اور یہ انتہا، مراتب عباد اللہ ہے، پھر دائمی نشاط کار و سرور فتحمندی، اور فلاح دارین اوسکا صلہ ہے، لہذا نجات و سعادت کی راہیں اس جماعت پر کھل جائیں گی، اوسکے بعد اس جماعت کا نام تجویز فرماتے ہوئے ارشاد ہے:-

"یہ جماعت "حزب اللہ" کے نام سے موسوم ہوگی، کہ خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے،

"الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" (//)

یہ تو ہوئی گروہ بندی، اب سوال یہ ہے کہ تعین جماعت کے لئے تخاطب میں مسلمانوں کی تخصیص کیوں کی گئی ہے، اور اونمیں وہ کونسا امتیازی تفوق حاصل ہے، جس کی بنا پر یہ شرف و اعتبار اون کے حصہ میں آیا ہے، فرماتے ہیں:-

".. کیونکہ تم کو مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ تمام دنیا تمہارا گلہ ہے اور تم اوس کے چرواہے ہو، یہ تمام انسانی آبادیاں تم کو دی گئی ہیں تاکہ اللہ کی طرف سے تم اون کی حفاظت کرو، اور گرگ ابلیس کے خونخوار حملوں سے اون کو بچاؤ، تم کو بہترین امت اور افضل ترین امم بنایا گیا، تاکہ تم ارض الٰہی کے خدمتگذار ہو، اور تم کو دنیا میں اوس نے اپنی جماعت، اپنی فوج اور قائم مقام قرار دیا، تاکہ اوسکی ہدایت کا علم

صرف تمھارے ہی ہاتھ مین ہو، اور اوس کے تمام بندے اوس کے سایے کے نیچے اگر پناہ لین ....

.... پھر غور کرو کہ کس طرح تمام دنیا کی اصلاح وسعادت کا تمھین ذمہ وار بتایا ہے، اور کہا ہے کہ تم ہی ہو جو اوس کے لئے شاہد ہو سکتے ہو، کیونکہ زمین پر تمھارے سوا اور کوئی نہین جس کے لئے ہمارا رسول شاہد ہو" (الہلال بابت ۲۰ر جولائی ۱۹۱۲ء)

اللہ اللہ کس درجہ بلند مقام ہے، جو جماعت مسلمہ کو عطا فرمایا گیا ہے، اور کس قدر عالی منصب ہے جو انھین ویض کیا گیا ہے کہ تمام افراد نسلِ انسانی کے رشد و ہدایت اور حفاظت وجہانبانی کی ذمہ داری اُن پر ئد کی گئی ہے، اور انھین بہترین امت اور افضل ترین امم قرار دیا گیا ہے، یہ کیون، اس لئے کہ

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا.. .. .. — — — ذالک ھو الفضل الکبیر (۳۰:۲۹)

پھر پچھلی قومون کے بعد ہم نے اپنے بندون مین سے اون لوگون کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار کرلیا، (یعنی مسلمانون کو)...... (رر)

اس کے بعد ان شرائط اور پابندیون کا ذکر ہے جو اس جماعت مین داخل ہونے والون پر عائد کی جائین گی، ں کے لئے جماعت کے تین مدارج متعین کئے گئے تھے پہلا درجہ احساس وایقان کا تھا یعنی ایثار و قربانی کیلئے ین مین ایک تڑپ پیدا کی جائے، اس کے بعد دوسرا درجہ قوتِ عمل کے مظاہرہ کا تھا، اس مین یہ نہین کہا گیا کہ بلا ریف وتخصیص "نیک عملی" کی زندگی کی جائے، بلکہ فرمایا:-

"لیکن اس کے لئے اولین شرط یہ ہوگی کہ داخل ہونے والا امورِ ذیل کی پابندی کا مومنانہ ومخلصانہ عہد کرے، نیز جس قدر زمانہ پہلی جماعت مین بسر کر چکا ہے، اوس کے نتائج اس کے عہد کی صداقت کا یقین دلائین،

۱- تمام احکام شریعت کی، ان کی تمام شرائط وارکان کے ساتھ سچی پابندی کرنا اور از سرتا

یا اپنے تمام اعمال و افعال حیات اور تعلقات و لوازم زندگی میں یکسر پیکر شریعت اور مجسمۂ اسلامیت ہونا،

۲۔ حکم اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت کا بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرنا اور اس طرح اس کے احکام کی عظمت و سطوت اپنے اوپر طاری کر لینا کہ اوس کا ہر حکم فرمان قضا اور اوس کا ہر اشارہ فیصلہ کن جسم و جان ہو.........." (الہلال ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا شریعت محمدی کا اتباع نہایت ضروری ہے، اور یہ اس لئے کہ

"اسلام ایک آخری دین الٰہی تھا، جس نے نہ صرف احکام شریعت میں ہی بلکہ حیات قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اصول دے دئے، اور دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزما لیا جا سکتا ہے، کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں، .... پھر "اتمام نعمت" کا لفظ کہکر بتا دیا، کہ جو اصول اونھیں دئے گئے ہیں وہ چونکہ آخری ہیں اس لئے اعلیٰ ترین بھی ہیں، اور اب ان کے پاس زر و جواہر کی کانیں مہیا ہو گئی ہیں پس اون کو اوروں کے خزف ریزوں پر للچانے کی ضرورت نہیں" (الہلال ۲۰ر جولائی ۱۹۱۳ء)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام سے مراد وہ متفقہ اور مشترکہ سچائی نہیں جو ہر مذہب میں پائی جاتی ہے بلکہ وہ دین الٰہی ہے جس نے احکام شریعت میں بہترین اور آخری اصول مسلمانوں کو دئے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کا "مشترک و متفق" اور بہترین اور اعلیٰ ترین ہونا متضاد ہے،

اس کے بعد مولانا نے اس حقیقت عظمیٰ کا اعلان کہ نبی اکرم صلعم کی تشریف آوری کے بعد احکام اسلا[م] کے علاوہ کوئی تعلیم ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتی، اس قدر واضح، غیر مبہم اور بین الفاظ میں فرمایا ہے، کہ وہ اس بحث کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، اور وہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کی موجودگی میں کسی مزید دلیل و حجت

کی ضرورت باقی نہین رہتی نہ ہی کسی تاویل و تسویل کی گنجائش بعثت نبی اکرم صلعم کے سلسلہ مین حضرت مولینا رقمطراز ہین :-

...... یعنی وہ وجود اعظم و اقدس جس کے لیے دشت حجاز مین ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے خدا کو پکارا ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم - ۲ : ۱۲۱) جس کے نور مبین کی تجلی فاران کی چوٹیون پر موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی، جس کے عشق مین داؤد علیہ السلام نے نغمہ سرائی کی، جس کے جمال الٰہی کی تقدیس مین سلیمان علیہ السلام اپنے تخت جلال پر جھک گیا، جس کی طرف یوحنا علیہ السلام سے پوچھنے والون نے بیقرارانہ اشارہ کیا، اور جس کے لئے ناصرہ کے اسرائیلی نبی علیہ السلام نے اپنا جانا ہی بہتر سمجھا، تا وہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے سفارش کرے، اور اوس کو "جو آنے والا ہے" جلد بھیجدے،، (یوحنا ۱۶:۷)

غرضیکہ جب وہ آنے والا آیا، اور خدا کی زمین آخری مرتبہ سنواری گئی، تا اوس کی ابدی حکومت جلال کا تخت بچھے اور پھر اوس کے فرمان آخری کا اعلان ہوا،

ومن یتبغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین (۳ : ۸۴)	اب سے جو انسان احکام اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا، تو یقین کرو کہ اوس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی، اور اوس کے تمام کامون کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا"

(الہلال بابت ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء)

یہ اقتباسات کسی مزید حاشیہ آرائی و خیال آفرینی کے محتاج نہین، ارباب ذوق خود اندازہ

فرما سکتے ہین، کہ اوس وقت حضرت مولینا کے نزدیک معیار نجات وسعادت وہی تھا، جو انھون نے آج تفسیر و ترجمان القرآن مین پیش کیا ہے، یا وہ جو اس عاجز نے گذارش کیا ہے، اس مین شک نہین، کہ بیس سال کے عرصہ مین احوال وظروف بہت کچھ بدل چکے ہین، لیکن اصول و حقائق تو ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل ہوا کرتے ہین، احوال وظروف کی تبدیلی کا ان پر تو کچھ اثر نہین ہونا چاہئے، لیکن یہان تو یہ مشکل ہے کہ آیات قرآنی تک کے ترجمہ ومفہوم مین فرق پیدا ہو رہا ہے، مندرجۂ بالا آیت قرآنی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا .... الخ کا مفہوم اور ترجمہ ۱۹۱۳ء کا بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے، اب ۱۹۳۲ عیسوی کا مفہوم اور ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائے ارشاد ہے:-

"اور جب وہ (قرآن) کہتا ہے کہ "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہین تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے۔ اور تمام رسولون کی مشترک تعلیم ہے، انسانی مسافت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہین، سورۂ آل عمران مین جہان یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤن کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے، وہین متصلاً یہ بھی کہدیا ہے:-

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین

(۳:۹۴)

اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا تو یاد رکھو اوس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائیگی، اور وہ آخرت مین یہ دیکھے گا، کہ اوسکی جگہ کمانے والون مین نہین، بلکہ نقصان اوٹھانے والون مین ہے" (ترجمان ص ۱۵۸)

"اسلامی احکام" اور "عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ" مین جو بین فرق ہے وہ محتاجِ تشریح نہین مین حضرت مولنا کی خدمت مین بصد احترام و عقیدت عرض کرنیکی جرأت کرتا ہون کہ وہ تھوڑے سے وقت کے لئے ادھر توجہ فرما کر اتنا ارشاد فرمادین کہ اون کے مندرجہ صدر (۱۹۱۳ء) کے خیالات اور آج کے مفہومِ قرآن مین فی الواقعہ کچھ اختلاف ہے یا اس عاجز کی غلط فہمی ہے، اور اگر اختلاف موجود ہے تو اون مین سے کونسا مفہوم صحیح ہے، اگر حضرت مولینا کی گوناگون مصروفیتین اسکی اجازت نہ دین (حالانکہ میرے نزدیک یہ بڑا اہم مسئلہ ہے،) تو کوئی اور صاحبِ علم ہستی اس طرف توجہ فرما کر میرے شکوک رفع فرمادے کہ یہ بہت سے دلون کیلئے موجبِ طمانیت ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم،

قاضی تلمسانی اور اون کے صاحبزادے بہرام جنگ بہادر

از

جناب محمد غوث صاحب، حیدرآباد، دکن،

معارف ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ ۲۹ نمبر ۵ مین "ارکاٹ کا گورغریبان" کے عنوان سے قاضی تلمسانی اور سعادت اللہ خان کی قبرون کے دو کتبے شائع ہوئے تھے، سعادت اللہ خان کا تذکرہ کسی اور موقع پر کیا جائیگا، ہمین ذیل کی سطرون مین قاضی تلمسانی کے حالات سامنے لانے ہین،

قاضی تلمسانی ارکاٹ کی مشہور ریاست خاندانِ والاجاہی سے وابستہ تھے حسنِ اتفاق سے نواب عظیم الدولہ بہادر ولین وظیفہ یاب نواب کرناٹک کے عہد کے چند رجسٹر دستیاب ہوئے ہین جنمین اس عہد کی چند اہم مراسلتین جو مختلف اربابِ اقتدار کے درمیان ہوئی ہین، اور چند وابستگانِ دولت کی عرضیان اور یادداشتین محفوظ ہین، ان رجسٹرون مین سے ایک رجسٹر ۱۸۰۸ء کی مراسلت کا ہے، اس مین قاضی تلمسانی کے فرزند قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر کی بھی ایک عرضی مع متعدد یادداشتون کے نقل کی گئی ہے، یہ عرضی انھون نے ریاست سے منقطع ہونے کے بعد جاگیر کی بحالی کے لیے اربابِ اقتدار کی خدمت مین پیش کی تھی، وہان سے بغرض اظہار رائے نواب صاحب کے حضور مین آئی اور درج رجسٹر ہوئی، اس عرضی مین بہرام جنگ بہادر نے اپنے خدمات کے ماسوا اپنے والد ماجد کے حالات وخدمات کا بھی واضح تذکرہ کیا ہے، جس سے ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے،

قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ اُن کے والد شیخ محمد الانصاری المالکی تلمسان سے جو تونس وطرابلس کے قریب واقع ہے، بہ ارادۂ حج روانہ ہوئے، بعد ادائے فریضۂ حج ہندوستان کی سیاحت

کا ارادہ کیا اور براہ سورت دہلی مین وارد ہوے، محمد شاہ کا زمانۂ سریر آرائی تھا، بادشاہ کو جب اس نووارد مسافر کے کمالات اور علم و فضل کا علم ہوا تو باریابی کی عزت بخشی، اقامتِ دہلی کا امر ہوا اور تولیت و تدریس مدرسۂ بادشاہی کی خدمت کا اعزاز عطا ہوا، چنانچہ فرمان بھی بہ مہر شاہی نافذ ہوا، روز بروز تقرب شاہی زیادہ ہوتا گیا اور خود جہان پناہ کو امورِ جہانبانی سے جب فرصت ملتی تو تجوید کا درس بھی اُن سے حاصل فرماتے، نادر شاہ کی آمد، محمد شاہ کا انتقال، احمد شاہ درانی کا ہنگامہ اور دیگر شاہانِ ہند کی حکمرانی کے واقعات سب اُن کی نظرون کے سامنے گذرے، شیخ کی جو عزت و تکریم محمد شاہ کے عہد مین تھی وہ آخر تک برابر قائم رہی، شاہ عالم نے الہ آباد سے دہلی کا قصد فرمایا تو شیخ نے بڑھاپے کا عذر کرکے مکہ معظمہ کی روانگی کی رخصت حاصل کی اور اسی قصد سے وارد مدراس ہوئے اور نواب والاجاہ بہادر سے خواہش کی کہ ہر سال ریاستِ والاجاہی کی جانب سے جو سرکاری جہاز قافلۂ حجاج کو حجاز لیجاتے ہین ان مین سے کسی مین روانگی کی اجازت عطا کیجائے[1]، لیکن جب نواب والاجاہ بہادر کو قاضی تلمسانی کے علم و فضل کی اطلاع ہوئی، تو انھون نے بڑے اصرار سے شیخ کو اپنے پاس روک لیا، شیخ نے ہرچند رخصت چاہی، لیکن اجازت نہ ملی، پانچ سال تک نواب صاحب نے اپنے پاس مدراس مین روک رکھکر اوقاتِ فرصت مین درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، بعد ازان بہ کمال اصرار خدمتِ قضاء صوبہ ارکاٹ پر مامور کیا، نواب والاجاہ بہادر اور ان کے فرزند نواب امیر الامراء بہادر تکریم و تعظیم کے ساتھ عنایت نامہ جات لکھا کرتے، خدمت پر دو سال پورے ہوے تھے کہ نواب حیدر علی خان بہادر نے ہنگامہ برپا کر دیا، اسی ہنگامہ مین ہر علاقہ دار سرکاری ارکاٹ سے روانہ ہوگیا، صرف قاضی صاحب ارکاٹ مین رہ گئے اور اس وقت بے معاشی اور قحط سالی کے عالم مین ہر قسم کی تکلیف برداشت کرکے حقِ رفاقت اور خیر خواہی ادا کیا، نواب حیدر علی خان بہادر کے انتقال کے بعد ملک کرناٹک اربابِ کمپنی کے تحتِ اقتدار آگیا، لارڈ جارج مکارٹنی

---

[1] نواب والاجاہ بہادر نے ریاست کی جانب سے دو جہاز تیار کرائے تھے جو ہر سال حجاج کو لاتے اور لیجاتے تھے، ایک جہاز کا نام "سفینۃ اللہ" تھا، ان جہازون اور نیز مصارف حرمین و حجاج کیلئے نواب صاحبؒ جتنی بندرگاہون کی آمدنی "وقف" کردی تھی ۱۲

گورنر مدراس کو قاضی صاحب کا حال معلوم ہوا تو بتوجہ خاص خدمتِ سابقہ پر مع جاگیر و مشاہرہ بحال رکھا گیا، ہالی برٹن صاحب ارکاٹ مین آئے تو قاضی صاحب کی خدمت مین خود حاضر ہوے، قاضی صاحب نے پھر سفر حج کے لئے رخصت کی خواہش ظاہر کی، لیکن اجازت نہین ملی، بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

" ایشان (ہالی برٹن صاحب) اصلا قبول نہ کردند و جواب دادند کہ لارڈ صاحب ہرگز صاحب را نخواہند گذاشت، بودن صاحب درین شہر موجب برکت است "

لارڈ جارج مکارٹنی اور ہالی برٹن صاحب پوری تعظیم و تکریم سے خطوط لکھا کرتے تھے،

ارباب کمپنی نے ملک کو جب دوبارہ نواب والاجاہ بہادر کو تفویض کیا تو اس وقت قاضی صاحب انتقال کر چکے تھے[1]، اس وقت بہرام جنگ بہادر اور ان کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر دونون نوجوان تھے، علاوہ برین دو چھوٹے فرزند اور بھی تھے، اس لئے نواب صاحب نے خدمتِ قضا پر دوسرے شخص کو مامور کر دیا، لیکن جاگیر مشروطی خدمت بنام متعلقان بلا شرط خدمت جاری کر دی، اور دونون بڑے بھائیون کو ارکاٹ اور دوسرے مقامات مین مناسب خدمات پر مقرر کیا،

اپنی عرضی اور یادداشتون مین اپنے والد کی ان خدمات و حالات کا ذکر کرنے کے بعد بہرام جنگ بہادر نے اپنی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے، چونکہ واقعات دلچسپ ہین، اس لئے اسی سلسلہ مین وہ بھی درج ذیل ہین،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ ارباب کمپنی کے حکم سے ملک سرکار پھر ضبطی مین آگیا تو وہ ارکاٹ

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ مرض کی حالت مین خود نواب والاجاہ بہادر اپنے دونون فرزند نواب عمدۃ الامراء بہادر اور نواب امیر الامراء بہادر کے ساتھ عیادت کے لئے گئے، نواب صاحب نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ اب کیا خواہش ہے؟ قاضی صاحب نے آہستہ آہستہ کچھ کہا، دونون فرزندون نے نواب صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ قاضی صاحب اپنے بچون کو حضور کے سپرد کرتے ہین، یہ سنکر قاضی صاحب اٹھکر بیٹھے اور " لا واللہ لا واللہ " کہنے لگے اور کہا مین اپنے بچون کو خدا کے سپرد کرتا ہون (بیان کردہ مولوی عبدالرحمن صاحب منتظم مدرسہ محمدی مدراس جو فی الحقیقت اپنے خاندان مین ضبط تحریر مین نہ آئی ہوئی تاریخی روایتون کے لئے مرجع اور سند ہین) ۱۲

سے مدراس چلے آئے، نواب والاجاہ بہادر نے سرداری فوج کے عہدہ پر مامور فرمایا، کچھ عرصہ کے بعد ملک پھر واپس ہوا تو بہرام جنگ بہادر کا مرتبہ روز بروز زیادہ ہوتا گیا، بخشی گری افواج، صدر الصدوری کرناٹک اور اور تیر سامانی کے مراتب پر سرفرازی ہوئی، داروغگی باغات شاہی اور داروغگی نیاز و پیشکش کے خاص خدمات بھی سپرد ہوے، جاگیر و خطابات سے بھی سربلندی حاصل ہوئی،

مارکویس کارنوالس نے سلطان شہید میسور سے مقابلہ کے بعد بوقت صلح بطور یرغمال سلطان شہید کے دو فرزند حاصل کئے، مدراس مین ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا، مارکویس کارنوالس نے دونون صاحبزادون کی نواب والاجاہ بہادر سے ملاقات کرائی اور ظاہر کیا کہ فی الحقیقت ارباب کمپنی اور سلطان میسور مین مصالحت اور دوستی ہو چکی ہے، بنابرین نواب والاجاہ بہادر کے لیے بھی رفع کدورت مناسب ہے، ان دونون فرزندون کے حال پہ شفقت بزرگانہ سے بالخصوص مہربانی کرنی چاہیئے اور یہ کہ ان فرزندون پر جو بھی نظر عنایت ہوگی وہ خود مارکویس کارنوالس کی ذات کے لیے متصور ہوگی،

دونون فرزندون اور غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان کی خدمت مین مراسم دوستی کی تجدید کی غرض سے آمد و رفت کے لیے بہرام جنگ بہادر کو باطلاع مارکویس کارنوالس مامور کیا گیا اور ہدایا و تحایف، خلعت و جواہر کے رسل و رسائل سے روابط اتحاد کا سلسلہ شروع ہوا، بہرام جنگ بہادر کے ساتھ اکثر اوقات مسٹر ڈفلٹن بھی شریک مجلس رہتے تھے،

نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے جو جو خاص پیغام بھیجے تھے وہ یہ ہین،

۱- فی الوقت انگریزون اور فرانسیسیون مین نفاق پیدا ہو گیا ہے، فرانس مین خانہ جنگی برپا ہے، فرانس کی خرابی کے لیے سات قومون نے کمر باندھی ہے، کچھ دن مین خبر آتی ہے کہ فرانس کا سارا ملک دوسرون کے تصرف مین آگیا، انگریزی لشکر آج کل مین مدراس سے پانڈیچری روانہ ہوتا ہے، پانڈیچری مین بلاشبہہ فوج موجود ہے، لیکن فساد خانگی کی وجہ سے سب فوج اسیر ہو رہے گی، غرض اس پیام سے یہ ہے

کہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان کا وکیل جو پانڈی چری مین رہتا ہے سلطان کی خدمت مین مدد طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہے، اسی قصد سے وہ روانہ میسور ہوا ہے، یقین ہے کہ سلطان سب نشیب و فراز پر غور کرینگے، اس وقت کسی قسم کی کمک عمل مین نہ آنی چاہئے، وکیل کو چند روز روک رکھا جائے، تحریر رسل و رسائل بھی موقوف رہے کہ موجب صلاح دولت ہے، بلاشبہہ سلطان کو اہل فرانس سے رابطۂ قدیم ہے، لیکن اب مقتضائے وقت اور ہے، برائے خدا اس پیام سے کوئی اور امر نہ خیال کرلیا جائے، صرف خیر خواہی منظور ہے،

۲۔ سابق مین فی مابین جو کدورت پیدا ہوگئی تھی وہ بہ فضل الٰہی اب بالکل دور ہوگئی، اگر دل مین ذرہ برابر بھی عناد ہو تو مسلمان نہین ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی اسی طرح صفائی کلی کا یقین ہے،

۳۔ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اپنے دو کلا مرہٹون کے پاس روانہ کئے ہین اور مرہٹون سے موافقت کا خیال پیدا ہوا ہے، پونہ مین جو مدبر انگریز ہین انھون نے اس واقعہ سے صاحبان حکومت کو مطلع کیا ہے، کہین ایسا نہ ہو کہ لارڈ کارنوالس کو کوئی شبہہ پیدا ہو جائے، کسی دوسرے کے اعتماد پر لارڈ کارنوالس کے معاہدہ کے خلاف کسی دوسرے پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے، اگر دوسرے اس کے خلاف کرین تو تہمت ان پر آئے گا، معاہدۂ مذکور کو موجب قیام دولت خیال کرنا چاہئے،

۴۔ کل عید کا دن ہے، نور چشمون کو دیکھنے کے لیے دل بہت چاہتا ہے، اگر مرضی نور چشمان ہو تو ملاقات کے لیے سواری آئیگی،

اس طرح بسا مرتبہ صرف خیریت دریافت کرنے کے لئے بہرام جنگ بہادر کو روانہ کیا جاتا بعض وقت ارشاد ہوتا کہ استادون کو کہکر تدریس سے چھٹی دلائی جائے کہ بچون کو اس سے بہت خوشی ہوتی ہے،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان نے چند مرتبہ سلطان کی جانب سے یہ پیغام نواب والا جاہ بہادر کو کہلایا کہ سلطان کی یہ کمال خواہش ہےکہ ان دونون



صاحبزادوں کی نسبت نواب والاجاہ بہادر کی صاحبزادیوں سے عمل میں آئے، دونون وکلانے اپنی طرف سے یہانتک بھی کہ [illegible] بیگم ہاے معتبر کے بطن سے بھی نہ ہون تو بھی کوئی مضائقہ نہین، نواب والاجاہ بہادرنے جواب دیاکہ اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے صاحبزادیون کی کمسنی کے باوجود ان کی نسبتین اہل قرابت مین پہلے ہی قرار پاچکی ہین، اوراب ان کی شادیان بھی یکے بعد دیگرے ہورہی ہین،

نواب والاجاہ بہادر کی مرضی تھی کہ ٹیپو سلطان کی صاحبزادی کی نسبت اپنے فرزند حسین نواز خان کے ساتھ قرار پائے، اس بارہ مین باہمی استمزاج بھی ہوا لیکن آخرالامر نواب صاحب نے اس کو مناسب نہ جان کر خیال ترک کردیا،

ایک مرتبہ نواب والاجاہ بہادرنے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے ہردو وکلائے سلطان کو کہلا بھیجا کہ "چیزے مخفی" بالمشافہ خلوت مین کہنا ہے، دونون صاحب ملکر مسجد دیکھنے آئین، جو مدراس مین جدید تعمیر ہوئی ہے، وہان اپنے لڑکے نواب عمدۃ الامرا کو روانہ کیا جائیگا، چنانچہ دونون وکلا مسجد دیکھنے کے بہانے سے آئے، نواب عمدۃ الامرا بہادر بھی وہان آئے اور ملاقات عمل مین آئی، جو گفتگو ہوئی اس سے بہرام جنگ بہادر اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہین،

سلطان شہید کے دونون فرزند مدراس سے روانہ ہوے، نواب والاجاہ بہادرنے خلعت وجواہر ہاتھی بطور محبت وارتباط عنایت کئے، سلطان شہید نے اپنی شکر گذاری ظاہر کی اور غلام علی خان نے بہرام جنگ بہادر کو خط شکر گذاری روانہ کیا،

بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"نیازمند مدت شش سال درحضور نواب والاجاہ بہ کمال دیانت وراستی ومحبت شبانہ روزے سرانجام خدمات مفوضہ خودنمودہ، ودیگر امورات سرکار یعنی سوال وجواب صاحبان حکومت ودیگر صاحبان انگریز کہ معرفت نواب عمدۃ الامراء بود، نواب والاجاہ درمیان خود ونواب عمدۃ الامرا

نیازمند را واسطہ سوال وجواب مذکورہ داشتہ بودند آن را نیز بخوبی ودرستی تمام بتقدیم رسانیدند از ابتدائے گورنری سرچارلس روکلی صاحب وجنرل منروس بہادر وہنگام تشریف فرمائی مارکویس کنواس بہادر در استقرار قرارنامہ ہا، کوئیس کنواس بہادر واوقات گورنری لارڈ ہوبرٹ بہادر بسا سوال وجواب متعلقہ اہل حکومت معرفت عمدۃ الامراء بوساطت خود نزد نواب والاجاہ بخیر و خوبی وصلاح طرفین بعمل آورد۔

نواب والاجاہ بہادر کے انتقال کے بعد نواب عمدۃ الامراء بہادر کے عہد میں بھی بہرام جنگ بہادر کے اعزاز ومراتب حسب سابق باقی رہے اور خدمات مفوضہ بہ خیرخواہی وبدرستی سرانجام پاتے رہے، نواب عمدۃ الامراء بہادر کو کمپنی کے قرضہ وغیرہ کی ادائی کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی تو بہرام جنگ بہادر کے ذریعہ اُن کے نام اور تمسک سے بعض انگریزوں یا دوسرے ساہوکاروں سے قرضہ حاصل کیا جاتا، چنانچہ نواب عمدۃ الامراء بہادر کے انتقال کے وقت بہرام جنگ بہادر کے ذمہ ۳۳ ہزار ہون قرضہ سرکاری باقی تھا اور اُن کے بھائی حافظ احمد خان عظیم یار جنگ کے ذمہ ۳۸ ہزار ہون[1]،

نواب عمدۃ الامراء بہادر مرض الموت سے فرش ہو گئے، بہرام جنگ بہادر شب وروز ڈیوڑھی پر حاضر رہتے، نواب صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے نجیب خان بہادر اور تقی علی خان بہادر کو اپنے ۱۸ سالہ فرزند محمد علی حسین خان تاج الامراء بہادر کی نیابت اور اعانت پر مامور کیا تھا اور بہرام جنگ بہادر کو ہر وقت پاس رہ کر حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا،

صاحبانِ حکومت نے نواب تاج الامراء بہادر کو مسندِ حکومت سے محروم کر دیا اور نواب عظیم الدولہ بہادر کو وظیفہ یاب نواب کی حیثیت میں مسند نشین کیا، بہرام جنگ بہادر سوال وجواب کے آخر تک نواب تاج الامراء بہادر کے پاس رہے تاآنکہ کرنل میکنل نے انھیں حکم بھیجا کہ "بخانہ خود بروند" اور اسی پر بہرام جنگ بہادر خانہ نشین ہو گئے۔

[1] ایک ہون کے ڈھائی روپے ہوتے ہیں

بہادر خانہ نشین ہو گئے،

بعد ازاں بہرام جنگ بہادر سے نواب عظیم الدولہ بہادر نے بار ہا خواہش کی کہ وہ دربار میں حاضر ہوں، بالآخر ایک معتمد علیہ کے ذریعہ سے ان کے دربار میں باریابی ہوئی نواب صاحب نے ان کی مرہونہ جائداد چھوڑا دینے کا وعدہ کیا، ڈیڑھ ماہ تک بہرام جنگ بہادر نے نواب صاحب کے کاروبار انجام دئیے، بہرام جنگ کے خلاف صاحبان حکومت کو شبہہ پیدا ہو گیا تھا۔ نواب صاحب کو بھی ان کے خلاف سمجھا دیا گیا، اس لئے پھر ان کو دربار میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا،

بہرام جنگ بہادر نے اپنی درخواست الفاظ ذیل پر ختم کی ہے :-

"بعد نظم و نسق صاحبان حکومت در کرناٹک جاگیرات اکثر مردم اجرا یافتند مگر جاگیر نیازمند کہ در چندین حقوق از سرکار یافتہ بود جاری نہ گردیدہ، سہ صد و پنجاہ ہون در ماہہ بنام نیازمند مقرر شدہ چون معاملہ قرض مستر لتور کہ اصل مع سود ہیجدہ ہزار ہون شدہ باداے چہار ہزار چہار صد ہون سالانہ فیصلہ یافت بہ لاچاری در دبست زر ماہوار مذکور بہ موصی الیہ رسانیدن مقرر نمودہ نیازمند با خاندان کثیر از فروختن ہمگی اسباب و سرانجام خانہ و اسپان سواری وغیرہ بہ کمال تکلیف شب را بہ روز و روز را بہ شب می رساند حالا مع خاندان خود از تصدیعات جان بلب رسیدہ، باظہار حالات خود پرداخت، از بزرگی و ترحم و انصاف عمیم کہ خاصہ قوم عظیم الشان انگریز است با ہزاران امید خواہان انصاف و ترحم است، اگر از روے عدالت و انصاف و شرع با تجربہ کار صاحبان انگریز تقصیر بر نیازمند ثابت شود بسزاے آن حاضر است و در صورت بے تقصیری بہمہ وجوہ امید دارد کہ بزرگی و ترحم و انصاف این قوم باوفا نخواہد پسندید کہ باوجود چندین حقوق از جاگیر خود محروم ماند و در دست قرض خواہان سرکار گرفتار و از تکالیف اخراجات مع توابع کثیرہ ہلاک باشد، ترحم و انصاف ضرور۔"

اس کے بعد چار ماہ کے اندر اندر ان کا انتقال ہو گیا،

شیخ محمد تلمسانی کے دوسرے فرزند حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر اپنی مسجد کی وجہ سے مدراس مین آج بھی مشہور ہین، وہ اپنے عہد مین مدراس مین ریاضیات کے مسلم الثبوت ماہر تھے، ریاضی مین ان کی ضخیم فارسی تصانیف اس وقت بعض کتب خانون کی زینت ہین،

معارف:- حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر کی ایک کتاب ریاضیات مین فارسی زبان مین مرآۃ العالم کے نام سے جو ۱۲۶۳ھ کی لکھی ہوئی ہے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین موجود ہے، (فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۸۲۰)

طبقات الامم

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی جس مین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی وادبی تصانیف اور علوم وفنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جونا گڈھی نے اس کو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جا بجا حاشیون مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت عہ

دنیائے اسلام اور خلافت

موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام وبقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد وجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین،

قیمت ۶ر ضخامت ۵۰ صفحے،

"منیجر"

شیخ سعدی کا تخلص سعد کے نام پر ہے

(۲)

از مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس پٹنہ،

شیخ کا نام مشرف الدین بعض نے شرف الدین بعض نے مصلح الدین لکھا ہے، شیخ نے صرف اپنا تخلص اپنے نام کے عوض لکھا ہے، کہین اپنا نام نہین لکھا، اہل کمال ہمیشہ اپنے لقب سے اور شعرا اپنے تخلص سے مشہور ہوتے ہین، عنصری، فردوسی، منوچہری، نظامی، انوری وغیرہ وغیرہ کا نام کوئی جانتا نہین، یہ سب اپنے تخلص سے شہرۂ آفاق ہوے، اسی طرح شیخ بھی اپنے تخلص سے مشہور ہین، ان کے نسب کا حال کسی کتاب سے مجھکو نہین ملا' اکثر اہل کمال باوجود عالی نسب ہونے کے اپنے نسب کو ہضماً للنفس بیان نہین کرتے نہ اس کا فخر کرتے، شیخ نے بھی کہین اس کا اظہار نہین کیا، مگر گمان غالب بلکہ یقین یہ ہے کہ عربی النسل تھے، ان کا ایک شعر عربی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے،

شاید کہ بپادشہ بگوئید ترک تو بریخت خون تاجیک

تاجیک اصل مین تازیک ہے جو عربی عجم مین آکر رہ گیا، اس کی اولاد کو اہل عجم تازیک کہتے تھے، اسی بنا پر شیخ نے آپ کو تاجیک کہا ہے،

ان کے خاندان کے لوگ عالم و فاضل تھے، فرماتے ہین،

ہمہ قبیلۂ من عالمان دین بودند مرا معلم عشق تو شاعری آموخت

ان کے والد بزرگوار ان پر نہایت مہربان تھے، ہمیشہ ان کو ساتھ رکھتے تھے، ایک بار یہ اپنے والد کیساتھ

عید کے دن باہر نکلے اس وقت یہ بہت بچے تھے اس حکایت کو بوستان مین یون بیان کیا ہے :-

همی یاد دارم ز عهدِ صغر　　　که عیدے برون آمدم با پدر

بہ بازیچہ مشغول مردم شدم　　　وز آشوبِ خلق از پدر گم شدم

برآوردم از هول و دهشت خروش　　　پدر ناگهانم بمالید گوش

که اے شوخ چشم آخرت چند بار　　　بگفتم که دستم ز دامن مدار

بہ تنہا نداند شدن طفلِ خرد　　　که مشکل توان راه نا دیده برد

تو هم طفل راهی بسعی اے فقیر　　　برو دامنِ نیک مردان بگیر

ان کے والد بڑے مدبر آئینِ تربیت و اخلاق کے بڑے ماہر تھے، روک ٹوک کیساتھ ان کی طبیعت کی شگفتگی و دلچسپی کا بھی خیال رکھتے تھے کہ بشاشت تربیت کی روح ہے، استاد کو شاگرد کی طبیعت کا بھی خیال رکھنا ضرور ہوتا ہے، ان کے لیے لوح و دفتر خرید کئے تو ان کو ایک انگوٹھی سونے کی عنایت کی، اس زمانہ مین بھی یہ بہت کم سن تھے، فرماتے ہین :-

ز عهدِ پدر یاد دارم همی　　　که بارانِ رحمت برو هر دمی

که در خردیم لوح و دفتر خرید　　　ز بهرم یکے خاتمِ زر خرید

بدر کرد ناگه یکے مشتری　　　بخرمائے از دستم انگشتری

شیخ اپنے والد کی صحبت مین زہد و عبادت کی طرف بہت مائل تھے، اپنے والد کے ساتھ راتون کو اٹھکر عبادت کرتے، گلستان مین ہے :-

"یاد دارم کہ در ایام طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مولع زہد و پرہیز، تا شبے در خدمتِ پدر نشستہ بودم و ہمہ شب دیدہ برہم نزدہ و مصحف مجید در کنار گرفتہ و طائفہ گرد ما خفتہ" الخ　(باب دوم)

بوستان مین فرماتے ہین :-

بطفلی درم رغبت روزہ خواست　　ندانستمے چپ کدام ست و راست

مگر افسوس کہ شیخ کی کمسنی مین ان کے والد کا انتقال ہوگیا، اپنی یتیمی کا حال بوستان مین یون لکھتے ہین:۔

من آنگہ سر تاجور داشتم　　کہ سر در کنار پدر داشتم،

اگر بر وجودم نشستے مگس　　پریشان شدے خاطر چند کس

کنون گر بزندان برندم اسیر　　نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از درد طفلان خبر　　کہ در طفلی از سر برفتم پدر

گلستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جوانی تک شیراز مین رہے،

"وقتے بجہل جوانی بانگ بر مادر بر زدم، دل آزردہ بکنجے نشست و گریان ہمی گفت مگر ایام خردی فراموش کردی کہ درشتی می کنی،" الخ (باب ششم)

قرین قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ شیراز سے باہر جانے کے پہلے کا ہوگا، ورنہ عقل قبول نہین کرتی کہ عالم اور صوفی ہوکر جب شیراز واپس آئے ہونگے تب ایسی گستاخی کی ہوگی،

شیراز علم و دانش مین ہمیشہ سے شہرۂ آفاق تھا اس شہر کا لقب دار العلم تھا ان کے خاندان مین سب عالم و فاضل تھے، باپ کمسنی ہی مین مر چکے تھے، ماں نے لاڈ پیار سے پالا ہوگا، ابتدائی تعلیم اپنے گھر مین پائی ہوگی پھر بغداد گئے ہونگے اس زمانہ مین بغداد ایسا تھا جیسا اس زمانہ مین لندن، پیرس یا برلن، بغداد پہنچکر مدرسۂ نظامیہ مین داخل ہوئے، مدرسہ سے وظیفہ مقرر ہوا، چونکہ نہایت ذہین و طباع تھے، مزاج مین غیر معمولی جرأت و ہمت تھی، علم و تحقیق کا شوق فطری تھا، طالب العلمون سے بحث و تکرار خوب رہتی تھی، فرماتے ہین:۔

مرا در نظامیہ ادرار بود　　شب و روز در بحث و تکرار بود

مر استاد را گفتم اے پر خرد　　فلان یار بر من حسد می برد

چو من داد معنی و ہم در حدیث　　بر آید بہم اندرون خبیث

بغداد وغیرہ عراق عرب وبلاد شام وافریقہ مین زیادہ حصہ ایام جوانی کا بلکہ زندگانی کا صرف ہوا گلستان
بوستان وغیرہ مین جو حکایتین خاص آپ بیتی لکھی ہین وہ اکثر اسی علاقہ کی ہین، دوسرے ملکون جیسے ہندوستان
ترکستان وغیرہ کی بھی ہین مگر کم ہین، ممالک اسلامیہ عراق وبلاد شام مین نہایت عزت کے ساتھ رہتے تھے، باوجود
عجمی (یعنی عجم مین پیدایش وبود وباش) ہونے کے ممالک عربیہ مین تبلیغ ووعظ کہتے اہل عرب گوش دل سے سنتے
ملوک عرب ان کی خدمت مین حاضر ہوکر طالب دعا ہوتے، یہ اُن کو نصیحت کرتے چونکہ سیاحی کا دائرہ بہت وسیع
تھا، سیر وسیاحت مین مختلف حالتین اُن پر گذرتین، عہد صلیبی مین قید فرنگ کی مصیبت جھیلی، کبھی پانون مین جوتے
نہین تو ننگے پاؤن پھرے، کبھی معتکف ہوکر گوشہ نشین ہوے، کبھی قاضی کی مجلس مین علمی مباحثہ مین شریک ہوکر
اپنے حسن تقریر سے داد فصاحت وبلاغت دی اور علماے مجلس پر غالب ہوے، کبھی ہندوستان مین آئے
تو سومنات کے مندر مین رہے، کبھی صوفیون کے حلقہ مین رہے، مجلس سماع مین شریک رہے، ان کے زمانہ مین
بڑے بڑے اکابر ہر فن کے موجود تھے، غالباً سب سے ان سے ملاقاتین رہی ہونگی، مگر کسی کا نام نہین لکھا، اپنے
اساتذہ مین سے صرف علامہ ابن جوزی کا نام لکھا ہے جن کا ذکر گلستان مین ہے، اپنے پیر کا بھی نام لکھا ہے فرماتے ہین:

مرا پیر دانا ے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روی آب
یکے آنکہ برغیر بدبین مباش دگر آنکہ برخویش خودبین مباش

ان دو بزرگون کے سوا اور کسی کا نام نہین لکھا ہے جس سے ان سے ملاقات ہونے کا یقین کیا جائے
حضرت غوث الاعظم کے متعلق اوپر لکھا جاچکا ہے یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ کس ملک مین کتنی بار آمد ورفت کا اتفاق
ہوا مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد شیخ نے گھر کی طرف رخ کیا، جب گھر پہنچے ہین تو اس وقت ابوبکر
بن سعد زنگی بادشاہ تھا، آپ نے یہ قطعہ کہا جس مین مجمل طور پر گویا تمام دنیا کی سیر کا مختصر ذکر کردیا ہے، وہ قطعہ یہ ہے:

وجودم بہ تنگ آمد از جور تنگی شدم در سفر روزگارے درنگی
جہان زیر پے چون سکندر بریدم چو یاجوج بگذشتم از سد سنگی

چو باز آمدم کشور آسوده دیدم — ز گرگان بدر رفته آن تیز چنگی

خطا ماہرویان چو مشک تتاری — سر زلف خوبان چو درع فرنگی

بنام ایزد آباد و پر ناز و نعمت — پلنگان رہا کردہ خوے پلنگی

چون مردے چون ملک نیک محضر — برون لشکرے چون ہزبران جنگی

بگفتم کہ این کشور آسودہ کے شد — کسے گفت سعدی چہ شوریدہ رنگی

چنان بود در عہد اول کہ دیدی — جہانے پر آشوب و تشویش و تنگی

چنین شد در ایام سلطان عادل — اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

یہ تو معلوم نہین ہو سکتا کہ ابوبکر بن سعد زنگی کے زمانہ مین کب شیخ شیراز پہنچے تھے، لیکن ان کے کلام اور اس زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد کی تباہی کے بعد بھی شیراز آئے ہین، بغداد کی تسخیر کے ارادہ سے ہلاکو خان اوائل محرم ۶۵۵ھ مین لاؤ لشکر کے ساتھ چلا ہے، یہ اس وقت کہان تھے؟ اس کا پتہ نہین لگتا لیکن بوستان انھون نے ماہ ذیقعدہ ۶۵۵ھ مین تمام کی ابتدا مین شیراز آنے کا حال لکھا ہے، ابوبکر کی مدح بھی ہے، اس لیے یقین کرنا پڑے گا کہ ۶۵۵ھ کے ماہ ذیقعدہ مین وہ اپنے شہر مین تھے، اس مین ایک شعر ابوبکر بن سعد کی تعریف مین ہے، جس سے پایا جاتا ہے کہ ہلاکو اور ابوبکر بن سعد مین اتفاق ہو گیا ہے، ابوبکر نے روپے اور تحائف بھیجکر اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے، اس سبب سے ہلاکو نے ابوبکر بن سعد کے ممالک مقبوضہ کو ہاتھ نہین لگایا، یہ حالات تو کتب تاریخ سے معلوم ہوتے ہین، شیخ نے صرف اس شعر مین اشارہ کر دیا ہے، کہتے ہین، ؎

ترا سد یاجوج کفر از زر است — نہ روئین چو دیوار اسکندر است

مطلب یہ کہ سکندر نے لوہے کی دیوار بنا کر لوگون کو یاجوج سے بچایا تھا تو نے یاجوج کفر (یعنی چنگیزی کفار کے بادشاہ ہلاکو) سے بچایا ہے، فی الحقیقہ عام مسلمان امرا، علما، صلحا اور اشراف کے لیے مامن و ملجا صرف شیراز تھا، یا ہندوستان، مگر ہندوستان بہت دور تھا، عام مسلمان شیراز وغیرہ ممالک زیر حکومت ابوبکر بن سعد زنگی مین

پناہ لیتے تھے، شیخ نے اسی وجہ سے تعریف کی ہے، الغرض یہ ٹھیک پتہ نہین لگ سکتا کہ شیخ کس زمانہ مین کہان رہے، بوستان کے بعد گلستان ۶۵۶ھ مین لکھی، ان دونون کتابون کے تمام کرنے کے وقت وہ یقیناً شیراز مین تھے لیکن شیخ نے عربی مین قصیدہ بغداد کی تباہی پر لکھا ہے، اس سے یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ بغداد کی تباہی یعنی تاتاریون کے حملہ کے وقت وہ بغداد مین یا اسی طرف کے کسی شہر یا قریہ مین رہے ہونگے، مرثیہ کے اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر خود اس کی بربادی دیکھ رہا ہے، اس وقت بغداد وغیرہ کی دردناک حالت کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ شیخ بوستان اور گلستان لکھنے وقت یعنی ۶۵۵ھ اور ۶۵۶ھ کے درمیان کب تک کہان رہے، بہرحال یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ اپنی دونون مشہور و مقبول تصنیف کے وقت وہ اپنے وطن شیراز مین تھے، اور حملۂ تاتاری کے وقت وہ بغداد مین یا اس کے قرب وجوار مین تھے، اسکا ماننا تو ضرور ہے کہ سیر و سفر مین مدتین گذر جاتی تھین، تب یہ واپس گھر کے طرف رخ کرتے تھے، بوستان مین شاطر سپاہانی کی حکایت ہے، اس کے چند شعر لکھتا ہون، جس مین سے کچھ ان کے سفر و واپسی و امتدادِ زمانہ کا حال قیاس مین آسکتا ہے، وہ اشعار یہ مین،

مرا در سپاہان یکے یار بود — کہ جنگ آور و شوخ و عیار بود
مدامش بخون دست و خنجر خضاب — بر آتش دل خصم از و چون کباب
ندیدمش روزے کہ ترکش نہ بست — ز پولاد پیکانش آتش نہ جست
بدعوی چو او ناوک انداختے — عدو را دو تن از یک انداختے
نہ مردی او را نہ در مردمی — دوم در جہان کس شنید آدمی
مرا یک دم از دست نگذاشتے — کہ با ما راست طبعان سر داشتے
سفرناگہم زان زمین در ربود — کہ بیشم دران بقعہ روزی نبود
قضا نقل کرد از عراقم بشام — خوش آمد دران خاک پاکم مقام

دگر پر شد از شام پیمانہ ام کشید آرزومندی خانہ ام
شبے سر فرو برد اندیشہ ام بدل بر گذشت آن ہنر پیشہ ام
نمک ریش دیرینہ ام تازہ کرد کہ بودم نمک خوردہ از دست مرد
بدیدار وے در سپاہان شدم بمہرش طلبگار و خواہان شدم
جوان دیدم از گردش چرخ پیر خدنگش کمان ارغوانش زریر
چو کوہے سفیدش سراز برف موی روان آبش از برف پیری بروی
بدر کردہ گیتی غرور از سرش سر ناتوانی بزانو برش
بدو گفتم اے سرور شیر گیر چہ فرسودہ گشتی چو روباہ پیر
بخندید کز روز جنگ تتر بدر کردم آن جنگجوئی زسر الخ

اس حکایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اپنے بہادر جنگجو دوست کو پہلی ملاقات کے وقت جوان دیکھ چکے تھے جب اصفہان سے شام آئے تو اتنے زمانۂ دراز کے بعد شام سے گھر کی طرف لوٹے اور رستہ مین اصفہان پہنچکر اپنے دوست سے ملاقات کی ہے کہ اس وقت ان کے دوست از کار رفتہ بڈھے پھوس ہوگئے تھے اور ان سے جنگ تاتار کا حال بیان کیا، جس مین وہ خود شریک ہوے تھے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اس زمانہ مین بلادِ شام مین تھے، کہ وہان سے واپسی مین جنگ کے حالات ان کو اپنے دوست سے معلوم ہوے جو اس پر گذرے تھے،

ایک موقع پر وہ شیراز گئے ہین تو ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار لکھے جاتے ہین، پورا قطعہ کلیات مین موجود ہے،

سعدی اینک بقدم رفت و بسر باز آمد مفتیِ ملتِ اربابِ نظر باز آمد
تو مپندار کہ آشفتگی از سر بنہاد باز بیہوشی و مستی بخبر باز آمد

ل بخویشتن و خاطر شور انگیزش همچنان یادگی و تن بحضر باز آمد

ما لہا رفت مگر عقل و سکون آموزد تا چہ آموخت کزان شیفتہ تر باز آمد

ہ کہ چون تشنہ دیدار عزیزان می بود گوئیا آب حیاتش بجگر باز آمد

اک شیراز ہمیشہ گل سیراب دہد لاجرم بلبل خوشگوے دگر باز آمد

الش از شام بشیراز بخسرو مانست کہ باندیشہ شیرین ز شکر باز آمد

و العجب بود کہ نفسے بمرادے برسید فلک خیرہ کش از جور مگر باز آمد

خیر عمر مین برابر قیام شیراز مین رہا ہوگا، سلطان محمد خان شہید نے دو بار شیخ کی خدمت مین آدمی
یخ شیراز سے ہندوستان مین تشریف لا کر قیام فرمائین، مگر شیخ نے دونون بار ضعفِ پیری کا
آنے سے انکار کیا،

شیراز مین گھر بنایا تھا تو یہ قطعہ لکھا،

حقیقت است کہ دنیا سراے عاریت است براے نشستن و برخاستن نفر ماید

من این مقام نہ از بہرِ آن بنا کردم کہ پنج روزہ بقا اعتماد را نشاید

بلے بنیت آن تا چو رخت بر بندم بجاے من دگرے ہمچنین بیاساید

وزین قدر نہ گریزست مرغ و ماہی را بقدر خویش حقیر آشیانہ شاید

سراے دام ہمالیست نیک بختان را بود کہ در ہمہ عمرت یکے بدام آید

بسا کسا کہ گرش در بروے بکشائی سعادت ابدت در بروے بکشاید

حلال نیست کہ صورت کنند بر دیوار کہ رد شرع بود زر و خلل بیفزاید

خلاف عہد زمان بے خلاف معلوم است کہ ہیچ چیز نہ بخشد کہ باز بر باید

گر اہل معرفتی دل مبند بر دنیا کہ دوستی ست کہ با دوستان نمی پاید

ہمین نصیحت سعدی آب زر بنویس　　که خانه راکس ازین خوب تر نیارائید

شادی ان کی رئیسِ حلب کی دختر سے ہوئی تھی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، پھر اس کی مفارقت کے بعد دوسری شادی کی یا نہین، اس زمانہ مین بہت کم تجرد کا رواج تھا، پھر شادی ضرور کی ہوگی، بوستان مین ایک جگہ عورتون کا ذکر و مذمت کرکے فرماتے ہین،

تو ہم جور بینی و بارش کشی　　اگر یک زمان در کنارش کشی

یمن کے شہر صنعا مین لڑکا ان کا مرگیا تو ان کو اس کا ایسا غم ہوا کہ ہوش جاتا رہا، غایتِ اضطراب مین اسکی قبر کا پتھر اوکھیڑ ڈالا، اس سے یقین ہوتا ہے کہ رئیس حلب کی دختر کے سوا اور بھی بیوی کی ہوگی، پچاس برس کا زمانہ گذرا کہ موضع نگرنہسہ ضلع پٹنہ مین ایک ایرانی مع اپنی ایرانی بیوی کے اگر مقیم رہے، وہین انکا انتقال ہوگیا، وہ اپنے کو شیخ کی نسل سے کہتے تھے،

شیخ کی طبیعت مین جوش اور بے باکی کے ساتھ خودداری و پرہیزگاری اعلیٰ درجہ پر تھی، ایام جوانی کی بعض نقلین اپنی نہایت صفائی سے لکھی ہین، ان سے یہ خصائل حمیدہ صاف ظاہر ہوتے ہین، ایک حکایت اپنی اس طرح شروع کی ہے،

"در عنفوانِ جوانی چنانکہ افتد و دانی با شاہدے سرے و سرے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیب الادا و خلقے کالبدر اذا بدا، . . . . اتفاقاً بخلاف طبع از وے حرکتے بدیدم ناپسندیدم

دامن از و در کشیدم و مہرہ مہر برچیدم و گفتم ع

برو ہر چہ می بایدت پیش گیر　　سرِ ما نداری سرِ خویش گیر الخ (باب پنجم)

اگر شائبہ ہوا و ہوس کا ہوتا تو اس کی ایک حرکت سے اتنا خفا نہ ہوتے کہ دوستی ترک کر دیتے،

دوسری حکایت یہ ہے:۔

"رفیقے داشتم کہ سالہا باہم سفر کردہ بودیم و نمک خوردہ و حقوقِ نعمت بیکران ثابت شدہ

آخر بسبب اندکے نفع آزار خاطر من روا داشت و دوستی سپری شد و با این ہمہ از ہر دو طرف دلبستگی بود،، الخ

ان دونون حکایتون سے ظاہر ہے کہ دوستی کے پکّے تھے، سچی محبت کیساتھ خودداری تھی، مگر دوسرون کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا نہ تھا غالبًا یہی وجہ تھی کہ باوجود شہرت و عظمت کے کہ کسی شاعر کو نصیب نہین ہوئی اور شوقِ سفر و سیاحت کے کہ بہت کم سیاح شیخ کے برابر گذرے ہین، عام لوگون سے ملتے جلتے کم تھے، خود فرماتے ہین،

بگویند ازین حرف گیران ہزار — کہ سعدی نہ اہل ست و آمیزگار
روا باشد ار پوستینم درند — کہ طاقت ندارم کہ مغزم برند

شیخ نے اپنی عمر مین عجائب و غرائبِ عالم و انقلابِ روزگار بہت دیکھے، ان سب مین فتنۂ چنگیز سب سے بڑا انقلاب تھا، اس نے ممالکِ اسلامیہ کو جو تمدن و علم کے منبع و مرکز تھے سب کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی آگ نے تر و خشک سب جلا دیا، شیخ کا شہر شیراز بھی گردشِ آسمانی سے نہ بچ سکا، خاندانِ سلغریہ کی تباہی کے بعد تاتاری حکومت شیراز مین بھی ہو گئی، مگر شیخ کی عظمت چنگیزیون کے دل مین تھی، شیراز کے حاکم کو جو چنگیزی تھا، ایک نصیحت نامہ لکھا ہے، جو شیخ کی کلّیات مین موجود ہے، معلوم ہوتا ہے وہ خود شیخ سے نصیحت سننے کا خواہشمند تھا، شیخ نے اس کی ارادت و عقیدت دیکھکر اس کے نام سے قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہین،

جہان سالار عادل انکیانو — سپہدار عراق و ترک و دیلم
کہ روز بزم بر تختِ کیانی — فریدون ست و روز رزم رستم
چنین پند از پدر نشنیدہ باشی — الا گر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص — چنان زی در میانِ خلقِ عالم

کہ گر رفتے مقام پادشاہت نباشد ہم چنان باشی مکرم

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ سخن ملکیت سعدی را مسلم

چنگیز خان اور اسکی اولاد کی سلطنت مین یہ عجیب بات تھی کہ اس کی سلطنت مین علما و فضلائے اہل اسلام بڑے بڑے عہدون پر تھے، شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم تھے، دار و مدار سلطنت کا ان پر تھا، ان کے چھوٹے بھائی علاؤ الدین عطا ملک بغداد وغیرہ عراق عرب کے گورنر تھے، ان دونون بھائیون کی بدولت اہل علم و ہنر کی حالت درست ہوگئی، یہ دونون بڑے عالم و شاعر، ہنر دوست، علم پرور، صاحب جود و کرم تھے، ان دونون بھائیون کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار شمس الدین صاحب دیوان نے شیخ کو خط لکھا اسمین پانچ سوال کیے یہ پانچون سوال انکے جواب ذیل مین لکھے جاتے ہین،

صاحب دیوان نے پانچ سو دینار اور ایک دستار بھی شیخ کو بھیجی تھی، صاحب دیوان کا ملازم جب چلا اور اصفہان پہنچا تو اس نے ڈیڑھ سو دینار لیکر کسی تاجر کے پاس رکھدیئے، شیراز پہنچکر شیخ کے حضور مین خط اور تین سو پچاس دینار رکھدیئے، شیخ کو خط کے مضمون سے حال معلوم ہوگیا، نوکر سے کہا کہ کل آؤ تو جواب دونگا، اب صاحب دیوان کے پانچون سوال لکھتا ہون،

سوال اوّل، دیو بہتر یا آدمی، سوال دوم مرا دشمنے ہست کہ با من دوست نمی گردد، سوال سوم، حاجی بہتر یا غیر حاجی، سوال چہارم علوی فاضل تر یا عامی، سوال پنجم، آنکہ بدست دارندہ خط و دستارے از برائے آن پدر می رسد و پانصد دینار از برائے علوفۂ مرغان آن را قبول فرمایند

جواب از شیخ سعدی

شرائف اوقات فرزند عزیز دام بقائہ، بوظائف طاعات و خیرات آراستہ باد،

ای کہ پرسیدیم از حال بنی آدم و دیو من جوابیت بگویم کہ دل از کف ببرد

دیو بگریزد از ان قوم کہ قرآن خوانند آدمی زادہ نگہ دار کہ قرآن ببرد

دوسرے سوال کا جواب

اولین باب تربیت پندست دویمین توبہ خانہ و بندست

سیومین توبہ و پشیمانی ست چارمین شرط وعہد وسوگندست

پنجمین گردنش بزن کہ خبیث بقضاے بد آرزومندست

تیسرے سوال کا جواب

یا ذا العجب پیادہ عاج چون عرصۂ شطرنج بسر می برد فرزین می شود یعنی بہ از ان میشود

کہ بود، و پیادہ حاج بادیہ می پیماید و بتر از ان میشود کہ بود،

از من بگوی حاجی مردم گزاے را کو پوستین خلق بآزار می درد

حاجی تو نیستی شترست از براے آنکہ بے چارہ خار می خورد و بار می برد

چوتھے سوال کا جواب

بعمر خویش ندیدم جز این چنین علوی کہ خمر می خورد و کعبتین می بازد

بروز حشر ہمی ترسم از رسول خدا کہ از شفاعت ایشان بما نپردازد

پانچوان جواب دستار و زر کے بارہ میں،

خواجہ تشریفم فرستادی و مال مالت افزون باد و خصمت پائمال

ہر بدیناریت سالے عمر باد تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

جب یہ جوابات صاحبِ دیوان کو ملے تو انھون نے غلام کی تنبیہ کی کہ ایسا تو نے کیون کیا، اس نے کہا کہ آپ خروار خرا ور اشرفی شیخ کو بھیجتے تھے، وہ قبول نہین کرتے تھے، یہ اشرفیان تو علوفۂ مرغان کے لئے تھین، مین نے اپنے کو مرغ کے مقابلہ مین سمجھکر ایک سو پچاس دینار لے لیے، صاحب دیوان نے اپنے بھائی کو بھیجا، اور ایک چک خواجہ جلال الدین ختنی کے نام دس ہزار دینار کی حوالہ کی کہ ان سے اشرفیان لیکر شیخ کی خدمت مین پیش کرین، اور معذرت کرین، حسب اتفاق ان کے شیراز پہنچنے کے چھ دن پہلے خواجہ جلال الدین

کا انتقال ہو گیا تھا، شیخ کو جب یہ حال معلوم ہو گیا تو چند شعر لکھکر بھیجدئے، جب صاحب دیوان کو یہ حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ پچاس ہزار دینار تھیلیوں میں رکھیں اور شیخ کی خدمت میں لے جائیں اور سپارش کریں کہ ان اشرفیوں سے شیراز میں آیندہ روند کے لیے ایک بقعہ بنائیں، شیخ نے بہت اصرار و قسم دینے پر یہ اشرفیاں قبول کیں اور اس سے رباط قلعہ فہندر کے نیچے بنوائی،

علامہ مرزا قزوینی نے تاریخ جہان کشاے جوینی کو نہایت محنت و جگر کاوی و جانفشانی سے چند نسخوں سے مقابلہ کرکے نہایت صحت کیساتھ چھپوایا ہے اس سے ان کی غزارتِ علمی و تبحرِ تاریخی و استحضارِ اشعارِ عرب و قوانین ادب ظاہر و باہر ہے، تاریخ جہانکشا کے مقدمہ میں ان واقعات سے انکار کیا ہے، اس کے ساتھ اس واقعہ سے بھی انکار کیا ہے کہ اباقا خان کے سامنے صاحب دیوان نے شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور شیخ کے ہاتھ پاؤں پر بوسے دیئے، اور ان کے اصرار پر اباقا خان سے شیخ نے ملاقات کی، اور شیخ نے اس کو نصیحت کی اور اشعار نصیحت آمیز پڑھے، علامہ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:-

"بعقیدہ این ضعیف آثار وضع کلاً و بعضاً بر وجنات احوال این دو حکایت لائح است، و در ہر صورت خالی از مبالغہ و اغراق نیست، و مخصوصاً پنجاہ ہزار دینار فرستادن صاحب دیوان برائے سعدی و سوگند دادن و شفاعت نمودن برائے قبول آن و از اسپ پیادہ شدن وے و برادرش در حضور اباقا خان و سر در قدم شیخ مالیدن و بوسہ بر دست و پاے دادن تا اندازۂ منافات دارد با لہجۂ سوال و تقاضاے کہ غالباً سعدی در قصائد خود در مدح این دو برادر بکار می برد، مثلاً این بیت در خطاب علاؤ الدین،

توکوہ جودی و من درمیان ورطۂ فقر   مگر بشرط اقبالت او فتم بکران،

و این ابیات در خطاب ہمو (یعنی علاؤ الدین صاحب دیوان)

علی الخصوص کہ سعدی مجال قرب تو یافت   حقیقت است کہ ذکرش مع الزمان ماند

تو نیز غایت امکان از و دریغ مدار　　که آن نماند و این ذکر جاودان ماند

واین بیت درخطاب شمس الدین جوینی،

یقینُ قلبیَ انی انال منک غنًی　　ولا یزال یقینی من الهوان یقین

ونحو ذالک وہمچنین درخطاب اباقاخان بادشاہ مغول بت پرست گفتن کہ

وگرنہ راعی خلق ست زہرمارش باد　　کہ ہرچہ می خورد او جزیہ مسلمانیست

بغایت مستبعدست واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

علامۂ موصوف کے تعجب وانکار کی وجہ ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شیخ خود طلب کرتے تھے (یعنی مدحیہ اشعار مین ان کے حسن طلب پایا جاتا ہے) تو ایسی حالت مین شیخ سے انکار و بار بار اصرار وقسم پر تزور کے قبول کی روایت غیر معقول ہے، مین کہتا ہون کہ حسنِ طلب تو ضرور پایا جاتا ہے مگر یہ حسنِ طلب معمولی شاعری پیشہ لوگون کی طرح نہین ہے، جنکا ذریعۂ معاش صرف شاعری و مدح سرائی اغنیا و ملوک ہے، بلکہ ان مین جو غیرت دار تھے وہ بادشاہ تک کی پروا نہین کرتے تھے، فردوسی کو ان کے دوستون نے کہا کہ وزیر سے ملا کرو تو انھون نے کہا

سوے در وزیر چرا ملتفت شوم　　چون فارغم زبارگہ بادشاہ نیز

پھر ایسے شعرا جنکا شمار عرفاے کاملین مین ہے ان سے ابتذال و دریوزہ گری کیونکر ممکن ہے، لیکن بادشاہ امرا ان کی خدمت کو اپنی سعادت جانتے تھے اور اصرار کرکے اپنی نذر کو قبول کراتے تھے، یہ لوگ بھی جب شعر کہتے تو عام شعرا کی طرح ایک آدھ شعر یا دوچار اس قسم کی کہدیتے تھے، خواجہ نظامی عزلت نشینی مین مشہور ہین، خود فرماتے ہین،

ہمہ را بر روم فرستادی　　من نمی خواستم تو می دادی

مگر مدحیہ اشعار اسی طرح کہتے ہین، جس طرح عام شعراے وظیفہ خوار و دنیا دار کہتے، تعریف مین آسمان

زمین کے قلابے ملاتے، اس کی سینکڑون مثالین کتبِ تاریخ مین موجود ہین، اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ شیخ کے اور اشعار کیسے ہین، ان کا طرزِ عمل کیا تھا، ان کو تو اغنیا و ملوک کی صحبت سے سخت نفرت تھی، ان کا بادشاہ ابوبکر جس کی مدح دونون کتابون مین موجود ہے، اور فی الحقیقہ اس وقت کے بادشاہون مین بہت اچھا تھا، اسکے ہان بھی شیخ بہت کم جاتے تھے، الغرض شیخ کے اشعار حسن طلب کو صرف اوپری دل سے حسب دستور شعرا تسلیم کرنا چاہیے، ان کے قصائد کو بغور پڑھا جائے تو میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، علاؤالدین جوینی صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس مین فرماتے ہین ؎

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے   من این تحکم نفرستادمے بخوزستان

پھر دوسرے بھائی شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم کے شان مین فرماتے ہین،

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے   کہ زہرہ داشت کہ دیبا برد بقسطنطین

ان شعرون سے ظاہر ہے کہ ابتدا اخلاق و تواضع کی صاحب دیوان کے طرف سے ہوئی تھی اور یہ دستور اسلاف کا تھا اور راقم السطور کے عنفوانِ شباب کے زمانہ تک گاہ گاہ اس کی مثال مل جاتی تھی کہ جب کوئی اہل علم مین سے درجۂ امارت سلطنت پر پہنچ جاتا تھا، تو چاہتا تھا کہ اور علما و فضلا مین سے جو گردشِ روزگار سے مجبور ہین ان کی خدمت کیجائے اور اگر وہ قبول کرین تو سلطنت کے طرف سے ان کے لائق عہدہ دیا جائے، جس سے علم کی شان بڑھے، اور سلطنت کے کام بھی نکلین، خصوصًا جو عزلت نشین ہین، اور مطلق توجہ دنیا کے امور کے طرف نہین کرتے اور کسی سے کچھ لینا بھی عار سمجھتے، ان کی خدمت مین یہ امرا حاضر ہو کر دست بستہ عرض کرتے اور بہت الحاح و اصرار پر نذر قبول کراتے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگون کا نام نیک البتہ زندہ ہے، میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ یہی حال دونون صاحب دیوان کا تھا، یہ دونون اپنے وقت کے برمکی تھے جس طرح برامکہ کی فیاضی، علم دوستی، اور جود و کرم مشہور تھا، اسیطرح ان دونون کی خوبیان اس زمانہ مین مشہور تھین، الغرض ان دونون بھائیون کی قدرشناسی و عقیدت جو شیخ کے ساتھ تھی اس نے شیخ کو مجبور کیا تھا، ورنہ شیخ کو

کسی کی پروا نہین تھی، علاؤ الدین صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے، اس کے دو تین شعر لکھتا ہون جن سے شیخ کی طبیعت کا اندازہ ملے گا، فرماتے ہین،

بخاک پاے تو گفتم ہمین غیر مکفر — کزان زمان کہ بدانستم از یسار یمین را
براے حاجت دنیا طمع بخلق نبردم — کہ تنگ چشم تحمل کند عذاب مہین را
تو قدر فضل شناسی کہ اہل فضلی و دانش — شبہ فروش چہ داند بہاے در ثمین را

پچاس ہزار اشرفیان بھیجنے کی روایت یقیناً صحیح معلوم ہوتی ہے، اس روایت کو وضعی و جعلی سمجھنے کے دو سبب ہو سکتے ہین، ایک تو یہ کہ صاحب دیوان شمس الدین جوینی کو اتنا مقدور نہ ہو کہ وہ یہ زر خطیر شیخ کے پاس بھیج سکتے، یا صاحب دیوان کو بخل اتنا ہو کہ کسی کو کچھ نہ دیتے ہون، سو یہ دونون گمان غلط ہے، یہ دونون بھائی سلاطین مغول کے وزیر و مشیر تھے، مغلون کے برابر کوئی سلطنت قوت و شوکت و دولت مین نہین تھی، جاگیر و انعام و عہدہ کی بدولت یہ دونون بھی بڑے امیر و دولتمند تھے، اس کے ساتھ بڑے عالم و فاضل و شاعر تھے، ان کا دستور تھا کہ جب کوئی عالم کتاب تصنیف کر کے پیش کرتا تو ایک ہزار اشرفی انعام دیا جاتا، بہت علمان نے کتابین لکھین، انعام ایک ہزار فی کتاب پایا، علاؤ الدین عطا ملک جوینی نے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جس کا مبدأ شہر انبار تھا، اس نہر کے کنارے ایک سو پچاس دیہات آباد کئے، غرض ان دونون بھائیون کی فیاضیان خوبیان اتنی ہین کہ یہ دونون اپنے وقت کے برامکہ تھے، ملک العلما علامہ نصیر الدین طوسی نے بھی کتاب انکے نام کے ساتھ معنون کی تھی، یہ دونون اسلام و اہل اسلام علی الخصوص اہل علم و ہنر کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھے، شیخ نے اپنے قصائد مین جو مدح کی ہے وہ مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونون کے شان مین جو قصائد ہین وہ بہتر قصائد ہین، اس لیے اشرفیان بھیجنے کی روایت غلط نہین ہو سکتی، ہان اس کی تردید ممکن تھی کہ قلعہ قہندز کے پاس جو رباط بنانے کی حکایت علی بن احمد جامع کلیات شیخ نے لکھی ہے، اس کا وجود نہ ہوتا مگر اس کے وجود کا علامہ میرزا محمد قزوینی نے انکار نہین کیا، نہ کسی اور مصنف نے انکار کیا ہے، اس لیے یقین کرنا چاہیئے کہ صاحب

دیوان نے پچاس ہزار اشرفیان بھیجین، اور شیخ نے قبول کین، اور عمارت (رباط) بنوائی ورنہ شیخ کے پاس اتنا مال کہان سے آتا، نہ جاگیردار تھے، نہ منصب دار جس کی وجہ سے وہ بنواتے عمارت کے وجود کی توثیق علامہ محمد بن بطوطہ مغربی کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے وہ اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین،

ومن المشاهد بخارج شیراز قبر الشیخ	شیراز سے باہر مزارون مین شیخ سعدی کی قبر ہے
الصالح المعروف بالسعدی وکان	وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے شاعر زبان
اشعر اهل زمانه باللسان الفارسی	فارسی کے تھے، اور کبھی اپنے فارسی کلام مین عربی
وربما المع فی کلامه بالعربی و	اشعار بھی ملا دیتے تھے، ان کی خانقاہ جسکو
له زاویة کان قد عمرها بذلك	انھون نے بنایا ہے بہت خوبصورت ہے، اس کے
الموضع حسنة بداخلها بستان	اندر خوش نما باغ ہے، یہ خانقاہ نہر رکن آباد
ملیح وهی بقرب رأس النهر الکبیر	کے قریب ہے، شیخ نے وہان پر سنگ مرمر کے
المعروف برکن اباد وقد صنع الشیخ	چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے کو بنائے
هنالك احواضا صغارا من المرمر	ہین، لوگ شہر سے ان کی زیارت کو جاتے ہین،
لغسل الثیاب فیخرج الناس من	اور ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے ہین،
المدینة لزیارته ویاکلون من	اور نہر سے کپڑے دھوتے ہین، اور لوٹ
سماطه ویغسلون ثیابهم بذلك	آتے ہین، اسی طرح مین نے بھی کیا، خدا ان
النهر وینصرفون وکذلك فعلت	پر رحمت کرے،
عنده رحمه الله صفحہ ۱۲۹	

رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر،

محمد بن بطوطہ شیخ کے انتقال کے چھتیس سال بعد شیراز پہنچے تھے، انھون نے شیراز کی بہت تعریف کی ہو، اس

سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقہ شیخ سعدی نے جو شیراز کی تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، نہر رکن آباد کی تعریف خواجہ حافظ کے پہلے شیخ سعدی نے کی تھی ابن بطوطہ اس کے بارے مین لکھتے ہین،

احدھا النہر المعروف برکن اباد وھو	ایک نہر رکن آباد کے نام سے مشہور ہے اسکا
عذب الماء شدید البرودۃ فی	پانی میٹھا ہے، گرمی مین بہت ٹھنڈا اور
الصیف سخن فی الشتاء صفحہ ۱۲۱	جاڑون مین گرم رہتا ہے،

اس سے بڑھکر پانی کی کیا تعریف ہوسکتی ہے،

اب رہا یہ کہ صاحب دیوان نے شیخ کی تعظیم معمول سے زیادہ کی اور بادشاہ اباقا خان کے سامنے کی اس پر بھی شک کرنے کی کوئی وجہ نہین، کیونکہ مغول بادشاہ باوجود بے دین و بت پرست ہونے کے اکابر اہل اسلام کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، ہر شخص مذہب مین آزاد تھا، ابتدا مین عام مسلمانون کی بھی بڑی قدر کرتے تھے، چنگیز خان کے قانون مین مسلمانون کا قصاص (دیت) چالیس بالشت اور ختائیون کا ایک دراز گوش تھا، اسی سے قیاس کرلینا چاہیے کہ کرورون مسلمانون کو غرقاب فنا کرنے کے بعد بھی اتنی عزت مسلمانون کی چنگیزیون کی نظر مین تھی، سیکڑون اہل علم و فن ان کی سرکار مین اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، ان مین علاؤالدین عطا ملک صاحب دیوان والی بغداد و عراق عرب تھے، انھون نے بغداد کی ایسی رونق بڑھائی جو متاخرین خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بھی نہین تھی، انھون نے اپنی تاریخ جہانکشا مین چنگیز خان کا حال لکھا ہے اسمین لکھتے ہین:-

"دران وقت کہ اوائل حالت او بود و قبائل مغول بدو منضم شد رسوم ذمیمہ کہ معہود آن طوائف بود ست و درمیان ایشان متعارف رفع کرد، وانچہ از راہ عقل محمود باشد از عادات پسندیدہ وضع نہاد و ازان احکام بسیار آنست کہ موافق شریعت است" صفحہ ۲۱۸،

سلاطین مغول کے حالات مین لکھتے ہین:-

"و بالتقلد مذاہب (یعنی اسلام و بت پرستی و نصرانیت و آبائی مذہب) بیشتر از اظہار تعصب دور باشند و ازانچہ

یاساے چنگیز خان ست کہ ہمہ طوائف را یکے شناسند و بر یکدگر فرق نہ نہند عدول نجویند" صفحہ ۱۸ و ۱۹

اوکتای خان قاآن جو چنگیز خان کا بیٹا اور اس کے بعد تخت پر بیٹھا اور بڑا بادشاہ ہوا، اسکے حال مین لکھتے ہین:

"و بامید رافت و رحمت او ہر سرے دل بر جان نہاد و انچہ از بقایاے شمشیر باقی ماندہ بودند در ربقۂ حیات و مہاد امان بماندالو بہ دین محمدی تا اقصاے دیار کفر و بلاد شرک کہ بوے اسلام بدماغ ایشان نرسیدہ بود انداختند و در محاذات معابد اوثان مشاہد رحمٰن ساختند" صفحہ ۱۵۹ جلد اول،

اسی بادشاہ کو کسی شہزادہ نے چند چیزین تحفہ کے طور پر بھیجی تھین، ان مین ایک لعل بھی تھا جو اس کو اپنے آبا و اجداد سے پہنچا تھا، اس لعل کے متعلق کتاب مذکور مین لکھتے ہین:۔

"نقش محمد رسول اللہ بالا نوشتہ و نام پدران او بہ ترتیب در نشیب آن مہر کردہ حکاکان را فرمود تا نام محمدی بر قرار از جہت تبرک و تیمن بگزاشتند و نام سلاطین حک کردند و نام قاآن در آخر نام پیغامبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نقر کردند و نام مرسل آن" (صفحہ ۱۶۵)

ان سب روایتون سے جو نہایت موثق ہین ظاہر ہوتا ہے کہ چنگیزی سارے ممالک اسلامیہ کو ویران کرنے کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کی طرف رغبت کرنے لگے، اور اسلام اور بانی اسلام کی عظمت ان لوگون کے دلون مین پہلے سے جاگزین تھی، تو خیال کرنا چاہئے کہ جب چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی قاآن کا یہ حال تھا تو پھر ابا قا خان جو چنگیز خان کا پڑوتا تھا، اس کے وقت مین بہت سی خوبیان اسلام کی مغلون مین پھیل گئی ہون گی، اور رجحان اسلام کی طرف روز افزون چنگیز خان ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا، یہان تک کہ بعض لوگون نے چنگیز خان کے ایک بیٹے کو مسلمان لکھا ہے، تو اگر شیخ سعدی نے ابا قا خان کو مسلمان بادشاہون کی طرح مخاطب کیا تو کونسی تعجب کی بات ہے، درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا بڑا کارنامہ ہے کہ جس قوم نے کروڑون مسلمانون اور سینکڑون اسلامی شہرون کو غارت کیا، اسی قوم کو مسلمانون نے اپنی حکمت عملی اور اثر سے مسلمان بنا لیا،

قدیم ہندوستان اور شرابخوری

از

جناب سید فرید جعفری مچھلی شہری،

قدیم ہندوستان کی تاریخ پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے، کہ یہ تحقیقی طور پر نہیں کہا جا سکتا، کہ شراب خواری ہندوستان مین کب سے جاری ہوئی، جسقدر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہی، تحقیق کیلیئے آسانیان بہم ہوتی جاتی ہین، پردہ اٹھتا جاتا ہی، اور قدیم تحریرات کے ذریعہ سے بہت کچھ روشنی اس مسئلہ پر پڑتی جاتی ہی، کالیداس جو ۵۰۰ء کا سب سے بڑا سنسکرت کا شاعر تھا، اپنے کلام مین جا بجا دوستون کو آپس مین شراب تقسیم کرنے کا ذکر کرتا ہے ہسٹروت ایک جگہ لکھتے ہین، کہ ہمین "شکنتلا" سے معلوم ہوتا ہے، کہ بھٹی خانے اوس وقت موجود تھے، اور اس مین نیچی ذات کے لوگ کثرت سے جاتے تھے، اور اوسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلی جماعت کے لوگ بھی شراب سے نا آشنا نہ تھے، "بھراتی" (جس کا زمانہ ۵۰۰ء ہی) نے شراب کی لطافت پر ایک قصیدہ لکھا ہی، اور کالیداس نے اکثر جگہ بعض حالات کے ضمن مین یہ بھی لکھا ہے، کہ عورتون کے منہ سے شراب کی بو آتی تھی، اور "رگھونسا" مین آجا کے دلدوز نالون کے سلسلے مین اوس کی معشوقہ کی شراب نوشی کی کیفیت بھی کھینچی ہے،

"مارکنڈے یا چاندنی مین درگا دیوی اسور سے کہتی ہے "اے احمق ذرا ٹھہر! مین اپنی شراب تو ختم کر لون"

تانترا ز مین جن کو تقریبًا وید کا درجہ دیا جاتا ہے، اور جو الہامی کتاب سمجھی جاتی ہے، حسب ذیل عبارت ہے،

"مہا دیو دیوتا نے اپنی بیوی پربتی کو اپنا راز دار بنا کر یہ کہا کہ "اے میری پیاری! برہمن کی نجات شراب پینے پر ہے اے دیوی بلا شراب پیئے تو مذہب کو نہین سمجھ سکتی، اسلیئے ایک برہمن کو شراب پینا چاہیئے" شراب خواری صرف آریہ قوم

کی خصوصیت نہ تھی، بلکہ اناریون مین بھی اوس کا اثر بہت کچھ پہنچ گیا تھا، اور وہ فی الواقع شرابی ہوگئے تھے، اور چونکہ ان مین تعلیم و تربیت کی کمی تھی، اور اون کی سوسائٹی ادنیٰ درجہ کی تھی اس لئے اون مین جب شراب خواری جاری ہوئی، تو اوس کا ترک کرنا ان کے لئے "امر محال" ٹھہرا، اور یہی وجہ ہے کہ آج تک اون مین شراب کے استعمال کی کثرت ہے، اپنی نجات کے لئے اُن کا "نعرۂ مستانہ" یہی ہے، "پیو! خوب پیو! خوب پیو! الصبا بار بار پیو! زمین پر گرو اور اوٹھو اور پھر پیو کیونکہ تم دوبارہ پیدا نہ ہوگے"

نومبر سنہ ۱۹۲۷ء مین مسٹر بھنیام نے آیانگر مین ایک لکچر عورتون کے متعلق دیا تھا، اونھون نے اس موقع پر ثابت کیا تھا، کہ "شراب خواری اور جہالت دراصل ہندو تمدن اور نیز قدیم تمدن کی خرابیون کا نتیجہ ہے" اونھون نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا، کہ "عورتون کی حقوق تلفی کی ذمہ دار شراب ہی ہے" اونھون نے کہا کہ "عورتون کے حقوق اس طرح ضائع ہوئے، کہ پوجاؤن اور قربانیون کے وقت سوم اور سور شراب پی جاتی تھی، عورتین اون کو نہین پی سکتی تھین، لہذا مذہبی مراسم وہ نہ ادا کرسکین، اسلئے مرد ادا کرنے لگے، رفتہ رفتہ اسی طرح اور مذہبی مراسم بھی مرد ہی ادا کرنے لگے، اور اس طرح عورتین چونکہ مذہبی فرائض کی ادائی کے قابل نہ ٹھہرین، لہذا وہ جائداد وغیرہ مین وراثت کے قابل بھی نہ ٹھہرائی گئین، اور اس طرح ان کے حقوق زائل ہوگئے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اٹھارہوین صدی مین مرہٹہ سلطنت کے وقت گو عام لوگ زیادہ شراب خوار نہین تھے، اور گو آخری پیشواؤن کے وقت شراب خواری کی ممانعت پر خاص طور سے عملدرآمد رہا ہے، لیکن پھر بھی مرہٹون مین بہت سی ممتاز شخصیتین شراب خواری سے بری نہ تھین، مثلاً چندر راو مور جو سیواجی کا رقیب تھا، وہ اپنی جوانی کے دنون مین شراب کا بڑا شایق تھا، خود سیواجی کو تخت نشینی کے وقت شراب مین تولا گیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ سنبھاجی یعنی سیواجی کے لڑکے کی شکست کا راز شراب خواری ہی تھی،

بالاجی باجی راو ملقب بہ نانا صاحب پر بھی یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت شراب مین مست رہتے تھے لیکن ساہو اسکی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اوسکو شراب سے نفرت تھی، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ شراب سے نفرت کرنے والے

لوگ موجود نہین تھے، برہمندر سوامی جی نے جو باجی راؤ اوّل کے گرو تھے جگجیون پوار کو جو اوس وقت کا ایک بڑا مرہٹہ رئیس تھا شراب خواری پر سخت تنبیہ کی تھی، نیز اس وجہ سے کہ اوس نے شراب کے نشہ مین اپنی مان کی تذلیل کی، راگھوجی بھونسلے جو کافی مشہور ہے، اوس کا حملہ جب فرنچ مقبوضات تک پہنچا، اوس وقت اُسے چند بوتلین شراب کی پیش کی گئین جن کو اوسکی بیوی نے اس قدر پسند کیا کہ کثیر مقدار مین طلب کیا، اور اسطرح فرنچ سے اوسکی مخالفت دور ہوگئی، اور آسان شرائط پر صلح قرار پاگئی، جس کا الزام ساہو اُسے ہمیشہ دیتا رہا،

غرض مندرجہ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب خواری ہندو سلطنت کے وقت ہندوستان مین اچھی طرح جاری تھی،

تلخیص و تبصرہ

فرانسیسی شاعری اور اس پر عربی ادب کے اثرات

مجلہ اپولو مصر میں جو جدید عربی شاعری کی ترجمانی کے لئے نکلا ہے، فرانسیسی شاعر الفرڈ دی موسیہ کے کلام کا عربی منظوم ترجمہ شائع ہوا ہے، اسی سلسلہ میں اس کے سوانح حیات، اور پھر اسی تقریب سے فرانسیسی شاعری کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرانسیسی شاعری پر عربی علم ادب اور شاعری کے کیا اثرات پڑے ہیں، اس لیے فرانسیسی شاعری کی اس مختصر سرگذشت کی تلخیص ذیل میں پیش کیجاتی ہے،

اندلس پر عربی اثرات سے پہلے فرانسیسی شاعری مغرب کی اور قوموں کی شاعری کی طرح بالکل بے آب و رنگ اور صرف لاطینی قصوں تک محدود تھی جنکو چند پادری اپنے گرجوں میں یاد کر لیتے تھے، جیسے فرجیل کے اشعار کہ یہ لوگ ان کو گاتے تو تھے، لیکن اُن کے معانی نہیں سمجھتے تھے، قافیہ میں کوئی پابندی نہ تھی صرف اخیر کے حروف میں اتحاد ہونا ضروری تھا، مثلاً FEYME اور PARTE لیکن جب فرانسیسیوں کو اہل عرب کی ہمسایگی کا شرف حاصل ہوا تو ان لوگوں نے اہل عرب کے اشعار سنے اور انکی تقلید کی اب عربی شاعری کے تمام انواع مثلاً غزل، تشبیب، مدح، ہجو، موسیقی، اور رزمیہ وغیرہ بھی اُن کی شاعری میں آگئے اور اب قافیوں میں اخیر حروف کے اتحاد کے ساتھ اُس کے پہلے کے ساکن حروف کا اتحاد بھی ضروری ہو گیا، مثلاً AIME اور FERME،

فرانسیسی ادب میں نظم کو نثر پر تقدم حاصل ہے، اور سب سے قدیم فرانسیسی نظم (اغانی رولان)

ہے، جس کو ایک گمنام شخص نے گیارہوین صدی کے آخر مین نظم کیا تھا، رولان شارلمان کی اُس فوج کا کماندر تھا جس نے اندلسیون سے جنگ کی تھی، اور شارلمان وہی بادشاہ ہے جس کی کوشش سے ہارون الرشید نے عیسائی حاجیون کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت عطا فرمائی تھی، حالانکہ اس سے پہلے اُن کو اس کی اجازت نہ تھی، چونکہ فرانسیسیون کے نزدیک یہ اس بادشاہ کا سب سے بڑا کارنامہ تھا، اس لئے شعراء وادبا نے اس کی شان مین قصائد اور قصے لکھے،

ان نظمون مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر رولان کا قاصد خیانت و غداری نہ کرتا تو مسلمان رولان کو مغلوب نہ کر سکتے، چند اور نظمین بھی اسی قسم کی تھین، مثلاً شارلمان کی زیارتِ بیت المقدس وغیرہ جو بارہوین صدی کی فرنچ زبان مین ترجمہ کیگئین،

سب سے پہلے اہل عرب سے جنوبی فرانس کے لوگون نے علوم سیکھے، کیونکہ سب سے پہلے اہلِ عرب نے انھی کے ملک کو فتح کیا، انھی کے ملک مین اقامت گزین ہوئے، انھی سے میل جول پیدا کیا، ان کی لڑکیون سے شادیان کین، ان کی زمینون مین کاشت کی، اُن کے شہر تعمیر کئے، اور بڑے بڑے محلون مثلاً قنطرہ، زہرا، اور قصر حمراء کی تعمیر مین فرنچ قیدیون سے کام لیا، اس لیے اس اختلاط سے لازمی طور پر ایک کے زبان اور افکار وخیالات کا اثر دوسرے پر پڑا، لیکن چونکہ اس وقت مسلمان تہذیب و تمدن اور علوم وفنون مین فرانسیسیون پر تفوق رکھتے تھے، اس لئے ہر طرف سے فرانسیسی اس چشمۂ شیرین کے گرد جمع ہو کر اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور بلنسیہ کے مدارس وجوامع مین عربی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کر کے اپنے شہرون مین واپس گئے، اور اسلامی درسگاہون کے طرز پر طلباء کو تعلیم دینے لگے،

اشبیلیہ مین مسلمان علماء کے مشہور تلامذہ مین پوپ سلیفسٹر ثانی ۹۳۰-۱۰۰۴م ہے، جس نے پوپ ہونے سے پہلے تین برس تک وہان مستقل قیام کیا، پھر یورپ کو بہت بڑا علم دان ہو کر واپس آیا، اور وہان کے سلاطین و امراء نے اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور اس کے جاہ و اعزاز

ت روز بروز ترقی ہوتی گئی، یہانتک کہ اخیر مین اس نے پوپ کا منصب حاصل کر لیا،

اسی زمانے سے فرنچ شعراء وادبار نے لاطینی اشعار کو طاقِ نسیان مین رکھدیا اور اہل عرب کے اشعار یاد کرنے لگے، یہان تک کہ فقراء اندلسی اشعار کو گاگا کر لوگون کے دروازون پر بھیک مانگتے تھے، اور یہ لوگ ان سے متاثر ہو کر ان کو خوب عطیے دیتے تھے، گو عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان کا مطلب نہین سمجھتے تھے،

فرانسیسیون کو اندلسی ادب سے مستفید ہونے کا ایک عمدہ موقع یہ بھی ملا کہ جو عمدہ کتابین قصر قرطبہ مین محفوظ تھین وہ بنوامیہ کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد نہایت ارزان قیمت پر فروخت ہو کر فرنچ عربی دانون کے ہاتھ آئین اور انھون نے انکا ترجمہ کر کے اپنے مدرسون مین ان کی اشاعت کی جس سے اُن کے علمی مذاق کو بڑی ترقی ہوئی، ابن زیدون، ابن خفاجہ اور ابوالحسن المایورقی بالاتفاق فرنچ شعراء کے اساتذہ مین تھے، لوئیس تاسع (۱۲۷۰ء) کے زمانے مین صلیبی لڑائیون مین جب مسلمان اور فرنچ امراء وسلاطین کا باہم تعارف ہوا تو اس نے بھی فرنچ شاعری کو بہت زیادہ ترقی دی، کیونکہ جب فرانسیسیون نے عرب کے شعراء، ادبار، اطباء اور حکماء کو بچشم خود دیکھا تو ان کی نہایت قدر کی اور اُن کے اثر سے ان کے شعر وادب نے بہت ترقی کی، یہانتک کہ انھون نے شہر طولوز مین ایک ادبی یونیورسٹی قائم کی، جو مدرستہ المعرفۃ السارۃ (COLLEGE DU GAI SEAVOIR) کے نام سے مشہور ہے، جسمین شعراء کے اشعار پر تنقید کیجاتی تھی اور ان کو چاندی اور سونے کے پھول بطور انعام کے دیے جاتے تھے، پندرہوین صدی کے اخیر مین ایک عورت نے اس یونیورسٹی پر بہت سا مال وقف کیا، اب شاعری اور زبان کی ترقی کے لئے شعراء نے اس کی طرف اور توجہ و شوق کا اظہار کیا، یہ یونیورسٹی اب تک قائم ہے، اور لعب الازہار اکاڈیمی یعنی پھولون کے کھیل کی اکاڈمی کے نام سے مشہور ہے، اور وکٹر ھیگو اور اس کے معاصرین نے اس یونیورسٹی کے انعامات حاصل کئے ہین،

شعر وادب کی یہ تدریجی ترقی لوئیس چاردہم (۱۶۳۸ - ۱۷۱۵ء) کے زمانے مین درجۂ کمال کو پہنچگئی،

چنانچہ دار المار کیزہ (رامبویہ) شعراء و ادباء کا سب سے بڑا اکھاڑا بنگیا جہان وہ جمع ہوکر شعر پڑھتے تھے، اور بحث و مناظرہ کرتے تھے، بہت سی عورتون نے بھی اُن کی تقلید کی، اس لیے یہ زمانہ شعر و ادب کی ترقی کا عہدِ زرین ہوگیا،

۱۶۳۵ء مین کاردینال (ریشیلیو) نے فرنچ اکاڈمی قائم کی، اس کے بعد فنون، آداب، آثار، اخلاق، سیاست اور ریاضت وغیرہ کی متعدد اکاڈمیان قائم ہوئین اور سترھوین صدی مین بہت سے شعراء و ادباء پیدا ہو گئے، مثلاً (بالزاق اور دیکارت) پھر اسکندر ہارڈی نے ایک تھیٹر قائم کیا جس مین اس قسم کے ایکٹ کئے جاتے تھے، جنکا موضوع اسپینی عرب کا متروکہ ادبی سرمایہ تھا،

اس زمانے کے شعراء اور انشاپرداز حسب ذیل ہین،

(۱) بییر قورنیل (۱۶۰۶-۱۶۸۴ء) مشہور ناول ہوراس کا مصنف ہے، (۲) راسین (۱۶۳۹-۱۶۹۹ء) کلاسیکل طریقہ کا موجد اور بہت سی روایتون کا ناظم ہے) (۳) بوالو (ہجوگو اور ظریف شاعر ہے) (۴) مولییر (مضحکات یعنی کامیڈی کا موجد ہے، (۵) فنلون (تلیماک کا مولف ہے) (۶) لافونتین (افسانہ نگار ہے) (۷) مونتیسکیو (۸) بوفن (۹) ولیٹر (اس نے ہر موضوع پر لکھا ہے) (۱۰) دویدر (دائرۃ المعارف کا مؤلف ہے، (۱۱) جان جاک روسو،

ان کے بعد انیسوین صدی کے بہترین شعراء وکٹر ہیگو، سینٹ بیف، الفرڈ ڈی موسیہ اور ڈی لامارٹین وغیرہ پیدا ہوے، اس طریقہ سے ہر سال فرانس مین بہترین شعراء و انشاپرداز پیدا ہوتے رہے یہانتک کہ ہمارے زمانہ یعنی بیسوین صدی مین ادمون روستان، جان ریشپین، اناتول فرانس اور پول بورژ جیسے وغیرہ کا نام مشاہیر شعراء مین نظر آتا ہے،

سب سے پہلے عربی شعر و ادب سے اسپین اور اٹلی کے باشندون نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ اسپینون مین سے لوب دوفیگہ، فالدیرون، اور لوقین وغیرہ نے شعر و ادب مین امتیاز پیدا کیا اور اٹلی مین دانتی

(۱۲۶۵ - ۱۳۲۱ھ) پیدا ہوا جس کی کتاب نزہۃ الالباب کی شہرت چار دانگ عالم مین پھیل گئی ،

سسلی اور نیپلز سے اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بھی تون عربی زبان شاہ راجر ثانی شاہ صقلیہ اور اس کے بعد کے بادشاہون کی حکومت کی سرکاری زبان رہی، راجر ثانی نے بہت سے علماے اسلام مثلاً مشہور جغرافیہ نویس شریف ادریسی اور احفاد (ابن پشکر) کو جو علم النباتات اور علم الحیوانات کے عالم تھے، اور دوسرے شعراء و انشاپرداز کو مقرب بارگاہ بنایا اور فرنچ زبانون مین عربی اصطلاحات پھیل گئین، یہانتک کہ عربون کی سلطنت کے زوال کے بعد بھی عربی خط یورپ کی عمارتون اور محلون پر کندہ کئے جاتے تھے،

"ع"

ایران کے بینک

۱۲۶۷ھ سے ایران مین بہت سے بینک مثلاً بینک استقراض روس، امپیریل بینک ایران، بینک عثمانی اور اسی طرح چند دوسرے بینک اکثر شہرون مین اپنی شاخین کھول کر بینک کا کاروبار کر رہے ہین، لیکن ان مین سب سے اہم بینک، امپیریل بنک ایران ہے، اور اس کے قائم کرنے کا حق ۱۲۶۷ھ مین بیرن جولیس رابرٹ نامی ایک انگریز نے شاہ ناصر الدین سے حاصل کیا اور دو سال کے بعد لندن مین اس کے حصے فروخت ہونا شروع ہوئے، اس بینک کا سرمایہ ایک ملین پونڈ قرار پایا تھا غیر ملکیون کا اعتبار اس بینک پر اس قدر زیادہ تھا کہ ۸ گھنٹے مین بینک کے حصون کی خریداری کی درخواستین پندرہ گونہ موصول ہوئین، پہلے سال امپیریل بنک نے ایران کے اندر اور باہر چند شاخین قائم کین اور وضع مصارف کے بعد اس کا منافع ۰۰ ۴۸ پونڈ ہوا اور آٹھ فیصدی حصہ دارون پر تقسیم ہوا،

پہلے دو سال مین امپیریل بینک نے اپنے سرمایے کا بہترین حصہ لندن سے ایران مین منتقل کیا اور ۳۲ سے ۳۴ قران کے نرخ پر کہ اس وقت یہی نرخ تھا (موجودہ نرخ ۹۸ قران ہے) اپنے پونڈ کو قران کی صورت مین تبدیل کیا، اگرچہ ۱۲۷۳ھ مین چاندی کی قیمت اس قدر گھٹ گئی کہ ۵۰ قران ایک پونڈ کے

برابر ہوگیا اور اس وجہ سے بینک کو ایک تہائی کا نقصان ہوا، تاہم چالیس سال کی مدت مین اس کے کاروبار مین غیر معمولی ترقی ہوئی اور کاغذی نوٹ جو اسکی بنیاد کے ابتدائی سال مین ۲۰۰۰۰۰ پونڈ کے تھے اب ڈھائی ملین تک پہنچ گئے،

موجودہ اصطلاح مین ایک قومی بینک کے قائم کرنے کا خیال ایران مین سنہ ۱۳۰۶ھ مین پیدا ہوا، اور مجلس شوری ملی کے پہلے اجلاس مین اس پر بحث ہوئی اور ایک قرارداد کے منظور ہونے کے بعد اہل ایران کی ایک جماعت نے عملاً اس کے قائم کرنے کا عزم کرلیا، اول اول اس کا سرمایہ ۱۵ ملین تومان قرار پایا جو بعد مین ۵۰ ملین تک پہنچ گیا، ابتدا مین اس بینک کے بانیون کی تعداد صرف چند لوگون تک محدود تھی اور ان مین ہر شخص کو ۵ تومان سے ۵ ہزار تومان تک سرمایہ دینا قرار پایا تھا اور ہر حصہ ۵ تومان کا مقرر ہوا تھا، اس کے دستور العمل کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ وہ حکومت کے تمام وجوہ کا مرکز ہوگا، اور خزانچی حکومت کے حوالہ سے اسکو لیگا، دوسرے یہ کہ امپیریل بینک کے تمام حقوق اس کی مدت کے گذر جانے کے بعد اس نئے بینک کی طرف منتقل ہوجائینگے، اس طریقہ سے اس بینک کے کاروبار مین نہایت ترقی ہوئی، اور لوگون نے اپنا تمام سرمایہ خوشی سے بطور حصص کے اس مین رکھدیا، چنانچہ ایک غیر ملکی روزانہ اخبار نے لکھا کہ ایرانیون نے اس بینک کا خیر مقدم اس جوش کیساتھ کیا کہ چھوٹے چھوٹے بچون نے اپنی کتابین اور عورتون نے اپنے زیورات فروخت کرکے اس کے حصے خریدے، اور حصون کی خریداری مین مردون سے گوے سبقت لے جانا چاہا، خود اس کے بانیون نے یہ تہیہ کرلیا کہ کم از کم ہر شخص ۵ ہزار تومان بینک کے صندوق مین ڈالے، صوبہ طہران نے ایک ملین تومان کی ذمہ داری اپنے سر لی، آذربائجان اور تمام صوبون نے بھی بڑے بڑے حصون کا خریدنا اپنے ذمہ لیا، لیکن افسوس ہے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے آدمیون نے تو صرف یہ ذمہ داری لی، لیکن دولتمند اور تاجرون نے اس سے اغماض کیا، لیکن چونکہ سلطنت اس بینک کی حامی تھی اس لیے اس بینک نے کافی ترقی کی،

یہ پہلا بینک ہے جو موجودہ طریقہ پر ایران مین قائم ہوا، اور ایرانی اس سے بہت توقعات رکھتے ہین اور درحقیقت اس بینک سے سلطنت کی اقتصادیات کو کافی اعانت حاصل ہوگی،

سلطنت کے تمام بینکون کی طرح یہ ایک خاص بنیاد و اساس پر قائم ہوا ہے، اس کا سرمایہ دو ملین تومان ہے، جو بیس ہزار اور ایک سو تومان پر منقسم ہوگا، اور ۱۳۵۰۰ قطعہ اس کا نام کے ساتھ اور بقیہ بے نام کے ہوگا، سلطنت تمام حصون کی ذمہ دار ہے، اور اس طریقہ پر اس بینک کا موجودہ سرمایہ آٹھ لاکھ تومان ہے،

بینک کے دستور العمل کی چھٹی دفعہ سے بینک کے فرائض بہ تفصیل معلوم ہوتے ہین، اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی بینک اصولاً ایک تجارتی بینک ہے، اور تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے مخصوص شرائط کے ساتھ کام کریگا، لیکن زراعتی کاروبار کا مرکز زراعتی بینک ہوگا جو ۱۳۰۹ھ مین قائم ہوا ہے، بینک نوٹ کے جاری کرنے کا حق اس کو ۱۳۱۱ھ کے بعد دیا گیا، چونکہ اس بینک مین سرمایہ امانۃً رکھا جاتا ہے، اسلئے کچھ دنون مین وہ اپنے فرائض کی وسعت کے ساتھ حکومت کے مرکزی بینک کا بھی ذمہ دار ہو جائیگا، اگرچہ ایرانی سکے کے اخیر بحران نے اس بینک کو یہ موقع نہین دیا کہ لوگون کے لیے زیادہ اعتبارات تجارتی مہیا کرے، دوسری طرف خارجی نرخ کی تنظیم کا کام بھی اس بینک کے سپرد ہو گیا ہے،

(مجلہ اقتصاد کابل) "ع"

اخبار علمیہ

نئی ترکی زبان

چند ماہ قبل مصطفےٰ کمال پاشا کی تحریک سے ترکی زبان کی تحقیق کے لیے اکابر اہل زبان کی ایک مجلس قسطنطنیہ مین بیٹھی تھی جس کی سفارشون کا خلاصہ مانچسٹر گارڈین کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے حال مین بھیجا ہے، ان سفارشون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ تمام ملک مین ایک وسیع تنظیم قائم کر کے وہ تمام لفاظ جو عام طور پر بولے جاتے ہین لیکن جو ابھی تک علمی زبان مین داخل نہین ہو سکے ہین اکٹھا کر لئے جائین اور پھر انکی تحقیق کیجائے، اسکا مقصد یہ ہے کہ جو زبان "عثمانی زبان" کہی جاتی ہے اسے ترکی زبان بنا دیا جائے، "عثمانی زبان" کے متعلق اس مجلس کا خیال ہے کہ یہ اصلی ترکی زبان کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور دربار اور فتوحاتِ سلطانی کے اثر سے ملک کی اصلی زبان سے علیحدہ ایک بالکل مختلف زبان ہو کر رہ گئی ہے، امید ہے کہ چھ ماہ کے اندر یہ سب الفاظ جمع کر لئے جائینگے، اس تلاش و تحقیق کے لیے تمام اناطولیہ اور تھریس مین دس پندرہ ہزار مدرسین کی خدمات حاصل کیجائینگی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی مہینہ مین ایک شخص نے صرف قسطنطنیہ کے مزدورون کی زبان سے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ایسے الفاظ دریافت کر لئے ہین جو ابتک "غیر معلوم" تھے، اسی طرح اناطولیہ کے چند مواضعات مین ایک شخص نے پچیس[۲۵] ہزار اور دوسرے نے چالیس[۴] ہزار ایسے الفاظ جمع کئے ہین، اور اسی طرح وسطِ اناطولیہ مین کچھ لوگون نے اس قسم کے پندرہ ہزار الفاظ اکٹھا کر لئے ہین، اس وقت ترکی لغت مین صرف چالیس[۴] ہزار الفاظ ہین، اور ان مین وہ الفاظ بھی شامل ہین جو فارسی اور عربی سے لئے گئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اب یہ تعداد

اسّی یا نوّے ہزار تک پہنچا دی جائیگی جو فرانسیسی لغت کی انتہائی تعداد ہے، جب یہ الفاظ جمع کر لئے جائین گے اس وقت مرکزی مجلس لسانیہ (LINGUISTIC COMMISSION) کے زیر ہدایت جامعہ قسطنطنیہ کے اساتذہ اور دوسرے اربابِ علم ان سب کو چھانٹین گے اور پھر ان مین سے جو لغت کے لیے پسند کر لئے جائینگے وہ اخبارات یا مخصوص جرائد مین اس مجلس کی طرف سے شائع کر دیئے جائین گے، قدیم الفاظ کی تلاش کے ساتھ ساتھ جدید الفاظ کی اختراع کا کام بھی ہوتا رہیگا، موجودہ ضروریات کے لیے سائنٹفک اور فنی اصطلاحات وضع کرنے کے آسان طریقے دریافت کئے جائین گے، فی الحال ترکی درسی کتابون مین سائنٹفک اور فنی کتابون کی اصطلاحات مین بہت زیادہ اختلافات ہین، "عثمانی" اور ترکی زبان کے فرق کو اور زیادہ نمایان کرنے کی غرض سے ایک ترکی عثمانی لغت تیار کیا جائے گا، یہ بھی تجویز ہے کہ ان جدید الفاظ کی ایک تعداد کو تمام قوم مین رائج کرنے کے لیے دلچسپ اور مقبولِ عام نظمون کے ذریعہ سے شائع کر دیا جائے، سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا گیا وہ یہ تھی کہ ترکی زبان انڈو یورپین، سمیرین، اور سامی زبانون کی اصل ہے، ترکی علماے زبان اپنے اس دعوی کے ثبوت مین متعدد ماہرینِ زبان کی شہادتین پیش کرتے ہین اور ان کا خیال ہے کہ مسلمانون کے دورِ حکومت مین ترکی زبان اپنے زوال کی حالت مین تھی جس کی ذمہ داری سلاطین اور ان کے درباریون کے سر ہے، سلطانی فتوحات کے ساتھ ممالک مفتوحہ کی زبانین بھی کسی قدر ترکی زبان مین شامل ہوتی گئین، اور اہل دربار نے ان سب زبانون کو ملا جلا کر ایک نئی زبان تیار کر لی،

نوبل پرائز

سال گذشتہ سنہ ۱۹۳۲ء مین لٹریچر کا نوبل پرائز مشہور برطانوی ڈراما نویس جان گالسوردی (J. GALSWYTHY) نے حاصل کیا ہے، ان کی تصنیفات سوئڈن مین بہت مقبول ہین سنہ ۱۹۱۸ء مین حکومت برطانیہ نے انھین نائٹ کا خطاب بھی دیا تھا، لیکن اسے قبول کرنے سے انھون نے انکار کر دیا تھا، سنہ ۱۹۲۹ء مین حکومت کی طرف سے

انھین آرڈر آف میرٹ (OYDER OF MERIT) کا خطاب عطا کیا گیا، گالسوردی کے علاوہ رڈیارڈ کپلنگ اور برنرڈ شا صرف دو برطانوی مصنف اور ہین جنھین اس سے قبل لٹریچر مین نوبل پرائز ملا،

کمسٹری کا نوبل پرائز امریکہ کے مشہور سائنس دان ڈاکٹر ارونگ لینگ میور (DR. IRVING LANG MUIR) کو دیا گیا ہے جو ۱۹۰۹ء سے کیمیاوی تحقیق مین مصروف ہین،

سیّارون کی آبادی

حال مین برمنگھم کے بشپ ڈاکٹر بارنس نے ایک خطبۂ صدارت مین پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت آئیگا جب انسان کسی مختلف قسم کی لاسلکی کے ذریعہ سے دور دراز سیارون مین رہنے والے ذی عقل جاندارون سے بات کر سکیگا، بشپ موصوف نے نہ صرف اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ دوسرے سیارون مین بھی ذی رُوح آبادی ہے، بلکہ یہ بھی بیان کیا کہ اس امر کے قوی دلائل موجود ہین کہ سیارون کے رہنے والے قوت مدرکہ مین ہم سے کہین زیادہ بڑھے ہوئے ہین، ان کا خیال ہے کہ اگر سیارون کے باشندون کے حاصل کردہ علوم و فنون ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائین تو ہماری حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہ جائے، ڈاکٹر بارنس کی حیرت تو اس وقت کی منتظر ہے جب ایسے علوم و فنون اُن کے سامنے پیش کئے جائینگے، مگر ہماری حیرانی کے لیے تو وہ وثوق ہی کافی ہے، جس کا اظہار موصوف اپنی پیشین گوئی مین فرما رہے ہین،

ارتقائے انسانی کی ایک کڑی

مسٹر ایچ، جی، ویلز، مشہور برطانوی اہل قلم نے اپنی "تاریخ عالم" مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنگلون کے جن مردم خور دیوون کے قصّے روایات مین سنے جاتے ہین وہ ممکن ہے کہ ان انسانون کی نسل سے تعلق رکھتے ہون جو ہزارہا سال قبل اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلون مین تھے، اس خیال کی تائید حال کے ایک جدید انکشاف

بھی کسی قدر ہوتی ہے، چند ماہ قبل جنوبی افریقہ مین ایک ایسا انسانی ڈھانچہ برآمد کیا گیا ہے جو اب بالکل مفقود ہے،
اس دریافت کے متعلق ڈاکٹر فری اپنے رسالہ ویکس سائنس (WEAKS SCIENCE) مین لکھتے ہین :-

"ارتقاے انسانی کے ماہرین کو اس امر مین اتفاق ہے کہ اب سے بیس یا تیس ہزار قبل دو بالکل مختلف قسم کے انسان روے زمین پر آباد تھے، ایک قسم معمولی آدمیون کی تھی جو زمانۂ حال کے آدمیون سے ناقابلِ امتیاز تھے، دوسری قسم ان کی تھی جو قد کے چھوٹے اور جسم کے موٹے تھے، ان کے سر بڑے اور گردنین موٹی تھین اور وہ موجودہ انسانون کے مقابلہ مین صورۃً بالکل درندے معلوم ہوتے تھے، اس قسم کے لوگون کی ہڈیان نیز ان لوگون کی جو آجکل کے آدمیون سے مشابہ تھے، یورپ، فلسطین، افریقہ، اور دوسری جگہون مین پائی گئی ہین" جنوبی افریقہ مین جو ہڈیان حال مین پائی گئی ہین ان کے متعلق شروع مین یہی خیال تھا کہ وہ انھی انسان نما درندون مین سے کسی کی ہونگی، لیکن مزید غور و مطالعہ کے بعد یہ محقق ہوا ہے کہ وہ ہڈیان ایک بالکل مختلف قسم کے انسان کی ہین جو نہ تو کمتر جنس اور درندے تھے، اور نہ اس نسل سے تھے جو آج تمام دنیا مین پائی جاتی ہے،

جیب کے خطرات،

ڈاکٹر پرسی اجلو (لندن) نے حال مین یہ تجویز پیش کی ہو کہ مروجہ جیبین انسانی لباس سے بالکل خارج کردی جائین اور انکی جگہ ڈاکٹر موصوف کی ایجاد کردہ دوسرے قسم کی جیبین جو روز یا ہفتہ مین ایکبار دھونے کیلئے علحدہ کیجا سکتی ہین استعمال مین لائی جائین، وجہ یہ ہو کہ موجودہ جیبین عموماً کثیف ہوتی ہین اور ان سے جراثیم پھیلتے ہین، ان مین ہر قسم کی چیزین رکھی جاتی ہین، مثلاً ایسے رومال جنمین جراثیم بھرے ہوتے ہین، سکے جو پہلے اکثر گندے اور میلے ہاتھون مین رہ چکے ہین، کاغذی سکے اور دوسری چیزین جنسے جراثیم کی پرورش ہوتی ہے، یہ جیبین شاید ہی کبھی الٹکر صاف کیجاتی ہون یا انھین دھوپ یا صاف ہوا ملتی ہو، جراثیم کے اس خطرہ کو دور کرنے کیلئے ڈاکٹر اجلو نے جس قسم کی جیبین ایجاد کی ہین وہ اگرچہ شکل مین موجودہ جیبون سے بالکل ملتی ہوئی ہین، لیکن اسطرح کی بنی ہین کہ ضرورت کیوقت بہت آسانی سے لباس سے علحدہ کیجا سکتی ہین اور صاف کرکے پھر لگا دی جا سکتی ہین۔ "ع ز"

ادبیات

نیرنگِ اثر

(از جناب ولایت حسین خان صاحب زار رامپوری)

نیا ہے رنج ہر لحظہ نئی ہر دم مصیبت ہے
دل ایذا طلب منجملۂ اربابِ ہمت ہے

کوئی ہے طالبِ حسرت کوئی مایوسِ حسرت ہے
نرالی ساری دنیا سے یہ دنیائے محبت ہے

خیالِ دوست ہر لحظہ شریکِ رنج و راحت ہے
خدا رکھے اسی سے زندگی کی اپنی صورت ہے

مجھے تکلیف میں آرام ہے زحمت میں راحت ہے
مرے حق میں جفائے دوست بھی یہ بھی عنایت ہے

ابھی واقف ہوا ہے لذتِ ایذا سے تو اے دل
ابھی سے خواہشِ افزایشِ دردِ محبت ہے

تعجب کیا اگر انسان اس پر جان دیتا ہے
محبت قلبِ انسان میں خدا کی اک ودیعت ہے

نہ پوچھو مجھ سے تم کیونکر بسر ہوتی ہے فرقت میں
خدا کا شکر ہے جو دم گذرتا ہے غنیمت ہے

طریقِ عشق میں فکرِ مآلِ عشق سے حاصل
دلِ ناعاقبت اندیش تیری بھی عجب مت ہے

میسر ہی ہمیں دل کی بدولت عشق کی دولت
نکرنا شکرِ نعمت کا اثرِ کفرانِ نعمت ہے

سوالِ وفا

(از جناب شیخ عبداللطیف صاحب تپش ام اے ام او ال لکچرار گورنمنٹ کالج پشاور)

مجھ سے کہتے ہیں، وہ وفا کیا ہے ٭ نہیں معلوم مدعا کیا ہے ٭ ٭

دل مین اک داغ کے سوا کیا ہے | جان دے کر ہمین ملا کیا ہے
کچھ نہین عالم خیال اگر | یہ تماشا سا ہو رہا کیا ہے
غنچے مین اک لپٹ ہے خوشبو کی | اس کی مٹھی مین اور دھرا کیا ہے
خاکسارون کی خاک اوڑاتے ہو | یہ جبزا ہے، اگر سزا کیا ہے
نہین اٹھتا ہے، پردۂ ہستی | نہین کھلتا کہ ماجرا کیا ہے،
کر دیا بے نیاز سجدہ مجھے، | اور احسان نقش پا کیا ہے،
پردہ داری چشم شوق عبث | جز فریب نظر دھرا کیا ہے،
نہ بتایا کسی نے جیتے جی | درد کیا چیز ہے، دوا کیا ہے،
کیا ہو کیا جانے بتکدہ چھٹ کر | کیا خبر مرضی خدا کیا ہے،
ہاتھ اوٹھاتے تو ہو دعا کے ساتھ | یہ بھی تو پوچھ لو دعا کیا ہے،
محشرستان آرزو ہون تیش | مجھکو اندیشۂ فنا کیا ہے،

رباعیات انگر

از جناب امداد حسین صاحب انگر مرادآبادی

عالم پیری

مین بحر تھا پانی نے مجھے چھوڑ دیا | موجون کی روانی نے مجھے چھوڑ دیا
بے مہری کی یارون سے شکایت کیسی | خود میری جوانی نے مجھے چھوڑ دیا

عبرت

قبرون پہ گیا مین تو وہان کیا دیکھا | چھائی ہوئی خاموشی کو گویا دیکھا
ٹوٹے ہوئے تختون کی چھتون کے نیچے | شاہون کی بھی عظمت کا جنازہ دیکھا

باب التقریظ والانتقاد

نغمۂ دل

یعنی مجموعۂ کلام دل

(جناب حکیم ضمیر حسن خان دل شاہجہانپوری)

ضخامت مع مقدمہ ۲۵۰ صفحات قیمت علاوہ محصولڈاک عہ ملنے کا پتہ حکیم ضمیر حسن خان دلؔ محلہ ہاتھی تھان شاہجہان پور)

یہ ایک بڑی نازک تاریخی اور ادبی بحث ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے جو دو مختلف شاعرانہ انداز قائم ہوگئے تھے، انکا جغرافیانہ اور قومی حیثیت سے کیا اثر پڑا؟ جہان تک مین پتہ لگا سکا ہون، مرادآباد، بریلی، بدایون اور شاہ جہان پور وغیرہ زیادہ تر دلی کے رنگ سے متاثر ہوئے، اور کانپور، فیض آباد اور الہ آباد وغیرہ پر لکھنؤ کا اثر پڑا، اسکی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ جو مقامات دلی سے قریب تھے اونھون نے دلی کا رنگ اختیار کیا، اور جو مقامات لکھنؤ کے آس پاس تھے، وہ لکھنؤ کی روش پر چلے، اس جغرافیانہ اثر کے علاوہ قومی حیثیت سے روہیلکھنڈ کے پٹھانون کی ٹھوس طبیعت جب شاعری کی طرف متوجہ ہوئی تو اوس نے سنجیدگی کے قالب مین ظہور کیا، جس کے لئے اساتذۂ دلی کا رنگ کلام زیادہ موزون تھا، اس لئے زیر ریویو مجموعہ کلام مین سب سے پہلی جو خصوصیت ذوق سلیم کے سامنے آتی ہے، وہ متانت و سنجیدگی ہے، قومی و جغرافیانہ حیثیت کے علاوہ ممکن ہے کہ یہ حکیم ضمیر حسن خان کی ذاتی متانت و سنجیدگی اخلاق کا بھی اثر ہو، بہرحال اون کے کلام مین کوئی غیر مہذب، غیر سنجیدہ، مبتذل، رکیک لفظ یا عریان مضمون نہین مل سکتا، یہان تک کہ وصل اور رقیب کا لفظ جس

سے غزل مین لطیف وخوشگوار مضامین کے ساتھ بہت سے مبتذل وسوقیانہ مضامین بھی شامل ہوگئے ہین، اون کے کلام مین سرے سے موجود ہی نہین ہے۔ شاید یہ خیال ہو کہ یہ موجودہ دور کی شاعرانہ اصلاحات کا اثر ہے، لیکن اونھون نے اپنی غزلون کو خود قدیم وجدید دو حصون مین تقسیم کردیا ہے، لیکن قدیم غزلون مین بھی اس قسم کے الفاظ ومضامین نہین ملتے، اس لئے حضرت نیاز فتحپوری کے نزدیک اونکے قدیم وجدید کلام مین امتیاز پیدا کرنا سخت مشکل ہے، لیکن ہمارے نزدیک لکھنؤ کی صرف یہی خصوصیت نہین ہے، کہ وہان کی شاعری مین متانت وسنجیدگی کم پائی جاتی ہے، بلکہ اوس کی ایک خصوصیت اوس کا وہ شاعرانہ استدلال بھی ہے، جو جذبات کی آمیزش سے بالکل خالی ہوتا ہے، اس لئے اوسکو صرف ایک خشک شاعرانہ منطق کہہ سکتے ہین، اور اسکی مثالین بعض بعض جگہ اون کی قدیم غزلون مین نظر آجاتی ہین، مثلاً

ابرو پہ آئینے مین نگاہین ہین بار بار — برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

ابرو کا کمان اور نگاہون کا تیر ہونا شاعرانہ حیثیت سے مسلّم ہے، اور چونکہ آئینے مین ابرو ہی پر نگاہین پڑرہی ہین، اسلئے یہ دعویٰ ثابت ہوگیا، کہ

برسا رہے ہین، تیر وہ اپنی کمان پر

یا:—

دل صد چاک مین دیکھا رُخِ روشن اونکا — ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اون کا

دل صد چاک کی تشبیہ چلمن کے ساتھ بالکل مکمل ہے، اور دل مین معشوق کا جلوہ نظر آتا ہی ہے، اسلئے یہ دعویٰ خود بخود ثابت ہوگیا، کہ

ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اونکا

بعض لفظی رعائتین بھی حد فاصل ہوسکتی ہین، مثلاً

ناتوانی راہ مین گو پاؤن پھیلاتی رہی — شوق ہاتھون ہاتھ مجھکو سوے جانان لیچلا

اسی طرح جدید شاعری کی خصوصیت صرف متانت وسنجیدگی ہی نہین ہے، بلکہ خاص قسم کی ترکیبین اور خاص قسم کے الفاظ بھی ہین، یہان تک کہ بعض جدید شعراء کے کلام مین صرف یہی ترکیبین اور الفاظ ہوتے ہین، اون کے اندر کوئی معنی نہین ہوتا، اور اس مجموعہ مین بھی اس قسم کے الفاظ کی کمی نہین ہے، مثلاً:-

نظر آتی ہے مجھے حسن کی دنیا بے حس　　　　کس کو افسانہ سناؤن شب تنہائی کا

حقیقت یہ ہے کہ حکیم ضمیر حسن کا کلام ایک بڑے تاریخی دور کا نچوڑ ہے، رامپور مین آکر دلی اور لکھنؤ کے رنگ مین آمیزش ہوئی، اس بیگانگی کے دور ہونے کے بعد کچھ دنون تک داغ، امیر اور جلال باہم حریف رہے لیکن رفتہ رفتہ زمانے نے اس بے گانگی کو بھی دور کیا، اور اب ہر ایک کے تلامذہ نے بے تعصبی کے ساتھ ان تینون استادون کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کیا، اور تینون کے رنگ کلام سے متاثر ہوئے، اسکے بعد جدید شاعری کا غلغلہ بلند ہوا، تو اوس کا اثر بھی ان لوگون پر پڑا، اس لئے ان مجموعی اثرات نے ایک خاص رنگ پیدا کر دیا، جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین:-

۱- مبتذل اور عریان الفاظ ومضامین سے اجتناب،

۲- خارجی مضامین یعنی خال وخط کے مضامین سے احتراز،

۳- صفائی، برجستگی اور سادگی،

۴- رفعت وبلندی،

امیر کے اور مشہور تلامذہ مین بھی اگرچہ یہ خصوصیتین اقتضائے زمانہ سے پیدا ہوگئی ہین لیکن ضمیر حسن خان نے اقتضائے زمانہ کے علاوہ بالقصد وبالارادہ بھی یہ خصوصیتین اپنے کلام مین پیدا کی ہین، اور اون کی سنجیدہ فطرت اور ماحول کے اثر نے بھی اس مین اون کی اعانت کی ہے، اس لئے اون کا کلام امیر کے اور تلامذہ سے مختلف ہو کر شعرائے دور جدید کے کلام سے مشابہ ہو گیا ہے، تاہم یہ فرق قائم ہے کہ جدید شعراء کے کلام مین بے معنی الفاظ بے معنی ترکیبون بلکہ مہمل مضامین کا جو انبار پایا جاتا ہے، اون سے اون کا کلام پاک اور لفظ ومعنی دونون حیثیتون سے حدود تغزل کے اندر داخل ہے

چند مثالین ملاحظہ ہون :-

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر   جس بحر مین کشتی ہے وہ ساحل نہین رکھتا
نارسائی کا سبب کیا ہے؟ یہی جوش طلب   بڑھ گئے ہم اس قدر آگے کہ رہبر رہ گیا،
نکتہ سنجان وفا نے رکھ لیا دل اوس کا نام   کچھ لہو جو سینۂ بسمل مین جم کر رہ گیا،
اب ہزارون زخم ہین ہر زخم ہے دنیائے عشق   وسعت دل بڑھ گئی جب دل مین نشتر رہ گیا،
ادھر گھبرا کے غمخوارون کی مایوسانہ سرگوشی   اودھر بیمار کا کچھ کہہ کے سب سے بے خبر ہونا،
بارہا ڈوب کے اوبھرا مرے دل سے نشتر   راز پھر بھی نہ کھلا عشق کی گہرائی کا کچھ
تری ٹھوکرون کو ظالم عبث آج جستجو ہے   جسے کل مٹا چکی ہین، وہی تھا مزار میرا،
ہاتھ دل پر رکھ کے یہ کہنا کسی کا یاد ہے   اب اسے اپنا نہ کہنا یہ ہمارا ہو گیا،
کیا سمجھ کر پوچھنے آئے ہو میرا حال زار   ہان یہ پوچھو پوچھنے والون کی حالت کیا ہوئی
جو طالب جمال بڑھا آئی یہ صدا   بجلی ابھی تو کوند رہی ہے جلال کی
کہئے تو کہدین عرش برین کو مقام دوست   ہمت مگر کچھ اور ہے اپنے خیال کی،
خاموش ہون جو صورت تصویر پیش یار   اک شکل خاص یہ بھی ہے اظہار حال کی
اب تک ہین جوش عشق کی ہنگامہ خیزیان   اوٹھا غبار قیس تو صحرا لئے ہوئے

یہ متین وسنجیدہ رنگ صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے خاص طور پر موزون ہے اور حکیم ضمیر حسن خان کے کلام مین بھی جابجا اوسکی چاشنی پائی جاتی ہے مثلاً

وہ حسن مطلق ہی جلوہ افگن بغور جس خوش ادا کو دیکھا   عجیب قدرت کے ہین کرشمے جدھر نظر کی خدا کو دیکھا،
جو ڈوب کر پھر کبھی نہ اوبھرا ہوا وہی آشنائے ساحل   بقائے دائم کا اک مرقع غریق بحر فنا کو دیکھا،
مشاہدہ ہو تو کس طرح ہو بصارت ظاہری ہی عاجز   گذر گیا جو خودی کی حد سے اوسی نے اوس خود نما کو دیکھا

قدم جو رکھا رہِ طلب مین تو دور تر رہنما کو دیکھا، خبر نہین انتہا کی ہم کو کیا ہی گم بے خودی نے اے دل

اردو غزل گوئی کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اوس مین ہر شعر کا مضمون الگ الگ ہوتا ہے، کوئی مسلسل خیال پوری غزل مین نہین ادا کیا جاتا، لیکن حکیم ضمیر حسن خان نے بعض غزلون مین ایک ہی خیال ادا کیا ہے، اور نہایت پُر لطف مسلسل طریقہ سے ادا کیا ہے، مثلاً:-

تشکیبِ ضبط بھی اے بیکبِ یار لیتا جا — پلٹ چلا ہے تو دل کا قرار لیتا جا
لکھا ہے خون کے قطرون سے حالِ دردِ فراق — مرقعِ خلش و اضطرار لیتا جا
بجائے مہر ہوئی ثبت چشمِ پُر حسرت — یہ نقش ہے ہمہ تن انتظار لیتا جا
بدھے ہین لختِ جگر تارِ اشک رنگین مین — یہ دل پسند یہ خوش رنگ ہار لیتا جا
کسی کے زیرِ قدم آج ہی بچھا دینا — سکونِ جانِ محبت شعار لیتا جا
تمام عمر کا حاصل ہے جوششِ عجز و نیاز — متاعِ ہستیٔ ناپائدار لیتا جا
تجھے ہے عذرِ ادا داستانِ عشق طویل — مری زبان بھی اے غمگسار لیتا جا
وفورِ شوق جو سرمایۂ محبت ہے، — بصد نیاز یہ نذرِ یار لیتا جا
یہ چیز وہ ہے جو فائق ہے لاکھ چیزون پر — خلوصِ عشق کا تو اعتبار لیتا جا
رہا سہا ہے جو تسکینِ دل کا سرمایہ — مرے رفیق مرے رازدار لیتا جا
انیس حضرتِ دل آہ جو تمنا تھی — ملی ہے خاک مین اوسکا غبار لیتا جا

لیکن باوجود ان تمام خوبیون کے جابجا لفظی و معنوی حیثیت سے خامیان بھی پائی جاتی ہین مثلاً:-

قیامت زا ہے اے دل سُرمگین آنکھونکا نظارہ — سنبھل بیٹھین یہ بُت نالہ ہمارے دل سے نکلے گا،

سُرمگین آنکھونکا اثر خموشی کی صورت مین ظاہر ہونا چاہئے نہ کہ نالہ کی صورت مین،

کاوشِ پیہم کی حسرت تھی دلِ مجروح کو — کیا بکار آمد ہوا چھپکر جو نشتر رہ گیا،

"بکار آمد" کی جگہ "کار آمد" غالباً زیادہ صحیح ہو،

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل — کوچۂ یار کو جانا تو یہان ہو جانا ؎

شعر بہت اچھا ہے لیکن اگر "ہو جانا" کے بجائے "ہوتے جانا" ہوتا تو زیادہ بامحاورہ ہوتا،

ہم حرمتِ صہبا کے قائل ہین مگر واعظ — ہوتی ہین جو چار آنکھین انکار نہین ہوتا

صہبا سے چار آنکھین ہونیکے کوئی معنی نہین ممکن ہے کہ ساقی مراد ہو لیکن وہ یہان مذکور نہین "انکار نہین ہوتا" بھی صحیح نہین "انکار نہین ہوسکتا" چاہئے،

لیکن اون کی پختہ گوئی کے مقابلے مین یہ خامیان بالکل بے حقیقت ہین اور مین نے انکا اظہار صرف اسلئے کردیا ہی کہ تنقید کا یہ پہلو نذر انداز نہ ہونے پائے، ورنہ لفظی اور معنوی دونون حیثیتون سے اون کا کلام داغ، امیر، جلال، اور شعرائے دورِ جدید کے محاسنِ کلام کا ایک نہایت معتدل مجموعہ ہے، اور اون کے جو معائب ہین، اون سے اوںھون نے قطع نظر کرلی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس زمانے کے سنجیدہ مذاق اہلِ نظر اوسکو دلچسپی سے پڑھین گے،

"ع"

فہرست عربی مخطوطات انڈیا آفس لائبریری

مرتبہ سی، اے، اسٹوری، صفحات ۹۵ تقطیع کلان، مطبوعہ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس قیمت: ۲۱ اسلنگ ۶ پنس

انڈیا آفس لائبریری مین عربی کی قلمی کتابون کا جو ذخیرہ ہے، اُس مین سے یہ فہرست جو سلسلہ کی دوسری جلد ہے، صرف قرآنی نسخون اور تفسیرون اور متعلقاتِ علوم قرآنی پر مشتمل ہے، اسمین (۱۹۶) نسخون کا ذکر ہے، ان مین سے (۲۷) پورے قرآن یا مختلف سورون کے نسخے ہین، لیکن ان مین سے کوئی اہم نسخہ نہین، بجز اس کے کہ ایک نسخہ جو ہندوستان کے اکبری عہد مین لکھا گیا ہے بحیثیت اسکے کہ ایک مدنی عرب نے اس عہد کے ایک ہندو امیر کے لیے لکھا ہے،

ایک خاص ندرت رکھتا ہے، اس نسخہ کے خاتمہ مین ہے،

وقع الفراغ من کتابۃ ھذا الکتاب العزیز الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ

ولا من خلفہ بخط عبد الضعیف النحیف الحقیر الراجی الی رحمۃ ربہ الٰہ القدیر

. . . . بن احمد انصاری المدنی ثم سالی (؟) . . . . . شعبان

۹۹۵ھ حق و ملک رای رایان رای پتر داس . . . . . در عہد جلال الدین

اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ،

یہ نسخہ بیچ سے شکستہ اور دریدہ ہے، یہ ۱۸۵۷ء مین لکھنؤ کے غدر کی لوٹ مین جنرل فرینکس کے کسی

اے ڈی سی کے ہاتھ لگا تھا، اور وہان سے یہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین داخل ہوا،

اس فہرست کی اکثر کتابین، ہندوستان مین لکھی گئین اور یہین کی پیداوار ہین، اور یہین سے انگلستان

کو منتقل ہوئی ہین،

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

قرآن پاک کی متفرق سورتون کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہندوستان کے بجائے چین کی یادگار ہے

یہ چین کی لڑائی مین انگریز سپہ سالار کے ہاتھ آیا تھا، اسمین مختلف متفرق سورتون کے اقتباسات چینی ترجمہ

کے ساتھ ہین،

کتب تفسیر تمامتر یہی معالم التنزیل، کشاف، بیضاوی و مدارک اور اس کے حواشی ہین، تاہم ایک

شیعی تفسیر تفسیر سُلَمی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، جس کا دوسرا مشہور نام تفسیر عیاشی ہے، مصنف کا نام ابونصر

محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش السُلَمی السمرقندی ہے، جو چوتھی صدی ہجری مین تھے،

الکشف والبیان جس کا مشہور نام تفسیر ثعالبی، اور جو ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی نیشاپوری المتوفی

۴۲۷ھ کی روایتی تفسیر ہے، اس کے متفرق اجزاء ہین،

ایک اور تفسیر کا ناتمام نسخہ قابلِ ذکر ہے، یہ اس نسخہ کے ایک ورق پر امام محمد غزالی کے بھائی امام احمد غزالی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس ناتمام نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شروع مین علومِ تفسیر پر ایک مقدمہ ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناتمام ہے، سورۂ یوسف کی ایک تفسیر ہے جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے، ایک رسالہ القسم الالٰہی بالاسم الربانی امام ابن عربی کا ہے جسمین انھون نے ان پانچ آیتون کی تفسیر کی ہے جنمین خدا نے اپنی آپ قسم کھائی ہے،

الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی کے ٹکڑے بھی ہین، اس تفسیر کا بہترین نسخہ ہمارے ندوۃ العلمار کے کتبخانہ مین ہے،

بیضاوی کے حاشیون مین ایک حاشیہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا ہے، آخر مین قرأت و تجوید کی چند کتابین ہین،

فہرست کے اڈیٹر مسٹر اسٹوری ہندوستان مین اس حیثیت سے پہلے سے روشناس ہین، کہ وہ علیگڈھ کالج مین ایک زمانہ مین عربی کے پروفیسر رہ چکے ہین، مسٹر اسٹوری اب مدت سے انڈیا آفس کے کتبخانہ کے ناظر ہین، فہرست مین اختصار کے ساتھ انھون نے نسخہ کا حال لکھا ہے، اور مصنفین کے احوال کے لیے پہلی فہرستون کا حوالہ دیا ہے، اور کہین کہین خود بھی انھون نے کتابون کے حوالے دیدیئے ہین، "س"

مطبوعات جدیدہ

اسماء الاسرار (فارسی) مصححہ جناب سید عطا حسین صاحب ایم اے، ناظم تعمیرات حیدرآباد دکن، حجم ۱۷۳ صفحے قیمت قسم اعلیٰ للعہ ودوم ؎ (سکہ عثمانی) پتہ :- کتب خانہ تجارتی اعظم پریس چارمینار حیدرآباد دکن،

حضرت خواجہ ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز رح کی مشہور تالیف اسماء الاسرار اہل علم وصوفیہ کے حلقون مین معروف ہی جناب مولوی عطا حسین صاحب ایم اے شکریہ کے مستحق ہین، کہ اونھون نے اوسکو پہلی مرتبہ طبع کرایا، موصوف نے اس نسخہ کو اس کے مختلف قلمی نسخون اور مختلف حامل المتن شرحون سے تصحیح ومقابلہ کے بعد تحشیہ کے ساتھ شایع کیا ہے اور ابتدا مین ایک مقدمہ ثبت کیا ہی اور جابجا اوسکی شرحون سے ضروری تعلیقات بھی منسلک کردئے ہین، کتاب اہل ذوق مین پہلے سی مقبول ہی امید ہے کہ اہل ذوق اور ارباب تصوف اس سے فائدہ اوٹھائین گے،

نفسیات عنفوان شباب، مترجمہ جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی شائع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی حجم ۲۱۲ صفحے قیمت ؎ ر

جدید فلسفہ کے شعبۂ نفسیات نے اس سرعت سے ترقی کی کہ رفتہ رفتہ یہ خود ایک فن قرار پاگیا، اور نفسیات کے ساتھ مختلف اضافتون سے اہل فکر کے لئے نئے نئے ابواب غور وفکر کے لئے نکل آئے، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایڈورڈ اشپرانگر نے اس سلسلہ مین "نفسیات عنفوان شباب" پر اپنے تجربون اور تخیلات کو اسی عنوان سے اپنی ایک تالیف مین قلم بند کیا ہے اور یہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ پروفیسر موصوف کے ایک لائق شاگرد، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے اس تالیف کو مصنف کے مشورہ سے براہ راست جرمنی زبان سے اردو مین مصنف کے ہدایات کے مطابق منتقل کیا، اور مترجم

کی استدعا پر مصنف نے اس اردو اڈیشن کے لئے چند کلمات ہندوستان کو مخاطب کرکے لکھے، کتاب چند ابواب "مقصد و منہاج" "عنفوان شباب کی مجموعی نفسی سیرت" اور "نوجوانون کی تخیلی زندگی" وغیرہ ہین اور پھر اسی طرح نوجوانون کا عشق اون کے نفسانی خواہشات عشق اور نفسانی خواہشات، نوجوانون کا تعلق سوسائٹی سے اور پھر نوجوانون کی اخلاقی اور مذہبی نشو و نما، نوجوان اور سیاست، اوسکے پیشے اور اوس کا علم اور تصور کائنات وغیرہ کتاب کے مستقل ابواب ہین، کتاب اگرچہ فلسفہ سے متعلق ہے لیکن ترجمہ کی روانی اور سلاست اور نفس موضوع کے لحاظ سے اکثر جگہ دلچسپ ہے، اور جہان فلسفہ کے اشکال ہین وہ مترجم کے فاضلانہ مقدمہ اور مصنف کے چند ابتدائی ابواب کو نظر تعمق کے پڑھنے کے بعد خود بخود دور ہو جاتے ہین کتاب کا مطالعہ ہشیار طلبہ و الدین اور اساتذہ سب کیلئے یکسان مفید ہے

خادمات خلق، مترجمہ جناب سیدہ خاتون صاحبہ مرحومہ ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۱۲۱ صفحے، تقطیع چھوٹی،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت :- ۱۰/

جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب کی صاحبزادی جناب سیدہ خاتون مرحومہ نے یورپ اور امریکہ کی چند ممتاز تاریخی خواتین کے مختصر حالات کا ترجمہ اردو مین کیا تھا، لیکن اس کی اشاعت کا وقت آنے نہ پایا تھا کہ مرحومہ کی چند روزہ زندگی کا خاتمہ ہوگیا، اب یہ رسالہ بطور ایک انکی ادبی یادگار کے مکتبہ جامعہ ملیہ سے شائع ہوا ہے، ابتداء مین جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا ایک تعارف ہے، اور پھر ایسی نو دس خواتین کے سوانح حیات ہین، جنھون نے اپنی جانبازی سے اپنے کو فراموش کرکے خدمت خلق مین اپنی عمر گذار دی، اور زندۂ جاوید بن گئین، رسالہ کی زبان شگفتہ ہے، رسالہ ہندوستانی خواتین کے مطالعہ کے قابل ہے،

خلفاے اربعہ، از مولانا خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی شایع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی

حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۱۰/

خلفائے اربعہ مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ کے سوانح حیات، بچون کے لئے اوسی طریقہ پر مرتب کئے گئے ہین، جیسے کہ رسول عربی وغیرہ مختصر رسالے جامعہ ملیہ سے شائع ہوئے ہین، رسالہ کے مطالعہ سے ان صحابۂ کرام کے پاکیزہ سوانح حیات کے ماسوا اس عہد کی مختصر تاریخ بھی بچون کے

ذہن نشین ہوجائیگی،

کتاب التوحید:- تالیف شیخ محمد عبد الوہاب نجدی، مترجمہ مولینا محمد سورتی۔

قرولباغ دہلی منٹ ۱۸ مع متن، قیمت ۸ عہ،

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی کا مشہور رسالہ کتاب التوحید چند سال گذرے حکومت نجد و حجاز کی جانب سے شائع ہوا تھا، اب اوسی کا اردو ترجمہ مولانا محمد سورتی نے شائع کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی درج ہے، جس کی چندان ضرورت نہ تھی، ایک صفحہ کو دو کالم مین تقسیم کرکے ایک کالم میں متن اور دوسرے مین ترجمہ درج کیا ہے، رسالہ کی ابتدا مین شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سوانح حیات اور اون کے مشن کو اجمالاً پیش کیا ہے، کتاب التوحید مین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ موصوف نے اپنے عقیدۂ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے، ترجمہ صاف اور روان ہے،

الفتح المبین والجوہر الحسین، مترجمہ مولوی شیخ صالح باحطاب، حجم ۲۵۵ صفحے،

لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- عہ، عازیہ ایجوکیشنل لائبریری نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

مولینا شیخ سالم باحطاب، حیدرآباد، دکن نے عربی مین درالثمین فی اصول الشریعہ وفروع الدین لکھی تھی، موصوف کے لائق خلف جناب مولوی شیخ صالح باحطاب نے اس کا اردو ترجمہ مصنف کی زندگی مین ایک ایک باب کو ا وہین دکھا کر کیا، اور اب وہی ترجمہ الفتح المبین والجوہر الحسین کے نام سے شایع ہوا ہے، رسالہ مین مصنف نے سوال و جواب قائم کرکے اولاً عقائد توحید اور اصول دین کو بیان کیا ہے، پھر فقہ شافعی کے بموجب عبادات کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض کا تذکرہ ہے، اور خاتمہ کا باب "مبادی نصرت" کے نام سے ہے، اس اردو ترجمہ پر حیدرآباد دکن کے مختلف مشاہیر علما، کی رائین کتاب کے آخر مین درج ہین، اردو مین بالعموم فقہی رسالے فقہ حنفی کے بموجب ملتے ہین، اس رسالہ سے فقہ شافعی کا سرسری مطالعہ ہوجاتا ہے،

"س"

دار المصنّفین کی فلسفیانہ کتابیں

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، اردو میں فلسفہ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۱۰ صفحے، قیمت :- عہ

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت عہ، حجم ۱۴۸ صفحے،

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فصیح اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت :- عہ

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۳۹۲ صفحے، قیمت :- عہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں، طبع دوم، قیمت :- عہ، ضخامت ۱۹۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت عہ

طبقات الامم، اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی کتاب جس میں مصنف نے اپنے زمانہ تک کی تمام قوموں کی جو علم آشنا تھیں خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی میں لکھی تھی، مولوی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے اسکو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور جابجا حاشیوں میں علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہیں،
ضخامت ۲۱۰ صفحے، قیمت عہ

تصانیف مولوی عبد الماجد صاحب بی اے

مثنوی بحر المحبت

شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، قیمت ۸ر ضخامت ۷۰ صفحے،

پیامِ امن

موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہو، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہو، جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اردو میں بالکل نئے خیالات ہیں، حجم ۱۸۰ صفحے قیمت ۱۲ر،

مکالماتِ برکلے

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیات کا ابطال کیا ہو، قیمت ۱۲ر حجم ۱۴۸ صفحے،

سفرِ حجاز،

اس سفرنامہ میں مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشمدید حالات جمع کئے ہیں اور حج و زیارت کے متعلق تمام فقہی معلومات و ہدایات کو جمع کر دیا ہو، ضخامت ۴۱۲ صفحے مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ قیمت عہ ۱

فیہ ما فیہ،

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی مولانا عبد الماجد بی اے دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اس کو مرتب کیا ہو اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپا ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ و صوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت عہ،

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدماء صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت عہ

مبادی فلسفہ

یہ مؤلف کے مختلف فلسفیانہ مضامین کا جنکی تعداد ۶ ہے مجموعہ ہے، مضامین دلچسپ اور ان کا طرز بیان رواں و شگفتہ ہے،
ضخامت ۱۰۵ صفحات، قیمت عہ

فلسفۂ جذبات

اس کتاب مین تمام اہم جذبات انسانی، مثلاً غم و مسرت، غضب و شہوت، خوف و دہشت اور الفت و ہمدردی کے فلسفیانہ علل و اسباب، ان کے موثرات و محرکات اور عواقب و نتائج سے بحث کی گئی ہے، اور جذبات کی حقیقت بتائی گئی ہے ضخامت مع فرہنگ مصطلحات ۲۴۰ صفحے، قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

فلسفۂ اجتماع

اس کتاب مین جماعتون کی دماغی و نفسیاتی حالات سے بحث کی گئی ہے، اور قائدین جماعت یعنی لیڈرون کے خصائص و اوصاف بیان کئے گئے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کتاب اخلاقی حیثیت بھی رکھتی ہے ضخامت ۳۲ صفحے قیمت عہ

تصانیف مولوی عبد الباری صاحب ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ

مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح اردو مین فلسفہ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، قیمت عہ ضخامت ۱۲۶ صفحے،

مبادی علم انسانی

مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جسمین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۳۶ صفحے، قیمت عہ،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۸۷ — فروری سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

تصانیف شبلیؒ

الفاروق - یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد وعدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیاے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم - فارسی شاعری کی تاریخ، جسمین

حصۂ اول :- شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعرا (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور اُن کے کلام پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت سے

حصۂ دوم :- شعراے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت عہ

حصۂ سوم :- شعراے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ

حصۂ چہارم :- اس حصہ مین تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہے، کہ ایران کی آب وہوا، اور تمدن اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع واقسام مین سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۳۶ صفحے، قیمت سے

حصۂ پنجم، اس مین قصیدہ، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت عہ

علم الکلام مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیان، اور علماے متکلمین کے نظریات اور مسائل طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۴ صفحے قیمت عکر

الکلام - مولنا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، اور عقائد واصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۷۵ صفحے، قیمت عہ

جلد سی و یک ۳۱ | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۳ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

پنجاب یونیورسٹی کی مجلس تحقیقات نے دوسرے صیغون کے ضمن مین مشرقی علوم اور اورنٹیل کالج لاہور کے مسائل پر جو کچھ غور کیا ہے، اس کے متعلق مختلف افواہین اخبارات کے صفحون مین پڑھنے مین آرہی ہین، گو آج کل کے کمیشنون کی اصطلاح مین اصلاح اور تخریب کے معنون مین بہت کم فرق ہے، تاہم ضرورت ہے کہ پنجاب کے اہل علم اس موقع سے فائدہ اٹھاکر متحدہ یکجہتی سے کام لین، اور علوم مشرقی کی تعلیم مین وہ جدید مناسب اصلاحین جاری کرائین جنسے وہ موجودہ ضروریات کا ساتھ دیسکے، طرز تعلیم، طریقۂ تعلیم، نصاب تعلیم، حقوق، یہ سب باتین بحث واعتنا کے قابل ہین، اور بجائے اشخاص اور جماعتون کے متحدہ قوم کی طرف سے اس کا لائحہ پیش ہونا چاہیئے، اور اس کے پیچھے پنجاب کے اسلامی اخبارات کی پوری طاقت ہو، ڈر ہے کہ اختلاف، جماعت داری، اور فرقہ پروری سے فائدہ کے بجاے نقصان پہنچ جائے

ہمارے پاس پوٹسڈام (جرمنی) سے ایک جرمن فاضل ڈاکٹر ہرلڈ فان کلوبر KLUBER کا ایک جرمن خط مع ایک بگڑے ہوے اردو ترجمہ کے آیا ہے، جسمین موصوف نے یہ لکھا ہے کہ وہان کے انسانی عجائب خانہ مین ہندوستان کا بنا ہوا ایک عربی کرہ (گلوب) ہے جسپر اسکے بنانے والے کا نام "ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسی بن شیخ الہداد ہمایونی اصطرلابی لاہوری" سنہ ۱۰۷۱ھ درج ہے، وہ اس پر ایک مضمون لکھنا چاہتے ہین، اور ہندوستان کے اہل علم سے اس بنانے والے کا حال دریافت کرتے ہین اور اگر اس قسم کے کرے ہندوستان مین بھی اسکے بنائے ہوئے ہون تو وہ انکا بھی حال جاننا چاہتے ہین، ہم کو اب تک اس شخص کا کچھ حال معلوم نہین ہوسکا ہے، اگر دوسرے اہل علم ہمکو اس کے متعلق کچھ مدد دے سکتے ہون، تو ممنونیت کا باعث ہوگا، اسکے بنائے ہوئے دو اصطرلابون کا علم ہمکو ہے، ایک ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانہ مین ہے اور دوسرا مولانا ابوبکر صاحب جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی) کے پاس ہے، ہندوستان مین جن صاحبون کے پاس قدیم کرے یا اصطرلاب ہون براہ کرم وہ ان کے

رگروں کے ناموں اور تاریخوں سے مطلع فرمائیں، جو عموماً ان گروں اور اصطرلابوں پر کھدے رہتے ہیں، شاید کہیں سے ئی مسئلہ حل ہو سکے، ہم ابتک اسکے متعلق جو کچھ پتہ لگا سکے ہیں، وہ آیندہ حاضر خدمت ہوگا،

معارف کا مجموعۂ مضامین "اہل السنۃ والجماعۃ" رسالہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اسکا ملیالم ترجمہ و رائونکور کے اسلامیہ دار الاشاعت نے گذشتہ سال چھاپا تھا، اب سنہ ۱۹۲۳ء کے نئے سال میں حافظ محمد یوسف صاحب باقوی نے اپنے ر الاسلام مدراس کی طرف سے اسکا تامل زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے، ہمکو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بنگالی متعلم دار العلوم ند ے بنگالی میں اسکا ترجمہ کیا ہے،

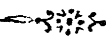
تمام ہندوستان میں مسلمانوں کی جتنی آبادی ہے، انکی کسی قدر کم نصف تعداد بنگال میں آباد ہے، یہ حقیقت اس امر کی صحیح کرتی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں بنگال کی اصلاح و ترقی کا مسئلہ کسقدر اہم ہونا چاہئے، تاہم یہ کس قدر قابل افسوس ہے کہ بعض مسلمان اہل سیاست اسکو دوسرے صوبوں کی مسلمان آبادی کی قیمت میں فروخت کرنا چاہتے ہیں، اور بعضوں نے یورپین سوداگروں کے ہاتھوں میں اسکو عملاً فروخت بھی کر ڈالا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تقریباً نصف تعداد ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کے اندر بیگانوں کی غلام بنی رہے،

بہرحال ہمکو یہاں انکی سیاسی غلامی سے زیادہ اُن کی ذہنی غلامی سے بحث ہے، ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ عربی و مذہبی تعلیم جہاں جاری ہے وہ بنگال ہے، پٹنہ سے لیکر بنارس، الہ آباد، کانپور تک اور وہاں سے لیکر دیوبند تک ہر جگہ بنگال کے طالب العلموں کی کثرت ہے، ان کے علاوہ خاص بنگال کے چھوٹے بڑے مدرسوں میں ساٹھ ہزار طالب العلم عربی کی تحصیل میں مصروف ہیں، باینہمہ وہیں سب سے زیادہ مذہبی و علمی جہالت کی عالمگیری ہے، اور وہیں جاہل ملاؤں اور جاہل پیروں کا سب سے زیادہ کھپت ہے، انگریزی تعلیم نے اس قرب کے باوجود بہت کم اثر کیا ہے، اور سنتے ہیں کہ جاہل مولوی ابتک زبان انگریزی کو کفر کے ہم

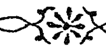
سمجھتے ہین بلکہ روایتین تو یہان تک ہین کہ خود بنگالی زبان اُن کے ہان کافرون کی زبان سمجھی جاتی ہے، جبتک یہ صورت حال ہندوستان مین مسلمانون کے سب سے اہم صوبہ کی اصلاح کا کام خواب و خیال ہی، حالانکہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بنگال کی بولی کو جنھون نے زبان کا درجہ دیا، اور اسکو علم و ادب کے قابل بنایا، وہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہین،

زبان گر بہر حق خوانی چہ عبرانی چہ سریانی

ہم نے پچھلے معارف مین بنگال کے مسلمانون کو اردو زبان کی طرف جو توجہ دلائی تھی، اُس کا منشا یہ نہ تھا کہ وہ اپنے صوبہ کی زبان کو چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کرین، بلکہ یہ منشا تھا کہ اپنی صوبہ وار زبان کے ساتھ ساتھ اس عمومی قومی زبان سے جو بہت کم وقت لیتی ہی بے توجہی نہ برتین، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اتنا حصہ ہندوستان کی اسلامی برادری سے گویا کٹ جائیگا، اور اسلامی تحریکات کے پھیلنے مین سخت رکاوٹ پیش آئیگی، ورنہ ظاہر ہی کہ ہم تو اس تجویز کے حامی ہین کہ نہ صرف یہ کہ ان صوبون کے مسلمانون کو ان بانون مین مہارت حاصل کرنی چاہئے، بلکہ ان زبانون کو بھی اسلامی لٹریچر کی فراوانی سے مسلمان بنا ڈالنا چاہئے "



ہمارے ملک مین افسانہ نویسی جس طرز کی جاری ہی اس کیلئے نہ علم کی ضرورت نہ مہارت انشا کی، ہر وہ صاحب قلم جو دو انسانون کی باتون کو قید تحریر مین لا سکتا ہو، وہ ہمارے ملک کا بڑا افسانہ نویس ہی، اس طرز تحریر مین نہ منطقی دلائل کی حاجت پڑتی ہے، نہ فلسفی نظریون کی، نہ تاریخی معلومات کی، نہ ادبی نکتہ دانی کی، نہ مذہبی علوم کی، بلکہ صرف اتنا سلیقہ کافی ہی کہ وہ مبتذل خیالات، سوقیانہ فحاشی اور عریان جذبات کو نامانوس ترکیبون، اور مضحکانہ فقرون مین ادا کرکے نوخیزون کو بہلا اور نوجوانون کو بہکا سکے،



مدیر نگار کے افسانون کے بعد ابھی حال مین معاصر سچ لکھنؤ نے تفویض نام ایک افسانہ پیش کیا ہی جسمین بے سبب صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کی نسبت نا دانی سے دلآزار الفاظ استعمال کئے گئے ہین، اور اس ہفتہ سرفراز لکھنؤ نے ایک رکن کونسل کے افسانون کے اقتباسات نقل کئے ہین جنمین خدا اور رسول پر پھبتیان کی گئی ہین، کیا علم و دانش کے بعد اخلاق و آداب بھی اس طبقہ سے رخصت ہو چکا؟

مقالات

احادیثِ اسلام

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر اسلامیات کلکتہ یونیورسٹی کے جن تین خطبات حدیث کی تالیف کا ذکر معارف میں پہلے آچکا ہے، وہ تینون خطبے موصوف نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۲ء اور ۲۱ر دسمبر کو آسوتوش بلڈنگ مین انگریزی مین دئے، ان تینون خطبون کا انگریزی خلاصہ موصوف نے معارف مین اشاعت کے لئے بھیجا ہے جسکو ہم خوشی کے ساتھ شائع کرتے ہین، انگریزی کا اردو ترجمہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے ال ٹی رفیق دار المصنفین نے کیا ہے،

"معارف"

پہلا خطبہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء — پروفیسر موصوف نے خطبہ کے شروع مین پہلے لفظ "حدیث" کے معنی اور شعرائے جاہلیت کے کلام نیز قرآن مجید مین اس کے استعمال کو بیان کرکے یہ دکھایا کہ کیونکر یہ لفظ اسلام کے وسیع اثر کے ماتحت اپنے اصلی معنی سے علحدہ پیغمبر اسلام کے اقوال واعمال کی روایات کے لئے استعمال کیا جانے لگا، اس موضوع پر زمانۂ حال کے یورپین مستشرقین نے جو کتابین لکھی ہین، اُن کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد انھون نے بتایا کہ ڈاکٹر اسپرانگر سابق پرنسپل کلکتہ مدرسہ پہلے یورپین مستشرق تھے جنھون نے احادیث کا مطالعہ صحیح تنقیدی نظر کے ساتھ کیا، اور اپنی تحقیق تفتیش کا بڑا حصہ کلکتہ مین پورا کیا،

اسپرانگر کے بعد سر ولیم میور آئے انھون نے تحقیق و تلاش سے جو مواد جمع کیا تھا، زیادہ تر اسی کی بنا پر مسلمانون کی تدوین حدیث اور ان حدیثون کے صحیح اور مستند ہونکی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا ہے،

گولڈزیہر جس نے اس موضوع کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا تھا، احادیث اور متعلقات احادیث کے مطالعہ مین اپنی وسعت معلومات اور دقت نظر کے اعتبار سے اسپرنگر سے بھی کہین بڑھ گیا، اوس نے اپنی تحقیق کا بیشتر حصہ فن حدیث پر اپنی کتاب کی دوسری جلد مین شائع کر دیا ہے، یہ غیر معمولی کتاب اس موضوع پر ہمیشہ ایک مستند تصنیف سمجھی گئی،

اسی تصنیف پر زیادہ تر پروفیسر گیلام (Guillamme) کی کتاب "احادیث اسلام" مبنی ہے، موصوف کا شمار اُن ممتاز مستشرقین مین ہے جنھون نے احادیث کے وسیع لٹریچر کی ایک ضخیم فہرست تیار کی ہے جو مشہور و لائق ڈچ مستشرق پروفیسر جے ڈبلیو ونسنک (A. J. W. Wensinck) کی نگرانی مین شائع کی جا رہی ہے، پروفیسر ونسنک نے عربی لٹریچر کی جو مستقل اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہین وہ تمام دنیاے اسلام کو ہمیشہ اون کا ممنون احسان رکھین گی،

احادیث سے مسلمانون کا شغف تقریباً اسلام کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اور اس وقت تک جاری ہے، اونھون نے احادیث کے لئے طویل، مشکل اور پرخطر سفر اختیار کیے، اون کو جمع کیا، ان کے مطالعہ کے سلسلہ مین عربی لٹریچر کی بہت سے شاخون کو قائم کر کے فروغ دیا، اور پھر ان احادیث اور قرآن کو بنا قرار دیکر متعدد علوم دینیہ کو مدون کیا،

احادیث کے سلسلہ مین مسلمانون نے جس غیر معمولی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے، دنیا کی علمی تاریخ اسکی نظیر سے خالی ہے، اُن کا نظام اسناد جسے اونھون نے احادیث کے سلسلہ مین قائم کیا، اسماء رجال پر وہ وسیع لٹریچر جو اونھون نے احادیث کے باقاعدہ اور ناقدانہ مطالعہ کی غرض سے تیار کیا، اور اون کی وہ کتابین جن مین صحیح اور موضوع حدیثون کو چھانٹنے کے لئے "موضوعات" سے بحث کی گئی ہے، یہ سب آج بھی دنیا کی علمی تاریخ مین بے مثال ہین،

اگرچہ کچھ حدیثین خود آنحضرت صلعم کی حیات مین قلم بند ہو چکی تھین، تاہم دوسری صدی کی ابتدا تک اون کو یکجا کرنے کی کوشش نہین کیگئی، اوس صدی کے شروع مین حضرت عمر ثانی نے بعض محدثین کو وہ سب حدیثین جمع کرنیکی ہدایت

فرماں جو مل سکتی تھیں، چند مستند راویوں کا بیان ہے کہ انھوں نے مختلف صوبوں کے علما کے نام گشتی خطوط بھی جاری کئے کہ جتنی حدیثیں مل سکیں، جمع کر لیجائیں، بعض عربی کتابوں میں ہے، کہ حضرت عمر ثانی نے اس مجموعہ کو اپنی مملکت میں شائع بھی کر دیا تھا،

حضرت عمر ثانی کے بعد مختلف صوبوں کے متعدد محدثین نے اس عظیم الشان کام کو اوٹھا لیا جسکی ابتدا خلیفۂ موصوف نے کی تھی، اور حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب کئے، جن کا ذکر ابن الندیم نے کیا ہے، لیکن بدقسمتی سے آج وہ مجموعے مفقود ہیں، پھر اس کے بعد خصوصًا آٹھویں اور نویں صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں اور بہت سے مجموعے تیار کئے گئے، یہ محفوظ ہیں، اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان اون کو پڑھتے ہیں،

ان مجموعوں میں حدیثیں تین مختلف اصولوں کے ماتحت جمع کی گئی ہیں، بعض میں وہ ان صحابہ کے ناموں کے تحت میں جمع کی گئی ہیں، جن کا آنحضرت صلعم سے روایت کرنا بیان کیا جاتا ہے، ایسی حدیثوں کا عام نام "مسند" ہے، بعض میں انھیں مضامین کے لحاظ سے مختلف ابواب میں ترتیب دیا گیا ہے، یہ مصنف کے نام سے مشہور ہیں، بعض مجموعے وہ ہیں جنمیں حدیثیں نہ تو صحابہ کے ناموں کے تحت میں یکجا کی گئی ہیں، اور نہ مضامین کے لحاظ سے۔ بلکہ حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ان مستند راویوں کے ناموں کے نیچے لکھی گئی ہیں، جن سے خود جمع کرنے والے نے ان حدیثوں کو حاصل کیا ہے، ان کا عام نام "معجم" ہے،

یہ حدیثیں جن کو مختلف ممالک کے مسلمانوں نے بہتیری نسلوں میں مسلسل محنت وجانفشانی سے جمع کیا تھا، آج تک علمائے اسلام کے زیر مطالعہ ہیں، اور اس وقت بھی تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اپنے اندر ایک سرمایۂ سعادت رکھتی ہیں،

احادیث اور قرآن ہی پر مسلمانوں کے نظام اجتماعی کی بنیاد ہے، اسی بنیاد پر مختلف اسلامی علوم کی یادگار عمارتیں تعمیر کی گئیں، احادیث وقرآن ہی میں مسلمان آج اپنی فلاح وہدایت کی راہیں تلاش کرتا ہے، وہ انھیں پر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق بجا طور پر اسلامی نظریہ کی از سر نو تاسیس کیجا سکتی ہے جس طرح قرون ابتدائی

کے بعض اسلامی فرقون کو اس وجہ سے فروغ حاصل نہ ہو سکا، کہ اونھون نے قرآن اور حدیث کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا تھا،

اسی طرح زمانۂ حال کے بہتیرے مصلحین کی کوششون کی ناکامی کا سبب بھی قرآن وحدیث سے اونکی بے پروائی ہی ہی،

دوسرا خطبہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء | آج کا خطبہ اصحابِ رسول اللہ صلعم اور اون کی خدمات حدیث سے متعلق تھا،

لفظ اصحاب کے معنی اور صحابۂ کرام کی تعداد سے بحث کرنے کے بعد پروفیسر موصوف نے (۱۲۴) صحابہ کے نامون کی ایک فہرست سنائی اور ان حدیثون کی تعداد بتائی، جو اُن مین سے ہر ایک سے مروی ہین، اونھون نے بیان کیا کہ صرف گیارہ صحابی ایسے ہین جنھون نے پانچ سو سے زیادہ حدیثین بیان کین، ان مین سے سات ایسے ہین، جنھون نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثین بیان کین، محدثین کے ہان ان صحابہ کا نام "مکثرین" ہے یعنی کثرت سے حدیثین بیان کرنے والے" ان گیارہ محدثین کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ صحابۂ مذکور نیز دوسرے صحابہؓ نے احادیث نبوی کو اسی جوش کے ساتھ پھیلایا جس جوش کے ساتھ انھین یاد کیا تھا، اونھون نے اپنے آقا کے صحیح اقوال کو تمام دنیائے اسلام مین پھیلانا اپنا مذہبی فرض خیال کیا، حضرت عمر فاروقؓ کا جنکی احادیث سے متعلق انتہائی سختی مشہور ہے، یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حدیث کو ٹھیک اوسی طرح بیان کر دیا جس طرح اوس نے اوسے سُنا تھا وہ محفوظ رہا، حضرت علیؓ خلیفۂ رابع لوگون سے فرماتے تھے، کہ مجھ سے احادیث کی نسبت دریافت کرو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنے غلام عکرمہ کو قرآن اور حدیث سکھانے کی غرض سے زنجیرون مین باندھ دیتے تھے،

عموماً یہ حضرات جو حدیثین خود بیان کرتے تھے، یا جو دوسرون سے معلوم کرتے تھے، ان کی صحت کی نسبت احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول اکثر اپنے احباب سے حدیثین دریافت فرماتے تھے، لیکن کسی حدیث کو شہادت کے بغیر تسلیم نہین کرتے تھے، حضرت عمر خلیفۂ ثانیؓ نے متعدد صحابہ کو اپنی بیان کردہ حدیثون کی شہادت پیش کرنے پر مجبور کیا، اور اُن مین سے بعض کو صرف کثرتِ روایت کے جرم مین قید کر دیا، حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث علم حدیث کے ماہر ہونیکے باوجود حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ محتاط تھے، حضرت علیؓ کسی حدیث کو اُس وقت تک تسلیم ہی نہ کرتے تھے جب تک راوی قسم کھا کر اُسکا صحیح ہونا بیان نہ کرے،

بعض صحابہؓ جو لکھنا جانتے تھے، آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات ہی مین حدیثین قلم بند کر لیتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثین لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، اونھون نے ایک ہزار حدیثین ایک صحیفہ مین جمع کین، جسے الصادقہ کہتے ہین، اس صحیفہ کو المجاہد نے اون کے پاس دیکھا تھا، اور بعد مین یہ اون کے پر پوتے عمرو بن شعیب کے قبضہ مین آیا، حضرت علیؓ داماد رسول اللہ صلعم کے پاس ایک دوسرا صحیفہ تھا، جسمین بعض احکام درج تھے،

بہت سے صحیفون کا ذکر کرنے کے بعد جو صحابہ کے پاس تھے، اور اون متعدد حدیثون کو بتا کر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثین صحابہ نے آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین لکھ لی تھین پروفیسر صاحب نے بیان کیا کہ کچھ حدیثین ایسی بھی ہین جنمین قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کے قلم بند کرنے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اونکی تعداد اُن حدیثون سے کم ہے، جو لکھنے کی اجازت دیتی ہین مختلف علماء اسلام نے مختلف طریقون سے ان حدیثون کے اس ظاہری تضاد کو رفع کرنیکی کوشش کی ہے، خود پروفیسر صاحب کی یہ رائے ہے کہ جن حدیثون مین لکھنے کی ممانعت ہے، وہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہین اور جن مین لکھنے کی اجازت ہے، وہ بعد کی ہین، اور پہلی حدیثون کو منسوخ کرتی ہین،

آنحضرت صلعم نے فن تحریر کو عربون مین مقبول بنانے کی براہ راست اور بالواسطہ کافی کوشش فرمائی تھی، آپ نے بہت سے صحابہ کو اس فن کے سیکھنے اور دوسرون کو سکھانے کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے متعدد احکام اور مسلمانون اور غیر مسلمون کے درمیان متعدد صلحنامے خود لکھوائے تھے، آپ نے جنگ بدر کے بعد یہ اعلان فرما دیا تھا کہ قیدیون مین سے جو ناداری کی وجہ سے اپنا فدیہ نہ ادا کر سکتے ہون، وہ دس مسلمان لڑکون کو لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہین، پروفیسر صاحب نے ڈاکٹر اسپرانگر اور پروفیسر گولڈزیہر کی بعض کتابین پڑھ کر سنائین، جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ کچھ حدیثین خود آنحضرت صلعم کی حیات مین لکھ لی گئی تھین، اسپرانگر کے بیان کے مطابق بعض صحابہ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے صحابہ کی بہ نسبت زیادہ حدیثین محفوظ کی تھین، اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو حدیثین مروی ہین، وہ ان کے خاندان والون نے قلمبند کر کے محفوظ کر لی تھین، گولڈزیہر کہتا ہے کہ اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہین کہ صحابہ اور طلبہ احادیث نبویؐ کو بھول جانے کے خطرہ سے لکھ کر محفوظ کر لینا چاہتے تھے، پھر جن لوگون مین معمولی آدمیون کے حکیمانہ اقوال قلمبند کرنے

جاتے ہون کیونکہ ممکن ہو کہ رسول اللہ صلعم کے اقوال کے تحفظ کے لئے زبانی روایات کافی سمجھ لی گئی ہون، اکثر صحابہ اپنے صحیفون کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور انھی صحیفون سے وہ اپنے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے،

ممتاز یورپین مستشرقین کے یہ بیانات جنھون نے حدیث اور متعلقات حدیث کا مکمل اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہے، نیز وہ بہتیرے واقعات جو بعض اہم ترین قدیم عربی تصانیف سے لئے گئے ہین، سخت بطی الاعتقاد اشخاص کو بھی اس امر سے مطمئن کر دینے کیلئے کافی ہین کہ بعض صحابہ نے کچھ حدیثین اپنے نبی کریم صلعم کے زمانہ حیات ہی مین لکھ لی تھین،

تیسرا خطبہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۲ء | تیسرے خطبہ کا موضوع "علم الحدیث" تھا، حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے مختلف دور کا کچھ ابتدائی ذکر کرنے کے بعد اونھون نے فرمایا:-

محدثین کے یہ تمام مختلف دور تلاش حدیث کی حیرت انگیز سرگرمی ظاہر کرتے ہین، حدیث سے اون کو کمال درجہ کی محبت تھی، اس کے لئے اُن کے جوش وحوصلہ کی کوئی انتہا نہ تھی، کوئی بھی مصیبت ایسی نہ تھی، جو اسکی خاطر وہ برداشت نہ کر سکتے ہون، جو اون مین دولتمند تھے، وہ اوس کے لئے اپنی دولت قربان کر دیتے تھے، اور جو غریب تھے، وہ اپنی غربت کے باوجود اپنی زندگیان اس کے لئے وقف کر دیتے تھے،

الزہری رضؓ نے حدیث کی خاطر دولت کو پانی کی طرح بہا دیا، ربیعہؓ نے اسکی تلاش مین اپنی تمام ملک صرف کر دی، اور آخر مین اپنے مکان کی شہتیرین بھی فروخت کر ڈالین اوران سڑے ہوئے چھوہارون پر زندگی بسر کرنے لگے جو اہل مدینہ پھینک دیا کرتے تھے، ابن المبارک نے حدیث کی تلاش مین چالیس ہزار درہم خرچ کر دیئے، یحیٰی ابن معین نے دس لاکھ سے زیادہ، الذہبی نے پندرہ لاکھ اور ابن رستم نے تیس لاکھ، اور عبید اللہ نے ستر لاکھ درہم نقرئی،

اُن مین سے جو دولتمند گھرون مین پیدا نہ ہوئے تھے، وہ مایوس ہو کر تحصیل حدیث کو چھوڑ نہ بیٹھے، بلکہ بجد محنت وجانفشانی کے ساتھ اوس کے حصول مین مصروف رہے، ابن ابی ذہبؒ، ابو حاتم، اور بہت سے دوسرے محدثین نے اپنی غربت کی وجہ سے سخت دشواریون کا مقابلہ کیا، اور حدیث کی تعلیم کو جاری رکھا، امام شافعیؒ اپنی طالب علمی کے زمانہ مین اتنے غریب تھے کہ کاغذ نہین خرید سکتے تھے، اس لئے وہ جن حدیثون کو پڑھتے تھے، اونکو ہڈی کے ٹکڑون

پر لکھ لیا کرتے تھے جنھین وہ ایک تھیلے مین رکھے رہتے تھے،

امام بخاری تین روز گھاس اور جڑی بوٹیون پر رہ گئے ان کے علاوہ اور محدثین کو بھی اپنی غربت کے باعث بہت کچھ مصیبتین جھیلنی پڑین،

حدیثون کے تلاش کرنے والون کی تعداد جو تاریخ حدیث کے مختلف دور مین گذرے ہین نہایت کثیر ہے صحابہ مین تنہا حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق کہا جاتا ہو کہ اونھون نے آٹھ سو سے زیادہ طلبہ کے سامنے حدیثین بیان کین صرف کوفہ مین جب ابن سیرین رح اُس شہر مین گئے ہین، چار ہزار طالب علم حدیث کے موجود تھے، علی بن عاصم کے درس حدیث مین تین ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، اسی طرح سلیمان بن حرب کے درس مین چالیس ہزار، عاصم بن علی کے درس مین دس لاکھ سے زائد، یزید بن ہارون کے درس مین ستر ہزار اور ابومسلم الکجی کے درس مین ایک نہایت کثیر تعداد حدیث کے طلبہ کی شریک ہوتی تھی، ان مین سے جو یادداشتین لکھنے کے لئے دوات کا استعمال کرتے تھے اون کا شمار چالیس ہزار سے زیادہ تھا،

محدثین کی اتنی بڑی تعداد سب کی سب استعداد اور احتیاط کے لحاظ سے یکسان نہین ہو سکتی تھی آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بعض صحابہؓ کو اون کے احباب نے اون کی بے احتیاطی پر سرزنش کی، بعد کے دورون مین مختلف جماعتون اور فرقون کے عروج کے ساتھ ساتھ حدیث کے غیر محتاط نا قابل اور غیر مخلص طلبہ اور اساتذہ کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی، اُن مین سے بعض نے اپنے اساتذہ کے انتخاب ہی مین بے پروائی برتی بعض اساتذہ سے اُن حدیثون کے بیان کرنے مین غلطیان ہوگئین، جو انھون نے خود لکھی تھین بعض ایسے بھی تھے جنھون نے چند حدیثون کے متن یا اسناد مین جان بوجھ کر ردوبدل کر دیا، اور بعض نے ذاتی نفع کی خاطر یا اپنی جماعت کے فائدہ کے لئے، یا لوگون کو خدا اور مذہب کے راستہ پر لگانے کی غرض سے ایک نیک مقصد کے ساتھ کچھ حدیثین وضع بھی کر لین،

اس طرح موضوع حدیثون کی ایک کثیر تعداد نکل کر مسلمانون مین پھیل گئی، ان کی ابتدا کے ذمہ دار حسب ذیل اشخاص ہین (۱) مبتدعین، (۲) جماعتون کے سردار مختلف فرقون کے مبلغ، اور وہ لوگ جو مفاد نروانی کے

ِ کریم کے متلاشی تھی، (۳) قصاص (یعنی قصہ گو واعظین)، (۴) وہ نیک نیت محدثین جن سی اجتہادی غلطیا

ں یا جنھون نے مذہبی اور پاک اغراض کیلئے کچھ حدیثون کا وضع کرلینا جائز خیال کیا،

ان زندیقون اور مختلف دنیادار اور خداترس مسلمانون نے یعنی اسلام کے جانی دشمنون اور وفادار

ون نے ہزارون حدیثین وضع کرکے تمام دنیائے اسلام مین پھیلا دین، ایک ممتاز انگریز اہل قلم نے سچ کہا ہے

ں اپنے منظور نظر کو مار ڈالتا ہی، بہادر آدمی تلوار سے مارتا ہے، اور بزدل بوسہ سے" اسی طرح ان واضعان

نے بھی فن حدیث کو فنا کردینے کی کوشش کی،

لیکن علم الحدیث کی تاریخ کے ہر دور مین ایک کثیر تعداد حق پسند، خداترس متدین اور محتاط محدثین کی

ں، جو نہ تو اشخاص اور جماعتون کی پرواکرتے تھے، اور نہ قوت اور رائے عامہ سے ڈرتے تھے، ان کی زندگی

مقصد اپنے نبی کریم صلعم کی صحیح حدیثون کو حاصل کرنا، ان کی اصالت اور صحت کو محفوظ رکھنا، اور مسلمانون

ن کی اشاعت کرنا تھا، وہ حدیثون کا مطالعہ نہ تفریح اور وقت گذاری کے لئے کرتے تھے، نہ مالی نفع او

ی غرض سے، اور نہ اس لئے کہ لوگ اون کا اثر قبول کرین، حدیث کو وہ صرف حدیث کے لئے حاصل کرتے

ون کے نزدیک علم وسیلہ نہین بلکہ مقصد تھا، بقول سفیان الثوری تحصیل حدیث ان کے لئے ایک مرض ہو گئی

ں سے خود اونھین کوئی چارہ نہ تھا،

اکثر صحابہ حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ احتیاط کرتے تھے، محدثین کے دوسرے دور مین بہت

یسے تھے، جو اسناد حدیث کے بارہ مین نہایت متدین، اور سخت تھے، اوسی طرح اونکے بعد جو آئے مثلاً امام

یٰی بن معین رح، احمد بن حنبل رح، امام بخاری رح، امام مسلم رح، ابوداؤد رح، ترمذی رح، اور دوسرے اکثر محدثین، یہ سب رواۃ کے معاملہ

بے حد محتاط تھے،

یہ متدین محدثین، جو علم حدیث کے حقیقی ستون ہین، تاریخ اسلام کی ابتدا ہی سے جماعتون کی کشاکش سے

علحدہ رہے، اور صاحب اقتدار جماعت سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھتے تھے، اسلام کے ابتدائی دور مین عبداللہ

نام کے تینون حضرات نے اپنے کو جماعتی جھگڑون سے بہت بلند رکھا تھا، بہت سے دوسرے صحابہ نے بھی اپنے تئین بنو امیہ اور دوسرون کی کشمکش سے بالکل الگ رکھا تھا،

بنو عباس کے ساتھ بھی بہت سے محدثین نے بے غرضی کا برتاؤ رکھا تھا، سفیان الثوریؒ، انس بن مالکؒ احمد بن حنبلؒ اور بہت سے دوسرے محدثین نے خلفای بنی عباس کے ہاتھون قید اور مختلف سزائین برداشت کین، واقعہ یہ ہے کہ فن حدیث پر جو اہم کتابین لکھی گئی ہین، اون کے اکثر مصنفین نہ تو خلفاء کے تنخواہ دار تھے، اور نہ اون کے دربار کے مقرب، سلطان جائر (ظالم بادشاہ) کی طرف سے بے پروا رہنا اون کے اصول مین داخل تھا،

یہ انہی متدین اور محتاط محدثین کی مسلسل جانفشانیون کا نتیجہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی حدیثین تلف ہونے سے محفوظ رہین اور موجودہ شکل مین ہم تک پہونچین، اسلام کے بالکل ابتدائی دور مین جب صحابہ جو احادیث نبوی کے تنہا حامل تھے، مختلف دور دراز صوبون اور شہرون مین سکونت پذیر ہوگئے تھے، یہ محدثین طویل اور دشوار گذار سفر اختیار کر کر کے ان صحابہ سے ان کی نئی قیام گاہون مین ملے، جسوقت تک ضروری سمجھا اُن سے ملتے جلتے رہے، اور اس طرح اُس علم کو یکجا کیا جو صحابہؓ کے ذریعہ سے اسلام کی وسیع سلطنت مین پھیلا ہوا تھا،

گولڈزیہر کہتا ہے، "دنیاے اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُندلس سے وسط ایشیا تک حدیث کے یہ جفاکش اور نہ تھکنے والے متلاشی گشت کرتے اور ہر مقام سے اپنے سامعین کے لئے حدیثین جمع کرتے رہے، حدیثون کو جو مختلف صوبون مین پھیلی ہوئی تھین ایک مستند شکل مین جمع کرنے کا یہی تنہا ممکن طریقہ تھا، "الرحال" یا "الجوال" کا معزز لقب ان سیاحون کے لئے لفظی ہی معنون مین استعمال کیا جاتا ہے، "طواف الاقالیم" کے لقب مین ان کیلئے کوئی مبالغہ نہین ہے، جنہین سے بعض ایسے تھے جنھون نے تمام مشرق و مغرب مین چار مرتبہ سفر کیا تھا، ان تمام ملکون مین اون کے سفر کی غرض مناظر کا دیکھنا یا تجربہ کا حاصل کرنا نہ تھی، بلکہ اُن کا مقصد ان مقامات مین محدثین سے ملنا اور ہر ایک سے حدیثین سننا اور مستفید ہونا تھا، جیسے کہ بعض چڑیان درخت پر اسی لئے بیٹھتی ہین، کہ اوسکی پتیان چُنین"

موجودہ مجموعون کی شکل مین احادیث کی تدوین پہلی صدی ہجری کے آخر مین شروع ہوئی اور اوس کے

بعد تیزی کے ساتھ ہوتی رہی، یہانتک کہ تیسری صدی کے ختم سے پہلے ہی حدیث اور متعلقات حدیث پر تقریباً تمام مستند اور اہم کتابین لکھ لی گئین، تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ محدثین تمام رواۃ کے حالات بھی دریافت کرکے ان کی حیثیات پر نقد و تبصرہ کرتے گئے، اور احادیث کی جرح و تعدیل کے لئے ان رواۃ کے حالات پر ایک وسیع لٹریچر تیار کرلیا، انھون نے فرداً فرداً ہر حدیث کا بغور مطالعہ کیا، ہر ایک کی صحت اور اصالت سے ناقدانہ بحث کی، اور "موضوعات" پر ایک ضخیم دفتر تیار کردیا، اونھون نے احادیث کی صوری اور معنوی دونون حیثیتون سے جرح و تعدیل کرنیکی غرض سے بہت سے فنون قائم کئے، اور اون کو فروغ دیا،

فلسفۂ فقرار

یعنے

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای، سی، ایس، آئی، ایم اے، ال ال ڈی حیدرآباد دکن،

جناب نواب سر امین جنگ بہادر کسی تعارف کے محتاج نہین وہ بھی کبھی "نئے تعلیم یافتہ" تھے، مگراب تو پرانے ہو چکے ہین، وہ فلسفۂ جدیدہ کے ماہر، انگریزی کے ادیب اور تصوف کے ذوق چشیدہ ہین، ذیل کے مقالہ مین اونھون نے گویا اپنی روحانی سیر کا سفرنامہ لکھا ہی،

یہ مقالہ انگریزی مین ۱۳ اکتوبر اور ۱۴ نومبر ۱۹۳۱ء کو اسلامک ایسوسی ایشن تھیاسوفیکل ہال حیدرآباد دکن مین پڑھا گیا تھا، اور بصورت رسالہ وہان تقسیم کیا گیا تھا، لیکن اس خیال سے کہ اس کا فائدہ عام ہو اور ایک لائق صاحب فکر کی جستجو کا پتہ دوسرے سرگردانون کو بھی معلوم ہو، صاحب مقالہ کی اجازت سے ہم اس کو معارف مین شایع کرتے ہین،

اڈیٹر

تمہید

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[1]

۱- تصوّف سے ہر زمانہ مین ہر قوم و ملت کے افراد کو کم و بیش دلچسپی رہی ہے، اوس کی طرف اکثر وہ بزرگوار

[1] سورۂ والشمس ۹۱: ۷-۱۰،

مائل رہے ہین، جو اپنے زمانہ کے جنگ و جدال یا خانہ جنگیون سے بیزار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور اون کی گوشہ نشینی کے غلط معنی سمجھے گئے کہ اونھون نے اپنی دانست کے موافق دین یعنی راہِ حق اختیار کرنے کیلئے دنیا ترک کر دی، لیکن کوئی فردِ بشر دنیا ترک نہین کر سکتا، نہ دنیا کو چھوڑ کر کوئی دین یا راہِ حق اختیار کر سکتا ہی، یہ راستہ انسان کو اپنی زندگی ہی مین اپنے ماحول یعنی دنیا ہی مین ملتا ہے، راہ حق جس کو کہتے ہین، وہ دنیا کے ماسوا یا ماورا نہین ہے پس صوفیون کی گوشہ نشینی فی الحقیقت دنیا ترک کرنے کے واسطے نہین، بلکہ اپنے خیالات قدسیہ و قیاسات الٰہیہ کو درست کرنیکے واسطے تھی۔

۲۔ اس مضمون کا نام فلسفۂ فقراء یعنے "سائنس اور تصوف" رکھا گیا ہی، مگر ہمارا روئے سخن اون فقرا کی طرف نہین ہے جن کے عادات و اطوار نے، علی الخصوص ہند مین لفظ فقیر کے معنی بدل دئے ہین، اور سچے فقرا کی وقعت اور عزت گھٹا دی ہے حتی کہ فقیری گداگری کے مترادف ہو گئی، ہم کو اُن فقیرون سے بحث نہین جنھون نے اپنی فقیری کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے، یہان صرف اون فقیرون کے خیالات، قیاسات اور عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے (جو اپنے آپ کو پا لینے) کی کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین، ایسے اشخاص ہر ملک و ہر زمانہ مین اگرچہ نایاب نہین تھے، مگر کمیاب تو ضرور رہے ہے، خود ہمارے اس مادی زمانہ مین بھی ہندو مسلمان دونون قومون مین اور نیز دوسری قومون مثلاً سکھ اور عیسائیون مین قابلِ احترام فقرا موجود ہین، مگر وہ اپنا فقر یا اپنی فقیری ظاہر نہین کرتے، بلکہ اوسکو چھپا رکھنے کی کوشش کرتے ہین، ایسا فقیر جس نے اپنے آپ کو پا لیا ہے، جیسا کہ آیندہ ظاہر ہو گا، وہ اپنے ملک کا بڑے سے بڑا امیر بھی ہو سکتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹا کسان یا مزدور بھی ہو سکتا ہے پس سچا فقیر کون ہے اور کون نہین یہ معلوم کرنا سچے فقیر ہی کا کام ہے، جیسے چور ہی چور کو پکڑ سکتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی ایسا فقیر کسی کو مل جائے، اور دونون مین اصولی خیالات و دلی خواہشات کا تبادلہ بلا تکلف ہو جائے، تو معلوم ہو گا کہ فقرا کا فلسفہ دلچسپی سے خالی نہین اور واقعی قابلِ لحاظ ہے، ایسا فلسفہ یعنی علوم و فنون مروجہ کے اصولی

ے

کثرت مین جمال پاک وحدت دیکھو — عسرت میں ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا مین رہے عالمِ دین پیشِ نظر — آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو

باتون سے استقرار کسی کام کا نہین جس کے نتائج انسان کو اوسکے روزمرہ امورزندگی کے مسائل اور دشواریون کو حل کرنے مین مدد و معاون نہ ہون، ہماری رائے مین فلسفۂ فقرا کا ایک پہلو ایسا بھی ہے، جو زندگی کو زندگی بنا سکتا ہے، اسی لئے ہم نئے تعلیم یافتہ نوجوانون کی توجہ اس قدیم فلسفہ کیطرف مائل کرتے ہین، ہم اس فلسفہ کو اوسی (PRAGMATIC) عملی نقطۂ نظر) سے دیکھتے ہین، جس سے پروفیسر ولیم جیمس ہر فلسفہ پر نظر ڈالتے تھے، وہ فلسفہ کی اون تمام باتون کو لغو سمجھتے تھے، جو انسان کے عمل کیلئے فائدہ بخش نہ تھے، اور اوس کے عمل کو خطا و غلطی سے نہ بچا سکتے تھے،

۳۔ تصوف کوئی خاص مذہب نہین ہے، بلکہ ہر مذہب اسی پر مبنی ہے، تصوف کوئی فلسفہ نہین ہے، لیکن ایک خاص قسم کا فلسفہ اوس سے متعلق ہے، جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقرا رکھا ہے، اس اجمال کی تفصیل کے قبل یہ کہدینا مناسب ہوگا کہ تصوف نفس کو وہم و تردد سے پاک کرکے قلب کو تشفی بخشتا ہے، اور اخلاق کی درستی کا باعث ہوتا ہے، تزکیۂ نفس اسی کے معنی ہین، قد افلح من زکیٰھا، اگر اس سے ایسے مفاد کی امید نہ ہوتی، تو تصوف فقیرون کا ڈھکوسلہ سمجھا جاکر اب تک ملیامیٹ ہو جاتا،

۲۔ توضیح

۱۔ ابتدا ہی مین لکھدیا گیا ہے، کہ ہر ملت و مذہب مین تصوف ہے، مسلمان جسکو تصوف کہتے ہین، ہندو اوسکو ویدانت اور عیسائی اوسکو مسٹی سزم کہتے ہین، جہانتک غور کیا گیا، ویدانت اور تصوف کے اصول مین کوئی فرق نظر نہ آیا، حتی کہ بعض ویدانتیون کا ادعا ہے، کہ نوشیروان اور بزرجمہر کے زمانہ مین ویدانت ہند سے فارس گیا، اور ایران سے بشکل تصوف پھر ہند مین واپس آیا، واقعہ جو کچھ ہو، ادعا یہی بتاتا ہے، کہ بعض قابل احترام ویدانتی صوفیائے کرام کو اپنا ہم خیال اور ہم مشرب سمجھتے رہے، بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد اور بعد کے زمانون مین بھی ویدانتی و صوفی ایک دوسرے کے مرشد و مرید رہے، بہرحال اس مضمون کے اغراض کے لئے فرض کر لیا جاتا ہے کہ ویدانت و تصوف مترادف ہین، فقرا جن کو ہندو یوگی یا بھگت

کہتے ہین اون کو مسلمان عارف یا سالک کہین گے، یوگی یا عارف بھگت یا سالک وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو پالیا۔ اور جس کا نفس مطمئن ہوگیا، یا دوسرے الفاظ مین جسکو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا،

۲۔ انسان اپنے آپ کو کیسے پالیتا ہے، اور اوس کا نفس اپنے آپ سے کس طرح مطمئن ہوتا ہے[۱]

یہی دو دشوار سوال ہین جن پر اس رسالہ مین روشنی ڈالنے کی کوشش کیجائیگی، اس کوشش کا منشا محض اصل موضوع کی توضیح و تشریح ہے۔ کوئی عبارت آرائی نہین، اور نہ کسی کے قول و فعل پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی، اکثر ویدانتی اور صوفیون نے مذکورہ سوالون کے جواب اشعار مین ادا کئے ہین اور نثر مین اگر کچھ بیان بھی کئے ہین، تو اس مین ایسے اصطلاحات و استعارات لائے گئے ہین جن کے صحیح معنی سمجھنے مین مبتدیون کو تو کیا منتہیون کو بھی مشکل پیش آتی ہے، ازمنۂ سابقہ مین بعض پنڈت اور اکثر ملّا ویدانتیون اور صوفیون کے ایسے مخالف تھے، کہ اون کی ذرا ذراسی بات پر اون کو کافر، ملحد، مرتد قرار دیکر یا سیاسی اغراض کے لئے اونکا وجود خوفناک ظاہر کرکے اون کی جان لینے کے درپے ہوجاتے تھے، لہذا تعصبی حملات سے بچنے کے لئے مسائل الٰہیات کی تفہیم ویدانتی اور صوفی سینہ بسینہ اپنے مریدون کو زبانی ارشادات سے کرتے اور اپنی تحریرات مین فقط اشارات و کنایات سے کام لیتے رہے، اسی وجہ سے تصوف کا شیوع زیادہ نہ ہوسکا، اور عامۃ الناس اوس سے خاطرخواہ بہرہ یاب نہ ہوسکے، انھی وجوہ کے باعث اس روشن زمانہ مین بھی تصوف تعصب کا شکار ہوتا رہا، تصوف کی باتین اصطلاحات اور استعارات ترک کرکے سہل طور سے بیان کرنا ازبس دشوار ہے، کیونکہ غلط فہمی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیتی ہے، ویدانت یا تصوّف دراصل کسی مذہب کا مخالف نہین ہے، بلکہ ہر مذہب کا ممد و معاون ہے،

---

[۱] یورپ کے ایک مشہور شاہی منجم کیپلر (KEPLER) جنھون نے سیارون کے حرکات کے تین قواعد مقرر کئے ہین جن پر اب تک ہر مہندس کا عمل ہے، اون کی بھی وہی اعلیٰ ترین خواہش رہی، جو اب بھی ہر صوفی کی اعلیٰ ترین خواہش ہے کہ "وہ اپنے مین اوس اللہ کو پالے، جسکو ہر وقت ہر جگہ خارج مین پاتا ہے"، یعنی دوسرے الفاظ مین (اپنے آپکو پالے) اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو اوس کے مرشد نے (پانا) کیا ہے، اچھی طرح سمجھا دیا ہے،

۳- اگر محض تشبیہاً تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچانے والا مذہب (جائے ذہاب) ایک ایسا راستہ ہے جو مسافرون کو کسی خوشنما شہر سے ایک بڑے سمندر کے کنارے پہنچاتا ہے، اس راستہ یا مذہب کے حالات شرک وکفر ومکروہات کے غار پہاڑ ندی نالے جو ہوتے ہین، اون مین سے ہوکر یا اون پر سے عبور کرنے والے سرنگ اور پل عقائد ہین، اور راستہ دراصل پختہ شاہراہ شریعت ہے، اور بازو کے پیدل راستے اور اسمین اگرنے والے گلی کوچے انسان کی نیتین اور اعمال ہین جن کو درست رکھنے کے واسطے فقہ ہے، اور جس خوشنما شہر سے شاہراہ شریعت نکلی ہے وہ تَصَوُّف ہی، سمندر کا کنارہ جہان مسافر پہنچ سکتے ہین وہ قرب الٰہی ہے اس سڑک سے پیدل افتان وخیزان جو گذرتے ہین، وہ معمولی انسان ہین، علما وفضلا کسی قدر آرام سے گھوڑے بگھیون پر سوار چلے جاتے ہین لیکن اہل سلوک سبک سیر موٹرون پر جلد تر مقام مقصود پر پہنچ جاتے ہین، رشی اور اولیا برق رفتار ایروپلین پر منٹون مین کہین سے کہین پہنچ جاتے ہین۔ اس سادہ تشبیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف وسلوک مذہب وشریعت سے الگ یا باہر نہین ہے بلکہ اس شاہراہ کا مبدا ویدانت یعنی تصوف ہے، کرم یا سلوک سے قرب الٰہی کے سمندر کے کنارہ تک رسائی ممکن ہے کوئی ویدانتی اپنے دھرم کو ترک نہین کرسکتا، نہ کوئی صوفی اپنے مذہب وشریعت سے الگ ہوسکتا ہی،

۴- اصطلاحاً علم (SCIENCE) اور فن یا ہنر (ART) مین اسی قدر فرق ہے جسقدر کہ معمولی طور سے کسی چیز کو جاننے اور پہچاننے مین اور اوس چیز کے متعلق کوئی کام کرنے مین ہے، مثلاً پانی کے اجزا کیا ہین ہر ایک جزو اس کا کس مقدار مین ہے، یہ پانی کا علم ہوگا، اجزا الیکٹرون کو برقی قوت سے ترکیب دیکر پانی بنانا فن ہوگا، علم و فن کی اس تعریف کے موافق تصوف صوفی کا علم ہے اور سلوک اوس کا فن ہے، جو اپنے علم تصوف کے موافق کوئی کام کرکے اوس سے فائدہ اوٹھاتا ہے، فنون لطیفہ مین بہترین فن سلوک ہی،

۳- ویدانت وتصوف

۱- اس قدر تمہید وتوضیح کی ضرورت ویدانت وتصوف کی حیثیت بیان کرنے کے واسطے تھی تاکہ تعصب

دور ہو، و غلط فہمی نہ ہونے پائے، تصوف کے متعلق فلسفہ کے چند اہم مسائل کی وضاحت و تفہیم کے لئے یہ رسالہ جو لکھا جاتا ہے، اوس کے واسطے یہ بھی لازم ہے، کہ "ویدانت یا تصوف کیا چیز ہے" اس کا مختصر بیان کیا جائے تاکہ اوس کے متعلقہ مسائل فلسفہ سمجھنے مین سہولت ہو،

بیا و حال اہل درد بشنو　　لفظ اندک و معنی بسیار،　　(حافظ)

۲۔ اختصار کی غرض سے تصوف کی چار باتین اوّل سوال و جواب کی شکل مین لکھ کر بعد مین ہر اجمال کی مختصر تفصیل کیجاتی ہے،

(۱) چہ؟ تصوف کسکو کہتے ہین،؟

پراگمیاٹک یعنی عملی نقطۂ نظر سے اوس کو نفس انسان کی ایک خاص اُمنگ یا ہیجان کی خاص حالت کہین گے، چنانچہ صوفی کہتے ہین تصوف "حال" ہے "قال" نہین،

(۲) چون؟ وہ خاص حالت کس طرح پیدا ہوتی ہے،؟

جب انسان اپنی ذات اور اپنے مختلف و متعدد تعلقات پر خوب غور کر کے بطور خود یا کسی مرشد کی امداد سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور اس نتیجہ پر اوس کو یقین کامل ہوجاتا ہے، تو اوس کے نفس مین وہ اُمنگ یا ہیجان پیدا ہوتا ہے جسکو تصوف یا ویدانت کہتے ہین،

(۳) چرا؟ ایسی اُمنگ کیون پیدا ہوتی ہے،؟ اس کا باعث کیا چیز ہوتی ہے،؟

رویا، الہام، القا، کشف وغیرہ اس اُمنگ کے باعث ہوتے ہین،

(۴) مفاد؟ تصوف سے کیا فائدہ ہے،؟

تصوف ہر فرد بشر کو اہل بہشت سو بنا سکتا ہے، ؎

آصف کسی مقام کی تخصیص کچھ نہین　　جنت وہی جگہ ہے، جہان جی بہل گیا،　　(آصف)

اگر تصوف عام ہوجائے تو جنس انسان کے لئے روئے زمین فردوس بریں ہوجائے، جوابات مین خط کشیدہ

الفاظ وہی ہین (یعنی خاص حالت نتیجہ یقین کامل، رویا کشف الہام وغیرہ) جنمین تصوف کا گُر پوشیدہ ہی، اور جن کے معنی گرو یا مرشد اپنے مرید کو سینہ بسینہ اوسکی فہم کے موافق بتاتا یا سمجھاتا ہی،

۳۔ کسی شئے کی مکمل تعریف یا کسی امر کی کامل تفہیم کے لئے تین سوال چہ؟ چون؟ چرا؟ کے تشفی بخش جوابات دینا ضرور ہے، اگر ان تین سوالون مین سے کسی ایک کا بھی جواب ادا نہ ہوسکے، تو انسان اوس کو جاننے اور پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ صاحب گلشن راز نے انسان سے خدا کی تعریف کے ممکن نہ ہونے کو یون بیان فرمایا ہی،

منزہ ذات اُوا ز چہ؟ چرا؟ چون؟

تعالی شانہ عما یقولون،

اگر تصوف کی نسبت تین سوالات مذکورہ کے جوابات تشفی بخش نہ ہون اور خط کشیدہ گُریا الفاظ جن کے معنی ارشاد اسیے گرو اور مرشد کامل ہی بتا سکتے ہین، وہ اس مضمون مین اچھی طرح بیان نہ ہوسکین تو اوس کو تصوف کا کوئی نقص ہرگز نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ مضمون نگار اس کو اچھی طرح نہ سمجھا، تصوف کی جو باتین بیان کیجاتی ہین، وہ صوفیون یا ویدانتیون کے نزدیک متفق علیہم نہین ہین، لہذا اون کی نسبت اختلاف آرا بھی ممکن ہی،

۴۔ عربی لفظ "تصوف" کی اصل صوف ہے جس کے معنی یونانیون کے نزدیک عقل کے ہوتے ہین، اس کا معر[illegible] باب تفعیل مین تصویف بن گیا جس کے لغوی معنی عقل لڑانے کے ہوتے ہین، مگر اصطلاحی معنی "ذات اور صفات پر غور و خوض" کے لئے جاتے ہین، اس تصویف یعنی غور و خوض کا نتیجہ باب تفعل مین تصوف قرار پایا جسکی تعبیر اور "امنگ" یا "ہیجان کی حالت" سے کیگئی ہے،

۵۔ نفس[1] کی امنگ کی ہر حالت جسکو انگریزی مین ATTILUDE کہتے ہین اوس کے کم و بیش تین

---

[1] چونکہ تصوف کا تعلق نفس سے ہی، اس لئے یہان کسی قدر توضیح کی ضرورت ہے کہ نفس کسکو کہتے ہین؟ انسان جسکو "مین" کہتا ہی[illegible] جسکو (تو) اور (وہ) سے الگ سمجھتا ہے، اوسکو اصطلاحاً **ایغو** کہتے ہین جسکو ہر شخص عام زبان مین "میرا نفس" "میرا ذہن" "میرا دل" کہتا ہے (۱) کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش مثلاً کوئی غذا اپنے لئے کسی نہ کسی ترکیب سے پیدا کرنے کی سعی، میرے ایغو کا خاصہ ہی (دیکھو

پہلو FUNCTIONS تین وظیفے[51] لازماً ہوتے ہین ایک وجدہ COGNITION / KNOWING دوسرے جذبہ EMOTION / FEELING تیسرے ہیجہ CONATION / STRIVING پھر تینون پہلو ہر امنگ مین رہنا لازم ہے، لیکن ایک ہی وضع پر یکسان رہنا شرط نہین، کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہین، ہر ایک کی طبیعت کے مطابق اوسکی صوفیانہ امنگ ہوگی، کسی کے تصوف مین جذبہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے، کہ وجدہ و ہیجہ کو دبا رکھتا ہے، اور کسی کے تصوف مین ہیجہ، ہیجان، اس شدت سے ہوتا ہے، کہ اوس کے مقابل نسبتہً وجدہ و جذبہ قلیل ہوتا ہے، ہم فی الوقت فلسفی صوفیون کے وجدۂ الٰہیہ سے اور مجذوب صوفیون کے جذبۂ قدسیہ سے قطع نظر کر کے فقط سالک صوفیون کے ہیجۂ محترمہ کو پیش نظر رکھتے ہین،

۶۔ غرض تصوف نفس انسان کی ایک امنگ و تہیج کی حالت کا نام ہے، جو تصویف کا نتیجہ یا ماحصل ہے اور تصویف وہی ہے کہ کوئی شخص INDIVIDUAL جو اپنے آپ کو لفظ مین سے موسوم کر لیتا ہے، اور دیگر اشخاص[52] و اشیاء کو میرے کہکر اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے، خوب سوچے کہ

(الف) مین کیا اور کون ہون، ؟ چہ ؟

(ب) مین کیون یہان آیا ہون، ؟ چون ؟

(ج) مین کس لئے یہان ہون ، ؟ چرا ؟

اگر ان تینون سوالون کے جوابات اوسکی تشفی و تسلی کے موافق اوسکو مل جائین، اور اوسکو اس پر یقین ہو جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۰) جسکو اصطلاحاً ہیجہ کہتے ہین، (۲) کیا چیز کیسے (مجھے) مل سکتی ہے؛ اوس کا جاننا اور پہچاننا مثلاً سیب کیا ہے، اور کیون مل سکتا ہے؛ اوسکا علم میرے ایغو کا لوازمہ ہے جسکو اصطلاحاً وجدہ کہتے ہین، (۳) کسی چیز کے احساس سے (میرے) جسم کے اندرونی حالات مین تبدیلی واقع ہونا مثلاً خوشنما سیب کو دیکھنے سے منہ مین پانی آنا جو ایک قسم کا جذبہ ہے، وہ میرے ایغو کی قوت ہے جسکو اصطلاحاً بھی جذبہ کہتے ہین پس سعی، علم، جذبہ یا اصطلاحاً ہیجہ، وجدہ، جذبہ، ایغو کے تین پہلو ہین، جو میری خواہش یا شغف مین جمع رہتے ہین،

[51] پہلو "معمولی لفظ ہے اصطلاحی لفظ "وظیفہ" ہے ان معنون مین جو حافظ نے بیان فرمایا ہے،

حافظا (وظیفہ) تو دعا گفتن ست و بس ‌ ‌ ‌ در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید،

[52] ہاتھی کو ہم "شخص" نہین کہہ سکتے کیونکہ ہم کو معلوم نہیں، آیا وہ اپنے کو "مین" کہتا ہے یا کیا،

تو وہ صوفی یا ویدانتی ہوجاتا ہے، اوس وقت اوس کے نفس مین جو خاص ہیجان یا تہیج پیدا ہوتا ہے، وہی اوس کے غور کا نتیجہ یا ماحصل یعنے تصوّف ہے اس تصوّف کا اثر جو اوس کے اطوار و اقوال و افعال پر پڑے گا، وہی اوس کا سُلوک ہوگا، اگرچہ ہر شخص کی تصویف ایک ہی وضع کی ہوتی ہے، لیکن کہا نہین جاسکتا کہ اس کا لازمی نتیجہ ایک ہی ہوگا کیونکہ ہر ایک سبب کے مسبّب متعدد و مختلف ہوتے ہین، جیسے سورج کی گرمی سے موم گھل جاتا ہے، کیچڑ سخت ہوجاتی ہے، پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہے اسی طرح ہر شخص کی طبیعت یا خصلت جداگانہ ہونے سے ہر طبیعت کے آدمی کا تصوّف نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے QUALITATIVELY AND QUANTITATIVELY جداگانہ ہوتا ہے، جس علم سے جو عمل ظہور مین آئے جس تصوّف کا اثر جو سلوک ہے وہی اوسکی نیکی یا بدی کا پیمانہ ہے، کسی صوفی کا سلوک غیظ و غضب برپا کرنے والا جلالی ہے، اور کسی کا سلوک امن و امان پیدا کرنے والا جمالی، لیکن علی العموم ویدانتی گرو اور صوفی شیوخ اپنے مریدون مین ایسا تصوّف اور ایسا سلوک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جس سے یہی عالم جسکو ہم دنیا کہتے ہین، مرید کے حق مین بہشت ہوجاتا ہے اور وہ مرید اپنے ماحول کو فردوس بنانے کی کوشش بلیغ کرتا ہے، (یاد رہے ہمارا روئے سخن معمولی گندم نما جو فروش صوفیون اور ویدانتیون کی طرف نہین ہے، بلکہ اون محترم اور مبارک ہستیون کی طرف ہے جو دراصل صوفی ہین، اور صوفیون کے مرشد اور گرو ہوتے ہین،)

۷- جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ہر امر کی کامل تعریف یا تفہیم کے لئے اوس کا متعلق چہ چون چرا، کی صراحت کرنی لازم ہے، لیکن دنیا مین بعض ایسے امور ہین جن کی نسبت اگرچہ چہ اور چون کے جوابات دئے جاسکتے ہین، اگرچہ اون کی ماہیت و کیفیت بیان کیجاسکتی ہے، لیکن اون کی وجہ چرا؟ بیان نہین کیجاسکتی، انھین امور مین ایک تصوّف بھی ہے، جس کے متعلق چرا یا وجہ کی تشریح الفاظ یا ارشادات سے بھی ممکن نہین، فقط الہام و القا، کشف و کرامات ہی سے اسکی تفسیر ہوسکتی ہے، مگر یہ ہمارے امکان سے خارج ہے، اگر آپ کسی اہلِ سائنس

لہ امجد:۔ کیون گرم ہے آفتاب معلوم نہین کیون ہے یہ انقلاب معلوم نہین
جی بھر کے سوال کرلو جتنے چاہو سب کا ہے یہی جواب معلوم نہین

سے پوچھیں کہ پانی کیا چیز ہے؟ اور کس طرح بنتا ہے، ؟ وہ پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرکے بتائیگا کہ وہ پانی ہے، اور کہے گا کہ ہیڈروجن اور اکسیجن کی مقدار مقررہ کو برقی قوت سے ترکیب دینے سے بنتا ہے لیکن آپ اگر اوس سے یہ بھی پوچھیں کہ کیون اون عنصرون کی اوس مقدار کی ترکیب سے فقط پانی بنتا ہے شراب یا اور کوئی چیز کیون نہین بنتی تو وہ آپ کو بغور دیکھکر خاموش ہو جائے گا۔ ایسا ہی اگر آپ کسی پنڈت یا شیخ سے پوچھیں کہ وہ کیون ویدانتی یا صوفی ہے، کوئی چور یا بدمعاش کیون نہ ہوا؟ تو وہ بھی آپ کو ویسا ہی نیچے اوپر دیکھکر خاموش ہو جائے گا۔ اوس کے اس دیکھنے اور چپ ہو جانے کے یہ معنی نہین ہین کہ وہ سائل کو دیوانہ سمجھتا ہے، یا اوس کو آپ کے بیجا سوال پر غصہ آیا ہے نہین بلکہ صوفی یہی سمجھے گا کہ آپ خدا کے اوس الہام القا، یا کشف سے محروم ہین، جو اوس نے بڑی ریاضت یعنی نفسی جد وجہد کے بعد پائی یا جو شیخ کی مہربانی سے اوس کو حاصل ہوئی، چنانچہ اکثر مغربی مراکش وغیرہ کے صوفیونکا مقولہ ہے من لا شیخ لہٗ فشیخہ الشیطان جس کا کوئی مرشد نہین اوس کا مرشد شیطان ہے لیکن یہان الہام القا، کشف وغیرہ کی ماہیت یا کیفیت کی بحث نہین ہو سکتی جو تصوّف کے خاص تہیج سے تعلق رکھتی ہین، کیونکہ فی الحال ہمارا مطلب خود تصوّف کی تفسیر و تصریح نہین ہے، بلکہ فقط تصوّف کے فلسفہ کی تاویل ہے، جسکی صوفیون کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ تصوّف کی اُمنگ سہل طور سے پیدا ہو سکے، سے

تلقین درس اہل نظر یک اشارتست　　　　کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم (حافظ)

۸۔ تصوّف سے کیا فائدہ؟ کیا اوس سے ہر متنفس کی روزمرہ خوشی کی مقدار مین کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، کیا اوس سے نوع انسان کی بہبودی من حیث المجموع زیادہ ہو سکتی ہے، ؟ اس قسم کے سوالات کسی صوفی سے کئے جائین، تو وہ ہنسکر جواب دیگا کہ "تم خود صوفی بن کر دیکھو" لے تصوّف حال ہے قال نہین، تم صوفی بنجاؤ تو معلوم ہوگا، تصوّف کی حالت اگر بار بار کسی کے نفس پر طاری ہوتی رہے، تو اوس کے جذبہ مین کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے

لے امجد:- ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو،　　　　جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو،
کیا عرض کرون کہ اس مین کیا لذت ہے،　　　　اک مرتبہ تم کسی کے ہو کر دیکھو ؎،

کہ وہ اوسی مین رہنے کے واسطے بلا تامل اپنا من تن دھن وقف کر دیتا ہے وہ اپنے نفس مطمئنہ ہی کو اپنے حق مین ہزار بہشت کی ایک بہشت سمجھتا ہے، ؎

خرم دل آن کہ ہمچو حافظ — جامے ز مئے الست گیرد (حافظ)

وہ اپنے کو ہر شخص و ہر شئے مین دیکھتا ہے، گویا وہ شخص خود آپ ہے، یا وہ شئے یا اوسکی صفت خود آپ مین ہے، اوس کے نزدیک کوئی غیریت نہو گی، ہر مین کہنے والے کو وہ خود آپ ہے سمجھیگا، ہر چیز کے حسن و قبح کو خود آپ مین پائے گا، دوسرون کے اغراض کو اپنے اغراض تصور کرے گا، جب کسی فرقہ یا گروہ کے افراد مین سے اس طرح غیریت اوٹھ جائے اور ہر ایک اپنے اغراض کو دوسرون کے مخالف تو کیا یکسان بلکہ ایک ہونا تصور کرے گا، تو اوس گروہ مین صلح و امن کی ایسی لہر پیدا ہو جائے گی، کہ جسکے دیکھنے والے یہی کہین گے، ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمین است وہمین است وہمین است

۹ ۔ فقرۂ بالا مین جس بہشت و فردوس کا ذکر ہے وہ محض نفس کا ایک وجدانی Ideal ہے، جو صوفیون کے مدِ نظر رہا کرتا ہے، ساتھ ہی اس کے صوفیون کو بخوبی اس کا علم و احساس بھی رہتا ہے، کہ اپنے موجودہ زمانہ مین وجدانات Sentiments کا کامل وجود امکان سے باہر ہے، مگر اون کا خاصہ یہ ہے کہ اون کے مقاصد کے حصول کے لئے جس قدر زیادہ کوشش کیجاتی رہے اور اس کوشش مین جسقدر کامیابی جس حد تک حاصل ہوتی رہے، اوسی قدر زیادہ خوشی انفراداً، زیادہ بہبودی اجماعاً ہوتی ہے،

۱۰ ۔ ویدانت یا تصوف کے فلسفہ کی کوئی توضیح تشفی بخش نہین ہو سکتی، جب تک اوس کے ایک مفروضہ[۱] Hypothesis کا سرسری ذکر نہ کیا جائے، جو تمام ویدانتی و صوفی تحریرات مین مسلمہ ہے جس کا نام عام زبان مین

---

[۱] اصطلاحاً، قیاس، مفروضہ، نظریہ مین ویسا ہی فرق ہے، جیسا (۱) ایک بات سے دوسری بات نکالنا، (۲) چار پانچ باتون سے ایک بات نکالنا، (۳) بہت سی باتون سے ایک عام بات نکالنا،

بن (بے ثباتی عالم) ہے وہ سادہ الفاظ مین اسی قدر ہے کہ ہمارے محسوسات وادراکات مین ہم کو کوئی ہستی درحقیقت ئم نظر نہین آتی، بلکہ ہر ہستی اپنی ہیئت وحالت ظاہر وباطن کو ہر لحظہ وہر آن بدلتی ہوئی پائی جاتی ہے، کسی ہستی کو یہان کوئی بات نہین اگر ثبات ہے تو صرف تبدیلی کو، اکثر ویدانتی اور صوفی بے ثباتی عالم کے ثبوت کی ضرورت ہی نہین سمجھتے بلا تامل مان لیتے ہین کہ ہمارے فہم وادراک مین کوئی ایسی چیز نہین آسکتی جو ہر وقت اور ہر جگہ بالکل یکسان اور ایک حالت مین ہو، زمین اپنے محور پر اس طرح سہولت سے پھرتی ہے، کہ ہم کو معلوم ہی نہین ہوتا کہ ہم بھی اوس کے ساتھ رات دن پھرتے اور سال بھر سورج کے اطراف چکر لگاتے ہین، البتہ اگر کوئی زلزلہ آجائے تو کسی قدر احساس ہوتا ہے کہ ہماری زمین متحرک ہے، اگر کوئی شے اس عالم مین ایکسان اور ایک ہی حالت مین رہنے والی قائم ودائم ہے تو ہم انسانون کے فہم وادراک سے خارج ہے، ہر ہستی یا چیز، خواہ انسان ہو یا حیوان، خواہ درخت ہو یا پتھر، ہر جگہ، ہر وقت اپنی ہیئت وحالت اور اپنے اوضاع وتعلقات کو ہمیشہ ہر طرح سے بدلتا رہتا ہے، ہم جس کو فلان چیز کہتے ہین، وہ ایک ساعت تو کیا ایک آن مین دوسری چیز ہو جاتی ہے، مین جو اس وقت ہون منٹ دو منٹ مین بالکل دوسرا مین ہو جاتا ہون، مثلاً ندی جو بہتی چلی جاتی ہے، اگر دور سے دیکھی جائے تو استادہ پانی کا چشمہ نظر آئے گی، اگر قریب جاکر دیکھی جائے تو بہتا ہوا پانی نظر آئے گا، جو بہاؤ کی سرعت کی وجہ سے دور سے (بہ نسبت ندی کے کنارون کے) استادہ پایا گیا، اگر اور بھی قریب جاکر خوب غور سے پانی پر نظر ڈالی جائے تو اوس کا قطرہ قطرہ ایک مقام سے دوسرے تیسرے چوتھے مقام پر جاتا ہوا پایا جائے گا، پانی کا ایک ایک قطرہ بھی اگر کلان بین سے دیکھا جائے تو اوس کا ذرہ ذرہ اپنی ماہیت وحالت بدلتا ہوا نظر آئے گا، یہی حالت اس عالم کی ہر ہستی یا ہر شئی کی ہے، جو اگرچہ بادی النظر مین ایک طور سے قائم پائی جاتی ہے، لیکن دراصل جلد سے جلد تر بدلتی رہتی ہے، کسی کو کوئی ثبات یا دوام نہین، ہر ہستی نہ بود ہے نہ نابود ہے، بلکہ بود ونابود دونون کے مابین ہے، اسی کو حالت ارتقا کہتے ہین، دنیا بقول جامی، سہ

بحریست نہ کاہندہ نہ افزایندہ　　امواج براو رونده و آینده
عالم چو عبارت از ہمین امواج است　　نبود دو زمان بلکہ دو آن پاینده

۱۱۔ غرض اس طرح ہر جگہ اور ہر وقت اپنے صفات و حالات، اپنے حرکات و سکنات اپنے باہمی تعلقات،
اپنی ہیئت و حالت کو بدلتے ہوئے اشیا یا ہستیون کو فلاسفر اصطلاحًا انگریزی مین (واحد) فنامنن (Phenomenon)
جمع فنامنا، اور عربی مین (واحد) ظاھرہ (جمع) ظاہرات یا ظواہر کہتے رہے، مگر حال مین پروفیسر آئین سٹین نے اپنے
مشہور نظریۂ تناسبیہ کے واسطے ان کا نام (واقعاتِ مکان و زمان) رکھا ہے مگر صوفی اپنے فلسفۂ تناسبیہ مین جملہ ظواہر
کو (حادثاتِ جسم و جان) یا (حوادثِ روح و جسم) کہتے ہین، جن کا بیان متعاقب آئے گا۔

۴۔ ارتقار

۱۔ راقم گذشتہ تیس سال مین کسی ایسے صوفی یا ویدانتی سے نہین ملا، جو مذکورہ معنون مین ظواہر یا حادثات
جسم و جان کے ارتقا کا قائل نہ تھا، لفظ ارتقا، و نیز انگریزی لفظ یولیوشن (Evolution) کے لغوی
معنی "خود بخود کھلتے اور پھیلتے جانا" ہوتے ہین، اوس کے اصطلاحی مفہوم مین ترقی و تنزل، عروج و نزول، دونون
شریک ہین، مثلاً بعض یکسان اجزا یا قوتون کے اجتماع (Integration) سے ایک جدید شئے یا جدید قوت
بن جانا اور، اوس جدید شئے یا جدید قوت کے اجزا مین افتراق (Differentiation) پیدا ہونے پر بھی
باہم اجزا مین ایک طرف اور نیز اجزا اور کل مین دوسری طرف اعتدال (Equilibrium) باقی رہنا
یہ سب امور مجموعًا ارتقاءِ عروج کے معنون مین شامل ہین اور اوس جدید شئے کے یا جدید قوت کے اجزا یا قوتون مین
پھر افتراق ہونے سے اجتماع باقی نہ رہ کر باہمی اعتدال کا زوال ہو جانا، یہ سب امور بھی مجموعًا ارتقاءِ نزول کے معنون
مین شامل ہین، لیکن نظریۂ ارتقار کے تین طریقے اجتماع و افتراق و اعتدال کی کیفیت بیان کرنا تو کہان اوس
نظریہ کی تعریف بھی مختصر طور سے کرنیکی یہان گنجایش نہین ہے، فقط سرسری طور پر ارتقار کے معنی بتا کر یہ کہدینا مقصود
ہے، کہ ویدانتی اور صوفی اس ارتقا کے ہمیشہ قائل رہے ہین، اگرچہ اون کے تصانیف و تالیفات مین اشیا یا قوی کے
ارتقار کا کوئی ایسا ثبوت نہین ہے، جیسا کہ انیسوین صدی کے مغربی محققین نے پیش کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اگلے

زمانہ کے صوفی محققین اپنے اختبارات (Observations) و آزمائشات (Experiments) و تحقیقات (Investigations) کا فقط نتیجہ بیان کر دیتے تھے، طریقۂ اختبار، ترکیب آزمائش اور آئین تحقیقات کی توضیح و تصریح غیر ضروری سمجھتے تھے، غرض صوفی بے تکلف مانتے ہین کہ ظواہر، واقعات زمان و مکان، حادثات جسم و جان مین (۱) طبعیات کے اعتبار سے فعل و ضد فعل کا (۲) حیاتیات کے اعتبار سے ولادت اور موت کا (۳) اقتصادیات کے اعتبار سے تدریجی ترقی اور تدریجی تنزل کا دور دورہ، دور دائرہ (Cycle) ہر وقت اور ہر جگہ رہا ہے، اور ہمیشہ رہے گا، مزید برآن یعنی ارتقاء کے عمل کو ماننے کے علاوہ صوفی اور ویدانتی ارتقاء مین مدارج بھی تسلیم کرتے ہین، چنانچہ مولینا رومی کی مثنوی کے ابیات[1] مین ارتقاء کے مدارج بتائے گئے ہین ویدانتی و شنو کے اوتارون کے استعارات مین مچھلی سے لیکر انسان و ملائکہ تک کے مدارج ارتقا بیان کرتے ہین بلکہ ارتقا کا نظریہ ان حضرات کے نزدیک بے ثباتی عالم کے کلیہ کا محض ایک جزو یا شعبہ ہے

۲۔ صوفیون اور فیلسوفون نے ظواہر کے یعنی حادثات جسم و جان کے دور دورہ کو ہستی تصور کیا ہے لیکن سوال یہ ہے، کہ "وہ کیا چیز ہے" "وہ قوت کیا ہے جس کے دورۂ دائری یا دور دورہ Cycle کو ہم ہستی کہتے ہین" دوسرے الفاظ مین سوال یون کیا جا سکتا ہے، کہ "وہ کیا ہے جس کا عروج و نزول ارتقاء مین ہوتا ہے، ؟" ہربرٹ اسپنسر ہسلی سٹیفن جیسے فیلسوف (فلاسفہ لا ادری) Agnostics کہتے ہین، کہ "وہ کیا ہے، ہم نہین جانتے اور جان سکتے ہین اُس کا علم ہم کو کچھ بھی نہین ہو سکتا حتیٰ کہ وہ ہے، یا نہین، یہ بھی ہم نہین کہہ سکتے" چند دوسرے فیلسوف (فلاسفہ الٰہی) Gnostics کہتے ہین، "کہ "وہ ذات ہے جو ظواہر مین، واقعات زمان و مکان مین، حادثات جسم و جان مین مستتر ہے، جس کا اجمالی علم یا احساس ہم کو کسی نہ کسی طور سے ہوتا رہتا ہے" لیکن سوال مذکور کا جواب صوفیون اور ویدانتیون کے پاس یہ ہے کہ وہ ذات بحت یا ذات مطلق خدا ہے، جسکی نسبت چہ چون چرا کچھ بھی ہم نہین کہہ سکتے لیکن اس کے وجود کا محض احساس ایک طور سے کبھی نہ کبھی تصوف کی خاص حالت یا امنگ مین ہونا ممکن ہے اسی لئے وہ انسان کا اکثر تصوف کی حالت مین رہنا پسند کرتے ہین،

[1] من جمادی بودم و نامی شدم ،، الی آخرہ ،

۵- ذرائعِ سلوک

۱- صوفیون یا ویدانتیون کے مختلف فرقے ہین" ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ (سب کو ایک سمجھنے) والون مین تفرقہ نہین ہوسکتا، ان مین کوئی فرقہ بندی ممکن نہین، البتہ بعض صوفیون نے اپنی اپنی سمجھ کی تائید کے لئے کوئی ایک معمولی طریقہ سوچ لیا ہے، بعض نے غیر معمولی طریقہ اختیار کرلیا ہے، چند اور صوفیون نے ایک تیسرا طریقہ ایجاد کرلیا ہے اوپر بیان کردیا گیا ہی کہ علم و فن مین جو فرق ہی، وہی فرق تصوف و سلوک مین ہے، اور ایک تشبیہ سے سمجھایا گیا، کہ شاہراہ شریعت پر سے گذر کر قربِ الٰہی حاصل کرنے کے ذرائع (تیز رفتار سواریان) ہوتے ہین جسطرح سواریان اقسام کی ہوتی ہین، اوسی طرح سلوک کے ذرائع بھی قسم قسم کے ہوسکتے ہین ایسے ہر ذریعہ سلوک کا نام صوفیون نے طریقہ قرار دے لیا ہی،

۲- شریعت کی شاہراہ سے جلد عبور کرنے کے ذریعے (طریقہ) کے نام سے موسوم ہین، سلوک کے طریقے دراصل دو ہین، اور دیگر تمام طریقے ان دونون طریقون کے متعدد امور کے شمول و خروج، جمع و تفریق سے نکالے گئے ہین، ایک اصولی طریقہ اون صوفیون اور اَدوَیتا ویدانتیون کا ہے جو ھوالکل کہتے ہین، اور دوسرا اصولی طریقہ اون صوفیون اور دُویتا ویدانتیون کا ہے، جو ھُوالباری کہتے ہین، دونون اگرچہ پکے موحد ہین، لیکن توحید کو پانے کا "طریقہ" جس کو ہم "ذریعہ" کہین گے، ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیا ہی، ہر طریقہ یعنی ذریعہ کے متعلق مختلف مباحث طول و طویل ہین جن کا تذکرہ اس مضمون کے اغراض کیلئے غیر ضروری ہی،

۳- یہان فقط اشارۃً وکنایۃً دونون کا فرق حسب ذیل بتایا جاتا ہی،

(الف) هُوالکُل	(ب) هُوالباری
۱- نظریہ- ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست	۱- نظریہ- ہمہ از وست[۱]
۲- ارتقاء خود بخود ہوتا ہی Emergent	۲- ارتقاء- پیدا کیا جاتا ہی Creative

[۱] گر گوئی بگو (ہمہ از وست)، ور بدانی بدان (ہمہ اوست)

...صوف ہیجہ سکون کی طرف مائل Peace	۳۔ تصوف ہیجہ جوش کی طرف مائل Ecstacy
" جذبہ، وہ اور مین جدا نہین (وہ دریا تو مین قطرہ ہون)	" جذبہ، اوس کے ساتھ مین اور میرے ساتھ وہ ہے،
" وجد: وصل	" وجد، "عشق"
۔ حقیقت، حق، حق، حق	۴۔ حقیقت، "حسن ازلی، محبوب کل"
۔ اعتقاد، مین کون ہون؟ انا الحق (عارف)	۵۔ اعتقاد، مین کون؟ "انا عبدہٗ" (عاشق)

۴۔ فلسفہ مین یعنی علوم و فنون کے اصول سے استقرآت مین تین اصل الاصول ہین، جو مسائل کے طور پر یون ...ہ جا سکتے ہین:۔ پہلا مسئلہ Psychological روح یا نفس کیا ہے، ؟ دوسرا مسئلہ Cosmological ...نفس کچھ ہے کہ نہین اگر ہے تو کیا ہے؟ تیسرا مسئلہ Ontological نفس و ما حول النفس کے ماسوا یا اور بھی کچھ ہے بھی؟ ...لی مسائل ہین، جنسے متعلق بقیہ تمام مسائل ہین جن کے بیان و تادیل و ثبوت وغیرہ مین فلسفی سرگرم رہتے ہین، ...ون اور ویدانتیون کے پاس ان تینون سوالون کا ایک ہی جواب صرف ھُوَ ہے، یہ جواب دیدینا بہت سہل ...ن اوس کی صحت کا کسی فرد بشر کو یقین دلانا کچھ سہل نہین ہے، اس کے واسطے بو علی سینا، امام غزالی جیسے صوفیون کو شنکرا ...، ماد ھوا چاری جیسے ویدانتیون کو فلسفہ کی ضرورت ہوئی،

۵۔ اوپر اصطلاحی الفاظ ہیجہ، جذبہ، وجد کی تعریف کردی گئی ہے، اور بیان ہو چکا ہے کہ ہوالکل اور ہوالباری ...ائے صوفیون کی مذکورہ پانچ مختلف باتون کے شمول و خروج یا جمع و تفریق سے، دوسرے تمام طریقے یعنی ذرائع سلوک ...ہوئے ہین، گویا معدودے چند دھاتون کے آلات اور مختلف وضع کے کل پرزون سے جدا جدا سواریان (شکرام، ...موٹر، ایروپین) ہر وضع و قطع کے ذرائع سیر کے واسطے بنا لیے گئے ہین، تمام سواریان (طریقے) اگرچہ ایک ہی وضع و قطع ...ین ہین، لیکن سب ایک ہی سڑک شریعت (دھرم) پر چلنے والے اور سب ایک ہی منزل مقصود کو لیجانے والے ہین،

منزل تو ایک ہی ہے، رستہ رستہ جدا جدا ہے   مین نور کا ہون شیدا، وہ نار پر فدا ہے (امجد)

اسی لئے یہان ہر طریقہ کے مباحث کی صراحت کی کوئی ضرورت نہین ،صرف اون کو اشارۃً بیان کردینا کافی ہے،ان مسائل و مباحث کی مرشدون کو اس لئے ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ (جیسا اوپر بیان ہوا ہے) اپنے مریدین کے دلون مین یقین کامل پیدا کرین،جو تصوف کی امنگ کیلئے لازم ولابد ہے،علی العموم کہا جاسکتا ہے،کہ صوفیون کو ایک خاص قسم کے فلسفہ کی (جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقراء رکھا ہے) ضرورت اس لیے ہوئی کہ اوس سے طالب کے دل مین یقین کامل پیدا کرنے مین سہولت ہوسکے (دیکھو فصل ۲،۳ کے دفعات متعلقہ صوف تصویف و تصوّف ۔) (باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی،مولانا عبدالماجد بی اے دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اوسکو مرتب کیا اور معارف پریس اعظم گڈہ مین چھپی ہے،ضخامت ۲۶۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے،اور مختلف فلسفیانہ وصوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے،قیمت :- عہ

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوّف اور قدماء صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت : عہ

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانح عمری اور اوس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے

پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے حجم ۱۰۲ صفحے قیمت عمر

"منیجر"

حضرت شاہ وجیہ الدّین علوی گجراتی

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، سابق مدرس عربی و فارسی مہا دیالے احمد آباد (گجرات)

گجرات مین سینکڑون علما اور اتقیا پیدا ہوے اور چل بسے، لیکن گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب و ماہتاب چمکے
ن کے علمی کارنامون کی شعاعین ابھی تک پرتو فگن ہین، ان مین سے ایک محدث بے بدل علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی (گجراتی)
ن، اور دوسری مقدس ہستی جناب حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی ہے، ان سے پہلے نہروالہ پٹن (انہل واڑا)
احمد آباد مین متعدد مدارس موجود تھے، اور مختلف علمی مرکزون سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے، لیکن جب سے ان دونون
رگون کا وجود ظہور پذیر ہوا، علمی دنیا مین نیا انقلاب پیدا ہوا، اور تشنگان علم کی جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل
، گجرات مین شاید ہی کوئی دوسری ذات بابرکات ان کے مدمقابل نکلے، ان مین سے خصوصیت سے جناب شاہ وجیہ الدین رح
یضان مدرسہ اور تلامذہ کی شکل مین صدیون رہا، اور گجرات ان کے دم قدم سے مدت تک منور رہا، لیکن افسوس ہے کہ
رات کے باہر کے لوگ ان سے اور انکی تصنیفات سے بہت کم واقف ہین، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے حالات لکھے جائین،

ونسب | شاہ صاحب کا اصلی نام سید احمد ہے، مگر دنیا ان کو وجیہ الدین کے نام سے جانتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، وجیہ الدین
ربن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین، بن سید بہاؤ الدین
سید کبیر الدین، اسی طرح سلسلہ سیدنا امام محمد تقی تک پہنچتا ہے[1]، سید کبیر الدین صاحب کا اصل وطن یمن تھا، لیکن مکہ معظمہ
ن آکر مقیم ہوگئے تھے، اور اسی لحاظ سے بعض لوگون نے ان کو مکی بھی تحریر کیا ہے، کہتے ہین کہ سید بہاؤ الدین ایک دن

مرأۃ احمدی میں ہو کہ آپکے خاندانی لوگ سلسلۂ نسب محمد عریض بن محمد الجواد تک لیجاتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ آپ علوی کیساتھ عریضی بھی ہین،

خانۂ کعبہ میں معتکف تھے کہ ان کو بذریعۂ کشف ایسا معلوم ہوا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ہند کے صوبۂ گجرات میں جا کر خلق کی ہدایت کرو، چنانچہ آٹھوین صدی کے آخر یا نوین صدی کی ابتدا میں بہ عہد مظفر شاہ اول گجرات تشریف لائے، اور مقام پاٹری ضلع جھالاواڑ میں توطن اختیار فرمایا اور ہدایت خلق مین مشغول ہو گئے، قرینہ و قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خشکی سے دہلی یا اُچھ ہوتے ہوئے تشریف فرما ہوے، ورنہ بحری راستہ سے کنبھائت یا بھروچ تر کر کہین مقام ہونا چاہئے تھا، یا ممکن ہے کہ بحری راہ سے تشریف لائے ہون، اور خصوصیت سے جھالاواڑ جیسے کوہستان کو ارشاد و ہدایت کے لیے انتخاب فرمایا ہو،

ان کے بعد سید معین الدین ان کے لڑکے جانشین ہوے اور حکامِ وقت کی طرف سے محکمۂ قضا ان کے سپرد ہوا اور پھر ان کے لڑکے قاضی سید عطاء الدین اور پوتے قاضی سید عماد الدین بھی اس محکمہ سے منسلک رہے اور مختلف ضلعون مین بحیثیت قاضی کام انجام دیتے رہے، جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کے والد ماجد قاضی نصر اللہ محمود بیگڑہ کے آخر عہد میں بمقام چانپانیر قاضی کے عہدہ پر مامور تھے اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ مشتبہ امور سے بہت احتراز فرماتے تھے سلطان مظفر حلیم ان سے بہت خوش تھا، اسی لیے احمد آباد اپنے ساتھ لاکر اپنے محل کے پاس امامت کے لیے جگہ دی، یہ وہی مقام ہے جس کو آج خانقاہ (یا درگاہ) شاہ وجیہ الدین کے نام سے لوگ موسوم کرتے ہین،

ولادت | جناب شاہ صاحب کی ولادت ۲۲ر محرم ۹۱۱ھ کو بمقام چانپانیر ہوئی، لفظ "شیخ" سے ان کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے، تقریباً سات آٹھ برس تک چانپانیر مین مقیم رہے، کیونکہ ۹۱۷ھ مین سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال پر سلطان مظفر حلیم تخت نشین ہوا، جس نے قاضی نصر اللہ کو اپنے ساتھ لاکر احمد آباد مین مقیم کیا،

تعلیم | سات آٹھ برس تک آپ اپنے والدین کے کنار عافیت مین پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات مین کسی قسم کا بخل نہین کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ، ابتدا سے موجود تھا، چنانچہ سات سال کی عمر میں انھون نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اور آٹھوین سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علماء کے سامنے سنایا، اس کے بعد علوم متداولہ مین مشغول ہوے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے ابتدائی کتابین پڑھین، پھر اپنے ماموں سید

ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا، ۱۴-۱۵ سال کی عمر مین علامہ محمد بن محمد ملکی سے حدیث کا اختتام فرمایا، اور سب سے آخر مین محدث ابوالبرکات بنبانی عباسی کو حدیثین سنائین،

علوم عقلیہ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد مولنا عماد الدین طارمی اور ابوالفضل مظہر الدین محمد گاوزرونی جیسے علامۂ عصر سے حاصل کی، مولنا طارمی کے واسطے سے علامہ سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ سے بھی تلمذ کی نسبت رکھتے تھے، اسوقت مولانا موصوف کی تصانیف مین سے ضابطہ تہذیب کی شرح قلمی، اور علامہ گاوزرونی کی یادگار حاشیہ بر بیضاوی قلمی کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہے، ۲۴ سال کی عمر مین شاہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور "وجیہ" مادۂ تاریخ ہے،

بیعت طریقت ابتدا اپنے والد ہی سے چشتیہ اور مغربیہ طریقون کو سیکھتے رہے، لیکن کچھ دنون حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے، اُن کے انتقال کے بعد میان بدرالدین ابوالقاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوے، اور حضرت نجم الدینؒ کی صحبت مین بھی رہتے، بسا اوقات جب جذب کا شوق غالب آتا تو حضرت سید کبیرالدین مجذوب سے ملاقات فرماتے، اور درد دل کی شکایت فرماکر علاج کے طالب ہوتے، پھر کچھ دنون کے بعد حضرت سید محمد غوث گوالیاریؒ تشریف لائے، جناب شاہ صاحب ان سے ملے، اور اس درجہ ان سے متأثر ہوے کہ فوراً ان سے بیعت کرلی، اور اُن کی صحبت جلوت اور خلوت سے مستفیض ہوے، اور کامل ہوکر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا،

مدرسہ کی بنیاد سنہ ۹۳۴ھ مین تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کی طرف توجہ کی، اس وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی تھی، ابتدائے درس کا تاریخی مادہ "شیخ وجیہ" ہے، یہ سلطان بہادر شاہ گجراتی کا ابتدائی عہد تھا، یعنی اس کی تخت نشینی کو صرف دو تین سال گذرے تھے، عہد قدیم مین دستور تھا کہ صاحب علم وفضل جہان بیٹھ جاتا، کچھ دنون کے بعد وہی مقام اپنے وقت کا بہترین کالج ہوجاتا، اور آہستہ آہستہ امرا اور سلاطین کی توجہ سے طلبہ کے لیے تمام سہولتین بہم پہنچائی جاتین، جناب شاہ صاحب نے جب سنہ ۹۳۵ھ مین باقاعدہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تو بہت جلد اس کی مقبولیت ہوگئی، طلبہ کے رہنے کے لیے حجرے بھی تعمیر ہوگئے اور وظائف کا بھی انتظام ہوگیا، شاہی مطبخ سے روزینہ پینتیس ۳۵ ہانڈ

بھی ملنے لگا، طلبہ کے علاج کے لیے ایک طبیب عہ ۱۲ ماہانہ پر تھا[1]، آپ نے اس مدرسہ میں ۶۴ سال تک تعلیم دی اور مشہور ہے کہ اس مدت مین کبھی آپ نے قصداً مدرسہ بند نہین فرمایا، اور نہ اسباق کا ناغہ ہونے دیا، ہر علم وفن کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدا مین غالبًا وہ تنہا مدرس تھے، لیکن رفتہ رفتہ اساتذہ کی تعداد بڑھتی رہی، اور طلبہ کے انتہائی ترقی پر ہم دیکھتے ہین، کہ ایسے تلامذہ بھی اپنا وقت تدریس مین صرف کرتے ہین جو خود ابھی فارغ نہین ہوتے ہین، مندرجۂ ذیل علوم وفنون کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول، حدیث مع اصول، فقہ مع اصول، معانی وبلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، ادب وغیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے پر جن تلامذہ کو تصوف کے طرف رجحان ہوتا، تو اس کی بھی تعلیم دیتے، ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آکر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ان لوگون کی تعداد بھی کچھ کم نہین ہے، فتویٰ نویسی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، اور خاص اس کام پر ذمہ دار اشخاص کا تقرر فرماتے تھے، عام فتوون کو چھوڑ کر جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو خود اس پر غور فرماتے، اور تحقیقی جواب تحریر فرما کر اپنے دستخط سے اسکو مزین فرماتے،

خود سلطنت بھی کسی امر مہم مین بغیر آپکے دستخط کے احکام نافذ نہین کرتی، اور ایسے امر کو مشتبہ سمجھتی جس مین آپ کے دستخط نہ ہون، چنانچہ جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق جب علماے وقت نے جن کے سرگروہ شیخ علی متقی تھے، کفر اور قتل کا فتویٰ لکھ کر بطور محضر نامہ کے سلطان محمود ثالث کے سامنے پیش کیا تو سب سے پہلے سلطان موصوف نے یہی سوال کیا کہ اس پر جناب شاہ وجیہ الدین کے دستخط کیون نہین ہین، غرض سلطان کو وزرار کے جواب سے تشفی نہین ہوئی، اور خود حاضرِ خدمت ہو کر شرفِ قدمبوسی حاصل کیا، اور جواباتِ شافیہ سے متاثر ہو کر محضر نامہ کو رد کر دیا اور سید موصوف کو بری قرار دیا،

تلامذہ | تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، اسی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگون کی ہے جنھون نے اطرافِ ملک مین

[1] پاٹن گجراتی مین یہ دونون رقمین تحریر ہین، اس عہد کی ارزانی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم قلیل نہین معلوم ہوتی، (دیکھو حاشیہ ابن بطوطہ اردو جلد دوم عہد فیروز شاہ تغلق) مرآۃ احمدی مین یہ رقم عہ ۳۲ ماہوار ہے،

منتشر ہوکر مدرسے قائم کئے، اور خود صاحبِ درس ہوئے، جناب شاہ صاحب کی کمال خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی مین شاگردون کے شاگرد کو مسندِ علم پر رونق افروز ہوکر درس و وعظ کے ذریعہ خلق کو ہدایت کرتے دیکھا، گویا انکی زندگی کا اصل منشا آپ کے سامنے ہی پورا ہوگیا،

شاہ صاحب کے والد کی وفات

۲۰ محرم ۹۵۸ھ مین آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، اس وقت آپ کی عمر ۴۸ سال کی تھی اور تعلیم و تعلم کے سلسلہ کو بھی ۴۲ سال ہو چکے تھے، ان کے والد ماجد قاضی نصر اللہ صاحب نے بھی عمر طویل پائی، وہ سلطان محمود اول بیگڑہ کے عہد وسط مین پیدا ہوئے، اور سلطان محمود ثالث کے عہد مین وفات پائی، عمر بھر خوشحال رہے، اور اکابر شہر مین معزز، اور معاصرین مین ممتاز، آپ کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے "لہٗ جنات الفردوس نزلا"
۹۵۸

شاہ صاحب کی وفات

شاہ وجیہ الدین صاحب ۲۹ محرم ۹۹۸ھ بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوے، اس وقت ان کی عمر (۸۸) برس کی تھی، ان کا مزار مدرسہ کے وسطِ صحن مین بنایا گیا، جو اس وقت تک زیارت گاہِ عام و خاص ہے، امرائے اکبری مین سے ان کے معتقد "صادق خان" نے روضہ کی عمارت تیار کی، اور امرائے جہانگیری مین سے فرید خان المخاطب مرتضیٰ خان بخاری نے اپنے عہدِ صوبہ داری گجرات (۱۰۱۴ھ) مین مرقد کے اوپر چھتری تیار کی، جس پر سیپ کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، اور مندرجۂ ذیل اشعار کندہ ہین،

مرتضیٰ خان فرید دریا دل — فیض وافی و رحمت شامل
عرش بر طرح کرد از ہمت — بر سرِ قبر مرشدِ کامل
محوِ دیدارِ حق وجیہ الدین — آن بموت و حیاتِ خود واصل
در برِ شاہدِ ازل خفتہ — از شرابِ وصال لا یعقل
ہست عین حضور آگاہی — غفلت او را نمی کند غافل
کعبۂ از درون چنان روشن — کہ جدارش نمی شود حائل

قبلۂ حاجت و مقام مراد | مبدأ فیضِ عارف و کامل
سالِ تاریخِ او ز غیب رسید | عرشِ اسلام قبلۂ مقبل
تا فلک باد باد بانیِ این | تا جہاں باد باد این منزل

"عرش اسلام قبلۂ مقبل" سے تاریخ نکلتی ہے، جو ۱۰۱۱ھ ہوتی ہے، میرے خیال مین کوئی حرف چھوٹ گیا ہے، جس کے سبب سے دس عدد کم ہوتے ہین، کیونکہ فرید خان کا عہد ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۲۵ھ تک ہے اس لئے اس کی بنا ۱۰۲۱ھ غالبًا ہوگی، ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ۱۰۱۱ھ ہی مین تیار کرایا ہو، لیکن اشعار سے خود اس کی تردید ہوتی ہے، ۱۰۱۱ھ عہدِ اکبری مین، اس وقت فرید خان کو امرائے اکبری مین کوئی امتیاز خاص نہ تھا، اور نہ اس وقت تک اس کو مرتضیٰ خان کا خطاب عطا ہوا تھا، ۱۰۱۴ھ مین جب اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا، تو اس کو جہانگیر نے اس خطاب سے سرفراز کیا،[1] اور گجرات کا گورنر بنا کر بھیجا، اور یہ اس وفاداری اور کارگذاری کا صلہ تھا، کہ جب جہانگیر اپنے باپ اکبر اعظم سے باغی ہوکر ادھر ادھر پھر رہا تھا، تو پھر امرائے دربار کے خوف سے اسی فرید خان کے گھر روپوش ہوگیا تھا، اسلئے فرید خان ۱۰۱۱ھ مین نہ گورنر تھا، نہ "مرتضیٰ خان"[2]"،

جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کی وفات کی تاریخ "لہم جنات الفردوس نزلا"، ایک شخص نے تحریر کی ہے، جس سے ۹۹۸ھ کی تاریخ نکلتی ہے، اس تاریخ مین دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تاریخ خفیف تغیر سے جناب شاہ صاحب کے والد کی وفات کی بھی ہے، یعنی "لہ" اور "لہم" کے فرق سے دونون کی الگ الگ تاریخین نکلتی ہین، اس سے بھی زیادہ دلچسپ تاریخ آپ کے تلمیذ رشید مولانا عبد العزیز نے تحریر کی ہے،

---

[1] و شیخ بخطاب مرتضیٰ خانی سربلند یافت (آغاز جلوس اول ۱۰۱۴ھ اقبال نامہ جہانگیری ص۲ م کلکتہ۔ و ہمدرین سال مرتضیٰ خان بہ صاحب صوبگی گجرات سرفرازی یافت، (کتاب مذکور ص۱۹)

[2] رسالہ حسن فراغی قلمی کتب خانہ پیر محمد شاہ،

جو ان کی ذہانت اور فطانت کی بین شہادت ہے، چنانچہ آپ کی رحلت کی تاریخ "شیخ وجیہ دین" (۹۹۸ھ) نکالی ہے، پھر "شیخ" (۹۱۰ھ) سے سال ولادت اور "وجیہ" (۲۴) سے مدت تکمیل علوم وفنون، اور "شیخ وجیہ" (۹۳۴ھ) سے آغاز تعلیم وتعلم اور لفظ "دین" (۶۴) سے کل مدت تدریس و ہدایت، اور "وجیہ دین" (۸۸) سے کل مدت عمر نکلتی ہے[۱]، اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی مختلف تاریخیں لکھی ہیں مثلاً علوی صاحب جمال بہشت، بہ بہشت مسکن وجیہ الدین، آخر الاولیا وجیہ الدین، وغیرہ وغیرہ، وفات کے بعد لوگوں نے ان کے بہت مرثیے کہے، جو اردو، فارسی، عربی ہر زبان میں موجود ہیں، مولانا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پر درد اور پر اثر ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہیں،

الی احمد اباد احن تشوقا | یحب الذی اھواہ قلبی تفاخرا
فذاک وجیہ الدین ذوالجاہ والتقی | عراہ لطلاب الھدایۃ مقصد

وھاد الی نحو الرشاد مرشد[۲]

مشہور شاعر ولی گجراتی نے بھی متعدد قصیدے اُن کی شان میں تحریر کئے ہیں جنہیں سے ایک بند مندرجۂ ذیل ہے:

اے تو ہے آفتاب عالم تاب | فیض تیرے سے جگ ہے مقصدیاب
دل ترا کان علم و بحر عمل | ہر معانی ہے اس میں در خوش آب
روئے انور کی تیرے دیکھ ضیا | رشک سے آفتاب ہے بے تاب
متفق ہو کے عاقلاں نے کہا | دل کو تیرے جگت میں لب لباب
فکر تیری ہے آب دانش و ہوش | ہر گل عقل تجھ سے ہے سیراب
اے تو مجموعۂ فراست تام | دل ترا مطلب ہزار کتاب
تا قیامت گریز پا نہ رہے | تجھ محبت کی آگ سے سیماب
مانگتے ہیں مدو سے تجھ شہ کی | روز و شب چند رستم و دارب

۱؎ خلاصۃ الوجیہ قلمی ص۲ ۲؎ رشاد شرح ارشاد آپ کی تصنیف ہے، بطور تلمیح اس کا ذکر ہے،

اس زمانے مین بے گمان بے شک   تجھ مین ہے سب طریقۂ اصحاب

اے امام جمیع اہل یقین

قبلۂ راستان وجیہ الدین

سیاسی امور | جناب شاہ صاحب کی ۸۰ برس کی عمر مین وفات ہوئی، اور اس عمر مین دس گیارہ بادشاہون کا عہد پایا، ساٹھ برس کی عمر تھی جب سلطان محمود بیگڑے نے وفات پائی، زمانہ کی ۲۲ بہار ین جب آپ نے دیکھین تو سلطان مظفر دوم چل بسا، اور اسی سال سکندر گجراتی مقتول اور محمود دوم معزول ہوا، ۲۳ سال کی عمر مین سلطان بہادر گجراتی کو سمندر مین ڈوبتے ہوے دیکھا، دہلی کے ہمایون بادشاہ اور سلطان محمد فاروقی (خاندیس) کی چند روزہ بہار بھی آپ کی نظرون سے گذری، ۵۱ سال کے دور مین سلطان محمود ثالث کو زہر یکر میٹھی نیند سوتے ہوئے دیکھا، جب آپ نے عمر کی ۵۸ منزلین طے کین تو سلطان احمد ثانی کو سابرمتی کے کنارے مردہ پڑا پایا، دنیائے فانی کی خزان ستر موسم گذرنے پر سلطان مظفر سوم ایک قیدی کی حیثیت سے اکبر کے دربار مین کھڑا نظر آیا، اور اس صدی کے اختتام پر اکبر کے جاہ و جلال کا بھی نظارہ کیا، آپ نے اس علم و فضل اور کثیر مقلدین و مریدین کے باوجود کبھی کسی سیاسی کام مین دخل نہین دیا، اور نہ حکام اور عمال سے ملنے کی کوشش کی، آپ کے آخری عمر مین اسقدر جلد جلد سیاسی انقلابات برپا ہوے اور انسانی خون کو جس طرح بیدریغ بہتے ہوے ملاحظہ فرمایا، قدرتی طور پر آپ اس سے بے حد متأثر ہوئے ہونگے، اور دنیا کی اس بے ثباتی نے تصوف مین جو رنگ آمیزی کی ہوگی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس بادۂ عرفان کا جرعہ کش ہو، تاہم ظاہر بینون کے لیے شرح کلید مخازن، اور شرح جام جہان نما ایک ایسا مصفا آئینہ ہے جس مین انکی جھلک بآسانی دیکھی جا سکتی ہے،

اخلاق و عادات | اخلاق کے لحاظ سے بھی آپ کی ذات اپنے ہمعصرون سے بہت ارفع تھی، تقویٰ آپ کا خاص شعار تھا، اور مشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی، آپ احتیاط کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے، چاہے کسی قدر بھی تکلیف اٹھانی پڑے،

تقوی اسی سبب سے آپ اپنی غذا خود محنت سے حاصل کرتے، اور اپنے والد ماجد کے یہان کھانے سے احتیاط رکھتے تھے، عرصہ کے بعد آپ کے والدین کو اس معاملہ کی خبر ہوئی، اور والد کے استفسار پر آپ نے عرض کیا کہ آپ قاضی ہین، اور بہت ممکن ہے کہ ملازمین آپ کے لین دین مین مشتبہ امور کا خیال نہ کرتے ہون، قاضی صاحب نے کہا کہ مین ہمیشہ تقوی کیساتھ زندگی بسر کرتا ہون، اور ہر معاملہ مین کمال احتیاط رکھتا ہون، اور غالبًا اسی کا صلہ ہے کہ تمھارا جیسا نور عین خدا نے مجھے عنایت فرمایا، جو میرے ہی طرح کمال محتاط ہے،

حق گوئی آپ مین حقگوئی کا مادہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب سے بڑے بڑے خطرہ مین مبتلا ہوجانا پڑتا تھا، اکثر اوقات لوگ اپنی امانتین آپ کے پاس رکھ جاتے اور بوقت ضرورت لیجاتے، اس طرح آپ کے مکان مین قیمتی امانتون کا خزانہ جمع ہوگیا تھا، ۹۸۱ھ مین ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ اس محلہ مین ایک مفلس مغل رہتا تھا جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس راز سے آگاہ کر دیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس مین سے کوئی حصہ اس کا بھی مقرر کیا جائے، کوتوال شہر نے اپنے وزیر (نائب) میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا جس نے مکان سے قیمتی موتی، بہترین جواہرات، مرصع زیورات اور بے شمار سونے کے سکے برآمد کئے، واپسی کے وقت جناب شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے پیدل دیوان تک لایا، اور گھوڑے کے تیز چلنے سے آپ کو بھی بہ تکلف تیزی سے قدم بڑھانے پڑتے، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان مین بڑے بڑے امرا موجود تھے، جن کو مطلق اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی، چنانچہ جب مجلس کے کنارے جناب شاہ صاحب پہونچے تو سید میران بخاری، میرزا مقیم، سید جیو عبد الرحمن، اور شاہ ابو تراب شیرازی وغیرہ تعظیماً سب کھڑے ہوگئے اور ان کو دیکھکر تمام امرائے مغل نے بھی تقلید کی، سید میران بخاری نے جو شاہ صاحب کو اس حال مین دیکھا، تو غیرت سے عرق عرق ہوگئے، پھر جو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو غصہ سے شیر کی طرح بپھر پڑے، غصہ سے چہرہ کا رنگ اس قدر متغیر تھا کہ لوگون نے محسوس کیا، جب جناب شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا تو سید مذکور آپ کے بغل مین آکر بیٹھ رہے، تاکہ بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد کر سکین، ان حالات کو دیکھکر

حاکم نے بھی صرف ایک سوال پر اکتفا کیا کہ منادی نے شہر بھر مین جو ڈھنڈورا پیٹا، کیا اس کی خبر آپ کو نہین ملی" مطلب یہ تھا کہ سرکار کے طرف سے عام طور پر مشتہر کر دیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے اور نہ اس کی مدد کرے، اور نہ اس کا مال واسباب اپنے پاس رکھے، بلکہ اس قسم کا تمام مال سرکاری خزانہ مین داخل کرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اول تو مجھکو اس کا علم نہین ہے، اس کے علاوہ شریعت مین یہ جائز نہین ہے کہ امانت کو ظاہر کر کے ضائع کیا جائے"

حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کر دیا، سید حامد بخاری اپنی خاص سواری پر آپکے ساتھ مسجد تک تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھ کر آپ کو تسلی و تشفی دیتے رہے، اور پھر رخصت ہو کر واپس گئے، جناب شاہ صاحب کا قلب اس ناگوار واقعہ سے کئی دن تک مضطرب رہا، اور درس ملتوی کر دیا[1]، حالانکہ تدریس کا کام عمر بھر مین کبھی ناغہ نہین ہوا تھا،

مصنف ظفر الوالہ اس واقعہ کے بعد لکھتا ہے کہ ایک نیک بخت آدمی سے کسی نے کہا کہ تمھارا لڑکا گر گیا، یہ سُن کر اس نے بڑا واویلا مچایا، لوگون نے اس کی تسلی کیلئے کہا کہ وہ بہت اونچے سے نہین گرا ہے، تب اس نے کہا کہ اگر وہ بہت اونچے سے بھی گرتا تو مجھے اتنی پرواہ نہین ہے، مین تو سمجھا کہ کسی اہل اللہ کی نظر سے گر گیا، یہی حال اس واقعہ مین ہوا کہ وزیر میر علاء الدین کچھ ہی دنون کے بعد اسی حاکم کے ہاتھ سے رسی سے بندھوا کر مارا گیا، اور وارثون کی فریاد پر خود حاکم قصاص مین قتل ہوا، اور مرزا عزیز کوکلتاش ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ مین گوشہ نشین ہوا،

اسی طرح جب ۹۷۵ھ مین چنگیز خان (جو عماد الملک کا لڑکا تھا، اور عماد الملک امرائے محمودی مین سے تھا) نے محرم کی رسم بخلاف سلاطین ماضیہ کے سرکاری طور پر منائی، اور ہر قسم کی بدعتین جاری کین، اور سیاہ ماتمی لباس زیب تن کر کے سر و پا برہنہ تعزیہ کے ساتھ بازارون مین گشت لگایا، تو باوجود اس کے کہ تمام سادات، علماء اور امراء نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور عوام نے اس کو بہت ہی برا سمجھا، مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے خلاف زبان کھولے، جناب شاہ صاحب ہی وہ شخص تھے جنھون نے عوام و خواص کی ترجمانی کر کے صدائے احتجاج بلند کی، اور چونکہ

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

اس وقت احمد آباد میں سوائے الغ خان کے کوئی امیر با اثر نہ تھا، اس لیے الغ خان کے پاس آدمی بھیجکر اس کی شکایت کی، چنانچہ دوسرے ہی مہینہ چنگیز خان کا کام تمام کردیا گیا۔[1]

رحم جناب شاہ صاحب بڑے رحم دل تھے، جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا جہاں آپ کچھ کر سکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے ایک دفعہ اتفاقاً ایک جگہ سے گذرے، دیکھا ایک قیدی کو قتل کے لیے لیجا رہے ہیں، اس نے آپ سے رہائی کے لئے التجا کی اور اسکی حالت کو ملاحظہ کرکے آپ نے لوگوں سے تحقیقات کرائی معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے، اور دراصل مجرم کوئی دوسرا ہے، چنانچہ آپ نے فوراً بادشاہِ وقت سے سفارش کی اور بادشاہ نے یہ کہکر فوراً رہائی کا حکم صادر فرمایا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے، اس کو تو رہا ہونا ہی چاہیئے، لیکن اگر آپ مجرم کی سفارش فرماتے، تو بھی میں رہا کردیتا،

مظلوم کی دادرسی چونکہ آپ فطرۃً رحمدل واقع ہوئے تھے، اس لیے جب کوئی مظلوم نظر سے گذرتا اور آپ اسکی مدد فرما سکتے ہوں تو کبھی دریغ نہ فرماتے، اور حتی الامکان اس کے ساتھ سلوک کرنے اور اسکی حاجت روائی میں سعی بلیغ فرماتے، ایک مرتبہ کچھ غریب عورتیں آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور فریاد کی کہ میرے کچے مکانات حکام گرا دینا چاہتے ہیں، ہم غریب پکے عالیشان مکانات کیونکر تعمیر کریں، آپ نے تمام حالات سنکر ایک خط بادشاہ وقت کو لکھا، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے ان مکانات کو شاہی خرچ سے پختہ تعمیر کرا دیا، اسی طرح جب چنگیز خان نے طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر ۹۷۶ھ میں احمد آباد پر قبضہ کرلیا اور دولت و سلطنت سے مخمور ہو کر حرم سلطانی پر دست درازی کرنی چاہی، اور بیگمات نے حضرت شاہ صاحب سے فریاد کی تو چونکہ اس وقت کوئی کسی کی سنتا نہ تھا، اور ہر امیر کوس لمن الملک بجا رہا تھا، اس لئے دفعِ ظلم کے واسطے بادشاہ حقیقی سے دعا فرمائی جو فوراً مستجاب ہوئی، چنگیز خان چندہی دنوں کے بعد مارا گیا، اور مظلوموں نے نجات پائی،

سلاطین کی عقیدت اس خانوادہ سے سلاطین اور امرا کو ہمیشہ سے عقیدت رہی، سلطان محمود بیگڑہ نے آپ کے والد ماجد کو چانپانیر کا قاضی بنایا، اور اس کے لڑکے سلطان مظفر حلیم نے محض فرطِ عقیدت کے باعث چانپانیر سے

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ جلد ۲ ص۶۱۲ م لندن،

ساتھ لاکر اپنے محل شاہی کے پاس ہی قیام کرنے کو جگہ عنایت کی، اس کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی
اور طلب علم مین مصروف تھے، بہادر شاہ گجراتی نے بھی بارہا دعاے خیر کی التجا کی،

سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہوکر شرف قدمبوسی حاصل کرچکا تھا اُسکے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جناب شاہ صاحب نے چند مظلومہ کی فریادرسی کے بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا، اس نے تعمیل ارشاد کے بعد حکم دیا کہ "اس خط کو محفوظ رکھو اور بوقت تدفین میرے سینے پر رکھا جائے، شاید یہی نجات کا باعث ہو[1]"

سلطان مظفر سوم جو گجرات کا آخری بادشاہ ہے متعدد بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا رہا، بلکہ بعض لوگون نے تو یہان تک لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی کمر مین تلوار آپ ہی نے باندھی تھی،

اکبر بادشاہ جب گجرات آیا ہے تو باوجود اس کے کہ حاسدون نے آپ کی طرف سے بادشاہ موصوف کو بدظن کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا، پھر بھی آپ سے ملنے کے بعد آپ کا بیحد احترام کیا، اور خصوصاً چند مذہبی سوالات کرنے پر جو شافی جواب اس کو دیا گیا، اس سے تو بہت ہی خوش ہوا، اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا، اور بغرض تفریح احمدآباد آیا، تو خصوصیت سے تین جگہ بغرض فاتحہ خوانی گیا، شاہ عالم صاحب کے مقبرہ پر، سرکھیج شیخ احمد کھٹو کے مزار پر، اور جناب سید شاہ وجیہ الدین صاحب کی درگاہ پر،

امرا دولت بھی ہمیشہ آپکے عقیدتمند رہے، الغ خان جو آخری تاجدار گجرات سلطان مظفر سوم کے امرا مین سے تھا، آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چنگیز خان کی مان بھی آپ کی ارادتمند تھی، اکثر اوقات بیش قیمت چیزین آپ کے یہان امانت رکھوا دیتی تھی، اور وہ برسون آپ کے پاس رہتی تھین، اسی طرح شیر خان بن اعتماد خان گجراتی وزیر

---

[1] شاہ عباس صفوی ایران مین بڑے دبدبہ کا بادشاہ گذرا ہے، اس کے عہد مین ایران کے مجتہد اعظم جو بڑے متقی اور دربار سرکار سے الگ رہنے والے تھے، انھون نے بھی ایک دفعہ اسی طرح کسی مظلومہ کی فریادرسی کے لیے ایک خط تحریر فرمایا تھا، تعمیل ارشاد کے بعد شاہ موصوف نے بھی یہی حکم دے رکھا تھا، اور فخریہ طور پر شاہ سکو خط کا عنوان دکھلاتا کہ مجھکو "برادرم" لکھا ہے، مگر کسی تاریخ مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا، بلکہ یہ کام سید مبارک خاہری نے کیا ہوگا،

سلطان مظفر سوم کا بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور بارہا اس نے بھی بیش قیمت امانت آپ کے پاس رکھوائی، عہد اکبری مین خان اعظم، اور خانخانان مرزا عبد الرحیم آپ کا ادب کرتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ خانخانان نے کچھ کتابین بھی آپ سے پڑھین، اور آپ سے ترقیِ مراتب عالیہ کی لئے استدعا رکی چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، آپکی رحلت کے بعد امرا اکبری مین سے صادق خان نے جس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی آپ کے مقبرہ کی عمارت بنوائی، عہد جہانگیری کا مشہور امیر شیخ فرید خان المخاطب بہ مرتضیٰ خان نے قبر کے اوپر کی چھتری تیار کرائی،

مسئلہ تکفیر | علمار کا دلپسند اور قدیم شغل تکفیر ہے، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی اس شغل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بعض لوگون نے جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بھی کفر کا فتوی شائع کیا، اور ایک خاص محضر نامہ آپ کے قتل کے لیے تیار کرکے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، لیکن جناب شاہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس پر دستخط نہین کئے بلکہ اس قسم کی تکفیر کی سخت مخالفت کی، اور اس مسئلہ پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، چھوٹی تقطیع پر بیس صفحے کا قلمی رسالہ ہے، جس مین ابتداءً فقہی کتابون سے مسئلۂ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث سے سنداً سب کو شرح بیان کیا ہے، آخر مین صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالتِ سکر مین جو کہہ جاتے ہین وہ قابلِ مواخذہ نہین ہوتا، اور اس کی متعدد مثالین دی ہین، پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب "اوراد غوثیہ" پر لوگون نے جو اعتراضات کئے تھے، ان کا جواب دیا ہے، اس کے علاوہ ہزارون فتوے آپکے قلم سے نکلے مگر کسی فتوی مین آپ نے اس طرف اشارہ نہین کیا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص مین ننو باتون مین سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو،

خوشامد | یہ بھی نظام طبعی کا ایک جزو ہے کہ جب کوئی شخص علو ہمتی سے بلند مرتبہ پر پہنچتا ہے تو کچھ لوگ اس کے مخالف اور کچھ خوشامد کرنے والے پیدا ہو جاتے ہین، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی یہ دونون فرقے موجود تھے مخالفون نے تو آپ کو اکبر اعظم کے دربار تک بہ حیثیت ایک مجرم کے بلوایا، اور خوشامد کرنے والون کی آنکھون نے

---

[1] ظفر الوالہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

آپ کی ذات مین خداوند تعالیٰ کا جلوہ دیکھا، چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے اور آپ سے مل کر برجستہ یہ شعر پڑھا،

نمی دانم کہ این ذات وجیہ الحق والدین است
کہ یا ذاتِ خداوندِ تعالیٰ صورتِ این است

جناب شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ "حال بدست آر، و این قال را بگذار"، کاش آج کل کے صوفیا و مرشدین بھی اپنے مریدین کو اسی قسم کی تعلیم دیا کرین تو بے اعتدالی سے مسلمان اکثر اوقات محفوظ رہین،

شاعری بہت کم لوگ ہونگے جن کو اس کی واقفیت ہوگی کہ جناب شاہ صاحب شاعر بھی تھے، "وجہی" تخلص کرتے تھے اور فارسی مین کہتے تھے، رنگ وہی صوفیانہ و الہانہ ہے، کوئی دیوان تو اس وقت تک دستیاب نہین ہوا ہے لیکن متفرق بیاضون مین منتشر کلام ملتے ہین، چند شعر نمونہ کے لئے درج ذیل ہین،

کے بگرد ما رسد ہر صعوہٴ
شاہ باز عرش پروازیم ما

سرِ وحدت را زبانِ دیگر است
با مسیح و خضر ہمرازیم ما

سر دہم در گریہ چشم اشکبار خویش را
پر کنم از لختِ دل ہر دم کنارِ خویش را

دل اگر بیگانہ شد از بیوفا بر ما چہ جرم
آدمی نشناسد ار پروردگار خویش را

تا رساند بر سر کوے تو گرد من نسیم
در رہِ بادِ صبا ریزم غبارِ خویش را

اردو کلام آپ کی بیشتر تصانیف تو عربی زبان مین ہین اور کمتر فارسی مین، عدالت اور شاہ وقت کی زبان فارسی ہونے کے باعث علما اور شرفا بھی فارسی ہی مین باتین کرتے تھے، چنانچہ شاہ صاحب کے اہل خاندان بھی اسی زبان کے پابند تھے، لیکن بوقتِ ضرورت ملکی زبان بھی استعمال کرتے تھے، جناب شاہ صاحب کے اس قسم کے کلمات بکثرت ملتے ہین، ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا "کیا ہوا جو بھوکون موا، بھوکے موے سے کیا خدا کو امر یا (پایا) خدا کے امر نے کی استعداد اور ہی ہے" ایک دفعہ ارشاد ہوا "مین کدھان دکھان، ریاضت کیتی" کسی نے کہا کہ دنیا دار کے مکان پر نہ جانا چاہئے تو آپ نے فرمایا، "کاہے دنیا دار بھی آلس ہین" ایک مرتبہ فرمایا "طالب کشف نہ ہو،

پنے کو کیا کشف ہو یا نہ ہو، یہ اس کا کام ہے، ہمارا کام تو مشغول رہنا ہے نہ کہ منتظر کشف "۔ ایک بار فرمایا "اس سے اور کیا خوب ہے کہ اس دنیا میں یہ دل خدا سے مشغول ہو" کسی نے سوال کیا عارف کسے کہتے ہیں، جواب دیا "جو خدا سے بھر یا، حق تعالیٰ کیطرف سے فرماتے ہیں" کہ ہون (مین) حکیم ہون، عادل ہون، میرے علم میں یہی آیا کہ تم عاصی ہوگے کیا میرا علم سابق پھرے "۔ ریاضت کے متعلق ایک شخص کے جواب میں کہتے ہیں کہ "تمھاری بلا ریاضت کرے تم کو آتنا کافی ہے کہ نیم شب بیدار رہو" ایک شخص کشف کا طالب ہے اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ "یا نفس کے مزہ کی خاطر کشف و کرامات چاہیے، واہ واہ خوب خدا کے طالب ہو"

(باقی)

سیر الصحابہ

جلد ششم

اس مین امیر معاویہؓ، حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے سیاسی مجاہدات و کارنامون اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے،

ضخامت ۳۰۶ صفحے، قیمت :۔ ے ر

مہاجرین جلد اوّل

ابتدا مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل کی زمانۂ قدیم سے لیکر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفاے راشدین کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اور ۳۸ اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات سوانح اور اور اخلاق و فضائل ہین، ضخامت ۴۲۹ صفحات قیمت :۔ للعہ ر

"منیجر"

سعدی کا سرائے اغلمش

از

سید سلیمان، ندوی

ایک مدت سے کاوش تھی کہ شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے ہی باب مین جس اغلمش کا ذکر کیا ہے، اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے، اور وہ کہان فرمانروا تھا، اور آیا یہ کوئی فرضی ہستی ہے یا کوئی تاریخی شخصیت ہے، اتفاق سے ہمارے مخلص کرمفرما اور فاضل صاحبِ قلم مولوی اعجاز حسن خانصاحب نے ان دنون شیخ سعدی پر جو دو مضمون معارف مین لکھے، تو اس نیک فال نے مدت کی کاوش و کاہش کو دل سے نکل جانے کا موقع دیا، اور "سرائے اغلمش" کا سراغ پالیا،

شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے باب مین ایک حکایت لکھی ہے،

"سرہنگ زادۂ را دیدم بر درِ سرائے اغلمش کہ عقل و کیاست و فہم و فراست زائد الوصف داشت، هم از عہدِ خردی آثارِ بزرگی در ناصیۂ او پیدا،

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی،

فی الجملہ منظورِ نظرِ سلطان آمد کہ جمالِ صورت و حسنِ معنی داشت خردمندان گفتہ اند توانگری بدل است نہ بمال، بزرگی بعقل است نہ بسال، ابنائے جنس بر منصبِ او حسد بردند و بخیانتی متہم کردند، و در کشتن او سعی بیفائدہ نمودند ع، دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست، ملک پرسید کہ موجبِ خصمی ایشان

در حقِ تو چیست، گفت در سایۂ دولتِ خداوندی دوام ملکہ ہمگنان را راضی کردم مگر حسودان کہ راضی نمی

شوند الا بزوالِ نعمتِ من و بدولتِ خداوند کہ باقی باد الخ

مشہور شاہی خاندان کے ناموں کی فہرست مین اغلمش کوئی نام نظر نہین آتا، اس لیے بعض صاحبون نے فرضی نام قرار دیا، بعض خوش فہم انگریز فاضلون نے اس کو التمش (سلطان دہلی) کے نام کی تحریف سمجھکر شیخ کے شمالی ہندوستان مین آنے کی داستان گڑھی ہے،

مولانا حالی حیاتِ سعدی مین لکھتے ہین:-

"صاحب موصوف (سرگور اوسلی) یہ بھی لکھتے ہین کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا ہے، ازانجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت مین، اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی مین آیا ہے"

ہمارے نزدیک (یعنی مولانا حالی کے نزدیک) یہ مضمون بالکل بے سر و پا ہے، اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان مین نہین ہوا، شاید سلطان التمش کے دھوکے مین اغلمش لکھا گیا، بیشک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان مین ایک جگہ کیا ہے، جہان یہ لکھا ہے کہ "سرہنگ زادۂ را بر در سراے اغلمش دیدم" مگر ہندوستان مین کوئی اغلمش یا سراے نہین سنی گئی، سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہین ہوئی"

(صفحہ ۲۹ مفید عام آگرہ)

ساتوین صدی کے آغاز مین سلجوقی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا، ملک کے اکثر حصون پر گو خوارزم شاہیون کا قبضہ تھا، مگر ایران اور ملحقاتِ ایران سے لیکر بغداد تک مختلف امیرون اور بادشاہون کی سرداریان یا بادشاہیان تھین، جو اکثر اتابک کہلاتے تھے، جو پہلے سلجوقی امراء کا خطاب تھا، اور دراصل یہ سب ترکی غلام تھے جو تربیت پاکر اس منصب کو پہنچے تھے، ان اتابکون مین اتابکانِ شیراز زیادہ مشہور ہین جنکے نامون کو سعدی کی نسبت نے زندۂ جاوید بنا دیا ہے،

ہمدان و اصفہان وری پر اینانج نام ترکی غلام فرمانروا تھا، آذر بائیجان پر ابوبکر بن پہلوان حکمران تھا، جسکی

نام ایک ترک غلام نے سنہ ۶۰۸ھ میں ایتغمس کے خلاف کامیاب بغاوت کی، ایتغمس بھاگ کر بغداد چلا گیا، خلیفہ نے سنہ ۶۱۱ھ میں ایتغمس کو ہمدان کی حکومت پر نامزد کیا، ایتغمس نے ہمدان کا رخ کیا، راستہ میں اس کو منگلی کے دوستوں نے قتل کر ڈالا، خلیفہ کو اسکی یہ گستاخی سخت ناگوار ہوئی، اس نے آذربیجان کے بادشاہ اوزبک بن پہلوان، اور جلال الدین اسماعیلی حاکم الموت کو لکھا کہ خلیفہ کے لشکر کے ساتھ مل کر وہ منگلی کا خاتمہ کر دیں، اور اس کا ملک تینوں فاتحوں پر تقسیم کر دیا جائے، منگلی نے شکست کھائی، اور اس کا ملک تقسیم ہوگیا، یہ واقعہ سنہ ۶۱۲ھ میں پیش آیا،

اغلمش اوزبک بن پہلوان شاہ آذربائجان کے بھائی کا ایک لائق غلام اغلمش نام تھا، جو سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے پاس گیا تھا، وہ اسی وقت وہاں سے واپس آیا تھا، اور اس لڑائی میں اس نے دلیرانہ حصہ لیا تھا، اس لیے اوزبک بن پہلوان نے اپنے اور خلیفہ کے مفتوحہ حصہ مملکت پر اُس کو حکمران بنا دیا،

اغلمش سنہ ۶۱۲ھ میں بادشاہ بنا، اسکی مملکت کے مقامات ہمدان و اصفہان و ری وغیرہ بلاد جبل تھے، اغلمش نے سلطنت پاکر سلطان علاء الدین محمد بن تکش خوارزم شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا، اور صرف دو برس حکومت کی، سنہ ۶۱۴ھ میں باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا، سلطان نے خود براہِ راست اس ملک پر قبضہ کر لینا چاہا، اور اُدھر سے شیخ سعدی کے بادشاہ اتابک سعد بن زنگی شاہ شیراز اسکو اپنے قبضہ میں کرنے کے لیے چلا، اور اسی کشمکش میں ناگاہ اتابک سعد اور سلطان خوارزم شاہ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی، اور اتابک نے گرفتار ہو کر رہائی پائی،

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اغلمش اصفہان و ہمدان و ری کا بادشاہ تھا، اور دو برس حکومت کی، اس کا پایہ تخت غالباً ہمدان تھا، شیخ نے سنہ ۶۱۲ھ اور سنہ ۶۱۴ھ کے بیچ میں اثنائے سیاحت میں اغلمش کے محل کے دروازہ پر اس سرہنگ زادہ کو دیکھا تھا، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سرائے اغلمش کسی کاروانسرای یا مسافر خانہ کا نام تھا جیسا کہ مولف حیات سعدی نے سمجھا ہے، ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ

"یا سرائے اغلمش نہیں ملتی گئی،، (حیات سعدی صفحہ ۲۵)

بلکہ اغلمش بادشاہ اصفہان و ہمدان و ری کا خاص محل مراد ہے،

واقعات مجولہ کے لیے کامل ابن اثیر جلد ۱۲ میں سنہ ۶۰۸ھ و سنہ ۶۱۱ھ و سنہ ۶۱۴ھ ملاحظہ کیجیے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا ایک نقش

ذیل کا مضمون علیا حضرت سلطانہ درشہوار (بیگم شہزادہ ولی عہد بہادر مملکت آصفیہ) نے گذشتہ سفر یورپ کے زمانہ میں بزبان انگریزی تحریر فرمایا اور سوئستان (سوئزرلینڈ) کے مشہور جریدہ داوسر ریویو میں چھپا تھا، علیا حضرت کی اجازت سے اس کا اردو ترجمہ رسالہ معارف کے واسطے حاصل کیا گیا ہے، کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس جلیل القدر ترک شاہزادی کے پاکیزہ مذاق اور انکے رعالیہ سے آگہی کا موقع ملے، اور وہ یہ بھی اندازہ کر سکیں کہ اس عالی دماغ و عالی نژاد سلطانہ کو اپنے نئے وطن (ہندوستان) سے کس درجہ محبت اور دلچسپی پیدا ہوگئی ہے،

"سرزمین ہندوستان ہر شخص کی خیال آفرینی کو تحریک میں لے آتی ہے، اپنی اصلیت کے سوا وہ ہر حیثیت سے مشہور ہے، وہ مجسم داستان پریوں کی کہانی یا خواب ہے، جسے انسانی دماغ فرصت کے وقت بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے، وہ ایک ملک ہے، جسے مغربی تصور نے حیرت انگیز اور بے جان طلسم کی صورت بخشی ہے، اسکا وجود تو ہے مگر زندگی نہیں، لفظ ہندوستان میں آہنگ ہے مگر معنویت نہیں، سرسبزی ہے مگر گہرائی نہیں، اوسے چند خصوصیتیں ضرور حاصل ہیں، وہاں گاندھی نے جنم لیا، وہاں سانپ رہتے ہیں، شیروں کا شکار ہوتا ہے، اور زیور پہنے ہوئے راجاؤں کو ہاتھی لئے لیے پھرتے ہیں،

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، ہندوستان کے بارے میں اس طلسم کو توڑنے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے، کہ اوسکی خوبیاں نظر انداز ہوجائیں میں چاہتی ہوں کہ ان افسانوں سے الگ کرکے اوسکی اصل تصویر دکھادوں،

ہندوستان محض نام نہین بلکہ زندگی بھی رکھتا ہی، اسمین رنگینی ہے شاعری ہے اور شاندار پربہار ناتحلیل ماضی ہی، جو صرف مشرقی ممالک ہی اپنے اندر رکھ سکتے ہین، یہان گذشتہ زمانے کی نشانیان نہین ہٹین، نہ ان مین تبدیلی ہوتی ہی، یورپ مین قدیم عمارات ایک خاص عہد کی بنائی ہوئی ہوتی ہین لیکن مشرق مین اس قسم کے نمونے گویا بنانے والون کی زندگی کا جزو لاینفک ہوجاتے ہین، اور اون مین اس آدمی کا کردار، عزم، قوت زندگی، سلیقہ، نفاست پسندی اور بطون تک نظر آجاتا ہی جس نے اسے کو بنایا ہے، مذہبی عمارتون خصوصًا مندرون کو چھوڑکر (جن کی قدر و قیمت بلحاظ فن معماری کچھ کم نہین،) وہ نہ صرف ایک عہد کو بتاتی ہین، بلکہ اپنے بنانے والے کی یاد کو بھی قایم رکھتی ہین، مشہور و معروف تاج محل کو دیکھنے سے عام مسافر کو ایک بڑے آدمی کی محبت اور عالی رتبگی کا اندازہ ہوتا ہی، لیکن ایک صاحب نظر کے آگے بنانے والے کے اندرونی خیالات تک افشا ہوجاتے ہین، روضے کا ناقابل بیان سکون اور عظمت کی شان سلاطین گذشتہ کی فانی زندگی کو ایک حد تک ضرور لافانی بنا دیتی ہے، ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ روضہ اونکی نظر مین نہین جچا اور اونھین شکایت تھی کہ اسمین جذبات زیادہ بھرے ہین لیکن ایسی چیز مین جذبات کی انتہا کیونکر ہوسکتی ہی، جو ایک محبت صادق کی یادگار رہو؟

قلعۂ دہلی اور اسی طرح قلعۂ آگرہ بھی معماری کا نفیس ترین نمونہ ہین اور اون کی نسبت کہا جاسکتا ہی، کہ وہ فن تعمیر کے عجائبات سے ہین، یہ وہ نیم ربانی آثار ہین، کہ نگاہ سے بڑھ کر دلون کو اپنی طرف کھینچتے ہین، اون مین کوئی ایسی پُرامن، پسندیدہ اور ناقابل بیان چیز ہے، جو ہر دیکھنے والے مین اختلاف ذوق کے باوجود وجد پیدا کردیتی ہے، دیوان خاص کی مشرقی وضع کی کمانون سے خاموش فوارون اور لمبے دالانون سے جس کے دریچے مین پھول بکھرے ہوئے ہین، اگرچہ ان کا رنگ اُڑگیا ہے، ایک عظمت کی شان پیدا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے بڑے تاجدار شاہجہان کے حضور مین باریاب ہین، اور اوس کا عہد حکومت خاموشی کے ساتھ ہماری آنکھون کے سامنے سے گذر رہا ہی،

یورپ کے آثار قدیمہ کے برخلاف ایشیائی عمارتین آرایش و تجمل کے مٹ جانیکے بعد بھی ایسی ویران و سوگوار نہین ہوجاتین، جیسا کہ مثالًا قصر وارسٹی ہے، کہ اوسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہون کا یہ باعظمت و وقار محل بہت پیشتر اپنے عروج کی منزل طے کرچکا، اور اگرچہ فوارے اب بھی اپنا راگ الاپ رہے ہین اور گذشتہ زمانے کا منہ

پڑا رہے ہیں لیکن وہ زمانہ نسیاً منسیاً ہو چکا ہیں نے مشرق میں ایسی حالت نہیں دیکھی، گو عمارتیں خاموش کھڑی ہیں، لیکن یہ خاموشی ایک چیستان ہے موت نہیں ہے جب میں قلعۂ دہلی میں داخل ہوئی، تو مجھے محسوس ہوا کہ میں بالکل ایک دوسری دنیا میں آگئی ہوں، باغ بہت عمدہ حالت میں رکھا گیا ہے جس طرح سابق میں ہوگا، اور دیوان خاص میں جس کا ذکر ابھی کیا، آنے سے پہلے ایک چھوٹی مسجد ملتی ہے، جسے موتی مسجد کہتے ہیں، یہ مسجد اردگرد کی روئیدگی میں فی الواقع ایک گوہر درخشاں ہے، اور اوس کے اندر اس مذہب کی پاکیزگی اور امن کا جلوہ نظر آتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے،

یادر اسی قسم کی کئی عمارتیں ایسی ہیں کہ ہر ایک کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، الورہ اور اجنٹہ کے غار جو حیدرآباد سے قریب ہیں، نہ صرف معماری بلکہ نقاشی کے لحاظ سے قدیم زمانے کی نایاب یادگار ہیں جنکو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اسی طرح گولکنڈہ کے شاہی گنبد، بیجاپور کی جامع مسجد اور ابراہیم روضہ، سہسرام میں شیرشاہ کا مقبرہ، دہلی کی جامع مسجد، لکھنو کا بڑا امام باڑہ، گوالیار میں محمد غوث کا مقبرہ، فتح پور سیکری میں اکبر اور عیسیٰ خان کے مقبرے، ارچھا، بیسونر، جے پور کے شاہی محل، اجمیر کی مسجد، حیدرآباد کی جامع مسجد، سری رنگا پٹم کی اعلا مسجد، لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ، رامیشورم اور مدورہ کے بڑے مندر، سری رنگم میں جمبوکیشورہ کا دیول، قلعہ گوالیار اور چتوڑ گڑھ کا سربلند منار، کوہ آبو، کا نیم ناتھ مندر، پٹنہ میں جینیوں کا مندر، سکھوں کا سنہری گردوارہ وغیرہ وغیرہ نایاب عمارتیں ہیں، گویا صرف جواہرات، یاقوت، الماس، موتی، ہی ہندوستان کی دولت نہیں، بلکہ فن معماری سے متعلق اشکال، خاکے اور خطوط کے بے بہا خزانے بھی یہاں بکھرے پڑے ہیں،

ہندوستان کی ایک اور حیرت انگیز زندہ یادگار اس کا رنگ ہے، ہندوستان کی بیٹیاں اس فن میں فطری دستگاہ رکھتی ہیں، بازار میں، گاؤں میں، ادبی پردہ مختلف رنگوں میں نظر آتی ہیں، اون کے سرخی مائل جسم پر شوخ نارنجی یا ہلکا گلابی یا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا ہوتا ہے کسی قدر دور کیوں نہ ہوں وہ پہچان لیجاتی ہیں، پہلے اس بھڑکیلے رنگ پر نگاہ پڑتی ہے، اور ذہن ٹھٹھک کے رہجاتی ہے، پھٹے ہوئے کپڑے میں سے جو اکثر پھٹا اور پیوند لگا ہوا ہوتا ہے وہ کاسے کے رنگ میں پاؤں دکھائی دیتے ہیں، اون کی ہر حرکت میں ایک فطری موسیقی پوشیدہ ہے، سر پر جب کے

پیچھے سیاہ بالون کا جوڑا بندھا ہوتا ہے، پانی کا برتن رہتا ہے اسکو وہ ایک ہاتھ سے تھامتی ہے اور دوسرا ہاتھ برابر رقص سے حرکت کرتا ہے، اس عورت مین جو باوجود غیر تعلیم یافتہ ہونیکے رنگ شناسی کے فن مین خداداد مہارت رکھتی ہے، سب سے حیرت انگیز چیز اوسکی چال ہے، وہ ادنی سے ادنی درجہ کی کیون نہ ہو اوسکی رفتار شاہانہ ہوتی ہے، اس کی یہ باقاعدہ رفتار اوس کی دوسری اقوام کی بہنون کو متحیر کرتی ہے، اسمین ناقابل بیان خوبصورتی اور بے پایان توازن اور غرور نظر آتا ہے،

اس غرور کا تجزیہ نہین کیا جا سکتا، اور چونکہ اس مین تصنع کا شائبہ نہین اس لئے یہ نہین معلوم ہو سکتا، کہ اوسکی بنا کیا ہے، البتہ خوبصورتی اور توازن کی وجہ ان کی موسیقی سے محبت ہے، یہ محبت آواز کی فریفتگی سے نہین جو صرف کانون کو بھلی معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ اس قوم کی ذاتی اور امتیازی صفت ہے جو یہان کے جاہل سے جاہل مین بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، اس مین اور یورپ کی موسیقی مین کوئی مناسبت نہین، جن کے کان یورپ کی موسیقی سے آشنا ہون، اون کے سامنے اسکی تعریف یون کیجا سکتی ہے، کہ وہ ایک طویل راگ ہے، یہ راگ پہلے پہل تو ایک ہی طرز کا معلوم ہوتا ہے جو اجنبی سامع کو ناگوار گذرتا ہے، لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اپنے سحر سے تسخیر کرتا اور سننے والے کو مست بنا دیتا ہے، اور پھر وہ سمجھنے لگتا ہے، کہ یہ راگ پوشیدہ اور مخفی طور پر قوم کی تصویر کھینچ رہا ہے، اسکی یکسان سامعہ نوازی ایک ایسی سرزمین کو ظاہر کرتی ہے جس سے مغربی اقوام نابلد ہین، ماضی وحال کے بہترین لکھنے والون کی شاعری کا سرمایہ پاٹ دار برمانے والی آواز اور بعض اوقات بول، یہ تمام چیزین ان لوگون کی حالت بیان کرتی ہین، جو اگرچہ مذہب، فرقے، اور رسم ورواج کے لحاظ سے مختلف ہین لیکن یہی موسیقی اور وہ زمین جو اون کا مرزبوم ہے، اونھین آپس مین متحد کئے ہوئے ہین، یہ موسیقی گو سمجھ مین نہ آئے، اپنا اثر کئے بغیر نہین رہ سکتی، الفاظ مین ہر شاعر کا اپنا فلسفہ اور طریقۂ بیان الگ ہے، لیکن سب کے لب ولہجہ مین گہرا تصوف مضمر ہے، جو وضاحت سے بالاتر ہے،

یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر مین کہون کہ ملک ہندوستان قدیم وجدید، حقیقت اور افسانہ، عظمت رفتہ، اور جدید ترقی کا سنگم ہے، میرے اس مختصر بیان سے ناظرین کے ذہن مین صرف جگمگاہٹ، رنگ، حیرت انگیز عمارات اور

شاندار ماضی کا (جس کی دلکشی ہنوز باقی ہے) تصور قایم ہوگا، لیکن اس مین شک نہین کہ ایک چیز اس ملک اور اوراس کے مذکورہ بالا تصور سے الگ بھی ہے اور وہ جدید ترقی ہے بغیر دیکھے یہ سمجھ مین نہین آتا کہ کس قدر نئی ایجادات واختراعات سے اس ملک نے استفادہ کیا، اورکس حد تک اس ملک کے باشندون نے انھین قبول کرلیا ہے، بڑے شہرون مین بہترین جدید سڑکین، عمارتین، مکانات، دوکانین آئین وعادات نظر آئین گے، اور اون کے ساتھ ساتھ رنگ، بھڑک، اور نظر فریبی بھی جو ایک مشرقی ملک کا حصہ ہی، مدارس، دواخانے اور دارالیتامی بھی موجود ہین حیدرآباد کا محبوبیہ گرلز اسکول اپنی قسم کا بہترین مدرسہ ہے، جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، کہ ملک مین اس قدر سختی سے پردہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح قایم ہے، ہندوستان کا ایک بڑا دارالیتامی بھی حیدرآباد مین ہے، جو نہایت خوش اسلوبی اور انتظام کے ساتھ چلایا جارہا ہے،

اسی طرح اور بہت سے امور ہین لیکن مین یہان صرف اس قدر اضافہ کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہون کہ مجھے اپنے ملک پر ناز ہے، جو یقیناً تنوّع کے وصف سے مالا مال ہی، اگر زمانے کی تیز رفتار ترقی سے طبیعت گھبرا جائے تو دماغ کو آرام دینے کے لئے عہد رفتہ کے آثار موجود ہین، مین نے ابھی تو اس طلسمات مین قدم رکھا ہی، اور یہ کہا نہین جاسکتا کہ اوس کے اسرار کو حل کرنے کے لئے مجھے کتنی عمر صرف کرنی ہوگی،

"اسکول اوف عربک اسٹڈیز میڈرڈ"

معارف بابت دسمبر کے شذرات مین ہسپانیہ کی جدید جمہوری حکومت اور اسلامی معاملات کے بارے مین اوسکی ہمدردانہ توجہ کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی علوم وفنون کی جس درسگاہ کے قیام کی تجویز کا تذکرہ آیا ہے اس کے متعلق ناظرین معارف کے لئے یہ معلوم ہونا باعث دلچسپی ہوگا کہ وہ اکتوبر گذشتہ سے جاری ہوچکی ہی،

پروفیسر بلنسیہ (Palencia) کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ میڈرڈ مین ایک اسکول اوف عربک سٹڈیز (Escuela de Estudios Arabes) قایم ہوا ہی جس کے

نگران اور مدیر اعلیٰ وہان کے مشہور پروفیسر آسین (Asin) مقرر ہوئے ہین، درس و مطالعہ کا کام فی الحال حسب ذیل چھ شعبون مین تقسیم ہوا ہے، ہر شعبہ ایک مخصوص عالم کی نگرانی مین دیا گیا ہے، کام اکتوبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہو چکا ہے،

شعبۂ اول	(1st Section)
فلسفہ، مذہب، اور دیگر علوم کی تاریخ، زیر نگرانی پروفیسر آسین،	History of Ideas and sciences, under the direction of Prof. Asin
شعبۂ دوم	(2nd Section)
سیاسی تاریخ، پروفیسر الارکون،	Political History Prof. Alarcon
شعبۂ سوم	(3rd Section)
اسلامی قانون اور نظامات (پروفیسر لنارس)	Islamic Law and Institutions, Prof. Linares
شعبۂ چہارم	(4th Section)
علم اللسان اور ادبیات، (پروفیسر پلنسیہ)	Philology and Literature Prof. Palencia
شعبۂ پنجم	(5th Section)
علم الآثار العربیہ (پروفیسر پرائیٹو وائیس)	Arabic Archaeology (Prof. Prieto Vives)
شعبۂ ششم	(6th Section)
مراکش کی زبانون، اور دیگر معاملات کی تحقیق، (روئز اورساتی)	Moroccan Studies of Dialectology, Ruiz Orsatti

اسکول کے نام اور کام سے ظاہر ہے، کہ پیرس، برلن، اور لندن کے مشرقی سکولون کے برعکس

میڈرڈ کا یہ سکول محض اسلامی عربی علوم و فنون کے مطالعہ کے لئے مخصوص ہوگا، ہمیں اس لحاظ سے مسرت ہے کہ شاید

اس طریق سے بھی مرحوم اندلس کے کچھ آثار ہماری دیدہ افروزی کے لئے زندہ ہوسکیں،

اسکول کا پتہ یہ ہے:-

Escuela de Studios Arabes
Calle de S. Vicente, no 60
Madrid (Spain)

عنایت اللہ

گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

اخبار علمیہ

کلام پاک چینی زبان مین

معاصر "مسلم ورلڈ" (جنوری ۱۹۲۳ء) چین کے رسالہ "فرنڈس آف مسلمس" (Friends of Muslims)

کا ایک مضمون نقل کرتا ہے، جس سے چینی زبان مین قرآن مجید کے ترجمہ کی نسبت کچھ اطلاعات حاصل ہوتی ہین،

مضمون نگار کا بیان ہے کہ اگرچہ بارہ صدیون سے بھی کچھ زائد مدت سے چین مین مسلمان آباد ہین، تاہم چند سال

قبل تک وہان کلام پاک کا کوئی مکمل ترجمہ شائع نہوا، اس کتاب مقدس سے کئی انتخابات مختلف چھوٹی چھوٹی کتابون

مین ملتے ہین لیکن وہ بھی ترجمہ کے اعتبار سے ناقص ہین، اب سے دو صدی قبل چین کے مشہور مسلمان اہل قلم لیوچیائی لین

(Liu Chiai Lien) نے دوسری عربی کتابون کا ترجمہ کیا تھا لیکن اوس نے بھی باوجود

ارادہ قرآن مجید کا ترجمہ نہ کیا، البتہ دوسرے مشہور مصنف مافوچو (Ma Fu Chu) نے تین

پارون کا ترجمہ کر ڈالا تھا لیکن اون مین سے پانچ پارون کے علاوہ اور سب جل کر تلف ہو گئے اور جو بچ رہے وہ بھی

طبع نہو سکے، اس کے بعد ایک مکمل ترجمہ کے لئے چار مختلف تجویزین علحدہ علحدہ قرار پائین (۱) پکنگ مین ایک ہفتہ وار

رسالہ "محمڈن وائس" (Mohammadan Voice) کے سلسلہ مین (۲) ایک جاپانی مسلمان مسٹر

سکوما (Sakuma) عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے انگریزی نسخون سے ترجمہ کرنا چاہتے

تھے، (۳) انجمن احمدیہ جس نے مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمہ کا طویل مقدمہ چینی زبان مین شائع کر دیا تھا، اور

وہ ایک مکمل ترجمہ شائع کرنے کا قصد رکھتی تھی، (۴) چائنا مسلم لٹریری سوسائٹی (شنگھائی) نے اپنے رسالہ مین سلسلہ وار

ترجمہ شروع بھی کردیا لیکن ان میں سے کوئی ترجمہ بھی اس وقت تک مکمل نہ ہوسکا بہرحال گذشتہ چند سالون مین دو مکمل ترجمے شائع ہوگئے ہین، ان مین سے پہلا ۱۹۲۷ء مین شائع ہوا ہے جو ایک جلد مین ۴۶۲ صفحات پر مشتمل ہے، مترجم ایک غیر مسلم ہے جس نے متعدد مقامات پر غلط سمجھنے کے سبب سے غلطیان کی ہین، زبان نسبتہً آسان ہے لیکن کہین کہین مطلب صاف نہین ہوتا۔ دوسرا مکمل ترجمہ ۱۹۳۱ء مین نکلا، یہ ایک مشہور بودھ فاضل مسٹر چی چیوہ می (Chi Chioh Mi) اور متعدد مسلمان اہل قلم کی متفقہ کوشش سے تین سال سے کچھ زائد مین پورا ہوا ہے، یہ آٹھ جلدون مین ہے اور بہت عمدہ چھپا ہے اس مین مختلف دیباچے اور مقدمے شامل ہین جنمین متعدد غلطیان رہ گئی ہین مثلاً یہ کہ اسلام کو چین مین داخل ہوئے تقریباً دو ہزار سال ہوگئے، یا یہ کہ مولوی محمد علی یورپ کے رہنے والے ہین، اس ترجمہ مین بہت کچھ سیل راڈویل اور مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمون نیز شبیر کے چینی اور جاپانی ترجمون سے مدد لی گئی ہے بعض مقامات پر ترجمہ غلط کردیا ہے، اور کہین کہین اصل متن مین اضافہ بھی ہوگیا ہے،

جنوبی افریقہ مین مسلمانون کی کانفرنس

مسلم ورلڈ کی اطلاع ہے کہ جنوبی افریقہ مین مسلمانون کی ایک کانفرنس ۲۵ مارچ کو کیپ ٹاؤن مین منعقد ہونے والی ہے جسمین اون کے معاشرتی تعلیمی اور مذہبی مفاد و ترقی سے متعلق بعض تجویزین پیش کیجائینگی، اس مجوزہ کانفرنس کی طرف سے جو گشتی خط شایع کیا گیا ہے اس مین سیاسی اور فرقہ وارانہ مسائل سے یکسر علیحدگی کا اعلان کیا گیا ہے، اور جو تجویزین زیر بحث آنے والی ہین، اُن مین سے بعض بیان بھی کردی گئی ہین، وہ حسب ذیل ہین،

(۱) جنوبی افریقہ مین مسلم اتحاد،

(۲) مسلمانون کے لئے ایک مناسب نظام تعلیم کا قیام،

(۳) ایک مسلم کالج کی ضرورت جسمین تعلیم عربی، اردو انگریزی اور افریقی زبانون مین دی جائے،

(۴) ٹرانسوال مین جن زمینون پر مسجدین تعمیر کی جائین، ان پر مالکانہ قبضہ کا حق،

(۵) نکاح شرعی از روئے قانون جائز ہونا،

(۶) جنوبی افریقہ کے مسلمانون کی ایک مذہبی انجمن کی ضرورت،

(۷) جنوبی افریقہ کے حاجیون کی مدد کے لئے مکہ معظمہ مین جنوبی افریقہ کے ایک مسلمان قونسل کا تقرر،

(۸) ایک مسلمان قونسل کی ضرورت جو جنوبی افریقہ مین قیام کرے،

(۹) آل انڈیا مسلم کانفرنس سے اس کانفرنس کا الحاق،

(۱۰) جنوبی افریقہ کے ایک مسلم مشن کا افتتاح،

سُرعتِ رفتار کا کمال

۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جرمنی مین ایک نئی ریلوے ٹرین کا افتتاح ہوا جس نے سرعت رفتار مین دنیا کی تمام ریلوے ٹرینون کو شکست دیدی، اس حیرت انگیز ٹرین نے برلن اور ہیمبرگ کے درمیان (۱۸۰) میل کی مسافت صرف دو گھنٹے بیس منٹ مین طے کی، نصف مسافت تک اوسکی رفتار (۹۳) میل فی گھنٹہ تھی، لیکن بعد مین قصداً کچھ کم کردی گئی اور اوسط رفتار (۹۱) میل فی گھنٹہ قائم رہی، اس سے قبل جرمنی مین جو ٹرین سب سے زیادہ تیز رفتار تھی، اوسکی رفتار (۸۰) میل فی گھنٹہ تھی، اور اس وقت تک دنیا کی سب سے زیادہ تیز رفتار ٹرین وہ تھی جو لندن اور سوئیڈن کے درمیان (۷۹) میل فی گھنٹہ کے اوسط سے چلتی تھی، اس جدید ٹرین مین صرف دو گاڑیان ہین جن کا مجموعی طول (۱۳۷) فٹ ہے، اور اسمین ایک سو مسافرون کی جگہ ہے، بلاشبہہ یہ ٹرین اپنی رفتار کے اعتبار سے دنیا کی پہلی ٹرین ہے لیکن اس سے قبل ہی خود جرمنی مین اور برلن اور ہیمبرگ ہی کے درمیان ایک ایسی ٹرین کا مظاہرہ بھی ہوچکا ہے جسکی رفتار (۱۴۳) میل فی گھنٹہ تھی، اور جس نے ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو (۱۸۰) میل کی یہ مسافت ایک گھنٹہ سنتیس منٹ سے بھی کچھ کم ہی مین طے کردی تھی لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ جاری نہ رہ سکی،

———— ० ————

الٹا نتیجہ

ضبطِ ولادت کی تحریک یورپ اور امریکہ میں جس سرگرمی کے ساتھ پھیلائی جارہی ہے، اور اب تقلید جامد کے طور پر ہمارے ہندستان میں بھی جس گرمجوشی کے ساتھ قبول کیجارہی ہے، اوس سے اکثر اخبار بین حضرات واقف ہوں گے، لیکن اس تحریک کے جو اثرات تہذیب و معاشرت اور ہر ملک کی آبادی پر پڑرہے ہیں، ان کا حال کم لوگوں کو معلوم ہے، چند ماہ قبل ان صفحات میں اعداد و شمار کے ساتھ یہ خبر آچکی ہے، کہ جب سے یہ وبا یورپ اور امریکہ میں داخل ہوئی، وہاں کی آبادیوں میں تشویشناک حد تک کمی واقع ہونے لگی ہے اور بعض ارباب نظر نے اس تحریک کے اخلاقی پہلو سے قطع نظر کرکے محض ملک کی آبادی کے نقطۂ نگاہ سے اوسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی شروع کردی ہے لیکن حال میں پروفیسر ریمنڈ پرل (امریکہ) (Raymond Pearl) نے اس تحریک کے بارہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "یہ جرم سے بھی بڑھ کر ہے، یہ ایک زبردست غلطی ہے،" پروفیسر موصوف نے ضبط ولادت پر عمل کرنے والی دو ہزار عورتوں سے استفسار کرکے جو معلومات حاصل کی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تحریک کا اثر تمام عورتوں پر یکساں نہیں ہے، اونچے طبقہ کی عورتوں میں تو اوسط پیدائش تقریباً پانچ فی صدی کم ہوگیا ہے لیکن مزدور پیشہ اور نیچے طبقہ کی عورتوں میں اور خصوصاً حبشی عورتوں میں اوسط پیدائش ضبط ولادت کے طریقوں سے اور زیادہ ہوگیا ہے یعنی آبادی گھٹانے کے لئے جو وسائل اختیار کئے گئے تھے، وہ حقیقۃً اوسے بڑھارہے ہیں، ظاہر ہے کہ مزدور پیشہ اور غریب طبقہ پر اس الٹے نتیجہ کا کیا اثر پڑیگا، اور یہ صورت حال بیچاروں کے لئے کس درجہ تردد خیز ہوگی،

زلزلہ کا اثر سمندر پر

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سمندر اور اوس کی گہرائی زلزلوں کے اثر سے محفوظ رہتی ہیں، لیکن گذشتہ ستمبر میں جاپان کے سواحل پر بحر الکاہل میں سخت زلزلہ آیا، اور اوس نے اوسکی اندرونی سطح کی شکل میں تغیر پیدا کردیا، اور اوس میں بڑے بڑے سوراخ ہوگئے، امریکہ کے محکمۂ طبعیات نے ایک علمی وفد اس غرض سے روانہ کیا ہے، کہ وہ سرے سے اوس موقع پر سمندر کی گہرائی کی پیمایش کرے، اور ان تغیرات کا پتہ لگائے جو اس موقع پر زلزلے نے پیدا کردئے ہیں،

"ع ز"

ادبیات

معراج المومنین

از حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

معارف کا شیوہ نہیں کہ شاعروں کو خطابات بانٹے، لیکن حضرت امجد کی نو بہ نو حکمت آموز شاعری نے اس کو اعتراف فضل پر مجبور کیا ہے اور لفظ "حکیم الشعراء" سے واقعہ کا اظہار کیا ہے۔

ذیل کی نظم رمضان کی سحری ہے یا نالۂ سحری لفظ و معنی دونوں کی لذت اسی سحری میں موجود ہے۔

("اڈیٹر")

یاحسرۃً علی العباد

پایا نہ حیات کا ثمر اک دن بھی　　ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈر، اک دن بھی
کیا حق ہے زمین پہ پاؤں رکھنے کا ہمیں　　رکھا نہیں جب سجدے میں سر اک دن بھی

خطرات فی الصلوٰۃ

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے　　ٹوٹی ہوئی شاخ از سرِ نو جڑتی ہے
ہوتا ہے نماز میں ہجوم خطرات　　گھر جھاڑتے وقت، خاک بھی اڑتی ہے

دلبر کے لیے ادا سے ناز اچھی ہے　　عاشق کے لیے رسم نیاز اچھی ہے

موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا — ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے
تخلیق کا راز، عبدیت مین ڈھونڈو — ناز اپنا نیاز کی صفت مین ڈھونڈو
اسرارِ عبودیت کا مظہر ہے نماز — آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز
اسلام، ہے گر لفظ تو معنی ہے نماز — ہان قربتِ مولا کا وسیلہ ہے نماز

پیراہنِ کبر چاک ہو جاتا ہے — نفسِ سرکش ہلاک ہو جاتا ہے
مسلم کے لیے عجب نعمت ہے نماز — سرخاک مین رکھ کہ پاک ہوجاتا ہے
اس بندۂ مسلم کا بھی کیا پایہ ہے — دیکھو تو کہ کس کے سامنے آیا ہے
فتنون سے جہان کے جان چھڑا کر آیا — بندہ دنیا سے ہاتھ اٹھا کر آیا
ہان قرۂ عینِ دلِ بینا ہے نماز — اسلام ہے گر لفظ، تو معنی ہے نماز

سرنہادن ۱۲

قیام

بندے کا قیام ہے خدا کے آگے — فانی کو جگہ ملی بقا کے آگے
اس وقت، نظر آتی ہے شانِ قیوم — ملتا ہے قیام مین نشانِ قیوم
اللہ کا الف قیام کی صورت ہے — ارکان مین، یہ امام کی صورت ہے

رکوع

بندے نے رکوع مین بڑی جرأت کی — سرقدمون پہ رکھنے کی اجازت لے لی
مسلم، سرخم کئے ہوے حاضر ہے — یہ وہ مہِ نو ہے، جس کا رب ناظر ہے

دل کو رخِ جانان پہ فدا رہنے دے — ان قدمون مین آنکھون کو گڑا رہنے دے

جھک کر مرے کان مین یہ کہتا ہو رکوع
امجد! سرِ تسلیم جھکا رہنے دے

سجدہ

ہے عرش سے بھی بلند بام سجدہ
قدمون مین کسی کے ہو مقام سجدہ

سجدہ ہے، عروسِ عبدیت کا گہنا
سنتا ہے اسی جگہ، وہ میرا کہنا

سجدے مین چھپے ہوئے ہین اسرارِ نماز
یہ سجدہ ہے شاہنشہِ دربارِ نماز

زنجیرِ درِ عرش ہلاتا ہون مین
اللہ غنی! کسے بلاتا ہون مین

سجدے کے بہانے، دل کی بیتابی سے
قدمون پہ کسی کے لوٹ جاتا ہون مین

اس سرزمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے
عامل معمولی ہے، عمل اعلیٰ ہے

پوچھو نہین سجدہ کرنے والون کے دماغ
سر خاک مین لب پہ ربی الاعلیٰ ہے

مسلم کی کمال آرزو، سجدہ ہے
اللہ، قیام اور ہوا سجدہ ہے

جان ڈوب کے لذتون مین کھو جاتی ہے
فانی ہستی کی نفی ہو جاتی ہے

شب ہجر کی، شام وصل سے ملتی ہے
جب جھکتی ہے شاخ، اصل سے ملتی ہے

کب، راہ یہ زور و زر سے طے ہوتی ہے
ہان منزلِ عشق، سر سے طے ہوتی ہے

سر اب تو اٹھاتی نہین پُر خون آنکھین
کس طرح نکال کر مین رکھ دون آنکھین

ٹھنڈک ہے عجب سجدے مین، سُبحان اللہ
تلوون سے کسی کے مل رہا ہون آنکھین

قعود

بیٹھا ہے ادب سے عبد، پیشِ معبود
فی مَقعَدِ صِدقٍ کا ہو مصداق قعود

فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

سلام

اسلام میں مصدرِ محاسن ہے سلام　　مسلم کی سلامتی کا ضامن ہے سلام

دُعا

ہر دم اس کی عنایت تازہ ہے　　اس کی رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہو، کھٹکھٹائے جاؤ　　یہ دستِ دعا، خدا کا دروازہ ہے

خالق نے جنھیں دیا ہے زر، دیتے ہیں　　زر کیا ہے؟ خدا کی رہ میں گھر دیتے ہیں
اپنا سرمایہ ہے رکوع و سجدہ　　سامان نہیں رکھتے ہیں، سر دیتے ہیں

اخلاصِ نیاز

(از جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم کاکوی (پٹنہ)

قدموں پہ تیرے دلنواز! میرا سرِ نیاز ہو　　شام و سحر اسی طرح، اپنی ادا نما نہ ہو
آنکھیں رہیں گہر فشاں، دل میں خلش رہے نہاں　　لب پہ ہو نالۂ و فغاں، روح میں بھی گداز ہو
آہوں کو ہنس کے ٹال دوں، اشکوں کو روک کر پیوں　　اوروں کا ذکر کیا، نہ دل سے بھی بیانِ راز ہو
چپکے پڑے ہیں سب کے سب، دیکھیں قیامت آئے کب　　دیر یہ کیوں ہو بے سبب محوِ خرامِ ناز ہو
حسن میں شانِ کبر ہو، عشق میں شانِ عاجزی　　ناز و غرور ہو اُدھر، اور اِدھر نیاز ہو
جلوۂ حسن سے ترے، موجِ بہار شرمسار　　چرخ پہ خندہ زن تری، چشمِ کرشمہ ساز ہو
پھیر دو نہ نامرادیوں، آس نہ توڑ دو اس طرح　　دور سے سنکے آئے ہیں، ہم کہ گدا نواز ہو
اے غمِ عشق! داغ سے سینہ ہو اپنا لالہ زار　　تیرے ہی دم سے ہی بہار، عمر تری دراز ہو
نجمؔ تمھیں ملیگا کیا، اپنی نمازِ عشق میں　　دل میں خلش ہو اور نہ درد، سوز ہو اور نہ ساز ہو

باب التقریظ والانتقاد

چند نئے رسالے اور اخبار

اور

رسالون کے خاص نمبر

گذشتہ ششماہی مین ہمین مختلف رسالے اور اخبارات، ریویو کے لئے موصول ہوئے، نیز مختلف رسالون کے چند خاص نمبر بھی آئے ہین،

رسائل حسب ذیل ہین،

آئینہ، کلکتہ (مصور ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد اسحاق صاحب بمعاون جناب قیس شیخپوری حجم ۴۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ عہ، پتہ :- دفتر آئینہ نمبر ۱۱ ہرن باڑی لین کلکتہ،

یہ رسالہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے کلکتہ سے نکلنے لگا ہے، اس کے دو پرچے اکتوبر اور نومبر کے نظر سے گذرے، رسالے کے پہلے نمبر مین اڈیٹر کی جانب سے اولاً صفحۂ افتتاح ہے، جسمین فاضل مدیر نے آئینہ کو بنگال مین اردو کے رائج کرنے کا ذریعہ بتایا ہی، اور کہا ہے کہ "اردو ادب ہنوز پست ہے"..... بے لاگ تنقید کی گئی ہی، آئینہ اردو ادب کے حال کا آئینہ نہین، بلکہ مستقبل کا بھی آئینہ ثابت ہوگا، لیکن جناب جوش ملیح آبادی کی ایک غزل پر مدیر آئینہ نے جو تنقید کی ہے، افسوس ہے کہ وہ نہ تنقید صحیح کا کوئی نمونہ ہے، اور نہ اوسے بے لاگ تنقید کہہ سکتے ہین۔ رسالہ کو ملک کے اچھے اہل قلم کی امداد حاصل ہے، جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال کی زیر تالیف کتاب "داستان اردو" کے چند ورق دونون نمبرون مین شائع ہوئے ہین، اسی طرح مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی بھی رسالہ کے مستقل معاون نظر آتے ہین اونھون نے پہلے نمبر مین ہمارے شعرائے کرام کو مخاطب کیا ہے، اور دوسرے نمبر مین عظمت کی راہ دکھائی ہی،

جناب منظر حسین صاحب شمیم نے شیخ جمال الدین افغانی کے سامنے مرزا داغ دہلوی مرحوم سے ایک غزل سنانے کا واقعہ قلمبند کیا ہے اسی طرح مختلف یورپین فسانہ نگار روش سکپئیر اور ٹامس ہامیسون کے مختصر افسانون کے ترجمے نظر آتے ہین، اور شعرا مین سے حضرت شاد عظیم آبادی جناب رضا علی وحشت جناب جوش ملیح آبادی، اور جناب آغا حشر کاشمیری وغیرہ کی نظمین اور غـــزلین ہین اور نیز بنگال و بہار کے نوجوان اہل قلم اور شعرا کی نثر و نظم درج ہے، توقع ہے کہ رسالہ بنگال و بہار کے نوجوانون کو اردو لکھنے لکھانے کی مشق بہم پہنچانے مین کامیاب ہوگا، لیکن رسالہ کے افتتاحیہ اور شذرات کو سیاسیات کا اکھاڑا بنانے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے کہ کارکنان رسالہ کے پاس ان مباحث کیلئے ایک مستقل روزنامہ کا میدان موجود ہے،

آئینہ، دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابن الحسن صاحب، فکر، ایم اے حجم ۳۲ صفحے

قیمت سالانہ عہ، پتہ: منیجر رسالہ آئینہ، دہلی،

پیش نظر رسالہ کے اجرا، کا اصل مقصد ارزان قیمت مین اعلیٰ مضامین کے مجموعہ کا رسالہ پیش کرنا ہے، اس کا پہلا نمبر زیر نظر ہے، اسمین شبہ نہین کہ یہ اپنے مضامین اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ارزان قیمت ہے، مضامین کا معیار بھی خاصہ ہے، اکثر مضامین سائنٹفک اور علوم جدیدہ سے متعلق ہین، نیز بعض افسانے بھی ہین، مضامین کے چند عنوان یہ ہین، "ریڈیو اور آیندہ جنگ" معانی الفاظ، "کوہ نور کی سرگذشت" "پانی کی دنیا اور اوس کے عجائبات" "سلاطین آسانہ فقرا پر" "تخلیق اور ارتقا"، رسالہ کی ترتیب محتاج اصلاح ہے، اولاً مضامین کی فہرست نسلک نہین، علاوہ ازین اکثر مضامین اسطرح ناتمام چھاپے گئے ہین، کہ "دیکھو صفحہ فلان" ایک ماہانہ رسالہ کیلئے یہ طریقہ مستحسن نہین،

گلچین لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب حجم ۲۰ صفحے قیمت سالانہ سے ، پتہ دفتر گلچین چراغ دین روڈ، مزنگ، لاہور،

یہ رسالہ ماہ اگست ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد لاہور سے ایک صحیح زبان کا رسالہ نکالنا اور زبان

کی صحیح خدمت اور ادب کی حقیقی اصلاح کرنا ہے" اسکا پہلا پرچہ زیر نظر ہے، جس مین مختلف شعراء کی نظمون اور غزلون کے علاوہ بعض مضامین بھی اچھے خاصے ہین جنمین سے جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلی کا مضمون "ہندی بھاشا کا جدید ادب" لائق ذکر ہے، لیکن رسالہ کے اسی پہلے نمبر مین اردو کے پرانے پرچون سے مشہور ادیبون کے مضامین بلاحوالہ درج کرنے کی ابتدا کچھ مناسب نہین ہے، جناب سلطان حیدر صاحب جوش مرحوم کا مضمون "نور" چند سال گذرے شائع ہو چکا ہے، اور اردو خوانون مین دلچسپی سے پڑھا جا چکا ہے،

یادگار، لاہور (ماہانہ) مدیر جناب نیر، بی اے، معاون جناب محمد لطیف جعفری، بی اے، وغیرہ، حجم ۵۶ صفحے، قیمت سالانہ ہے، پتہ:- دفتر رسالہ یادگار اندرون بھاٹی دروازہ لاہور،

رسالہ یادگار چند ماہ سے نکل رہا ہے، نومبر کا پرچہ پیش نظر ہے، جو مختلف قسم کے ادبی و تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے، نثر مین پروفیسر تبسم کا مضمون اور شعراء مین حضرت ریاض خیرابادی اور جناب محوی صدیقی کے کلام پڑھنے کے لائق ہین،

سنیاسی گجرات (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم عارف حجم ۴۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت سالانہ عہ،

پتہ:- دفتر سنیاسی گجرات (پنجاب)

سنیاسی گجرات (پنجاب) سے نکلا ہے، یہ ایک مفید رسالہ ہے اور اوسکو سیاسی اور طبی رسالہ کہہ سکتے ہین اسکے پیش نظر ہندوستان کی مختلف قومون اور ملتون مین اتحاد و یگانگی پیدا کرنا، ہندوستانیون کے فرقہ وارانہ جھگڑون کو روکنا، دیگر مذاہب کے بزرگون پر دلخراش نکتہ چینی سے باز رکھنا ہے، اوسکے مضمون نگارون مین ہندو اور مسلمان دونون اہل قلم ہین، رسالہ کے مرتب جناب حکیم عارف ہین، مگر پورا رسالہ پڑھنے کے باوجود یہ معلوم کرنا دشوار ہے، کہ عارف کسی ہندو شاعر کا تخلص ہے، یا مسلمان شاعر کا، جناب حکیم عارف نے اپنے لئے ایک مستقل عنوان "تاریخ ہند کا ایک ورق" خاص کرلیا ہے، اسمین تاریخ کی مستند کتابون اور مستند حوالون سے ایسے واقعات اخذ کرکے پیش کرتے ہین جن سے ہندو مسلمان اور سکھون کی باہمی رواداری اور باہم حسن سلوک اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرنیکے نتائج پیدا

ہوتے ہین، رسالہ کا یہ باب نہایت کارآمد ہے، رسالہ کے بعض مضامین طبی بھی ہین،

پاسبان، گورداس پور (ماہانہ) ادارۂ تحریر جناب لطیف انور، جناب اصغر حسین خانصاحب نظیر، لودھیانوی، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ ۳؍ پتہ:- دفتر رسالہ پاسبان گورداسپور (پنجاب)

رسالہ پاسبان، پنجاب کے ایک دوسرے شہر گورداسپور سے نکلا ہے، اس کے پیش نظر ادبی خدمت انجام دینا اور صوبہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کی منظور شدہ کتابون پر نقد و تبصرہ کرنا ہی، رسالہ چند عنوانون "روح تغزل" "معیار علم و ادب" تعلیمات" اور "نسائیات" مین تقسیم ہے، دوسرے نمبر سے حصۂ نسائیات کی ادارت جناب رضیہ سلطانہ گورداسپوری کو تفویض ہوئی ہے، رسالہ کے بعض مضامین سنجیدہ اور تنقیدی بھی ہین،

دبستان وزیرآباد، مدیر جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، وزیرآباد، حجم ۴۸ صفحے قیمت سالانہ ۳؍ پتہ:- دفتر دبستان مثمن برج وزیرآباد (پنجاب)

دبستان، پنجاب کے ایک تیسرے شہر وزیرآباد سے نکلا ہے، جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین مدت سے اپنے گوشۂ امن مین بیٹھکر دوسرے شعرا، و ادبا، پر رسالون کی شکل مین تیراندازی کرتے تھے اب خود میدان مین نکل آئے ہین اور دارالاشاعت قائم کرکے رسالہ دبستان جاری کیا ہے، رسالہ کے تقریبًا تمام مضامین مختصر افسانون پر مشتمل ہین، کوئی خاص تنقیدی مضمون پہلے نمبر مین موجود نہین، بعض مضامین "تاریخی معلومات" کے عنوان سے ہین، شعراء کے کلام، اہل قلم کے مضامین کے پہلو بہ پہلو بہ کثرت ہین جنمین زیادہ تعداد جناب گوشہ نشین کے کلامون کی ہی،

مسلمہ، جالندھر (ماہانہ) اڈیٹر جناب حمیرا، حجم ۳۲ صفحے، قیمت سالانہ صرف ایک روپیہ، پتہ:- دفتر رسالہ مسلمہ مدرسۃ البنات، جالندھر (پنجاب)

مدرسۃ البنات کچھ دنون سے چند مخلص مسلمانون کی کوششون سے جالندھر مین قائم ہوا ہے، اس مدرسہ کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ مسلمہ، جناب حمیرا کی ادارت مین ماہ جولائی ۱۹۳۲ء سے نکلنے لگا ہے، رسالہ کی سرپرستی جناب مفخر نسوان

بیگم صاحبہ نواب لیاقت حیات خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے قبول کی ہے، رسالہ کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، مضامین میں خصوصیت سے اسلامی تعلیمات کی روح نظر آتی ہے، جو مختصر افسانے ہیں وہ بھی شریف بہو بیٹیوں کے پڑھنے کے لائق اور سبق آموز ہیں، رسالہ کا خیر مقدم مولانا ظفر علی خانصاحب نے اپنی ایک فارسی نظم سے کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ جناب تمیز کے قلم سے ہے؛

مشیر باغبانی لاہور (ماہانہ) اڈیٹر پروفیسر جی، ایم، ملک ایم ایس سی (اگریکلچر) امریکہ حجم ۴۰ صفحے قیمت سالانہ عمہ/ پتہ:- امرکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی نمبر ۴۸ میکلوڈ روڈ لاہور،

مشیر باغبانی، ایک زراعتی رسالہ ہے جسمیں فن زراعت اور باغبانی سے متعلق مفید مضامین ہوتے ہیں، "باغبانی کلب" "تر کاریاں" "باغبانی معلومات" "استفسارات و جوابات" (متعلق زراعت و باغبانی) اور "عملی باغبانی" وغیرہ اس کے مستقل عنوان ہیں، رسالہ سے زراعت پیشہ اور باغبانی کے شوقین فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

کامیاب دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب ظفر نیازی و سب اڈیٹر جناب لطیف احمد بی اے حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ/ پتہ، منیجر رسالہ کامیاب پوسٹ بکس نمبر ۲۰۴، دہلی،

رسالہ کامیاب چند ماہ سے جاری ہے، دسمبر کا نمبر پیش نظر ہے، اسمین متعدد چھوٹے چھوٹے ادبی و اصلاحی مضامین، مختلف اہل قلم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب و حشی، جناب ایم اسلم اور جناب اکبر حیدری صاحب وغیرہ کے ہیں، رسالہ کے مضامین کارآمد اور دلچسپ ہیں،

شاعر آگرہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب نظر اکبر آبادی حجم ۴۸ صفحے، تقطیع $\frac{22\times18}{16}$ قیمت سالانہ عالہ/ پتہ:- دفتر قصر الادب آگرہ،

اکبر آباد میں ہمیشہ سے شعر و شاعری کا چرچا رہا ہے، دور حاضر میں بھی یہ شہر شعر و شاعری کے چرچے اور مشاعرون کی چہل پہل سے اوسی طرح پر رونق ہے، اور ادبی چھیڑ چھاڑ اور شاعرانہ لن ترانیون کی صدائین یہین سے کبھی کبھی سنائی دیتی ہین، اور شعر و شاعری کی خدمت کے لئے یہان سے مختلف پرچے نکلتے رہتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ، اوسی سرزمین سے

ر ساسنے آیا ہی، جناب سیماب اکبرآبادی اس کے "نگران اصول" اور جناب نظر اکبرآبادی اس کے مدیر ہین، اگست

چہ زیر نظر ہے، اسمین شبہہ نہین کہ کارکنان رسالہ شعروشاعری اور اردو کی خدمت انجام دینا چاہتے ہین،

زمین شعروادب کے متعلق استفسار و جواب ہین، پھر چند صفحون مین "شاعر" کے چند مختصر نوٹ اور مضامین ہین،

ہل قلم کے مضامین درج کئے گئے ہین، جن مین سے "مرزا داغ اور نفسیات محبوب" اور "شعرا کی ذہنی تصاو

ن ہین، آخر مین ایک باب "اصلاح سخن" کا بھی ہے،

ؤرخ فیض آباد (مہینہ مین دوبار) اڈیٹر مولوی سید علی اظہر صاحب عابدی، ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت سالانہ عے

۔: دفتر مورخ امام باڑہ جواہر علی خان فیض آباد،

الہ مورخ مین جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، خالص تاریخی مضامین ہوتے ہین لیکن وسعت دامان

کے ضوابط مین اعلان ہے کہ "علمی، ادبی، تمدنی و اخلاقی مضامین جن کا تعلق تاریخ سے ہوگا، وہ صفحات

ئین گے"، اس کا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۱۹۳۲ء ہمین موصول ہوا ہے، بعض مضامین ہم نے دیکھے، وہ

و پر مبنی نہین ہین لیکن بہرصورت رسالون کے عام سطحی افسانون کے پڑھنے سے ان تاریخی افسانون

ہ بہتر ہوگا،

قتصاد کابل (فارسی ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد زمان ترہ کی (حجم ۳۲ صفحے، کاغذ عمدہ، چھپائی خوبصورت

پ مین، قیمت سالانہ ۱۔ شلنگ، پتہ:۔ دفتر اقتصاد، وزارت تجارت گلستان سرائے کابل (افغانستان)

ال ڈیڑھ سال مین کابل سے متعدد بلند پایہ رسالے جاری ہوئے ہین، جن کا تذکرہ ان صفحات مین

ب یہ ایک نیا رسالہ اقتصاد نکلا ہے، جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک اقتصادی و تجارتی رسالہ

، مضامین مختلف عنوانون "فلاحت و زراعت" "معادن"، اور "تجارت"، وغیرہ مین منقسم ہین، اس

امین کا اقتباس انھی صفحات مین اس سے پہلے گذر چکا ہے، تجارتی حلقون کے لئے یہ خصوصیت

امد رسالہ ہی،

فانوس لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سردار علی صاحب آفسر حجم ۴۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ ۳ر

پتہ:- دفتر رسالہ فانوس نمبر ۹ کشمیر بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور،

فانوس ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اکثر مضامین ادبی اور بعض علوم جدیدہ سے متعلق ہین بعض مضامین پڑھنے کے لائق ہین، مثلاً "مرزا غالب کی ایک نایاب فارسی نظم"،

پندرہ روزہ پرچے، ذیل کے دو پرچے پندرہ روزہ ہین، نیر اسلام اور حسن کار حیدرآباد،

نیر اسلام لاہور (مہینہ مین دوبار) اڈیٹر جناب غلام نبی صاحب انصاری جہلمی حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت سالانہ عا پتہ، دفتر اخبار نیر اسلام امیر علی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور،

جناب غلام نبی صاحب انصاری کو سیاسیات سے دلچسپی ہے، اور موصوف کافی مدت تک جیل مین رہ چکے ہین، اب موصوف نے رہا ہو کر ایک اخبار نیر اسلام اپنے ذوق سے نکالا ہے، اور اس طرح قوم و ملک کی خدمت کا شوق پورا کیا ہے، اس کا ۳۸ وان نمبر مورخہ ۵ اردسمبر ۱۹۳۲ء ہمین موصول ہوا ہے، اس کے سر ورق پر مجلس مرکزیہ احرار اسلام کے ایک اجلاس کی وہ کارروائیان ہین جنکی تفصیلات صیغہ راز مین ہین، پھر مقالۂ افتتاحیہ مین مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن پر اظہار خیال ہے اور کہا گیا ہے اوسکو نیر اسلام مین مسلسل پیش کیا جائے گا، اور اس کے بعد الہلال کلکتہ کے پرانے فائیلون اور اوس کے جدید فائلون سے چند مضامین اور افسانے نقل کئے گئے ہین، اور آخر مین خبرون کے صفحات ہین، اور اس طرح تقریباً پورا اخبار دوسرے پرانے اخبارات کے فائل، شائع شدہ کتابون اور شائع شدہ خبرون سے منقول ہے،

حسن کار حیدرآباد دکن (پندرہ روزہ) اڈیٹر جناب سید محمد اکبر وفا قانی بی اے حجم ۲۰ صفحے،

قیمت سالانہ ۳ر پتہ، دفتر حسن کار محلہ معظم شاہی گوشہ محل حیدرآباد دکن،

حسن کار فنون جمیلہ مصوری نقشہ کشی تعمیر اور موسیقی وغیرہ کی خدمت کے لئے ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکل رہا ہے اسکا چوتھا اور پانچوان پرچہ پیش نظر ہے اکثر مضامین اپنے موضوع سے متعلق مختلف تاریخی عمارتون فن تعمیر مصوری

اور موسیقی وغیرہ پر ہین لیکن افسوس ہے کہ "حسن کار" کی ظاہری شکل وصورت "حسن کارانہ" نہین :- ع -

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ

ہفتہ وار اخبار **المجاہد**، ڈیرہ اسمٰعیل خان (ہفتہ وار) مدیر جناب شاہزادہ فضل داد خان صاحب حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{17 \times 27}{2}$، قیمت سالانہ صہ ر، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، پتہ دفتر مجاہد حافظ جمال اسٹریٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان،

مجاہد ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا ہے، اس کا پہلا نمبر سامنے ہے، اوس نے اپنے حسب ذیل مقاصد بتائے ہین شمالی ہند خصوصاً صوبہ سرحد اور بلوچستان کے مسلمانون کی ترجمانی بھائی بھائی فتنہ کا انسداد اسلامی تاریخ اور نامور اسلاف کے مجاہدانہ کارنامون کی اشاعت اور زبان اردو کی خدمت وغیرہ، مجاہد کا لب ولہجہ حکومت کے ساتھ تعاون پسندی کا ہے، اور ہندؤون کی جانب سے مسلمانون کے "حقوق" کے "غصب" کے شکوے اور افغانستان کی موجودہ حکومت کی حمایت وغیرہ اوسکی کھلی ہوئی پالیسی ہے،

البت کلکتہ (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب میر ایچ اے افضالی حجم ۲۶ صفحے تقطیع $\frac{20 \times 30}{4}$ قیمت سالانہ صہر دفتر البت نمبر ۱۸، ڈمزن لین کلکتہ،

اخبار البت (۹) کا نوان نمبر مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء ہمین ریویو کے لئے موصول ہوا ہے اخبار کا سرورق آرٹ پیپر کا خوبصورت ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی کچھ خراب نہین تصویرین بھی چند صفحون پر ہین، ہفتہ وار خبرون کا کوئی التزام نہین ہے، مقالۂ افتتاحیہ اور شذرات کے لحاظ سے یہ پرچہ سیاسی اور دیگر مضامین کی نوعیت سے ایک ادبی وتعلیمی رسالہ ہے، سیاسی حیثیت سے اوسکی پالیسی مین "اسلامی حقوق" کی حمایت اور کانگریس کو مسلمانون کا مخالف بناکر اوسکی مخالفت کرنا ہے، زیر نظر پرچہ کے مقالۂ افتتاحیہ مین گاندھی جی کو مسلمانون کا تمام ہندو رہبرون مین سب سے زیادہ دشمن قرار دیا گیا ہے، اخبار کا لب ولہجہ بھی پر وقار نہین، شاید جیسا کہ نام سے شبہہ ہوتا ہے، یہ کوئی مزاحیہ اخبار ہے،

منقار جبل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد عبد اللطیف صاحب بی اے حجم ۱۲ صفحے قیمت سالانہ :- صر

پتہ : دفتر منقار، ابراہیم منزل نمبر ۲ گلگلا جبل پور (سی، پی)

یہ ایک ہفتہ وار مزاحیہ اخبار ہے، جو ۸ جنوری ۱۹۳۸ء سے جبل پور (صوبہ متوسط) سے نکلا ہے، اسمین مزاحیہ مختصر ڈرامے مزاحیہ نظمین اور مختصر مزاحیہ نوٹ ہوتے ہین،

امہات بھوپال (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب قمر النسا بیگم حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸/۴ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ سے پتہ :- دفتر اخبار امہات بھوپال،

امہات جناب قمر النسا بیگم کی ادارت، اور جناب محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے علیگ کے اہتمام سے غالباً رسالہ ظل السلطان بھوپال کے دفتر سے نکلا ہے، اس کے چند نمبر ہمین موصول ہوئے ہین اس کے اجرا، کا مقصد خواتین ہند کی قومی، ملکی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی تحریکات کی علمبرداری ہے،

روزانہ اخبارات — اس مدت مین دو نئے روزانہ اخبار بھی نکلے ہین ہند جدید کلکتہ اور مدینہ بجنور،

ہند جدید اڈیٹر مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ کاغذ سفید چکنا لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱ر پتہ :- دفتر ہند جدید ۲ اے چیترنجن ایونیو، کلکتہ،

کلکتہ سے چند مہینون سے یہ روزانہ اخبار نکل رہا ہے، یہ سیاسی آزادی کا علمبردار، مذہبی بدعات کا دشمن، ہندو مسلم اتحاد کا پرزور حامی اور مسلمانون مین حرکت و عمل پیدا کرنے کا داعی ہے، اپنے مخالفون کے لئے ہمیشہ شمشیر برہنہ رہتا ہے، پرچہ مین روزانہ خبرون کے علاوہ مختلف موضوع پر دلچسپ، کارآمد اور پڑھنے کے لائق علمی و ادبی مضامین اور افسانے اور اسلامی ممالک کے اخبار و رسائل کے مفید و دلچسپ اقتباسات درج ہوتے ہین لیکن باین ہمہ یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا، :-

گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر	کی جس سے بات اوس نے شکایت ضرور کی

روزانہ مدینہ بجنور، اڈیٹر جناب نصر اللہ خانصاحب عزیز، بی، اے، حجم ۸ صفحے قیمت سالانہ عہ

پتہ :۔ مدینہ بجنور، یوپی،

ہمارے صوبہ مین ایک کارآمد روزانہ اخبار کی سخت ضرورت تھی اور سب کو اس ضرورت کا احساس تھا مگر اس کے لئے پیش قدمی سب سے پہلے مدینہ بجنور کے کارکنون نے کی، سہ روزہ مدینہ جس خوبی، کامیابی اور حسن مقاصد کے ساتھ اب تک نکلتا رہا ہے، اس سے پوری اُمید ہے کہ روزانہ مدینہ بھی ملک و ملت کا مفید ارگن ثابت ہوگا، اب تک اوس کے ۱۴ نمبر نظر سے گذرے ہین، ان مین ہر ایک باسلیقہ ترتیب عمدہ معلومات اور دلچسپ مضامین کا حامل ہے، وہ سیاسی آزادی، ملکی ترقی، ہندو مسلم اتحاد کی دعوت کے ساتھ سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑتا امید ہے کہ لوگ اس نئے روزانہ اخبار کا پرجوش خیر مقدم کرین گے،

رسائل کے خاص نمبر چند رسالون کے حسب ذیل خاص نمبر ہمین موصول ہوئے،

سالنامہ نیرنگ خیال:۔ حجم تقریبًا سوا دو سو صفحے، تقطیع کلان، قیمت خاص نمبر عہ،

پتہ :۔ دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ، لاہور،

یہ خاص نمبرون کے مبتدع (مخترع نہین ؟) نیرنگ خیال لاہور کا سالنامہ ۱۹۳۳ء ہے، مضمون نگارون اور شعراء کی فہرست مین حسب دستور اچھے اچھے اور ممتاز اہل قلم شامل ہین، مضامین مختلف نوعیتون کے ہین، ادبی مضامین مین لیلی کے خطوط پڑھنے کے لائق ہین، افسانون مین "لاش" اور "خزان اور سامن" کو دیکھنے کا موقع ملا، وہ دلچسپ ہین، مزاحیہ تحریرون مین "ریل گاڑی" زیادہ پسند آئی، حصہ نظم مین اساتذہ کے کلام کے علاوہ اختر شیرانی کی بعض نظمین خوب ہین، رسالہ مین مختلف مناظر، عمارتون مجسمون اور بعض اہل قلم کی تصویرین شایع ہوئی ہین، دارالمصنفین کے ساکنین کا ایک مرقع بھی اوسکو کہین سے ہاتھ آیا ہے، اور اوس نے بھی اسمین جگہ پائی ہے،

نیرنگ خیال کا اقبال نمبر:۔ ۴۲۰ صفحے، تقطیع ۲۷×۱۷/۸، قیمت عا، پتہ :۔ دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور،

نیرنگ خیال کا ایک دوسرا خاص نمبر ڈاکٹر سر اقبال کے نام پر "اقبال نمبر" زیور حجم کی تقطیع پر شائع ہوا ہے،

جسمین اقبال کی شاعری، فلسفہ، سوانح حیات اور اون کی تصنیفات پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور مختلف شعراء نے اقبال کی خدمت مین اپنی اپنی عقیدت کا ہدیہ پیش کیا ہے، اگرچہ ہماری نگاہین اقبال نمبر مین "سیاسی اقبال" کے بجائے صرف شاعر، متکلم و داعی و ادیب و فلسفی اقبال پر صرف مضامین ہی دیکھنا چاہتی تھین، تاہم جو کچھ بھی اس نمبر مین جمع کیا گیا ہے، وہ اقبال کی تصویر کو ہر پہلو سے مکمل کرتی ہین، رسالہ مین اقبال کی پرانی اور نئی تصویرین، اور اس پرچہ کے بعض مضمون نگارون، جامعہ ملیہ کے بعض استادون، اور اقبال کے کلام کی بعض تخیلی تصویرین بھی شائع ہوئی ہین،

پیشوا کا رسول نمبر، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت خاص پرچہ ۸، پتہ:- دفتر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، دہلی سے جناب سید عزیز حسن صاحب بقائی کی ادارت مین نکل رہا ہے، اس رسالہ کا رسول نمبر ہر سال اہتمام سے ماہ ربیع الاول مین شایع ہوتا ہے، اور ملک کے ممتاز اہل قلم بارگاہ نبوت مین اپنی اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہین جنمین سیرت رسول کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جناب سید عزیز حسن صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی اہتمام سے شایع کیا ہے، اور یہ خاص نمبر رسالہ پیشوا کے مستقل خریدارون کو کسی مہینہ کا پرچہ ناغہ کئے بغیر ڈیڑھ کے اوسی معیار سے سالانہ چندہ ہی مین ہدیۂ پیش کیا جاتا ہے،

پیشوا کا قرآن نمبر:- ۱۲۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ دفتر رسالہ پیشوا کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، کا ایک دوسرا خاص نمبر ماہ جنوری ۱۹۳۳ء مین "قرآن نمبر" کے نام سے نکلا ہے، اوس کے تمام مضامین قرآن و علوم قرآن سے متعلق ہین اور اون مین سے اکثر مضامین حیدرآباد کے ادارۂ معارف قرآنیہ کے بعض ارکان نے لکھے ہین، اور نیز ایسے مختلف مضامین بھی یکجا کئے گئے ہین، جو بعض رسالون مین قرآن مجید کے مباحث پر وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے ہین، رسالہ مین بعض مسجدون کی تصویرین بھی شایع ہوئی ہین،

دین دنیا کا مجاہدین اسلام نمبر، حجم ۸۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۱۲، پتہ:- خواجہ بک ڈپو دار الاشاعت دہلی

رسالہ دین و دنیا کا جو جناب شوکت علی صاحب فہمی کی ادارت مین شایع ہوتا ہے، مجاہدین اسلام نمبر ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء

کے پرچون پر مشتمل ہے، اس رسالہ مین ۱۲ مضامین نظم و نثر مجاہدین اسلام اور اون کے کارنامون سے متعلق ہین اور بقیہ مضامین دوسرے موضوع پر ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

ضیاء القریش کا عثمان نمبر:- حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱، امرتسر

رسالہ ضیاء القریش، امرتسر سے انجمن قریشیان ہند کی سرپرستی مین نکلتا ہے، اوس نے حضور نظام آصفجاہ سابع کے اسم گرامی پر "عثمان نمبر" شایع کیا ہے، مملکت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور عہد حاضر مین حیدرآباد کی مختلف تمدنی و تعلیمی ترقیون پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور اسی نوع کی مختلف نظمین درج ہین، رسالہ مین سلطنت آصفیہ کے مختلف فرمانروان کی تصویرین بھی دیگئی ہین مملکت آصفیہ کی مختصر سرگذشت مین ٹیپو سلطان کا جس لب و لہجہ مین تذکرہ کیا گیا ہے وہ لائق افسوس ہے،

یادگار کا سالگرہ نمبر:- ۲۰۲ صفحے قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر رسالہ یادگار بھاٹی دروازہ لاہور

لاہور کے رسالہ یادگار کا سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۳۲ء مین شایع ہوا ہے، مضامین زیادہ تر افسانے ہین جنمین سے اکثر محض سطحی ہین، اور بعض تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین، انگلستان کے مشہور شاعر بائرن کی تصویر، مختصر حالات اور اوسکی چند نظمون کے ترجمے بھی شایع ہوئے ہین، اور تیمور لنگ کے خط کا ایک عکس شایع ہوا ہے،

ہمایون کا سالگرہ نمبر (مصور) ۱۵۳ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر رسالہ ہمایون لاہور

پنجاب کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایون کا سالگرہ نمبر بھی ہر سال ماہ جنوری مین نکلتا ہے، امسال مضامین مین زیادہ تر افسانے ہین، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ اوسط درجہ کا ایک ادبی گلدستہ تیار ہو گیا ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر، اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب ۹ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ دفتر رسالہ عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور

عالمگیر کا خاص نمبر بھی ہر سال پابندی سے ماہ جنوری مین نکلتا ہے، مضامین مختلف قسم اور مختلف معیار کے ادبی و تاریخی ہین، افسانے بھی خاصی تعداد مین درج ہین، مختلف مصورون کے موی قلم کی تصویرون سے رسالہ کی زینت مین اضافہ ہو گیا ہے

سالنامۂ کاروان مرتبہ جناب پروفیسر تاثیر ایم اے، حجم ۳۱۴ صفحے قیمت ۲، پتہ رسالہ کاروان چابک سواران لاہور

رسالون کے سالنامون کی تدریجی ترقیان آخر اپنی انتہا کو پہنچین، اور یہ "سالنامہ" واقعی معنون مین سالنامہ بنکر نکلا، یعنی رسالہ "سالنامہ کاروان" سال بھر مین ایک ہی مرتبہ نکلیگا، رسائل کے تبصرہ کی آخری کاپی پریس مین جاچکی ہی کہ اسکا پہلا نمبر ہمین موصول ہوا اور اپنے صوری محاسن اور ظاہری خوشنمائیون سے جاذب نظر معلوم ہوا، اور پھر معنوی حیثیت سے بھی اچھا خاصہ ادبی رسالہ نکلا، اس رسالہ کے اجرا کا مقصد ایک بلند پایہ ادبی رسالہ کی اشاعت ہی، جو علم ادب کی خدمت کرسکے، اور اردو دان طبقہ مین فن تصویر کا صحیح مذاق پیدا کرے، "جاویدنامہ" "قصہ چہار درویش" اور "جدید ترکی ادبیات" پڑھنے کے لائق مضامین ہین، رسالہ مین بعض مصورون کے شاہکار اور ایرانی خطاط کی وصلیون کے مرقعے درج ہین، نیز مصورون پر مضامین کی اشاعت کا خیال بھی ہے، اوسکی پہلی کڑی استاد کمال الدین بہزاد ہے، ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس نووارد مہمان کا خیر مقدم کرتے ہین،

دو نئے رسالے ان رسائل پر لکھنے کے بعد دو نئے رسالے ہمین موصول ہوے، "مساوات" پھلواری پٹنہ، اور "بچون کی دنیا" الہ آباد ہین،

مساوات

پھلواری (پٹنہ) (سہ روزہ) حجم ۲۰ صفحے، مقام اشاعت پھلواری شریف ضلع پٹنہ، قیمت سالانہ عہ ؎

مساوات ایک مفید مقصد "یعنی ہندوستان کے تمام کمزور اور غریب مسلم اقوام کی ترجمانی" کیلئے نکلا ہی، بعض پرچے دیکھنے مین آئے، مرتبکے نوٹون مین ہندوستان کے عام سیاسی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہی، اور مضامین مین ایسی مسلمان قومونکو ابھارنے اور اصلاح و ترقی کی دعوت دینے کی کوشش کی گئی ہی، جو معاشرتی حیثیت سے کہین کہین ابھی تک فروتر سمجھی جاتی ہین، رسالہ کے نگران جناب خانصاحب سردار محمد اسلام صاحب بی اے، رئیس گمتیا گیا ہین، بہار کی سرزمین اردو صحافت کیلئے شور ہی، خدا اسے عمر عطا کرے،

بچون کی دنیا

الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب یوی دت شکل، پتہ انڈین پریس الہ آباد، حجم ۴۴ صفحے، قیمت سالانہ ؏

یہ بچون کا ایک دلفریب خوشنما اور اچھے کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کا ایک خوبصورت رسالہ ہی، جو کچھ دنون سے جاری ہے، مضامین بچون کی استعداد کے مطابق اور معلومات بڑھانے والے ہین، اور کہانیان بھی بچون کے دلپسند اور سبق آموز ہین، لیکن افسوس ہی کہ جنوری نمبر کے بعض مضامین ہمین پسند نہین آئے، مثلاً پہلا ہی مضمون جسمین رانا چتور اور اکبر کی جنگ آزمائی اور اوسکی تصویر دکھائی گئی ہے، یہ حب الوطنی (جس پر اسی رسالہ مین متعدد نظمین ہین) کی کوئی بہتر خدمت نہین، بچون کے معصوم دماغون کو جہانتک ممکن ہو مسموم ہواؤن کے خفیف سے خفیف جھونکون سے بھی بچایا جاہیے، "م"

مطبوعات جدیدہ

الانجم الطوالع:- مرتبہ مولوی ابو الطیب محمد یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی، ۵۶ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت باعتبار کاغذ و جلد عا، عہ، ۱۲/۴ مرتب سے محلہ سوتھ کوٹی بدایون کے پتہ سے طلب کرین،

الانجم الطوالع قدیم علم ہیئت مین ایک رسالہ ہے، جسمین یونانی ہیئت دان اقلاؤس کے مشہور و نایاب قیمتی رسالہ کتاب المطالع کا عکس شائع کیا گیا ہے، کتاب المطالع کے اس نسخہ کو علامہ قطب الدین شیرازی نے ۶۶۱ھ مین محقق طوسی کے ۶۵۲ھ کے مسودہ سے نقل کیا تھا، مرتب نے اس قلمی نسخہ کو چھاپ کر اسلامی علم ہیئت کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، رسالہ کی ابتدا مین ۳۴ صفحون کا ایک قیمتی مقدمہ اردو مین ہے، جسمین اسلامی علم ہیئت کی مختصر سرگذشت مسلمان علماے ہیئت کا سرسری تعارف اور اون کے علمی کارنامے اور پھر محقق طوسی کے مختصر حالات اور اون کے علم ہیئت کے خدمات کو جامعیت سے بیان کیا گیا ہے، رسالہ کے آخر مین کتاب المطالع کے عکس کا صاف فارسی خط مین عربی متن اور کتاب المطالع کا اردو ترجمہ بھی منسلک ہے، مرتب کے پاس محقق طوسی کے چند دیگر قلمی رسائل بھی محفوظ ہین، جنھین وہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہین،

السہم المصیب فی الرد علی الخطیب (عربی) تالیف سلطان ابوبکر بن ایوب ۱۳۶ صفحے ناشر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور،

خطیب بغدادی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ بغداد مین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات بھی لکھے ہین جسمین اونکی مدح اور جرح دونون کے حصے ہین، کچھ دن گذرے کہ کسی صاحب نے تاریخ بغداد کے حصہ جرح کو مع اردو ترجمہ کے شائع کیا تھا، ہمین جب وہ کتاب موصول ہوئی تھی، تو ہم نے اوسی وقت خدمت علم کے اس نازیبا طریقہ سے اختلاف کیا تھا،

اور اس خطرہ کو پیش کیا تھا کہ اس کے جواب مین عربی کی قدیم قلمی کتابون کے اور دوسرے اوراق بھی شائع ہو سکتے ہین عجب اتفاق کہ یہ شبہہ صحیح نکلا چنانچہ زیر تبصرہ رسالہ اوسی اردو ترجمہ کی اشاعت کے باعث شائع کیا گیا ہے، اس رسالہ کو سلطان ابوبکر بن ایوب نے اوسی حصۂ جرح کے جواب مین ۶۶ھ مین تالیف کیا تھا اس کا قلمی نسخہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ مین محفوظ تھا، جن لوگون نے خطیب بغدادی والے رسالہ کو دیکھا ہے، وہ اسکو بھی طلب کر کے پڑھ سکتے ہین طرز جواب اگرچہ الجھا ہوا ہے، تاہم مفید ہے،

تاریخ ادبیات ایران مترجمہ جناب سید سجاد حسین صاحب ایم اے، مددگار پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ، حجم ۵۶۴ صفحے چھپائی ٹائپ مین قیمت مجلد للعہ، غیر مجلد للعہ ریت ـ :- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

پروفیسر براؤن کی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" اردو دان طبقہ مین مدت سے روشناس ہے، اوس کے اردو ترجمہ کا بیڑا ایک زمانہ گذرا، انجمن ترقی اردو نے اوٹھایا تھا، مسرت ہے کہ کارکنان انجمن کا ارادہ عملی صورت مین اب تکمیل کو پہنچا، اور اوسکی پہلی جلد مطبع سے نکل آئی ہی، ابتدا مین پروفیسر براؤن کے وہ خطوط جو اس کے اردو ترجمہ سے متعلق ہین، منسلک ہین،

دین و دولت، از جناب مولوی سید محمود علی صاحب پروفیسر اندھیر کالج کپورتھلہ، ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور، ۲۷۷ صفحے، قیمت عہ

"دین و دولت" متکلمانہ رنگ کی ایک تالیف ہے، جسمین تاریخ کے واقعات و شواہد سے دکھایا گیا ہی، کہ مسلمانون کے عروج و زوال کے اسباب کیا رہے، اور کیا ہین اور اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے فلاح و سعادت کی کیسی راہین اون پر کھل چکی ہین، اور ایسے کون سے وسائل ہین جن سے مسلمان اب بھی فوز و فلاح پا سکتے ہین، کتاب غور و فکر سے لکھی گئی ہے لیکن یا تو دقت مباحث کے باعث اور یا اسلوب بیان مین مباحث و مقصود و مدعا کے بعیل جانے سے کتاب کو دقت نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہوگی،

معجزات اسلام: مصنفہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی، ۱۰۰ صفحے قیمت ۸ مصنف سے بتوسط

مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاہ حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"معجزات اسلام" مین اسلام اور پیغمبر اسلام (صلعم) کے متعلق ایسی پیشنگوئیان درج کی گئی ہین، جو مصنف کی تحقیق کے رو سے مختلف مذاہب یہودی، عیسائیت، بدھ مت، زرتشت اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابون مین پائی جاتی ہین اور نیز ان مذاہب کی ان کتابون پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے، کتاب محنت سے لکھی گئی ہے، اور مطالعہ کے قابل ہے، اگرچہ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ناقص ہے،

رسول کریم:- از مولوی محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، ناشر مجلس علمی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ۳۰۷ صفحے،

"رسول کریم" مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کے لئے عربی کی درسی کتابون دروس التاریخ، محی الدین خیاط، اور نور الیقین، خضری و بعض دیگر کتب سیرت سے مرتب ہوئی ہے کتاب کی ترتیب و تبویب اچھی طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا، اور زبان سادہ اور سلیس ہے اور مدرسون کے درجون مین پڑھائے جانے کے لائق ہے،

مومن و غالب:- از جناب حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز بہسوانی ناشر دائرہ ادبیہ فیض آباد حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحے لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۸ر

"مومن و غالب" مین اردو کے ان دونون شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کرکے غالب پر مومن کو ترجیح دی گئی ہے، اور ناقد نے بتایا ہے کہ مرزا غالب کا اصل سرمایۂ ناز اون کی فارسی شاعری ہے، اور اسی لحاظ سے وہ صاحب کمال سمجھے جاتے تھے ابتدا مین جناب شاکر حسین صاحب نکہت کا مختصر مقدمہ ہے جس مین مرزا غالب پر سخت لب ولہجہ مین تنقید ہے،

محنت:- از جناب محمد عبد الغفار صاحب مدہولی، ناشر مکتبۂ جامعہ ملیہ، دہلی، حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحے، قیمت ۴ر

یہ ایک سبق آموز ڈرامہ ہے، جو بچون کے لئے لکھا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ انسان محنت ہی سے روٹی کما سکتا ہے،

"م"

دارالمصنّفین کی فلسفیانہ کتابین

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، اردو مین فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے، قیمت:۔ عمر

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت عمر، حجم ۱۴۰ صفحے،

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۳۶ صفحے، قیمت:۔ عمر

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین ملسکتا، ضخامت ۴۶۹ صفحے، قیمت:۔ ہے

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، جس کو پڑھکر یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین، طبع دوم، قیمت:۔ عہ، ضخامت ۱۶۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤن کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین، ضخامت ۲۲۲ صفحے، قیمت عہ

طبقات الامم، اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی کتاب جسمین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اسکو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جابجا حاشیون مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت ۱۲

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰۷ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس ارائین دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

تصانیفِ شبلیؒ

الفاروق۔ یعنی حضرت فاروقِ اعظمؓ کی لائف اور طرزِ حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہلِ نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعیٔ بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے۔ قیمت للعہ

شعر العجم، فارسی شاعری کی تاریخ، جس میں حصۂ اوّل ۱، شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقیوں اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور اُن کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۸ صفحے، قیمت سے ۱ر

حصۂ دوم: شعرائے متوسطین کا تذکرہ خواجہ

فرید الدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) ...

کلام، مطبوعہ معارف ...

حصۂ سوم: ...

ابوطالب کلیم تک) مع ...

ضخامت ۲۲۰ صفحے ...

حصۂ چہارم: ...

کہ ایران کی آب و ہوا ...

پر کیا اثر کیا، کیا کیا ...

انواع و اقسام میں ...

پریس، ضخامت ...

حصۂ پنجم، اس ...

کی عشقیہ، صوفیانہ ...

مطبوعہ معارف ...

علم الکلام ...

کی ترقیاں، اور ...

چہارم مطبوعہ ...

الکلام۔ ...

عقلی دلائل ...

اور ملاحد ...

اور عقائد و اصول ...

مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ...

تصانیف مولانا حمید الدین صاحب فراہی،

عربی زبان مین مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے حسب ذیل نمبر چھپ کر تیار ہین، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتون کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے، جو تفسیر کی کسی کتاب مین آپ کو نہین مل سکتے، علماء کے خاص مطالعہ کے لائق ہے،

تفسیر سورۂ والذاریات، ضخامت ۴۷ صفحے قیمت ۶ر	تفسیر سورۂ اللہب ضخامت ۲۹ صفحے، قیمت ۴ر
تفسیر سورۂ والتین، " ۲۶ " " ۴ر	تفسیر سورۂ القیامہ، " ۲۱ " " ۴ر
تفسیر سورۂ والکوثر، " ۴۵ " " ۸ر	تفسیر سورۂ عبس، " ۲۵ " " ۴ر
تفسیر سورۂ والمرسلات " ۲۰ " " ۴ر	تفسیر سورۂ اخلاص " ۳۸ " " ۵ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح

عربی مین حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ جس مین توراۃ کے حوالون اور قطعی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح تھے، ضخامت ۶۸ صفحے، قیمت ۱۰ر

اسباق النحو حصہ اول و دوم،

اردو مین عربی صرف و نحو کو جدید اسلوب اور آسان طرز پر اس طرح لکھا گیا ہے کہ طالب العلم کم سے کم وقت مین عربی زبان سیکھ سکے،

قیمت حصہ اول ۵ر ضخامت ۴۸ صفحے، قیمت حصہ دوم ۷ر ضخامت ۵۲ صفحے،

تحفۃ الاعراب،

چھوٹے بچون کے لئے اردو نظم مین عربی کی نحو اس طرح لکھی گئی ہے کہ بچے اس کو زبانی یاد کرسکین قیمت ۲ر ضخامت ۱۲ صفحے،

امعان فی اقسام القرآن

اس عربی رسالہ مین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید مین خداوند تعالی نے جن چیزون کی قسمین کھائی ہین، اون سے ان چیزون کی شہادت مقصود ہے، قسم کا عرفی مفہوم مقصود نہین، ضخامت ۴۶ صفحے، مطبوعہ مصر، مؤلف کے سوانح و حالات اس پر مستزاد ہین، قیمت ۸ر

دیوان حمید

مولنا کے فارسی کلام کا مجموعہ جسمین غزلین، مراثی، اور مثنویان شامل ہین، ضخامت ۸۲ صفحات، قیمت ۸ر

خرد نامہ،

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کتاب "امثال" کا منظوم ترجمہ عبرانی زبان کے موافق خالص فارسی زبان مین کیا گیا ہے، یہ ایک اخلاقی نظم ہے، جس مین مختلف اخلاقی مسائل بیان کئے گئے ہین، ضخامت ۴۸ صفحے قیمت ۴ر

تصانیف پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال،

اس مین علم منطق کے اصول نہایت عمدگی وخوبی کیساتھ سلیس زبان مین سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہین، قیمت ۱۲ر ضخامت ۲۰۰ صفحے

الفہرست،

اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست اور اون کے مصنفین کے نام اور جن مطبعون مین وہ چھپی ہین اون کے نام قیمت ۸ر ضخامت ۱۶۰ صفحے،

الانسان،

اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی وجسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے، ضخامت ۲۱۳ صفحے، قیمت ۱۲ر

تسہیل البلاغت،

اردو زبان مین فن فصاحت وبلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل وآسان کتاب، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت ۱۲ر

حکمت عملی،

فن اخلاق پر جدید وقدیم معلومات کی جامع کتاب، قیمت ۱۲ر ضخامت ۲۲۴ صفحے،

"مینجر دار المصنفین اعظم گڈھ"

جلد ۳۱	ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۳ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

آج دنیا مین ہرطرف ترقی ترقی کی پکار ہے، مسلمان بھی ہر ملک مین اسی کی رٹ لگا رہے ہین، جہانتک نفظ کا تعلق ہو کسی کو اس سے اختلاف نہین، لیکن جب اس کے معنی کی توضیح چاہی جاتی ہو تو دفعۃً ہرطرف سے ذہنی لغاوتون کا مظاہرہ شروع ہو جاتا ہو، کوئی صاحب اس سے یورپین طرز تمدن وطرز معاشرت مراد لیتے ہین، کوئی فرقہ اس سے دولت وتمول کا مفہوم سمجھتا ہو، کوئی نئی تعلیم اور ڈگریون کی کثرت کو اسکا مرادف جانتا ہو، کوئی سیاسی سرگرمیون کو تنہا ترقی کہکر پکارتا ہے، کوئی اس سے صنعت وحرفت وتجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کوئی "پرانے خیال کا آدمی" اس سے قرونِ اولی جیسی اخلاقی وروحانی حالت و کیفیت کی تعبیر کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے نوجوانون کے نزدیک مستورات کی عریانی، اور ڈنر کے بعد محفلِ رقص وسرود کا نشاط اور یورپین تہذیب کے دیگر معائب کے مجموعہ کا نام ترقی ہے، غرض،

شد پریشان خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی صرف اُس روح کا نام ہے جو قومون کو زندہ کر کے اُن کے ہر رگ وریشہ مین جدوجہد اور سعی وعمل کی تڑپ پیدا کر دیتی ہے، وہ تمام قوم مین کسی متفقہ غرض کے حصول کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ومشقت کی برداشت کی قوت پیدا کرتی ہے، ترقی کسی خاص مادی مظہر کا نام نہین، بلکہ یہ وہ بجلی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد مین کوندجاتی ہے، تو ہرایک کے دست وبازو مین اپنے فرائض کے بجالانے کی استعداد پیدا کر دیتی ہے اور قوم کے تمام قوی کو اپنے نشو ونما اور تکمیل کے لیے بیدار بنا دیتی ہے، اور پوری قوم اپنے افراد کی مختلف استعدادون اور قوتون کی مجموعی کوششون سے زندگی اور عمل کے نئے قالب مین ڈھل جاتی ہے،



کسی کارخانہ مین ہم کوئی عظیم الشان انجن دیکھتے ہین، جسکا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ مختلف ضروری کام انجام دے رہا ہو، دفعۃً وہ انجن بگڑ جاتا ہو، اب اناڑیون کا ایک گروہ اسکی مرمت اور اصلاح کے درپے ہے، کسی نے ایک پرزہ کو کھینچا، کسی نے

دوسرے پرزہ کو صاف کیا، کوئی کمین کا تسمہ پکڑ کر کھینچتا ہے، کوئی کسی اور پرزہ کو بے قاعدہ حرکت دیدینا چاہتا ہے، اور ہر ایک اپنے کام کو اپنی اصطلاح مین اصلاح و درست کہتا ہے، مگر کیا یہ بگڑا ہوا انجن اپنی اصلی قوت اور طاقت کے خزانہ کے بغیر صرف ظاہری چمک دمک، اور کھینچ کھانچ سے چل سکتا ہے؟

ہماری قومی ترقی کا بھی یہی حال ہے، دنیا مین یہودیون نے، اور ہندوستان مین پارسیون نے یورپین تہذیب و تمدن کے ہر اچھے برے نمونہ کا چربہ اتارا، اور آج جو کچھ ہمارے نوجوان چاہتے ہین، وہ سب کچھ انکے مردون اور عورتون نے انجام دیا، مگر کیا "ترقی" کے بلند آشیانہ ہما کو وہ ان تدبیرون سے اپنے جال مین پھنسا سکے؟ وہ اب بھی وہی ہین جو پہلے تھے، دوستو! مظاہر کا نام ترقی نہین، ان مظاہر کے اصل روح و مصدر کا نام ترقی ہے، اب بتایئے کہ مسلمان قوم کی روح و مصدر کونسی قوت بن سکتی ہے؟ اسی کے جواب سے یہ لاینحل معما حل ہو سکتا ہے،

ہر قوم کی تخلیق خاص قسم کے "معنویات" سے ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے کہ مسلمان قوم کے معنویات کیا ہین، کیا بھارت ماتا کی محبت، کیا گائے کی تقدیس، کیا دولت کی چاہ، کیا جمشید و فریدون، اور رام و کرشن کی عقیدت، کیا گنگا اور جمنا اور نیل و فرات کی پرستش، نہین ان مین سے کوئی چیز نہین، بلکہ اُن سے مافوق ایک واحد اعلیٰ برتر مقدس قادر علی الاطلاق ہستی کی عقیدت اور ایک عالمگیر انسانی برادری کی مساوات، اور اس تعلیم کے تمام معلمین اور خصوصاً آخری معلم علیہم الصلوٰۃ کی محبت، اور انکی تعلیم پر عمل کا جذبہ اسلامی قوم کے معنویات ہین، اور انھین کا جوش و خروش ہمارے انجن کی اصلی طاقت اور قوت ہے، اب اگر ہم اسکو چھوڑ کر کسی اور طاقت سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ پہلے ان معنویات کو مٹا کر کوئی اور مقصد حیات اس کے سامنے رکھین، اور اس کو کسی اور قوم کے قالب مین بدل دین،

ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ مسلمان لڑکیون کے واحد کالج (علی گڈہ) مین "قاضی جونپور" کا ڈراما کھیلا گیا، شکایت اسکی نہین ہے کہ ڈراما کیون کھیلا گیا، یہ تو ایک جزئی بات ہے، اصل شکایت جسکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان لڑکیون کے سامنے کس زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتے ہین، اور کیا بننے کی ان کو ترغیب دے رہے ہین، اگر ہماری لڑکیان بہترین ایکٹرس، بہترین نے نواز اور بہترین موسیقی دان بنجائین تو آیا ہم نے تمدن کے محاسن کی نقالی کی، یا اس کے معائب کی، عیش و نشاط اور سرور و شادمانی

ترقی کی علامت نہین، انحطاط کی ہے، آیئے اسلامی ہی تاریخ کی مثال دین، ہندوستان کے اسلامی دور ترقی مین تغلق و خلجی اور بابر و ہمایون کے عہد مین یہ منظر آپ کو نظر آتا ہے، یا محمد شاہ رنگیلے، اور واجد علیشاہ جانعالم، اور عبداللہ تاناشاہ کے دربارون مین یہ تماشے دکھائی دیتے ہین، پھر آپ کیا بنانا چاہتے ہین، اور کیا بنانا چاہتے ہین، جو ہاتھ ابھی تیغ و تبر، اور تیر و تفنگ کے عادی نہین ہوئے انکو رباب و بربط، اور ستار اور پیانو کا عادی بنانا، قوم کو موت و ہلاکت کا زہر ہلاہل پلانا ہے، کسی دشوار گذار سفر کے طے کئے بغیر بستر راحت پر آرام کی کوشش کرنا "گناہ بے لذت" کا ارتکاب ہے،

آیندہ معارف مین ایک نہایت اہم، دلچسپ اور مفید مضمون استاذ العلما، شائع ہوگا، اور جو ملک کے نامور ادیب و مصنف و صاحب قلم نواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمن خان شروانی کے زور قلم کا نتیجہ ہے، کہنے کو تو یہ اس صدی کے ایک فاضل و نامور عالم (مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم) کے سوانح حیات ہین، جنکی زندگی سے نصف صدی تک ہندوستان مین علم و فن کی گرم بازاری رہی، لیکن درحقیقت یہ ہماری پچھلی علمی و تعلیمی زندگی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے، جسمین ہماری گذشتہ علمی تہذیب اور تعلیمی کیفیت کی ہر تصویر پوری صفائی کیساتھ نظر آئیگی، اور معلوم ہوگا کہ ہمارے عہد گذشتہ مین کیونکر ایک واحد شخصیت پوری یونیورسٹی کا کام دیتی تھی،

ہمارے صوبہ مین بلکہ پورے ہندوستان مین ریاست رامپور کا شاہی کتب خانہ اپنے نوادر کی کثرت، اور قلمی کتابون کی فراوانی کے لحاظ سے بہت بڑی تاریخی دولت ہے، پچھلے سال اسکے لائق و امین ناظم حافظ احمد علی خانصاحب شوق کے پنشن لے لینے سے باہر کے لوگون کو کتبخانہ کے لائق نگران کار کی علحدگی کا افسوس تھا، مگر اب یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ خود حضور نواب صاحب رامپور کو اپنے تاج ریاست کے اس قیمتی ہیرے کا بیحد خیال ہے، بعض لائق نگرانون کا انتخاب ہوا ہے، کتبخانہ کی جگہ تنگ تھی، اب سرکار عالی نے اس کے لئے ایک نہایت عالیشان محل عطا فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کتبخانہ کے شایان شان فرنیچر، الماریان اور سامان فراہم کیے جائین مولوی سید ابو محمد صاحب ریونیو منسٹر جو خود صاحب علم ہین، وہ کتبخانہ کے افسر اعلی منتخب ہوئے ہین، اور سنا ہے کہ موصوف کتبخانہ کی ترقی مین پوری دلچسپی لیتے ہین، چنانچہ کتبخانہ کی عربی کتابون کی ایک دستی فہرست (ہینڈ لسٹ) تیار کرنے کا حکم انھون نے دیا ہے، واقعی اس کتبخانہ کے لیے اب تک یہ بڑی کمی ہے کہ اس کا جدید طریق کا کیٹلاگ اب تک مرتب نہین کیا جاسکا ہے، امید ہے کہ ادھر بھی توجہ مبذول ہوگی،

مقالات

ترجمان القرآن

اور

"نجات و سعادت کی راہ"

از

سید ریاست علی ندوی،

آج سے ربع صدی پیشتر مولانا شبلی مرحوم نے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی، اور متکلمانہ مسائل کو جدید علوم اور ذہن انسانی کے نئے افکار سے مطابقت دیکر دو جلدوں میں پیش کیا، لیکن زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، مباحث کے محور بدلتے جاتے ہیں، اور اسی لحاظ سے مسلمانوں کے افکار و خیالات بھی نئے قالب اختیار کرتے جاتے ہیں،

جس زمانہ میں مولانا شبلی نے الکلام لکھی اوس عہد میں متکلمانہ مسائل پر جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے، وہ مسلمانوں کے حلقے کے بجائے غیر مسلموں کے دائرہ سے اوٹھتے تھے، مسلمانوں کے درمیان جو مسائل و مباحث دائر تھے، وہ فقہ کے مختلف مسائل رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، اور ما اہل لغیر اللہ بہ کی تفسیر و تحقیق تھے، اور اگر متکلمانہ مسائل تھے، تو وہ بھی اسلامی علم کلام ہی سے پیدا شدہ مسائل رویت باری تعالیٰ، امکان کذب باری تعالیٰ، اور علم غیب باری تعالیٰ وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ربع صدی میں جدید تعلیم اور روشنی سے ان مسائل کی جگہ دوسرے مسائل نے لے لی، مثلاً اب یہ مسائل پیدا ہو گئے ہیں کیا ایک فاسق و فاجر مسلم سے ایک نیکوکار غیر مسلم بہتر نہیں، کیا نجات کے لئے عمل شرط ہے، کیا نجات منحصر ہے صرف دین اسلام کے متبعین کے لئے، احادیث نبوی اوامر و منہیات شرعیہ کے ثبوت میں دخیل ہیں؟ قرآن میں نمازوں کا بیان کس طرح ہے؟ کیا روزوں کا مہینہ بھر رکھنا ضروری ہے، وغیرہ

موجودہ دور کے یہی مسائل ہین جنہین سے بعض افکار کی جھلک ایک مخلص سائل کو مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" مین بھی نظر آئی، اور اونھون نے مستفسرانہ حیثیت سے اپنے اعتراضات قلمبند کرکے ہمارے پاس بھیجے، جو جنوری ۱۹۳۳ء کے معارف مین پیش کئے جاچکے ہین، لیکن جیسا کہ اوسی مین اشارہ کردیا گیا تھا کہ سائل کے شکوک کسی قدر غلط فہمیون پر بھی مبنی ہین، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ترجمان القرآن مین بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ کہنا منظور تھا، اوسکو اجمال و تلمیحات کے پردہ مین اسقدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہوگئی، یا محض اسلوب بیان کے اجمال نے شکوک و شبہات کی گنجایش باقی رہ گئی، لیکن یہ مسائل ایسے نہین جو نظر انداز کردئے جائین، اسلئے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کرلیجائے، کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیر ترتیب ہے مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلدینے کا موقع ملجائے،

سائل نے اپنے مقالہ مین دو مشکلین پیش کی ہین،

۱۔ یہ کہ مصنف نے خدا کی ہستی کے اعتقاد کو فطرت انسانی کا ایک وجدانی احساس، اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تدریجی سلسلۂ ارتقار کی کڑیان بتایا ہے، کہ جیسے جیسے ذہن انسانی ترقی کرتا گیا، الوہیت کے تصور مین بھی بتدریج ترقی ہوتی گئی،

۲۔ دوسری یہ کہ مصنف کے نزدیک تمام مذاہب اپنے اپنے طریقے پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان ہوگئی ہین، وہ اس تعلیم کے منافی ہین، اسلام نام ہے محض اوس عقیدہ کو قبول کرلینے کا،

موخرالذکر مسئلہ سے دو مسئلے اور پیدا ہوئے جو نتیجۃً ایک ہی ہین،

الف۔ اوس "اسلام" پر ایمان لانا ضروری نہین، جسے عرف عام مین "دین محمدی" کہتے ہین، یعنی کہ "اصل دین" مین رسالت محمدی کا اقرار ضروری نہین،

ب۔ جو بھی "خدا پرست" اور "نیک عمل" ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالت محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے اور عام ازین کہ وہ اسلامی عبادات و مباحات و منہیات شرعیہ کا پابند ہو یا نہ ہو،

(ا)

ہمارے خیال مین ترجمان القرآن مین انبیار کی تعلیم مین جو تدریجی ترقی بتائی گئی ہے، وہ توحید ربانی کی تعلیم مین نہین بلکہ وحدتِ الٰہی کی تعلیم کے بعد صفاتِ الٰہی کی تعلیم مین ہے، سائل نے اس موقع پر جو تین آیتین لقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً الآیۃ، وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ، الآیۃ، اور انا اوحینا الیک کما اوحینا، الآیۃ اپنے شبہہ کی تائید مین پیش کی ہین، اون مین سے آخری آیت کا تعلق نہ توحید الٰہی سے ہے! اور نہ صفاتِ الٰہیہ سے، بلکہ اوس کا تعلق محض وحی و نبوت کے ثبوت سے ہے، اور باقی پہلی دونون مین توحیدِ الٰہی کی تعلیم ہے، اور یہی کہا گیا ہے کہ تمام رسولون اور نبیون اور آنحضرت صلعم کی طرف بھی یہی پیغام ربانی آیا کیا کہ پرستش کے قابل ایک ہی ذات واحد ہے، جس کا نام اللہ ہے،

لیکن توحیدِ الٰہی اور چیز ہے، اور اوس ذات واحد یعنی اللہ کا تصور دوسری چیز ہے، مسلمان اپنے متکلمانہ عقائد کے لحاظ سے بہ کثرت فرقون مین تقسیم ہین، ان تمام فرقون مین توحیدِ الٰہی سب کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر ذات باری کے تصور اور صفات الٰہیہ مین اون کے مختلف نظریے پیدا ہوئے، اس لئے اگر توحیدِ الٰہی کا ثبوت و عدم، صفاتِ الٰہیہ پر رکھا جائے تو اسلام کے مختلف فرقون نے صفاتِ الٰہیہ کی تعبیر مین جو مختلف راہین اختیار کی ہین، اونھین کیا کہا جائے گا "خدا پرستی" اور "توحید" لیکن ایک چیز نہین ہین، ہر "موحد" کا خدا پرست ہونا ضرور ہے لیکن ہر خدا پرست کا "موحد" ہونا لازم نہین،

اسی لئے فطرتِ انسانی مین ذاتِ خدا کے تصور کے وجدانی احساس کے باوجود مذہب کی ضرورت باقی رہجاتی ہے کہ انسانی فطرت ما فوق الفطرت ہستی کو از خود تسلیم کرتی آئی ہے لیکن مذہب کا کام یہ رہا ہے کہ اوس ما فوق الفطرت ہستی کو یگانہ بے ہمتا بتائے اور بہت سی ہستیون کا اعتقاد رکھنے کے بجائے صرف ایک ہی ہستی کی ضرورت جتلائے، ترجمان القرآن کی ذیل کی عبارتین وہ ہین، جن سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے، ص۱۱۳ مین ہے:-

"قرآن سے پہلے فکر انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہین ہوئی تھی، کہ توحید فی الصفات کی نزاکتون اور بلند شئون کی متحمل ہوسکتی اسلئے مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات ہی پر دیا، توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت مین چھوڑ دی"

اسی طرح ایک موقع پر ہے:-

پچھلے دوروں میں نوعِ انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شایستہ نہیں ہوئی تھی، کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی، لا محالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا، لیکن جب تعلیم اپنے درجۂ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی. ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہِ راست اپنا جلوہ دکھلا دے" (صـ١١٣)

(۴)

دوسرا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے، اور اسمیں ایک حد تک مصنف پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے مصنف نے "خدا پرستی" اور "نیک عملی" پر ایک طویل بحث کی ہے، اور بار بار یہی دکھایا ہے کہ اسلام نے تحزب و تشیع اور گروہ بندی سے روکا، انبیا و رسل میں بعض کو ماننے اور بعض کو انکار کرنے سے باز رکھا، اور بلا تفریق قوم و ملک سب کو ایک ہی عقیدہ کے قبول کرنے کی دعوت دی یہی وہ عقیدہ ہے جو ازل سے انسانوں کے سامنے پیش ہوتا رہا، اور اسی کی تعلیم تمام مذاہب میں دی گئی،

بلاشبہہ اسلام یعنی دین محمدیؐ کی اصل حقیقت اور نبوت محمدیؐ کی اصل دعوت، اس کے سوا کچھ نہیں، اور یہی اوسکا منشا رہا کہ خدا پرستی سارے عالم میں پھیل جائے اور ساری انسانی آبادی نیک عملیوں سے معمور ہو جائے اور دنیا کے تمام رسولوں اور پیغمبروں کو سچا اور راست باز تسلیم کیا جائے،

لیکن اسلام کی اس تعلیم کو بظاہر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیش کیا جا سکتا ہے،

اولاً یہ کہ اسلام یہود و نصاریٰ سے خطاب کرنے کے علاوہ کہ تحزب و تشیع سے کنارہ کش ہو کر دین فطرت یعنی دین حنیفیا ملت ابراہیم کے سامنے آکر جھک جاؤ، اپنے متبعین کو بھی یہ گوش گذار کر دیتا ہے کہ اس راہ میں نسل و قومیت اور فلاں ابن فلاں کی شنوائی نہیں، ایمان و عمل کا ذخیرہ ساتھ لاؤ، نجات و سعادت کے دروازے کھلے پاؤ گے،

دوسرا نقطۂ نظر اس روش سے جداگانہ ہے، اور وہ محض مذاہب کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپیگنڈے سے دامن بچانے کیلئے ہے یعنی کہ اسلام کو گروہ بندیوں سے کوئی علاقہ نہیں، وہ تمام مذاہب کی سچائیوں کا ماننے والا ہے. (اور ان سچائیوں سے اصل مقصود تو وہ ہوں جنھیں موجودہ مذاہب نے کھو دیا ہے، مگر اون کا اطلاق مذاہب کی موجودہ گمراہیوں پر بھی ہونے دیا جائے اور اس غلط اطلاق کی جانب سے چشم پوشی کر لیجائے،) اور ہر صحیح العقیدہ انسان پر فلاح و سعادت کا دروازہ کھولنے والا ہے، خواہ

انسان جس طریق اور جس مذہب کا پابند ہو، جس طور پر عبادت کرتا ہو، جن مباحات سے بے پروا اور جن منہیات سے ملوث ہو، یہ محض شکل و طریق کا اختلاف ہے، نجات کے لیے یہ محض بس ہے، کہ وہ خدائے واحد کا عقیدہ رکھتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ایک روادار اور اخلاقی محاسن سے ایک متصف انسان ہے،

یہ اتفاقی بات ہے کہ سائل کی ترجمان القرآن کے مطالعہ سے اسی دوسرے مفہوم کی طرف رہنمائی ہوئی لیکن ہم نے ترجمان القرآن دیکھی، ہمیں بہ ظاہر اس میں وہی پہلا نقطۂ نظر زیادہ نمایاں نظر آیا، تاہم ہم سائل کو بھی اس دوسرے مفہوم کے سمجھنے میں مورد الزام نہیں قرار دے سکتے کہ اوسکی کچھ نہ کچھ ذمہ داری مصنف کے طرز بیان پر بھی عاید ہوتی ہے، بہرحال پہلے ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں سے یہی دیکھنا ہے، کہ مصنف کا اصل مقصود بہ ظاہر کیا نظر آتا ہے،

اس سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جب مصنف نے نجات وسعادت کو خدا پرستی اور نیک عملی پر موقوف کیا ہے تو اس کے نزدیک نفس "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کیا ہے، چنانچہ ترجمان القرآن میں ایک موقع پر خدا پرستی اور نیک عملی کو قرآن مجید کی ذیل کی ایک آیت سے بایں طور سمجھایا گیا ہے، :-

"پھر اسی سورہ میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے، کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے، وہ کہتا ہے دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے، کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف، اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے، پھر تفصیل سے بتلایا ہے، کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں"

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق	اور دیکھو نیکی یہ نہیں کہ تم نے عبادت کے وقت اپنا
والمغرب . ولکن البر من آمن باللہ	منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا یا اسی طرح
والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتٰب	کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی،
والنبیٖن . واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ	نیکی کی راہ تو اسکی راہ ہے، جو اللہ پر آخرت کے دن پر

والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسآئلین وفی الرقاب. واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ. والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی الباساء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون (۲: ۱۷۷)

ملائکہ پر، اللہ کی تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہو، اپنا مال محبوب رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کی راہ میں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، قول و قرار کا پکا ہوتا ہے، تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صابر اور ثابت قدم رہتا ہے، (سو یاد رکھو) ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں،

"جس کتاب پر تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے، اگر دنیا اوس کی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی، تو پھر کونسی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے،، (ص ۱۳۵، ص ۱۳۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک دین کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی خدا پرستی و نیک عملی ہیں اللہ آخرت، ملائکہ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا اور دوسرے نیک کام کرنا ضروری ہیں اس لئے سائل کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مصنف ترجمان القرآن کے نزدیک نجات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ

"ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی انبیائے کرام اور آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے، جس شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے اور نبی اکرم نے کر کے دکھایا"

اس لئے ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں تحزب تشیع اور گروہ بندی کے خلاف اس لئے آواز اوٹھائی گئی ہے کہ اون لوگوں کو چونکایا جائے جو عمل کی پاداش سے بے خوف ہو کر محض گروہ بندی اور ایک مذہب میں محض داخل ہو جانے پر تکیہ کر کے نڈر ہو گئے ہیں، یہ حقیقت کتاب مذکور کی ذیل کی عبارت سے واضح ہوتی ہے:-

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی (جس کی تفصیل اوپر گذر چکی) وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا کوئی

انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے، اور اس کے لئے نجات ہے، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا، ...... جو اس میں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اسی کے لئے نجات ہے، جو اس سے باہر ہے، اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم ہے، باقی رہا عمل تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا ہے، ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر یہودیت کی نسلی گروہ بندی یا مسیحیت کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن ایک سخت سے سخت بد عمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہو گا ....." (ص ۱۴۱)

اور اسی طرح اس بحث کے خاتمہ میں ہے، :-

"اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دین الٰہی، عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جو اس کے عمل کی کمائی ہے، یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہو، یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے، نجات و سعادت کے لئے کچھ سود مند نہیں،

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت	یہ ایک امت تھی، جو گذر چکی اسکے لئے وہ تھا جو اس نے
ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا	اپنے عمل سے کمایا اور تمھارے لئے وہ ہے جو تم اپنے عمل سے
یعملون (۲ : ۱۲۸)	کماؤ، ان کے کاموں کے لئے تم سے باز پرس نہ ہو

(الدین الخالص ۱۴۳)

اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو مباحث پھیلے ہوئے ہیں، انھیں بنظر امعان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہئے، کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ نہیں، جسے عرف عام میں "دین محمدی" کہتے ہیں، کیونکہ ترجمان القرآن کی عبارتوں اور اس میں پیش کی ہوئی آیتوں سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے لیکن پھر اس کے باوجود اس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پڑ جاتی ہے، کہ باوجودیکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی لیکن ساری تفسیر میں کہیں پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوب بیان ہے وہ ایک آدھ

جگہ نظر زادا ہین جو عموم ہے اس سے اشتباہ ہوجاتا ہے، کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہون کہ ایک خدا ترس ویاکباز انسان کے لئے رسالت محمدی کا اقرار اور دین محمدی کا قبول کرنا کوئی امر ضروری نہین اسلئے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر ترجمان القرآن ہی کے بیانات کی روشنی مین نظر ڈالین،

ترجمان القرآن مین "تفریق بین الرسل" کو اکثر جگہ موجب کفر قرار دیا گیا ہے، اور ص ۱۵۰، ۱۵۱ وغیرہ مین متعدد ایسی آیتین پیش کی ہین جن مین تفریق بین الرسل سے روکا گیا ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب کرتا یا کرسکتا ہے، اس لئے موجودہ دور مین اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہوسکتے ہین، جو محمد صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہین چنانچہ ص ۱۵۲ مین ہے:-

"چنانچہ اوس نے جابجا تفریق بین الرسل کی راہ کو "انکار" کی راہ قرار دیا ہے، اور "ایمان" کی راہ یہ بتلائی ہے، کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے، وہ کہتا ہے، یہان راہین صرف دو ہی ہین تیسری نہین ہوسکتی "ایمان" کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو "انکار" کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو، یہان کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے،

انّ الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون	جو لوگ اللہ اور اوس کے پیغمبرون سے برگشتہ ہین، اور چاہتے ہین
ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون	اللہ اور اوس کے رسولون مین تفرقہ کرین (یعنی کسی کو خدا
نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون	کا رسول مانین کسی کو نہ مانین)، اور کہتے ہین ان مین سے بعض کو
ان یتخذوا بین ذالک سبیلا، اولئک	ہم مانتے ہین، اور بعض کا انکار کرتے ہین، اور پھر اس طرح چاہتے
ھم الکافرون حقًّا۔ واعتدنا	ہین، کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کرلین
للکفرین عذابًا مھینا والذین	تو یقین کرلو یہی لوگ ہین کہ اون کے کفر مین کوئی شک نہین
آمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا	اور جن لوگون کی راہ کفر کی راہ ہے تو اون کے لئے رسوا کن
بین احد منھم اولئک	عذاب تیار ہے، لیکن جو لوگ اللہ اور اوس کے تمام پیغمبرون

سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفوراً رحیما۔

پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا، (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلا شبہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائیگا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے"

کیا "الرسل" تمام پیغمبروں" میں محمد رسول اللہ (صلعم) داخل نہیں اور کیا ان کا انکار "تفریق بین الرسل" نہ ہوگا، اور معلوم ہو چکا کہ تفریق بین الرسل "انکار" یعنی "کفر" کی راہ ہے، جو ایمان کے مقابل و مخالف ہے، اس لئے ایسا شخص اس اقتباس کی رو سے بھی گمراہ و غیر مومن ہوگا، کہ "کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے"۔

اسمیں شبہ نہیں کہ قرآن بار بار اس حقیقت کو دہراتا ہے، کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں، یہ محض ملت ابراہیم کا احیا ہے اور ملت ابراہیمی کے بعد جسقدر فرقے اور مذاہب پیدا ہوگئے ہیں، اون کی ضرورت نہیں اب کوئی نہ یہودی رہا، نہ نصرانی، کوئی موسوی رہا نہ عیسائی، اسی طرح کسی کو "محمدی" ہو کر رہنے کا بھی حق نہیں، اسلام نام ہے ملت ابراہیم کا، محمد رسول اللہ صلعم جنکی بشارت اپنے اپنے زمانوں میں تمام انبیاء دیتے آئے اب مبعوث ہو چکے، وہ ملت ابراہیمی کا احیاء کرتے ہیں، اب یہی دین ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین تھا اور اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی، لیکن اس حقیقت کو اہل مذاہب فراموش کرتے رہے، اور اب قرآن کے ذریعہ وہی دائمی حقیقت پھر دنیا میں نازل کی گئی، اور حق اسی میں منحصر ہے، اسمیں بھی شبہ نہیں کہ مشترک سچائیاں تمام مذاہب یہود و نصاریٰ وغیرہ میں موجود تھیں، لیکن زمانہ کی امتداد سے وہ سچائیاں گم ہو چکی ہیں، اس لئے اب کوئی بھی دوسرا دین قائم نہیں جتنی سچائیاں تھیں وہ سمیٹ کر اسلام میں اکٹھی کر دی گئیں، اب اسی کی پیروی میں نجات اور سعادت کی راہ ہے، اسی مفہوم کو ترجمان القرآن میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے، تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو، کہ فی الحقیقت سچائی کہاں ہے؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے، سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے محض جہالت سے حقیقت ضائع کر دی۔۔" (ص ۳۴)

پھر دوسری جگہ اسی کو ان الفاظ مین واضح کیا ہے :-

یہ جو قرآن جابجا اس بات پر زور دیتا ہے، کہ وہ پچھلی آسمانی کتابون کی تصدیق کرنے والا ہے جھٹلانے والا
ن ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم (۲:۳۸) اوس کتاب
مان لاؤ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایان ہوئی ہے تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور
دینا ہے یعنی جب میری تعلیم تمھارے مقدس نوشتون کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہین کرتی، اور نہ اون سے
تمھین منحرف کرانا چاہتی ہے، بلکہ سرتاسر اونکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم مین اور مجھ مین نزاع کیون ہے کیون
تم میرے خلاف اعلان جنگ کر دو" (ص ۱۵۵)

اب چونکہ دوسرے مذاہب کی تمام گمشدہ سچائیان اسی قرآن مین مل سکتی ہین، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری
ورنہ گمشدہ سچائیان کہین ہاتھ نہ آئین گی، اور انسان اس کے بغیر گم گشتہ راہ رہیگا، چنانچہ مصنف نے "الاسلام" کی تفسیر کا
یت پر کیا ہے،

وان هٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و
لاتتبعوا السبل فتفرق بکم
عن سبیلہ ذٰلکم وصٰکم
بہ لعلکم تتقون -
(۶: ۱۵۵)

اور دیکھو یہ میری راہ ہے، بالکل سیدھی راہ، پس اسی
ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہون کے پیچھے نہ
پڑ جاؤ، وہ تمھین خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دین گی،
یہی بات ہے جس کا خدا تمھین حکم دیتا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے
بچو، (ص ۱۵۹)

یہین سے آشکارا ہو جاتا ہے، کہ دین محمدی ہی کا وہ راستہ ہے جس نے تمام راستون کو سمیٹ کر ایک شاہراہ عام تیار کر دی
تمام راستے (السبل) بند ہو چکے ہین، اب "حق پرست" کا فرض ہے کہ اسی شاہراہ عام پر گامزن ہو، (فاتبعوہ) اور تمام چھوٹے چھوٹے
مسدود ہو جائین، اور اون پر چلنا موقوف ہو جائے (ولا تتبعوا السبل) ورنہ الاسلام تک پہنچانے والا طریقہ تم سے چھوٹ جائیگا
خدا پرستی کا جذبہ تمھارے دلون مین پیدا نہ ہو سکیگا، کہ اس صراط محمدی (صراطی) کے بجز تمام راستے تمھین راہ خدا سے بھٹکا دین گے،

(فتفرق بکم عن سبیلہ)

چنانچہ پوری بحث کے خاتمہ پر اسی آیت کو پیش کرکے ذیل کی تفسیر لکھی گئی ہے :۔

"چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب "صراطِ مستقیم" کی اوس تفسیر پر نظر ڈالی جائے، جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے، بالکل سیدھا، اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لئے گئے ہیں، اور ان میں سے کوئی راستہ نہیں جسکی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو، پھر یہ آیت پڑھی، وان ھٰذا صراطی مستقیما (الی آخرہ)،

اس سے معلوم ہوا، تمام ادھر اودھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سبل متفرقہ" ہیں، جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں، اور درمیان کی ایک سیدھی راہ "صراط مستقیم" ہے، یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروانِ منزل کو ایک ہی شاہراہ عام پر جمع کر دیتی ہے،، ص۱۶۷

یہ سبل متفرقہ کیا ہیں، اوسی گمراہی کا نتیجہ ہیں، جسے قرآن نے "تشیع و تحزب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور تشریح ہو کی اوپر گذر چکی اور رسالت کے اقرار کو آغاز بحث میں ان کھلے الفاظ میں ظاہر کیا جا چکا، :۔

"پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے، سب کو معلوم ہے، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ .... اس اقرار میں جسطرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے ..... کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کر لے (ص۱۱۹)

ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک بھی پیغمبر اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ منجانب اللہ انسانوں کے لئے باقی رہ جاتا ہے جسے صراط محمدی (صرطی) کہتے ہیں، اسلئے اس کہنے کے معنی

کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہوجائے، یہی ہیں کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرلیا جائے کہ
بقول مصنف جتنے مذاہب تھے وہ سب اپنی سچائیوں کو عملاً گم کرچکے ہیں، اسلئے درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے
جو کچھ فرق ہے وہ نظری وعملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پہ کاربند ہوجائے لیکن
مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہوچکی ہیں کہ عملی طور پر کسی مذہب میں اوسکی تمام سچائیاں اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے، اسلئے اسی
خدا نے نزول قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیاں اسی میں نئے سرے سے جمع کردیں اور بتادیا کہ تمام راستوں کو ترک کرکے

صراط مستقیم کا اتباع کرلو،

اسی لئے قرآن مجید میں جابجا مختلف اہل مذاہب کو نام بنام مخاطب کرکے اون کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت
دی گئی ہے، سورہ آل عمران میں یہود ونصاری اور مشرکین عرب کو نبوت محمدی کے قبول کرنے کی ان الفاظ میں دعوت دی گئی:

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم	اور اے پیغمبر ان کو جن کو کتاب دیگئی، اور عرب کے جاہلوں
فان اسلموا فقد اھتدوا.	کو کہہ کیا وہ اسلام لائے اگر اسلام لائے تو اونھوں نے
(آل عمران،)	سیدھی راہ پائی،

سورہ بقرہ میں اس سے زیادہ تفصیل سے یوں ہے:-

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل	اے مسلمانو! کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اوترا اور جو ابراہیم
الی ابراھیم واسمعیل و	پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اون کی
واسحاق ویعقوب والاسباط	اولاد پر اوترا، اور جو موسی کو اور عیسی کو اور سب پیغمبروں
وما اوتی موسی وعیسی وما	کو اون کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان
اوتی النبیون من ربھم لا	لائے ہم اون میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم
نفرق بین احد منھم ونحن لہ	اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر وہ (اہل کتاب)
مسلمون فان امنوا بمثل ما امنتم	بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو

بہ فقد اھتدوا. وان تولوا	اونھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہے تو
فانما ھم فی شقاق.	وہ محض ضد مین ہین،

ان آیتون سے واضح ہوگیا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی ہدایت کا راستہ "اسلام" ہے کوئی اور نہین،

سورۂ نساء مین اونھین وعید کے ساتھ ایمان کی یون دعوت دی گئی،

یا ایہا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا	اے وہ لوگ جنھین کتاب دیگئی، ایمان لے آؤ، قرآن پر
لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا	جس کو ہم نے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے اوسکی جو
فنردھا علی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا	تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مٹا ڈالین مونہون
اصحاب السبت (نساء ۷)	کو پھر پھیر دین اون کو پیٹھ کی طرف، یا اون کو لعنت کرین

جیسے لعنت کی ہم نے سبت والون پر

اس کے بعد ذیل کی وہ آیت ہے جسمین لازمی طور پر تمام روئے زمین کے انسانون کو رسالت محمدی کا اقرار کرنے

اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی،:-

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا	کہدے اے پیغمبر کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف
الذی لہ ملک السموات والارض لا	اوس خدا کا رسول بنکر آیا ہون جس کی آسمانون اور
الہ الا ھو یحیی و یمیت فامنوا باللہ و	زمین کی شہنشاہی ہے اس کے سوا کوئی خدا نہین وہی
رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ	جلاتا اور وہی مارتا ہے سو اللہ اور اس کے اس ان پڑھ
وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون	پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی
(اعراف ۱۹)	باتون پر ایمان رکھتا ہے اور اس رسول کی پیروی

کرو تاکہ تم راہ پاؤ

لیکن اگر ایک شخص رسالت محمدی اور قرآن کے کتاب برحق ہونے کا بھی عقیدۃً قائل ہو مگر اس شرع و منہاج پر جسکو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جسکو محمد رسول اللہ صلعم کے انتساب سے شریعت محمدیؐ کہا جاتا ہے، عقیدۃً عمل پیرا ہونا ضروری نہین سمجھتا ہو، گویا سادہ الفاظ مین یون کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دین حق سمجھتا ہو اور اپنے صوبہ کسی دوسرے طریق پر ہو تو

کیا قرآن کی تعلیمات اوس سے اسکا مطالبہ نہیں کرتیں۔

یہی وہ سوال ہے جس کا سراغ ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں میں اشارۃً کنایۃً بھی نہیں ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے پوشیدہ رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ آنحضرت صلعم کی رسالت کے اقرار میں فرق کرتے ہیں، "وہ اپنے خدا پرست دنیا کو انسان کے لئے یہ تو ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کو بھی ایک دینِ حق تسلیم کرے، اور ان معنوں میں وہ رسالتِ محمدیؐ کا قائل ہو لیکن یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ رسالتِ محمدیؐ کا اقرار کرکے شریعتِ محمدیؐ کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اصل مسلک کے اظہار کے بجائے "عالمگیر اخوت" "عمومی رواداری"، اور "وسعتِ نظر" وغیرہ جیسے الفاظ اون کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں،

لیکن پھر "وسعتِ نظر" پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کیلئے قرآن مجید کی جن آیتوں سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ مصنف کے مقصد پر حاوی نہیں ہوتیں، اوس کی ایک واضح مثال ذیل کے اقتباس میں نظر آتی ہے، ہمیں دکھایا جارہا ہے کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے اس لئے شرعۃ و منہاج میں اختلاف ہونا ضروری ہے، فرماتے ہیں:-

"چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے تم جوشِ دعوت میں چاہتے ہو، تمام لوگوں کو راہِ حق دکھلا دو، لیکن تمھیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے، کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، تم بجبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اوتار دیسکتے،

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم	اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے بھی انسان
جمیعاً افانت تکرہ الناس حتیٰ	ہیں سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ
یکونوا مومنین	اوسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی
(۱۰: ۹۹)	سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ لوگوں
	کو مجبور کردو کہ مومن ہوجائیں،

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے وہ اپنی بات کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی، جسطرح تمھاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمھاری راہ ہے ٹھیک اسیطرح دوسروں کی

نظر میں سب سے بہتر راہ انکی ہی، پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون

(۶ : ۱۰۸)

اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں، تو تم اونھیں برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ لوگ بھی از راہ جہل و نادانی خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے، کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، اور وہیں ہر گروہ پر اوس کے اعمال کی حقیقت [illegible] (ترجمان ج ۲ ص ۱۲۸)

لیکن اب ان دونوں آیتوں کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیں سورۂ یونس کی پوری آیت یوں ہے:۔

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (یونس ۱۱)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ ایمان لے آویں، کسی نفس کے لئے نہیں کہ وہ ایمان لاوے، بغیر اللہ کے حکم کے، اور خدا ڈالتا ہے [illegible]

مصنف نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ کے اندر قوسین میں جو یہ عبارت بڑھائی ہے:۔

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے"

اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر انسان کو اپنی اپنی راہ اور اپنی اپنی سمجھ یعنی اپنی اپنی شرعۃ و منہاج کے رکھنے کا اختیار دیا جا رہا ہے، اور آنحضرت صلعم کو بتایا جا رہا ہے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، لیکن پوری

لے آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پوجتے ہیں، اون کو برا نہ کہو، امام طبری وغیرہ تمام اہل تفسیر نے متفقاً یہی کہا ہے، اور یہی اس آیت پاک کا واحد منشا ہے (سید ریاست علی)

آیت کے محض لفظی ترجمہ پر با معان نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ قوسین مین اس فقرہ کا اضافہ برمحل نہین ہے، بلکہ اوس کے برخلاف جیسا کہ مفسرین کا عام اتفاق ہے، آنحضرت صلعم کے ملول ہونے پر اونھین طمانیت وسکون رکھنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور آخر مین کہا جارہا ہے کہ ویجعل الرجس علے الذین لا یعقلون اگر اس آیت مین اپنی اپنی راہ رکھنے کی اجازت دیجاتی، یا اوس تک چشم پوشی کرنے کی ہدایت ہوتی، تو اس "رجس" کی لعنت اور "عذاب" کی وعید کیون نازل ہوتی، کہ اختلاف فکر وعمل تو طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، پھر اس "قدرتی خاصہ" کی پاداش مین عذاب کیون ہو،

اس سے زیادہ تعجب انگیز دوسری آیت سے استشہاد ہے، یہ آیت بھی اپنے سیاق وسباق کے ساتھ درج ذیل ہے،

وقد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر	تم کو پہنچ چکین سوجھ کی باتین تمھارے رب کی طرف سے
فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا	تو جس نے (اون کو) دیکھا سو اپنے واسطے، اور جو اندھا رہا
علیکم بحفیظ. وکذٰلک نصرف	تو (اوس کا وبال) اوسی کے اوپر ہے، اور (دیکھو) مین
الاٰیٰت ولیقولوا درست ولنبینہ	تمھارا کوئی نگہبان نہین، اور اسی طرح ہم آیتین پھیر پھیر کر
لقوم یعلمون، اتبع ما اوحی الیک	سمجھاتے ہین تاکہ وہ قائل ہون کہ تو نے اون کو (قرآن)
من ربک لا الٰہ الا ھو واعرض	پڑھایا اور ہم واضح کرتے ہین، اسکو سمجھ والون کے لئے
عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا	تو چل اوس پر جو وحی آئے تجھکو تیرے پروردگار کی طرف
وما جعلنٰک علیھم حفیظا وما	سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہین، اور مشرکون سے کنارہ کش
انت علیھم بوکیل. ولا تسبوا الذین	رہ اور اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور تجھکو ہم نے اونکا
یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ	نگہبان نہین بنایا اور نہ تو اون پر وکیل ہے، اور تم لوگ
عدوا بغیر علم کذٰلک زینا لکل	برا نہ کہو اون کو جنکو وہ پکارتے ہین، اللہ کے سوا کہ وہ
امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم	اللہ کو بے ادبی بے سمجھی سے برا کہہ بیٹھین، اسی طرح ہم نے
فینبئھم بما کانوا یعملون (انعام ع ۱۳)	ہر فرقہ کو اونکا کام بھلا دکھایا ہے، پھر اون کو اپنے رب کے

پاس پہنچنا ہے، تب وہ اون کو بتا دیگا کہ وہ کیا کرتے تھے

اس موقع پر یہود و نصاریٰ کا بھی ذکر نہین، بلکہ مشرکین عرب سے خطاب ہے اور صاف صاف کہا جا رہا ہے، کہ تمھارے پاس دین محمدی (بصائر) آچکا، جو اس کا اتباع کرے گا، وہ خود فلاح و سعادت پائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ روشنیون اور بصیرتون کے دیکھنے سے اندھا رہے گا، اس لئے اب آنحضرت صلعم کا کام یہ ہے کہ پیغام رسانی کے بعد اب وہ مشرکین سے کنارہ کش ہوجائین یہانتک کہ اون کے اینٹ پتھر اور مٹی کے بتون کو بھی برا بھلا نہ کہین، ورنہ وہ جاہل ہین ہی، خدا پر سب و شتم کرنے لگین گے، اس کے بعد فرمایا بہر حال وہ بصائر کے دیکھنے سے اندھے رہین، اور اعمال شر مین گرفتار رہین، تو رہنے دو، ہر گروہ اپنا اپنا کام کر رہا ہے، تم خدا پرستی کرو، انھین بت پرستی کرنے دو، انھین کبھی نہ کبھی تو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے آئین گے اور اپنی بداعمالیون کے نتائج دیکھ لین گے،

نہین معلوم جب اعرض عن المشرکین سے یعملون تک کا بیان بطور ذم اور فہمائش کے ہی، تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکالا جاسکتا ہے کہ

"پس اس کے سوا چارہ نہین کہ اس بارہ مین رواداری او وسعت نظر پیدا کرو،"

"رواداری" اور "وسعت نظر" کا تخیل اوس وقت زیب دیتا جب اونھین ان بداعمالیون کے نتائج بھگتنے کی فہمائش نہ کیجاتی پوری آیت کا سیاق بتا رہا ہے، کہ یہ اعراض اور "کنارہ کشی" رواداری اور وسعت نظر کے لئے نہین، بلکہ "لاتقاء شر" یعنی اون کے جہل جمود اور شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور اونکے ہدایت یاب ہونے سے مایوس ہوجانیکے باعث ہی اور اونکو راہ راست پر لانیکی کوشش کرنے کو روک کر اونکے شریعت محمدی کے اتباع کرلینے اور ہدایت یاب ہوجانیکی ذمہ داری خود انھی پر عائد کیجا رہی ہی کہ وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہون گے،

مصنف نے انھی دونون آیتون سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے، تعجب ہے، کہ ان حالات مین ان دونون آیتون پر موجودہ زمانہ مین شرعۃ و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین مین کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کرکے اتنی وسیع عمارت کیونکر قائم کیجا سکتی ہی،

حقیقت یہ ہی کہ قرآن نے شرعۃ و منہاج کو نظر انداز کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ سے اسوقت کہا جب اونھون نے شریعت محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ اوس نے عبادت کے طریقہ، قبلہ کی سمت اور اعمال شر کے انسداد کے وہ طریقے اختیار نہین کئے، جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا اون سے کہین کہین مختلف ہین، اسی موقع پر قرآن نے اونھین بتایا کہ تم ان فروع پر کیون جھگڑتے ہو، یہ تو

جزئیات ہین، اصل دین اللہ، ملائکہ، کتب الہی، رسل وانبیاء اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کو بجالانا ہے، اس لئے شرعۃ ومنہاج سے یہان مقصود جزئیات شریعت ہین نہ کہ کلیات دین، اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہین گردانتے، کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیون نہین کرتے ہین، اور اونٹ کا گوشت کیون نہین کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہین کہ وہ نبیون کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغامون کی تکذیب کیون کرتے ہین، اور نہ نصاریٰ پر اسکا الزام قائم کرتے ہین، کہ وہ کھانے کی احتیاط کیون نہین کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہین کہ ذات ایک کو تین کیون بناتے ہین، اور دنیا کے آخری رسول اور اوس کے سچے پیغام کو کیون نہین مانتے،

لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبر اسلام کو اور اوس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر "الاسلام" اور "الدین" ہے تو ظاہر ہے کہ جزئیات احکام مین بھی اوسی کی پیروی کریگا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنی نہین ہین جسمین ذاتی اہوا کو بھی دخل ہے،

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتین تھین وہ نزول قرآن کے وقت تک مسخ ہو چکی تھین اور جب کبھی کسی صاحب شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا تو اوسی وقت آیا جب پہلے صاحب شریعت کا صحیفۂ وحی انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفۂ ابراہیم کی گم شدگی کے بعد صحیفۂ موسیٰ نازل ہوا، اوس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور آیا، اور اوسکی تکمیل انجیل نے آکر کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کے لئے سب سے آخری صحیفۂ ربانی تھا، اس لئے ازل ہی سے اوس کی حفاظت کا اہتمام ہوا اور "انا لہ لحافظون" کہہ کر اوس کی دائمی حفاظت کی خوشخبری سنائی گئی،

اس لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کہ اسلام کی شریعۃ ومنہاج کے اتباع سے کوئی انسان بری الذمہ کیا جا سکتا ہے جبکہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام مین کعبہ کو قبلہ بنانے اور خانہ کعبہ کے حج کرنے کا حکم آیا، اور یہود نے اس پر اعتراض کیا، تو گو اون سے یہی کہا گیا کہ یہ شرعۃ ومنہاج ومنسک اصل نہین، فرع ہین، یہ مقصود نہین ذرائع ہین،

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات۔ (بقرہ ۱۸)

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر وہ رخ کرتا ہے سو تم نیکیون کی طرف سبقت کرو،

اور نیکیون کے متعلق بتایا،

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق — نیکی یہ نہین ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو،

والمغرب ولٰکن البر من اٰمن باللہ الایہ (بقرہ ۲۲) — بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اس لئے اون کا یہ سمجھنا کہ نیکی کا انحصار اسی مین ہے کہ بیت المقدس کیطرف رخ کیا جائے، صحیح نہین، اس لئے ان جزئیات کے باعث اسلام کی ممانعت کرنا مناسب نہین، ان جزئیات کے ادھیڑبن سے نکلو اور ان کی مخالفت کرنیکے بجائے اصل دین کو قبول کرلو، لیکن اس آخری پیغام کے قبول کرنے والون سے یہی کہا گیا، کہ

وحیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام — اور جہان بھی تو جائے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر

اسی طرح حج کے متعلق فرمایا، :-

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ — ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ

فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک — اوس قوم کے لوگ اسطرح بندگی ادا کرتے رہین، تو اس

انک لعلی ھدی مستقیم وان جادلوک — بات مین وہ تجھ سے جھگڑا نہ کرین، تو اپنے رب کی طرف

فقل اللہ اعلم بما تعملون. — بلائے جا، تو بیشک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہے اور

(حج ۹۶) — اگر وہ تجھ سے جھگڑتے ہی رہین تو کہدے کہ اللہ بہتر تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے

اس آیت مین اسلامی شریعت و منہاج و منسک کی تمام وکمال تائید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا ہے، یعنی جس طرح پچھلی تعلیمون مین پچھلی امتون کے لئے عبادت کا ایک طریقہ تھا، اسیطرح اس جدید تعلیم کے نزول کے بعد اس امت کے لئے بھی ایک عبادت کا ایک طریقہ ہے، پھر اہل کتاب کا ذکر کرکے کہا جاتا ہے کہ وہ اس امر مین تجھ سے جھگڑا نہ کرین (فلا ینازعنک فی الامر) تو اپنی اسی شرعۃ و منہاج و منسک کو تھام کر اونھین دعوت الی الخیر دیئے جا، تو راہ حق پر ہے، تیرے اصل دین کی حقیقت، تیرا منسک، اور تیری شریعت و منہاج "ہدی مستقیم" یعنی سیدھی اور سوجھ بوجھ کی راہ پر ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ محض تیرے منسک و منہاج و شرعۃ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانے

اور کعبہ کا حج کرنے وغیرہ کے باعث تجھ سے تنازع کرتے ہین، تو کہہ دے، اللہ بہتر جانتا ہے، اور جو تم ان فروع کو آڑ بنا کر اصل دعوت سے گریز کر رہے ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے،

اہل کتاب کا تو عہد نبوی مین یہ حال تھا، کہ ایک طرف وہ اسلام سے روگرانی کرکے شرائع و مناسک و قوانین مین قرآن کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف وہ جن کتابون پر اپنا ایمان لانا بتاتے تھے، خود اون کی مقرر کی ہوئی شریعتون اور قانونون کی خلاف ورزی کرتے تھے، چنانچہ اون سے بر سبیل تنزل یہانتک کہا گیا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان نہین لاتے تو کم از کم انجیل ہی کے بموجب اپنے معاملات مین فیصلے صادر کرین، ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ اور چاہیے کہ انجیل والے اوس کا حکم دین جو اللہ نے اوس مین اوتارا تھا، لیکن وہ اس پر بھی کب عمل پیرا ہونے کیلئے تیار تھے، اور وہ جو تحریفات انجیل مین کر چکے تھے، اور اپنے ہوا و ہوس سے اپنی شریعت و منہاج مین جو تبدیلیان کر چکے تھے، اور جو معنی پہنائے تھے، اونھین اوس اصل کے مطابق کب لانے والے تھے، جو صحیح طور پر اللہ نے پہلے اوسمین اوتارا تھا (بما انزل اللہ فیہ) اس لئے آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے مختتم طور پر یہ فیصلہ سنا دیا گیا:۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق:۔

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اوتاری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت کے ساتھ اوس پر شامل ہے، سو تو ان کا (یعنی اہل کتاب) کے درمیان اوس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اوتارا ہے (تجھ پر یعنی قرآن) اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اوس کو چھوڑ کر اون کی خواہشون کی پیروی نہ کر

قرآن مجید کی یہی وہ آیت ہے، جو اس باب مین قول مختتم ہے، اسمین صاف صاف کہدیا گیا کہ قرآن جس شریعت اور جس قانون کو نافذ کر رہا ہے، جو منسک اور جو منہاج بتا رہا ہے، آخری طور پر اسی کا نفاذ رہیگا کہ قرآن توراۃ و انجیل کا مصدق ہو اور نہ صرف ان کتب الٰہی کی تعلیمات مین سے اصل دین کا حامل ہے، بلکہ شریعۃ و منہاج و منسک کو بھی اون سے امانت کے ساتھ لے کر اپنے اندر شامل کر چکا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ شرائع و قوانین کا بھی نسخ ہو جائے، اس لئے اب یہی شریعت اور یہی

قانون نافذ العمل رہیگا، اون لوگون نے اپنی اپنی شریعتون اور اپنے بنائے قانونون مین اپنے ہوا و ہوس (اہوائہم) اور اپنی باطل آرزون (امانیہم) کی آمیزش کرلی ہے، اب اونکا اتباع نہ کر، اب قابل اتباع شریعت نہ صرف تیرے لئے بلکہ سب کیلئے (لکل جعلنا منکم) وہی ہے جو قرآن مین تیرے پاس سچائی کے ساتھ اوتاری جارہی ہے، فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللّٰہ۔

اس لئے مصنف کی وہ تفسیر جو آیت یاایہا الذین آمنوا کلوا من طیبٰت کے ضمن مین کیگئی ہے، محل نظر ہے، وہ فرماتے ہین:-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہین ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصل شئی دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔۔۔ پس جہانتک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی (ص ۲۲۹)

اسمین شبہ نہین جیسا کہ مصنف کا اسی ضمن مین بیان ہے، کہ

"نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی، کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض ظاہری شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انھی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے، لیکن قرآن کہتا ہے، کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہین کہ یہ مقصود حاصل ہو"

لیکن مصنف نے قرآن کے اوس بیان سے جو نتیجہ نکالا ہے اور جو تلقین کی ہے وہ صحیح نہین ہے کہ

"ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

کیونکہ جب دوسرے مذاہب کے پیرو قرآن کی اوس دعوت کو قبول کرلین، جو اوس نے دین کو سمجھاتے ہوئے دی ہے، تو اونھون نے اپنے اوس عقیدہ کو ترک کردیا، جو وہ اپنے مذہب کے رو سے دین کو سمجھتے تھے، اور پھر اونھون نے اسطرح قرآن کی حقانیت تسلیم کرلی، تو پھر یہ بھی تسلیم کرین گے، کہ اصل مقصود کے حصول کے لئے شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی جو اصلی مقاصد کے ذرائع ہین، ضروری ہین، کیونکہ کہا جاچکا ہے، کہ "شریعت کے یہ ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین کہ اصل مقصود حاصل ہوجائے" اس لئے جب طریق طلب یہی "وسائل" ہین تو طلب مقاصد کیلئے ان "وسائل" کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے

صرف اتنی بات صحیح ہے کہ وسائل کو مقاصد سمجھکر صرف وسائل کے کر لینے کو نجات وسعادت کیلئے کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان وسائل کے ذریعہ اصل مقاصد کو پانے کی کوشش کیجائے،

اس سلسلۂ بحث مین سورۂ اعراف کی حسب ذیل آیت کو دیکھنا چاہئے،:-

ورحمتی وسعت کل شئ فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوٰۃ و الذین ھم بآیتنا یومنون، الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض لا الہ الا ھو یحیی ویمیت فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (اعراف ۱۹)

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہی، پھر اس رحمت کو ان کے لئے لکھ دونگا، جو پرہیزگار ہین، اور زکوٰۃ دیتے ہین، اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہین، جسکو وہ اپنے ہان تورات و انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو اون کو نیکی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اون کیلئے حلال کرتا ہے، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے اور ان کے بندھن اور اون زنجیرون کو جو اون پر پڑی تھین اوتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر کو مانا، اور اوسکی تائید کی، اور اس کی مدد کی، اور اوس روشنی کے پیچھے چلے جو اوس کے ساتھ اوتری، وہی کامیاب ہین (کہدے اے پیغمبر) کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اس خدا کا رسول ہون، جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے اوسکے سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اوس کے اوس ان پڑھ پیغام رسان پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے اور اس رسول کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

ایمین روئے زمین کے تمام انسانون کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے ہین تم تمام انسانون کی طرف رسول بن کر آیا ہون یعنی وہی نبی امی جسکا تذکرہ تورات وانجیل مین آیا ہے جو اوامر و منہیات بتاتا ہے، جو کھانے پینے کی چیزون مین پاک چیزون کو حلال اور پلید چیزون کو حرام بتاتا ہے، اور پچھلی شریعتون مین حلال وحرام مین جو جو سختیان ہوگئی تھین، اون کی بندشین ڈھیلی کرتا ہے، پس اسی رسول کی پیروی کرو، اور انھی چیزون کو حلال سمجھو جنکو وہ حلال بتاتا ہے، اونھی چیزون کو حرام سمجھو جن کو وہ حرام کہتا ہے، مناسک و عبادات و اخلاق مین، اونھی چیزون کو کرو جن کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور (اعمال شر) مین اونھی چیزون سے بچو، جن سے وہ روکتا ہے، کیا منسک ومنہاج و شریعت کی حقیقت ان امور سے کچھ جداگانہ ہے، ؟

”الاسلام“ کے معنی سمجھنے مین ہم سے اصولی غلطی یہ ہوتی ہے. کہ ہم اسلام کے اس اصول پر کہ تمام ادیان و مذاہب سچے ہین، یہ سمجھ لیتے ہین کہ اسلام موجودہ یہودیت اور نصرانیت کی تصدیق کر رہا ہے، حالانکہ اسلام نے ”یہودیت“ اور ”نصرانیت“ کی تصدیق کے بجائے ”دین موسیٰ“ اور ”دین عیسیٰ“ کی تصدیق کی ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتا رہا، مصدقا لما بین یدیہ ورنہ اسلام نے موجودہ مذاہب کے تمام پیروون کو شدید گمراہیون مین مبتلا بتایا، اور انھین کھول کھول کر بیان کیا، یہودیون کو اوس نے کہا کہ وہ رسولون اور نبیون کی تکذیب کرتے آئے ہین، اونھین قتل کرتے رہے ہین، حسب ضرورت دین مین آسانیان پیدا کرتے رہے ہین، نصاری کو اوس نے کہا کہ خدا کی پرستش کے بجائے حضرت عیسیٰ، حضرت مریمؑ اور اپنے ولیون اور شہیدون اور اون کی یادگارون کی پرستش مین مبتلا ہوگئے، اس لئے ”الاسلام“ کا مصداق اور اسلام کا مصدق یہودیت ونصرانیت نہین جو اپنی گمراہیون اور ضلالتون مین لپٹی رہی اور ہے، بلکہ حضرت موسیٰ کا اصل دین اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم ہے، ورنہ یہودیت ونصرانیت تو بموجب اسلام، الدین اور الاسلام سے مراحل دور ہے، اب اگر رواداری برتنی اور وسعت نظر پیدا کرنی ہے، تو دین موسیٰ اور دین عیسیٰ اور اصل توراۃ اور اصل انجیل کی تعلیمات کو صحیح باور کرنے کے متعلق: نہ کہ نبیون کے قاتل اور رسولون کے مکذب یہود، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے پوجنے والے اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال کرنے والے نصاریٰ کے ساتھ،

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہی وسعت نظر اور مذہبی رواداری اسلام کی تعلیم ہوتی، تو قرآن پاک مین جا بجا اونکو

قبول اسلام، تصدیق قرآن اور ایمان رسول کی دعوت کیون دیجاتی، اور یہ کیون کہا جاتا، کہ

"اگر وہ ایمان لے آئے تو اونھون نے ہدایت تامہ (صراط مستقیم) حاصل کر لی" (فان اسلموا فقد

اهتدوا، آل عمران ۲۵) فان آمنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا (بقرہ ۱۶۵)

اور اسی کو سورۂ بقرہ مین یون فرمایا گیا ہے:-

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل
من قبلک وبالآخرۃ هم یوقنون اولئک علی
هدی من ربهم واولئک هم المفلحون (بقرہ ۱)

جو اوسکو جو تیری طرف (اے پیغمبر) اوترا اور تجھ سے پہلے
اوترا، دونون کو مانتے ہین، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے
ہین، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہین، اور وہی

اور اسی طرح سورۂ اعراف مین کہا گیا واتبعوہ لعلکم تهتدون "اور اوس رسول کی پیروی کرو، کہ سیدھی راہ پاؤ"

پھر ذیل کی دو آیتون مین بیان فرمایا:-

ان الدین عند الله الاسلام وما اختلف
الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءهم العلم
بغیا بینهم ومن یکفر بآیٰت الله فان
الله سریع الحساب فان حاجوک
فقل اسلمتُ وجهی لله ومن اتبعن
(آل عمران ۲)

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو
کتاب دیگئی، اونھون نے علم آنے کے بعد آپس کی
ضد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتون کا انکار کریگا
تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر
کج بحثی کرین، تو کہدے کہ مین نے اور میرے پیروون نے تو اپنے
کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا،

"الاسلام کے عقائد مین یہ دو چیزین داخل ہین، ۱ خدا کی توحید اور ۲ رسولون کی تصدیق، یہود دوسری دفعہ مین اور نصاریٰ پہلی اور دوسری دونون مین ناکام ہین، اس لئے ہدایت سے محروم اور نجات و سعادت کی راہ سے کوسون دور ہین، قرآن کہتا ہے

افغیر دین الله یبغون وله اسلم من
فی السمٰوٰت والارض طوعًا وکرهًا والیه یرجعون

کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہین، حالانکہ جو
بھی آسمانون مین اور زمین مین ہے، وہ خوشی سے یا مجبوراً

قل آمنّا وما انزل علینا. وما انزل علی	خدا کا مسلم یا فرمانبردار ہے، اے پیغمبر کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو
ابراهیم واسمٰعیل واسحٰق و	اوس نے ہم پر اوتارا اور جو ابراہیم پر اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور
یعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی	یعقوب اور اون کی اولاد پر اوترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ
وعیسیٰ والنبیون من ربهم لا	اور سب پیغمبرون کو اون کے رب کی طرف سے ملا ہم سب
نفرق بین احد منهم ونحن له	کی صداقت کو تسلیم کرتے ہین، اون مین سے کسی مین کوئی
مسلمون. ومن یبتغ غیر الاسلام	فرق نہین کرتے، اور ہم اوسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار
دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة	ہین، اور اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اوس سے
من الخاسرین.	قبول نہ ہو گا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین سے ہوگا

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ الاسلام کی حقیقت کیا ہے اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول کریگا، وہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین ہوگا، اور خاص اہل کتاب کو خطاب کر کے یہ بھی تصریح فرمائی

فآمنوا بالله ورسوله الامی.	تو اللہ اور اوس کے اس ان پڑھ پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ،
فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا.	اگر وہ ایمان لے آئے اوسی طرح جس طرح تم ایمان لائے تو تو اونھون نے ہدایت پائی

سورہ حدید ع ۴ مین رسولون کے مبعوث کرنیکے عمومی ذکر کے بعد حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ اور اونکے خاندانون کے انبیا کا تذکرہ کر کے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا ذکر آتا ہے اور پھر اون کے متبعین کی نیکیان اور گمراہیان بتا کر رسالت محمدیؐ اور اوسکے اتباع کا یون ذکر آیا ہے،

وقفینا بعیسیٰ ابن مریم وآتیناه الانجیل	اور ان کے پیچھے ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اوسکو انجیل
وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوه رافة و	دی، اور جو لوگ اوس کے پیرو ہوئے اونکے دلون مین نرمی اور
رحمة ورهبانیة ابتدعوها ما کتبنٰها	رحم ڈال دیا، اور ایک نیا چھوڑنا اونھون نے نیا نکالا، ہم نے نہین
علیهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها	لکھا تھا یہ اون پر مگر اللہ کی رضامندی چاہنے، پھر نہ نباہا اوسکو
حق رعایتها فآتینا الذین آمنوا منهم اجرهم	جیسا چاہئے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اون کو جو ان مین ایمان لائے تھے

وكثير منهم فاسقون. يا ايها الذين آمنوا
اتقوا الله وآمنوا برسوله يوتكم كفلين من رحمته
ويجعل لكم نورا تمشون به ويغفر لكم و
الله غفور رحيم لئلا يعلم اهل الكتاب الا
يقدرون على شيء من فضل الله وان الفضل بيد الله
يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

اونکا اجر، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ اے ایمان والو اللہ
سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اوس کے رسول پر کہ تم کو اپنی
رحمت سے دوگنا دے اور رکھ دے تم میں ایسی روشنی جس میں تم چلو
اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے تاکہ اہل
کتاب یہ نہ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل نہیں اور فضل تو اللہ کے ہاتھ
میں ہے دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاری اپنے ابتدائی عہد میں اعمال خیر انجام دیتے رہے، پھر بے راہروی اختیار کی اور اس دین کو قائم نہ رکھ سکے جسکی اونھیں تلقین کی گئی تھی، اور فسق وفجور میں مبتلا ہوگئے، اون کے اس فسق وفجور کی تشریح سورۂ مائدہ ع ۱۶ میں اس طرح تفصیل سے آئی ہے، واذ قال الله يعيسى ابن مريم ءانت قلت للناس اتخذوني وامي الٰهين من دون الله.... قال.... ما قلت لهم الا ما امرتني به ان اعبدوا الله ربي وربكم وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم الآية"

"اور پوچھے گا اللہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگون سے کہا تھا کہ مجھکو اور میری ماں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالو.... عیسیٰ کہیں گے .... میں نے اون سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جو تو نے مجھے حکم دیا کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، اور جبتک میں اون کے درمیان رہا، اوس وقت تک کا میں گواہ ہون، (کہ وہی کہتے رہے)"

ان نصاری کا یہی فسق وفجور ہے، جس کو حضرت عیسیٰ کے بعد اونھون نے اختیار کر لیا ہے، اسلئے آیت الذين هادوا والصابئون والنصارى سے دور حاضر کے نصاری کیونکر مراد ہوسکتے ہیں، کہ اونھیں سورۂ حدید کی ان آیات میں اپنے فسق وفجور کو ترک کرکے رسالت محمدی کے اقرار اور دین محمدی کے اتباع کی تلقین کیگئی، اور یہ بتایا گیا کہ نجات کا یہی ذریعہ ہے اور اسی لیے اس سلسلہ بیان کی آخری آیت میں اہل کتاب کے اس تخیل کا ابطال کیا گیا کہ لئلا يعلم اهل الكتاب الآية اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ دین محمدی کے متبعین پر اللہ کا فضل نہ ہوگا۔ بلکہ یہ فضل جو ذریعہ نجات وسعادت ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اسکے لئے چن لیتا ہے، اور وہ اسلام کے انہی متبعین کو اپنے فضل کے لئے منتخب فرماتا ہے جس سے وہ فائز المرام ہوں گے،

نجات و سعادت کی راہ کو عام کردینے میں سب سے زیادہ استشہاد سورۂ مائدہ کی اس آیت سے کیا گیا ہے،

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون والنصرٰی من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون.

البتہ جو مسلمان ہیں، اور جو یہود ہیں، اور صابئین اور نصارٰی جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے محض "ایمان باللہ" "ایمان بالآخرۃ" "اور عمل صالح" شرط ہے خواہ وہ مسلمان ہو کہ یہودی، صابی ہو کہ نصرانی،

لیکن اس آیت کی اس تفسیر میں اصولی غلطی یہ سرزد ہوتی ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے یہودیت نصرانیت اور صابیت کی تصویب اور تصدیق کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہودی مذہب پر ہو نصرانی مذہب پر ہو، یا صابئی مذہب پر ہو، اگر خدا پر ایمان آخرت پر ایمان اور ایمان اور عمل صالح ہو، تو نجات کے لئے کافی ہے، لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی زبان سے یہودیت یعنی رسولوں کے انکار اور حیلہ جوئی، اور ظاہری رسوم پرستی، اور نصرانیت یعنی تثلیث و صلیب پرستی اور صائبیت یعنی ستارہ پرستی کی سچائی کا اعتراف کرایا جارہا ہے اور اس کے علاوہ کیا تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ایمان باللہ کا اجتماع تضاد نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نام مذہب کی حیثیت سے نہیں، بلکہ قومیت کی حیثیت سے ہیں، یعنی خواہ یہودی قوم سے ہو یا نصرانی قوم سے ہو یا صابئی قوم سے ہو، جو بھی ہو اگر وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہے تو اس کے لئے نجات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جو لوگ اس آیت کے سیاق و سباق کو چھوڑ کر صرف اسی پر نظر ڈال لیتے ہیں، وہ حقیقت میں وانتم سکاری کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلاۃ کی تفسیر کرتے ہیں، اسلئے ضرور ہے کہ اس آیت کو سیاق و سباق کیساتھ دیکھا جائے

یہ پوری سورۂ مائدہ اہل کتاب کے ذکر میں ہے، اہل کتاب کا مسلسل تذکرہ ہونے کے بعد ان سے اولاً ایمان کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا جاتا ہے ولو انّ اھل الکتاب آمنوا۔ الآیۃ "اور اگر اہل کتاب (قرآن پر) ایمان لے آتے۔۔۔۔تو۔۔" اس کے بعد آنحضرت صلعم کو مخاطب فرماکر کہا جاتا ہے، یاایھا الرسول بلّغ ما اُنزل الیک من ربک الآیۃ "اے پیغمبر! ان (اہل کتاب) تک جو پیغام تیرے پاس تیرے رب کی جانب سے آیا ہے وہ پہنچا" اس کے بعد پھر اہل کتاب سے یوں خطاب ہے قل یا

الکتب لستم علی شیء حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم الایہ" اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہین ہو، جب تک کہ توراۃ وانجیل اور اوس چیز کو جو تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے بھیجی گئی ہے قائم نہ کرو،، اس موقع پر انزل الیکم من ربکم سے مراد توراۃ وانجیل سے اور پیغام الٰہی ہے اور یہی قرآن ہے جسکی تشریح ان الفاظ مین مسلسل بیان مین اسی کے ساتھ یون ہے، ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکفرین جو کچھ تجھ پر اوتارا گیا (یعنی قرآن) وہ بہتیرون کی سرکشی اور نافرمانی کے زیادہ ہونے کا ضرور باعث ہوگا ان نافرمان لوگون پر کچھ غم نہ کھا،، اس کے بعد وہی آیت مذکورہ بالا ہے، ان الذین آمنوا والذین ھادوا، الایہ دیکھو کہ اوپر کی آیت مین "تنزیل محمدی" کے نہ ماننے والون کو "کافرین" کی فہرست مین داخل کیا گیا ہے،

اب غور طلب ہے، کہ جب یہود و نصاری سے اس آیت سے پہلے کی آیت مین قرآن اور اوس کے رسول پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا تو اس مطالبۂ ایمان کے ساتھ اس آیت والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ کا اس تفسیر کے ساتھ کیا جوڑ ہو سکتا ہے، جو نجات و سعادت کی راہ مین عموم دکھانے کے لئے بیان کیجاتی ہے، اور مزید بران اس آیت کے بعد لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا "ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اون کے پاس رسول بھیجے" کہکر ارسال رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اوس کے بعد بنی اسرائیل کے عادات تکذیب وقتل انبیاء کا ذکر کرکے کہا گیا، وحسبوا الا تکون فتنۃ فعموا وصموا ثم تاب اللہ علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم واللہ بصیر بما یعملون، "اور وہ سمجھے کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر خدا نے اون کی توبہ قبول کر لی، پھر بہت سے اندھے اور بہرے ہوگئے اور یہ جو کچھ کر رہے ہین اللہ اوس کو دیکھ رہا ہے،، اسمین پہلی مرتبہ "فعموا وصموا" پس اندھے اور بہرے ہوگئے سے مراد اون کے دین نصرانیت سے انکار کرنے کے ہین، پھر ثم تاب اللہ علیھم پھر اللہ نے اون کی توبہ قبول کی" سے مراد رسالت محمدی کا اقرار کرکے ان کے گناہون کے دھونے کی خبر ہے، مگر پھر ثم عموا وصموا کثیر منھم کہکر بتا دیا گیا کہ ان مین سے اکثر نے رسالت محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نور کے دیکھنے اور حق کو سننے سے انکار کر دیا، اور پھر واللہ بصیر بما تعملون کہکر بتا دیا گیا کہ اون کے رسالت محمدی کو قبول نہ کرنے مین جو کرتوت ہو رہے ہین، اللہ انھین دیکھ

رہا ہے، اور ایک دن وہ آنے والا ہے، جب اوسکی پاداش اونھین ملے گی،

پھر یہود کے اس ذکر کے بعد اس کے آگے انفرادی طور پر نصاریٰ کا ذکر آتا ہے اور اون کے مشرکانہ عقائد لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم ... ان اللہ ثالث ثلثۃ "یقینی کفر کیا ان لوگون نے جنھون نے کہا اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے ..... اللہ انھی تین مین کا تیسرا ہے ..... " اور اس انفرادی ذکر کے بعد پھر یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک کا یکجا بیان ہے، اور اسکے بعد کہا گیا و لو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء الآیۃ" اگر وہ اللہ پر اور اوس نبی پر اور اوس چیز پر جو اوس پر اوتاری گئی، ایمان لاتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے ..... " اور اوسکے بعد اون اہل کتاب کا ذکر آیا جنھون نے رسالت محمدی قبول کرلی، واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون آمنا فاکتبنا مع الشاھدین وما لنا لا نومن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین" اور جب وہ اوس چیز کو سنتے ہین، جو اس رسول پر اوتاری گئی تو تو دیکھتا ہے کہ اون کی آنکھون سے آنسو جاری ہوجاتے ہین کیونکہ اونھون نے حق کو پہچان لیا ہے، اور کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے اور تصدیق کرنے والون مین ہم کو بھی لکھ لے، کیا ہو ہمارے لئے کہ ہم نہ ایمان لائین اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس حق کے ساتھ آئی، اور طمع نہ کرین کہ اے اللہ ہمکو داخل کرے پاکباز نیک گروہ مین (مائدہ ع ۲ ۹ تا ۱۱)

اسلئے نجات و سعادت کی راہ مین بظاہر عموم دکھانے والی آیت دراصل اون یہود کے جواب مین ہے، جو مسلمانون سے کہا کرتے تھے، کہ نجات صرف یہود کے لئے مخصوص ہوچکی ہے، اور اگر اون آیات کی مذکورۂ بالا تشریحات صحیح نہین تو پھر ان تمام مسلسل آیات مین ربط باہمی کیا ہو سکتا ہے، اور سلسلہ بیان کو "مطالبۂ ایمان" سے شروع کرکے "ایمان لے آنے" پر ختم کرنے کے کیا معنی ہوسکتے ہین؛

اس کے علاوہ قرآن مجید مین ایک سے زیادہ موقعون پر اسکی شہادت موجود ہے کہ "ایمان باللہ کی اصطلاح مین ایمان بالرسول بھی ضمناً داخل ہے

سورۂ تغابن مین فرمایا:-

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اوتارا ہے
واللہ بما تعملون خبیر یوم یجمعکم	اور اللہ کو تمھارے کام کی خبر ہے، جب تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونیکے
لیوم الجمع ذلک یوم التغابن ومن	دن، وہ دن ہے ہار جیت کا، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر نیک کام

يومن بالله ويعمل صالحًا يكفر عنه سيأته ويدخله جنت — کرے اوس سے اوسکی برائی دور کریگا اور اوسکو ایسے باغون مین

(تغابن ع ۱) تجری من تحتها الانهار خلدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم — داخل کریگا جن کے نیچے نہرین بہتی ہین اور اوسمین ہمیشہ رہین گے

یہان "ایمان بالله" "بالرسل" اور "بالنور" کی دعوت دیگئی "نور" سے مراد قرآن ہی، اور اس کے بعد یوم حشر کا ذکر کرکے صرف "ایمان بالله" اور حسن عمل کا ذکر ہے، تو اگر ایمان بالله کے اندر ایمان بالرسول کا تصور نہ ہو، تو اس آیت کے اول و آخر مین صریح تضاد ثابت ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بالله مین ایمان "بالرسل" اور "بالنور" بھی داخل ہے، اور یہی "فوز عظیم" ہے،

سورۂ حشر مین یہود کی جلاوطنی کے ذکر مین کہا گیا، :-

ذالك بانهم شاقوا الله ورسوله ومن — اور یہ اسلئے کہ اونھون نے الله اور اوسکے رسول کی مخالفت کی

يشاق الله فان الله شديد العقاب (حشر ع ۱) — اور جو کوئی الله کی مخالفت کرے تو الله سخت عذاب دیگا

اسمین "شاقوا الله ورسوله" الله اور اوس کے رسول کی مخالفت کی" کہکر بعد کو صرف "من يشاق الله" "اور جو الله کی مخالفت کرے" کہا جاتا ہی جس سے مراد الله اور رسول دونون کی مخالفت ہوتی ہی، اس سے معلوم ہوا کہ الله کی مخالفت مین رسول کی مخالفت بھی داخل ہے

اسی طرح سورۂ مجادلہ رکوع ۳ مین ہی :-

لا تجد قومًا يومنون بالله واليوم الآخر — تو نہ پائیگا کوئی ایسی قوم جو ایمان رکھتے ہون الله پر اور پچھلے دن

يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا — پر پھر دوستی کرین ایسون سے جو مخالف ہون الله کے اور اوسکے رسول کے

ابائهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم — گو وہ اون کے باپ ہون، ان کے بیٹے یا اونکے خاندان ہی کے کیون

اولئك كتب فى قلوبهم الايمان وايدهم — ہون یہی ہین جنکے دلون کے اندر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اونکی مدد

بروح منه ويدخلهم جنت تجرى من تحتها — کی ہی اپنے فیضان غیبی سے اور داخل کریگا اونکو باغون مین

الانهار خالدين فيها رضى الله عنهم ورضوا عنه — جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، وہ ہمیشہ اونھی مین رہین گے الله اون سے

اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون — راضی ہوا، اور وہ اوس سے راضی ہوے یہی ہین الله کی جماعت

یہ آیتین اس حقیقت کو واضح طور پر بتا رہی ہین کہ جو "ایمان بالله" اور "ایمان بالآخرۃ" رکھتا ہو، وہ وہی ہی جو اس رسالت

محمدی کو بھی تسلیم کرے کہ اس آیت میں "رسولہ" سے مراد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہی ہے، کہ جس سے مشرکین عرب عداوت رکھتے تھے، اور جب محمد رسول اللہ صلعم کے دشمنوں کے دوست و احباب تک "ایمان باللہ اور ایمان بالآخر" سے متصف نہیں ہو سکتے تو پھر یہود و نصاری جنکی دشمنیاں آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلم ہیں، وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے کیونکر موصوف کئے جا سکتے ہیں اس آیت میں پوری تصریح ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے ساتھ رسالت محمدی کا انکار جمع نہیں ہو سکتا، اسی لئے پھر آگے چلکر ایمان کو اونھی لوگوں کے دلوں میں مصور کر دیا گیا، جو دین محمدی کا اتباع کریں، جو حقیقت میں الاسلام اور الدین ہے، اور پھر اسی گروہ کو رضوان الہی کی بشارت ملی، اسکو حزب الہی سے موسوم کیا گیا، اور پھر اللہ کے اسی گروہ کو فلاح وسعادت اور نجات کی خوشخبری سنائی گئی، أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ،

ہمارے نزدیک ان تمام غلط فہمیوں کا منشا صرف تین باتین ہیں،

۱- اسلام (وہ دین جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا) اور الاسلام یقیناً دونوں ایک ہیں لیکن الاسلام کی حقیقت میں یہ داخل ہے کہ خدا کی توحید اور تمام رسولوں کی صداقت تسلیم کیجائیں جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی متشکک یا منکر ہے، وہ الاسلام سے دور ہے۔

۲- قرآن پاک دین موسی اور دین عیسی علیہما السلام اور اون کے اصل صحیفوں کو تسلیم کرتا ہے، یہودیت اور نصرانیت اور اون کی بنائی ہوئی کتابوں کو نہیں، دین موسی اور یہودیت اور دین عیسی اور نصرانیت یہ دونوں ایک نہیں دو چیزیں ہیں،

۳- قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو الاسلام کا مرادف ہے اور جسکو اسلام کہتے ہیں، ماننے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ کامل ہدایت پائیں، لیکن اگر وہ اوس کو نہ مانیں تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اوتر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کریں، کہ اوس سے بھی اسلام پورا نہیں تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا، لیکن قرآن کے اس کہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور اون کی تحریف شدہ کتابوں کی صداقت کو تمام تر تسلیم کر لیا ہے، پس نتیجہ بحث یہ ہے :-

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و	اور اے پیغمبر! ہم نے تمکو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانیوالا
نذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (السباع ۳)	اور ہشیار کرنیوالا بنا کر بھیجا لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔

حکیم سنائی کے سنینِ عمر

از

سید سلیمان ندوی،

شیخ ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی کے متعلق اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھون نے سلطان بہرامشاہ غزنوی (۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ[1]) اور سلطان سنجر سلجوقی (۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا ہے، لیکن انکی عمر کے سنین مین بیحد اختلافات ہین،

نظامی عروضی جس نے تقریبًا ۵۵۰ھ مین اپنی کتاب چہار مقالہ لکھی ہے، اُسنے سنائی کا نام غزنوی سلاطین (آل ناصر) کے شعراء مین سب سے آخر مین لیا ہے، (ص۲۸ گب) عوفی نے لباب الالباب (۶۱۸ھ) مین حسب دستور کوئی تاریخ و سنہ درج نہین کیا ہے، حمد اللہ قزوینی نے گزیدہ مین جو ۷۳۰ھ مین لکھی گئی ہے، دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے، ایک مشائخ کے سلسلہ مین اور دوسرے شعراء کے ضمن مین، پہلے موقع پر لکھا ہے:-

"معاصر شیخ ابوسعید ابوالخیر بود" (ص۷۸۴، گب)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات ۴۴۰ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر سنائی کی تاریخ زندگی بھی اسی کے پس و پیش ہونی چاہئے، لیکن دوسری جگہ اس مین لکھا ہے:-

"تا زمان سلطان بہرامشاہ (غزنوی) در حیات بود" (ص۸۲۱ گب)

بہرامشاہ غزنوی کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات اسی عہد

---

[1] بہرامشاہ کی وفات کا سال گزیدہ مین ۵۴۴ھ ہے، طبقات ناصری مین ۵۵۲ھ ہے، بدایونی مین ۵۴۷ھ ہے، برٹش میوزیم لائبریری کی فہرست مخطوطات (ص۵۴۹ ج ۲) مین ۵۴۸ھ ہے، مگر زیادہ تر مورخین ۵۴۷ھ ہی لکھتے ہین،

کے درمیان ہونی چاہئے،

مولنا جامی نے نفحات مین نقل کیا ہے کہ "سنائی نے سلطان محمود کی مدح مین قصیدہ لکھا تھا" سلطان محمود نے ۴۲۱ھ مین وفات پائی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنائی کی ولادت چوتھی صدی کے اواخر مین ہوئی ہوگی اور پانچوین صدی کے شروع مین اس قابل ہونگے کہ سلاطین کے لیے مدحیہ قصیدے کہہ سکین، مگر خود اسی نفحات مین مولنا نے ان کا ایک ہی سال وفات (گو بقول بعض، لکھ کر نقل کیا ہے) اور وہ ۵۲۵ھ ہے، اور یہ دونون باتین صحیح نہین ہوسکتین، ورنہ ان کی عمر شاید سوا سو برس سے زیادہ کی ماننی پڑیگی،

حکیم موصوف کے سال وفات مین بھی اختلافات ہین، جنکی تفصیل آگے آئیگی، ان مشکلات کے حل کی صورت یہ ہے کہ پہلے سنائی کی مشہور مثنوی حدیقہ کی تصنیف کی تاریخ متعین کیجائے،

حدیقہ کا سالِ تصنیف

حکیم سنائی نے اپنی مثنوی حدیقہ کے آخر مین اپنی اس کتاب کی تصنیف کا سال لکھا ہے، مگر عجیب تر یہ ہے کہ اس کے قلمی اور مطبوعہ دونون قسم کے نسخون مین یہ تاریخی شعر کئی طرح پر ہے، اکثر نسخون مین تو یہ ہے:-

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام　　　پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

اس سے تصنیف کی تاریخ ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ تک معلوم ہوتی ہے لیکن یہی شعر لکھنو کے شاہی کتبخانہ کے ایک نسخہ مین (دیکھو اسپرنگر کی فہرست) اور نیز شرح حدیقہ کے قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری) مین اور بعض دوسرے قلمی نسخون مین اس طرح ہے:

پانصد و سی و چار رفتہ ز عام　　　پانصد و سی و پنج گشت تمام

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵۳۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی،

لیکن نولکشور لکھنو کے مطبوعہ نسخہ مین اور ایک دو قلمی نسخون مین (دیکھو فہرست میونک یونیورسٹی لائبریری) یون ہے:

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام　　　پانصد و سی و پنج گشت تمام

یہ شعر بتاتا ہے کہ حدیقہ ۵۲۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی یعنی دس برس مین،

میونک یونیورسٹی کے ایک نسخہ مین اس آخری قرأت کی ایک اور تصحیف ہے،

ماہ بست و چہار رفتہ ز عام   پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

بوڈلین کے ایک نسخہ مین حسب معمول "پانصد و بست و چار اور پانصد و بست و پنج" ہے، لیکن دوسرے مین (نمبر ۵۳۳) ایک اور تغییر ہے

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام   پانصد سی و چار گشتہ تمام

اس مین ۵۲۴ھ مین آغاز اور ۵۳۴ھ مین انجام بیان ہوا ہے،

بہر حال ان مین سے کوئی سا نسخہ بھی اختیار کیا جاے، اتنا تو بے شبہہ ثابت ہے کہ حکیم موصوف کا زمانہ پانچوین صدی کے اواخر سے لیکر چھٹی صدی کے اواسط تک ہے، اور اسکے خلاف کی سب روایتین قطعًا غلط ہین،

اب یہ سوال ہے کہ ان مختلف نسخون مین سے کون صحیح ہے، تو اس کے جواب مین حسب ذیل امور طے کرنے ہین،

۱- اکثر نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ ہے،

۲- متعدد نسخون مین ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۳- ایک دو نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۴- ایک مین ۵۲۴ھ - ۵۳۴ھ ہے،

پہلے اور دوسرے نسخون کی بنا پر تصنیف کی مدت ایک سال ہوتی ہے، اور تیسرے چوتھے کی بنا پر دس سال، یہ دس سال کی مدت تصنیف حسب ذیل وجوہ سے ناقابل قبول ہے،

۱- یہ اکثر معتبر و مستند نسخون کے خلاف ہے،

۲- سنائی نے ۵۲۸ھ مین اپنی مثنوی طریق التحقیق لکھی ہے، جیسا کہ اس مثنوی کے آخر مین ہے، (فہرست انڈیا آفس لائبریری)

پانصد و بست و ہشت ز آخر سال   بود کین نظم نغز یافت کمال

ظاہر ہے کہ پہلی مثنوی کے تمام ہونے کے بعد ہی سنائی نے یہ دوسری مثنوی شروع کی ہوگی، تصانیف اور خصوصًا نظمیہ اور وہ بھی ہم مضمون نظمیات کے ظاہر حال کے یہ خلاف ہے کہ ایک کو ناتمام چھوڑ کر دوسری کو

شروع کر دیا جائے، کہ ایک ہی قسم کے ذوقیات اور ایک ہی قسم کے وزن میں تغیر اور تبدل کی ضرورت قرائن کے خلاف ہے؛

۳ - اس شعر کے اوپر ایک اور شعر سب نسخون مین ہے جسمین مہینون کا ذکر ہے، ان دونون شعرون کو ملاکر پڑھنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تصنیف مین ایک سال صرف ہوا ہے، وہ شعر یہ ہین،

شد تمام این کتاب در مہ دئی کہ در آذر فگندم این را پی

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام پانصد و بست و پنج گشتہ تمام
(سی) (سی)

آغاز و انجام کے مہینون کا یہ حساب اسی وقت پیش کیا جاتا ہے، جب حساب سال کے اندر یا سال کے قریب ہو، اس قرینہ سے اُس قرات کی تصدیق ہوتی ہے جس سے تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہوتی ہے، ایک سال کے آذر سے لیکر دوسرے سال کے دئی تک ٹھیک ایک سال ہوتا ہے، اس سے اکثر نسخون کے مطابق یہ تصریح نکلتی ہے کہ ماہ آذر ۵۲۴ھ سے شروع ہوکر ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام ہوئی، اور یا بعض نسخون کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ آذر ۵۳۴ھ سے تصنیف کا آغاز اور ماہ دی ۵۳۵ھ مین اسکا انجام ہوا،

اگر مدت دس گیارہ برس ہوتی (۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ یا ۵۳۴ھ تک) تو آغاز و انجام کے مہینون کا پیش کرنا بیسود ہوا جاتا ہے،

۴ - شعرا اس قسم کی تاریخ کا اظہار فخریہ کرتے ہین، ایک سال مین (یعنی ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ یا ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ) اس کتاب کا تصنیف پانا تو وجہ افتخار بن سکتا ہے، مگر دس گیارہ برس کی محنت شاقہ مین اس کا تصنیف پانا سنائی کیا کسی معمولی شاعر کے لیے بھی افتخار کی وجہ نہین ہوسکتی،

ان قرائن کی بنا پر ۵۲۴ھ - ۵۳۵ھ کا نسخہ ناقابل اعتبار ہوجاتا ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح وہی نسخہ ہے، جس سے اسکی تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہو[1]، اب اگر ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ کا نسخہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ حدیقہ پہلے اور طریق التحقیق ۵۲۸ھ مین بعد کو لکھی گئی، اور اگر دوسرا نسخہ ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ صحیح ہو تو معلوم ہوگا کہ طریق التحقیق ۵۲۸ھ

---

[1] وسیع النظر پروفیسر شیرانی کا تنقید شعر العجم ذکر سنائی مین "بست و چار و سی و پنج" کے نسخہ کو بلا دلیل تسلیم کرکے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنائی حدیقہ کی تصنیف مین دس برس مصروف رہے، (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۳۴ھ تک یا ۵۳۵ھ تک) درست نہین معلوم ہوتا، شاید ان کے پیش نظر صرف نول کشوری نسخہ رہا، "س"

مین پہلے اور حدیقہ ۵۲۴ھ یا ۵۲۵ھ مین بعد کو نظم ہوئی،

اب ان دو نسخون مین سے جن مین سے ایک مین "بست و چار و بست و پنج" اور دوسرے مین "سی و چار و سی و پنج" ہے پہلا نسخہ میرے خیال مین صحیح تر ہے، کیونکہ حدیقہ کے اکثر و بیشتر نسخون مین بست و چار و بست و پنج ہی مذکور ہے،

چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے جن کتبخانون کے نسخون کا حال معلوم ہو سکا ہے، ان مین علی العموم یہی تاریخ ہے، بمبئی کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء مین جو ایرانیون نے چھاپا ہے یہی ہے، حاجی خلیفہ چلپی کے سامنے جو نسخہ تھا اس مین بھی یہی تھا کشف الظنون مین ہے :-

"فرغ من نظمه سنة اربع وعشرين وخمسمائة"

مولنا جامی کے پیش نظر نسخہ مین بھی یہی تھا، نفحات مین ہے :-

"تاریخ تمامی حدیقہ چنانچہ خود بنظم آوردہ سنۂ خمس وعشرین وخمسمائہ بودہ است"

اس بنا پر اسی نسخہ "بست و چار و بست و پنج" کو صحیح تر ماننا چاہئے، اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ سنائی نے حدیقہ ماہ آذر ۵۲۴ھ مین شروع کی اور ایک سال مین ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام کی،

تاریخ ولادت | حکیم سنائی کی تاریخ ولادت عموماً اگلے تذکرون مین مذکور نہین، مگر بعض متاخرین نے ۴۳۷ھ ان کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ ریو نے تذکرۃ الافکار کے حوالہ سے یہی تاریخ نقل کی ہے (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۴۹) شیر خان لودی نے صاحب مجمل فصیحی کی روایت سے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال (ص ۴۹ طبع کلکتہ) مین اور آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حدیقہ اکثر و بیشتر نسخون کے مطابق ۵۲۴ھ یا ۵۲۵ھ مین لکھی گئی ہے، اور بعض دوسرے نسخون کا اعتبار کیا جائے تو ۵۳۴ھ یا ۵۳۵ھ مین تالیف ہوئی، حدیقہ کے تقریباً وسط مین ہے،

پای بر پای می آمد از غم شصت | لاجرم دست می زنم بر دست
عمر دادم بجملگی برباد | بر من آمد ز شصت صد بیداد

(باب الضعف والشیب)
(فی تبدیل الحال)

ان دونون شعرون سے ثابت ہے کہ حدیقہ کی تصنیف کے وقت سنائی کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اب اگر ۵۲۴ھ کو وقت تصنیف مانا جائے تو ولادت کا سال ۴۶۴ھ نکلے گا، اور اگر ۵۳۴ھ مانا جائے تو ۴۷۴ھ ہوگا،

تاریخ وفات سنائی کے سال وفات کے متعلق چار روایتین ہین،

۱- شیر خان لودی نے مجمل فصیحی کی روایت سے لکھا ہے کہ سنائی ۴۳۷ھ مین پیدا ہوئے اور باسٹھ برس کی عمر پائی، اس حساب (۴۳۷+۶۲=۴۹۹) سے ۴۹۹ھ مین وفات واقع ہوئی ہے جو سراپا غلط ہے کہ یہ حدیقہ و طریق التحقیق کی تصنیف سے اور بہرامشاہ و سنجر کی تخت نشینی سے پہلے کا واقعہ ہوگا، جو ہر طرح شایبۂ صحت سے خالی ہے،

۲- مولانا جامی نے نفحات الانس مین بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین جس سال حدیقہ کی تصنیف ختم ہوئی، مصنف کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا،

بعد کے اکثر لوگون نے اس بعض کے قول کی بے تحقیق تقلید کی ہے،

۳- تقی الدین کاشانی نے اپنے تذکرہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار مین جو ۹۷۹ھ-۹۹۳ھ کی تالیف ہے اور جس کے ابواب کا خلاصہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ مین دیدیا ہے، سنائی کی وفات کا سال ۵۲۵ھ نقل کیا ہے (فہرست مذکورہ ص۵۵)

۴- دولت شاہ سمرقندی نے تذکرہ مین اپنی مشہور بے احتیاطی کیساتھ سنائی کی وفات کا سال ۵۷۶ھ لکھا ہے،

اگرچہ ان مین سے کوئی بھی قدیم ترین اور قریب ترین شہادت نہین ہے، تاہم محققین حال نے متعدد وجوہ کی بنا پر تقی کاشانی کی روایت یعنی ۵۴۵ھ کے سال وفات کو معتبر قرار دیا ہے،

میرے نزدیک تو دولت شاہ کی ۵۷۶ھ والی روایت اس لیے قبول کے قابل نہین کہ جب ۴۶۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی اور ۵۲۵ھ مین حدیقہ کی تصنیف کے وقت وہ ساٹھ سال کے تھے تو ۵۷۶ھ مین انکی عمر ایکسو گیارہ برس کی قرار پاتی ہے، اور یہ طول عمر ثبوت کا محتاج ہے، اور اسلئے بھی اس قدر متاخر تاریخ نہین مانی جاسکتی کہ سنائی کی تصنیفات مین صرف بہرامشاہ اور سنجر دو بادشاہون کے نام آتے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہرامشاہ غزنوی نے ۵۴۷ھ مین

اور سنجر سلجوقی نے ۵۵۲ھ مین وفات پائی ہے، اور ان کے بعد دوسرے سلاطین، دونون خانوادون مین تخت نشین ہوئے ہین، اگر وہ دوسرون کا زمانہ بھی پاتے تو ان کے نام کے قصائد بھی سنائی کے کلام مین مل سکتے،

حکیم کے کلیات مین غزنویہ اور سلجوقیہ کے صرف ایک ایک بادشاہ کے نام کے قصیدے ہین، غزنویہ مین سلطان بہرامشاہ کے نام کے اور سلجوقیہ مین سنجر کے،

سلطان ہمہ مشرق بہرام شہ آنکو — بہرام سپہرش نسزد بندۂ دربر

خسرو خسرونشان بہرام شہ سلطان حق — آنکہ بہرام فلک در سطوتش حیران بماند

آفتاب دادودین سنجر کہ او را ہر زمان — اوّل القاب نوشروان ثانی آمدہ است

ان دونون بادشاہون کے زمانے بہت لمبے ہوئے ہین، بہرامشاہ کا عہد ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک اور سنجر کا ۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ تک، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے اول تو درباروں تک دیر مین رسائی پائی ہے اور پھر ایک ایک بادشاہ سے زیادہ اپنا مربی نہین پایا،

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ سنائی نے ۵۲۶ھ کی وفات کی صورت مین اپنے مربی و محسن بہرامشاہ کو ۵۴۷ھ مین اور سنجر کو ۵۵۲ھ مین مرتے ہوئے سنا لیکن ان کے اس سانحہ پر غم و حسرت کے دو قطرے بھی نہ بہائے، یہ تعجب خیز ہے درآنحالیکہ معمولی شاعر کے سنجر کے ہاتھ سے اتفاقیہ مارے جانے پر وہ آنسو کے چند قطرے گراتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان بادشاہون کی وفات کے وقت شاعر زندہ ہی نہ تھا،

۵۲۵ھ کی تاریخ وفات بھی کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے،

۱- سنائی نے اپنی دوسری مثنوی طریق التحقیق جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۵۲۸ھ مین لکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵۲۸ھ تک تو یقیناً زندہ تھے،

۲- حدیقہ کے بعض نسخون مین اس کا ۵۲۴ھ سے لیکر ۵۳۵ھ تک اور بعض کے روسے ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ تک تصنیف ہونا پایا جاتا ہے،

۲۔ سنائی نے امیر معزّی شاعر کے مرثیہ مین جس نے ۵۴۲ھ مین سلطان سنجر سلجوقی کے اتفاقی تیر سے زخم کھا کر وفات پائی تھی[1]، چند قطعے لکھے ہین، جنمین ایک کو آذر نے اپنے آتشکدہ مین درج کیا ہے، (ص۳۱۵ بمبئی)

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است	در ماتم طبع طرب افزاے معزی

از حسرت درہاے یتیمش چو یتیمان	بنشست عطارد بعزای معزّی

اور دوسرے کو مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین نقل کیا ہے[2]،

تا چند معزاے معزّی کہ خدایش	زینجا بفلک برد و قبای ملکی داد

چو تیر فلک بود قرینش سرہ آورد	پیکان ملک برد، بہ تیر فلکی داد

اس سے معلوم ہوا کہ ۵۴۲ھ تک سنائی کی وفات نہین ہوئی تھی، اور ۵۴۸ھ مین وہ وفات پا چکے تھے ورنہ اپنے محسن و مربّی بہرامشاہ کا مرثیہ ضرور کہتے، اب ان دونون تاریخون کے بیچ مین انکی وفات کا سال ہوگا، اور یہ وہی ۵۴۵ھ ہے، جس مین کاشانی نے انکی وفات بیان کی ہے،

ان تفصیلات کا نتیجہ یہ ہے کہ حکیم سنائی کی ولادت کا سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ اور وفات کا سال ۵۴۵ھ قبول کیا جائے، اس حساب سے انکی پوری عمر اسّی اکاسی برس کی ہوگی، اور اگر ۵۳۵ھ کو حدیقہ کا سالِ تصنیف مانا جائے تو دس گیارہ برس عمر اور کم ہوجائیگی،

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستوفی قزوینی صاحب گزیدہ کا انکو سلطان ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر بتانا قطعی غلط ہے، نیز حضرت جامی کا یہ فرمانا کہ انھون نے سلطان محمود المتوفی ۴۲۱ھ کی مدح لکھی تھی درست نہین، اسی لیے دولتشاہ نے اپنے تذکرہ مین اس مدح مذکور کا سلطان محمود کے بجاے سلطان ابو اسحاق ابراہیم غزنوی (۴۵۱ھ۔ ۴۹۲ھ) کی شان مین ہونا ظاہر کیا ہے، جو قرین قیاس ہو سکتا ہے، مگر اس نام کا کوئی قصیدہ شاعر کے مطبوعہ بمبئی کلیات مین مجھے نظر نہین آیا، لیکن چونکہ یہ شاید منتخب ہے اس لیے پورے استناد سے نہین کہا جا سکتا،

[1] لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص۶۹ گب و آتشکدہ آذر ص۳۱۵ بمبئی، فہرست مخطوطات انڈیا آفس (حدیقہ سنائی ص۶۵۸)

[2] حواشی چہار مقالہ ص۱۵۱ گب،

فلسفہ فقراء

یعنے

سائنس اور تصوّف

از

جناب ڈاکٹر نواب سرامین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۲)

۶۔ جان و ہیجان

۱۔ پروفیسر سر جگدیش بوس پکے ویدانتی ہین، جن کا مشہور و معروف انسٹیٹیوٹ (دارالتجربہ) ویدانتی اصول پر قائم ہے، اون کے اختراعات، ایجادات و تصانیف نے سائنس کی دنیا مین ہند کے علم و ہنر کا سکّہ دوبارہ رائج کردیا، اونھون نے صوفیا کے بعض دعوون کو نطقی یا لفظی طور سے ثابت کرنے پر اکتفا نہ کرکے، خود اون کا مشاہدہ بروز روشن کرادیا ہے، مثلاً اونھون نے اعلیٰ حضرت خلداللہ ملکہ کو کلکتہ مین ایک ایسا آلہ بتایا جس سے ہم سب کو نظر آیا کہ درخت بھی مانند انسانون کے سوتے جاگتے، خوش اور رنجور ہوتے ہین، گویا اون مین بھی ایسی جان ہے، جس کی نوعیت مین اور ہماری جان کی نوعیت مین کچھ فرق نہین، البتہ درجہ کا فرق تو ضرور ہے، سر جگدیش نے بہت سال قبل یہ بھی اپنے ایجادی آلات سے بتادیا کہ پتھرون مین علی العموم جمادات مین جنکو ہم بے جان سمجھتے رہے، ایک درجہ کی جان ہے، جس سے وہ خاص خاص ہیجات کے مجیب ہوتے ہین یعنی چند خاص خارجی حرکتون کا جواب دیتے ہین، جو حیات کی علامت ہے، اگرچہ تیرہ سو سال کی ترقی علم و ہنر کے بعد بھی سائنس "روح کیا ہے" بیان نہین کرسکتا، اگرچہ آج بھی (قل الروح من امر ربی) کہے

بغیر گریز نہیں لیکن روح کی موجودگی کے نشانات جو اُس وقت ظاہر تھے، اب بھی ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے، ایسی نشانیوں میں کسی فرد کا ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود منتقل ہونا گویا یہاں سے وہاں تک چل کر جانا اوس فرد میں روح ہونے کی نشانی نہیں ہو سکتا، عضویہ (ORGANISM صاحب عضو ہونا کوئی ایسی نشانی نہیں ہے، موٹر کار بھی گھوڑے کی طرح عضویہ، عضو دار ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے لیکن موٹر کار جاندار نہیں کہی جاتی، گھوڑا جاندار کہا جاتا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ گھوڑے میں اور موٹر میں ما بہ الامتیاز جان جو ہے اوسکی نشانی گھوڑے میں کیا ہے، جو موٹر میں نہیں،؟۔ اہل سائنس اور نیز صوفیوں کے نزدیک دو نشانیاں ہیں،

۲ - ایک نشانی (الف) حفاظتِ جسم کی ہے، دوسری نشانی (ب) حفاظت جان کی ہے،

الف - موٹر کار کا کوئی کل پرزہ ٹوٹ جائے یا گھس جائے تو موٹر کار خود بخود اوسکی مرمت نہیں کر سکتی، شوفر یا میکانک ہی اوسکو درست کر سکتا ہے لیکن اگر گھوڑے کو کوئی چوٹ لگے، یا اوسکی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اوس کے جسم میں کوئی ایسی شے ہے، جو ایک قسم کا لعاب خون سے نکال کر زخم کو مندمل اور ہڈی کو جوڑ دیتی ہے، موٹر کا میکانک ٹوٹے ہوئے اسکرو کو نکال کر دوسرا اسکرو ڈالتا ہے لیکن گھوڑے کا طبیب ٹوٹی ہوئی ہڈی کو نکال کر دوسری ہڈی نہیں ڈال سکتا، فقط اوسکو جوڑ کر گھوڑے کی طبیعت (یعنی جان) پر بھروسہ کرتا ہے، کہ وہ جڑ جائے گی، چند سال قبل لندن کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر نے اپنے لکچر میں کہا تھا کہ کوئی حکیم جہاں جان نہیں وہاں اپنی دوا یا علاج سے جان نہیں ڈال سکتا فقط یہی کرتا ہے، کہ جہاں جان ہو، اوس کی ہیٹھ اپنی دوا سے ٹھوک ٹھاک کر دوا کے ذریعہ وسکو شاباشی دیکر یا اپنے علاج سے اوسکی بحاجت کر کے اوسکو اپنی آپ حفاظت کرنے یا شفا جلد دے لینے کے کام پر لگا دیتا ہے، غرض گھوڑے میں جان ہونے کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ گھوڑے کا جسم آپ ہی آپ اچھا رکھتی ہے، نیا زخم خود آپ چنگا کرتی ہے، ٹوٹے ہوئے عضو کو خود آپ درست کرتی ہے، اگرچہ اسمیں حکیم کے علاج کی مدد ہوتی ہے لیکن اگر خود طبیعت میں مدد لینے کا رجحان یا مادہ نہ ہو تو علاج کارگر نہیں ہوتا،

ب - علی ہذا القیاس دوسری نشانی حیات کی یہ ہے کہ موٹر کار کے سامنے اگر دفعۃً کوئی گڑھا سامنے آجائے

تا وقتیکہ شوفر اوس کو بریک ڈال کر نہ روکے موٹر کار خود بخود نہیں رک سکتی بخلاف اس کے اگر گھوڑے کے سامنے اچانک کوئی غار آجائے تو وہ خود بخود جھجک کر رک جاتا ہے، سوار جسکو غار نظر آتا ہو، وہ اوسکو اگر بڑھانا چاہے، تو بھی گھوڑا لوٹ کر بھاگ جانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موٹر کار مین اپنے آپ کو خطرہ سے روکنے کا اختیار نہین ہے لیکن گھوڑے مین ایسا اقتدار موجود ہے یہی دو نشانیاں حفاظت خود اختیاری کی جانداروں مین ہین اون کو اور ایسے دوسرے چند معمولی امور مثلاً چلنے پھرنے سوتے جاگنے وغیرہ وغیرہ کو پروفیسر آئین اسٹین اپنے (نظریۂ تناسبہ) کے لئے "واقعات زمان و مکان" کہتے ہین، صوفی اپنے تصوف کے اغراض کے لئے "حادثات جسم وجان" کہتے ہین،

الغرض ظواہر = واقعات زمان و مکان = حادثات یا حوادث جسم وجان سے مراد ہے،:-

(۱) شئی مثلاً پتھر شجر بشر (۲) حالات شئی مثلاً گرمی سردی بخار و درد سر اور (۳) باہمی تعلقات اشیاء، پس روزانہ گفتگو کی زبان مین (۱) کو ذات فرض کرکے (۲) اور (۳) اوس کے صفات سمجھے جاتے ہین لیکن **ذات** کیا چیز ہے بیان کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہے (دیکھو فصل ۹ دفعہ ۳)

۷- واقعات زمان و مکان

(۱)- (عرصہ) مرور زمانہ یعنی وقت کس قدر گذرا، اوسکی پیمایش گھڑی سے ہوتی ہے، جب ڈائل کی مدوّر سطح پر گھڑی کی بڑی سوئی ایک چکر لگاتی ہے، تو اوس کو ایک گھنٹہ کہتے ہین، جب اوسکی چھوٹی سوئی ایک چکر ڈائل کی سطح پر لگاتی ہے، تو اوس چکر کو آدھا روز کہتے ہین، ڈائل کی مدوّر سطح دراصل مسافت یا مکان ہے، اس مکان مین چکر لگانے والی سوئیان بتاتی ہین، کہ وقت کسقدر گذرا، پس وقت TIME کا اندازہ زمانہ کی پیمایش سطح ڈائل SPACE سے ہوتی ہے ایسا ہی طے مسافت DISTANCE ایک مقام یا مکان سے دوسرے مقام یا مکان تک کتنی دوری ہے، اوسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے مین کتنے میل طے کئے گئے، مسافت کی پیمایش وقت سے ہوتی ہے، چنانچہ مسافت یا مکان کی پیمایش زمان سے ہوتی ہے، اور زمان کی پیمایش مکان سے ہوتی ہے، زمان و

مکان سے ایک دوسرے کے لازم وملزوم گویا توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتے، ان دونون بعض اہل سائنس زمان کو ایک ہی عرصہ duration کے دو پہلو تصور کرتے ہین، پارس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر برگسان جنکی کتاب creative Evolution نے بیسوین صدی کی فلسفی دنیا مین ایک ہل چل پیدا کر دی تھی، اونھون نے اپنی تصانیف مین محض عرصہ کو حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، (فصل ۹ دفعہ ۲)

۲- ماہرین طبعیات کے نزدیک تمام ظواہر Phenomena کے بھی دو پہلو زمان ومکان time andspace ہین جن سے ظواہر کا خارج مین موجود ہونا ہم کو محسوس ہوتا ہے، لیکن دراصل ظواہر کیا ہین ہم کو معلوم نہین، پروفیسر آئین سٹین نے ظواہر کا نام "واقعات زمان ومکان" رکھا ہی، اور انھین سے اپنا ایک نظریہ یون قایم کیا ہے، کہ ان واقعات زمان ومکان کی پیمایش کے لئے فقط تین مساحات طول عرض عمق کافی نہین بلکہ ایک چوتھا مساحہ وقت لازماً اون مین شریک ہو اور رہنا چاہیئے ان کا دوسرا مشہور نظریہ تناسبہ RELATIVITY ہنسی مذاق کے قابل ہوتا، اگر وہ اوسکو ہندسی MATHEMATICAL اور نیز اختباری OBSERVATIONAL طور سے ثابت نہ کئے ہوتے، وہ نظریہ یہ ہے کہ زید اگر سیدھا کھڑا رہے، تو اوس کے قامت کی درازی اوس کے اس قامت کی درازی سے کم ہوتی ہے، جب وہ بچھونے پر چت لیٹا ہوتا، اسی طرح ایک ہی لاٹھی جب وہ نیچے پڑی رہی جتنی لانبی ہوتی ہی، اوتنی لانبی نہین ہوتی جب کہ وہ سیدھی کھڑی رہے، (!!) اس نظریہ کا نام آئین سٹین نے (محدود تناسبہ) رکھا ہی، اور نظریہ موسوم بہ (عام تناسبہ) جداگانہ ہے جسکا صرف حوالہ ذیل مین بیان کیا جاتا ہی،

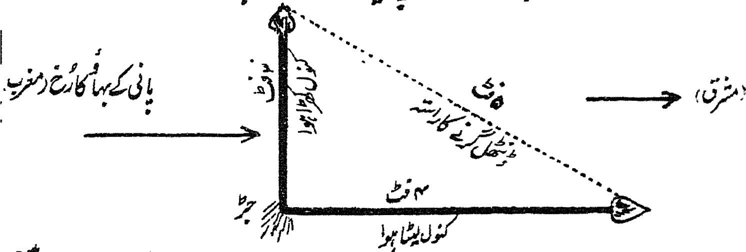
۳- طبعیات کے (محدود تناسبہ) کی صراحت تین لحاظ سے ہوتی ہی،

(الف) پہلا لحاظ تو وہی کہ زمان ومکان توام ہین، ہمارے ادراک وعلم مین یک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے بلکہ ادراک کیلئے لازم وملزوم ہین،

(ب) دوسرا مفروضہ یہ ہے جسطرح سمندرون کا پانی کرۂ زمین کو لپٹا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی کرۂ زمین کو لپٹی ہوئی ہی، ہوا سطح زمین سے اوپر چھ سات میل تک ہی ہے، اوس سے اوپر کیا ہی؟ خلا ہی؟ نہین کیونکہ خلا بعض

خلا محال ہے، میرے منہ سے آواز جو نکلتی ہے، اوس کو آپ کے کان تک پہنچانے کا ذریعہ جیسی ہوا ہے، ویسی ہی سورج[1] اور تارون سے روشنی جو نکلتی ہے، اوسکو آپ کی آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایتھر ہے، جو ایک موہوم و لطیف ترین شئی ہے، جو تمام عالم کے ہر جسم ہر جرم مین ساری و طاری ہے گویا ایتھر کے بہتے ہوئے بحیرہ مین ہم سب اور ہماری ساری دنیا بسی ہوئی ہے۔

(ج) تیسرا ہندسی ثبوت ہے، جس کا خلاصہ سرسری طور پر ایک مثال سے یون بتایا جا سکتا ہے، گرمی سے سوکھی ہوئی ندی مین ایک جگہ پانی کا چشمہ بن گیا ہے، اسمین ایک کنول کا پھول سیدھا کھڑا ہے جسکا ڈنٹھل جڑ سے سرے تک تین فٹ لانبا ہے، فرض کر لیا جائے کہ ڈنٹھل ربڑ کے مانند کھچ جا سکتا ہے، لیکن اوسکی جڑ زمین مین ایسی مضبوط گڑی ہے کہ اکھڑ نہین جا سکتی، اوس ندی مین دفعتہً طغیانی ہوئی، پانی فی گھنٹہ چند میل بہتا ہوا ایکدم اس زور سے آیا کہ کھڑے ہوئے کنول کو سلا دیا، لیکن اوسکی جڑ کو اکھیڑ کر بہا نہ سکا، اقلیدس کی شکل عروسی (مقالہ اول شکل ۴۷) کے موافق کوئی ہندسی حساب لگا کر آپ کو بتا دیگا کہ پانی کے بہاؤ کے وقت تین فٹ کا کھڑا ہوا ڈنٹھل کھچکر چار فٹ لانبا ہوا تھا، پانی کا بہاؤ موقوف ہونے کے بعد ڈنٹھل ربڑ کے مانند سکڑ کر پھر تین فٹ کا ہو گیا، بلکہ پھر اوٹھ کھڑا ہوا اوسکی شکل ہندسی ایسی ہوئی تھی



۴ - الغرض (تناسبہ محدودہ) کا نظریہ اسی قدر ہے کہ ہم سب تمام اجسام و اجرام، ایتھر کی بہتی ہوئی ندی مین رہتے ہین جس کے بہاؤ کا زور ایسا ہے کہ جب ہم لیٹ جاتے ہین، تو کھچکر لانبے ہو جاتے ہین، اگر کوئی لڑکا کھڑا ہو تو تین فٹ لانبا ہے، تو جب وہ لیٹ جاتا ہے، تو ایتھر کے بہاؤ کے زور سے کھچکر چار فٹ لانبا ہو جاتا ہے، لیکن خود اوسکو یا دوسرون کو اوس کا کھچنا اور بڑھنا اور گھٹ جانا محسوس نہین ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس تین فٹ کے گز سے ہم اوس لڑکے کو ناپتے ہین، وہ خود پڑے رہتے وقت کھچ جا کر لڑکے کی ناپ کے برابر چار فٹ کا گز ہو جاتا ہے، ہم کو ایتھر کا بہاؤ بھی محسوس نہین ہو سکتا، کیونکہ ہم مین سے ہر ایک کی پیدائش سے اب تک اوس کا بہاؤ کبھی نہین رکا تا کہ وہ ہم کو محسوس ہو سکے۔

[1] شمس یا آفتاب کی جگہ لفظ سورج یہان اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہر تارا بجائے خود اپنے عالم کے لئے آفتاب ہے،

آئین سٹن کا (عام تناسبہ) ایتھر کے مفروضہ کو بھی غیر ضروری بتاتا ہے لیکن اوس کے بیان کی یہان گنجایش نہین ،

۵ - آئین سٹن نے اپنے نظریہ سے جو نتائج طبعیات مین حجم ، وزن ، کشش ثقل ، GRAVITATION یا تجاذب کے بارہ مین نکالے ہین ، اون کی صراحت کی یہان ضرورت نہین حتی اکہ اوس نظریہ کے تذکرہ کی بھی چندان ضرورت نہ ہوتی ، اگر اسی کے مانند صوفیون کا نظریہ تناسبہ نہ ہوتا ، آئین سٹن نے جس طور سے اپنے نظریہ کو ثابت کیا ہے اوس کا ایک شمہ یہان اس لئے بیان کیا گیا تاکہ قیاس کیا جاسکے کہ اہل تصوف بھی کچھ اسی طرح اپنے نظریہ کو سینہ بسینہ ارشادات سے ثابت کرتے ہون گے ، اگلے زمانہ کے صوفی اکثر اوقات طریقہ تحقیقات یا طرز ثبوت کا بیان ترک کر کے فقط اپنی تحقیقات کے نتیجہ سے کام لیا کرتے تھے ، اور اون کے شاگرد اپنے استاذ کا نام لینا ہی اوس نتیجہ کا کافی ثبوت تصور کر لیتے تھے اس لئے تصوف کے فلسفہ کی بہت سی باتون کی صراحت یا ثبوت کا ریکارڈ اخلاف کے واسطے رہ نہ سکا ،

۶ - قبل اس کے کہ صوفیون کا نظریہ تناسبہ بیان کیا جائے ، یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ایک اہم نتیجہ جو آئین سٹن نے اپنے (عام تناسبہ) کے نظریہ سے نکالا ہے ، وہ صوفیون کے نظریہ کے ایک اہم نتیجہ کے موافق ہے اگرچہ اون کا نظریہ زیادہ تر حیاتیات و روحانیات سے تعلق رکھتا ہے ، اور آئین سٹن کا نظریہ بالکلیہ طبعیات سے متعلق ہے ، پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے ، کہ اگرچہ ہمارا عالم بہت ہی وسیع بلکہ لامتناہی پایا جاتا ہے ، لیکن دراصل (لاحدلہ) لامحدود نہین ہے ، جب سمندر کے وسیع رقبہ پر کسی بہت اونچے مقام سے (مثلاً بہت اوپر اڑتے ہوئے ایروپلین سے) نظر ڈالی جائے ، تو وہ محدب ابھرا ہوا گول ہوتا نظر آئے گا ، ایسا ہی مکان و زمان مین جس قدر زیادہ وسعت ہوتی ہے اوسی قدر زیادہ وہ اپنے آپ پر پلٹ کر اپنی شکل ایک قسم کی کروی بنا لیتا ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عالم نہین ہے ، بلکہ کروڑہا عالم ہین ، کیونکہ خدے تعالیٰ رب العالم ہی نہین ہے بلکہ (رب العالمین) ہے ، اور جس عالم کے ذرے ہم ہین ، وہ ایسا وسیع ہے جسمین آفتاب سیارے اور ستارے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہین کہ ہر ستارے کی روشنی جو ہمکو نظر آتی ہے جو اوس سے نکلکر ہماری آنکھون تک پہنچنے کے لئے کھرب سال کا زمانہ گذر جاتا ہے ، مسافت و وسعت کی پیمایش اندنون منجمین شمسی سال کو چھوڑ کر نوری سال " LIGHT " سے کرتے ہین ، ایسا بڑا عالم بھی غیر محدود نہین ہے ، اس کے سوا دوسرے عالم بھی موجود ہین ،

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی ودیا پیٹھ احمد آباد

اس مضمون کے گزشتہ نمبر (ص۱۱۱ سطر۴) مین "عرش اسلام، قبلۂ مقبل" مین ۱۰۱۰ھ کے بجائے ۱۰۱۱ھ تاریخ نکلنے پر کسی حرف کے چھوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی رقم فرماتے ہین کہ اگر "و" بڑھا دیا جائے تو تاریخ ۱۰۱۸ھ درست ہو جائیگی اور صحیح مصرعہ یون ہوگا ع :- عرش اسلام و قبلۂ مقبل (قبلہ کے آخر مین ہے جسکے ۵ ہونگے)

جاگیر و مدرسہ | شاہان گجرات نے آپکے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لئے جاگیرین عنایت کین، مگر قبول نہ کیا، خود جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رد کر دیا، آپکے پانچ صاحبزادے تھے، (۱) شاہ محمد جو برہان پور چلے گئے تھے، اور وہین ۹۹۲ھ مین انتقال کر گئے، (۲) شاہ حامد (۳) شاہ عبد الواحد متوفی ۱۰۳۲ھ (۴) شاہ عبد الحق متوفی ۱۰۴۲ھ (۵) شاہ عبد اللہ ان کی ولادت ۹۳۰ھ مین بمقام احمد آباد ہوئی، جناب شاہ صاحب کی وفات پر اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، علم و تقوی مین اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تھے، ہمیشہ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت مین مشغول رہے، ۷۰ برس کی عمر مین بمقام احمد آباد ۱۰۰۷ھ مین انتقال فرمایا، اُن کے بعد جناب شاہ اسد اللہ بڑے لڑکے جانشین ہوئے، لیکن جلد انتقال فرما گئے، ۱۰۲۶ھ[۱] مین جب جہانگیر احمد آباد آیا اسوقت جناب شاہ موصوف کے بھائی، شاہ حیدر صاحب سجادہ تھے، جہانگیر آپسے ملکر بہت خوش ہوا، موضع لیسو دڑا اور موضع بار یجری اولاد کے معاش کے لئے بطور جاگیر عنایت کیا، اور موضع دستر ال، موضع دنتالی اور موضع ہرنا، مدرسہ خانقاہ اور روضہ کے اخراجات کے واسطے بطور وقف ہدیہ کیا، یہ مدرسہ اسی وقف سے ہمیشہ چلتا رہا، اور اس منبع فیض سے ہزارون تشنگان علم برسون سیراب ہوتے رہے، مدرسہ کب بند ہوا، اوسکے متعلق کوئی صحیح اور یقینی تاریخ معلوم کرنے کا میرے پاس

---

[۱] اقبال نامہ جہانگیری سفر گجرات احمد آباد

کوئی ذریعہ اس وقت نہین ہے، اس سلسلہ کے جو لوگ جو اس وقت موجود ہین وہ بھی انداز اً کچھ کہہ دیتے ہین، اتفاقاً چند دن ہوئے کہ دو دستاویزین میری نظر سے گذرین، ان مین سے ایک کے محرر جناب سید فیض اللہ بن سید اسد اللہ بن سید رحمت اللہ بن سید حسین بن سید عبد العلی بن سید اسد اللہ بن سید شاہ عبد اللہ بن حضرت شاہ وجیہ الدین ہین، سید فیض اللہ صاحب نے اس دستاویز کے ذریعہ اپنی تمام جائداد اور عہدہ وغیرہ کا متولی اپنے لڑکے سید محمد شجاع الدین صاحب کو بنایا ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، "تولیت نامہ بعہد مغفرت مرتبت حسن محمد خان معروف بعلی محمد خان مرحوم دیوان صوبہ سابق و بعہد غلام حسین خان صدر مغفور" اور آخر مین تاریخ تحریر ۱۶/ شوال ۱۱۸۵ھ ہے، اور اس عہد کے مفتی سید بدر الدین کی جو مہر ہے اس پر ۱۱۹۵ھ کندہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل تحریر تو ۱۱۸۵ھ کی ہے، اور اوسکی نقل مفتی موصوف کے عہد ۱۱۹۵ھ مین اس وقت لی گئی جب سید فیض اللہ صاحب متوفی ۱۱۸۹ھ کے بعد کسی تنازعہ کے سبب ضرورت پڑی ہوگی، اور اسی سبب سے غالباً "دیوان صوبہ علی محمد خان اور غلام حسین خان صدر کو مرحوم اور مغفور لکھا ہے، کیونکہ مفتی صاحب کے عہد سے پہلے یہ وفات پا چکے ہون گے، مگر اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ علی محمد خان ۱۱۸۵ھ مین بقید حیات تھے، اور گو سرکاری اعتبار سے وہ دیوان نہ تھے مگر لوگون مین سابق دیوان کہلاتے تھے، اور کاروبار مین ابھی تک لوگ اون کی مہر اور دستخط سے کام نکالتے تھے، مرأۃ احمدی کے مصنف کا نام بھی علی محمد خان محمد حسن ہے، اون کی مہر پر ۱۱۶۴ھ کندہ ہے، وہ اسی عہد مین احمد آباد کے دیوان تھے، اپنی تاریخ گجرات مین ۱۱۷۴ھ تک کے حالات درج کئے ہین، اور اسی کتاب کے خاتمہ سے ۱۱۷۶ھ تک ان کا زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد سے پھر اون کی زندگی کا کوئی ثبوت دستیاب نہین ہوا، اسلئے یہ قیاس کر لیا گیا کہ شاید ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۷ھ مین وفات پا گئے، یہ تولیت نامہ اون کے آخری تحریر کردہ ۱۱۷۶ھ کے نو برس بعد کا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اونھین کے عہد کا تحریر کردہ ہو، اور وہ اس وقت تک بقید حیات تھے، مرأۃ احمدی مین ان کا نام "محمد حسن" ہے، اور اس تولیت نامہ مین "حسن محمد خان" ہے،

اس محمد کے تقدم و تاخر کے متعلق میرا خیال ہے کہ یا تو کاتب کے جلد نویسی کا نتیجہ ہے، یا ممکن ہو کہ مصنف ہی کے دونون نام ہون کیونکہ یہ بالتحقیق معلوم ہے کہ اس عہد مین اور کوئی دوسرا دیوان معر نہین ہوا تھا، کیونکہ

ن صوبہ دار مومن خان کے چلے جانے کے بعد مرہٹون کا قبضہ ہوگیا، افسوس ہے کہ نقل لیتے وقت اصل مین سے
ع اور دستخطون کی نقل چھوڑ دی، اگر ان کی بھی نقل ہوتی تو بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ ہوسکتا تھا، اس
مہ مین جاگیر کے ضمن مین موضع بہر تنگہ (علاقہ منگلور) اور نصف گاؤن "دنتالی" (علاقہ دہ کروتی) مذکور ہے،
علوم ہوا کہ ۵۵ برس مین تمام جائداد سے صرف اسی قدر باقی رہ گئے، سید فیض اللہ صاحب علوی کا انتقال سنہ ۱۱۸۹

دوسرا کاغذ بھی تولیت نامہ ہے، محرر کا نام سید شجاع الدین بن سید فیض اللہ ہے، سید شجاع الدین صاحب کے
د نرینہ نہ تھی، ایک لڑکی مسماۃ بو (بوبو، یا بی بی) تھی اوس کا لڑکا یعنی سید شجاع الدین کے نواسہ عبد اللہ
، نام یہ تولیت ہے، جس کے ذریعہ سید موصوف نے اپنی تمام جائداد اور عہدہ اپنے نواسہ کے حوالہ کردیا ہے،
ن نامہ کی ابتدا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، تولیت نامہ بمہر این خادم شرع شریف و بمہر
وزارت مرتبت شفیع محمد خان المخاطب بہ علی محمد خان دیوان صوبہ و بمہر
ا الدین صدر "خادم شرع شریف قاضی شیخ الاسلام خان کی مہر سنہ ۱۲۱ھ کندہ ہے اور آخر تحریر مین تاریخ
ن سنہ ۱۲۱۹ھ ہے،
معلوم ہوتا ہے کہ اس تولیت نامہ کے لکھتے ہی وقت اسکی نقل اصل سے لی گئی ہے، اس پر تمام علما،
ی، صدر الصدور، دیوان صوبہ کے مہرون اور دستخطون کی نقل موجود ہے، خود سید شجاع الدین علوی کے مہر مین ہے:
ن مدد خواہد شجاع" جاگیر کے متعلق صرف موضع بہر تنگہ کا ذکر ہے، سید شجاع الدین صاحب اپنے والد سید
ر صاحب کے بعد اس تحریر کے وقت تک تیس برس متولی رہے، اس قلیل مدت مین موضع "دنتالی" کا نصف
ہ نے نکل چکا تھا، بہرحال، ان دونون تحریرون کے پیش کرنے کا اصل منشا یہ ہے، کہ ہر دو تحریر مین مسجد
عاہ کا ذکر ہے، اور انھین کی تولیت ان کے سپرد کی گئی تھی، گو کہ یہ تحریر سنہ ۱۲۱۹ کی ہے لیکن سید شجاع صاحب کی
سنہ ۱۲۱ھ مین ہوئی ہے، اس لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ سنہ ۱۲۲۶ھ تک قائم تھا اور غالبًا سید شجاع الدین صاحب

آخری عالم ہین جن سے مدرسہ کو رونق رہی،

کتبخانۂ مدرسہ جناب شاہ صاحب کا کتبخانہ بہت بڑا تھا، اور شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کے متعلق کوئی کتاب یہان نہ ہو، زمانۂ حال کے لوگ راوی ہین کہ اون کے بزرگ فرماتے تھے کہ ہین نے اپنی آنکھون سے کتبخانہ کو دیکھا ہے، دو بڑے کمرون مین از فرش تا سقف، بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابین بھری تھین، راقم الحروف بھی جب ۱۹۲۱ء مین اس کتب خانہ کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقون مین کتابین بے ترتیبی سے پڑی تھین، چند دن کی پیہم کوشش کے بعد مین نے ان کتابون کے اوراق منتشر کو مجتمع کر کے باترتیب رکھوا دیا تھا، لیکن اب ۱۹۳۱ء مین وہان کیا ہے کچھ کتابین تو احباب کی نذر ہوئین، کچھ عربی کتابون کو مجاورنے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابون کو قد آدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابین دریائے سابرمتی کی نذر ہوئین، کچھ تھوڑی سی کتابین جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوجیہ اور جناب بڑا میان صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہین،

شاہ صاحب کی تصنیفات آج ہم یقینی طور پر کچھ نہین کہہ سکتے کہ آپ کی تصنیفات کل کتنی تھین لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ان مین سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہین، شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو، تلاش اور تفحص سے مندرجۂ ذیل کتابین دستیاب ہوئی ہین، جو اس وقت کتبخانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہین،

(۱) حاشیہ علی التلویح، (۲) حاشیہ علی شرح المواقف (۳) شرح جام جہان نما (تصوف) (۴) حاشیہ شرح مختصر التلخیص (۵) الرسالۃ المسماۃ بالانسکزیہ (مبحث ما انا قلت) (۶) رشاد شرح الارشاد (نحو) (۷) حاشیہ علی العضدی جناب شیخ محمد غوث گوالیاری (قس) کی کتاب، کلید مخازن پر مختلف شرحین لکھی گئی ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح لکھی ہے، کتبخانہ مذکور مین مختلف شرحین موجود ہین، جن مین سے ایک شرح ایسی ہے، کہ جسکے متعلق متعدد وجوہ کے بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ جناب شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے،

توضیح تلویح اصول فقہ مین مشہور درسی کتاب ہے، مختلف علماء نے اپنے نقطۂ نظر سے اسکی شرح اور حواشی

تحریر کئے ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک حاشیہ لکھا ہے،

حاشیہ علی التلویح، یہ کتاب ابتدا سے آخر تک خط نسخ مین ہے، ۱۴/۱۰ تقطیع ہے، ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حروف مین ہین، باقی معمولی تصنیف سے تقریبًا سوا سو برس بعد ۱۱۲۰ھ مین اس کی کتابت ہوئی ہے، اسکی ابتدا ان جملون سے ہوتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رب یسّر وتمّم بالخیر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اور اختتامی جملہ یہ ہے، ھذا آخر الکتاب بعون الملک الوھاب والحمد للہ علیٰ اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ جہان جہان اصل کتاب کا حوالہ ہے وہان سرخی سے "قولہ" لکھدیا ہے، مختلف مقامات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی بے حد کوشش کی گئی ہے، مثلاً حقیقت ومجاز کی بحث مین ایک جگہ صاحب توضیح نے لکھا ہے "فیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ صاحب نے "حاصل النظر" کے عنوان سے بہت سہل عبارت مین تحریر فرمایا ہے تاکہ طالب کے دماغ پر زیادہ بار نہ پڑے، پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے، اوسکو تحریر فرما کر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس کی تشریح فرماتے ہین، سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کرکے پھر خود اپنا جواب تحریر فرماتے ہین، اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہین، کہ جناب شاہ صاحب کا اس طرز تحریر سے اصل منشاء کیا تھا، اور کس طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے،

حاشیہ علی المواقف اس مشہور کتاب کے مصنف قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن ہین، جسکی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کی ہے، پھر متعدد علماء نے اس پر حواشی لکھے، ہند مین زیادہ تر مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ رائج ہے، آج سے پچیس ۲۵ برس قبل مصر سے جو نسخہ شایع ہوا تھا، اس مین ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے ساتھ ملا حسن چلپی کا بھی حاشیہ ہے، موجودہ زیر تنقید نسخہ افسوس ہے کہ آخر سے ناقص ہے، اور بڑا حصہ کتاب کا ضایع گیا ہے، ۱۴/۸ انچ تقطیع پر معمولی خط نسخ مین ہے اسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین رب وفقت فتمم،

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث، اور آخری فقرہ یہ ہے، وذالک لاعتبار لا یعنی ان الاحوال بیتکلف " یہ غیر مختتم جملہ نصف صفحہ پر ختم ہو گیا، جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ یا تو یہ کتاب اسی قدر اصل نسخہ سے نقل کی گئی ہے، یا بقیہ اجزا ضایع گئے، خدا جانے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی جگہ ہے بھی یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گیا، مطبوعہ کتاب کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ المرصد الرابع فی اثبات العلوم الضروریہ تک ہی،

اس بات سے تو ہر اہل علم واقف ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی معرکۃ الآرا کتابوں میں سے ہے، اور اسی لئے اسکی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے گئے، جناب شاہ صاحب کا طریقۂ بیان اس کتاب سے بھی واضح ہے، ہر جگہ حاصل الکلام وحاصل الجواب وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے، اور پیچیدہ عبارت کو آسان اور سہل طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جہاں کہیں ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آجاتا ہے: تو الفاظ شاندار اور معانی خیال بہت بلند ہو جاتے ہیں، اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کا ذوق وشوق رہبری کر رہا ہے، مثلاً کتاب کے ابتدا میں ہے:۔

سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث

وتنزھت سر ادقات جلالہ عن وصمۃ

التغیر والانتقال۔

افسوس ہے کہ اس کتاب میں نہ تو کاتب کا نام ہے اور نہ سنہ ہی تحریر ہے، کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کب کی تحریر ہے،

شرح جام جہان نما، جام جہان نما تصوف میں مشہور متن ہے اسکے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ شیرین ہیں، ۸۰۹ھ کی تصنیف ہے، عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اوسکی مختلف شرحیں لکھی گئیں جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح تحریر فرمائی ہے اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ میں موجود ہیں، پہلا

نسخہ کتابی صورت مین ۷/۸ تقطیع پر ہے، سرخ جدول سے محدود ہے، جہان متن کی اصل عبارت ہے وہان سرخ خط کشیدہ ہے، یہ کتاب مختلف اہل علم کے ہاتھون مین رہی ہے، کیونکہ مختلف اشخاص کے حواشی موجود ہین، سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے، جو اس عصر کے مشہور علما مین سے ہین، اسکی تصحیح اور بعض حواشی ملا علی پیرو کے ہین، مولوی عبدالعزیز جناب شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ مین سے ہین کہین کہین ان کے بھی حواشی ہین، اگرچہ یہ نسخہ کامل ہے مگر آخری اوراق کرم خوردہ ہونے سے معلوم نہ ہوسکا کہ کس سنہ کا ہے اور کس نے لکھا ہے، خط صاف خوشخط اور نسخ مین ہے، حاشیہ پر ملا احمد بن سلیمان کا جو خط ہے اس سے بہت مشابہ ہے اسلئے اغلب ہے کہ ملا احمد ہی کا لکھا ہوا ہو،

دوسرا نسخہ ۵/۸ تقطیع پر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی کامل نسخہ ہے اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے، یہ کتاب فارسی زبان مین ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر" پھر متن کی عبارت منقول ہے، جسکی ابتدا یون ہوتی ہے "حمد بے حد وشکر بے عد سزائے ذاتی کہ وحدتش منشا احدیت وواحدیت شد،" اس کے بعد اسکی شرح اس جملے سے ہوتی ہے "یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت وواحدیت ازو ناشی است،" اس کتاب کا اختتام اس فقرہ پر ہوتا ہے "کہ ترک قیل وقال واستغراق در حق است وصفات حق ذاتہ ذاتہ صفاتہ صفاتہ افعالہ افعالہ درپیش است تمام شد" اس کتاب کا موضوع علم التوحید ہے، اور اوسکے ابواب کی تقسیم مندرجۂ ذیل طریقہ سے کیگئی ہے،

کتاب کے دو حصے ہین، ہر حصہ کا نام دائرہ ہے، اور ہر دائرہ مین دو قوس اور ایک خط ہے، دائرۂ اول مین مندرجہ ذیل مضامین ہین:۔

احدیت، واحدیت، وحدت، اعتبار، وجود، علم، شہود، نور، تعین، یا تجلی اول،

دائرۂ دوم کے مضامین حسب ذیل ہین:۔

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصطلاح فلسفی ممکن الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور حقیقت انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،

افسوس ہے کہ جو شرح جناب شاہ صاحب نے لکھی ہے اوسکی ابتدا مین کوئی مقدمہ تحریر نہین فرمایا، جیسا کہ ابراہیم شطاری جنت آبادی نے لکھا ہے، جس کے سبب سے اس شرح سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جو اس فن سے کامل آگاہ ہو، مضامین کے تنوع اور اوسکے غوامض سے ناظرین خود آگاہ ہین، اسلئے بعض مقامات سے صرف اقتباس دیتا ہون، جس سے جناب شاہ صاحب کے طرز تحریر کا آپ خود اندازہ کرلین گے، مثلاً ایک مقام مین متن کی عبارت یہ ہے، کہ "و افعال کہ شامل ظاہر وجود است کہ وجوب وصف خاص اوست و شامل علم ظاہر است کہ امکان از لوازم اوست و شامل حقیقت انسان است کہ برزخ است بین الامکان والوجوب" اس عبارت کی تشریح مین جناب شاہ صاحب نے انسان کو خلیفۃ الٰہی بہت مختصر اور جامع طریقہ سے ثابت کیا ہے،

اب اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتین ذہن نشین ہوجائین، تو سمجھنے مین آسانی ہوگی، صوفیون کے نزدیک وجود مطلق کا نام حق ہے، اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور احدیت بھی کہتے ہین، وجود مطلق جب تنزلات کے مرتبہ مین آئے تو اوسکو "ظہور" کہا جاتا ہے اور یہ ظہورات تعین ذاتی کے اعتبار سے شیون کہلاتے ہین، جو بے حساب اور بے شمار ہین، اسی کو قرآن پاک نے یون ادا کیا ہے "کل یوم ہو فی شان" اور شیون کی مثال محسوسات کے ذریعہ ٹھیک تخم شجر کی ہے، جسمین عظیم الشان شجر بننے کی قابلیت موجود ہے، اور حقیقت وجود بہ شرط شی جو اسما و صفات ہین، اون کو مرتبہ واحدیت والوہیت کہتے ہین، اور حقیقت وجود بہ شرط لاشی کا نام احدیت رکھتے ہین، اور حقیقت وجود نہ بشرط شی اور نہ بہ شرط لاشی ہو ایسی مساوی الطرفین ذات کو باصطلاح صوفیہ تجلی اول یا تعین اول کہتے ہین اور فلاسفہ علم یا عقل اول اور یہ تجلی اول جب کسی تعین جزئی کے ساتھ مخصوص ہو تو اوسکو صفت کہتے ہین، عام اس سے کہ یہ صفت وجودی ہو، جیسے علیم، قدیم وغیرہ یا سلبی ہو جیسے قدوس، سلام وغیرہ، پھر تجلی اول نے بہ تعین مخصوص علیم

مرید، قدرت، بصیر، سمیع، متکلم، حی کی صورت اختیار کی تو ان صفات سبعہ کو "ائمۂ صفات" کہتے ہین پس وجود مطلق جب ان ائمہ

صفات کے ساتھ تنزلات کا مرتبہ اختیار کرے، تو پانچ مرتبون کا ظہور ہوتا ہی،

(۱) مرتبۂ واحدیت (۲) مرتبہ ارواح مجرّدہ (یا عالم جبروت) (۳) نفوس عالمہ (جیسے عالم مثال)

(۴) مرتبہ شہادت وحس (جیسے عالم ملک) (۵) مرتبہ کون جامع یعنی انسان کامل جو محل مجموع

تنزلات ہے "

اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب جناب شاہ صاحب کی تشریح ملاحظ ہو، وحدت، کثرت، وجوب، وغیرہ کی مختصر بحث کے بعد تیسرے جملہ کی تشریح یون فرماتے ہین، کہ ان صوفیون کے نزدیک مرتبہ وجوب وجود اسمائے الٰہی کلی سے مراد ہے، جو ۲۸ ہین، جیسے بدیع، باعث وغیرہ، اور امکان وجود سے مراد "اسمار کونی" ہین جو وہ بھی ۲۸ ہین، جیسے عقل کل طبیعت کل وغیرہ اور وجوب و امکان کے درمیان جو مرتبہ وسط ہے، اوسکو "برزخ" کہتے ہین، اور یہی حقیقت انسان ہے، کیونکہ انسان تمام حقائق ملک و ملکوت و جبروت کو شامل ہے، اور چونکہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ کامل تمام مراتب الٰہی اور جامع تمام تنزلات کونی کا ہے اسی سبب سے وہ نائب اور خلیفۃ اللہ ہے اور یہی معنی خلافت الٰہی کے ہین، اسی طرح آگے چل کر صفحہ ۹ پر حقیقت محمدیہ بیان فرماتے ہوئے فکان قاب قوسین کی جو تشریح قوس احدیت اور قوس واحدیت کے ضمن مین کی ہے، وہ بے انتہا لطیف ہے، اور اہل ذوق کے لئے باعث حظ، جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہین،

رسالہ انسکزیہ | اس رسالہ کا نام رسالہ انسکزیہ فی اجوبۃ الطفقھیہ مولانا علی قوشجی علی بحث ما انا قلت فی المطول ہے، جو صرف ۱۵ اوراق کا بہ تقطیع ۸ ہے، معانی و بیان پر تلخیص المفتاح جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی متوفی ۷۳۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے، مولینا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کئے تھے، یہ رسالہ اون کے جواب مین ہے، میر ہاشم صاحب جو خود بھی بڑے عالم تھے، اونھون نے بھی اس مبحث پر ایک رسالہ لکھا ہی، اس کتاب پر جا بجا اون کے حاشیے بھی ہین، کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم. قال صاحب الایضاح ویقدم المسند لیفید التقریر تخصیصہ بالخبر الفعلی. اور اختتام ان جملون پر ہے، هذا ماتیسر لی هو المیسر لکل عسیر و ماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.. "یہ رسالہ ۹ مبحث پر منقسم ہے، جن مین سے بعض بہت ہی مختصر اور بعض طویل ہین، طرز تحریر یہ ہے کہ پہلے نفس تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے، پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض نقل کرکے علامہ قوشجی کا نظریہ بیان فرمایا ہے، اور آخر مین اپنا جواب تحریر کیا ہے، جہان علامہ قوشجی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہان سرخی سے "قولہ" ہے، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے، اوسکی ابتدا "اقول" سے ہوتی ہے، اس مبحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہین، رسالہ مولانا علی قوشجی، رسالہ ملا عبد الغفور، رسالہ میر ہاشم، افسوس ہے کہ ان مین سے کسی پر سنہ تحریر نہین ہے، اور بدقسمتی سے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس رسالہ کا نام "انسکرزیہ" کیون رکھا، اور کس مناسبت سے؟ میرا ذاتی خیال ہے، کہ جناب شاہ صاحب کا ایک دوسرا رسالہ "انکریۃ" ہے، جو غالباً "انکار" سے ہے، جس مین ایک کفر کے فتوی کی تردید کی ہے، کاتب نے اسی لفظ کو "انسکرزیہ" سے تبدیل کردیا، ضرورت ہے کہ یہ لآلی شاہوار جلد تر شائع ہو جائین، تاکہ کم از کم ضایع ہونے سے محفوظ رہین،

حاشیہ علی المختصر المعانی یہ کتاب بھی ۱/۲ ۸ تقطیع پر ہے، اوسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم. قولہ اداء الحق شیء مما یجب علیہ. اور اختتام یون ہے، قولہ کانہ قنا این الھجا، القنا جمع قناۃ وھی الرمح. والفیلق الجیش قد وقع من تحشیۃ سلطان المحققین افضل المدققین اشرف المتورعین ملجا السالکین. الشیخ وجیہ الحق والدین. کاتب کا نام نہین ہے، تاریخ بھی نہین ہے، فقط اس قدر لکھا ہے. فی شہر رمضان سنہ من الھجریۃ النبویۃ حاشیہ پر جابجا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جہان اصل کتاب سے نقل کیا ہے، اوسکو سرخی سے "قولہ" کے لفظ سے ممتاز کردیا ہے، چونکہ مختصر المعانی مصنفہ سعد الدین تفتازانی مشہور کتاب ہے، جو تلخیص المفتاح کی شرح ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور عموماً متوسط درجہ کے طلبہ اسکو پڑھتے ہین، اس لئے اس حاشیہ مین طلبہ کے لئے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، معانی کا بیان مغلق

الفاظ کی تشریح، مطالب کی توضیح کا خاص خیال رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے، کہ دسوین اور گیارہوین صدی کا طریقۂ تعلیم کیا تھا، اس عہد مین نفس فن پر بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے، متون کی شرحین، شرحون کے حواشی، اور حواشی پر حاشیہ اس عہد کا بہترین کارنامہ ہے، متن پر اعتراض، شرح پر اعتراض، اور اوس کا جواب پھر اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب کہین ففیہ نظر، کہسی جگہ فتامل کی تشریح کو اصل کارنامہ سمجھا جاتا تھا، زمانہ کے اثر سے جناب شاہ صاحب بھی بہت متاثر نظر آتے ہین، اور جگہ جگہ اوسکو کھول کر طلبہ کے فہم کے مطابق بیان فرماتے ہین، قطب الدین رازی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی نے جو روش اختیار کی مابعد کے تمام علما متاخرین قدم بہ قدم اوسکی پیروی کرتے آئے،

ارشاد شرح الارشاد | نحو مین الارشاد نام ایک کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی کی ۸۴۹ھ کی تصنیف ہے، جناب شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھی ہے، اور اس کا نام "رشاد" رکھا ہے، اور مشہور ہے، کہ جناب شاہ صاحب کی یہ پہلی تصنیف ہے[1] یہ کتاب میری نظر سے نہین گذری، البتہ شاہ صاحب کی شرح "یعنی رشاد" پر ملک احمد بن ملک پیر محمد صاحب کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۹۰ صفحے کا ہے، اس سے مین اندازہ کرتا ہون کہ غالباً شرح اس سے زیادہ ضخیم یا کم از کم اسکے قریب ہوگی اور عام فہم ہوگی،

حاشیہ علی العضدی | یہ کتاب ۸/۲۰ تقطیع پر خط نسخ مین ہے، صفحات ۱۳۱ ہین، اسکی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ سیدنا الخلق وآلانبیاء والمرسلین قولہ وبهذا الاعتبار یندرج فی الادلۃ السمعیۃ" سے ہوتی ہے، اور اختتام ان فقرون پر ہے، فیرجع الظن لا التصدیق بان هذا احدہ لا ان نفس الحد ظنی. تمت

یہ کتاب رجب ۱۱۰۰ھ کی لکھی ہوئی ہے، یعنی شاہ صاحب کی وفات کے ۱۲ سال بعد کی ہے، کاتب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے، لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل کتاب سے کچھ

---

[1] مجموعہ حالات شاہ وجیہ الدین مصنفہ عبد المنعم مطبوعہ شہابی بمبئی، ص ۲۴،

ضائع ہوجانے کے بعد دوبارہ تحریر کرایا گیا ہے، ابتدا میں اور چند دوسری جگہوں میں خوشخط ہے، اور آخری صفحات میں معمولی، اور یہی معمولی کبیر محمد صاحب کا تحریر کردہ ہے، سطریں عموماً ۲۰، اور ۲۲ ہیں، کاغذ باریک چکنا اغلباً احمد آبادی ہے، "عضدیہ" چند صفحے کا ایک چھوٹا رسالہ فن مناظرہ میں ہے جس کے مصنف عضد الدین احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ ہیں، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ متعدد علما نے اس کی شرحیں اور پھر شرحوں کی شرحیں لکھیں، بعد کے علما نے پھر ان پر حواشی کا اضافہ کیا، متعدد شروح و حواشی اس کتب خانہ میں موجود ہیں حنفیہ شرح عضد شرح عضدیہ مصنفہ مولانا حسام الدین، حاشیہ علی الحنفیہ مولفہ میر ابو الفتح، ملّا حاشیہ علی حنفیہ مولفہ مولانا قرہ مٹی، فریدیہ حاشیہ عضدیہ مصنفہ مولانا فرید الدین، حاشیہ عضدیہ مولفہ جناب شاہ وجیہ الدین صاحب وغیرہ،

حاشیہ بیضاوی | یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا، دسویں اور گیارہویں صدی میں عرب و شام میں عام طور پر زیر درس تھا، لیکن فی الحال نایاب ہے، روضۃ الاولیا کے ص۳ میں درج ہے، "کہ یہ کتاب مدراس میں محمد عبد اللہ بن ناصر الدین عبد القادر کے پاس موجود ہے" میں جب مدراس میں تھا، تو جد و جہد کے باوجود بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عبد اللہ کون ہیں اور کس جگہ ان کا مقام ہے، اب خیال آتا ہے کہ شاید یہ عبد اللہ "عبید اللہ صاحب سابق قاضی شہر مرحوم مغفور" تو نہیں ہیں، قاضی صاحب موصوف کے صاحبزادے ہی اس عقدہ کو حل کر سکتے ہیں، جو خود بھی صاحب ذوق صاحب علم اور متقی بزرگ ہیں، اور مدراس میں کافی اثر رکھتے ہیں،

بہرحال اس وقت کتب خانہ میں بیضاوی پر جو حاشیہ ہے، وہ مظہر الدین محمد گازرونی کا ہے، اور اور شاہ صاحب نے بدست خود اوسکو نقل فرمایا ہے، آخری عبارت یہ ہے، "کتب الحواشی التی علی تفسیر البیضاوی للہروی المحقق مظہر الدین محمد گازرونی۔ اضعف عباد اللہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین العلوی وکان الاتمام بدار السلطنۃ احمد آباد وقت الاشراق۔" اس طرح سے جناب شاہ صاحب کی تحریر کا اصلی نمونہ بھی موجود ہے، ایک اور چھوٹا سا رسالہ بہ تقطیع کا میری نظر سے گذرا، اس میں کل ۹ صفحے ہیں، جناب سید محمد غوث گوالیاری پر جو اعتراضات کئے گئے تھے، اوسکے جواب میں ہے، اسکے

علاوہ اور چند منتشر اوراق بھی ملے ہیں جنمین سے بعض شرح ملا کا حاشیہ ہے، کچھ اوراق پر شرح وقایہ کا حاشیہ ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر جو حاشیہ تھا، کچھ حصہ اوسکا بھی موجود ہے، فن عروض پر کوئی کتاب تھی، چند اوراق اوس کے بھی محفوظ رہ گئے ہین، ایک مجموعۂ اوراق فن منطق مین ہے، اور دوسرا نحو مین بعض خطوط بھی ہین، لیکن سب نامکمل

چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہین،

(۱) شرح البسیط للعلوی۔ فرائض مین ہے، اس کی ابتدا یون ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الافضل من بعدہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ الحمد للہ افتتح الکتاب چوب قلم اور خط نستعلیق ہے، خوش قسمتی سے یہ نسخہ مکمل ہے آخر کے الفاظ یہ ہین، قد وقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برھان الموحدین حجۃ العاشقین شاہ وجیہ الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز۔ کہین کہین حاشیہ عبد الرحیم صاحب کا بھی ہے بتقطیع ۸x۶

(۲) حاشیۃ العلوی علی شرح النخبہ اصول حدیث مین ہے نسخہ کامل ہے، خط اوس کا نستعلیق ہے ابتدا مین ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ۔ اللھم صلے علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون۔ وغفل عن ذکرہ الغافلون قال الشیخ الامام والحمد للہ الذی وفقنا وھدانا لھذا وما کنا لنوفق۔ ونھدی لولا ان وفقنا،

اس کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین بھی موجود ہے،

(۳) حاشیۃ التلویح للعلوی، یہ ضخیم کتاب ہے، گو کامل ہے مگر بوسیدہ بخط نسخ، اسکی ابتدا سطح کی گئی ہے، رب یسر وتمم بالخیر وبہ یستعین کل سقیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین قولہ احکم بکتابہ اصولہ الشرعیۃ اور آخر مین ہے، ھذا آخر الکتاب بعون اللہ الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ مندرجۂ بالا کتب جامع مسجد بمبئی کے کتبخانہ مین ہین،

(۴) حاشیہ علی شرح جامی للعلوی، ابتدا میں ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے، قولہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ۔ اختلف عبارا تہم فی تعریف الحمد کل ۲۴۰ صفحے ہیں، متوسط تقطیع، اور آخر میں ہے، کہ قد تم ہٰذہ الحاشیۃ الشریفۃ لمولانا........ وجیہ الدین علی شرح مولانا عبد الرحمٰن جامی للکافیہ فی التاریخ السابع والعشرین (العشرین) من شعبان المعظم فی سنہ الواحد والثمانین والف علی ید احقر عباد اللہ محمد عنایت اللہ بن عبد العزیز (عبد) اللطیف

(۵) رسالۃ ترتیب ارکان الصلوٰۃ للعلوی، چند اوراق عربی زبان میں ہیں، کتاب کا منشاء نام سے ظاہر ہے، یہ دونوں کتابیں بمبئی کے مشہور کوکنی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی اے کے ذاتی کتبخانہ میں ہیں، اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھروچ میں جناب قاضی نور الدین صاحب کے کتبخانہ میں بھی ہے، مگر آخر سے ناقص ہے

(۶) وافیہ شرح کافیہ، ناقص از ابتداء و وسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ میں ہے تقطیع متوسط اور کرم خوردہ ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے کاتبہ ولد حامد بن شاہ وجیہ الدین علوی

(۷) رسالۃ توضیحی فی الھیئۃ فارسی اس کتاب پر حضرت شاہ علوی کا حاشیہ ہے، مختلف نقشے بھی ہیئت کے ہیں، بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے یہ بھی قاضی صاحب موصوف کے حصہ میں آیا ہے

(۸) حواشی علی المنھل للعلوی، اسکے ابتدا میں ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قولہ موردہا ومصدرہا، اور اوسکے آخر میں ہے، ولیس ھذا لقید للجمع وانما ھو بیان لا طلاق ای طلاق الجمع، کل صفحے ۹ ہیں، خط نسخ ہے، تقطیع ۱۴ فی صفحہ، اسطر ہیں، بٹن کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و محمد سعید قطب کے ذاتی کتبخانہ میں یہ موجود ہے،

(۹) حاشیہ علی شرح وقایہ للعلوی:۔ ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع خط نستعلیق خوشخط ہے تقریباً چھ سو صفحات ہونگے، درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب ہے اول آخر سے ناقص ہے

(۱۰) شرح شواہد المنھل ناقص از اول،

تلخیص و تبصرہ

"ترکی اور مصر مین تعلیم جدید کی تحریک"

رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ نمبر مین ایک مقالہ مذکورہ بالا عنوان سے نکلا ہے، جو ہم مسلمانون کے غور کے لائق ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:

"مغربی تمدن کو از سر نو زندہ کرنے اور اُسے زمانۂ حال کے مطابق بنانے کی خواہش نیز اُن قریب تر تعلقات نے جو ممالک اسلامیہ اور مغربی معاشرت و خیالات کے درمیان قائم ہو گئے ہین تمام مشرق قریب کے اسلامی نظام تعلیم مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین، مصر اور ترکی اس جدید تحریک مین پیش پیش ہین، لیکن شام، فلسطین، اور عراق پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا ہے، اگرچہ یہ اثر مصر اور ترکی کے اثر سے کسیقدر مختلف ہے، تعجب یہ ہے کہ مغربی تمدن کی خواہش کے ساتھ ساتھ مصر اور ترکی مین دول عظمیٰ کی جانب سے کشیدگی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جاتی ہے، اس امر مین ترکی اور مصر کے کسی قدر مختلف طرز عمل کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ترکی نے ایک جمہوری سلطنت قائم کر لی ہے اور اب وہ ہر چیز کو خالص قومی رکھنا چاہتی ہے، علاوہ برین وہ حقیقۃً یا بہ خیال خود جنگ عظیم کے بعد سے مغربی حکومتون پر اعتماد نہ کرنے کا ایک مزید سبب بھی رکھتی ہے، برخلاف اس کے مصر برطانوی اثر اور ایک بہتر حکومت سے سالون مستفید ہو چکا ہے جس کا اعتراف کامل آزادی کے موجودہ مطالبہ کے باوجود مشاہیر اہل مصر بھی کرتے ہین، مصر اور ترکی کے تعلیمی نظام مین ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ مصر مین تعلیم کی مذہبی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہین،

البتہ اس مین زمانۂ حال کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہتے ہین اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہین کہ دول اسلامیہ مین مصر سب سے آگے ہو اور اس کی مذہبی حیثیت اور تمام حیثیات سے زیادہ نمایان ہو لیکن ترکی مین قومیت زیادہ فروغ حاصل کر رہی ہے اور اسلام وہان دوسرے درجہ پر ہے، مصر کی طرح وہان بھی ہر جدید اور سائنٹفک شے کے حصول کی زبردست خواہش ہے لیکن اُسے ترکی ہونا چاہئے؛ عربی زبان یا عربی لٹریچر پر اب بہت کم توجہ کیجاتی ہے اگرچہ نصاب تعلیم مین علوم دنیوی کی حیثیت زیادہ نمایان ہے تاہم جمہوریہ کے بچون کے لیئے دینیات کا بھی ایک باقاعدہ نصاب ہے، اور مختلف درجون کے لیے درسی کتابین شائع کیجاتی ہین: ذیل مین چند اقتباسات ان کتابون کے درج ہین جو ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ کے لیے جون ۱۹۲۸ء مین سرشتۂ تعلیم کے تعلیمی کمیشن نے منظور کی ہین:-

"اسلام مین مذہب عیسوی کے پادریون کی طرح مخصوص مقرر شدہ پیشوا نہین ہین، ہر شخص برابر ہے، ہر مسلمان جو امام کے فرائض ادا کر سکتا ہے نماز پڑھا سکتا ہے۔ عیسائیت مین ایسا نہین ہے، اگر کوئی پادری نہ ہو تو عیسائی عبادت نہین کر سکتے۔"

مذہبی اور قومی ایمان کی تعریف یون کیگئی ہے:-

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے، جنھون نے ہمکو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہین، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات کو اور ہمکو پیدا کیا قدیر ہے، ہم پورے طور سے یہ نہین جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے۔ . . . . بچو تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگون مین اتحاد پیدا کرتا ہے اور اُن کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ پیغمبر صلعم، اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہین، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہین، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائیگا، اور ہمیشہ دشمنون پر فتحیاب ہوگا، جسوقت ترک کا نام لیا جاتا ہے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، مین اُن لوگون سے محبت کرتا ہون جو میری قوم اور میرے ملک کے لیے مفید ہین، جو میرے محبوب ملک کو

نقصان پہنچاتے ہین، اُن سے مجھے مطلق محبت نہین ہے۔"

مذہب کی تعریف ان الفاظ مین کیگئی ہے:-

"ذیل کے دو جملون سے مذہب اسلام کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اسلام کے معنی ہین، خدا ایک ہے، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہین ہے اور محمد صلعم خدا کے پیغمبر ہین، جو لوگ ان الفاظ کے معنی پر ایمان رکھتے ہین وہ مسلمان ہین، بچو تم دیکھتے ہو کہ اسلام سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سچا مذہب ہے، مسلمانون کی مقدس کتاب قرآن ہے، اس کتاب مین اللہ تعالیٰ کے احکام لکھے ہوئے ہین، ہم قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہین، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو ہمکو اخلاق کی تمام خوبیان سکھاتی ہے۔"

مصر مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ اسلامی تعلیم کی قدیم اور جدید شکلون کی کشمکش ہے، کیونکہ یہان جیسا کہ اسلامی تعلیم کی تاریخ مین ہمیشہ رہا ہے مذہبی عنصر غالب ہے، قدیم نظامِ تعلیم مین قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی تعلیم قرآن کے ساتھ فقہ بھی شامل تھی، جسکی بنیاد زیادہ تر قرآن اور حدیث پر ہے، اس کے علاوہ نصاب مین عربی ادب کی ناقدانہ تعلیم بھی داخل تھی، وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششین ہوتی رہی ہین، جیسا کہ سید رشید رضا اور دوسرون کی سعی سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس وقت تک قدامت پرست حلقون کی طرف سے بنیادی تبدیلیون کی سختی سے مخالفت جاری ہے اس قسم کی مذہبی بنیاد کی موجودگی مین کوئی تعجب نہین کہ قرآن اور حدیث کے جدید ناقدانہ مطالعہ نے کسی قدر حیرت خیز انقلابات پیدا کر دیئے ہین، جدید تنقیدات کے علاوہ اور اسباب بھی کارفرما تھے، جامع ازہر کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان طلبہ کے مقابلہ مین جو مصر کی سرکاری یونیورسٹی یا یورپ کے ملکون مین تعلیم حاصل کرتے تھے ملازمتین نہین ملتی تھین، یہ امر دلچسپی سے خالی نہین کہ اصلاح کا موجودہ مطالبہ خود طلبائے ازہر کی جانب سے ہوا ہے، حالانکہ جب یہ اصلاحات محمد عبدہ اور اُنکی جماعت نے پیش کی تھین تو انھین طلبہ نے خصوصیت کیساتھ انکی مخالفت کی تھی،

جامع ازہر کی تعمیر ۹۷۰ء مین چوتھے فاطمی خلیفہ کے دورِ حکومت مین ہوئی تھی، اس مین ایک عام کتبخانہ ہے جو "مرکزی کتبخانہ ازہر" کے نام سے مشہور ہے، یہ ۱۸۹۷ء مین قائم ہوا تھا اور اس مین (۵۰۹۷۴) مطبوعہ اور قلمی کتابین

ہین، اس مرکزی کتبخانہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتبخانے اور بھی ہین، علاوہ برین (۶۰۰۰) سے زیادہ کتابون کا ایک ترکی ذخیرہ ہے، شام اور شمالی مصر کے بھی دو ذخیرے ہین جنمین سے شمالی مصر کی کتابون مین زیادہ تر قدیم مخطوطات ہین، اساتذہ کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہے اور طلبہ کا شمار دس اور بارہ ہزار کے درمیان، ان مین زیادہ تعداد مصریون کی ہے، باقی شام، ترکی، افریقہ، افغانستان، عراق، بورنیو، ہندوستان، جاوا، ایران، اور دوسری چھوٹی چھوٹی اسلامی جماعتون سے آئے ہین، جامعہ کا ایک شیخ اور ایک مددگار شیخ ہے، ان کے علاوہ بارہ ارکین کی ایک مجلس انتظامیہ بھی ہے جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا ہے، ازہر کے علاوہ اسی قسم کے تعلیمی ادارے اسکندریہ، طنطا، اسیوط، دمیاط اور زقازق مین بھی ہین، مسجدون مین جو مدرسے ہین انکی تعداد نہایت کثیر ہے اور ایسے مدرسے صرف شہرون ہی مین نہین ہین بلکہ اکثر دیہاتون مین بھی ہین،

دوسرا بڑا تعلیمی نظام مصری حکومت کا ہے، اس مین وزارتِ تعلیم کے ماتحت جدید طرز کے حسب ذیل ادارے شامل ہین؛ مردون اور عورتون کے لیے ابتدائی ٹریننگ کالج، لڑکون اور لڑکیون کے لیے ابتدائی اور ثانوی مدارس، مدرسۂ قانون۔ مدارس زراعت، تجارت، انجینرنگ، طب و دواسازی، مردون اور عورتون کے لیے ایک بڑا ٹریننگ کالج، شیوخ کی تعلیم کے لیے ایک دارالعلوم، ان کے علاوہ قاہرہ، اسکندریہ، اور دوسرے بڑے شہرون مین صنعتی، حرفتی، اور تجارتی مدارس بھی ہین،

غرض مصر مین دو نظام تعلیم قدیم اور جدید، ساتھ ساتھ جاری ہین، مغربی اثر کی روز افزون ترقی کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ یہ صورتِ حال ہمیشہ قائم رہتی اور بالآخر جامع ازہر کے طلبہ نے اصلاحات کا مطالبہ کیا، انھون نے حکومت کے سامنے اپنے معاملات کو پیش کرنے کے لیے متعدد وفود بھیجے، افسرانِ حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ انھون نے طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، محمد خالد حسنین بے نے جو محکمۂ ادارات مذہبی سے تعلق رکھتے ہین ۱۹۲۵ء مین نہایت احتیاط کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کیا، انھون نے شروع ہی مین تعلیم کے مذہبی پہلوؤن مین مداخلت نہین کی، وہ صرف جامعہ کے طرزِ معاشرت مین ضروری اصلاحات کرنا، نصاب کے سائنٹفک حصہ کو

تقویت دینا، اور جامع ازہر کے نصاب تعلیم کو سرکاری مدرسون کے نصاب کے برابر کردینا چاہتے تھے،

اگست اور ستمبر ۱۹۲۸ء مین جامع ازہر کی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی قاہرہ مین بیٹھی تھی اسکی یہ متفقہ رائے تھی کہ اس کے معیار کو مذہبی اور علمی دونون حیثیتون سے زیادہ بلند کرنا چاہئے، تاکہ نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیائے اسلام مین اس کا اثر وسیع تر ہوجائے، اس مقصد کے حصول کے لیے کمیٹی نے شرائط ذیل کا پورا ہونا ضروری قرار دیا،

اصول و قوانین مذہب کی تحصیل اُسی طریقہ سے کیجائے جسطرح اسلام کے عہد زرین مین کی جاتی تھی،

عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم مین جو قدیم طریقے مستعمل ہین وہ اگر بالکل چھوڑ نہ دیئے جائین، تو کم سے کم ان مین بنیادی ترمیم ضرور کردیجائے اور اُن کے بجائے ایک جدید طریقہ سائنٹفک اصول پر رائج کیا جائے،

نصاب مین دینیات اور عربی زبان کی تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ ہونی چاہئے لیکن وہ مضامین بھی داخل کرنے جائین جو وزارت تعلیم نے تمام ملک کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تجویز کئے ہین، اگر ایسے نصاب پر عمل کیا گیا تو جامع ازہر کے طلبہ کی منفرد اور جداگانہ حیثیت باقی نہ رہیگی جیسا کہ اتنی مدت تک رہی ہے بلکہ وہ آزادی کے ساتھ مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ مین شامل ہوسکین گے، اور جدید عالم اسلامی کے مذہب اور تمدن کی مدد مین بیش قیمت حصہ لے سکین گے، مسجدون مین جو مدرسے ہین اُن کا نصاب بھی بالکل سرکاری مدرسون کے نصاب کے مطابق ہونا چاہئے، البتہ اس مین دینیات اور عربی زبان کی مزید تعلیم بھی شامل ہو،

لیکن جامع ازہر کی موجودہ تحریک کے خلاف اب بھی مصر مین بہت کافی مخالفت ہورہی ہے، دونون طرف سے کتابین اور رسالے شائع کئے جارہے ہین اور ہفتہ وار اور روزانہ اخبارون مین مضامین نکلتے رہتے ہین،

مختصر نویسی کی مختصر تاریخ

مختصر نویسی کا ذکر اول اول ۵۰۰ قبل مسیح مین رومن شاعر کوئنٹس انیس کے سلسلہ مین آتا ہے، جس نے زود نویسی کیلئے گیارہ سو علامتون کا ایک جدید طریقۂ تحریر ایجاد کیا تھا، حضرت عیسیٰ سے کئی سو برس پہلے عبرانیون نیز ایرانیون مین الفاظ کو مختصر

کرنیکا کوئی طریقہ رائج تھا، لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہین کہ مختصر نویسی کیلئے خاص حرف یا دوسری مخصوص علامتین استعمال کی جاتی تھین،

مختصر نویسی کے استعمال کی پہلی متعین اور یقینی شہادت پلوٹارک کے بیان سے ہوتی ہے وہ لکھتا ہے، کہ کیٹیلائنا کی سازش پر جو مباحثہ رومن سینٹ مین ۶۳ ق م مین ہوا تھا، اسمین سسرو کی مشہور تقریر مختصر نویسی ہی کے ذریعہ قلمبند کیگئی تھی،

مختصر نویسی کے طریقہ کا موجد سسرو کا آزاد کردہ غلام ٹائرو تھا، اس زمانہ کے بہتیرے غلامون کی طرح وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، آزادی حاصل کرنیکے بعد وہ سسرو کا سکرٹری اور معتمد ہوگیا، ان دنون مختصر نویسی کیلئے چھوٹی چھوٹی تختیان استعمال کیجاتی تھین جن پر موم کی ایک تہ ہوتی تھی، ان مومی تختیون کے حاشیئے اٹھے ہوتے تھے، (جیسے سلیٹ کا چوکھٹا ہوتا ہے) تاکہ بند کرنے پر تحریر کو نقصان نہ پہنچ سکے، یہ تختیان گوشون پر تار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھین، اور بہت سی تختیان اس طرح باندھی جاسکتی تھین، جس کتاب مین دو ہی تختیان ہوتی تھین اوسے ڈپلوما (DIPLOMA) کہتے تھے، سرکاری ملازمتون پر تقرر کا پروانہ اسی شکل مین دیا جاتا تھا، لکھنے کیلئے جو قلم استعمال کیا جاتا تھا اوسکی نوک ہاتھی دانت یا لوہے کی ہوتی تھی اور دوسرا سرا چپٹا ہوتا تھا تاکہ اگر اوس تختی پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہو تو حروف مٹاکر موم پھر برابر کردی جائے،

مختصر نویسی کا ذکر سسرو، ہوریس، لیوی، اووِڈ، مارشل، بلینی، ٹیسیٹس اور سوٹونیس کی تصانیف مین ملتا ہے، سسرو خود ایک مختصر نویس تھا، جیساکہ وہ اٹیکس کو لکھتا ہے:-

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ مین نے ان دس نائبون کے متعلق تمکو لکھا تھا، اوسے تم نے سمجھا نہین کیونکہ مین نے تمھین مختصر نویسی مین لکھا تھا"، جولیس سیزر بھی مختصر نویس تھا، شاعر اووِڈ اس کے متعلق لکھتا ہے "اُن علامات کے ذریعہ سے راز کی باتین سمندر پار دور دراز مقامات پر پہنچتی تھین"

قدیم مسیحی کلیسا کے عروج کے ساتھ ساتھ ٹائرو کے قواعد مختصر نویسی مین بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، یہ فن "اہل ایمان" کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا، لیکن اوسکو سیکھنا اب کہین زیادہ مشکل ہوگیا، حال کے بعض مورخین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو خطبہ کوہ زیتون پر دیا تھا، اوسے لوقا نے مختصر نویسی مین قلمبند کیا تھا، اور پولوس نے کلسیون کو جو خطوط بھیجے تھے، و

مختصر نویسون کو لکھا دئے تھے، اغسٹائین دس مختصر نویسون سے کام لیتا تھا،

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیون مین مختصر نویسی کا رواج کثرت سے تھا، اور اس فن کی ضرورت عام طور پر محسوس کیجاتی تھی چنانچہ اغسٹائین کا بیان ہے کہ ایک بار رومہ کے مختصر نویسون نے اسٹرائک کر دی اور بالآخر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے، لیکن جب سلطنت رومہ کا زوال شروع ہوا تو اس فن کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی، چنانچہ شہنشاہ جسٹنین نے سرکاری کاغذات کے لئے اس طریقہ تحریر کو ممنوع کر دیا، بعد مین فریڈریک ثانی نے مختصر نویسی کے تمام حروف کو "ساحرانہ اور شیطانی" قرار دیکر نیست و نابود کر دینے کا حکم نافذ کیا، پھر قرون مظلمہ کا دور آیا اور قریبًا ایک ہزار سال تک تمام علوم و فنون دنیا (عیسائی دنیا) سے غائب رہے اسکے بعد نشاۃ جدیدہ کا زمانہ آیا اور مختصر نویسی کے احیاء کا اظہار اول اول اٹلی کے مشہور مصلح سیونارولا کی تقریرون سے ہوا، جن کو ایک قسم کے مختصر طرز تحریر مین لارنزو وایولا نے قلم بند کیا تھا،

دور جدید مین مختصر نویسی کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹموتھی برائٹ نے رائج کیا، ۱۵۸۸ء مین اونھون نے اس موضوع پر ایک کتاب لندن مین شائع کی جس کا عنوان تھا "کیرکٹری" یعنی مختصر، تیز، اور مخفی تحریر کا فن "فن مختصر نویسی" کے بہت سے نام رکھے گئے، "کیرکٹری" مقبول نہین ہوا، بجائے اوسکے برانچیگریفی (BRANCHYGRAPHY) ٹیچیگریفی (TUCHYGRAPHY) سٹینوگریفی اور بہت سے دوسرے نام بدلے گئے،

برائٹ کا طریقہ تحریر بالکل بے قاعدہ تھا، اسمین صرف علامتون کی تفصیل تھی، جو الفاظ کے بجائے استعمال کیجاتی تھین، حروف تہجی کے ساتھ سب سے پہلے جان وِلس نے مختصر نویسی کا ایک طریقہ ۱۶۰۲ء مین شائع کیا اسکے بعد سے اس فن مین مسلسل ترقی ہوتی رہی، اور آیندہ ڈیڑھ صدی مین اس کے دو سو سے زیادہ طریقے شائع ہو گئے، ۱۸۳۷ء مین آئزک پٹمین نے سٹنوگریفک ساؤنڈ ہینڈ (STENOGRAPHIC SOUND HAND) کے نام سے ایک طریقہ شائع کیا، جو ۱۸۴۰ء مین تجدید کے بعد فونوگریفی کے عنوان سے چھپا، ۱۸۸۸ء مین جان رابرٹ گریگ نے لائٹ لائن فونوگریفی LIGHTLINEPHONOGRAPHY شائع کی، اور اسمین آواز کا اصول اختیار کیا، اگرچہ مختصر نویسی کے فن مین ۱۸۸۸ء کے بعد سے کچھ ترقی ہوئی ہے تاہم اس کے خاص خاص اصول بدستور قائم ہین،

"سٹیٹسمین" "ع ز"

اخبار علمیہ

۱۹۳۲ء میں انگریز خواتین کے کارنامے

موجودہ مغربی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ معاشرت کے ہر شعبہ میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش نظر آرہی ہیں اور اب تک جو امتیازات مردوں کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے ان میں عورتیں بھی برابر کی شریک ہوتی جاتی ہیں، چنانچہ گذشتہ سال انگریز خواتین نے مردوں کے مقابلہ میں جو کارنامے دکھائے ہیں انکی مختصر فہرست حسب ذیل ہے :-

مسز مولیسن (Mrs. Mollison) کا ہوائی سفر انگلستان سے راس امید (افریقہ) تک اور پھر راس امید سے انگلستان تک ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے فن ہوا بازی کے تمام پیشتر کارناموں کو شکست دیدی ہے،

مس امیلیا ایرہارٹ (Miss Amelia Earhart) پہلی خاتون ہیں جنھوں نے تنہا بحر اوقیانوس کو ایک طیارہ پر عبور کیا اور نیوفاؤنڈلینڈ سے آئرلینڈ تک کا سفر صرف ساڑھے تیرہ گھنٹوں میں طے کیا، ان سے پہلے دو آدمی اور اس بحر اعظم کو عبور کر چکے تھے، لیکن پرواز سب سے زیادہ تیز انہی کی تھی،

ماسٹر آف سرجری کی ڈگری طب کی اعلیٰ ترین ڈگریوں میں ہے، انگلستان میں ابتک صرف چھ عورتوں نے یہ ڈگری حاصل کی ہے، اسی طرح ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کی ڈگری بھی ایک نہایت اعلیٰ ڈگری ہے جو پہلی بار بہت کم لوگوں کو ملتی ہے، لیکن مسز فلپا مارٹن (Mrs. Philippa Martin) نے یہ دونوں ڈگریاں پہلے ہی امتحان میں حاصل کرلیں، یہ وہ امتیاز ہے جو آج تک کسی عورت کو نصیب نہ ہوا تھا،

ایک دوسری خاتون مسز ہیرسن (Mrs Harrison) نے چیرنگ کراس ہسپتال کے میڈکل اسکول مین جو انگلستان کے مشہور طبی ادارون مین ہے، دس اول انعامات حاصل کئے،

مس ایڈتھ باتھرسٹ (Miss Edith Bathurst) پہلی خاتون ہین جنکو لندن یونیورسٹی کی ڈاکٹر آف میوزک کی ڈگری عطا ہوئی،

موٹرون کی دوڑ مین اوّل انعام دو عورتون مسز وزڈم (Miss Wisdom) اور مس رچمنڈ (Miss Richmand) کو ملا، یہ دوڑ ایک ہزار میل کی تھی اور اس مقابلہ مین بہت سے مرد شریک تھے، ان عورتون کے موٹر کی اوسط رفتار ۴۸ میل فی گھنٹہ تھی،

علمی میدان مین سب سے ممتاز کارنامہ مس باربرا فلاور (Miss Barbara Flower) کا تھا، انکی عمر صرف بیس سال ہے اور یہ آکسفورڈ مین تعلیم پاتی ہین، یہ پہلی خاتون ہین جنھون نے کریون اسکالرشپ (Craven Scholarship) حاصل کیا، یہ انعام لاطینی اور یونانی زبانون کی اعلیٰ ترین استعداد پر دیا جاتا ہے، اور مس فلاور سے پہلے صرف ایک ہی عورت نے اس کے لیے مقابلہ کرنے کی ہمت کی تھی۔ "ع ز"

ریڈیم اور جراثیم

ایک مشہور جرمن ڈاکٹر نے یہ ثابت کیا ہے کہ جن جراثیم سے امراض پیدا ہوتے ہین ان کے توالد وتناسل پر ریڈیم کا نہایت مہلک اثر پڑتا ہے، چنانچہ اس نے خون مین سمیت پیدا کرنے والے اور پیپ پیدا کرنے والے جراثیم سے بہت سے بچے تیار کئے اور سب کو ایک ایسے مادے مین ڈبو دیا جس مین ریڈیم کی نہایت قوی شعاعین پڑ رہی تھین، نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنون مین وہ سب بچے بانجھ ہو کر رہ گئے،

خون کی جدید قسمین

اطبا کے نزدیک خون کی چار قسمین مشہور ہین، اس لیے اگر ایک انسان کے جسم کا خون دوسرے انسان کے جسم مین پہنچانا چاہین تو پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دونون ایک ہی قسم کے ہین، ورنہ اس سے بڑا ضرر پہنچیگا

اب ایک ڈاکٹر نے خون کی دو اور قسمین دریافت کی ہین اور اس انکشاف سے اجسامِ انسانی مین خون کے پہنچانے کا طریقہ زیادہ کامیاب ہوگیا ہے،

پھولون کا اثر صحت پر

بہت سی عورتین رات کو اپنے سونے کے کمرے مین پھول رکھ لیتی ہین، لیکن بہت سے واقعات ایسے رونما ہوئے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ پھولون سے بالخصوص جب کمرہ چھوٹا ہو اور اس مین بہت سے سونے والے ہون سمیت پیدا ہوجاتی ہے، اور زیادہ تر اس کا اثر بچون پر پڑتا ہے، اس لیے سونے کے وقت عورتون کو اپنے کمرون مین پھول نہین رکھنا چاہیے،

تنوعِ اغذیہ کا اثر دانتون پر

وحشیون کے دانت متمدن قومون کے دانتون سے بہتر ہوتے ہین اور انسان تمدن مین جسقدر ترقی کرے گا، اس کو دانتون کی حفاظت کی ضرورت زیادہ ہوگی، لیکن موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ دانتون کے ضعف کا سب سے بڑا سبب مختلف قسم کی غذائین ہین، بعض اطباء کے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے کہ نباتاتی غذائین یا اس کے برعکس لحمی غذائین دانتون کے لیے بہتر ہوتی ہین، چنانچہ قبیلۂ اسکیمو کے لوگ زیادہ تر گوشت کھاتے ہین، حالانکہ ان کے دانت بہتر حالت مین ہین، اسی طرح جو لوگ سبزی پر اکتفا کرتے ہین اُن کے دانت بھی عمدہ حالت مین پائے جاتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس غذا کی نوعیت کا اثر دانتون پر تنوعِ اغذیہ سے کم پڑتا ہے، بالخصوص بچون اور نابالغون کے دانتون پر بالغ لوگون سے زیادہ اسکا اثر پڑتا ہے،

سفید و سیاہ رنگ کے کپڑون کا اثر سردی گرمی پر

سفید رنگ کا یہ اثر ہے کہ وہ سورج کی شعاعون کو منعکس کر دیتا ہے، اس لیے سفید کپڑے ان شعاعون کو منعکس کر دیتے ہین اور ان کو جسم تک نہین پہنچنے دیتے اسی لیے لوگ گرمیون مین سفید کپڑے پہنتے ہین،

تاکہ سورج کی گرمی سے محفوظ رہین، لیکن سیاہ رنگ سورج کی شعاعون کو جذب کرلیتا ہے، اس لئے لوگ جاڑو مان
مین سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہین تاکہ اُن کے ذریعہ سے جسم تک سورج کی شعاعون کا اثر پہنچ سکے،

جوتون مین برقی روشنی

امریکہ مین جوتون کے بعض کارخانون نے ایک قسم کے جوتے ایجاد کئے ہین جنمین بجلی کی بیٹری ہوتی ہے، اوران مین ایک برقی بٹن لگا رہتا ہے جس کے دبانے سے روشنی ہوجاتی ہے، اورانسان اندھیرے مین بآسانی چل سکتا ہے،

جانورون کی تہذیب

افریقہ مین مختلف قسم کے جانور ہین، جو پانی پینے کے لیے آتے ہین تو باہم ایک دوسرے کے انتظار مین نہایت سکون ومتانت کے ساتھ کھڑے رہتے ہین، اور باہم پانی پینے کے لیے کوئی کشمکش نہین کرتے بلکہ ہرایک دوسرے کو اپنے سے پہلے پانی پینے کا موقع دیتا ہے،

نیند کا سبب

نیند کا سبب ہمیشہ ایک دقیق علمی مسئلہ خیال کیا گیا ہے، لیکن ایک امریکن عالم کا جدید نظریہ یہ ہے کہ جسم کے عضلات ڈھیلے پڑجاتے ہین، اسلئے جو اشارات ان کے ذریعہ سے دماغ تک پہنچتے رہتے ہین وہ بالکل بند ہوجاتے ہین اور چونکہ یہی اشارات دماغ کو بیدار رکھتے ہین، اسلئے اب دماغ بیدار نہین رہ سکتا، تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جسم کے عضلات بتدریج ڈھیلے ہوتے جاتے ہین یہانتک کہ رات کے ہونے تک بالکل ڈھیلے پڑجاتے ہین، یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ عضلات جس قدر کم ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر جسم کی حرارت زیادہ ہوتی ہے، اور جس قدر زیادہ ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر یہ حرارت کم ہوتی ہے،

"ع"

ادبیات

ترانۂ شعراء

از جناب اسد ملتانی، بی اے

عاشقی کا فسانہ ہین ہم لوگ　　زندگی کا ترانہ ہین ہم لوگ

روح کے سازِ غیر فانی کا　　نغمۂ عاشقانہ ہین ہم لوگ

حُسن کے نورِ جاودانی کا　　جلوۂ دلبرانہ ہین ہم لوگ

بولنا چاہتے ہین عشق اور حُسن　　گفتگو کا بہانہ ہین ہم لوگ

طور کا واقعہ سُنا ہو گا　　اُسکا اک شاخسانہ ہین ہم لوگ

روحِ خوابیدہ کے جگانے کو　　غیب کا تازیانہ ہین ہم لوگ

زلفِ جان کو سنوارنے کیلئے　　دستِ قدرت مین شانہ ہین ہم لوگ

نور اپنا ہے دوسرون کیلئے　　شمعِ بیرونِ خانہ ہین ہم لوگ

چل رہے ہین مگر نہین معلوم　　کس طرف کو روانہ ہین ہم لوگ

مست رہ کر بھی رنگِ عالم کو　　دیکھتے عارفانہ ہین ہم لوگ

ہوش افراط و بیخودی تفریط　　حالتِ درمیانہ ہین ہم لوگ

آگہی ہے ہماری بے خبری　　معرفت کا خزانہ ہین ہم لوگ

رمزِ اسرارِ دین و ایمان کی — صورتِ کافرانہ ہین ہم لوگ
دیکھ لو اس مین صورتین اپنی — ایک آئینہ خانہ ہین ہم لوگ
اس لیے ہم شکار ہوتے ہین — واقفِ دام و دانہ ہین ہم لوگ
تیر کیسا؟ کہان کا تیر انداز؟ — آپ اپنا نشانہ ہین ہم لوگ
سب سے بیگانہ اور سب کے دوست — اس روش مین یگانہ ہین ہم لوگ
جانتے جبۂ فقیری کو — خلعتِ خسروانہ ہین ہم لوگ
کبھی پیرانِ پارسا کیساتھ — شاملِ پنجگانہ ہین ہم لوگ
کبھی خوبانِ خوشنوا کیساتھ — محوِ چنگ و چغانہ ہین ہم لوگ
باوجودِ کمالِ رسوائی — نازشِ ہر زمانہ ہین ہم لوگ
برق حسرت سے دیکھتی ہے ہمین — کہکشان آشیانہ ہین ہم لوگ
کیون نہ سجدے کرے جبینِ خیال — آسمان آستانہ ہین ہم لوگ

کون اسد ہم کو بھول سکتا ہے؟
"یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ"

راحت کدہ

از جناب اثر صہبائی، بی اے ال ال بی

جناب اثر نے راحت کدہ کے عنوان سے پر اثر نظمون کا ایک مجموعہ ترتیب دینا چاہا ہے، جو حقیقت مین راحت کدہ کے بجاے غمکدہ ہے، راحت، شاعر کی رفیقۂ حیات کا نام تھا جس نے افسوس کہ داغِ مفارقت دیا، شاعر کے اسی المناک ترانۂ غم کا نام راحت کدہ ہے، انھین مسلسل

آنسوؤن کے دو قطرے، ذیل کی یہ دو نظمین ہین،

"اڈیٹر"

۱

لب پر آ ئے ترے نہین نہ کہین
ٹوٹ جائے دلِ حزین نہ کہین

چارۂ دردِ زندگی نہ ہوا
اک خلش سی رہی کہین نہ کہین

آشنا ہو کے آستان سے ترے
پھر کبھی جھک سکی جبین نہ کہین

ڈر رہا ہون کہ اس کی باتون پر
دل کو آجائے پھر یقین نہ کہین

اے آثر میرے رختِ ہستی کو!
پھونک دے آہِ آتشین نہ کہین

۲

یہ سلسلۂ حیات کیا ہے!
یہ غم کی طویل رات کیا ہے!

آغوشِ فنا مین ہے ہراک شے
یہ محفلِ بے ثبات کیا ہے!

دل بیٹھ نہ جائے بارِ غم سے
بیچارے کی کائنات کیا ہے!

ہے چپ سی لگی ہوئی آثر کو،
معلوم نہین کہ بات کیا ہے!

مطبوعات جدیدہ

خاتم النبیین ، (حصہ دوم) از جناب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، ناشر منیجر بکڈپو، تالیف و اشاعت، قادیان، (پنجاب) ۵۶۴ صفحات، جلد خوبصورت، قیمت درج نہین،

"خاتم النبیین" قادیان کی جماعت احمدیہ کی جانب سے آنحضرت صلعم کی سیرت مین شائع ہوئی ہے، اسکا حصہ دوم زیر نظر ہے، جس مین آپکی مدنی زندگی ۵ھ تک پیش کیگئی ہے، کتاب کا نمایان وصف مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کا رد ہے،

اگرچہ مؤلف نے کتاب مین اپنے کو محض ایک "مورخ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے غیر مسلم مورخین کے جوابات دیئے ہین، تاہم بعض موقعون پر اس آزاد نگاری کے ادعا کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی خاص نوع کے جماعتی (قادیانی) اقوال وعقائد سے جکڑا ہوا ہے، اور وہ واقعات کو کھینچ تان کر اشارۃً اونہی جماعتی عقائد وخیالات پر لانا چاہتا ہے، مثلاً دورِ حاضر مین اسلامی غلامی کو بھی ناجائز بتانا، یا حضرت عائشہؓ کی اس روایت مین جسمین انھون نے اپنے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر بتائی ہے، ان کے اندازہ کی غلطی بتانا، یا مثلاً حضرت زینبؓ کے "آسمان پر نکاح پڑھائے جانے" کا "امکان" تسلیم کر کے اس امکان کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کرنا، یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ہین، جنکا یہان استقصاء مقصود نہین، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ کتاب محنت اور کوشش سے لکھی گئی ہے، اس کا افسوس ہے کہ صحابۂ کرام کے نامون کے لینے مین بالعموم وہ ادب ملحوظ نہین رکھا گیا ہے، جو اسلامی طرزِ تحریر مین رائج ہے،

دی فلاسفی آف اسلام ، (انگریزی) از جناب خانصاحب خواجہ خان، بی اے، نمبر ۶۹

خانجہان روڈ، رائے پیٹہ مدراس، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

یہ اسلامی تصوف کا ایک مختصر مرقع ہے، جو ۱۹۰۳ء میں اس زمانہ مین شائع ہوا تھا، جب سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات ملک مین نشو و نما پا چکے تھے، اب اس کا دوسرا اڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، مصنف نے اس مین دکھایا ہے کہ اسلامی تصوّف کو جس رنگ مین پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جو مظاہر نظر آتے ہین حقیقۃً انھین صحیح اسلامی تصوّف سے لگاؤ نہین صحیح اسلامی تصوّف وہی ہو، جو کتاب و سنت مین موجود ہے، مگر وہ علم سفینہ نہین، علم سینہ ہے، جو صحبت ہی کے اثر و فیض سے حاصل ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلعم اسی کو اپنی مجلسون مین صحابۂ کرام تک پہنچاتے، اور دلنشین انداز مین پیش فرماتے تھے، اس کے بعد مصنف نے، اصطلاحی تصوّف، صوفیہ، اور مسائلِ تصوّف کو روشناس کیا ہے، پھر روح اور نفس کی تشریح کے بعد اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت بتا کر اسلام کے ارکان اور اس کے تزکیۂ اخلاق کے اصول کو پیش کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی اجمالی سرگذشت اور اسکے تاریخی ارتقار کو دکھایا ہے، جنمین بعض امور محل نظر معلوم ہوتے ہین، آخر مین متکلمین، فلاسفۂ اسلام اور شعرائے تصوّف وغیرہ کے قولون، دلیون اور کلام سے ذات و صفات وغیرہ کے مسائل کی تشریح کی کوشش کیگئی ہے، کہین کہین فضلائے مغرب کے اقوال و خیالات کو بھی مباحث کی تائید مین دکھایا گیا ہے، جو لوگ یورپ کے جدید فلسفیانہ انداز بیان مین اسلام کے متعلق کچھ دیکھنا چاہتے ہین، ان کیلئے یہ کتاب دلچسپ اور مفید ہے۔

بارش اور قرآن، از مولوی طیب علی عبدالرسول، شاکر، جبل پوری، ۶۴ صفحے، قیمت ۴؍

پتہ:- جناب احمد علی عبدالرسول نادر، مطبع نادری، جبل پور، (سی پی)

یورپ کے جدید علوم و فنون کی ترقیون سے مرعوب ہو کر مسلمانون مین ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا، جو سائنس کے ہر مسئلہ کو قرآن سے مطابق کرنا چاہتا اور کسی نظریہ یا اکتشاف کی اشاعت کے بعد قرآنی آیات سے اس کی تطبیق دینے بیٹھ جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادھر غور و فکر کے بعد بہ ظاہر تطبیق پیدا کی، اور ادھر علمائے سائنس خود اپنے نظریہ کی تغلیط کر بیٹھے، اسی لیے مسلمانون کے سنجیدہ حلقون مین اس گروہ کی یہ کوششین کبھی مستحسن

نہین سمجھی گئین، لیکن زیر تبصرہ رسالہ مین مصنف کی کوششون نے حیرت انگیز طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مائل کرلی، مصنف نے اس رسالہ مین بارش کے متعلق جدید سائنٹفک تحقیقات کی قرآن مجید کی آیتون سے مطابقت دکھائی ہے، اور اوّلاً سائنٹفک طور پر مانسون، بخارات اور بارش وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کا متن پیش کیا ہے، اور پھر اسی کے پہلو مین قرآن کی ایسی آیتون کا محض لفظی ترجمہ درج کیا ہے، جس مین بارش، ہوا، اور ابر وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور آخر مین بارش کا قرآن مجید مین مختلف موقعون پر استعمال، اور قرآن کا بارش، ابر اور ہوا وغیرہ سے ذات باری تعالیٰ پر استدلال لانا دکھایا ہے، اگرچہ ہمین کہین کہین مصنف کی رائے سے اتفاق نہین ہوا، مثلاً "سحابِ مسخّر" وغیرہ کی تشریح مین، تاہم رسالہ کے مباحث دیکھنے سے مصنف کے ذہن رسا کی تعریف اور اسکی کوششون کی داد دینی پڑتی ہے، امید ہے کہ وہ اسی انداز مین اپنی تحقیقات کو جاری رکھین گے، جزاک اللہ خیراً

اسلامی تعلیم۔ ازمولوی مفتی سید محمود صاحب، ناشر جناب عزیز حسن بقائی، اڈیٹر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی، ۵۵ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۔ عہ

اس مین اسلام کے عقائد و عبادات وغیرہ کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر لکھے گئے ہین، کتاب کے جو اوراق نظر سے گذرے، اُن مین مسائل کے جوابات کو قرین صواب پایا، تاہم ایک آدھ جگہ فقہ کے عمومی فتوی سے بعض جوابات مختلف نظر آئے مثلاً موجودہ زمانہ کی یہودیہ و نصرانیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا (ص ۴۴۸) وغیرہ، کتاب کے آخر مین قرآن مجید و احادیث کے مسلسل و مرتب اردو ترجمون سے اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب متداول فقہی ابواب پر ہے،

الطریقۃ المرضیہ فی التمرینات النحویہ، ازمولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اعظمگڈھ، حجم ۲۲ صفحے،

عربی خوان طلبہ کو علم نحو کی مشق کرانے کیلئے یہ مختصر رسالہ ترتیب پایا ہے، مصنف کہنہ مشق مدرس ہین، سالہا سال اس طریقہ تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے مفید ہوگا، اور عربی کے ابتدائی طالب العلم اس سے پورا فائدہ اٹھائینگے

"ر"

دار المصنّفین کی فلسفیانہ کتابین

...کلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے
...حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح اردو مین
...فہ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے،
...ت :- ۱۲

...کالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ،
...سا مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال
...ا ہے، قیمت عمر، حجم ۱۴۰ صفحے،

...بادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین
...رکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت
...یدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث
...ر کے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے،
...ت :- عمر

...بن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو علاو
...ین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور
...س کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین
...پڑھائی جاتی تھین سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ
...ور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی
...ریویو اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ
...ور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی کیا گیا ہے، ابن رشد
...کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی شرقی زبان مین
...یا کسی مغربی زبان مین بھی نہیں ملسکتا، ضخامت ۳۹۶ صفحے

قیمت :- ۱۲

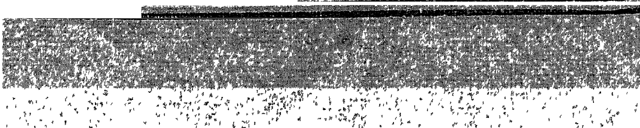
انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ جس کو پڑھکر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین، طبع دوم، قیمت :- عہ، ضخامت ۱۹۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس مین انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنمایون کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین، ضخامت ۲۲۳ صفحے قیمت عہ

طبقات الامم، اندلس کے ایک مورخ فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی کتاب جس مین مصنف نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اسکو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جا بجا تشریحات مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت عہ





رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷   اپریل ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

تصانیف مولینا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن

حصہ اوّل

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل، کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم ضخامت ۳۲۴ صفحے، قیمت عہ،

حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، اون مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت عہ، طبع دوم،

سیرت عائشہؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اون کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت سے،

دروس الادب حصہ ا و ۲

عربی کی پہلی اور دوسری ریڈرین، جن کو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علمون کے لئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب و نحو کیساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہوسکے، اکثر مدارس مین یہ داخل نصاب ہے، طبع سوم مع ترمیم، قیمت ۲ر دوسری ریڈر، طبع سوم، قیمت ۴ر

جلد ۳۱	ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۳ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

پروفیسر رشید صدیقی صاحب کی طلب اور اصرار پر اڈیٹر معارف نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلّی مین ہندوستان مین ہندوستانی پر ایک خطبہ پڑھا، جلسہ کی صدارت نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی نے فرمائی، گو لوگ دَور روز بیشتر سے حسین رؤف بے کے استقبال وآمد اور جلسون کی بھرمار سے تھکے تھے، تاہم یونین کا ہال پورا بھرا تھا، معلومات کے لحاظ سے تو یہ خطبہ چندان اہم نہ تھا، لیکن اپنے اصلاحی مشورون کے لحاظ سے بہت زیادہ دلچپی سے سنا گیا، جنمین سب سے اہم بحثین یہ تھین، "قومیت کی تکوین مین زبان کا درجہ" اور "مسلم یونیورسٹی مین تعلیم کی زبان" طلبہ کی طرف سے ان دونون تجویزون کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہو کہ مسلم یونیورسٹی اپنے تعلیمی انقلاب کا اعلان کرے،

اس خطبہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہم کو اپنی اس زبان کی اشاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ آیندہ اسکو اُردو کے بجاے "ہندوستانی" کے نام سے پکارین، اردو ایک نئی اصطلاح ہے جس کی عمر سَو ڈیڑھ سو برس سے زیادہ نہین اور جسمین کسی قسم کی وطنی و قومی جذبہ کی جھلک نہین اور نہ تمام ملک کی وسعت کے تعلق کا اس لفظ سے اظہار ہوتا ہی، برخلاف اس کے ہندوستانی جو اسکا صحیح ترین نام ہے، ان تمام جذبات اور خیالات کو حاوی ہو،

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس زبان کا "ہندوستانی" نام انگریزون کا بخشا ہوا ہے، خطیب نے تاریخی حوالون سے اسکو ثابت کیا کہ یہ قطعی غلط ہے، اور کم از کم دسوین صدی کی تاریخون مین انگریزون کے اثر سے بہت پہلے اس زبان کا یہ نام پڑ چکا تھا،

اس خطبہ کا ایک فقرہ جسپر اس ہال مین سبسے زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا گیا یہ تھا کہ "یہ درسگاہ مسلمانون کی پنجاہ سالہ
سیدون کا قبلہ رہی ہو، اور اب بھی صدیون تک رہ سکتی ہو، صرف شرط اتنی ہو کہ وہ اپنا رخ مغربسے پھیر کر مشرق کی طرف کرلے
در ہر چیز کو دوسرون کی نظر سے دیکھنے کے بجائے وہ اپنی نظر سے دیکھے "،

یہ پورا خطبہ آیندہ یونیورسٹی کے میگزین مین شائع ہوگا،

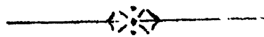
علی گڈھ یونیورسٹی مین میری دوسری تقریر آفتاب ہوسٹل کے طلبہ کے سامنے ہوئی، یہ نیا ہوسٹل صاحبزادہ آفتاب احمد خان
کے نام پر انکے دوستون اور عزیزون، اور کالج کے پرانے طالب علمون کے چندون سے بنا ہو، اسکی دوسری خصوصیت یہ ہے
منتظمین نے یہ طے کیا ہو کہ علی گڈھ کے دوسرے دار الاقامون کے برخلاف اسمین ہر چیز مین سادگی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھی
جائے یہانتک کہ یہان کے کھانے کی فیس صرف چھ روپیہ مقرر کی ہے، بالفعل اسمین اسی لڑکون کے قریب ہین،
وشش یہ ہے کہ یہ دار الاقامہ دوسرے دار الاقامون کے مسموم اثرات سے حتی الوسع محفوظ رہے،

یہان کے طلبہ کے سامنے جو تقریر کیگئی، اسمین سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی کیساتھ اس جد وجہد اور
جفاکشی سے بھری ہوئی زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا جسکے بغیر مسلمان طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی مین ناکام رہتے ہین، اور بتایا
گیا کہ مذہب کا ذکر چھوڑیئے خود علوم جدیدہ کی تحصیل و تکمیل مین اگر انگریزی زبان کو الگ کر دیا جائے تو ہم نے کونسی اچھی
مثال اب تک پیش کی ہے، اور ہماری یہ زندگی جو تمامتر دوسری قوم کی نقالی پر مبنی ہے، کہانتک ہمارے اندر قومی
روح کی سرگرمی پیدا کر سکتی ہے؟

اسی کے بعد دوسری تقریر طبیہ کالج کے ہال مین ہوئی، اس طبی کالج کے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، کالج کے
پرنسپل ڈاکٹر بٹ صاحب نے مہربانی فرماکر کالج کے ایک ایک شعبہ کو دکھایا، خوشی ہوئی کہ ہماری قدیم طب کو بھی اس
"جدید ہندوستان" مین زندگی کا موقع مل رہا ہے، حکومت نے جب سے جابجا دیسی طب ویدک کی طرف توجہ کی ہے ملک
مین جابجا طبی اسکول کھل رہے ہین، جہان ایک طرف یہ خوشی کا موقع ہے، وہین دوسری طرف یہ افسوس ہو کہ ان طبی
درسگاہون مین طالب علمون کے قبول کرنے کا معیار بہت ہلکا رکھا گیا ہو، یہان جو تقریر کیگئی اسمین اسلامی طب کی

تاریخ کے ساتھ عزیز طالب علمون کو یہ نصیحت کیگئی کہ "آپ طبیب بننے کی کوشش کرین، ڈاکٹر بننے کی نہین" اور بتایا گیا کہ آج دیہات سے لیکر شہرون تک ہندوستان کی صحتِ عامہ کا دارمدار ولایتی طب پر نہین، جو طب ہونے کے ساتھ بدیسی تجارت بھی ہے، بلکہ دیسی طب پر ہے جسکی اکثر دوائین خود ہمارے ملک کی پیداوار ہین،

مسلمان والدین اپنے بچون کو علوم عربیہ کی جو تعلیم دلاتے تھے، اس کے وجوہ مختلف تھے، مثلاً اُن کا مذہبی ہونا اور ہماری تاریخ و ادبیات کا اُس کے اندر موجود ہونا، لیکن ان مذہبی اور علمی اسباب کے علاوہ اسکی ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ معاش کا ذریعہ بھی تھی، علوم عربی پڑھنے کے بعد وہ حکومتِ وقت کے بڑے بڑے عہدے پاتے تھے، حکومت کے انقلاب نے ایک ایک کرکے ان تمام وجوہ معاش کے دروازے علوم عربی کے طالبعلمون پر بند کر دیئے اور اسی نسبت سے عربی تعلیم کی طرف توجہ بھی روز بروز کم ہوتی گئی، تاہم ابتک صرف دو دروازے کھلے تھے، ایک اسکولون کی مدرسی اور دوسری طبابت، سو فارسی کے دبیر و فاضل کے درجون نے پہلی چیز کا خاتمہ کر دیا، اور اب اسکولون مین عربی کے مولوی فاضل کے بجاے فارسی کے منشی فاضل وہی استحقاق رکھتے ہین، بلکہ فارسی تدریس کے لیے انھین کو ترجیح دیجارہی ہے، دوسری چیز کا خاتمہ ان طبی اسکولون کے ذریعہ ہو رہا ہے جنمین طب کی ترقی کے لیے عربی کے بجاے اردو کتابون کے ذریعہ اردو خوانون اور فارسی خوانون اور نیم انگریزی دانون کو طب کی تعلیم دیجارہی ہے، ظاہر ہے کہ اب صرف مذہب اور علم کی خاطر کتنے مسلمان اپنے بچون کی قربانی گوارا کر سکینگے؟ یہ ہین ہماری قوم پر وہ تعلیمی عنایات، جنکا شکریہ ادا کرنا ہماری قوم پر ہر وقت واجب ہے،



۱۵-۱۶- اپریل ۳۳ء کو لاہور مین ادارۂ معارف اسلامیہ کا جلسہ ہے جسمین مختلف اہل علم اسلامی علوم و فنون پر مختلف مقالات پڑھینگے، اس سلسلہ مین دار المصنفین کے بعض رفقا بھی لاہور جائینگے، اور جلسۂ مذکور مین اپنے مقالات پیش کرینگے، میرا مضمون "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا" ہوگا، مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی "سسلی کے اسلامی تمدن" پر اور مولوی سعید صاحب انصاری "عربی لغت کی تاریخ" پر مضامین پڑھینگے

مقالات

استاذ العلماء جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب طاب ثراہ

ازنواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی،

جب اس خاکدان سفلی مین اسلامی تمدن کی بہار آئی ہوئی تھی، اور اُس کے فیض سے ایشیا، افریقہ، اور یورپ تینون براعظم رشک گلزار بنے ہوئے تھے، اُس وقت قصبات کا ایک عظیم الشان نظام ممالکِ اسلامیہ مین قائم تھا، یہ قصبات زندگی کے سرچشمے تھے جنسے شہر خصوصًا دار السلطنت سیراب و شاداب رہتے، شہری آب و ہوا دو تین نسلون کے بعد دماغون کو سست اور پست کردیتی تو قصباتی اہل کمال تازہ زندگی لیکر پہنچتے اور بزم حیات کو ازسرِنو پرنور و معمور فرمادیتے، دہلی مرحوم مین شاہ صاحب کا اور لکھنؤ مین فرنگی محل کا خاندان لاکھون مین دو مثالین ہین،

ہمارا کول (علیگڈھ) بھی دورِ حیات مین اپنے قصبات پر نازان تھا، جلیسر (قدیم جالیسر) سے نصرت خان عہد علائی کا امیر نامور اٹھا، امیر خسروؒ پٹیالی سے جاکر دار السلطنة بلکہ دنیا کا فخر بنے، جلالی کی فکر سے سفرنامہ ابن بطوطہ معمور رہے،

وطن انہی بستیون مین سے ایک بستی پلکھنہ ہے جو قصبۂ جلالی کے قریب آباد ہے، اسکی قدیم عظمت کی یادگار عہدِ بابری کی مسجد ہے، شیخ گھورن تاریخی ہستی ہین، اسی معدن سے وہ جوہر فرد نکلا جس کے انوار نے اس دورِ آخر مین علمی مجالس کو منور و تابان فرمادیا،

خاندان کول اور اُسکے ملحقہ قصبات و دہات مین شیوخ کے خاندان آباد ہین جو حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی

نسل مین ہین،

یہ بزرگ اپنے وقت کے اولیاے کرام مین تھے، ابن بطوطہ جب کول آیا تو آپ ہی کے پڑوس مین اُترا تھا، سفرنامے مین حضرت کا ذکر کرتا ہے،

جو شجرہ اس خاندان مین محفوظ ہے وہ شاہد ہے کہ شیوخ جالی حضرت امین الامۃ ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی اولاد مین ہین، اشکال یہان یہ ہے کہ امام ابن قتیبہؒ نے المعارف مین حضرت امین الامۃ کے ذکر مین لکھا ہے، "ولا عقب لہ"، مفتی محمد لطف اللہ صاحب اسی خاندان سے تھے، والد مولوی اسد اللہ، فارسی خوان، کول مین وکالت کرتے تھے، اسی آمدنی سے بفراغت گزر تھی، اقتضاے شرافت قصبے مین املاک بھی تھی جو بھائی کے لیے چھوڑ رکھی تھی، اردو شعر کا ذوق تھا، ایک شعر یاد کر لو، ؎

ے اڑی طرزِ فغان بلبلِ نالان ہم سے — گل نے سیکھی روشِ چاک گریبان ہم سے

منشی نبی بخش سالکؔ اکبرآبادی نے ایک جنتری کا ذکر کیا ہے جس سے بارہ برس کی تاریخین معلوم ہو جاتی تھین، انھون نے چند اشعار لکھے جنسے جتنے سال کی تاریخین چاہو نکل آتی ہین، رعدؔ مرحوم نے اپنی بڑی جنتری مین چھاپے تھے، میرے پاس بھی محفوظ ہین،

آخر عمر مین ضیق النفس مین مبتلا ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے، والدہ سید غلام علی حسینی النسب ساکن جلیسر کی دختر نیک اختر تھین، دو چچا تھے، بڑے مفتی، ہبۃ اللہ، فارسی کے ماہر، بڑے شاطر، املاک کا کام کرتے تھے، شطرنج کی بہت سی چالون کے نقشے قلمبند کئے تھے جو ایک ضخیم مجلد مین خاندانی کتابخانے مین محفوظ ہین، فرائض کا ایک رسالہ بھی خود ان کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، چھوٹے حکیم اکرام اللہ، طبیب تھے، دیرہ دون مین ایک انگریز کا معرکے کا علاج کیا تھا، اس نے نوکر رکھ لیا، وہین وفات پا کر مدفون ہوئے، بھتیجے نے تجہیز تکفین کا اہتمام کیا، ان دونون بھائیون کے نرینہ اولاد نہ تھی،

پیدائش
سنہ ۱۲۴۴ھ

مفتی محمد لطف اللہ صاحب لکھتے ہین سنہ ۱۲۴۴ھ مین پیدا ہوئے، باپ نے تاریخ کہی، "چراغم"، باپ کے

وتے بیٹے تھے، بلکہ تین گھروں کا چراغ، ناز نعمت لاڈ پیار مین پرورش ہوئی، جامع حالات صاحبزادے نے لکھا ہے کہ
ی پرورش کا اثر تھا کہ مزاج مین ایک ضد تھی جو آخر عمر تک باقی رہی،

بچپن کے ایک رفیق کا بیان ہے کہ مولوی صاحب ان کھیلون مین تو ہمارے شریک ہو جاتے جو شریفا
کے لڑکے کھیلتے ہین، عامیانہ کھیلون مین شرکت نہ کرتے مثلاً گولیون کا کھیل ہم جب ایسے کھیل کھیلتے تو وہ الگ
بیٹھے دیکھتے رہتے،

نماز کے بچپن سے عادی تھے،

ابتدائی تعلیم | بلکھنے مین ایک میانجی موہن لال نامی تھے جو بچون کو ابتدائی کتابین کریما مقیمان وغیرہ پڑھایا کرتے
تھے، اُنھی سے پڑھنا شروع کیا، ایک روز ایک لڑکا خالق باری پڑھ رہا تھا، ع "راسو نولا ہے جان" معصوم
لطف اللہ نے ایک ہم مکتب سے کہا، نولا راسو ہے تو نبولا (نیم دانہ) براسو ہوگا، دیکھو یہی انتقال ذہن زینت درس بنا
ابتدائی رسالے گھر پر پڑھکر جلیسر اپنی نانیہال مین گئے، وہان مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی،
انتہائی کتابین اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خان سے (جنکے خاندان مین خانی کا خطاب شاہی تھا) پڑھین
یہ بڑے خطاط تھے، خاص وصف یہ تھا کہ چند روز مین شاگرد کا خط اپنے خط مین ملا دیتے تھے، مولوی صاحب
فرماتے تھے کہ میرے خط کی روش پھوپھا صاحب کے خط کی روش پر ہے، مولوی عبد الغنی خانصاحب شاگرد رشید نے
اوّلاً یہ روش استاد سے حاصل کی، صاحبزادے بھی عموماً اسی روش پر لکھتے ہین جو نظر فریب، اور منشیانہ پختہ ہے
بعض فارسی کی کتابین مثلاً بہار دانش اپنے خسر سید رونق علی سے بھی پڑھین،

تعلیم علوم | فارسی سے فارغ ہو کر پندرہ برس کی عمر کے بعد اُس آستانہ پر حاضر ہوئے جہان سے سند فضیلت ملنی مقدر تھی
اور پرسُن چکے ہو کہ مولوی صاحب کے والد مولوی اسد اللہ وکالت کرتے تھے، اسی سلسلے مین مفتی عنایت احمد
صاحب سے تعلقات تھے جو کول مین مفتی و منصف رہے، مفتی عنایت احمد صاحب شاگرد تھے، مولوی بزرگ علی صاحب کے
مولوی بزرگ علی صاحب | مشہور مردم خیز قصبۂ مارہرہ کے کنبوہ خاندان سے تھے وہین پیدا ہوئے، والد کا نام حسن علی

خواجہ حسن ملتانی کی دسوین پشت مین، آغاز شباب تک باوجود باپ کی تاکید کے علم کی تحصیل کی جانب متوجہ نہوئے عشق مجازی کے اثر سے فارسی غزل کا ذوق تھا، شوق تخلص کرتے تھے، زیادہ تاکید ہوئی تو گھر سے نکل گئے، بالآخر باپ نے اپنے پیر مرشد حضرت شاہ آل احمد صاحب عرف اچھے میان کی خدمت مین دعا کی التجا کی، دعا فرمائی جو مستجاب تھی، تمام مشاغل چھوڑکر تحصیل علم مین مصروف ہوگئے، اب شوق تھا تو کتاب کا، طلب تھی تو علم کی، فرماتے تھے لوگ جوانی مین زندگی کے لطف حاصل کرتے ہین ہمنے تو شباب علم کی نذر کردیا، ابتداءً لکھنؤ اور کلکتہ مین علم حاصل کیا، وہان کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہوسکے، بالآخر دلّی مین اس درسگاہ والا مین حاضر ہوئے جو تمام ہندوستان کی ملجا و ماوی تھی، شاہ عبدالعزیز صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، ریاضی مولوی رفیع الدین شاہ صاحب کے بھائی سے پڑھی جو اس فن مین امام وقت تھے،

تحصیل سے فارغ ہوکر خود درس کی خدمت شروع کی، آگرہ مین پڑھایا، کلکتہ کے دارالعلوم کے مہتمم رہے حکام کے اصرار سے (جو اکثر شاگرد تھے) کول مین منصفی کا عہدہ قبول کرلیا، اسی زمانے مین وہان کی جامع مسجد مین اس مدرسے کا احیاء کیا جس کو عہد محمد شاہی مین بانی مسجد نواب ثابت خان نے قائم کیا تھا، (اس کا ذکر اخبار الجمال میں ہے) بالآخر منصفی سے استعفا دیدیا جس کو شاگرد حکام نے تلمذ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوے بہت تامل کے بعد منظور کیا، مستعفی ہوکر نواب وزیرالدولہ مرحوم کے اصرار پر ٹونک مین عہدۂ قاضی القضاۃ قبول کیا، آخر عہد تک وہین رہے، ۱۲۶۲ھ مین انتقال کیا، ٹونک مین دفن ہین، تاریخ نگار نے ان کے یہ اوصاف لکھے ہین، تقوٰی، تدبر، تواضع، تہذیب، تقریر دلنشین اور پراثر، ایک بیٹے تھے مولوی محمد صدیق، فارغ التحصیل، علم ہندسہ اور نجوم مین ماہر، نیز علم تعبیر رویا مین، ٹونک مین عہدۂ قضا پر فائز رہے، ۱۲۹۲ھ مین وہین رحلت کی،

مولوی بزرگ علی صاحب کی تصانیف مین سے دیوان فارسی قلمی میرے یہان ہے، کلام اوسط درجہ کا ہے، صاف ہے اور پراثر، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گر جلوۂ او عام کند پردہ دری را   در شیشہ چو می جوش دہد مغز پری را

زلف شکستِ دل و دین داد درستی | افراختہ قدِ علم فتنہ گری را
نے صبر ماند بر جا اکنون نہ تاب مارا | اے بے مروت آخر یک رہ بیاب مارا
کے صبح عید پیشش صبحم فروغ یابد | چون نور بخش صبح ست آن آفتاب مارا
در دور چشم مستت میخانہا خراب ست | تنہا نہ لعل میگون وارد خراب مارا

اُس زمانے کی شدید ضرورت کی بنیاد پر متعدد کتابین فارسی زبان مین ردِّ نصاری مین لکھی ہین، انہین سے کتاب ردِ نصاری کا ایک حصہ "بشارات" قلمی میرے یہان بھی ہے، اس کا عنوان ہے بشارات فارقلیط، اس پر بعض عبارتین مفتی عنایت احمد صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہین، ایک اور قلمی رسالہ میرے یہان ہے، یہ ایک فارسی معما کی شرح ہے جو قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان نے تفضل حسین کے نام لکھا تھا، اور جس مین بہت سی قلمی اصلاحین درج کی ہین، اس کا دیباچہ مفتی عنایت احمد صاحب نے استاد کی زندگی مین لکھا تھا، اس پر بھی مفتی صاحب کے قلم کی عبارتین ہین، یہ رسالے مفتی صاحب کے کتابخانہ سے اور کتابون کیساتھ میرے پاس آئے تھے،

مفتی عنایت احمد صاحب | اپنے وطن دیوہ ضلع بارہ بنکی مین پیدا ہوئے، ۹ر شوال ۱۲۲۸ھ تاریخ ولادت ہے، تیرہ برس کی عمر مین رامپور جاکر مولوی سید محمد صاحب بریلوی سے صرف نحو اور مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نور الاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابین پڑھین، وہان سے دلی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، دلی سے علی گڈھ آئے، مولوی بزرگ علی صاحب سے جامع مسجد مین پڑھا، فن ریاضی کی تکمیل کی، بعد فراغ یہین مدرس مقرر ہوئے، ایک سال مدرس رہکر مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڈھ ہی تقرر ہوگیا، اسی دور مین مولوی لطف اللہ صاحب کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا، مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانے مین پڑھا، سید صاحب صاحبِ درس فاضل ہوجانے کے بعد بھی تعجب سے فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب مجھکو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے تھے مین حاضر رہتا جب دوران مقدمہ مین فرصت ملتی اشارہ ہوتا مین پڑھنا شروع کر دیتا، اسی اثنا مین پھر کام مین مصروف ہوجاتے، باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اسکی یاد رہی ؛

کول سے بریلی کا تبادلہ ہوا، جیکن پور کے لئے ایک فخر یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اثنائے راہ مین یہان مع مستورات کے قیام فرمایا تھا،

بریلی کے قیام مین صدر امین ہوے، وہان کے تلامذہ مین قاضی عبدالجمیل صاحب قاضی شہر اور مولوی فدا حسین منصف شامل تھے، بڑا کارنامہ نواب عبدالعزیز خان کا (باوجود ان کی آزاد منشی و صاحبزادگی کے) پڑھا دینا تھا، نواب صاحب نواب رحمت خان حافظ الملک شہید مرحوم کے پوتے تھے، گزشتہ پراونشل کانفرنس کے موقع پر حافظ الملک شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی، مقبرہ کی محراب مین یہ جوہر دار شعر لکھا ہوا ہے، ؎

سرِ کشتہ بر نیزہ می زد نفس — کہ معراجِ مردان ہمین است و بس

قصہ مختصر، صدر اعلائی کا پروانہ آگیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا، اس کے فرو ہونے پر الزام بغاوت مین انڈمان بھیجدئے گئے، یہ ۱۲۷۴ھ کا واقعہ ہے، چار سال جزیرۂ مذکور مین رہے، جنگل مین منگل، اکابر علما کے قدمون کی برکت سے ان دنون یہ بدنام جزیرہ دار العلوم بن گیا تھا، علاوہ مفتی صاحب کے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی، مفتی مظہر کریم صاحب وغیرہ علما بھی وہان تھے، اور سب کے سب باوجود مصیبت قید اور غریب الوطنی کے خدمتِ علم مین مصروف تھے، محقق خیرآبادی کے ذہن وقاد کے متعدد نتائج وہین وجود پذیر ہوے، مفتی مظہر کریم صاحب نے مراصد الاطلاع کا عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، مفتی عنایت احمد صاحب نے کلام مجید حفظ کیا، تواریخ حبیب الٰہ سیرۃ مین تالیف کی، تاریخی نام ہے، ۱۲۷۵ھ نکلتے ہین، منشی امیر اللہ تسلیم نے الفاظ تواریخ نبی سے تاریخ نکالی، یہ کتاب حکیم امیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، جو انڈمان مین سرکاری ڈاکٹر تھے اور جنکی غمخواری کا اعتراف دیباچہ مین فرمایا ہے، حجم سوا سو (۱۲۵) صفحے کا ہے، فی صفحہ سطر ۲۷۔ (نسخہ مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ پیش نظر ہے) واقعات پوری تفصیل سے بقید تاریخ اور تشریح جزئیات کے ساتھ لکھے ہین، دیباچہ کی شہادت ہے کہ محض یاد سے لکھی گئی، قیاس کرو کہ اس عہد کے علما حضرت نبی کریم کے مبارک حالات کا کس قدر ذخیرہ سینے مین محفوظ رکھتے تھے، اور یہی سرمایۂ سعادت تھا، ہندوستان آکر سیرت اور حدیث کی کتابون سے مقابلہ کیا تو یاد کی صحت ثابت ہوئی،

ـ انگریز نے تقویم البلدان کے ترجمے کی فرمایش کی جو دو برس مین ختم ہوا، یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا، صرت کا رسالہ

لصیغہ بھی وہین لکھا، سنہ ۱۲۷۰ھ مین رہائی پاکر کاکوری آئے، وہان شاگرد رشید مولوی لطف اللہ صاحب بھی حاضر ہوئے

یخ پیش کی، ہ

چون بفضلِ خالقِ ارض و سما اوستادِ من شد ز قیدِ غم رہا

بہرِ تاریخِ خلاصِ آنجناب برنوشتم انّ استادی نجا
سنہ ۱۲۷۷ھ

مستقل قیام کانپور مین فرمایا۔ مدرسۂ فیض عام کی بنیاد ڈالی، خود درس دیا، بیس یا تیس ماہوار

زاہ لیتے تھے، مسلمان تجار کانپور مصارفِ مدرسہ کے کفیل تھے، ان مین حافظ برخوردار زیادہ ناموری تھے، اسی

رسہ کا فیض بالآخر ندوۃ العلما کی شکل مین عیان ہوا،

دو برس کے بعد حج کا ارادہ کیا، شاگرد جمع ہوئے مولوی سید حسین شاہ صاحب واصف بخاری، مولوی

ف اللہ صاحب، نواب عبدالعزیز خانصاحب، مولوی سید عزیز الدین صاحب شکارپوری، استاد کے سامنے

س بھی دیا، مفتی صاحب شاگردون کی بہارین دیکھ دیکھکر باغ باغ ہوتے تھے، بالآخر مولوی سید حسین شاہ صاحب

مدرس اول اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر فرماکر حج کو روانہ ہوگئے، اس زمانے مین جہاز ہوائی

تھے، جدہ کے قریب پہنچکر جہاز پہاڑ سے ٹکراکر ڈوب گیا، مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غریق

شہید ہوئے، یہ واقعہ، شوال سنہ ۱۲۷۹ھ کا ہے، ۵۲ برس کی عمر ہوئی،

انیف | شرح ہدایۃ الحکمہ صدرشیرازی، تصدیقات حمداللہ اور شرح چغمینی پر حواشی، اردو مین بہت سے مفید عام رسالے

جنکے نام عموماً بے تکلف تاریخی ہین، عام مولویون کی روش کے خلاف ان رسالون کی زبان صاف اور بامحاورہ

ہے، مضامین علمی اور اخلاقی ہین، اس زمانے کی مقبولِ عام روشِ مناظرہ سے بچکر پیرایہ بیان ایسا اختیار کیا ہے

و دلنشین ہے، دلپذیر ہے، ہنگامہ آرائی سے پاک ہے، خلاصہ یہ کہ مصری کی ڈلیان بھڑون کے چھتے مین نہین

لکھی ہین، ایک مختصر سا فنڈ جمع کرلیا تھا اسکی مدد سے یہ رسالے طبع ہوتے، تقسیم کئے جاتے، مدرسہ فیض عام کا قیام

اور نشر علم کا یہ طریقہ مفتی صاحب کی دور اندیشی اور ضرورت کے صحیح اندازہ پر دال ہین،

ایک کتاب ہیئت جدید (فیثاغورسی) پر لکھی تھی، مسمی بہ مواقع النجوم، اسکو ہیئت کے ماہر بعض انگریزون نے پسند کیا، ایک کتاب عربی مین بے نقط لوامع العلوم واسرار العلوم کے نام سے لکھی تھی، اس مین چالیس علوم کا خلاصہ لکھنا پیش نظر تھا، ہر علم کا نام بے نقط تھا، مثلاً تفسیر علم کلام اللہ- حدیث علم کلام الرسول، فقہ علم الاحکام علیٰ ہذا القیاس تمام نہ ہوئی تھی کہ عمر تمام ہوگئی، مسودہ ساتھ غرق ہوگیا، مفتی صاحب تمام علوم کا درس پوری قوت سے دیتے تھے، ریاضی مین ممتاز تھے، ادب کا ذوق تھا، کانپور کے قیام مین روزانہ شام کو میدان مین ہواخوری کے لئے تشریف لیجاتے، مولوی سید حسین شاہ صاحب سے ادبی وعلمی ذکر ہوتے جاتے، ایک روز کی صحبت یہ تھی کہ مفتی صاحب اردو اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھتے، سید صاحب اس کا ہم مضمون فارسی شعر پڑھ دیتے،

باز خوانم قصۂ اُستادِ خود تادر و دیوار را آرم بوجد

ابتداءً مفتی صاحب نے شاگرد جدید کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کیا جس نے صرف نحو پڑھائی ہدایۃ النحو شروع ہوئی تو خود پڑھانا شروع کیا، استاد کی شفقت اور شاگرد کی محنت نے یہ نتیجہ دکھایا کہ ڈیڑھ سال مین ملا حسن تک پہنچ گئے، ملا حسن کلیات خمسہ تک پڑھا کر فرمایا کہ اب سبقاً سبقاً اس کے پڑھنے کی ضرورت نہین خود مطالعہ سے پورا کرلو، جہان ضرورت ہو دریافت کرلو، فرماتے تھے کچھ دن دیکھا دریافت کی ضرورت نہ ہوئی پھر چھوڑ دیا، نور الانوار شروع ہوئی، دس پندرہ سبق پڑھا کر ارشاد ہوا اب مطالعہ کرکے ہمسبقون کو پڑھا دیا کرو چنانچہ مطالعہ اور بوقت ضرورت استفادہ کرکے ساری کتاب پڑھا دی، استاد نے خوش ہوکر اس کی جگہ قاضی مبارک شروع کرائی، اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، جس نسخہ مین پڑھا اس پر منہیات اپنے قلم سے لکھے یہ نسخہ کتابخانے مین محفوظ تھا، قاضی مبارک کے بعد حمد اللہ کی نوبت آئی،

صبح کی نماز کے بعد مفتی صاحب تلاوت فرماتے تھے، حکم تھا کہ اس وقت حاضر رہین، دوران تلاوۃ

مین مشکل صیغہ آتا تو اُن کی طرف دیکھتے یہ حل کرتے حل نہ کرسکتے، تو بعد تلاوت خود حل کرکے بتاتے،

تبادلے کے وقت تک کتابین ختم نہ ہوئی تھین، لہذا استاد کے ساتھ بریلی گئے، وہان جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے بعد فراغ مفتی صاحب نے اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کرلیا، اس خدمت پر فائز تھے کہ استاد انڈمان بھیجدیئے گئے، شاگرد بادلِ خستہ گھر چلے آئے، اس طرح چوُدہ برس مسلسل استاد کی خدمت سے فیضیاب رہے،

بریلی مین قیام کس وقارعلمی سے رہا تھا اس کو ذیل کے واقعہ سے سمجھ لوگے ۱۳۱۳ھ مین ندوۃ العلمار کا اجلاس بریلی مین ہونے والا تھا، مخالفین اور موافقین شکست و فتح کی سرتوڑ کوششین کررہے تھے، مولوی صاحب صدارت کے لیے حیدرآباد سے تشریف لانے والے تھے، اعلانون مین زبانی بیانون مین جس قدر ندوہ کے متعلق اعتراض ہوتے اسی قدر مولوی صاحب کی ذات ہدفِ اعتراض ہوتی، بالآخر صدرنشین فائز بریلی ہوئے پرانے شہر کے شرفا جب اعتراض سنتے سنتے تنگ آگئے تو اس تردد مین پڑے کہ آخر یہ مولوی لطف اللہ ہین کون؟ ایک تو وہ تھے جو یہان تھے اگر وہی ہین تو حیرت ہے کہ اُن کے عقائد و حالات ایسے بدل گئے،

بالآخر ملنے اور زبانی گفتگو کا فیصلہ کیا، وہ سمان میری آنکھون مین آج بھی ایسا ہے گویا کل کی بات ہے، کہ مغرب و عشا کے مابین پرانے شہر کے معمر شرفار کی ایک جماعت قیام گاہ مین آئی، ایک دوسرے کو دیکھ کر دیرینہ اخلاص و محبت کے اثر سے گرمجوشانہ ملے رسمی گفتگو کے بعد اصل مدعا پر گفتگو ہوئی، زبان حق بیان سے ندوۃ العلمار کے مقاصد و احوال سنکر جو اثر سامعین پر ہوا دیدنی تھا نہ شنیدنی، متحیر آئے تھے مطمئن اٹھے، جاتے ہوئے جو الفاظ زبان پر تھے خدا کرے ان کا اعادہ کبھی نہ ہو،

حاصل کلام- بریلی سے کول آنے کے بعد عسرت اور بیکاری کا زمانہ تھا، آخر کا تیھون سے ملکر ایک مکتب جاری کرلیا، ان کے لڑکون کو چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھایا کرتے تھے، دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، صاحبِ عیال تھے دُو بچے ہوچکے تھے، سارا کنبہ اسی قلیل تنخواہ مین بسر کرتا، کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہنچ جاتی، بعض

خاندانی واقعات کی وجہ سے جائداد کی آمدنی سے مستفید ہونے کا موقع نہ تھا، دو سال کا زمانہ اسی حوصلہ مندی سے بسر کر دیا، اس عرصے مین والد سخت علیل ہوگئے، تیمارداری اس غمخواری سے کی کہ دوا لینے پیادہ پا پلکھنہ سے کول جاتے، اور ہر روزہ واپس آتے، ان دونون مقامون کے درمیان فاصلہ چودہ میل کا ہے،

بالآخر جیسا کرتم او پر سُن چکے مفتی عنایت احمد صاحب اندمان سے واپس آکر حج کو گئے، اور مولوی صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی دوم مدرسی پر ہوگیا، زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب نواب شاہجہان بیگم کی طلب پر بھوپال چلے گئے، مولوی صاحب مدرس اول ہوگئے،

ایک لطیفہ مولوی سید حسین شاہ صاحب کے قیام بھوپال کا بے موقع نہ ہوگا سید صاحب کی مراسلت بعض مسائل مین مولوی سید صدیق حسن خان صاحب سے ہوئی (اس وقت تک نواب نہ ہوئے تھے) اس مین سید صاحب نے ایک شعر لکھا ؎

برخیز بت شکن کہ بتے چند بشکنیم ۔ درسومنات شور و شر دیگر افگنیم

بعض حریفون نے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کو یہ کہکر بدظن کرنا چاہا کہ سید صاحب نے دارالاسلام بھوپال کو سومنات کہا، سید صاحب نے سنا تو جواب دیا اور لاجواب دیا، "سومنات ہمان است کہ دران سلطان محمود غزنوی شور و شر افگندہ بود . . . . بھوپال کہ سلطنت مومنات ست دران چہ جائے سومنات ست"

خلاصۂ کلام، مولوی صاحب نے سات برس تک مدرسۂ فیض عام مین درس دیا کس قوت سے یہ بھی سن لو، میرے استاد مولوی عبد الغنی خان صاحب مدرسۂ موصوف کے اولین شاگردون مین تھے، مجھ سے بیان فرمایا کہ مدرسہ کے قریب ایک مسجد تھی، استاد اور شاگرد صبح کو ایسے وقت وہان پہنچ جاتے کہ جماعت فجر سے پہلے تفسیر بیضاوی کا سبق ہوجاتا تھا، اس سے فارغ ہوکر باجماعت نماز پڑھتے، نماز سے فارغ ہوتے ہی درس شروع ہوجاتا، دوپہر تک رہتا، اس کے بعد وقفہ اس قدر کہ کھانے اور کچھ آرام کے بعد ظہر باجماعت ادا ہوتی، نماز کے بعد درس، عصر کے بعد پھر درس، مغرب کے وقت ختم کبھی ایک آدہ سبق بعد مغرب بھی ہوجاتا،

درس مین اتنا انہماک تھا کہ وطن کا آنا جانا شدید ضرورت ہی سے ہوتا وہ بھی جریدہ تاکہ زیادہ قیام نہ کرنا پڑے،

کانپور مین سات برس رہنے کے بعد مرکز اصلی کی جانب رجوع فرمایا علی گڑھ کے مدرسہ جامع مسجد مین اوّل مدرسی پر تقرر ہوا پچاس ماہوار تنخواہ ٹھہری صورت یہ ہوئی کہ مولوی صاحب کے شاگرد خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل نے مدرسۂ مذکور کو از سر نو جاری کیا، استاد کو کانپور سے بلا کر مدرس اوّل مقرر کیا، خواجہ صاحب تعلیم قدیم وجدید دونون کے دلدادہ تھے، ٹرسٹیز بل کے خرخشہ مین آنے تک سر سید مرحوم کے ساتھ اور محمڈن کالج کے سرگرم معاونین مین تھے مدرسہ کے مصارف کا بڑا جز چھتاری اور بھیکن پور کی ریاستون سے ادا ہوتا تھا کیسی نیک کمائیان تھین جو ہند سے بخارا تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنین، مدرسہ کی رونق اور طلبا کا ہجوم قابل دید تھا، مولوی صاحب دوپہر کا کھانا مسجد ہی مین تناول فرماتے، صبح سے آکر عشا کے وقت دولتخانے جاتے،

آج پیریڈ (PERIOD) گننے والے ان باتون کو کیا سمجھین گے نہ سمجھین تو واقعہ تو واقعہ ہی رہے گا، ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے بڑے بڑے علما اسی زمانے مین فیضیاب ہوے، پہلی فارغ ہونے والی جماعت مین (جو کانپور سے ساتھ آئی تھی) مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولوی عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی اور مولوی سید محمد اسحٰق صاحب بہاری اشامل تھے، دیکھو! انمین سے ہر ایک کس شان علمی مین جلوہ فرما ہو ثانی الذکر بعد فراغ استاد کی جگہ کانپور مین مدرسہ فیض عام کے مدرس اوّل مقرر ہوئے، ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس مین مولوی عبد الحی صاحب مرحوم فرنگی محل نے آخر الذکر موصوف کی قوت تدریس کی مدح وثنا لکھی ہے،

ذرا یہ بھی سُن لو کہ یہ علما کس طرح پیدا ہوئے، میرے استاد نے مجھسے بیان فرمایا کہ ایک بار مرزا دبیر مرحوم لکھنؤ سے کانپور آئے، ان کی آمد نے کانپور مین ایک غلغلہ ڈالدیا، مولوی صاحب نے شاگردون کو اجازت دی بلکہ شوق دلایا کہ مرزا صاحب کو دیکھین، ان کا پڑھنا سُنین، پھر یہ موقع کہان ملیگا، فرماتے تھے مجھکو سبقون نے مہلت ہی نہ دی کہ جاتا، نہ دیکھنے کا اب تک افسوس ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ علیگڈھ مین طلبا کے رہنے کی جگہ جامع مسجد کے حجرے تھے، دو مجوب حجرے اور بھی تھے، جامع مسجد کے عالیشان مینارون

مین زینہ کی گھوم سے درمیان مین جو وسعت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی حجرے کا کام دیتی، شائق طلبا ان کی فکر مین رہتے، خالی ہونے سے پہلے درخواستین گذر جاتین، فرماتے تھے کہ ایک بار اُن مین سے ایک حجرہ مجھکو بھی مل گیا تھا، نیچے کا دروازہ بند کر کے مطالعہ کو بیٹھ جاتا تو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، مطالعہ کا جو لطف وہان آیا کہین نہ ملا، یہ بھی فرماتے تھے کہ درس سے فارغ ہو کر پہلی فکر یہی ہوتی کہ استاد کی تقریر دل مین ایسی نقش ہو کہ کبھی نہ بھولے، راستہ اسکی ذہنی تکرار مین صرف ہوتا، مکان پر پہنچکر فوراً قلمبند کیجاتی، اس عرصے مین دوسرے ہم سبق آجاتے اُن سے تکرار کیجاتی، ہر ایک اپنی اپنی یاد سے اعادہ کرتا، اتنی کاوش کے بعد جب تقریر ذہن نشین ہولیتی تو چین سے بیٹھتے ضروریات کی جانب توجہ کرتے،

یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے تا غایۃ ۱۳۱۲ھ ، ۲۷ برس مسلسل حیدرآباد کے تعلق تک جاری رہا، استادون نے پڑھا، باپون نے پڑھا، شاگردون کے شاگرد اور بیٹے بھی فیضیاب ہوئے، عجب اتفاق ہے سب سے پہلے دور مین میرے مکرم استاد مولوی عبدالغنی خان صاحب نے پڑھا تھا، سب سے آخر کے باقاعدہ دور مین ننگ تلامذہ راقم شروانی شامل تھا، اس درس مین میرے ہم سبق مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم، مولوی سید عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، مولوی محمد ہاشم مرحوم سنبھلی، مولوی صدیق حسین حال مدرس مدرسہ جامع مسجد، مولوی اظہر حسین مرحوم بہاری تھے، سوائے عاجز کے سب کے سب عالم اور علم کے خادم بنے،

جامع مسجد کے دور درس مین یہ چشمہ اس سہ دری سے جوش زن تھا جو جنوبی منارے کے متصل ہے، مولوی عبدالقدوس صاحب پنجابی مسجد کے اندر درس دیتے، حافظ رحیم بخش مرحوم قرآن شریف حفظ کراتے، ایک دوسرے مولوی عبدالقدوس فارسی پڑھاتے، طلبا کی کثرت تھی، جامع مسجد مین نماز کی جماعتین بڑی شان سے ہوتی تھین، شہر کے دوسری مسجدین بھی طلبا سے آباد تھین،

یہ یادگار زمانہ درس اس شان سے جاری تھا کہ اس کو صدمہ پہنچا، اس عہد مین تقلید و عدم تقلید کے جو ہنگامے ملک مین برپا تھے ایک بار بیچارہ کول بھی ان کی زد مین آگیا، معرکے گرم ہوئے، مخالفت کے طوفان اٹھے

مولوی صاحب نے جامع مسجد مین درس موقوف فرما دیا، مکان کے قریب ایک چھوٹا کمرہ کرایہ پر لیکر اس مین پڑھاتے تھے، مین وہین حاضر ہوا، ایک شکستہ بوریئے پر نشست ہوتی، دل مین اب تک اس عزت کی یاد ہے، کاش پھر نصیب ہوتی، طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو زہر دیا گیا،

زہر خورانی

۲۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط مولوی صاحب کی خدمت مین آیا، لکھا تھا کہ مین آپ کا شاگرد ہون، تلاش معاش مین سرگردان تھا، مان نے منت مانی تھی کہ نوکری لگنے پر پہلی تنخواہ سے مولود شریف کی مجلس کرینگی، چنانچہ ملازمت ملجانے پر مجلس کیگئی، شیرینی آپکی خدمت مین بھی بھیجتا ہون، دوسرے روز ایک شاگرد اسٹیشن جاکر پارسل لے آئے، اندر بھیجدیا، کھولا تو نکتی کے بڑے بڑے لڈو نکلے، ان مین سپید مصری کے دانے بکثرت چمک رہے تھے، تبرک کے خیال سے پارسل کے کھلتے ہی آدھا لڈو مولوی صاحب نے کھا لیا، اتفاقاً کوئی اور عزیز اس وقت پاس نہ تھا، ورنہ حسب عادت اول اسکو کھلاتے،

تھوڑی دیر مین قلب پر گھبراہٹ محسوس ہوئی، استفراغ ہوا، بی بی صاحبہ کو بلاکر ماجرا کہا، انھون نے فوراً منجھلے صاحبزادہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو طلب کیا، جو درس چھوڑکر فوراً حاضر ہوئے، یہ طبیب بھی تھے، دیکھا کہ استفراغ جاری تھا، گھبراکر سبب پوچھا تو پارسل کے آنے اور لڈو کھانے کا واقعہ معلوم ہوا، لڈو دیکھے تو معلوم ہوا کہ مصری نہ تھی، سنکھیا سے بھرے ہوئے تھے، بہرحال یونانی اور ڈاکٹری ممکنہ تدابیر کی گئین طبیب اور ڈاکٹر برابر حاضر رہے، شہر مین ایک تلاطم تھا، شب کو حالت زیادہ نازک ہوگئی جس سے معالج بھی گھبرا گئے،

قصہ مختصر فضل الٰہی شامل حال تھا کہ اس سخت مہلکے سے نجات ملی، ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا، اہل شہر نے اظہار مسرت و شکر اس طرح کیا کہ چندہ کرکے جامع مسجد مین شب کو مجلس میلاد مبارک منعقد کی، روشنی کی گئی صبح کو شیرینی تقسیم ہوئی،

پولس نے مجرم کی تلاش کی، پتہ نہ چلا، مولوی صاحب نے کسی پر شبہہ ظاہر نہین فرمایا، اس پر ہمیشہ شکر فرماتے تھے کہ پارسل کھلنے کے وقت کوئی عزیز پاس نہ تھا، ورنہ وہ بھی شیرینی =

مسموم ہو جاتا، مہربانِ نامہربان نے تو اپنے زعم باطل مین سارے گھر کے خاتمے کا سامان کر دیا تھا مگر ع

"دشمن اگر قوی ست، مہربان قوی تراست"

اس حادثے نے علمی مصیبت کی شکل یہ اختیار کی کہ مولوی صاحب کا دل علیگڑہ سے بیزار ہو گیا، درس کی جانب رغبت نہ رہی، طلبا کی خاطر سے بادلِ ناخواستہ پڑھاتے تھے اس پر بھی ناغہ بہت ہوتا،

دستِ قدرت نے جلد علیگڑہ کے ساکنین کو یہ دکھا دیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ علم و فضل کا ایسا سرمایہ دار اُن مین رہتا،

تعلق حیدرآباد | غفران منزل آصفجاہ سادس کی فرمانروائی اور سر وقار الامرا مرحوم کی مدار المہامی کا دور تھا، مدار المہام کو مسلمانون کی مذہبی تباہ حالی کا احساس ہوا، یہ ارادہ کیا کہ کوئی بلند پایہ عالم شمالی ہند سے طلب کر کے خدمت اصلاح سپرد کرین، اتفاق وقت مولوی صاحب کے ایک بنگالی طالب علم اس زمانے مین مزاج مین درخور تھے قدرۃً انھون نے اپنے استاد کے تقرر کی تجویز پیش کی، مدار المہام نے منظور کی، چنانچہ دسمبر ۱۸۹۴ء مین (یعنی زہر خورانی کے واقعے کے تین مہینے بعد ہی) حیدرآباد سے مراسلہ آیا کہ یہ تقرر منظور ہو تو سفر خرچ بھیجا جائے، یہان سے منظوری گئی، وہان سے زادراہ آگیا،

مشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار، خدمت صدارت المدرسین،

۲۸ر فروری ۱۸۹۵ء کو بعد نماز جمعہ اہل شہر سے رخصت ہو کر حیدرآباد روانہ ہوئے، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب کو اپنی جگہ جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر کیا،

تین نامور شاگرد مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب اور مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی اور چھوٹے صاحبزادہ میان عبد الحمید ہمراہ تھے، حیدرآباد پہنچنے پر شایستہ استقبال ہوا، مہمان خانہ ریاست مین قیام،

قضائے الٰہی اسی عرصے مین مفتی عدالت مفتی محمد سعید صاحب مرحوم نے (جو مدراس کے علمی خاندان کے

سرمایۂ سعادت تھی) انتقال فرمایا، قدرت نے مولوی صاحب کو بجاے خدمت صدر المدرسین کے اس عہدے کیلئے نامزد کیا تھا؛ چنانچہ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر ۲۱ پانچ ۱۸۹۵ء کو عہدۂ مذکور پر تقرر ہو گیا،

ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اب تک مطابق شرع قصاص کا طریقہ جاری ہے، پھانسی نہیں ہے قصاص کے لیے حضور نظام کی منظوری بحیثیت فرمانروائے اسلام ضروری ہے، حضور اس وقت منظور فرماتے ہیں کہ مفتی شرع فتویٰ دیں، اس خدمت کے لیے عہدۂ افتا مجلس عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) میں قائم ہے، ضرورت کے وقت مفتی اجلاس میں بیٹھکر ججوں کے ساتھ بھی کام کرتے تھے،

نواب وقار الامرا بڑے سیر چشم عالی حوصلہ امیر تھے، عمارت کا ایسا سلیقہ تھا کہ انجینروں کو بھی کم حاصل ہوا ہوگا۔ قصر فلک نما ان کے ذوقِ تعمیر کی نادر شہادت ہے،

مفتی صاحب کی (اب ہم مولوی صاحب کو مفتی صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہیں) تعظیم و بزرگداشت ہمیشہ ملحوظ رکھتے، اطلاع ہونے پر فوراً یاد فرماتے، تعظیم کو کھڑے ہو جاتے بعض اوقات کرسی اپنی ہاتھ سے بچھاتے

چند سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ قویٰ کے ضعیف ہونے پر اثر سمیت نے پھر قوت دکھائی، ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں دفعۃً درد سر شدید لاحق ہوا، صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بلایا، (جو طبیب بھی تھے) انھوں نے سبب مرض سمیت تجویز کرکے معالجہ کیا، چنانچہ روغن کاہو اور روغن بادام سرکہ میں ممزوج کرکے بدفعات ڈھائی سیر سر پر ملا گیا، تب افاقہ ہوا، خارجی تدابیر اس وقت تو مؤثر ہوگئی، مگر پھر دوسرا فساد نمایاں ہوا، تمام جسم پر آبلے نمودار ہو کر پھوٹے اور سارا جسم زخم بن گیا،

"دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

بالآخر رخصت علالت لیکر دلی تشریف لائے، معالجہ کارگر نہ ہوا، مزید رخصت حاصل کیگئی، افاقہ ہوا تو دکن کو مراجعت کی، زحمتِ امراض باقی تھی، درد سر شدید مزید برآں ابے تکلف علی حزین کا شعر صادق تھا ؎

چہ شد یارب کہ امشب دردِ سر تسکین نمی یابد　　　ز بیتابی سرم میگردد و دو بالین نمی یابد

مولوی عنایت اللہ صاحب بھوپال سے پھر طلب ہوئے، ان کی تدبیر سے دردِ سر رفع ہوگیا، باقی امراض کا علاج ٹوکا بابو ایک مدراسی وید نے بڑے معرکے سے کیا، دو مہینے سے زیادہ معالجہ جاری رہا، پوری صحت ہوگئی، اب تیسرا مرض ضعفِ پیری نمودار ہوا، آنکھوں کی بینائی سرعت سے کم ہونے لگی، اس عالم میں ایک خط مولوی عنایت اللہ صاحب کو لکھا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ان آنکھوں سے اگر بیت اللہ اور روضۂ اقدس کو نہ دیکھا تو وائے برمن و وائے بر ناکامیِ من،

خیر، رضینا بما قضا اللہ علینا"

مراجعت وطن چھ سات مہینے میں روشنی بالکل جاتی رہی، روشنی کے ساتھ تعلقِ ریاست بھی گیا، علیگڑھ تشریف لائے، ڈاکٹروں نے پانی پختہ ہونے کے لیے دو ڈھائی سال کی مدت معین کی، چنانچہ یہ زمانہ صبر و رضا سے بسر فرمایا،

۱۴ر مارچ ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ کے مشہور معالجِ چشم ڈاکٹر اینڈرسن نے بڑی توجہ اور بزرگ داشت سے کامیاب قدح کیا، ڈاکٹر کی رائے تھی کہ ایک آنکھ کا آپریشن ہو دوسری دوسرے وقت کے لیے محفوظ رہے، ادھر سے اصرار ہوا کہ دونوں آنکھ کا آپریشن کر دیا جائے، حسرت اس پر ہے کہ اپریشن کے بعد ضروری احتیاط نہ کی گئی، حرکت کرنا، آواز سے بات کرنا، پانی سے چہرہ کو دھونا وغیرہ ذالک امور ممنوع تھے، باوجود معالج کی تاکید و توجہ کے کسی کی پابندی نہ ہو سکی، نتیجہ یہ کہ دونوں آنکھیں خراب ہو گئیں، ایک کا ڈھیلا بہہ گیا، دوسری خراب ہو کر رہ گئی،

آنکھوں کے جانے کا جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، معذوری نے چلنا پھرنا چھڑا دیا، اس کا اثر عام صحت پر خراب پڑا، مالی دقتیں بھی پریشان کرتی رہیں، مجھکو اس زمانے میں حاضری کا مسلسل موقع حاصل ہوتا رہا، باوجود معذوری و پریشانی کے رکھ رکھاؤ کا اہتمام پورا تھا، ہمیشہ صابر و راضی برضا دیکھا، لباس وغیرہ صاف مرتب،

سننے کے لائق یہ بات ہے کہ مرض، عدمِ بصارت، مالی دقت ان میں سے ہر مصیبت سوہانِ روح تھی، ہمت و استقلال دیکھو، درس اس حالت میں بھی جاری تھا، مولوی بدرالدین اور مولوی کرم الٰہی اسی زمانے کے تلامذہ میں ہیں، زیادہ توجہ درسِ حدیث و تفسیر پر تھی، غایتِ شوق، فرماتے تھے "میاں مولوی

بدرالدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون، اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات مل جاتی ہے ۔

اسی زمانے کا ایک واقعہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان فرمایا ، اپنے علیگڈھ آنے کے تیسرے ہی دن سلام کو حاضر ہوے ، ایک روز پہلے جامع مسجد مین بیان ہو چکا تھا ، حاضری پر مخصوص خاندانی طریقے سے قدم لیے مولوی صاحب اس وقت آرام کرسی پر آرام فرما تھے ، بغیر تعارف صاف الفاظ مین فرمایا "مولوی سلیمان اشرف" اور پھر شعر پڑھا

گر تو تعظیم خواہی از من زار ، بہر تعظیم خود مرا بردار ،

دوسرا واقعہ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب کی زبانی ، شرح چغمینی کے پڑھانے مین ایک دائرہ کے متعلق اشکال پیش آیا ، حاضر خدمت ہو کر مشکل پیش کی ، فرمایا ، امانت اللہ! اب دماغ کہان رہا ، خیر ایک لوٹا مٹی کا لے لو ، لوٹا لایا گیا ، ایک ہاتھ پر الٹا کر کے کرہ بنا لیا ، دوسرے ہاتھ کی انگلی کو کروی حرکت دی ، صاحبزادہ کا بیان ہے کہ انگلی کا حرکت کرنا اور مسئلے کا سمجھ مین آجانا گویا ایک ہی بات تھی ،

تیسرے واقعے کا مولوی معین الدین صاحب اجمیری نے ذکر کیا ، میر زاہد کی ایک تقریر با وجود مکرر غور کے سمجھ مین نہین آتی تھی ، حاضری کے وقت اشکال پیش کیا ، سنتے ہی فرمایا کہ اس مسئلے کے متعلق اوپر کے مقدمات کی تقریر مین فلان غلطی ہوئی ہے ، اسکی تقریر اس طرح کرو حل ہو جائیگا ، چنانچہ تقریر زاہدی کا مضمون صاف ہو گیا ،

وفات ۱۳۳۴ھ مین عرفے کے دن مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء تین اور چار بجے سہ پہر کے درمیان بمقام کول (علیگڈھ) انتقال فرمایا ، یہ وہ دن تھا کہ میدان عرفات اہل ایمان کی لبیک سے گونج رہا تھا ، نوے برس کی عمر ہوئی ، حضرت شاہ جمال العارفین کے جوار مین آسودہ ہین ، چند قدم کے فاصلہ پر شاگرد رشید مولوی عبد الغنی خان صاحب مدفون ہین ،

حلیہ بلند بالا ، بدن دوہرا ، رنگ سرخ سپید ، سینہ چوڑا ، پیشانی وسیع ، آنکھین بڑی روشن ، ناک درمیانی ، ہونٹ باریک ، دہانہ چھوٹا ، گردن لانبی ، داڑھی سپید نورانی ، ہنس مکھ چہرہ ، زہر کے اثر سے پہلے قوی اعلیٰ درجہ

کے تھے صحت بہت اچھی تھی، سردی گرمی اور محنت کے اثر سے بالاتر،

لباس انگرکھا، کرتا، عرض کا پائجامہ، سر پر اکثر دو پلّی ٹوپی، خاص اوقات مین منشیانہ طرز کا عمامہ سر پر، اس پر سے سپید چادر، مردانہ مین ہمیشہ پورے لباس مین نمودار ہوتے، صرف کُرتے مین کبھی برآمد نہ ہوتے، کرتہ جسم سے گرمی مین یا تخلیہ مین بھی جدا نہ ہوتا، لباس کی درستی اور صفائی کا پورا اہتمام رہتا، مین نے مرض اور نابینائی کی حالت مین بھی لباس میلا یا فرسودہ نہین دیکھا،

عادات نشست برخاست اور گفتگو مین تہذیب و وقار کی پوری شان تھی، نگاہ نیچی رہتی، کم سخن تھے، خاموشی مین بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا، روش سادہ تھی، جفاکشی اور محنت داخلِ عادات تھی، چھتری کبھی نہ لگاتے شدتِ گرما مین سر پر چادر رکھکر دھوپ مین چلے جاتے، اس سلسلے مین ایک جان پرور واقعہ سن لو،

گرمی کے سخت موسم مین ایک بار مدرسہ عالیہ کا امتحان لینے رامپور تشریف لے گئے، امتحان سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر کے بارہ بجگئے، حسب عادت سر پر چادر رکھکر پیادہ پا استاذ العلما مولوی محمد ہدایت اللہ خانصاحب صدر مدرس مدرسۂ جونپور کے مکان پر جا پہنچے، مولوی صاحب قیلولے کے لیے زنانہ مکان مین جاچکے تھے، اطلاع پر باہر تشریف لائے، اوّل ایک پلنگ پر صاف ستھرا بستر بچھوایا، اس کے بعد مہمان محترم کی پذیرائی فرمائی،

شان پذیرائی غور سے سنو، اب یہ واقعے کہان، دیکھنا درکنار سنو گے بھی نہین، اپنے بھتیجے حافظ اسعد اللہ خان کو بھیجکر کنوئین سے تازہ پانی منگوایا، مہمان گرامی کے پانون پر عزیز سے پانی ڈالوایا، اپنے ہاتھ سے دھوئے، سقاہ اللہ تعالیٰ کاشادہا، ابھی کریم النفسی کی داستان باقی ہے، رامپوری فاضل اجل نے راوی سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو یون کہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب نے بڑا کرم فرمایا ایسی دھوپ مین تکلیف فرمائی، اور وہ بھی پیادہ پا، اپنی خدمت کا تذکرہ درکنار اشارہ بھی نہ کیا، ایک موقع پر حسب راوی موصوف نے مفتی صاحب سے مولوی صاحب کی شکرگذاری کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مین نے کیا کرم کیا مجھکو تو دوپہر کہین بسر کرنی تھی وہین چلا گیا، کرم تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ کہکر پانی منگوانے اور پانون دھلانے کا واقعہ بیان فرمایا، دیکھو یہ تھے وہ پاک مشرب صاف سینے جنکے علمی فیض

نے نہین دیا ہے، رحمہما اللہ تعالیٰ،

آمدم برسر مطلب، مزاج شگفتہ تھا، بامذاق تھا، تکلف سے بری تھے، خاص صحبتون مین مزاح بھی فرماتے
ر کا ذوق پورا تھا، خاص صحبتون مین اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیون جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے، لطف
خوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی، فارسی، اردو ادب سے یکسان
ذوق تھا، مجھکو یاد ہے کہ ایک صحبت مین ہوشم اور دوشم کی طرح پر بہت سے مطلع استادون کے پڑھے تھے،
ن مطلعے اب تک یاد ہین، صائب ؎

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می روم ہوشم | جنون آہستہ می گوید مبارکباد در گوشم

لاادری ؎

بیک پیمانہ ساقی کرد مدہوش آنچنان دوشم | کہ از محفل حریفان چون سبو بردند بر دوشم

مولوی فیض الحسن سہارنپوری، ؎

صلا زدم کہ من آزادۂ نمد پوشم | غلام حیدرم و جام حیدری نوشم

جام حیدری کی تعریف فرمائی،

گفتگو ہر شخص سے علی قدر مراتب شفقت و محبت سے فرماتے جسکا اثر سامع محسوس کرکے محظوظ ہوتا تعلی
ادعا کا شائبہ بھی کلام مین نہ پایا جاتا، تقدس آئی اور جلوہ نمائی پاس نہ تھی، تلاوت کلام مجید بھی تخلیے مین فرماتے،
سخت کلامی اور فحش الفاظ غصے مین بھی زبان سے نہ نکلتے، ملازمون کے لیے انتہائی غصے کے الفاظ یہ تھے،
تم بچھیا کے باوا ہو" "یا لائق ہو" (گویا نالائق کا نعم البدل ہے)

سیر چشم اور فیاض تھے، اسی لیے اکثر قرض کا بار رہتا، حیدرآباد کے تعلق کے زمانے مین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ
ف کفایت کرتی، شادیون مین دعوتین بڑے حوصلے سے ہوتین، جنکو ہو سبھی مان جاتے، شادی کی تقریبون
ن تلامذہ کا اجتماع قابل دید ہوتا، جنمین بڑے بڑے علما ہوتے، سب کے سب مہمانون کی خدمت بے تکلف

کرتے، مولوی ہی پلنگ بچھاتے دوسرا سامان آسایش مہیا کرتے، ایک تقریب مین میرے قیامگاہ مین مولوی ظہور الاسلام صاحب فتحپوری مرحوم سامان لائے تو مین نے معذرت کی اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کرین، ہنسکر فرمایا یہان مولویون کے سواے کون جو تمھارا کام کریگا،

ایک تقریب مین شام کے وقت مین نے دیکھا کہ متعدد چارپائیون پر تلامذہ بیٹھے ہوئے تھے، ان مین مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام صاحب وغیرہم تھے آج ان کی نظیر سارے ہندوستان مین مشکل سے ملیگی، ایک کالیستھہ شاگرد بھی تھے جن سے برادرانہ برتاؤ ہو رہا تھا،

ضروری واقعات سے باخبر رہنا اور حسب موقع ان مین حصہ لینا داخل اخلاق تھا، جو خلاصے جنتریون کے میرے سامنے ہین وہ اس کے شاہد ہین، ایک اندراج میرا سرمایہ ناز ش ہے، "۲ر مارچ ۱۸۹۱ء حبیب الرحمن خان نے پڑھنا شروع کیا"

علماے معاصرین کے علم و فضل کا اعتراف شامل وضع تھا، سب کے ساتھ محبت تھی، انکی وفات سے سخت متاثر و متاسف ہوتے، جنتریون کے اندراجون مین مولوی عبد الحئی صاحب فرنگی محلی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری وغیرہم کی وفات کا صدمہ صاف عیان ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ

مولوی اسمٰعیل صاحب اسرائیلی سے حالانکہ بے لطفی رہتی تھی، مگر دلی سے جب ان کے وفات کی خبر آئی تو بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے "مولوی اسمٰعیل اپنی ذات سے بہت اچھے آدمی تھے"،

بازار کے چٹ پٹے کباب بہت مرغوب تھے، فرمایش ہوتی کہ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیون کے کباب گرما گرم آئین، عزیز شاگرد اہتمام کرکے لاتے اور دعائین لیتے، حالت علالت مین یہ شوق معالج اور تیمار دارون کے لیے مصیبت ہو جاتا، باورچی خانہ مین عمدہ سیخ کے کباب تیار کرائے جاتے، پسند نہ ہوتے،

درس مفتی صاحب کا مخصوص کمال درس تھا، اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی، صحت و قوت وافر عطا فرمائی، علم کی

دولت سے مالامال فرمایا، یہ سارا سرمایہ تدریس وتعلیم مین صرف فرمادیا، معتبر شہادت اسکی موجود ہے کہ شباب تدریس کے وقت مین بیس بیس سبق روزانہ پڑھائے، مولوی فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کا ایک خط میرے پاس ہے، اس مین تحریر فرماتے ہین کہ آجکل درس قوت سے جاری ہے، سولہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے ہین، یہ قیام الور کا واقعہ تھا، علی گڈھ مین درس کا سلسلہ ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ستائیس سال جاری رہا، اس سے پہلے سات برس فیض عام کانپور مین درس دیا جاچکا تھا، اس طرح چونتیس برس پوری قوت کے ساتھ مجلس تدریس گرم رہی، برسون یہ معمول رہا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جامع مسجد مین تدریس شروع فرمادیتے، دوپہر کا کھانا وہین آجاتا، عشا پڑھکر مسجد سے مکان تشریف لیجاتے،

طلبا کو مطالعے کی تاکید رہتی، اگر کسی طالب علم کی خامی ثابت ہوتی اس کا سبق ناغہ کردیا جاتا، فرماتے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ فرمایش تلخی یا سختی سے نہ ہوتی بلکہ نرمی سے یون فرماتے آج شاید مطالعہ نہین کیا جو مطلب سمجھنے مین دشواری ہوتی ہے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ روک ٹوک کا سلسلہ خوبی سے ہمیشہ جاری رہتا، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب درس دے کر بھوپال مین مفتی مقرر ہوچکے ہین، اس زمانے مین ایک خط مین مصئون (بروزن مسئول) قلم سے نکلا، مفتی صاحب نے لکھا کہ مصئون بروزن مقول ہے ہمزہ کیون لکھا،

ایک اور والا نامے مین فرماتے ہین، (خلاصۃً) عنایت اللہ اپنی تعظیم مین نہین چاہتا تمھاری تحریر کی شایستگی کے خیال سے لکھتا ہون کہ بڑون کے خط مین آخر والسلام کے ساتھ کوئی لفظ تعظیمی لکھدیا کرو مثلاً بالاکرام، برابر والون کو مثلاً "ختم الکلام"

قاضی حسام الدین کشمیری سات برس حاضر درس رہے، اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ اس عرصۂ دراز مین صرف دو یا تین بار طلبا کی کج بحثی پر مولوی صاحب کو غصہ آتے مین نے دیکھا، اسی کے ساتھ دوسرے وقت شفقت سے اسکو مطلب سمجھا دیا،

تدریس کے وقت وقار وتمکین کے ساتھ نشست فرماتے، گھٹنون برابر ایک پہلو سے بیٹھے رہتے، کتاب

ہمیشہ ہاتھ مین کھلی رہتی، جماعت مین باری باری سے ایک طالب علم قاری ہوتا، باقی سامع، الحمد للہ مجھکو بھی بارہا قاری ہونے کا شرف حاصل ہوا، قاری عبارت پڑھکر ترجمہ کرتا، اس کے خاموش ہونے پر تقریر فرماتے، تقریر صاف سلیس اور بسیط ہوتی، طویل نہین، لہجے سے شفقت اور فیض رسانی کا لطف محسوس ہوتا، مستعد طلبا کے لیے پہلی تقریر کافی ہوتی، جو سمجھتے ان کے لیے دوبارہ سہ بارہ تقریر فرماتے بشاشت مین فرق نہ آتا، اعتراضون کا جواب نرمی اور تحمل سے دیا جاتا، تمام مراحل طے ہونے پر طلبہ سے دریافت فرماتے سب نے مطلب سمجھ لیا، جواب اثبات مین سنکر آگے پڑھنے کا حکم ہوتا، خوبی تقریر اپنے درس مین مین نے یہ دیکھی کہ قاضی مبارک، حمد اللہ، میر زاہد رسالہ اور غلام یحییٰ کے دقیق مطالب پانی ہوکر روان ہوتے تھے، حالت درس مین کوئی خاص ملنے والے آجاتے تو درس بند کرکے انکی جانب متوجہ ہو جاتے،

ایک بار مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی تشریف لے آئے، حسب عادت درس بند کرکے سروقد ہوکر پذیرائی فرمائی، مزاج پرسی وغیرہ رسمی مراتب گفتگو کے بعد فاضل خیرآبادی نے فرمایا کہ طلبا کا وقت بہت عزیز ہے، ہرج نہ فرمائیے، قاضی مبارک کا درس ہونے لگا، خیرآبادی مولوی صاحب سنتے رہے، ختم ہونے پر طلبا سے کہا کہ تمھارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خودبخود دفع ہوتے جاتے ہین، جب کوئی معرکے کا مسئلہ آنے والا ہوتا تو طلبا سے فرما دیتے کہ مطالعہ اہتمام سے کرنا، کل فلان مشکل مسئلے پر گفتگو ہوگی، دوسرے روز تقریر ہوتی تو خود اشکال مشکل مین پڑجاتا، مسئلے کی صاف واضح صورت ذہن مین آجاتی، ایسے موقعون پر دوسرے اساتذہ کی تقریرین بھی بیان فرماتے مگر ان پر جرح قدح نہ فرماتے، طلبا کو خود اندازہ ہوجاتا کہ کونسی تقریر کس پایے کی ہے، قاضی سعد الدین مرحوم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے درس کے زمانے مین صحیح بخاری کا نسخہ کھلا ہوا سیدھے ہاتھ مین پڑھانے کے پورے وقت تک رہتا، یہ وقت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہ ہوتا، حالت درس مین بھی شکستگی اور تواضع کا جلوہ نظر آتا،

درس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم یکسان قوت سے پڑھاتے تھے، ریاضی کے درس کا تفوق مسلم تھا، مطالعے سے ہیئت جدید کے مسائل پر بھی پورا عبور حاصل فرما لیا تھا، متعدد نقشے سیارون کی تقویم کے (جدید نظام

کے مطابق) یاد داشتون مین موجود ہین ، فرماتے تھے قدرت کی وسعت جدید علم ہیئت مین پائی جاتی ہے، قدیم ہیئت نے تو تمام کائنات کو نو دس کرون مین بند کر دیا ہے،

بڑی اور چھوٹی کتابین ایک ہی توجہ سے پڑھائی جاتین ، ایک بار لڑکپن مین اپنے عم محترم مولوی عبد الشکور خانصاحب مرحوم کے ساتھ مین ایک بار چند روز علی گڈھ رہا تھا، ہرج سبق کے لحاظ سے ممدوح نے فرمائش کی کہ کوئی طالب علم سبق پڑھانے پر مقرر کر دیئے جائین، زہے قسمت کہ حضرت نے خود تکلیف فرمائی، بعد مغرب تشریف لا کر سبق پڑھا دیتے، اس وقت مین بدیع المیزان پڑھتا تھا، پہلے روز دیباچہ پڑھوا کر سنا، مین نے موتف کی نسبت تلنبی، تلنبی بروزن زینبی پڑھی، فرمایا "تلنب بروزن سرنگ، نسبت اسکی طرف تُلَنْبِی"۔ اس واقعہ کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گذر چکا، اس لفظ کے ادا فرمانے کی آواز آج گویا کانون مین گونج رہی ہے اور لفظ تلنبی کو دونون لب ملا کر ادا فرمانا گویا اس وقت آنکھین دیکھتی ہین، یہ تھا سمجھانے کا دل نشین انداز، رحمہ اللہ تعالیٰ،

درس کی ہر فنی قوت کا اندازہ ذیل کے دو واقعون سے کرو، یہ دونون واقعے مولوی سید عبد اللطیف صاحب میرے ہمدرس نے بیان کئے ہین،

ایک مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کانپوری کی زبانی، مولوی صاحب صحاح ستہ کا دور علی گڈھ مین ختم کر کے سہارنپور مولوی احمد علی صاحب مرحوم سے حدیث پڑھنے گئے تھے، چنانچہ دورہ ختم کر کے سند حاصل کی، فرماتے تھے کہ سہارنپور مین رجال اور اسانید کی تحقیق علیگڈھ سے زائد تھی، مگر کتاب اور حدیث کا مطلب اتنا ہی تھا جتنا علی گڈھ مین تھا،

دوسرا واقعہ خود ان کے والد کی زبانی، موصوف نے علی گڈھ مین ادب عربی دوسرے فنون کے ساتھ پڑھا تھا، یہان سے جا کر لاہور مین مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم ادیب نامور سے پڑھا، بعد فراغ کہا کرتے تھے کہ لاہور مین ایام عرب وغیرہ کا بیان بیشک بیشتر تھا، لیکن اشعار کا مطلب علیگڈھ کے درس سے زیادہ نہ تھا، انتہی، مولوی صاحب کو ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتابدانی اور حل مطالب کا اعتراف تھا،

تکفیر سے احتراز مولوی صاحب کا مشرب بہت وسیع تھا، کبھی کسی کی تکفیر سے قلم آلودہ نہین فرمایا، نہ کبھی مسائل اختلافی کے مباحث مین حصہ لیا، حیدرآباد سے ایک خط مین فرزند دلبند کو لکھتے ہین کہ حلت زاغ کے مسئلے مین مخالف اور موافق دونون فریق مجھکو لکھ رہے ہین اور میری رائے کے جویا ہین، مگر مین اس اختلافی مسئلے پر کچھ نہ لکھونگا، اسی وسعت مشرب کا ظہور ندوۃ العلما کے قیام و ترقی مین ہوا،

تصنیف کبھی کوئی تصنیف نہین کی، تمام وقت اور قوت علمی پڑھانے مین صرف فرمادی،

فارسی شعر کہتے تھے، زیادہ تر تاریخین بعض منظوم خطشاگردون کے نام محفوظ ہین، کلام صاف حشو وزوائد سے پاک ہے، ایک نعتیہ شعر سن لو ؎

مرا بسوے خود اے فخر انبیا برکش — کہ برتری ز سلیمان و کمترم از مور

جملہ معترضہ، انگریزی اس قدر جانتے تھے کہ بوقت ضرورت تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے، مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم جس زمانے مین کانپور مین مدرس تھے ایک سال وبائی ہیضہ وہان پھیلا، موصوف نے ایک تار اسی اثنا مین اپنے والد بزرگوار کے نام کسی ضرورت سے بھیجا، مولوی صاحب تار پاکر قدرۃً گھبرا گئے، مضطربانہ ایک بابو کے پاس جاکر پڑھوایا، اسی روز ارادہ کیا کہ انگریزی اتنی حاصل کر لینی چاہئے کہ ایسی ضرورتون مین محتاجی نہ رہے چنانچہ بطور خود مطالعہ کرکے استعداد حاصل فرمالی،

ندوۃ العلماء کی صدارت ندوۃ العلما جیسی ہمہ گیر مجلس کی صدارت کے لیے ایسا ہی مقبول عام صدر نشین زیبا تھا جیسے کہ مفتی صاحب تھے، اس مجلس کی بنیاد مدرسہ فیض عام کانپور کی دستاربندی کے جلسون مین پڑی تھی، اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہ مدرسہ سات برس مفتی صاحب کے درس سے فیضیاب رہا تھا،

شوال ۱۳۱۱ھ مین پہلا اجلاس ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع مین خود اپنی نظیر تھا، ایک شان تو یہی تھی کہ ہر فرقے کے صناوید علما شریک جلسہ تھے، علماے حنفی کے علاوہ اہل حدیث مین سے مولوی ابراہیم آروی مولوی محمد حسین صاحب بٹیالوی، شیعہ مجتہدین مین مولوی غلام الحسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے،

یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علما بلاتخصیص فرقہ صدر نشین کی تعظیم و توقیر مین یکسان سرگرم تھے، کرسی صدارت حضرت کے جمال و کمال دونون پر نازان تھی، تحریک صدارت مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڈھ نے کی، تائید ثانی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے کی تقریر تائیدی مین یہ الفاظ بھی تھے" ... مولنا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالیٰ نے بسبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اوران کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے، لہذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکات اور لطف اللہ ہوگا" مولوی شبلی صاحب بھی موءیدین مین تھے، اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس مین مفتی عنایت احمد صاحب، مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ مین مدح و ثنا کی تھی،

اس جلسے مین ایک واقعہ قابل بیان پیش آیا، سہ پہر کے اجلاس مین جب مفتی صاحب داخل ہوئے تو دیکھا کہ عام شرکا، کی صف مین دو یورپین بھی بیٹھے ہین، دریافت سے معلوم ہوا کہ پادری ہین، مولوی صاحب نے علما کی نشستگاہ پر پہنچکر فرمایا کہ چونکہ یہ دونون بھی اپنے مذہب کے عالم ہین لہذا اس نشستگاہ پر بیٹھنے کی اجازت دیجائے، چنانچہ سب نے منظور فرمایا اور دونون صاحب اوپر آکر بیٹھ گئے،

دوسرے سال اجلاس لکھنؤ مین شرکت سے معذوری رہی، تیسرے برس بریلی کے اجلاس کی صدارت فرمائی، یہ اجلاس بھی اپنی شان مین یادگار رہا، مخالفت کا دور یہین سے شروع ہوا، ان اجلاسون مین خطبۂ صدارت کا فقدان برابر محسوس کیا گیا،

اولاد مفتی صاحب کی شادی جلیسر مین سید رونق علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس طرح صاحبزادون کی والدہ اور دادی دونون سیدہ تھین،

اولاد مین چھ لڑکے تھے، لڑکیان علاوہ، لڑکون مین محمد کرامت اللہ کا اوائل عمر مین انتقال ہوگیا تھا، سب مین بڑے مولوی عبدالقادر مرحوم تھے، اٹھارہ برس کی عمر مین درس نظامی سے فارغ ہوئے، مولوی عبدالغنی خانصاحب اور اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے، حضرت مولنا فضل رحمن مجددی قدس سرہ سے

بیعت تھی، مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم فرنگی محلی سے مباحث علمی پر مراسلت رہتی، مدرسۂ فیض عام کانپور مین صدر مدرس رہے، علم رمل سے خوب واقف تھے، ۴۰ برس کی عمر مین دق کے مرض سے ۱۳۰۳ھ مین وفات پائی فارسی شعر کہتے تھے، ایک شعر سن لو ؎

دل من شاد گر دیدن نداند　　　مگر این غنچہ خندیدن نداند

منجھلے مولوی عنایت اللہ صاحب، حکیم و حافظ تھے، اپنے بڑے بھائی اور والد ماجد کے شاگرد تھے، طب سے خداداد مناسبت تھی، علاج خوب کرتے تھے، جامع مسجد مین اپنے والد کی جگہ تقرر حیدرآباد کے زمانے مین کئی سال صدر مدرس رہے، وہان سے بھوپال جاکر اول رکن مجلس العلما، اس کے بعد مفتی مقرر ہوئے، وہین ۱۳۰۹ھ مین انتقال کیا سرکار عالیہ سلطان جہان بیگم صاحبہ کے ہمراہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، وہان کے علما سے کلام اللہ، حدیث، قصیدہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کی سندین لائے تھے،

تیسرے مولوی امانت اللہ صاحب، فارغ التحصیل ہوئے، والد اور منجھلے بھائی کے شاگرد تھے، مین اُنکا ہم سبق رہا، حیدرآباد مفتی صاحب کے ساتھ گئے اور فارغ التحصیل ہو کر لوٹے، منجھلے بھائی کے بھوپال جانے پر جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر ہوئے، برسون پورے انہاک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا، خاندانی فن ریاضی مین امتیاز تھا، بہت خاموش اور باوضع تھے، پورے مدرس تھے، سوائے پڑھانے کے کوئی مشغلہ محبوب نہ تھا، باسٹھ برس کی عمر کا سرمایہ دو نقطہ مین، پڑھا اور پڑھایا، اپریل ۱۹۳۱ء مین انتقال کیا، غفرلہم،

چوتھے مولوی سلامت اللہ، عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی، درسی کتابین ختم نہ کر سکے، حج سے مشرف ہوئے، عدم فراغ کی تلافی یہ ہے کہ نور نظر مولوی حفیظ اللہ جامع مسجد مین مسند تدریس پر بعد فراغ متمکن ہین، ریاضی مین ترقی کر رہے ہین،

سب سے چھوٹے عبدالحمید، انگریزی فارسی پڑھی، آخر الذکر دونون صاحبزادے بقید حیات ہین سلمہما اللہ تعالیٰ

مفتی صاحب کی دستارِ کمال مین ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ پانچ صاحبزادون مین سے تین صاحب

تدریس ہوئے، ایک پوتے،

اولاد سے مفتی صاحب کو معمول سے زیادہ محبت تھی، اُن کی تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے قضائے الٰہی کئی لخت جگر آنکھون کے سامنے پیوندخاک ہوگئے، سب سے زیادہ صدمہ مولوی عبدالقادر صاحب کی وفات کا تھا، اور بجا تھا،

تلامذہ جو درس چونتیس برس مسلسل اور متفرق طور پر ستر برس جاری رہا اس کے فیضیاب تلامذہ کا استقرار کون کرسکتا ہے، خصوصًا جبکہ شمار اور ضبط کی کبھی پروا بھی نہ کی گئی ہو، دریا مصروفِ مواجی رہا، امواج کی شمار کون کرتا،

حضرت کے شاگرد مولوی احمد الدین مدرس مدرسۂ دانپور (باشندۂ سرحد) نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے وطن مین اہل علم کا مجمع تھا، مفتی صاحب کے فضل وکمال کا ذکر ہونے لگا، اسی ضمن مین شاگردون کی کثرت کا مذکور ہوا، سلسلۂ کلام مین سرحد کے ایک خاص وسیع قطعے کے شاگرد شمار کئے گئے، معلوم ہوا کہ شاگرد اور شاگردون کے شاگرد ڈھائی سو (۲۵۰) کی تعداد مین مصروفِ تدریس تھے، مین اس بیان کو کذب پر محمول نہین کرتا، تم کو اختیار ہے کہ مبالغہ مان کر اپنی ہمت کے مطابق تعداد کم کردو، کتنا ہی گھٹاؤ جو تعداد رہیگی کثیر ہی ہیگی،

خود مفتی صاحب اور صاحبزادون کی تحریر سے تلامذہ کے جو نام معلوم ہوسکے درج ذیل ہین، بعض نام مین نے اپنی یاد سے بھی بڑھائے ہین،

دیکھوگے کہ شاگردون مین بہت سے علما ایسے ہین کہ ان کے تذکرے لکھے جائین تو علم مین اضافہ ہو،

صاحبزادگانِ گرامی قدر، مولوی عبدالقادر[1] صاحب، مولوی[2] عنایت اللہ صاحب، مولوی[3] امانت اللہ صاحب، مولوی[4] سید محمد علی صاحب کانپوری، مولوی[5] عبدالغنی خانصاحب، منور شید آبادی، مولوی[6] احمد حسن صاحب کانپوری، مفتی[7] عبداللہ صاحب ٹونکی، مولوی[8] سید محمد اسحاق صاحب پٹیالوی، مولوی[9] عبدالحق صاحب حقانی دہلوی، مولوی[10] عبدالحق صاحب فتحپوری، مولوی[11] وحید الزمان خان وقار نواز جنگ، مولوی[12] محمد اسحاق صاحب اسرائیلی، مولوی[13] محمد یعقوب صاحب اسرائیلی، حکیم[14] محمد یوسف اسرائیلی، مولوی[15] سید ظہور الاسلام فتحپوری، مولوی[16] الٰہی بخش پنجابی،

مولوی[17] عبدالقدوس پنجابی، مولوی[18] فضل احمد افغانی، (ریاضی میں ماہر وقت) مولوی[19] آلِ حسن مرادآبادی، مولوی[20]
بشیر احمد صاحب علی گڑھی، اب بھی استادِ مکرم کے مدرسے میں سرگرمِ تدریس ہیں، سلمہ اللہ تعالیٰ، مولوی[21] فضل حق صاحب
رامپوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ رامپور، حکیم[22] عبدالقادر خان شاہجہانپوری افسر الاطبا، ریاست بھوپال، مولوی[23]
قمر الدین اجمیری مدیر رسالہ مآل التہذیب، مولوی[24] نادر الدین، مولوی[25] شمس الدین پنجابی، مولوی[26] راغب اللہ
پانی پتی، مولوی[27] محمد اسحاق صاحب سنبھلی، مولوی[28] ہدایت اللہ جلیسری، مولوی[29] عنایت اللہ پنجابی، مولوی[30] دوست
محمد خان ساکن سکندرہ راؤ، مولوی[31] محمد ہاشم سنبھلی (میرے ہمدرس) مولوی سید[32] عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعہ
عثمانیہ (میرے ہمدرس) مولوی[33] نور محمد پنجابی مدرس مدرسہ فتحپور ہنسوہ، عجب صاحبدل ہستی تھی، مولوی[34] الہ داد خان
بنگالی، مولوی[35] احسان علی بنگالی، مولوی[36] حافظ گوہر الدین، مولوی[37] عبدالفتاح، مولوی[38] حافظ محمد فائق، مولوی[39]
ماجد علی مدرس مشہور، مولوی[40] عبدالرزاق بنگالی، مولوی[41] ملا مرید پنجابی، مولوی[42] محمد عثمان وزیری، مدرس بھوپال،
مولوی[43] محب اللہ صاحب ولایتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولوی[44] پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ
نشین گولڑہ ضلع راولپنڈی، ایک عالم خود ان سے فیض یاب ہے، مولوی[45] امان اللہ کشمیری، قاضی[46] سعد الدین کشمیری،
مولوی[47] ابو سعید، مولوی[48] عبداللہ پنجابی، مولوی[49] شرف الدین، مولوی[50] نور محمد سندھی، مولوی[51] عبداللہ قائم گجراتی،
مولوی[52] عبدالعزیز مدراسی، مولوی[53] عبدالصمد بنگالی استاد کے شیدائیوں میں تھے، قاضی[54] سراج احمد گجراتی، مولوی[55] محمد علی
انبہٹوی، مولوی[56] سبز علی ولایتی، مولوی[57] سیف الرحمن ولایتی صدر مدرس مدرسہ فتحپوری وغیرہ، مولوی[58] پردل خان
ولایتی، مولوی[59] اخلاق احمد سہسوانی، مولوی[60] حافظ محمد صدیق پوربی، مولوی[61] لطف الرحمن، بردوانی، ریاست بھوپال
میں تعلیم کے ڈائرکٹر ہیں، مولوی[62] پیر محمد ولایتی، مدرسہ جامع مسجد کول میں مدرس رہے، مولوی[63] گل محمد ولایتی مدرس الفیہ
مولوی[64] حافظ کعب ظہیر، مولوی[65] عبداللہ کاشغری، مولوی[66] شیر محمد ولایتی، مولوی[67] احمد الدین ولایتی، مولوی[68] میر عبداللہ
ولایتی، مولوی[69] خداداد بنگالی، مولوی[70] خواجہ محمد یوسف وکیل مشہور، مولوی[71] خواجہ محمد اسمٰعیل وکیل، مولوی[72] رفیع الدین
وکیل، حکیم[73] رفیع الدین، حکیم[74] شیخ محمد یوسف علی، مولوی[75] قاری کرم الٰہی، فارسی و تجوید کے استاد تھے، مولوی[76] بدر الدین

مدرس مسلم یونیورسٹی، مولوی یونس خان رئیس دتاؤلی، مولوی صدیق حسین مدرس مدرسہ جامع مسجد (میرے ہمدرس) مولوی اظہر حسین بہاری حیدرآبادی (میرے ہمدرس اور مولوی شرف الدین استاد حضور نظام مرحوم کے فرزند) ننگ تلامذہ راقم شروانی،

اس درس کی ایک سعادت یہ بھی تھی، کہ اکثر تلامذہ درس نظامی سے فارغ ہوکر گنج مرادآباد میں حضرت مولانا فضل رحمٰن مجددی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کرتے، مثلاً سابقون اولون میں مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، مولوی عبد الغنی خانصاحب، مولوی عبد الحق صاحب حقانی، مولوی احمد حسن صاحب (مرید حضرت حاجی صاحب کے تھے، مگر پیر کی اجازت سے حاضر باش آستانۂ مبارک رہے) متوسطین میں مولوی سید ظہور الاسلام صاحب، مولوی نور محمد صاحب پنجابی، متاخرین میں مولوی سید عبد اللطیف صاحب، خاکسار راقم،

حضرت پیر مرشد کو بھی مفتی صاحب کے حال پر توجہ تھی، ایک بار کی حاضری میں مجھ سے فرمایا کہ مولوی لطف اللہ کو جانتے ہو، عرض کیا، جانتا ہوں، فرمایا خدمت کرتے ہو، عرض کی بزرگ خدمت کرتے ہیں، دیکھو اس استفسار کی برکت ہے مفتی صاحب کی آخری حیات میں خاکسار کو بھی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا، والحمد للہ علی ذالک،

صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ فہرست اپنی کوتاہ دامنی پر شرمسار ہے،

خاتمہ و حاصل کلام ایک مدرس اعظم کا مرقع سامنے ہے، جس سے تم بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہو،

فلسفۂ فقراء

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای، سی ایس آئی، ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن؛

(۳)

۸۔ حادثاتِ جسم و جان،

اسیطرح زمان و مکان کا اتحاد اوپر بتایا گیا ہے، اوسی طرح اہلِ تصوف جسم و جان کا اتحاد بتاتے ہین کہ جسم کا اندازہ یا اوسکی پیمایش جان سے ہوتی ہے، مثلاً اگر کسی جانور کو کوئی چوٹ لگے، تو اوس کے درد یعنی اوسکی جان کو صدمہ کسقدر پہنچا، اوس کا اندازہ جسم پر جو زخم ہوا اوس کے طول و عرض اور گہرائی سے کیا جاتا ہی، کہ زخم جب اتنا ہے، تو درد کسقدر ہوگا، پس زمان و مکان کے مانند جسم و جان بھی توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہین اور نہین ہو سکتے، جہان جسم ہی وہان جان ہے جہان جان ہی وہان جسم ہی، بلکہ یون سمجھا جائے، کہ ہر ظاہر یا شئی کے دو پہلو جیسے زمان و مکان ہین، ویسے ہی اوس کے دوسرے دو پہلو جسم و جان ہین، حتیٰ کہ بعض ویدانتیون کا خیال ہے کہ مکان جسم کی نشانی ہے اور زمان جان کی، اونھون نے ایک طرف مکان و جسم کو مترادف سمجھ کر دوسرے طرف زمان و جان کو بھی مترادف سمجھا ہی،

۲۔ بجلی کیا چیز ہے معلوم نہین جو گرمی یا روشنی یا قوت کے طور پر ظاہر ہوتی ہی، ایسا ہی جان کیا چیز ہے معلوم نہین لیکن اوس کا ظہور تین چار بلکہ متعدد مدارج یا حالتون[1] مین ہوتا ہے جیو، جان، روح، نفس وغیرہ نوعاً ایک ہین اگرچہ درجہً یا حالتہً ایک کی جداگانہ ہی اور یہ فرض کر لینے کیلئے کوئی امر مانع نہین ہے کہ جیو، جان، روح اور نفس مین باہمی فرق اسی قدر ہے جسقدر کہ جثہ، جسم، جسد، بدن مین کیا جاسکتا ہے مثلاً فرض کر لیا جاسکتا ہی، کہ درخت مین جیو ہے، کیڑے مین جان ہے، اور گھوڑے مین روح ہی اور آدمی مین نفس ہے، (یہان معمولی الفاظ فرضی معنون مین استعمال کئے گئے ہین!)

---

[1] الفاظ "درجہ" و "حالت" دراصل مترادف ہین، انسان کے جسم کی ایک حالت بخار ہی، اوس کا درجہ (۱۰۱) کہا جاتا ہی، جبکہ تھرمامیٹر سے ناپا جاتا ہی، درجہ سے مراد "موجودہ حالت" ہی؛

کیڑے کے جسم و جان میں جو مغائرت یا مماثلت، غیریت یا یکتائی پائی جاتی ہے۔ ویسی ہی گھوڑے کے جسد و روح میں اور آدمی کے بدن و نفس میں ہے، اس مفروضہ کے اکثر صوفی اس وجہ سے قائل ہیں کہ (صوفیہ تحقیقات میں جس کا بیان متعاقب ہوگا) جان کے اقسام نہیں پائے جاتے۔ فقط مدارج یا مختلف حالات ہیں لیکن جسم کے (مکان و زمان کے احساس کی وجہ سے) اقسام بھی ہیں، اور مدارج بھی ہیں، یہ مفروضہ اس تاویل کے واسطے ہے کہ قالب بلا روح کوئی شی نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا القیاس روح بلا قالب کوئی ظاہرہ نہیں ہے، اشخاص جو کہتے ہیں کہ ہم نے زید کی روح دیکھی یا ہندہ کی روح سے بات کی، وہ (اگر سچ کہتے ہیں تو) زید یا ہندہ کا نام لے کر اعتراف کرتے ہیں، کہ اوس کی روح کسی نہ کسی قالب میں اون کو محسوس ہوئی،

۴۔ اکثر صوفیوں کی رائے میں کوئی جسم بے جان نہیں ہے نہ کوئی جان بے جسم ہے، ہر جسم جاندار ہے اور ہر جان جسم دار ہے، پتھر یا لوہا، پودہ یا درخت، پرندہ یا چوپایہ، حیوان یا انسان، جن یا ملک، سب کے سب ذی روح بھی ہیں، اور ذی جسم بھی، جان یا روح سب میں ایک ہی قسم کی ہے، فقط حالت یا درجہ کا فرق ہے، جیسے گرمی ایک ہی قسم کی تمام اجسام میں ہے لیکن درجہ کا فرق رہتا ہے، جس طرح گرمی کے درجہ کا اندازہ تھرمامیٹر سے ہوتا ہے، ویسا ہی جان یا روح کے درجہ کا اندازہ اوس کے متعلقہ جسم سے ہوتا ہے، جو ہم کو محسوس ہوتا ہے، پس جان جس درجہ کی پتھر میں پائی جاتی ہے اوس سے بڑھ کر درخت میں ہے جس کا نام (محض امتیاز کے واسطے) ہم نے جیو رکھا ہے اوس سے بڑھ کر درجہ کی جان پرندہ و حیوان میں ہے جسکو ہم نے روح سے موسوم کیا ہے اوس سے بڑے درجہ کی جان جسکو ہم نفس کہتے ہیں انسان میں ہے یقیناً کہا نہیں جا سکتا کہ جن و ملک کی روح یا نفس کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے بڑھ کر ہے یا کم، کیونکہ اکثر انسانوں کو اس کا احساس یا ادراک نہیں ہے، کہ جن یا ملک کا کوئی جسم ہے یا کیا، جیسا ہم پتھر درخت پرند وغیرہ کے جسم کو دیکھ کر اس کی جان کے درجہ کا اندازہ سرسری طور سے کر لیتے ہیں، ویسا سرسری طور سے بھی اکثر بلکہ بہت سے انسانوں کو جن یا ملائکہ کے جسم کو دیکھ کر اندازہ کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ (الف) جن و ملک موجود نہیں، یا (ب) اگر موجود بھی ہیں، تو وہ روح خالص ہیں جسم نہیں رکھتے ہیں یا (ج) اگر اون کا کوئی جسم ہے

تو انسان کو نظر نہین آتا، اکثر صوفیون کا ادّعا یہ ہے، کہ جن وملک موجود ہین، انسان کے احساسات وادراکات کے باہر نہین ہین بعد ودے چند انسانون کو وہ نظر آتے ہین اور اون سے وہ راہ ورسم بھی رکھتے ہین،

۴۔ جن و ملک[1] کا اکثر انسانون کو نظر نہ آنا، اون کی عدم موجودگی کی یا اون کا کوئی جسم یا قالب ہونیکی کوئی دلیل نہین ہے، ڈینوسارس ایک عجیب وغریب شکل کا مہیب جانور ہزارہا من وزندار پانی مین رہنے والا زمین پر انڈے دینے والا اب کہین بھی نہین پایا جاتا ہے، لیکن اس وجہ سے یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ لاکھون سال قبل روئے زمین پر کہین بھی نہین تھا، کیونکہ اوس کا کالبد اور اوس کے انڈے آثار قدیمہ ڈھونڈنے والون کو ملے ہین جن سے بلا شبہہ ظاہر ہوتا ہے کہ ڈینوسارس کی بود وباش ہماری اسی زمین پر قدیم القدیم زمانہ مین تھی، ایسا ہی جن وملک کو ڈھونڈنے والے انسان جو اس زمانہ مین بھی ہین (اگرچہ نسبتہً تعداد بہت کم ہین) اونکو جن وملک کے کچھ ایسے آثار ملے ہین اور ملسکتے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن وملک موجود ہین اور ایسے قالب رکھتے ہین جن سے پایا جاتا ہے کہ اونکی روح کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے اعلیٰ وارفع ہے، کثیر التعداد انسان ہین جنکو کسی جن یا کسی ملک کے جسم وجان کا کوئی احساس وادراک[2] ہی نہین ہوسکتا، اس کے یہ معنی نہین ہوسکتے کہ جن وملک اس وقت موجود نہین اور نہ کسی وقت موجود تھے، بلکہ یہ معنی ہین کہ بہت سے انسانون کے حواس کا ارتقا اس قدر کامل نہین ہوا ہے ورنہ ان مین ایک خاص ادراک ایسا پیدا ہوا ہے جس سے وہ اُن ہستیون کی موجودگی سے ویسے ہی واقف اور باخبر ہین ہوسکتے ہین، جیسے وہ حواس خمسہ اور دیگر حواس سے ذرہ سے لیکر انسان تک کی ہستیون کے وجود سے واقف اور باخبر ہوتے ہین

۵۔ چند ماہ قبل حیدرآباد مین ایک نمائش ہوئی تھی، جہان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور دوسرے امرا، وعمائدین کے سامنے ایک شخص معمرسنی سال نے اپنی آنکھون کو آٹے کی ٹکیون سے بند کرکے اون پر سیاہ پٹی مضبوط بند ھوا کر اپنے سامنے کے ایک سیاہ تختہ پر چاک (CHALK) سے لکھی ہوئی عبارت کو اس طرح صحیح طور سے پڑھا

---

(۱) یہان "شیطان" کا نام تک نہین لیا گیا، کیونکہ وہ بدباطن جانور بھی ہوسکتا ہے انسان بھی اور جن بھی تمام مخلوق مین شیطان رجیم ہے

(۲) "حس" "وادراک" مین فرق یہ ہے کہ حس کوئی چیز کا ہوتا ہے، اور ادراک ہر چیز کے ایک جزو (یا پہلو) سے دوسرے جزو (یا پہلو) مین فرق پانے کا ہوتا ہے،

گویا اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ کر پڑھتا تھا، اگر کسی زبان مین جسکو وہ نہین جانتا تھا کوئی عبارت لکھی جاتی تو اسکو اگرچہ وہ پڑھ نہین سکتا تھا لیکن اوس عبارت کے نیچے بالکل ویسی ہی عبارت اپنے ہاتھ مین چاک لیکر لکھدیتا تھا، گویا آنکھ سے دیکھکر اوس نے عبارت نقل کی، چنانچہ اس نے چینی زبان مین لکھی ہوئی عبارت آنکھین بند رہنے پر بھی صحیح طور سے نیچے لکھ دی، اس کے کیا معنی؟ یہی کہ اوس کے دوسرے حواس یا اون مین سے کوئی دو ایک حواس اوسکو آنکھون کی بصارت کا کام دیتے تھے، غالباً اوس کے کان تختہ پر لکھنے کی آواز کے ایسے مانوس ہوگئے تھے، کہ وہ آنکھون سے دیکھ کر پڑھنے کے عوض فقط کان سے سنکر پڑھتا تھا، اکثر گونگے بہرے اشخاص اپنی آنکھون سے دوسرون کی باتین ایسی سمجھ لیتے ہین گویا اونھون نے خود اپنے کانون سے سنکر سمجھا، بہت سے نابینا اشخاص کپڑون کو چھو کر اونکا رنگ صحیح طور سے بتا دیتے ہین، امریکہ والی گونگی و بہری لڑکی مس ہیلین کیلر جو بچپن مین اندھی بھی ہوگئی، اوسکو ٹیلیفون کے موجد پروفیسر بیل نے ایسی تعلیم دی، کہ اب وہ چند قابل قدر کتب کی مصنفہ ہے اور اوسکو گلاسگو یونیورسٹی نے اعزازی ڈگری دی ہے، یہ عورت اپنے دوستون کے منہ کے نزدیک اپنے ہاتھ لیجا کر یا اون کے حلق پر ہاتھ رکھکر اون کی باتین سمجھ لیتی ہے، حالانکہ وہ اون کو نہ دیکھ سکتی ہے، نہ اون کی باتین سُن سکتی ہے لیکن جرمن، فرنچ و انگریزی مین بات کرنا سیکھ گئی ہے، سب کچھ لکھ دیتی ہے، دہلی مین ایک معزز و معمر حکیم ہین جن کی بصارت ایام طفلی مین ہی ضائع ہوگئی، اونھون نے نابینائی کی حالت مین علوم متداولہ کی تحصیل کی، حافظ و محدث ہین، اور طبابت ایسی سیکھی کہ ان دنون ہند مین اون کے جیسے طبیب بہت کم ہین، وہ اپنے مریضون کے نام اون کی نبض پر ہاتھ رکھکر بتا دے سکتے ہین، اور محض نبض سے ایسی تشخیص کرتے ہین کہ صد بینا دران حیران بمانند،

ان تمام تجربون سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ ایک حاسہ کا کام دوسرے حاسہ کا دینا، یا ایک سے زیادہ حاسون کا کام دوسرے حواس سے لینا ممکن ہے، مثلاً بینائی کا کام شنوائی کرتی ہے، اور شنوائی کا کام بینائی، ہمارے حواس مین کہ یہ دو دو ایسی ترقی کر سکتے ہین، کہ دوسرے حواس کا کام خود وہ کر سکتے ہین، ارتقا کے نظریہ کے ثبوتون مین ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ ہمارے چار حواس ذائقہ، شامہ، سامعہ و باصرہ فقط ایک حاسہ لامسہ سے ارتقا پائے ہین، یعنی چکھنا، سونگھنا، سننا، و نیز دیکھنا یہی ہے، کہ چند خاص [illegible] سے جسم کا ایک خاص حصہ یا عضو چھوے جاتا ہے، ورنہ کچھ نہین، ذائقہ مین تو کھانے کی چیز

ہماری جیب کو چھوتی ہے، سونگھنے کے لئے اشیاء کی عطریت ناک کے اندر کی جھلی کو چھوتی ہے، سننے کے لئے ہمارے کان کے اندر کی ایک دف پر ہوا کی چوٹ لگتی ہے، دیکھنے کے لئے روشنی کی شعاعین آنکھ کے اندر کی ایک لطیف جھلی کو چھوتی ہین، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چھونے کا اثر مختلف اشیاء سے جسم کے خاص اعضاء پر جداگانہ ہوتا ہے، جسکے باعث سماعت وبصارت کے سوا اور کوئی حاسہ بھی انسان مین پیدا ہوسکتا ہے جس سے انسان کو اور بھی ایسی ہستیون کا احساس ہوسکتا ہے جیسے کہ جن وملک ہین،

۶۔ دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے چھونے کے سوا (تولنے) یعنی کس چیز کا کیا وزن ہی، کونسی چیز نرم ہے کونسی سخت اوسکو انسان کے جسم کے وہ عصبہ پالیتے ہین جو عام طور سے گوشت کہے جاتے ہین، یہ حواس خمسہ کے سوا ایک چھٹا حاسہ ہے، جو عصبی حاسہ کہلاتا ہے، اس کے علاوہ آنکھین جو دیکھنے کی عضو ہین، نہ صرف روشنی ورنگ کی تمیز کرتی ہین، بلکہ شکل و حرکت کا امتیاز بھی، کان نہ صرف آواز سننے کا آلہ ہے، بلکہ آواز کس طرف سے آتی ہے، اوسکی شناخت کا بھی ذریعہ ہے، ہماری جلد، چمڑے مین نہ صرف چھونے کا حاسہ ہے بلکہ گرمی سردی پانے کی بھی سکت ہی، راقم کو ایک انگریز دوست کے ساتھ جنگلون مین دو ایک ماہ دورہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اس سے جب پوچھا گیا، کہ اب "وقت کیا ہے" فوراً ہوا سونگھ کر صحیح وقت گھنٹے ومنٹ کہدیتا تھا، گویا گھڑی دیکھ کر کہتا ہے، شاذونادر ایک دو منٹ کی غلطی ہوجاتی تھی، شب مین جب گہری نیند مین رہتے وقت بھی اوس کو بیدار کرکے وقت دریافت کیا جائے تو بچھونے پر پڑے پڑے آنکھین بند کئے ہوئے بغیر فقط ہوا زور سے ناک مین کھینچ کر صحیح وقت (کبھی کبھی دو ایک منٹ کے فرق سے) بتادیتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اوسمین وقت پہچاننے کی غیر معمولی طاقت پیدا ہوگئی تھی، غرض ایسی بہت سی باتین بیان کیجاسکتی ہین، جو بخوف طوالت یہان ترک کیجاتی ہین، لیکن جس قدر کہ بیان ہوئی ہین، اون سے کیا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا، کہ انسان مین ایسے حواس ہین، یا اوسکے موجودہ حواس ایسی ترقی کرسکتے ہین، یا اوس مین ایسے جدید حواس پیدا ہوسکتے ہین، کہ وہ جن وملک کے جسم وجان کو (جن کو بعض اصحاب محض "روح" یا "ارواح" کہتے ہین،) دیکھ سکتے ہین، سن سکتے ہین، سونگھ سکتے ہین، بلکہ چھو بھی سکتے ہین، ؟

۷۔ ہم نے حادثات یا حوادث جسم وجان کی بحث کے ضمن مین حواس مرتقی (ارتقا پائے ہوئے حواس) اور

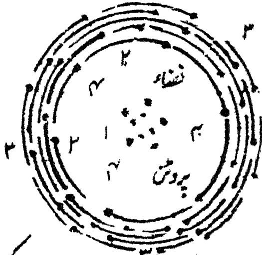
حواس جدید کا تذکرہ سرسری طور سے اس لئے کر دیا تاکہ چلتے چلتے اشارۃً بتا دیا جائے، کہ اہل تصوف کی اصطلاح مین الہام القا، کشف وغیرہ کے دراصل کیا معنی ہو سکتے ہین، ؟ کیا ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ انسان بریاضت جسمانی و روحانی جد و جہد سے اپنے مین ایسے حواس پیدا کر سکتا ہی، یا اپنے حواس کو ایسی ترقی دے سکتا ہے کہ جن سے وہ اون حوادث جسم و جان کو جو "جن" و "ملک" کہے جاتے ہین، دیکھ سکے، اور اون سے باتین کر سکے، مغربی صوفیا جنکو ناسٹکس Gnostics کہتے ہین، وہ دعوی کرتے ہین کہ جن و ملک کے سوا دوسری ہستیان بھی کسی نہ کسی طور پر اون کے فہم و ادراک مین آسکتی ہین،

۹ - تناسبہ،

۱ - حکمائے سلف کے چار یا پانچ عناصر کے عوض اہل سائنس کے پاس بیانوے[1] عناصر محقق ہوئے ہین، حال تک خیال تھا، کہ اون کی تعداد زیادہ ہے یا ہو سکتی ہے مگر اس سال انگلستان مین ایک تنبدکے متعلم نے ثابت کر دیا، کہ عناصر کی تعداد بیانوے سے زیادہ ہونا ممکن نہین اون کے (خواص) کے باہمی (تعلق) کا ایک حیرت خیز ضابطہ، Periodic Law، مرتب ہوا جسمین ہر ایک عنصر کا نمبر یا شمارہ ہی اوس کے خواص کا اور دیگر عناصر سے تعلق کا پتہ دیتا ہے، ہر عنصر کے ایسے چھوٹے ٹکڑے کو جس سے چھوٹا ٹکڑا ہونا ممکن نہین، جزو لا یتجزی کو آٹم کہتے ہین، اندنون اس آٹم کی تشریح خاص خاص آلات و ترکیبون سے جو ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر آٹم بجائے خود ایک نظام ہے، جیسا کہ نظام شمسی Solar System ہے یعنی جس طرح سورج کے اطراف اوس کے سیارے مشتری زہرہ زحل وغیرہ چکر لگاتے پھرتے ہین، اوسی طرح ہر آٹم مین ایک اکہرا دوہرا یا تہرا پروٹن ہے جو بجائے خود ایک آفتاب ہی، اوس کے اطراف سیارون کے مانند الیکٹرون چکر لگاتے پھرتے ہین پروٹن مثبتہ الیکٹریسٹی بجلی کا جوہر ہے، اور الیکٹرون منفیہ الیکٹریسٹی بجلی کے جوہر ہین، ہر آٹم مین پروٹن اکہرا دوہرا تہرا رہتا ہے لیکن اوس کے اطراف پھرنے والے الیکٹرون ایک سے زیادہ ہو سکتے ہین، اون کے پھرنے کے مدار بھی مختلف ہوتے ہین، چنانچہ ہر آٹم کی قیاسی شکل ایسی ہوتی ہی:-

---

[1] عبارت کو سلیس بنانے کے واسطے یہان انگریزی الفاظ الیکٹریسٹی آٹم پروٹن ترجمہ کے بغیر یونہی مستعمل کیے جاتے ہین



۱ - پروٹن
۲ - الیکٹرن (اندر کے)
۳ - الیکٹرن (باہر کے)
الیکٹرن
۴ - فضاء

الیکٹرنون کی تعداد اور اون کے مدارون کا فرق ہی ہے، جس سے ایک عنصر کے اٹم مین اور دوسرے عنصر کے اٹم مین امتیاز اور فرق ہو سکتا ہے، مثلاً سونا چاندی دونون عنصر ہین، اون کے جزو لا تجزی اٹم کے پروٹن مین کوئی فرق (مثبتہ الیکٹریسٹی کے اعتبار سے) نہین ہے، شاید بڑا چھوٹا پروٹن ہو تو ہو البتہ سونے کے اٹم مین الیکٹرن کی تعداد چاندی کے اٹم کے مدار کی تعداد سے زیادہ ہے، اسی لئے سونا الگ ہے چاندی الگ ہے، آجکل یہ خیال بھی سائنس دانون کا ہے (جیسا کہ سابق کیمیا گرون کا تھا) اگر کسی نہ کسی طور سے چاندی کے اٹم مین الیکٹرن کی تعداد بڑھا کر سونے کے اٹم کی تعداد کے موافق کردیجا سکتی ہے، تو چاندی سونا بن جا سکتی ہے، مگر اب تک ایسا نہ ہو سکا[1]

۲ - سائنس کی ترقی کے لئے دنیا کے بڑے بڑے مستند علما و فضلا کی ایک انجمن موسوم بہ برٹش ایسوسی ایشن سنہ ۱۸۳۱ سال سے قائم ہے، جسکے سالانہ اجلاسون مین سائنس کے ایسے اصول کا اعلان ہوتا رہا ہے، جو بعد مین بہت سے ایجادات و اختراعات کے باعث ہوئے ہین، سال گذشتہ اوس کے ایک جلسہ مین یہ بحث تھی کہ آیا ہماری دنیا کبھی نیست و نابود ہونیوالی ہے یا کیا ایک مشہور منجم نے ہندسی طور سے ثابت کیا کہ ہماری دنیا (نظام شمسی وغیرہ) ہنوز وسیع ہو رہی ہے، چنانچہ ہر لمحہ اور ہر سکنڈ مین اوس کی توسیع (۲۲۸) میل ہو رہی ہے، یعنی ہر روز دو کروڑ تر اسی لاکھ میل ہماری دنیا بڑھتی ہے اور چوڑی ہوتی جاتی ہے، دوسرون نے بیان کیا کہ اگرچہ ہماری دنیا نیست و نابود ہونے والی ہے، مگر کب ہو گی اوس کے سالون کے شمار کے لئے ایک لکھ کر اوس کے سیدھے طرف اتنے صفر لگانا ہوگا جو دائرۃ المعارف برطانیہ (Encyclopaedia Britannica) کی (۳۳) ضخیم جلدون کے تمام صفحات بھر دین گے یعنی دنیا نابود ہونے کے لئے کروڑہا کروڑ ارب در ارب سال گذرنا ہوگا، ایک تیسرے گروہ نے اس کا اعلان کیا کہ اگرچہ تمام اجسام و اجرام چھوٹے بڑے سب کے سب نیست و نابود

---

[1] نظام کالج کے سابق پروفیسر طبعیات ڈاکٹر گھور ناتھ جواڈ بنرا کے D. S. C. تھے، اونھون نے راقم کو ایک دھات بتا کر کہا تھا کہ وہ سونا ہے جسکو اونھون نے چاندی سے بنایا،

ہو سکتے ہین لیکن ہر جسم و ہر جرم کے درمیان جو فضا ہے، اوس مین خلو نہین ہے، بلکہ وہ جان سے بھری ہوئی ہے، اور یہ جان فنا نہین ہو سکتی، لہذا ان دونون سائنس کا رجحان اسطرف ہے، کہ کہین خلو نہین اور جہان خلو سمجھا جاتا ہے، وہ حصہ جان سے بھرا ہوا ہے، اور جان کی معدومیت خارج از قیاس ہے، اسی لحاظ سے بعض ویدانتیون کا قول ہے، کہ جو کچھ ہے وہ جان ہے، جنکو ہم اجسام واجرام کہتے ہین وہ سب جان کی شکلیں ہین، جو اکثر اوقات بدلتی رہتی ہین، ایسا ہی بعض صوفیون کا اعتقاد ہے، کہ جان لاموت ہے، چنانچہ روز مرہ گفتگو مین "فلان مرگیا" کہنے کے عوض "فلان کا انتقال ہوا" جو کہا جاتا ہے، یہ علامت اوس اعتقاد کی پائی جاتی ہے کہ جان مرتی نہین، بلکہ اوسکی ایک حالت سے دوسری حالت مین منتقلی ہوتی ہے، برٹش اسوسی ایشن کے اور ایک اجلاس مین اس قیاس کا اعلان ہوا کہ ہر آٹم کے پروٹن اور اون کے اطراف پھرنے والے الکٹرن کے مابین جو فضا ہے، وہ ایک گونہ جان سے بھری ہوئی ہے، یا فضا مین ایک قسم کی کشش جو ہے، وہ روح سمجھی جا سکتی ہے،

۳- ویدانتی عناصر اربعہ کے علاوہ ایک پانچوان عنصر آکاس گنتے ہین، جو ایتھر جسکا بیان اوپر گذرا ہے اوس کے مشابہ ہے، وہ اور صوفی جو فقط چار عنصر کے قائل ہین، دونون ان عناصر کے ذرون کو اجزاء لایتجزی تصور کرکے جو نظریہ جسم و جان کے تناسب کا قائم کرتے ہین وہ قریب قریب ایسا ہی ہے، جیسا کہ آٹم کے پروٹن اور الکٹرن کا تناسب فقرۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے، اس بارہ مین اہل تصوف اور اہل سائنس کے قیاسات کا مقابلہ یون کیا جا سکتا ہے:-

(الف) اہل سائنس کی تشریح آٹم	(ب) اہل تصوف کی تشریح ذرہ
(۱) عناصر کی تعداد = ۹۲	(۱) عناصر کی تعداد = ۴ یا ۵
(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = آٹم	(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = ذرہ یا رتی
(۳) تشریح آٹم:-	(۳) تشریح ذرہ یا رتی:-
یک جوہر = پروٹن مثبتہ الکٹریسٹی } توام	یک جوہر = جسم } توام بوجہ نسبت یا تعلق باہمی
دیگر جوہر = الکٹرن منفیہ الکٹریسٹی } بوجہ کشش باہمی	دیگر جوہر = جان
(۴) فضا مابین پروٹن و الکٹرن = باعث	(۴) فضا مابین جسم و جان = باعث

کشش باہمی	نسبت یا تعلق باہمی
وہ کیا؟ روح	وہ کیا؟ حقیقت[1]
(۵) مختلف اٹم کیوں ہیں؟	(۵) مختلف ذرات کیوں ہیں؟
یلکٹرن کی تعداد کی کمی یا زیادتی سے،	نسبت جسکو ذات کہہ سکتے ہیں اوس کے اثر کی کمی یا زیادتی سے،

(۶) (الف) اہل سائنس کے قیاسات اور (ب) اہل تصوف کے قیاسات کا تقابل محض سرسری طور پر کرنے سے پایاجاتا ہے کہ دونوں میں فی الحقیقت چنداں فرق نہیں ہے، البتہ اصطلاحات و الفاظ کا فرق ہے اور طرز یا طریقہ ثبوت میں بھی بہت فرق ہے، اسکی بحث طول وطویل ہوسکتی ہے، اوس کو ترک کرکے ہم فقط صوفیوں کے نظریہ تناسبیہ کا ذکر کرتے ہیں جس کا پتہ تقابل مندرجہ سے ملتا ہے:- وہو ہذا:-

(الف) ذرہ سے پہاڑ سورج ستاروں تک سب میں جسم وجان توام ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کا کام جو اصطلاحاً وظیفہ[2] کہا جاتا ہے، جداگانہ ہے، جان کا وظیفہ (Function) یا کام جسم کی حفاظت ہے، اوسکو بھلا چنگا رکھنا اوسکو خطرون سے بچانا، جسم کا وظیفہ یا کام، جان کا آلہ بنے رہنا، چنانچہ جسم کے افعال سے ہمکو نہ صرف جان کی موجودگی کا احساس[3] وادراک وعلم ہوتا ہے، بلکہ اون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جان اپنے جسم سے جلب منفعت و دفع مضرت کے افعال کراتی ہے،

---

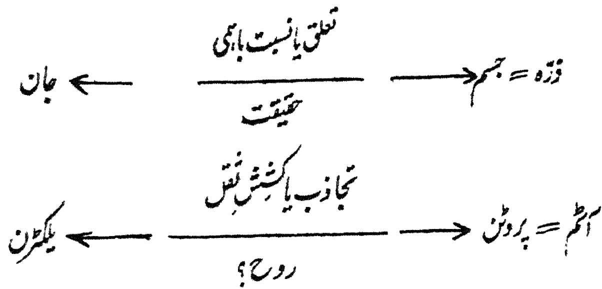
[1] عالمگیر کے زمانہ میں رائچور کے پاس قریہ گوگی میں ایک صوفی سید محمود بحری رہتے تھے، اوُنھوں نے اپنی مثنوی (من لگن) میں ذات یعنی اللہ کی تعریف یون کی ہے:-

اے روپ ترا ارتی رتی ہے، پربت پربت پتی پتی ہے،
(پہاڑ ۱۲)

پربت میں اوگ نہ کم پتی میں یکسار ہے راس اور رتی میں،
(زیادہ ۱۲) (یکسان ۱۲) (بہت ۱۲) (کم ۱۲)

[2] دیکھو تعلیق فصل ۳ دفعہ (۵) [3] احساس و ادراک وعلم میں فرق نفسیات کی بات ہے جسکی توضیح کی یہان ضرورت نہیں،:-

(ب) ہر چیز مرکب ہے عناصر سے اور ہر عنصر کا جز ولا یتجزیٰ جسکو صوفی ذرہ و ویدانتی ذرتی اور سائنس آٹم کہتا ہے، اسمین بھی دو توام جوہر ہین جنکو صوفی جوہر جسم اور جوہر جان کہتے رہے لیکن ان کو سائنس پروٹن اور الیکٹرن کہتا ہے، ان دونون جوہرون مین باہمی تعلق (یا باہمی مناسبت) خواہ وہ مقدار کی ہو، خواہ وہ انجذاب یا کشش کی، خواہ اور کسی قسم کی ہو، اوسکا نام صوفیون نے حقیقت رکھا ہے اور سائنس اوسکو مظہر روح کہنے پر آمادہ پایا جاتا ہے،



(ج) حقیقت کیا ہے؟ یعنی جسم وجان کے مابین کیا کوئی فضاء ہے اگر ہے تو کیا ہے؟ اس بارہ مین اور حقیقت کی تعبیر و اطلاق مین اہل تصوف مین بہت کچھ اختلافات ہین، مثلاً ہو الکل کہنے والے صوفی حقیقت کو ذات کہتے ہین، اور ہمہ اوست کے کہنے والے صوفی اوس کو مظہر ذات کہتے ہین، ان کے بڑے مباحث ہین جن کا سرسری ذکر بھی یہان صحیح طور سے نہین ہو سکتا کیونکہ یہ الہام القار یا کشف کے محسوسات و ادراکات سمجھے جاتے ہین جنکی تعبیر و اطلاق مین اختلاف ہے،

۴- جس طرح آئین اسٹین نے اپنے نظریہ تناسب سے بہت سے نتائج حجم وزن تجاذب وغیرہ کی نسبت طبعیات سے متعلق اخذ کئے ہین ویسے ہی بہت سے نتائج صوفیون نے اخلاق و الٰہیات سے متعلق اخذ کئے ہین، مثلاً اچھا برا کیا ہے؟ نیکی بدی کسکو کہتے ہین؟ تدبیر و تقدیر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا سرسری تذکرہ بھی اس رسالہ کو ایک ضخیم کتاب بنا دیگا، یہان صرف مثال پر اکتفا کیجاتی ہے،

۵- بعض ویدانتی و صوفی اپنے کو تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کے ماہر سمجھتے ہین، اپنے مریدین و معتقدین کے خواب کی کیفیت وغیرہ سن کر ان کی نسبت پیشین گوئی کرتے ہین، مگر نہ نون یورپ مین بھی مخصوص جرمنی مین چند حکماء و فضلاء خواب کی تعبیر سے نفس کی باطنی حالت کی تشخیص کر کے نفس کی بیماریان ہسٹریا، مالیخولیا، خبط، جنون وغیرہ کا علاج کرتے ہین،

اونھون نے سائنس کے موافق اور صوفیون نے قرآن شریف کے موافق نفس کے جو طبقات Strata قرار دئیے ہین، اونکا مقابلہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:۔

"ایغو" سے مراد "نفس انسانی" یعنے وہ جو اپنے کو "مین" کے نام سے موسوم کرلیتا ہے،

سائنس حسب خیال ڈاکٹر فرائیڈ وغیرہ	طبقات النفس	حسب عقیدۂ صوفیہ
۱۔ ایکون ایغو: ایغو کے جزو عند الموقع ہوجانیوالے عزیزات مثلاً بھوک پیاس شہوۃ خوف غصہ وغیرہ۔		نفس ملہمہ:۔ جو کشف و کرامات کا باعث ہوتا ہے، (قرآن ۹۱:۸)
۲۔ مافوق الیغو، Censor: برے کاموں سے روکنے والا، لعنت ملامت کرنے والا،		نفس لوامہ۔ (قرآن ۷۵:۲) جو لعنت و ملامت کرنے والا ہے،
۳۔ ایغو Ego: (۱) وقوف Focal Consciousness؛ (۲) ماحول وقوف Marginal Consciousness؛ (۳) ماتحت وقوف (حافظہ وغیرہ) Recoverable Consciousness — یعنی وہ جو اپنے کو "مین" کہتا اور سمجھتا ہے		نفس مطمئنہ۔ جو اپنے سے خوش و راضی رہتا ہے (قرآن ۸۹:۲۷)
۴۔ ماکان الیغو: لاوقوف The Unconscious خواہشات ناجائز یعنی وہ جو کسی وقت ایغو کے جزو بنے تھے، مگر دبا دئے گئے،		نفس امارہ۔ (قرآن ۱۲:۵۳) جو برے کاموں کی طرف راغب رہتا ہے

لفظ "طبقات" استعارہ ہے اس سے مراد اسی قدر ہے کہ جیسا زمین کے طبقات (مثلاً پتھریلی زمین، ریتیلی زمین، مورم وغیرہ) ہین، ویسے جداگانہ حصص انسان کے نفس کے بھی ہونا فرض کرلئے جاتے ہین، اسی طور سے جیسے زید کی جوانمردی بیان کرنے کیلئے کہا جاتا ہے

کہ زید شیر ہے۔ حالانکہ زید شیر سا جانور نہیں ہے۔ فقط شجاعت شیر کی بابت رکھتا ہے۔ ایسے ہی اگرچہ نفس کے حصے واقعی نہیں ہین، فقط اوسکی حالت کذائی کے بیان کے واسطے اوسکے حصص یا طبقے ہونا قیاس کر لیا جاتا ہے،

نقشۂ بالا کی مزید توضیح و تاویل کی یہان گنجایش نہین۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ صوفیون کی باتون مین اور آج کل کے سائنس کی باتون مین کس قدر معنًا موافقت ہے اگرچہ الفاظ مین فرق ہے ؎

سرِ خدا کہ عارفِ کامل بکس نہ گفت	در حیرتم کہ باده فروش / صاحب سائنس از کجا شنید (حافظ)

طبقات النفس کا سرسری ذکر اس لئے کیا گیا تا کہ ڈاکٹر فرائیڈ اور اون کے شاگردون کے فقط ایک نظریہ کی صراحت کی جائے،

۴۔ ہر نفس کے (مجازاً) مختلف طبقات ہین، جو اوس نفس والے آدمی کے کردارے، اوسکے جسم کے حرکات و سکنات سے پائے جاتے ہین، مذکورہ الصدر چار طبقات مین ایک اسفل طبقہ ہے، (جس کا نام صوفیون کے پاس نفس اماره ہے) اور جو نقشہ کے داہنے طرف (ما کان الیغو) سے موسوم ہے، یہ طبقہ اون خواہشات کا ہے، جن کا حصول ناممکن پائے جانے سے طبقۂ اعلیٰ، ما فوق الیغو، یعنی نفس لوامہ نے اون کو ایسا دبا دیا (اور وہ اس طرح دب گئے ہین) کہ وہ دوسرے طبقات نفس کے بہت نیچے چلے گئے، اس دباؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیداری کے وقت اون کی یاد مطلق نہین آتی، مگر خواب مین وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی شکل مین ظاہر کرتے ہین، مثلاً ایک نوجوان کہین راستہ چلتے چلتے ایک خوبصورت بازاری عورت کو دیکھتا ہے، تو اوس کے دل مین یعنی نفس مین جو خواہشین اوس عورت کی نسبت فطرةً پیدا ہوتی ہین، اونکا حصول مختلف و متعدد محاظات و دشواریون کی وجہ سے مثلاً بدنمائی یا بدنامی کے لحاظ سے، غیر ممکن پاتا ہے، لہذا وہ اون خواہشات کو دبا دیتا ہے یعنی بالکل بھول جاتا ہے لیکن وہ خواہشات اوس کے نفس سے بالکل محو نہین ہوتے، بلکہ نفس کے ایک طبقہ مین (جس کا نام لا وقوفی ہے، اس مین) دبے رہ کر کبھی نہ کبھی وہ خواب مین کامیاب یا پورے ہوتے ہین جسکو عام طور پر احتلام کہتے ہین، غرض فی زمانا یورپ مین علماء کا ایک گروہ ہے، جن کے صدر ڈاکٹر فرائیڈ DR. FREUD ہین، جنھون نے تعبیر رویا کے بارہ مین اپنے ذاتی تجربون کی بنا پر ایک مستند کتاب لکھی ہے، جو یورپ کی علمی دنیا مین عجیب و قابل لحاظ سمجھی جاتی ہے، اور اون کے

شاگردون مین سربرآوردہ ڈاکٹر یونگ DR. JUNG ہین جنھون نے اپنے تصانیف مین اپنے تجربون کی بنا پر اوستاد کی چند باتون مین اضافہ کیا ہے، چنانچہ اونھون نے انسانون کی اون خواہشات کو (ANIMA) حیوانی تصور کیا ہے، جیسے کہ اوس نوجوان کے خواہشات تھے، جو اوس بازاری عورت کو دیکھنے سے پیدا ہوئے، اور اون لحاظات کو (PERSONA) انسانی سمجھا ہے، جیسے اوس نوجوان کے لحاظات (تمدنّ، مذہبی وغیرہ) نے اوسکی خواہشات کو دبا دیا، یا بھلا دیا (یعنی اوس کے نفس کے طبقۂ وقوفی سے طبقۂ لاوقوفی مین پہنچا دیا) لیکن بعد مین سوتے وقت لحاظاتِ نفسی کا دباؤ کم ہونے سے خواہشاتِ حیوانی اوس نوجوان کے خواب اور احتلام کے باعث ہوئے، جسم ڈاکٹر یونگ نے نیک چلن کا معیار لحاظاتِ انسانی کا غلبہ، اور بدچلن کا معیار خواہشاتِ حیوانی کا غلبہ یون قرار دیا ہے کہ

"جتبک اور جہان تک لحاظاتِ انسانی خواہشاتِ حیوانی پر غالب رہتے ہین یعنی اون کو دبا رکھتے ہین، یا بھلا رکھتے ہین، انسان کے کردار نیک رہتے ہین، اور جب کبھی خواہشاتِ حیوانی لحاظاتِ انسانی پر غالب آجاتے ہین، تو افعال بد اور ستید رنج چال بھی بد ہو جاتی ہے"

یہی بات اہلِ تصوف نے صدہا سال قبل تنا سبۂ جسم و جان کے نظریہ سے بطور نتیجہ اخذ کی تھی، اونھون نے خواہشات حیوانی کو فسق و فجور کا باعث سمجھا، اور لحاظاتِ انسانی کو زہد و تقویٰ کا موجب تصور کیا، اور آیۂ کریمہ (سورۂ والشمس ۹:۸) جو اس رسالہ کا زیبِ عنوان ہے، اور جس کا مضمون اس رسالہ کا لب لباب ہے، اوس کو اوس نتیجہ کی دلیل قرار دی، فجور کی طرف رغبت دلانے والے خواہشاتِ حیوانی کا نام قوای بہیمیہ رکھا، اور تقویٰ کی طرف مائل کرانے والے لحاظات انسانی کا نام قوای ملکوتی رکھا، اور ڈاکٹر یونگ کے کلیہ کو سالہا سال قبل اس طرح بیان کر دیا،

آدمی زادہ طرفہ معجون ست ‌‌‌‌ از فرشتہ سرشتہ و ز حیوان
گر کند میل این، شود کم ازین ‌‌‌‌ ور کند قصد آن، شود بہ ازان

۱۰- خاتمہ

۱- خواب کی مختصر تشریح جو اوپر گذری وہ فصل بالا ۲ کی دفعہ (۶) کے بیان سے متعلق ہے، اگر رویا سے مراد یہی ہے کہ بیداری مین جو خواہشین

ۓ جان تنا جسم

فراموش ہوجاتی ہین، وہ بعد مین سوتے وقت کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین جن سے انسان کو ایک قسم کی آفت یا راحت محسوس ہوتی ہی تو اوسی قبیل کی مگر اوس سے زیادہ آفت و راحت تصوف کی اس امنگ مین محسوس ہوتی ہی جسکی صراحت ابتدا ہی مین کردیگئی چنانچہ تصوف کی امنگ مین نیند کی سی ایک بیہوشی طاری ہوتی ہے، ایمین صوفی کی وہ خواہشین کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین، جو اوس کے دل مین "مین کیا ہون کون ہون" وغیرہ سوالون کے اطمینان بخش جوابون سے پیدا ہوچکی تھین اور جنکا پورا ہونا ظاہری ہوش و حواس کی حالت مین ممکن نہ تھا۔

(۱) نہان کسی پہ عیان ہو نہین سکتا ہوجائے عیان بھی تو بیان ہو نہین سکتا (۲)

۱۔ فصل ۹ کی دفعہ (۳) مین بیان کیاگیا ہے، کہ تمام فلسفہ کا دار و مدار تین سوالون کے جوابون پر ہے، جو نفس اوس کے احوال اور اوسکے ماورا سے متعلق ہین، گویا یہ مصادر ہین جن سے دیگر مسائل مشتق ہین، غرض ان اصولی سوالات کا ایک ہی جواب ھو صوفیون کے پاس ہی، مگر اوسکی توضیح و تفہیم کے لئے اہلِ تصوف کو بھی میدانِ فلسفہ مین قدم رکھنا پڑا؛ اون کے فلسفہ کا بیان جسقدر ہوسکا، اوس سے اندازہ ہوسکتا ہی، کہ اونھون نے کس حد تک طبعیات حیاتیات و نفسیات کے فلسفہ کی باتون کو حل کیا ہے۔ فقرا، کا فلسفہ روحانیت جو ہے اوسکے سرسری ذکر کے سوا طوالت کے لحاظ سے کوئی مفصل بحث نہین کیگئی، اور غلط فہمی کو دور رکھنے کیلئے فقرا کے الٰہیات کے تذکرہ سے بالکل پرہیز کیاگیا، بہرحال امید کیجاتی ہے، کہ اس رسالہ مین جو کچھ بطور نمونہ خروارے لکھا گیا ہی، وہ عام فہم و مفید ہوگا۔

۲۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بصورت امیر و بسیرت فقیر، وہ ذاتی ہین اور مولوی سید احمد حسین صاحب امجد جو صوفی منش نازک خیال شاعر ہین، اون کا اور چند دوسرے احباب کا شکریہ ادا کیجاتا ہی، کہ اونھون نے براہ کرم اس رسالہ کی نسبت مشورہ دیا، اور اوسکی عبارت کو صحیح و سہل بنانے مین مدد دی، ان مین ایک صوفی منش خاتون بھی ہین، جو اپنا نام پردہ اخفا مین رہنا پسند فرماتی ہین، احباب اول الذکر کا مین خاص طور سے ممنون ہون کہ ان دونون نے اپنے اشعار متن مین یا حواشی مین لکھنے کی اجازت دی تاکہ سوکھا ساکھا مضمون بالکل بے نمک نہ رہے، اگرچہ احباب نے ہر قسم کی تائید فرمائی، لیکن اس رسالہ کی ہر بات کی صحت یا غلطی کا ذمہ دار ہے احمد حسین امین جنگ

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدما صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت عہ

مشاعرہ

از

مولینا عبد السلام صاحب ندوی

مشرقی ممالک مین شاعری کی ترقی اور شعراء کے مسابقہ و مقابلہ کا ایک بڑا ذریعہ مشاعرہ ہے، زمانۂ جاہلیت مین شعرائے عرب بازار عکاظ مین جمع ہو کر اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور تمام عرب سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے، یہ گویا عرب کا سالانہ مشاعرہ تھا، اسکے بعد جب فارسی شاعری نے بہت زیادہ ترقی کی، اور متوسطین و متاخرین کا دور شروع ہوا تو مشاعرون کا اور بھی زیادہ رواج ہوا، لیکن ان کی صورت بازار عکاظ کے مشاعرون سے مختلف تھی، شعرائے عرب مختلف بحر و قافیہ مین اپنے قصائد سناتے تھے، اور کسی خاص زمین اور طرح کے پابند نہ تھے، لیکن فارسی شعراء ایک خاص بحر اور ایک خاص ردیف و قافیہ کے پابند ہوتے تھے اور اگرچہ اس طریقہ سے خیالات و مضامین محدود ہو جاتے تھے، تاہم شعراء کی طباعی کا امتحان اس سے نہایت خوبی کے ساتھ ہو سکتا تھا، کیونکہ اس طریقہ سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ ایک ہی قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ کس شاعر نے عمدہ مضامین پیدا کئے ہین،

اردو شاعری بھی اس معاملے مین بالکل فارسی شاعری کی مقلد ہے، اور ابتداء سے لیکر آج تک ہندوستان مین اسی طریقے پر مشاعرے ہوتے رہے ہین، اور ہو رہے ہین، بلکہ اب تو یونیورسٹیون کالجون اور اسکولون کی سنجیدہ علمی مجالس کے پہلو بہ پہلو اُسکو جگہ مل رہی ہے،

عربی مین اسی قدر تھا کہ شعراء کسی ایک موقع پر جمع ہو کر اپنے قصائد سناتے تھے، فارس مین یہ ہوا کہ شعراء کسی با کمال شاعر کے کسی بلند پایہ قصیدہ یا مثنوی کے وزن و قافیہ مین قصیدے اور مثنویان تصنیف کرتے تھے، مثلاً عثمان مختاری

کے اس قصیدہ کے ع

مسلمانان دلے دارم کہ ضائع می شود جانش

خاقانی امیر خسرو، مولینا جامی وغیرہ بڑے بڑے اساتذہ نے جوابات لکھے ہین، خاقانی نے اس کتاب کے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہے،

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش

اسی طرح کمال اسمٰعیل اصفہانی کے اس قصیدہ کا ع :-

ایکہ از بر سر موی تو دلے اندر داست

خواجہ سلمان وغیرہ فضلا نے جواب لکھا ہے،

اسی طرح نظامی کے خمسہ کے جواب مین بیسون مثنویان تصنیف ہوئین، اس کے بعد کمال اصفہانی اور سعدی کے زمانہ سے جب غزل گوئی کو ترقی ہوئی، تو شعرا غزلون کے جواب مین غزلین لکھنے لگے، اس قسم کی جوابیہ غزلون مین عموماً ان کے مقطع مین جواب کی تصریح کردیجاتی تھی، لیکن اس قسم کے واقعات کو مشاعرہ کے بجائے مطارحہ سمجھنا چاہیئے،

مشاعرہ اور مطارحہ دو مختلف المعنی لفظ ہین، مشاعرہ کے معنی باہم شعر خوانی کرنیکے ہین، اس کے لئے کسی مخصوص زمین اور ردیف و قافیہ کے اتحاد کی ضرورت نہین، بلکہ شعرا اگر کسی مجلس مین الگ الگ زمینون مین غزل یا قصیدے پڑھین تو اوس کو مشاعرہ کہہ سکتے ہین، لیکن مطارحہ کے معنی طرح افگندن یعنی بنیاد عمارت قائم کرنے کے ہین، اور عمارت کی بنیاد قائم کرنے کیلئے پہلے سے ایک مجوزہ نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ نقشہ کسی مخصوص طرح کی صورت مین ضروری قرار دے لیا جاے، تو اوس کو مطارحہ کہین گے، لیکن اب عام طور پر مشاعرہ جس کا نام رکھ دیا گیا ہی وہ مشاعرہ اور مطارحہ دونون کا مجموعہ ہے یعنی کسی ایک طرح یا زمین پر شعرا کا باہم مل کر شعر پڑھنا اس سے اب ہر مشاعرہ کے لئے ایک خاص طرح کی پابندی ضروری ہوگئی ہے لیکن اس معنی مین مشاعرہ کا رواج فغانی کے زمانہ سے ہوا[1]

[1] شعر العجم جلد سوم صد ۱۹،

اور شعرائے متاخرین فارسی کے زمانہ مین اوسکو بہت زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ اس زمانے مین اکثر فغانی کی غزلین طرح کی جاتی تھین، اوران مین محتشم کاشی اور عرفی وغیرہ غزلین لکھتے تھے، اور عام مشاعرون مین پڑھتے تھے، شیراز مین ایک دکان گویا شعرا کا دنگل بن گئی تھی، جہان متعدد شعرا جمع ہوکر مشاعرے کرتے تھے، اوران مین عرفی اور غیرتی وغیرہ شریک ہوتے تھے[1]

شیراز ہی کی تخصیص نہین بلکہ تمام ایران مین اس کا عام رواج ہوگیا تھا، اور شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بڑا ذریعہ بن گیا تھا، چنانچہ نظیری نیشاپوری جب خراسان سے کاشان مین آیا، تو یہان کے اساتذہ یعنی حاتم فہمی مقصود خردہ، شجاع اور رضاعی وغیرہ کے مشاعرون مین جو طرحین دیجاتی تھین، اون مین نظیری بھی شریک ہوتا تھا، چنانچہ انھین غزلون مین سے ایک غزل کا شعر یہ ہے؛

زخود ہرگز نیازارم دلے را ؛؛ کہ می ترسم درو جائے تو باشد[2]

ہندوستان مین بھی فارسی شعرا کے آخری دور مین شاعری کی مجلسین قائم تھین اور امرا بعض غزلون کو شعرا کے سامنے پیش کرتے تھے، اور وہ اُن کے جواب لکھتے تھے، چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی ثنائی مشہدی کے تذکرے مین لکھتے ہین :-

"پیش ازانکہ بہندوستان بیاید بزرگان این دیار ہنے ازو،

غائبانہ بزم می آراستند و در ہر مجلس شعرا او را بتبرک بخواندند"

ایک اور امیر کا یہ شعر نقل کیا ہے،

باریک چو موبیست میانے کہ تو داری، گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری،

اور اوس کے بعد لکھا ہے :-

"چون این غزل درمیان انداخت، خیلے از شعرائے آن صوبہ جواب گفتند از ان جملہ این است :-

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری ؛؛ گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری"

پھر اپنا شعر بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری ہے، جس سے توبہ بہتر ہے[3]، بعض اُمرا

۱؎ شعر العجم ج سوم ص۱۸۲، ۱۸۴، ۲؎ مآثر رحیمی جلد سوم ص۱۱۵ تذکرہ نظیری ۳؎ بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۳۸-۲۲۹،

خود مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے اور اپنے دربار کے شعرا سے اونکا جواب لکھواتے تھے، مثلاً ایک مرتبہ شیخ سعدی کی یہ غزل شعرا کے سامنے پیش کی،

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است ؛ ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است ،

اور خود اوس کا جواب لکھا اور دوسرے شعرانے بھی اوس کے جواب لکھے[1]

شعرا خود بھی مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے، اور مقطع مین اون غزلون کے مصرعے نقل کر دیتے تھے، چنانچہ صائب کا یہ خاص انداز ہے، مثلاً،

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید ملک — چشم بینش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد — سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد،

اس طریقہ سے خاص خاص زمینون اور خاص خاص طرحون کی پابندی لازمی ہوگئی، چنانچہ ایک امیر نے امیر خسرو کی ایک غزل کا یہ مصرع

از دل بدست رفت وزنخ بتار یخت،

طرح کیا اور شعرا کو اس پر غزل لکھنے کیلئے ایک دن کی مہلت دی، اور دوسرے دن محمد انوری لاہوری ملا عبدالغنی فخر الزمانی نے غزل لکھکر پیش کی[2]

اسی طریقہ کی باضابطہ شکل کا دوسرا نام مشاعرہ تھا، اور رفتہ رفتہ یہ باضابطہ شکل بھی قائم ہوگئی، چنانچہ مآثر الامرا مین ایک امیر کے حال مین لکھا ہے:-

"در ہر ہفتہ یکبار مشاعرہ مقرر کردہ بود، جمیع شعرائے کشمیر حاضر میشدند، در آخر مجلس شیلانے می کشید"[3]

لیکن با این ہمہ قدمائے شعرائے اردو یعنی ولی وغیرہ کے زمانے تک کسی مشاعرے کا پتہ نہین چلتا، البتہ جب دلی مین اردو شاعری کا عام رواج ہوا تو ساتھ ساتھ مشاعرون کی بھی گرم بازاری ہوئی، اور اون مین سب سے زیادہ اہم مشاعرہ خواجہ میر درد کے مکان پر ہوتا تھا، لیکن جب یہ بزم مشاعرہ حوادث زمانہ سے قائم نہ رہ سکی تو خواجہ صاحب کے ایما سے میر تقی کے یہان ہر مہینے کی پندرھوین تاریخ کو ہونے لگی[4] اس کے علاوہ [illegible] بھی متعدد

---

[1] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۰۰ [2] میخانہ صفحہ ۵۰۰ [3] مآثر الامرا حصہ دوم صفحہ ۱۷۱ [4] نکات شعرا صفحہ ۵۴،

مشاعرے ہوتے تھے، جن کا حال میر نے اپنے تذکرے مین جابجا لکھا ہے، چنانچہ میر سجاد کے تذکرے مین لکھتے ہین :-

"قبل ازین بخانہ او مجلس یاران ریختہ می شد بندہ نیز میرفتم"[۱]

میان کمترین کے تذکرے مین فرماتے ہین :-

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات می شود"[۲]

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین مشاعرہ کو مراختہ کہتے تھے، جو ریختہ سے ماخوذ ہے،

دلی کے تباہ ہونیکے بعد جب لکھنؤ اردو شاعری کا مرکز قرار پایا تو یہان مشاعرون نے اور بھی رونق حاصل

کی، بالخصوص شہزادگان دلی نے جو لکھنؤ مین آرہے تھے، ان کی رونق کو اور بھی دوبالا کیا، چنانچہ تذکرۂ گلشن ہند مین میرزا

جوان بخت کے حال مین لکھا ہو کہ

"غرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے مین دومرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے

دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعرائے باوقار کو اپنے چوبدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے، اور ہر ایک شخص سے نہایت

الطاف اور عنایت کے ساتھ گرمجوشی سے فرماتے"[۳]

مرزا سلیمان شکوہ کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

"در ایامے کہ بحکم او ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود، اکثرے از کاروانان فن در حضور آمدہ حاضر می شدند،

تیر سوز کہ کسوت درویشی بر قامت حال خود داشت در اوائل مشاعرہ بانعام یک دوشالہ ویک ٹپو سرفرازی

یافتہ راہ خود پیش گرفت"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ مشاعرے امرا کے درباروں مین شعرا کی قدردانی اور ان کے

اجتماع بلکہ ملازمت کا بڑا ذریعہ تھے، چنانچہ مصحفی اسی عبارت کے سلسلہ مین اپنے متعلق لکھتے ہین :-

این فقیر حقیر خوبکہ، نسبت دیگران باوصف گوشہ نشینی درین کار زیادہ رسوائی داشت، بگفتۂ انشاء اللہ خان

---

[۱] نکات الشعرا ص۲۲، [۲] ر ر ص۱۵۶، [۳] تذکرۂ گلشن ہند ص۵۴،

حسب الطلب حضور با وصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس بیاران شدہ بود چنانچہ زیبهار تاریخ در حلقہ ملازمان حضور در آمد»

اس لئے یہ شاعری کی ترقی کا بڑا ذریعہ بن گئے تھے،

یہ شاعری ذوالمناظرہ کا کام بھی دیتے تھے، اگرچہ اس حیثیت سے انکے اخلاقی نتائج اچھے نہیں ہوتے تھے اسلئے جو لوگ مناظرے کے کانون سے اپنے دامن کا بچانا پسند نہیں کرتے تھے وہ ان مین جانا پسند نہین کرتے تھے، چنانچہ علی ابراہیم خان مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم کو جب مرزا جوان بخت جہاندار شاہ نے اپنے مشاعرے مین طلب کیا تو اونھون نے یہ معذرت کی :-

"کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بسکہ ان صحبتون مین مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے"[1]

تاہم اون کے ذریعہ سے فن تنقید کو جو شاعری کا ایک لازمی جزو ہے، نہایت ترقی ہوتی تھی، چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آبحیات مین اس قسم کے بہت سے تنقیدی نکتے لکھے ہین، جو انھین مشاعرون کی پیداوار ہین، مثلاً خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ تھا، سودا نے یہ مطلع پڑھا

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبین کو، اختر پڑے جھانکے ہین فلک پر سے زمین کو

خان آرزو نے فوراً قدسی کا یہ مطلع پڑھا :-

آسودۂ قطرات عرق دیدہ جبین را اختر ز فلک مے نگرد روئے زمین را،

جس سے یہ اشارہ تھا کہ سودا کا مطلع اسی کا ترجمہ یا سرقہ ہے[2]

شاہ نصیر نے دکن مین کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، آتش و آب و خاک و باد اپنے مشاعرے مین وہ غزل سنائی اور کہا کہ اس طرح مین جو غزل لکھے مین اوسے اوستاد مانتا ہون، دوسرے مشاعرے مین ذوق نے اس پر غزل پڑھی اور شاہ صاحب کی طرف سے اوس پر کچھ اعتراضات ہوئے جنکا قریب تھا، ذوق نے ایک

---

[1] تذکرۂ گلشن ہند ص۲۰، [2] آبحیات ص۱۵۱،

زمین مین بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ لکھا، اس پر بھی اعتراضات ہوئے، ذوق نے قصیدہ کو مشاعرہ مین سُنا
کہ وہین برسرِ معرکہ فیصلہ ہوجائے قصیدہ کا مطلع یہ تھا،

کوہ اور آندھی مین ہون گر آتش و آب و خاک و باد آج نہ چل سکین گے پر آتش و آب و خاک و باد

اور اسپر اعتراضات حسبِ ذیل تھے،

(۱) سنگ مین آتش کے چلنے کا ثبوت چاہئے،

(۲) سنگ مین آتش کا ثبوت چاہئے، [۵۱]

مولینا محمد حسین آزاد نے ان سوالات و جوابات کی جو تقریر کی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو شاعری کی حد سے گذر کر منطق و فلسفہ کے حدود مین داخل ہوگئی ہے،

دلی کے ایک مشاعرے مین مرزا غالب نے اپنی فارسی غزل سُنائی، جب یہ مصرع پڑھا:-

بوادئی کہ دران خضر را عصا خفت است

تو اوس پر یہ اعتراض ہوا، کہ "عصا خفت است" مین کلام ہے، مرزا نے کہا مین ہندی نژاد ہون میرا عصا پکڑ لیا، شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا ع وے بجملہ اول عصائے شیخ بخفت،

اونھون نے کہا کہ اصل محاورہ مین کلام نہین، کلام اسمین ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہین؟ [۵۲]

یہ مشاعرے شعرار کی مسابقت و مقابلہ کا بھی بڑا ذریعہ تھے، اگرچہ اس مسابقت و مقابلہ سے صحیح طور پر کام نہ لیا گیا، تاہم اسمین شبہہ نہین کہ اردو شعرا نے اوسکی بدولت بڑے بڑے دشوار گذار مرحلے طے کئے، "تذکرہ گلستان سخن" مین نصیر کے حال مین لکھا ہے:-

"بارہا ہنگامہ مشاعرہ مین حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہین ہوا کہ اوس نے اوس کوتاہ مدت مین شمع مقابل رکھ کر اشعار سوزان تر از شعلہ شمع بقدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش گذار کر دئے"

---

۵۱ آبحیات ص ۴۲۳، ۵۲ ر ص ۴۹،

اس مسابقت کا ایک واقعہ اسی تذکرے میں شاہ صاحب کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ایک بار لکھنؤ میں آئے اسوقت مصحفی جرأت اور انشا سب زندہ تھے، بقول صاحب تذکرہ ہر ایک کے دل میں ہوس مطارحہ پیدا ہوئی، اور باہمی مشورے سے آٹھ مصرعے مشکل زمینوں میں طرح کرکے شاہ صاحب کے پاس بھیجے، شاہ صاحب انکے ساتھ ہی درد گردہ میں مبتلا ہوگئے تھے، مشاعرے کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے، تاہم غیرت کے تقاضے سے نہ صرف ان زمینوں میں غزلیں کہیں بلکہ خود ایک اور غزل لکھی، جسکی ردیف و قافیہ چمن کی کلی اور کفن کی کلی تھی اور مشاعرے میں داد تحسین حاصل کی[1]

ایک بار شاہ صاحب سفر لکھنؤ سے واپس آئے اور دو غزلیں جو شعرائے لکھنؤ کی فرمایش سے کہی تھیں ایک مشاعرے میں پڑھیں۔ ان میں ایک کا مطلع اور ایک کا ایک شعر یہ ہے،

ہم پھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیاں
پر نہیں اے ہمصفیرو اپنے بس کی تیلیاں

برہمن اپنے بتوں کو سجدہ نہ کر
آدمی مردہ ہیں بے گور و کفن پتھر کے،

ان کی بڑی تعریفیں ہوئیں تو بعض اساتذہ کے دل میں رشک پیدا ہوا اور اپنے شاگردوں سے ان دونوں زمینوں میں غزلیں کہلائیں، یہ بات شاہ صاحب کو ناگوار ہوئی، اور پہلی زمین میں تقریباً پچاس غزلیں کہلا کر اپنے شاگردوں کے نام سے آیندہ مشاعرے میں پڑھوائیں، اس سے رشک و حسد کا بازار گرم ہوگیا، اور اوس کے بعد شعرا نے یہ التزام کرلیا کہ ہر مشاعرہ میں اسی زمین میں غزل طرح ہو، اور لوگ تو صرف آٹھ نو شعر مشاعرے میں پڑھتے تھے لیکن شاہ صاحب ہر بار ساٹھ ستر اشعار کا دوغزلہ پڑھتے تھے، اور اون کے شاگردوں کی غزلیں بھی جو اونیس بیس شعر سے کم نہ ہوتی تھیں اونھیں کی طبعزاد ہوتی تھیں[2]

ان وجوہ کے علاوہ ایک عام مجمع میں شعرا و اساتذہ کی داد تحسین بھی نومشق شعرا کی ترقی و شہرت کا بہت بڑا ذریعہ تھی، مولوی محمد حسین آزاد نے ذوق کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک مشاعرے میں ایک غزل پڑھی، تعریف زیادہ ہوئی تو حوصلہ بڑھا، اور بے اصلاح مشاعرے میں غزل پڑھنے لگے اب کلام کا چرچا زیادہ ہوا،

---

[1] گلستان سخن ص ۴۵۹۔ [2] ایضاً ص ۴۶۰۔

اور بزرگان پاک طینت جو اساتذہ سلف کی یادگار باقی تھے مشاعرون مین تعریفین کرکے دل بڑھانے لگے،[1]

لیکن ان تمام باتون کے ساتھ مشاعرون کے اخلاقی نتائج نہایت ناگوار بلکہ خطرناک ہوئے چنانچہ ایک نواب حسن
کے یہان مشاعرہ تھا، وہ شیخ ناسخ کے معتقد تھے، اس لئے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب جب غزل پڑھ چکین تو اونھین سر مشا
خلعت دین لیکن یارون نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح نہ بھیجا، اونھین مصرع اوس وقت پہنچا جب مشاعرہ
صرف ایک دن باقی تھا، وہ نہایت برہم ہوئے اور شہر کے باہر جاکر ایک مسجد مین جا بیٹھے اور وہان سے غزل لکھکر لائے
مشاعرے مین گئے تو قرابین بھر کر لیتے گئے اول تو اونکا انداز ہی بانکے سپاہیون کا تھا، اس پر قرابین سامنے بھری ہوئی
رکھی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہین، بار بار قرابین اوٹھاتے تھے اور رکھ دیتے تھے جب شمع سامنے آ
تو سنبھل کر ہو بیٹھے، اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کرکے پڑھا،

سُن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا، کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

اس ساری غزل مین کہین اون کے پالک ہونے پر، کہین ذخیرۂ دولت پر، کہین ان کے سامان ا
پر غرض کچھ نہ کچھ چوٹ ضرور ہے، شیخ صاحب بیچارے دم بخود بیٹھے رہے، نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اون پر
خالی کرین، یا میرے پیٹ مین آگ بھر دین، اوسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لئے تیار کرو
دونون صاحبون کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا،[2]

اسی رشک و منافست کا یہ نتیجہ تھا کہ دونون بزرگ کبھی ایک مشاعرے مین شریک نہین ہوتے تھے، اور لکھنؤ
مشاعرون مین اب بھی اس رشک و منافست کے ناگوار مناظر نظر آتے ہین،

دور جدید مین اگرچہ مشاعرے کی قدیم شکل بھی قائم رہی تاہم اس دور مین اردو شاعری کی اصلاح کے
مشاعرون کی بھی اصلاح ہوئی، اور سب سے پہلے کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے جب اردو شاعری کی اصلاح کی
توجہ کی تو اس سلسلے مین اونھون نے ایک بزم مشاعرہ بھی قائم کی جس مین مصرع طرح کے بجائے کوئی خاص مضمو

[1] تذکرہ آبحیات صنہ ۴۱؛ [2] ،، ،، صنہ ۳۴۴

دیاجاتا تھا کہ عاشقانہ مضامین کی جگہ مناظر قدرت اور جذبات انسانی پر شعراء طبع آزمائی کرسکیں، مولانا حالی اور مولوی محمد حسین آزاد نے جو اس وقت سررشتۂ تعلیم سے متعلق تھے، اس مشاعرے میں خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا، اور حب الوطنی اور مناظر قدرت پر چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں، اور اسی مشاعرے کے ذریعہ سے جدید شاعری کا آغاز ہوا، اگرچہ عام طور پر اس قسم کے مشاعروں کا رواج نہ ہوسکا، تاہم اب بھی کبھی کبھی اس قسم کے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں جن میں غزل کے بجائے مختلف موضوع پر نظمیں پڑھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ سے ایک نوع کی شاعری کے بجائے مختلف نوع کی شاعری کو ترقی ہوتی ہے،

جب سے ملک میں نئی نئی یونیورسٹیاں قائم ہوئی ہیں، اور نصاب تعلیم میں اردو زبان داخل ہوئی ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی مشاعروں کی طرف توجہ ہوگئی ہے، بالخصوص طلبہ اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں، چنانچہ تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں سالانہ مشاعرے ہوتے ہیں، اور دور دور سے مشہور شعراء مدعو کئے جاتے ہیں، اس لئے اون سے بڑا فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے، کہ جدید نسل کو اردو زبان سے بیگانگی نہیں پیدا ہونے پاتی، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان مشاعروں میں بہت سی ایسی باتیں پیدا ہوگئی ہیں جن پر ہمارے شعراء کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، ذیل میں صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور اون کی تفصیل کسی اور موقع کے لئے اوٹھا رکھی جاتی ہے،

۱۔ اس طریقہ سے "غزل گوئی" کی طرف شدت انہماک پیدا ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ دوسرے اصناف سخن مرگئے،

۲۔ "غزل گوئی" درحقیقت سچے جذبات کے اظہار کی طالب ہے، مگر اس کی اس ہردلعزیزی نے یہ کیا کہ بوالہوس کو شاعر بن جانے پر مجبور کردیا، جس سے شاعری کے وقار کو بہت صدمہ پہنچا،

۳۔ مشاعروں سے داد وتحسین کے حصول کے ایسے طریقے ایجاد ہوئے جن کا اخلاقی اثر شعراء کے پورے گروہ پر نہایت برا پڑا، اور اوس کے لئے نہ صرف غیر منصفانہ بلکہ رذیل طریقوں سے بھی احتراز نہیں برتا جاتا،

(۴) پہلے زمانہ مین مشاعرون کا یہ وقار اور رعب تھا کہ باکمال شعراء یا اون کے منجھے ہوئے شاگردون کے سوا کوئی دوسرا شخص ان مجلسون مین اپنا کلام سنانے کی ہمت نہین کرسکتا تھا مشاعرون مین استادون کے چشم و ابرو کے اشارے دیکھے جاتے تھے، اور اون سے کلام کی صحت و سقم پر استدلال کیا جاتا تھا، مگر آج کل کی خریداری اور فن کی عدم واقفیت نے ہر طفل سوادخوان کو اس کا اہل بنا دیا ہو کہ دو چار فقرے موزون کر کے اہل بزم سے داد حاصل کرے اور اگر نہ ملے تو سخن ناشناسی کا الزام اون پر قائم کر کے دنیائے ادب کی سونی ہوجانے پر ماتم کرے،

یہ تمام امور اہل ادب اور اصحاب شعر و سخن کی توجہ کے مستحق ہین،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہو، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات ضخامت ۵۴۸ صفحے قیمت صہ

کلیات شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جسمین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

حاشیہ بیضاوی شاہ وجیہ الدین صاحب

معارف کے دو پچھلے پرچون مین حضرت شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جو حالات مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوئے ہین، اونھون نے اہل علم مین اس محترم ہستی کے متعلق بڑی دلچسپی پیدا کردی ہو،

معارف اس پر بجا فخر کرسکتا ہو کہ اوس کے ناظرین مین ایسے ارباب علم ہین، جو اس مین شائع ہونے والے ہر مضمون کو میزان علم مین تولتے، اور محک نظر سے پرکھتے ہین،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے مزار کی تعمیر کے تاریخی مصرع:-

عرش اسلام و قبلۂ مقبل

مین جو غلط فہمی ہوئی تھی، اوسکی تصحیح، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی کے علاوہ مرزا عزیز داراپوری نے لاہور سے کرکے بھیجی ہو، جو بعینہ وہی ہو جو مارچ کے معارف مین مضمون مذکور کے آغاز مین چھپ چکی ہو،

مضمون نگار نے اپنے علم کے مطابق شاہ صاحب کی تصنیفات کے متعلق یہ لکھا تھا کہ "شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو"

مولینا عبد العزیز صاحب میمن پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہین کہ کم از کم انکی ایک کتاب مختصر کافیہ ایسی ہو جو کسی زمانہ مین بمبئی مین چھپی تھی، اور وہان کے کتبخانون مین اب بھی ملیگی،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے حاشیۂ بیضاوی کے نہ ملنے کا افسوس رہا، اور دوسرون کو اتنا ہی معلوم ہوسکا کہ مدرس کے کسی بزرگ کے پاس یہ انمول موتی ہو، مگر معارف کو تبک اس کے دو نسخون کا پتہ چل چکا ہو،

پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن فرماتے ہین کہ ون کے پاس اس حاشیہ کا وہ نسخہ تھا، جو خاص مصنف کے نسخہ سے منقول تھا، اور اب یہ نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن مین ہو،

نواب صدر یار جنگ رقم فرماتے ہیں :-

حاشیۂ موصوف کا پورا نسخہ میرے کتابخانے (واقع حبیب گنج علی گڈہ) میں ہے، خوشخط اور جہاں تک دیکھا صحیح ہے تعداد صفحات (۲۷۴) ہے۔ فی صفحہ سطر (۲۴) خفی قلم، پہلے چند ورق ایک قلم کے ہیں، باقی دوسرے قلم کے، جو زیادہ خوشخط نسخ ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کاتب نے چند ورق لکھ کر چھوڑ دئے، دوسرے نے پوری کی، دوسرے کاتب کی تحریر وسطِ صفحہ سے شروع ہوتی ہے،

ابتدا یوں ہے، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید العالمین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

شرح تفسیر تو الکر کے شروع کرتے ہیں، حواشی مختصر مگر واضح اور موضح ہیں،

کاتب نے آخر میں لکھا ہے کہ "تمام شد حاشیۂ میاں وجیہ الدین بر تفسیر بیضاوی، بتاریخ ۲۲ شہر ذی حجہ روز دوشنبہ، سنہ ۱۰۶۷ھ در احمد آباد"

تلخیص و تبصرہ

"فلسفۂ ہند اور حیاتِ ابدی"

"پروفیسر ای ایس واٹر ہاؤس نے ایک مقالہ بعنوان بالا سے رسالہ ایسٹ مین لکھا ہے، اس کی تلخیص اسٹیٹسمین کے حوالہ سے ذیل مین درج کیجاتی ہے،

ویدک لٹریچر سے ہندوستان مین صدیون کے مذہبی ارتقاء کے حالات معلوم ہوتے ہین، اس کے قدیم ترین اور بہترین حصہ مین "جو رگ وید کے نام سے مشہور ہے" ہمین آسمان سے ماورا ایک ایسی جنت کا حال ملتا ہے، جو ہمارے بچپن کے تخیل کی جنت سے بہت ملتی جلتی ہے،

مرنے بہشت مین دیوتاؤن اور انسانون سے ملتے ہین، اور وہان ان کی زندگی ہر قسم کی مسرت اور آسودگی کی زندگی ہوتی ہے، لوگ جو قربانیان دنیا مین کرتے ہین، وہی بہشت مین ان کے لئے سامان غذا بن جاتی ہین اگرچہ یہ خیالات حضرت مسیح سے کم از کم ایک ہزار سال قبل سے چلے آتے ہین، تاہم وہ اس رائے کی تائید نہین کرتے کہ مذہب کوئی خوف کی چیز تھی، کیونکہ بجز چند مقامات کے جہان برے لوگون کو ایک گڈھے مین ڈال دینے کا ذکر ہے، دوزخ کے متعلق اور کچھ معلوم نہین ہوتا، یہ گڈھا ہر برائی کرنے والا خود اپنے افعال بد سے کھودتا ہے،

یہ سادہ تخیل آج کل کے ہندو مذہب کی بہ نسبت عیسائیت سے زیادہ قریب ہے، بعد کے لٹریچر مین جو برہمن اور اُپنشد لٹریچر کے نام سے مشہور ہے ہم ایک تبدیلی پاتے ہین یہان یہ کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی جنت اور دوزخ خود بناتا ہے، اس کا نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگون کی جنتین دوسرے لوگون کی بہ نسبت بہتر ہون گی چنانچہ ایسے لوگ بھی ہین جنکی حیات ابدی صرف

ایک سو برس تک قائم رہتی ہے، اور جو پھر غیر فانیون کے ملک مین مرجاتے ہین،

قدیم کتابون سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرنے کے بعد انسان کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہین مثلاً اوسکی گویائی آگ مین آنکھین آفتاب مین، سانس ہوا مین، بال جڑی بوٹیون اور درختون مین خون پانی مین جسم مٹی مین، اور روح فضا مین مل جاتی ہے، زمانہ قدیم کے ایک مشہور ہندو مفکر جان ولکیا کے ایک ساتھی نے اُس سے دریافت کیا کہ اس انتشار کے بعد خود انسان کا حشر کیا ہوتا ہے، اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے بعد وہ دونون جس نتیجہ پر پہونچے وہ ہمارے لئے کوئی غیر معمولی بات نہین ہے، یعنی انسان اپنے افعال کی بنا پر اچھا یا برا ہو جاتا ہے،

یہان یہ امر قابل غور ہے کہ اب انسان کے انجام کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا، کہ وہ خود اس کے اعمال سے متعین ہوتے اس جنت کا تخیل جس مین پہلے سب لوگ یکسان طور پر چلے جاتے تھے، اب مسترد کر دیا گیا، جان ولکیا ہی کے بعض اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ تناسخ کا مسئلہ ایک متعین شکل اختیار کر رہا تھا، وہ کہتا ہے: "سونار نقاشی کا ایک کام لیتا ہے، اور اوسکو تراش کر اس سے بہتر کام بنا دیتا ہے، یہی حال اوس شخص کا ہوگا، جو نیک کام کرتا ہے، یہان کے بعد وہ بہتر حالت مین ہوگا جس طرح ایک ایک پتی کو کھا کر دوسری پتی کا سرا شروع کر دیتا ہے اسی طرح انسان ایک ہستی کو ختم کرکے دوسری ہستی کو شروع کر دیتا ہے"

تناسخ کا سلسلہ غیر محدود ہے، روح انتقال کرکے جنت مین بھی جا سکتی ہے، اور دوزخ مین بھی، یا پھر دنیا مین واپس آسکتی ہے، وہ کسی لکڑی یا پتھر مین بھی داخل ہو سکتی ہے نیکی کرنے والے دوبارہ برہمن کے گھر مین جنم لے سکتے ہین، اور برائی کرنے والے ممکن ہے کہ سور کتے یا چھوت ہو کر پیدا ہون، لیکن اس تمام معاملہ مین حکم صرف انسان کے ذاتی افعال ہی ہین، کوئی دیوتا انسان کے اعمال کی جانچ کرکے سزا و جزا نہین دیتا، ہر شخص اپنا "کرم" خود پیدا کرتا ہے، اور "کرم" مجموعہ ہے اس کے تمام اقوال و اعمال کا جیسا کسی کا کرم ہوتا ہے، ویسا ہی مرنے کے بعد اس کا انجام ہوتا ہے جسطرح ہم اپنے آبا و اجداد سے اپنا قد و قامت رنگ روپ نیز جسمانی اور مزاجی کیفیت ورثہ مین پاتے ہین، اور اس سے ہمین کوئی چارہ نہین ہوتا، ٹھیک اوسی طرح انسان کی سابق زندگیون کا "کرم" بھی اوسکی موجودہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے،

منطق کے روسے "کرم" کے اس مسئلہ کے معنی یہ ہین کہ روح انسانی ہمیشہ زندگیون کے ایک دائمی سلسلہ سے گذر

لیکن رشیون نے اپنے تخیل کی پیدا کی ہوئی بھول بھولیان سے نکلنے کا ایک رستہ معلوم کر لیا "تم حقیقت کو معلوم کروگے، اور حقیقت تم کو آزاد کر دے گی"، علم سے کرم کی گرہ کٹ سکتی ہے، "یوگ" جو اعمال کے ایک مخصوص طریقہ کا نام ہے، اُس کا اصلی کام جسم پر پورا قابو حاصل کرنا، اور مراقبہ کی وہ قوت پیدا کر دیتا ہے، جو ایسے آزاد کرنے والے علم کے حصول کا ذریعہ ہو، یہ راز اس مشہور جملہ مین پوشیدہ ہے: "وہ تو ہے" یعنی روح انسانی اور روح اعلی ایک ہے، جو شخص اس حقیقت کو پا لیتا ہے، وہ کرم کی بندش سے آزاد ہو جاتا ہے، اور مختار کل سے واصل ہو جاتا ہے،

ان خیالات سے ہندوستان کا سب سے بڑا فرزند بودھ بھی ضرور واقف ہوگا، بودھ دوبارہ پیدا ہونے اور تناسخ کے مسئلہ کو تسلیم کرتا تھا، لیکن جیسا کہ اس کے مذہب کے صحیح عقائد سے معلوم ہوتا ہے، اوس نے ان مسائل مین ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی یعنی یہ کہ کوئی روح کوئی انسان، دوبارہ پیدا نہ ہوگا، بودھ کے پانچ سو برس پہلے کی ایک مشہور تالیف مین یونانی بادشاہ منڈانڈر اور راہب ناگ سینا کے سوالات اور جوابات درج ہین، بادشاہ سوال کرتا ہے کہ کیون بعض آدمی زیادہ عمر کے تندرست، خوبصورت، طاقتور، دولتمند بڑے مرتبہ کے، اور عقلمند ہوتے ہین، اور بعض ٹھیک ان کے مخالف؟ راہب جواب دیتا ہے کہ بعض درختون کے پھل کھٹے ہوتے ہین، بعض کے نمکین بعض کے کڑوے، اور بعض کے میٹھے، اور پھر پوچھتا ہے کہ ایسا کیون ہوتا ہے، بادشاہ جواب دیتا ہے، کہ فرق اُن کے بیجون کے سبب سے ہے، راہب کہتا ہے، کہ آدمیون کا بھی یہی حال ہے، وہ سب اپنے اپنے کرم کے وارث ہین، اور یہی اُون کے اختلاف کا سبب ہے، وہ بادشاہ کو بتاتا ہے، کہ دوبارہ پیدا ہونے کا سبب اس دنیا سے وابستگی ہے، اور جب تک یہ وابستگی منقطع نہ ہو جائے گی، ایک پیدایش کے بعد دوسری پیدایش ہوتی رہے گی، ان تمام باتون مین وہ ہندو مذہب کے خیالات سے متفق ہے، لیکن اختلاف اس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب بادشاہ متعجب ہوکر یہ سوال کرتا ہے کہ دوبارہ پیدا ہونا ممکن کیونکر ہے، جب تک کوئی شے کوئی روح ایک وجود سے دوسرے وجود تک منتقل نہ ہو، راہب اس دقت کو بھی حل کرتا ہے، وہ کہتا ہے، کہ کیا جب ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے، تو روشنی منتقل ہو جاتی ہے، یا جب کوئی شعر پڑھتا ہے، تو وہ شعر استاد سے شاگرد کو منتقل ہو جاتا ہے، اسی طرح روح کے انتقال کے

بغیر ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی آتی ہے،

بودھ کے نزدیک انسان ایسا مسافر ہے، جو ایک طویل سفر کو منزل بہ منزل طے کرتا ہے، لیکن ہر نئی منزل کو اس حیثیت کے مطابق شروع کرتا ہے جو اُسنے پچھلی منزلون مین حاصل کرلی ہے، وہ ارواح اور دیوتاؤن کو بھی ایک منزل سے دوسری منزل تک سفر کرنے کی صفت مین انسان کا شریک خیال کرتا ہے، اُسے کبھی اس کا خیال بھی نہین ہوا کہ ایک ہستی کے بعد حیاتِ ابدی حاصل ہوسکتی ہے،

بودھ کے زمانہ کے بعد اس سفر کی آخری منزل کا نام "نروان" رکھ لیا گیا، حالانکہ اس کی حیات مین "نروان" کا مفہوم اپنی ذات سے بُرائی کو نکال دینا تھا، "نروان" ہے کیا؟ اس سوال کا جواب تقریبًا ناممکن ہے، یہ بتانا نسبتًہ آسان ہے، کہ "نروان" کیا نہین ہے، "نروان" کا مفہوم تمام وجود ارضی کے مخالف ہے، دنیا اور اوس کی تمام چیزین جو ہمارے تخیل مین آسکتی ہین، اس کے حدود سے باہر ہین، ان سب کی نفی کا نام "نروان" ہے، انگلستان کا باشندہ "نروان" اور فنا کو برابر سمجھتا ہے، اور یہی خیال بودھ مذہب کے بعض پیروون کا بھی ہے، لیکن اس مذہب کی قدیم ترین کتابون مین یہ مفہوم بالکل نہین پایا جاتا، سنیٹ پال بھی کہتا ہے کہ خدا نے اپنے چاہنے والون کے لئے جو چیزین تیار کر رکھی ہین، اون کو نہ تو انسان کی یہ آنکھین دیکھ سکتی ہین نہ کان سن سکتے ہین اور نہ دل سمجھ سکتے ہین، لہذا اس دنیا کی تمام چیزون کی نفی کرنے سے نفی مطلق کا پیدا ہونا لازم نہین آتا،

ہندو اور بودھ مذہب اس مسیحی عقیدہ سے متفق ہین کہ موت صرف ایک منزل کا نام ہے، دونون کے نزدیک نفس کے دفن ہونے یا جلا دیے جانے کے بعد بھی مردہ کا "کرم" برابر چلتا رہتا ہے، یہ دوبارہ کسی انسان یا جانور کی شکل مین رونما ہوسکتا ہے، یہ مرتا نہین، لیکن اگر وہ رشتہ جو اوسکو انسان سے وابستہ رکھتا ہے، منقطع کر دیا جائے، تو یہ رفتہ رفتہ زائل ہوجاتا ہے، اور پھر انسان اپنے کرم سے آزاد ہوجاتا ہے،

کچھ لوگ کہتے ہین کہ زندگی کے متعلق مشرق کا تخیل نہایت یاس آمیز ہے، اس مین شبہہ نہین، یہ تخیل دنیا کے درد و غم کو تھوڑا نہین سمجھتا، لیکن باوجود اس کے انجام کی کامیابی بھی اسکی نظرون سے پوشیدہ نہین ہے، ہندوستان

کو ہمیشہ کثرت مین وحدت کی، مرئی مین غیر مرئی کی، اور مجاز مین حقیقت کی تلاش رہی ہے، اوس نے ہمیشہ دنیاوی خواہشون کی بندش سے آزاد ہو کر انسان کی حقیقی اور دائمی فطرت کے حصول کی کوشش کی ہے، عرصہ سے یہ ملک حوادث روزگار کا شکار ہے، لیکن جسم کی قید کے باوجود ایک بڑی اور مستقل اُمید نے اوسکی روح کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے، مغرب کے تعلق نے ہندوستان کو بہت کچھ دیا ہے، لیکن ہم اپنے عہد حاضر کے لئے جو چند روزہ چیزون کے حصول مین اس درجہ منہمک ہے، ہندوستان سے اس حقیقت کی تعلیم حاصل کر سکتے ہین کہ انسان کی اصلی فطرت ربانی ہے اور اوسکی زندگی عبارت ہے اُس کے موجودہ مقبوضات کی کثرت سے نہین بلکہ ان چیزون کے حصول سے جو مستقل اور دائمی ہین،

جنگ کی مخالفت مین آئنسٹائن کی جدوجہد

صلح کانفرنسون کے تماشہ اور تخفیفِ اسلحہ کے جلسون کی نمائش سے گھبرا کر پروفیسر آئنسٹائن جو دنیائے سائنس کی سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ہین ایک ایسی جماعت قائم کرنا چاہتے ہین، جس کا نصب العین عامۃ الناس کی فلاح وبہبود اور جنگ وجدال کا استیصال ہو، یہ جماعت تمام قومون کے پچیس منتخب اور اعلیٰ ترین اہلِ دماغ پر مشتمل ہوگی جن کے انتخاب مین اس امر کا مخصوص طور پر لحاظ رکھا جائے گا کہ اُن کی عظیم الشان شخصیتین بین الاقوامی شہرت بھی رکھتی ہون، اور وہ بھی اپنی آزاد خیالی اور کشادہ دلی کے لئے مشہور ہون، رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ جب کبھی بنی نوع کے سامنے کوئی اہم مسئلہ آئے گا، یہ کمیٹی اپنی آواز بلند کریگی اور جسوقت امنِ عالم مین رخنہ کا خطرہ پیدا ہوگا، یا بے انصافی برتی جانے لگیگی، اوسکی طرف سے مناسب کارروائی عمل مین لائی جائیگی:۔

حال مین پروفیسر آئنسٹائن تخفیفِ اسلحہ کی اس کانفرنس مین گئے تھے، جو جنیوا مین منعقد ہوئی تھی، تھوڑی ہی دیر قیام کرنے کے بعد وہ نہایت کبیدہ خاطر ہو کر وہان سے اوٹھ آئے، نامہ نگار نے صلح وامن کے اس مسرت انگیز مرقع کے متعلق ان کے خیالات معلوم کرنے چاہے، پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، سُرورِیہ کے نقشہ پر برس پڑے، اور وہ سب کچھ کہہ ڈالا جسے محسوس تو مغرب کے اکثر لوگ کرتے ہونگے لیکن اس قدر وضاحت وصفائی کے ساتھ زبان پر لانے کی جرأت اب تک [illegible]

ہی کسی کو ہوئی ہو:-

"یہ مسرت انگیز نہین، ایک دردانگیز منظر ہے اور باوجود تمام تمسخر اور نقالی کے دور جدید کا سب سے بڑا دردانگیز سانحہ کسی کو حق نہین کہ اس کی اہمیت سے بے اعتنائی کرے، اور ہنسے جب کہ اوسے رونا چاہئے ہم سب کو مکان کی چھتون پر کھڑے ہو کر پکار کر کہدینا چاہئے کہ یہ کانفرنس محض نقالی ہے، یہ انصاف اور اقوام عالم کی خواہشات کی نقالی ہے، یہی نہین کہ صلح کی یہ کانفرنس ناکامیاب ہے بلکہ مندوبین صلح کے پردہ مین جنگ کو ترقی دینے کی غرض سے جمع ہوئے ہین، انھون نے قوم سے کہا تھا کہ ہم امن حاصل کرنے کی غرض سے جنیوا جائین گے لیکن یہان آنے کے بعد وہ جنگ کی باتین کر رہے ہین، مین جنیوا اس لئے آیا ہون کہ تمام دنیا کی قومون کو جنگ سے برگشتہ کرنے کی ایک تحریک شروع کرون اور اس کے لئے جو کچھ مجھ سے ممکن ہو اوٹھا نہ رکھون، مین ان اقوام کو جنگ کا مخالف بنانا چاہتا ہون جو اپنے اپنے وطن مین مقیم ہین، اور نہ اس کانفرنس مین نہ اس سے قبل کسی اور کانفرنس مین حقیقۃً اون کی نمایندگی ہوئی ہے، جو لوگ یہان موجود ہین اونھون نے اپنے کو کچھ اسطرح گھیر رکھا ہے اور مسلح کر رکھا ہے کہ کسی کے لئے اُن پر اثر ڈالنا ممکن ہی نہین، جو راہ اس کانفرنس نے اختیار کر لی ہے اوس سے آپ مین یا کوئی اور شخص اب اوس کو پھیر نہین سکتا، یہان کی صلح کانفرنس ایک سوانگ ہے، اور ہمیشہ سوانگ ہی رہے گی، یہ وہ چیز نہین جس کے لئے ہم اتنے برسون سے منتظر تھے، جنگ عظیم کے اختتام سے قبل ہم صلح و امن سے جس قدر دور تھے، چودہ ۱۴ برس بعد اب بھی اسی قدر دور ہین، ہم نے اس بات کا مدت تک انتظار کیا کہ سیاست دانون اور مدبرون نے جس چیز کے حاصل کرنے کا وعدہ کیا تھا، اُسے حاصل کر لین یعنی صلح اور دائمی صلح، ہم نے اون کو صلح قائم کرنے اور اسے مستقل بنانے کیلئے یہان بھیجا تھا، انھون نے ہم کو دھوکہ دیا اور بے وقوف بنایا، یورپ اور امریکہ کے کروڑون آدمی، تمام دنیا کے اربون آدمی اور اربون مرد اور عورتین جو ابھی پیدا بھی نہین ہوئی ہین، سب کو اس کانفرنس مین دھوکہ دیا گیا ہے، اور دھوکہ دیا جارہا ہے، ہم نے کافی مدت تک انتظار کیا، انکے ادھورے کامون اور وعدون پر کافی صبر کر چکے، اب زیادہ کی تاب نہین، اب سے قوم اگر خلوص دل سے صلح کی خواہشمند ہے تو اس معاملہ کو خود اپنے ہاتھون مین لے گی، کسی صلح کانفرنس مین حکومتین نہین بلکہ خود قومین اپنے نمایندے بھیجین گی، قوم کے مرد اور عورتین جنگی اسلحون کے بنانے اور استعمال کرنے کے خلاف کارروائی کرین گے، اگر تم امریکہ مین امن چاہتے ہو تو تمھین

چاہیے کہ یورپ میں ہمارا ساتھ دو اور ہم لوگ مل کر کاریگروں سے کہیں کہ جنگی اسلحوں کے بنانے اور باہر روانہ کرنے سے انکار کر دیں نیز ہر قسم کی فوجی خدمت سے انکار کر دیں، اس وقت پھر فوج میں زبردستی داخلہ ہوگا ورنہ آیندہ کوئی جنگ ہو گی، اگر تمام دنیا کے کاریگر فیصلہ کر لیں کہ نہ تو سامانِ حرب بنائیں گے، اور نہ اُسے باہر بھیجیں گے تو ہمیشہ کے لئے جنگ کا خاتمہ ہو جائے ہم کو یہی کرنا چاہیے کہ سامانِ حرب کے کارخانے جو تمام جنگوں کا سرچشمہ ہیں، انھی کو خشک کر دینے کیلئے ہمیں اپنی زندگی وقف کر دینی چاہیے، مجھے صحیح اطلاع ہے کہ آج اگر یورپ کے کسی حصہ میں جنگ چھڑ جائے تو دیانتداری کے ساتھ اس کی مخالفت کرنے والوں کی اتنی کثیر تعداد اسلحے پھینک دیگی یا اون کو استعمال کرنے سے انکار کر دے گی کہ قبل اس کے کہ دشمن سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے، ہر فوج کے نصف حصہ کو دوسرے نصف کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف ہو جانا پڑیگا، یہاں کے نمایندوں اور وہ لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، اُنھیں سے اکثروں کو علم ہی نہیں کہ ان کی قوم کا خیال کیا ہے یا جنگ کے متعلق وہ کیا رائے رکھتی ہے .... مجھے یقین ہے کہ اگر قوموں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں گی، اگر انھیں ایک دوسرے سے نفرت کرنے پر اُبھارا نہ جائے تو وہ دوستانہ طریقہ پر مل کر رہیں گی، خصوصًا اب جب کہ سائنس اور معلومات نے اکثر بیماریوں کو دور کر دیا ہے، اور ہر شخص کے لئے آسودگی، مسرت اور تندرستی کی زندگی ممکن کر دی ہے، موجودہ زمانہ کو تو دنیا کے لئے جنت کا زمانہ ہونا چاہیے، بنی نوعِ انسان کو مسرت کے جو ممکنات اس وقت حاصل ہیں، وہ اس سے قبل کبھی میسر نہ تھے،

"ع ز"

انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں طبع دوم قیمت ۸ر ضخامت ۲۰۲ صفحے

"منیجر"

اخبار علمیہ

آسٹریلیا کے ہوائی شفاخانے

آسٹریلیا کے اندرونی حصہ مین (۲۵۰۰۰) مربع میل کے رقبہ مین چند سالون سے طبی امداد ہوائی جہازون کے ذریعہ سے پہنچائی جارہی ہے، اس براعظم کا اندرونی حصہ بہت کم آباد ہے اور ایک بستی دوسری بستی سے بہت دور واقع ہے، ڈاکٹر واکر (لندن) کی ایک تقریر سے جس کا خلاصہ برٹش میڈیکل جرنل کے حوالہ سے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ نے شائع کیا ہے، معلوم ہوا کہ ان دور دراز آبادیون مین پہلے تیرہ شفاخانے قائم کر دئے گئے تھے، لیکن آبادیان منتشر اور ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر واقع تھین کہ ان شفاخانون سے طبی امداد کی ضرورت پوری نہ ہو سکی، لاسلکی، اور طیارون کی ایجاد کے بعد اس کمی کی بہت کچھ تلافی ہو گئی، ورمئی ۱۹۲۸ء مین مغربی کوئنس لینڈ (آسٹریلیا) مین دنیا کا سب سے پہلا ہوائی شفاخانہ قائم کیا گیا، یعنی طیارون کے ذریعہ سے دور دراز مقامات پر طبی امداد پہنچانے کا انتظام کیا گیا، جو مکانات زیادہ دور پر واقع تھے، ان مین لاسلکی کے مرسل (TRANSMITTERS) جن سے (۶۰۰) میل تک آواز پہونچ سکتی تھی، لگا دیے گئے، "ہوائی ڈاکٹر" ان مقامات کا دورہ کرتا رہتا ہے، اور جس مقام پر فوراً خود نہین پہنچ سکتا، وہان لاسلکی کے ٹیلیفون کے ذریعہ سے مشورے دیتا ہے، اس محکمہ کے قیام کے پہلے سال مین ڈاکٹر سینٹ ونسنٹ ویلش نے بیس ہزار میل کا ہوائی سفر کیا (۲۵۵) مریض دیکھے، اور (۲۶) مختلف مرکزون پر (۴۲) مشورون مین شرکت کی، جس رقبہ مین یہ ہوائی طبی محکمہ قائم ہے، اوسکی وسعت جرمنی آسٹریلیا، سوئزرلینڈ، اور ڈنمارک کی مجموعی وسعت سے زیادہ ہے، اس محکمہ کے قیام مین ہر طبقہ کے آدمیون نے شرکت کی ہے، اس مین سرکاری امداد بھی شامل ہے اور غیر سرکاری عطیے بھی، طیارہ مین پائلٹ کے علاوہ ڈاکٹر، نرس، مریض، اور اوسکے ایک عزیز کی جگہ ہوتی ہے، اس وقت چار ہوائی ڈاکٹر یہ خدمت انجام دے رہے ہین،

ناخن اور صحت

ناخن دیکھ کر کسی شخص کی صحت کا اندازہ کر لینا کوئی جدید تحقیق نہین، اس علم سے متقدمین بھی واقف تھے، لیکن حال مین اس پر ازسرِ نو تحقیق کی گئی ہے، اور یورپ کے تین مشہور ڈاکٹرون (ZEOLLER, NOYEK, BUIDE) نے بارہ سو آدمیون پر تجربہ کرکے اس طریق تشخیص کو ایک باقاعدہ فن بنا دیا ہے، اُن کے تجربات کا خلاصہ لٹریری ڈائجسٹ کے حوالے سے حسب ذیل ہے:

جن بارہ سو اشخاص کا معائنہ کیا گیا، اُن مین بیمار، نحیف اور تندرست ہر طرح کے لوگ شامل تھے، تندرست اور قوی آدمیون کے ہاتھ کی انگلیون کے ناخن کی جڑ مین چھوٹے چھوٹے سفید "ہلال" ہوتے ہین، ایسا ایک ایک ہلال ان کے اکثر ناخنون کی جڑ مین پایا جاتا ہے، جو لوگ کسی متعدد مرض کا شکار ہوتے ہین ان کے صرف انگوٹھون کے ناخنون مین ایسے "ہلال" ہوتے ہین، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگون کے انگوٹھون پر بھی کوئی "ہلال" نہین ہوتا، اگر کوئی شخص کسی متعدد مرض مین مبتلا ہو جائے تو مرض کے دور ہو جانے کے بعد لیکن کامل صحت سے قبل ہی ایسے "ہلال" اُس کے ناخنون پر ظاہر ہو سکتے ہین، جن لوگون کی صحت عام طور سے اچھی رہتی ہے، اُن کے ناخنون پر یہ چھوٹے چھوٹے "ہلال" قوت کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے بڑھتے گھٹتے رہتے ہین، موسم کے اختلاف سے بھی اُن مین تبدیلیان ہوتی رہتی ہین، موسم بہار مین یہ چھوٹے چھوٹے "ہلال" کچھ بڑھ جاتے ہین، اور خزان مین پھر گھٹ جاتے ہین، یہ ممکن ہے کہ جس شخص کے ہر ناخن کی جڑ مین ایسا "ہلال" موجود ہو، وہ بھی کسی متعدی مرض مین مبتلا ہو جائے، تاہم جن لوگون کی صحت عموماً اچھی رہتی ہے، اگر اون کے ناخنون سے یہ ہلال غائب ہو جائین، تو اونھین چاہیے کہ اوس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرین،

ایک کوفی کتبہ

جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن جنوری ۱۹۳۳ء) نے ایک قدیم کوفی کتبہ کا فوٹو شایع کیا ہے جسے مسٹر جیرالڈ رائٹ سینگر نے ۱۹۳۰ء مین کوفہ مین خریدا تھا، اس کتبہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے، لیکن اس کا خط قدیم کوفی

خط کا نمونہ ہے، کتبہ (تختی) کچی مٹی کی بنی ہے، اور کسی سانچہ مین ڈھلی معلوم ہوتی ہے، مٹی بے حد نازک ہے، اور ہاتھ

ہی ٹوٹ جاتی ہے، حیرت یہ ہے کہ باوجود اس قدر نازک اور بوسیدہ ہونے کے اس کی عبارت اب تک محفوظ ہے

تختی پر سورۂ یسین کی آخری ۲۰۔۲۴ آیتین لکھی ہوئی ہین، قاہرہ کے مختلف لوح مزار اور خلیفہ مہدی (۱۵۹ ہجری) کے کتبہ

مقابلہ اس کتبہ سے کرنے کے بعد موسیو فلوری کی رائے ہے کہ یہ کتبہ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر یا تیسری صدی

کے نصف اول کا ہے،

الوافی بالوفیات

صلاح الدین خلیل ابن ایبک الصفدی کی مشہور تالیف "الوافی بالوفیات" یعنی مشاہیر اسلام کی سوانح عمریون کا مجموعہ جو تقریباً ۳۰ جلدون پر مشتمل ہے، اس وقت تک صرف اس وجہ سے شائع نہ ہو سکا تھا کہ یورپ کے کتبخانون مین اس کی ہی جلدین موجود تھین، اور مصر و قسطنطنیہ مین بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہ تھا، مقام مسرت ہے کہ پروفیسر رٹر (R) PROF. RITTE نے اس کے تمام قلمی نسخون کا پتہ لگا کر جو مختلف کتبخانون مین منتشر تھے اسکی اشاعت کا تہیہ کر لیا ہے اور اوسکی پہلی جلد شایع بھی کر دی جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن جنوری ۱۹۳۳ء) مین ڈاکٹر کرنکاؤ نے اسپر ایک ریویو لکھا ہے، ان قلمی نسخون مین سے خود صلاح الدین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہین، اور بعض اوس کے اصل مسودون سے نقل کئے گئے ہین،

گبن کا کتبخانہ

جنیوا کے ایک کتب فروش کے پاس مشہور انگریز مورخ اڈورڈ گبن کے کتبخانہ کی تقریباً دو ہزار جلدین پائی گئی ہین یہ نہایت محفوظ حالت مین ملی ہین، اور ان سب پر گبن کی مہر ثبت ہے، یہ اوس مجموعہ کا بڑا حصہ ہے، جسے گبن نے "اپنی تصنیفات بنیاد اور سفر و حضر مین اپنی زندگی کی بہترین آسائش قرار دیا تھا، اوسکی زندگی کا بیشتر حصہ لوزان (سوئزرلینڈ) مین صرف ہوا، اوس نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "زوال سلطنت روم" کی آخری تین جلدین لکھی تھین، قیاس یہ ہے کہ اوس کا کتبخانہ اس کی و (سنہ ۱۷۹۴ء) کے بعد سوئزرلینڈ ہی مین رہ گیا، خبر ہے، کہ بڑا لین کالج آکسفرڈ کی طرف سے جہان گبن نے اپنی تعلیم کی تکمیل ک

ان کتابوں کے لئے تین ہزار پونڈ پیش کئے گئے ہیں لیکن کتب فروش کی جانب سے پندرہ ہزار پونڈ کا مطالبہ ہے۔

عرب نوآبادی

جنوبی افریقہ کے صوبہ رودیسیا میں ہرزمبر کے قریب ایک عرب کی قبر دریافت ہوئی ہے، جو تقریباً تیرہ صدی پہلے کی ہے، قبر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، یہ قبر سلام بن صالح کی ہے، جس نے سنہ ۵۰۹ء میں دار دنیا سے دار آخرت کی طرف انتقال کیا"

ڈاکٹر اسٹانلی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نوآبادی قائم کرنے والے عرب ان مقامات پر جنوبی افریقہ کی طرف سے پہنچے اور ان لوگوں نے سونے کی ان کانوں سے فائدہ اٹھایا، جن سے ان کے اسلاف یعنی عربوں نے بہت پہلے فائدہ اٹھایا تھا، ڈاکٹر موصوف نے ان مقامات کی دوسری عرب یادگاروں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عربوں نے ان شہروں میں پرتگالیوں کے پہنچنے سے بہت پہلے اپنی نوآبادی قائم کر دی تھی،

امریکہ اور چین کا قدیم تعلق

ڈاکٹر میریس باربو (کناڈا) کا خیال ہے کہ امریکہ کے قدیم باشندے جو انڈین کہے جاتے ہیں اصل میں منگول نسل کے ہیں جو ایشیا سے شمالی امریکہ میں منتقل ہو آئے تھے، اس خیال کی بنا یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو گیت رائج ہیں، وہ چین کے موجودہ گیتوں سے بہت ملتے جلتے ہیں، اور یورپ یا دنیا کے کسی اور حصہ کے گیت سے نہیں ملتے، امریکن انڈین لوگوں کے بعض گانوں میں کچھ چینی نسل کے الفاظ اور فقرے بھی دریافت کئے گئے ہیں، یہ لوگ ان الفاظ اور فقروں کے معنی بھول چکے ہیں، اور محض عادۃً اپنے گیتوں میں شامل کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر باربو نے اپنی تحقیق میں یہ بات بھی معلوم کی ہے کہ چینی اور امریکن انڈین گیتوں کی یہ مشابہت امریکہ کے شمالی مغربی حصہ میں ساحلی فرقوں میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے، اس غیر معمولی مشابہت کی بنا پر ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ یہ فرقے براہ راست ایشیا سے آکر آباد ہوئے ہیں، اور غالباً چنگیز خان کے زمانے میں آئے ہیں۔

"ع۔ ز"

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگر، مراد آبادی،

نظر سے حسن دو عالم گرا دیا تو نے ؛ — نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے،
جوابِ حسنِ طلب، اور کیا دیا تو نے — تمام شکر و شکایت بنا دیا تو نے
فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تو نے — حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تو نے
ہزار جانِ گرامی فدا باین نسبت — کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تو نے
یہ کیا کیا کہ عطا کرکے عشقِ لامحدود — مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تو نے
جمالِ حسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر — نفس نفس کو مرے جگمگا دیا تو نے
ہزار دل کو مٹا کر دیا مجھے اک درد — اُس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے
خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے — ذرا سکون ہوا گدگدا دیا تو نے
نگاہ ڈال کے میری تمام ہستی پر، — مجھے تمام محبت بنا دیا تو نے

ہر ایک دل کو عطا کرکے مدعائے حیات
جگر کو اک دلِ بے مدعا دیا تو نے

تابشِ سہیل

از

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی علیگ اعظم گڈھ،

زبانون پر نہین اب طور کا افسانہ برسون سے
تجلی گاہِ امین ہے دلِ ویرانہ برسون سے

کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ مستانہ برسون سے
کہ سب بھولے ہوئے ہین کعبہ و بتخانہ برسون سے

وہ چشم فتنہ گر ہے، ساقی مے خانہ برسون سے
کہ باہم لڑ رہے ہین شیشہ و پیمانہ برسون سے

نہ اب منصور باقی ہے نہ وہ دار و رسن لیکن
فضا مین گونجتا ہے نعرۂ مستانہ برسون سے

چمن کے نونہال اس خاک مین پھولین پھلین کیونکر
یہان چھایا ہوا ہے سبزۂ بیگانہ برسون سے

وداع اے پاسِ تمکین، رخصت اے آئینِ خودداری
جنون بھولا ہوا ہے لغزشِ مستانہ برسون سے

یہ آنکھین مدتون سے خوگرِ برقِ تجلی ہین تو
نشیمن بجلیون کا ہے مرا کاشانہ برسون سے

ستم کو اہتمامِ دلفریبی اب نہین باقی
وہ زلفین ہو رہی ہین بے نیازِ شانہ برسون سے

نہین اب وہ نگاہِ شرمگین کے وا چھپ چھپ کے
کہ اب ناوک زنی ہوتی ہے بیباکانہ برسون سے

حرم والون مین شایانِ کرم شاید نہین کوئی
کہ برقِ امتحان لرزان ہے بیتابانہ برسون سے

کوئی شوریدہ سر باقی نہین کیا اہلِ تقوی مین
کہ ہے سیما طلب سنگِ درِ جانانہ برسون سے

ترے قربان ادھر بھی ایک جھونکا ابرِ رحمت کا
جبینون مین گرہ ہے سجدۂ شکرانہ برسون سے

دکھا دے ایک جلوہ پھر اسی شانِ جمالی کا
نگاہین منتظر ہین جس کی مشتاقانہ برسون سے،

سہیل اب کس کو سجدہ کیجیے حیرت کا عالم ہے،
جبین خود بن گئی سنگِ درِ جانانہ برسون سے،

"رنگِ حسرت"

از جناب جمیل قدوائی بی اے

اُون کو مجھ سے جواب حجاب نہین، دل کو بھی اب وہ اضطراب نہین،
ہے اُنھین مجھ پہ اعتماد وفا اب وہ اگلا سا اجتناب نہین،
بخش کر لطفِ وصل کہتے ہین، "تم کہوگے کہ کامیاب نہین؟"
اس قدر ہین وہ مہربان مجھ پر، اُن کے الطاف کا حساب نہین،
کامیابِ وصالِ جانان ہون، پھر بھی کہتے ہین "کامیاب نہین،
مین تو سیرابِ عیشِ وصل کرون کیا کرون تجھ مین اس کی تاب نہین!"
مین یہ کیون کر کہون کہ حسبِ مراد دلِ پر شوق کامیاب نہین،
آپ سے چھٹ کے رہ نہین سکتا پر خدا اتنی دل کو تاب نہین،
اب بھی ہون بیقرارِ لطف و کرم ہان وہ اگلا سا اضطراب نہین،
آپ کے رحم کی ضرورت ہو، حالِ دل اس قدر خراب نہین،
وہ نظر لاکھ بے حجاب سہی، شوقِ گستاخ کا جواب نہین،
آج دنیائے دلبری مین کہین آپ کے حسن کا جواب نہین،
رُخِ جانان مین اب بھی ہے اک بات گو وہ پہلی سی آب و تاب نہین،
آپ کے چشمِ مست کے آگے اثرِ ہستیٔ شراب نہین،
آپ کے حسن کے مقابل مین کوئی شے سُرخیٔ گلاب نہین،
سچ تو یہ ہے جمالِ جانان کا ایک پر تو ہے آفتاب نہین،
آج تیرے سوا جمیل کوئی. رنگِ حسرت مین کامیاب نہین،

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ مبارک شاہی

مصححہ شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب شائع کردہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر ۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ ضخامت ۲۸۴ صفحے

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخوں کے چھاپنے اور شائع کرنے کی جو قیمتی کوششیں کی ہیں وہ پورے ملک کے شکریہ کی مستحق ہیں، اسی طرح سوسائٹی کے موجودہ عہد میں شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب نے اس قسم کی مفید کتابوں کی تصحیح و تحشیہ میں جو مفید خدمات انجام دے ہیں، وہ بھی ہم سب اعتراف کے لائق ہیں، چنانچہ اس سلسلہ کی اخیر کڑی تاریخ مبارک شاہی ہمارے سامنے ہے،

ہمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی سیاسی اسلامی تاریخ میں سید بادشاہوں کی حکومت کا دور جو ۸۱۷ھ سے شروع ہو کر ۸۵۵ھ پر تمام ہوتا ہے بیحد تاریکی میں ہے اور اب تک اس دور کے متعلق کوئی اطلاع اولین ہمارے پاس موجود نہ تھی، اس لئے اس تاریخ مبارک شاہی کی اشاعت جس کا تعلق اسی دور سے ہے، ہمارے لئے بہت کچھ سودمند ہے،

مصنف کا نام یحیی بن احمد بن عبداللہ سہرندی ہے، سہرند کا رہنے والا ہے، اس لئے وہ اپنے کو سہرندی لکھتا ہے، مبارک شاہ کی تخت نشینی کے بعد جو ۸۲۴ھ میں ہوئی تھی یہ کتاب تالیف کی، اور جیسا معلوم ہوتا ہے کہ مبارک شاہ ہی کے زمانہ میں ۸۳۸ھ میں اس نے ختم کی، چنانچہ اس ۸۳۸ھ کے تحت میں صاف بادشاہ عصر کی دعاے حیات زندگی کے بعد لکھتا ہے:

"این دعاگوی می خواست کہ برہم اصحاب انشا و ارباب سخن چند در ختام این کتاب گوید تا ہم در دعای حضرت عالم پناہ کند تا چون ہنوز از بستان سلطانی و گلستان جہانی یک گل از ہزار شکفتہ است ...

گذاشت دبر خود التزام نمود کہ فتوحات شوکت آیندہ وقصۂ ارادت دولت پایندہ اگر داعی راحیات فاکند ہر سال بایفاے رسانا

بدرین صحیفہ ثبت گرداند انشاء اللہ تعالیٰ وہو الموفق للاتمام والمیسر للاختتام »

مصنف نے اس کے بعد حسب وعدہ باقی شعبان ۸۳۷ھ سے ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک مبارکشاہ کی وفات (۸۳۷

پھر محمد شاہ بن فرید شاہ کی تخت نشینی اور بعد ازین ایک سال تک و داد ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک اسمین موجود ہے، اور اخیر مین خاتمہ

کوئی تمہید نہین ہے جس سے گمان ہوتا ہے، کہ مصنف کی وفات پر یہ کتاب یون ہی ختم ہو گئی ہے اور اوس سے یہ قیاس کیا جا

کہ یہی (ربیع الآخر ۸۳۸ھ) مصنف کی تاریخ وفات ہو، کتاب کا آغاز محمد بن سام غوری کے حالات سے ۵۶۹ھ سے کیا ہے، اور اوسکے

سلاطین تغلق تک اختصار کے ساتھ سب بادشاہون کے سوانح لکھے ہین، بعد ازین سید خاندان کے بانی خضر خان بن سلیمان خا

کے واقعات ۸۱۷ھ سے کسی قدر مفصل لکھنے شروع کئے ہین، خضر خان کے بعد مبارکشاہ اور پھر محمد شاہ کے ایک سال کے حالات پر کتاب کا خا

خیال تھا کہ اس کتاب سے اس خاندان کے انتساب سیادت کی تحقیق مین مدد ملے گی، مگر اس معاصر تاریخ مین

سید جلال بخاری کے مشہور قول این سیدزادہ را کے سوا، اور اس شہادت کے سوا کوئی اور مذکور نہین ہے، کہ بادشاہ مین حا

عفو و نرمی و درگذر کے جو اوصاف ہین، وہ اوسکی سیادت کی دلیل نہین،

اس کتاب کا نسخہ سب سے پہلے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین وحال پروفیسر اسمٰعیل

کالج بمبئی کے ذریعہ مصحح کو ملا، جو کسیقدر ناقص تھا، پھر بعد کو برٹش میوزیم اور بوڈلین لائبریری سے دو اور نسخے ملے جنکے مقابلہ سے یہ نسخہ تیار ہو

اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے کا تھون نے سلطنت کے کاروبار اور سیاسیات مین دخل دینا شروع کر دیا تھا، اور تعجب

کہ قلم کیساتھ تلوار بھی اون کے ہاتھون مین نظر آتی ہے، مصحح نے کتاب کے مختلف نسخون کی تصحیح و مقابلہ کے علاوہ کتاب مین

حواشی بھی لکھے ہین اور آخر مین مضامین کی فہرست کے بعد اشخاص کی اور پھر مقامات کی دو اور فہرستین بنا کر شامل کتاب کی

کتاب گو واقعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہین رکھتی، مگر اپنے دور کی تنہا ماخذ ہونیکے سبب سے قابل قدر ہے، چنانچہ پچھلے مورخین

فرشتہ اور ملا بدایونی اور نظام الدین وغیرہ نے اسکے حوالے دئے ہین، اور اس سے واقعات نقل کئے ہین، بہرحال اس کتاب کی اشاعت سے

کی تاریخ کے اصل ماخذ تک ہماری رسائی ہو گئی، اور اس کیلئے ہم شرو مصحح کے خدمات کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، ن

مطبوعات جدیدہ

ریاست، از افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، حجم ۴۴۰ صفحے شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، قیمت

افلاطون کی کتاب ریاست جو اب تک اردو مین جمہوریت افلاطون کے نام سے موسوم تھی، علم سیاست کی کلاسیکل کتابون مین ہے، اس کے مختصر خلاصے اور اس سے مستفاد مضامین اب تک اردو رسالون مین چھپتے رہتے تھے، مسرت ہے کہ اب اس کا مکمل و مستند ترجمہ شائع کیا گیا اور ترجمہ کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا گیا، جو فلسفہ و سیاست دونون مین صاحب نظر ہے ترجمہ ذاتی دلچسپی اور طبعی ذوق سے کیا گیا ہی، اس لئے ترجمہ کی روانی، سلاست اور انداز بیان کی شگفتگی سے پڑھنے مین فسانہ کا لطف آتا ہی، خصوصاً اس لئے کہ کتاب علمی سوال و جواب کے رنگ مین ہونے کے بجائے، ہنستے بولتے مجمع و مجلسی اشخاص کے مکالمہ کے طرز مین ہے، مترجم نے ابتدا مین ایک مقدمہ لکھا ہی جسمین افلاطون کے سرسری حالات زندگی اور اس کے فلسفہ اور اس کتاب کے مباحث کو روشناس کیا ہی، اور افلاطون کے بعض نظریون کے متعلق دور حاضر مین جن غلط فہمیون کے پیدا ہونے کا امکان ہی، اون کو دور کیا ہی،

ریڈیو، از جناب منہاج الدین ایم ایس سی پروفیسر علوم طبعیات اسلامیہ کالج پشاور، کاغذ عمدہ ولایتی حجم ۲۸۰ صفحے قیمت خوبصورت سنہری جلد ہے؀ مصنف سے مل سکتی ہی،

پروفیسر منہاج الدین اون لوگون مین ہین جو سائنٹفک مباحث و معلومات کو اردو مین منتقل کرنے کی خدمت مستقل طور پر انجام دے رہے ہین، اون کی آخری زیر نظر تالیف ریڈیو یعنی بے تار پیام رسانی ہی جسمین قمر برق کے ابتدائی معلومات

دیگران کا تعلق لاسلکی سے دکھایا ہی، پھر لاسلکی کی ایجاد اور اسکی تدریجی ترقی بیان کی ہے، ریڈیو کے امواج کی ترکیب اور ان کے اثرات و نتائج پیش کیے ہین، لاسلکی کی نشرگاہین اب ہندوستان مین بھی بہ کثرت رواج پا رہی ہین، اس لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جائیگا، لیکن کتاب کی فنی حیثیت نمایان ہی، اسلئے اصطلاحات زیادہ ہین،

سیرت محمد علی:- مرتبہ مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی، شائع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، حجم ۳۴۲ صفحے، قیمت ۱- ے ر

مولنیا محمد علی مرحوم کے سانحہ وفات پر اون کی یادگار کے قیام کا مسئلہ ملک مین اوسی زور و شور سے اٹھا تھا جیسے دوسرے اکابر کی وفات پر یہ تحریک اُٹھتی رہی تھی، بالآخر مولانائے مرحوم کی ایک ایسی مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا، جو نہ صرف سیرت محمد علی ہو، بلکہ دور حاضر کے پچیس برسون کے ہندوستان کے اسلامیات و قومیات کی مفصل سرگذشت ہو، لیکن جب اس مین بھی تعویق ہوئی تو مولنیا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تحریک سے مکتبہ جامعہ ملیہ نے زیر نظر کتاب شائع کی جس مین کم و بیش اون ابواب کو روشناس کرنے کی کوشش کیگئی ہی، جن پر مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال ہے، شروع مین مولنیا عبد الماجد صاحب دریابادی کا ایک پر اثر دیباچہ بھی ہی، اسکے مؤلف کی بڑی خوبی یہی ہے کہ کم سے کم فرصت مین زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرکے اون کو دلچسپ اسلوب مین مرتب کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ اہل ذوق اوسکی خریداری و اشاعت مین پوری کوشش کرین تاکہ اپنے ایک ہر دلعزیز قائد کی سیرت کے پڑھنے کے علاوہ ایک قومی درسگاہ کی اعانت کا فائدہ بھی پہنچے،

علم کلام مرزا، مؤلفہ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری، حجم بہ ترتیب ۸۰ و ۲۴ صفحے، قیمت بہ ترتیب ۸ر و ۳ر، پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر،
عجائبات مرزا

مولنیا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب مذہبی مناظرہ مین مرزا صاحب کی زندگی مین اون کے حریف و مقابل تھے اور اتبک وہ مناظرانہ مذہبی رنگ کے بکثرت رسالے احمدیت پر لکھ چکے ہین، لیکن زیر تبصرہ رسالے مذہبی مناظرہ کے بجائے علمی بحث و تحقیق کے نقطۂ نظر سے لکھے ہین، جنمین بقول مصنف یہ دکھانا مقصود ہے کہ "مرزا صاحب کی تصانیف کس صنعت سے ہین"، اور اسی لحاظ سے تصنیفات پر نظر ڈالی ہے، مصنف رسالہ اگر برا نہ مانین تو جیسا کہ خود انھین اقرار ہے اون کی یہ کتاب کا ل اور استقصا

پر مبنی نہین، اس پر تو اچھی خاصی بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہو، شاید مصنف کو قلت فرصت کا عذر ہو،

مرزا صاحب کی تصنیفات پر اگر با معان نظر ڈالی جائے تو مثلاً ذیل کے امور کا بخوبی اندازہ ہو کہ وہ بسیار نویس تھے اور اپنی تحریرون مین بڑے بڑے اصول بنانے کے خوگر تھے، اون کے وہ اصول محض وقتی و ہنگامی ہوتے جب کسی دوسرے مدعا کے اثبات کا وقت آتا وہ فراموش ہو جاتے، نئے اصول مدون ہوتے جو ممکن تھا، پہلے اصولون کے برعکس ہون، اس نے مرزا صاحب کی تصنیفات کا بڑا حصہ محض شاعرانہ، بلکہ ذاتی مفروضات فرضی دلائل، اور کہین لفظی نسلع حجت پر مبنی ہے، اس کا بہترین نمونہ براہین احمدیہ ہے، اسی طرح نظر آتا ہے کہ وہ غیر محتاط حوالون کے دینے مین جری تھے، اگر محض اسی موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے تو بیحد دلچسپ ہو، ہان ایک طریقہ استدلال ایسا ہے جسکو مرزا صاحب نے استعمال کیا کہ اسلام اس لئے بہتر مذہب ہے کہ اون جیسا شخص اس مین پیدا ہوا، وہ فلان پیشنگوئی کرتے ہین، جو صدق و کذب کی نشانی ہوگی، پھر یہ کہ وہ پیشنگوئی صحیح ہوئی یا غلط اس پر مباحث اور سوال و جواب کا ایک سلسلہ چلتا ہے،

مرزا صاحب کے دعاوی اور تاویلات اون کی مہدویت اور ذاتی مسیحیت کو چھوڑ کر اون کے دو معاصرین سرسید احمد اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مصنف تفسیر شاہی سے حرف حرف ماخوذ ہین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین بھی کہین کہین بے اظہار نام لے لئے گئے ہین لیکن اگرچہ مرزا صاحب نے سرسید کے خیالات کو اپنے نام سے پیش کیا، تاہم دونون مین کچھ فرق رہ جاتا ہے، سرسید اپنے جانتے اپنے خیالات پر دلائل عقلی سے مہرین لگاتے ہین، اور مرزا صاحب اونھی باتون کو لفظی صناعیون اور خود ساختہ اصولون سے پیش کرنا چاہتے ہین، کہ وہ عقلی دلائل اون کے نفس مدعا کے خلاف پڑتے ہین، ایک اور فرق ان دونون مین یہ ہے کہ سرسید مہدی کے منکر تھے، اور احادیث مہدی کو جعلی مانتے تھے اور مرزا صاحب اون کو حرف حرف صحیح مان کر اپنے کو ان سب کا مورد بتاتے تھے،

عیسائیون کے رد مین ہمارے علمائے اسلام نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے پس و پیش جو کارنامے انجام دئے، افسوس ہے کہ پروپیگنڈے کے ذریعہ وہ فراموش ہوتے جارہے ہین، اور اون کی ناشکری ہو رہی ہے، ڈاکٹر وزیر الدین صاحب مولانا رحمت اللہ صاحب، سرسید، مولوی چراغ علی اور مولینا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسوقت جو کارنامے انجام دئے، وہ

مرزا صاحب سے بدرجہا بہتر ہین، اسی طرح آریون کے مقابلہ مین خاص بانی آریہ سماج دیانند سوامی کے رد مین مولانا قاسم صاحب
بانی مدرسۂ دیوبند نے جو کام کیا، اس کا اعتراف نہ کرنا کفران محسن ہے،

ہان مرزا صاحب نے ان بزرگون سے جس بات مین سبقت کی وہ مخالفین کے طرز اسلوب اور مبایا کی زبان کا کل
بلکہ جواب دینا ہے، مثلاً عیسائی نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو سخت سست الفاظ مین یاد کرتے تھے، مسلمان بجیب اوس کے جواب
مین حضرت عیسیٰ پر حرف نہین رکھتے، مرزا صاحب نے اس بزرگی کی احتیاط نہین کی، اور اسی قسم کے الفاظ مین یسوع کو یاد کیا، اور اسمین حد سے بڑھ
پر بھی بازی لے گئے، اسی طرح مثلاً سنی مناظر شیعون کے جواب مین حضرت علی مرتضیٰ یا حسنین رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کر سکتے تھے، مرزا صاحب نے
اس مین بھی ترکی بترکی اصول ملحوظ رکھا، یہ وہ چند اشارات ہین، جو غیر فرقہ آرایانہ طور پر محض علمی حیثیت سے پیش ہوئے اور جن کے مباحث
اسی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی کتاب مین تفصیل سے دکھائے جا سکتے ہین،

دیوان گرامی (فارسی) یعنی مجموعۂ کلام ملک الشعرا شیخ غلام قادر گرامی، ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب
اندرون لاہوری دروازہ، لاہور، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت :- عگر

فارسی ادب کے ارباب ذوق کو حضرت گرامی کے دیوان کی اشاعت کا انتظار تھا، مسرت ہے کہ شیخ مبارک علی
صاحب تاجر کتب لاہور نے یہ خدمت انجام دی، یہ مجموعہ غزلیات، مثنویون اور مناقب و قصائد و قطعات سب پر مشتمل ہے، مثنویون
اور قطعون پر تعلیقات و حواشی بعض فارسی اور بعض اردو مین درج ہین، جنمین بعض خود گرامی کے قلم کے معلوم ہوتے ہین، گو
دیباچہ یا مقدمہ شامل نہین، اگر گرامی کا مختصر تعارف کرا دیا ہوتا تو مناسب ہوتا، ورنہ کم از کم ڈاکٹر سر اقبال کی وہ تحریر شامل کر
جو انھون نے گرامی کی وفات پر اخبار انقلاب مین شائع کرائی تھی،

یازدہ سورہ شریف: ناشر جناب ماسٹر محمد احسان، بیکوارڈ پریس لاہور، چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحے قیمت :- عمر
یہ ایک خوشنما پاکیزہ خط رنگین و منقش سرورق، طلا کار جلد اور نفیس کاغذ پر رنگین اور منقش حواشی سے چھپا ہوا مختصر
مجموعہ ہے، جس مین قرآن مجید کی گیارہ سورتین اور چند اوراد و وظائف جمع کئے گئے ہین، ہر صفحہ کے سامنے دوسرے صفحہ
اوراد کا اردو ترجمہ بھی درج ہے، اس خوبی و خوبصورتی اور حسن اہتمام سے شاید قرآن پاک کا کوئی حصہ کبھی ہندستان مین طبع

دار المصنفین کی فلسفیانہ کتابیں

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، اردو میں فلسفہ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے،
قیمت: [illegible]

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت [illegible] ۱۴۰ صفحے،

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فصیح اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۱۶ صفحے،
قیمت: [illegible]

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو یورپ میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی بحث کی گئی ہے اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی کیا گیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت [illegible]
قیمت: [illegible]

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں، طبع دوم، قیمت: [illegible] ضخامت ۱۹۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس میں انسانی جماعت کے اخلاقی پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت: [illegible]

طبقات الامم، اندلس کے مشہور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی کتاب جس میں مصنف نے اپنے زمانہ تک کی تمام قوموں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی میں لکھی تھی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے اس کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور جابجا حاشیوں میں علماء اور فلاسفر کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہیں،
ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت: [illegible]

سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے رطب یابس واقعات تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تمام روایتوں سے قطع نظر کر لی گئی ہے اور صرف وہ واقعات بیان کئے گئے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، اور جن کی صحت میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، تاریخ و سیر سے بھی وہی واقعات لئے گئے ہیں، جن کی صحت و روایت کمزور و مشکوک نہ ہو،

اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم ضخامت ۷۱۵ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ۸ سے ۱۲ للعہ، تقطیع خورد

سیرۃ النبی حصہ دوم، از سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۱۳ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عہ، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۸۴۳ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ۳ء ہے

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۴۹۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ عہ ہے، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۷۹۴ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ عہ، ہے

جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تعلیم نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۰۰[illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ہے سے [illegible] تقطیع کلان،

ملنے کا پتہ:- منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

(طابع و ناشر محمد اویس داری)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷

مئی سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

تصانیفِ شبلیؒ

الفاروق - یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف
اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت عراق
و شام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ
کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم
کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی
ہے۔ اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران
پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں
مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی
مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا
نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس
کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ
چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نقشہ،
مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم - فارسی شاعری کی تاریخ، جس میں
حصۂ اول: شاعری کی ابتدا عہد بعہد
کی ترقیوں اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے
مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور
شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے
اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف
پریس، ضخامت ۲۵۸ صفحے، قیمت ے ر

حصۂ دوم: شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ
فرید الدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید…
کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت…

حصۂ سوم: شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی…
ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس…
ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ

حصۂ چہارم: اس حصہ میں تفصیل کیساتھ بتایا گیا…
کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شا…
پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے…
انواع و اقسام میں سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعہ…
پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت ے ر

حصۂ پنجم: اس میں قصیدہ، غزل، اور فارسی زبا…
کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید و تبصرہ…
مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت…

علم الکلام - مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہ…
کی ترقیاں، اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائ…
چہارم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیم…

الکلام - مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلا…
عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں…
اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا…
اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع…
مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۰۵ صفحے، قیمت…

تصانیف مولینا عبد السّلام ندوی

اسوۂ صحابہؓ

جلد اوّل

حضرات صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولیٰ کے اسلام کا اصلی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۴۳ صفحے، قیمت ہے، طبع دوم

جلد دوم

صحابہؓ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۴۴ صفحے، قیمت للعہ

انقلاب الامم،

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب " قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی " کا خلاصہ، جس کو پڑھکر یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین، طبع دوم، قیمت عار ضخامت ۱۶۲ صفحے،

اُسوۂ صحابیاتؓ

صحابیاتؓ کے مذہبی، اخلاقی، اور علمی کارنامون کا مرقع، ضخامت ۸۹ صفحے، قیمت عہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؓ

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے، طبع دوم، قیمت ع ضخامت صفحے

شعر الہند،

حصہ اول

جس مین قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل لکھی گئی ہے

اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس

ضخامت ۴۵۴ صفحے، قیمت للعہ

حصہ دوم

جسمین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت للعہ

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی "تاریخ التشریع الاسلامی" کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ

القضاء فی الاسلام

اس مین طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابون سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے، ضخامت ۹۲ صفحے لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، قیمت ۱۲ر

اسلامی قانون فوجداری

مولانا سلامت علی خان المعروف بہ حذاقت خان کی کتاب لاختیار کا ترجمہ جسمین تمام تعزیرات و جرائم کے متعلق بندرہ ابواب مین اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کی گئی ہین، اور قانون پیشہ حضرات کیلیے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے، ضخامت ۴۵۳ صفحے، لکھائی، چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ قیمت للعہ

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نطشے کی سوانحعمری اور اس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے، مصنفہ پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، حجم ۱۰۲ صفحے، قیمت عہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۳۱ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۳ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت حسرت اور افسوس کیساتھ سنی جائیگی کہ مولنا شبلی نعمانی مرحوم کے چھوٹے بھائی مولوی جنید صاحب نعمانی سب جج کانپور نے دو سال کی صحت و علالت کی کشمکش کے بعد ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو دہلی مین وفات پائی، مولنا مرحوم کے صرف یہی ایک بھائی تھے، جو ان کی وفات کے بعد زندہ تھے، آخر انھون نے بھی اس دنیا کو الوداع کہا، یہی وہ بھائی تھے جنکی نسبت مولانا نے اپنے بھائی مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم وکیل الہ آباد ہائیکورٹ کے پردرد نوحہ مین سنہ ۱۹۱۴ مین یہ فرمایا تھا،

اے خدا شبلیِ دل خستہ باین موئے سپید | لے کے آیا ہے ترے درگہِ عالی مین اُمید
مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید | خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

افسوس کہ یہ بھائی بھی اپنے بڑے بھائی کے بعد اٹھارہ برس سے زیادہ خوش و خرم نہ رہ سکا، دعا ہے، کہ مرحوم کو اب آخرت کی ابدی خوشی و خرمی حاصل ہو،

۱۱- اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کی شب کو جامعۂ ملیہ دہلی مین معارف کے اڈیٹر نے "مسلمانون کی آیندہ تعلیم پر ایک بسیط مقالہ پڑھا جسمین سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانون کی قومی زندگی کا مقصد کیا ہو، اور پھر یہ کہا گیا کہ ہماری آیندہ تعلیم گذشتہ کی طرح بے مقصد نہ ہو، بلکہ بامقصد ہو، اور درسگاہون کا یہ فرض ہو کہ بے مقصد افراد قوم کے بجائے بامقصد افراد پیدا کرین، اسی مقصد کی روح قومی زندگی کے ہر شعبہ کی حیات کی ذمہ دار ہوگی، اسی سلسلہ مین مسلمانون کی گذشتہ قدیم بامقصد تعلیم کے نتائج دکھائے گئے، بعد ازین یہ کہا گیا کہ درسگاہون کا دوسرا فرض قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر

کی تعمیر ہے، جو قوم اپنے قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر سے محروم رہیگی، وہ باعزت زندگی سے بھی محروم رہیگی، پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یونیورسٹیون کی جس اعلیٰ تعلیم کی طرف ہم جارہے ہین، وہ ہماری شکم سیری کے سامان سے اب تمامتر عاجز ہے، اعلیٰ تعلیم کی طلب صرف علم کی خاطر ہونی چاہئے، بقیہ عام تعلیم صرف شکم سیری کی تدبیرون کے لیے چاہئے، درمیان مین یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ سرکاری تعلیم، صرف حکومت کے نقطۂ نظر سے دی جارہی ہے، قومی نقطۂ نظر سے یہ نظام تعلیم سراسر خالی ہے اور دین وملت کی پُرحرارت روح سے تمامتر تہی مایہ ہے، یہ بھی کہا گیا کہ مینوسپلٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے ذریعہ جو ابتدائی دیہی اور شہری تعلیم دیجارہی ہے اس مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم غیرمشترک اور علحدہ نظام کے ماتحت ہونی چاہئے، اور مقرر کی نگاہ مین اسلام اور مسلمانون کے مصالح کی خاطر غیرمخلوط انتخاب سے زیادہ غیر مخلوط ابتدائی تعلیم کے مطالبہ کی ضرورت ہے، آخر مین ہندوستان کی زبان کے ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا تھا"



لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنون کے بعد ایک قصبہ "بدوملہی" ہے، ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی اور احمدی لاہوری جماعتون کے علاوہ عیسائیون اور آریون کا بھی بڑا مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہان عیسائی ہوگیا ہے، یہان کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہین، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کے شکار ہورہے ہین، چند سال سے یہان کے بعض مسلمانون نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۳- اپریل کی دوپہر کو یہان کے مسلمانون کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے وہان جانا پڑا، وہان مسلمانون کی اصلاحات پر دو دن دو تقریرین کین، امید ہے کہ وہان مسلمانون کی کوششون سے اب ایک ابتدائی اسلامی تعلیم گاہ کا انتظام ہوجائے، اور مسلمانون کی حفاظت کا کام سرانجام پائے،



گذشتہ اطلاع کے مطابق ۱۵- اپریل کو راقم اور اس کے دو رفقائے دارالمصنفین مولوی سعید صاحب انصاری

اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے لاہور مین دائرۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس مین شرکت کی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سبب سے یوپی کے بھی بعض اہل علم شریک اجلاس تھے، پہلا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت مین شروع ہوا لاہور کے تمام سربرآوردہ اہل علم اور پنجاب اور دہلی کے کالجون کے مشرقی علوم کے بعض استاد اور پروفیسر بھی شریک تھے، پہلے اجلاس مین صدارتی خطبون کے بعد سب سے پہلا مقالہ راقم الحروف کا پیش ہوا، جسکا عنوان تھا "لاہور کا ایک مہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا" اس مقالہ مین اس خاندان کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے علمی کارنامون کی سرگذشت نامعلوم گوشون سے نہایت تلاش اور تفحص کیساتھ مرتب کیگئی تھی، اور تاریخ مین سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے مورث اول نادر العصر استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری کے حالات بتائے گئے، اور اسکے بیٹے ملا لطف اللہ مہندس کی (جو شاہجہان کے زمانہ مین موجود تھا، اور داراشکوہ کا درباری تھا) معاصرانہ شہادت سے یہ ثابت کیا گیا کہ تاج کا معمار درحقیقت یہی استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری ہے، یہ ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، اس دریافت سے وہ تمام افواہین جو تاج کے کاریگرون اور معمارون کی نسبت مشہور تھین، بے سروپا ہو کر رہ گئین،

ہمارے دو رفیقون مین سے مولوی سعید صاحب انصاری نے عربی علم لغت کی تاریخ بڑی جامعیت کے ساتھ لکھ کر پیش کی، اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے سسلی کے اسلامی تمدن پر اردو مین بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مشرقی زبان مین سب سے پہلی دفعہ مقالہ پیش کیا، جسمین اس جزیرہ نما کے اسلامی تمدن کے ہر شعبہ پر پوری تفصیل کیساتھ گفتگو کی تھی، دوسرے مقررون مین سے جہانتک یاد ہے سب سے زیادہ قابل ذکر مضمون دہلی یونیورسٹی کے استاذ علوم مشرقیہ مولنا عبدالرحمن صاحب کا تھا جسمین تیموری بادشاہون کے نظام منصبداری کے اصول پر فاضلانہ تبصرہ تھا، علاوہ ازین پروفیسر شفیع نے تاریخ آل میکال پر سورت کے ڈاکٹر ہمدانی نے رسائل اخوان الصفا پر، پروفیسر شیرانی نے اردو کی قدیم نصابی کتابون پر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے عرب کے موسیقی خصائص اور اثرات پر، مولنا عبداللہ صاحب چغتائی نے اسلامی مصوری اور نقاشی پر اور دوسرے فضلا نے مختلف عنوانون پر اپنے اپنے دلچسپ مضامین دائرہ کے مختلف جلسون مین پڑھے اور پیش کئے، اور اسطرح اسلامی مشرقی علوم وفنون کی مجلس کا پہلا اجلاس ۱۶- اپریل کی شب کو بخیر و خوبی ختم ہوا،

مقالات

"انکارِ حدیث"

ازمولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین۔

کچھ دنون سے جب سے "حریت فکر" اور "آزادیِ خیال" کی ہوا چلی ہے، ایک جماعت مین جو مذہب کے قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہے، حدیث وسنت کے انکار کی عجب وبا پھیل گئی ہے، مذہب کی گرفت زیادہ تر حدیث وسنت کی وجہ سے ہے، کیونکہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمین مذہب کے متعلق صرف اصولی اور کلی قوانین ہین تمام جزئیات کا اس مین استقصار نہین ہے اور نہ ہو سکتا تھا، ان اصول اور کلیات کی تشریحات کا دارمدار تمامتر حدیث وسنت پر ہے، اس لیے آزاد پسند طبائع سرے سے حدیث وسنت کی صحت ہی اور اسکے واجب العمل اور قابل صحت ہونے کا انکار کرتے ہین کہ جب حدیث وسنت ہی کوئی شے نہ رہجائیگی تو مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑجائیگی اور مذہب صرف چند عقائد اور چند عبادات کا نام رہ جائیگا، وہ بھی جدید مجتہدین کی تفسیر کے مطابق کوئی مفسر صرف دوتین وقت کی نماز کافی سمجھ لینگے، کوئی مجتہد اس سے بھی بڑھکر نماز کو صرف دعا اور توجہ قلب کے معنون مین لے کر راہ چلتے، سیر وتفریح کرتے سرراہ گردن جھکا لینا کافی تصور فرمائین گے،

اگر یہ حریتِ فکر انھین کی ذات تک محدود رہتی تو ہم کو اس سے کوئی بحث نہین تھی کہ ہر شخص اپنے خیالات کا مختار ہے، اگر کوئی شخص قرآن سے انکار کردے تو اسے کون روک سکتا ہے، لیکن قیامت یہ ہے کہ تمسک بالکتاب والسنۃ کی آڑ مین تمام مسلمانون کو ان مزعومات پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ حدیث و

سنت کی مخالفت، اس کے انکار اور اسکے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے کے ثبوت مین حدیث وسنت ہی سے بلکہ اس سے بھی اتر کر طبقات و رجال کی کتابون سے دلیل قائم کیجاتی ہے،

لیکن حدیث، تفسیر، طبقات، رجال اور تاریخ پر ان مجتہدین کی نظر نہین ہوتی بلکہ بسا اوقات عربی زبان سے بھی ناواقف ہوتے ہین، اسلئے اس کوشش مین اپنی ناواقفیت کے عجیب وغریب اور نہایت مضحکہ انگیز نمونے پیش کرتے ہین، کہین ترجمہ غلط، کہین مفہوم غلط، کہین نتیجہ غلط کہین کسی عبارت کے ناقص ٹکڑے سے استدلال، کہین تاریخ سے بیخبری، کہین ان پر مفروضات سے استدلال، کہین طبع زاد شہادتین غرض جہالت، تدلیس، خیانت، کم نظری اور ناواقفیت کا کوئی نمونہ ایسا نہین ہوتا جو انکی تحریرون مین نظر نہ آتا ہو اور یہ تحریرین ہر شخص کی نظر سے گذرتی ہین اور مذہبی علوم سے ناواقف اشخاص پر اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مجددین کی خیانتون کو اچھی طرح فاش کیا جائے اور حدیث وسنت کے خلاف جس قدر شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہین انپر تفصیلی بحث کرکے اصل حقیقت واضح کیجائے، آیندہ سطور مین ان شکوک پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے،

حدیث وسنت کے واجب العمل اور حجت شرعی ہونے کی مخالفت مین حسب ذیل دلیلین پیش کیجاتی ہین،

(۱) رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے (۲) خلفاء حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ حدیثون کی روایت سے روکتے تھے، اپنا مرتب کیا ہوا حدیثون کا مجموعہ جلا ڈالا، حضرت عمرؓ صحابہ کو روایت سے منع کرتے تھے اور روایت کرنے والون کو سزا دیتے تھے، حضرت عثمانؓ حدیثین نہین قبول کرتے تھے (۳) ایسے صحابہ سے روایتین مروی ہین، جنھین قرآن نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے، (۴) صحابہ اور ائمہ نے حدیثون کے متعلق بری رائے ظاہر کی ہے (۵) ان احادیث کی تدوین آنحضرت صلعم کے کئی صدی بعد کی گئی ہے اور ان مین ہر طرح کی رطب ویابس روایتین ہین،

یہ وہ اصولی دلائل ہین جو حدیث وسنت کے لائق احتجاج ہونے کی مخالفت مین دیئے جاتے ہین،

اس کے ضمن میں جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں وہ اپنے اپنے موقعہ پر آئیں گے،

لیکن یہ تمام اعتراضات معترضین کی کوتاہ نظری، قرآن و حدیث، رجال اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت اور منصب نبوت کی نامرتبہ شناسی کا ثبوت ہیں،

ان اعتراضات پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہئے حدیث وسنت کے قابل احتجاج اور ناقابل احتجاج ہونے کی بحث میں سب سے مقدم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا منصب کیا تھا اگر ان کی حیثیت حاکم بدہن محض ایک "پوسٹمین" کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا، اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے اوسے کوئی بحث نہیں تو بیشک حدیث وسنت قابل احتجاج نہیں ہے لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے رسول اللہ کی حیثیت محض خالص پیامبر کی نہیں تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد آپکی ذمہ داری ختم ہو گئی بلکہ وہ اس پیام کا شارح، مرسل الیہ قوم کا معلم اور طبیب بھی تھا اور عقائد عبادات، معاملات، اخلاق غرض تمام دینی اور دنیوی ضروریات میں اس کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة

(جمعہ رکوع ۱)

وہ خدا ہی ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے رسول بھیجا جو ان پر انکی آیات تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،

اس آیہ پاک میں رسول کا کام تنہا یہی نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ امیوں پر آیات خداوندی کی تلاوت کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انھیں پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے. جہاں تک خالص پیامبری کی ذمہ داری ہے وہ تلاوت آیات پر ختم ہو جاتی ہے پھر یہ تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کیا چیز ہے. یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کتاب عربی میں تھی اور عربوں پر نازل ہوئی تھی وہ اُسے خود سمجھ سکتے تھے پھر تعلیم کتاب وحکمت کے کیا معنی. اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تنہا خالص پیامبر ہی نہیں تھے بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی تھے، اسکو خود قرآن نے بتا دیا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہے

اس آیہ پاک مین ذات نبوئ کو کس چیز مین نمونہ قرار دیا گیا ہے، کیا محض احکام قرآنی کے مان لینے مین؟ اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ کی ذات کو اسوہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صاف الفاظ مین کہا گیا ہوتا کہ "قرآن کو مان لو" جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس مقصد کو اسی قسم کے الفاظ مین ادا کیا گیا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ اسوہ کا کوئی اور مفہوم ہے جو احکام قرآنی کے ماننے سے زیادہ وسیع ہے اور وہ خود لفظ اسوہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسوہ یا نمونہ عرف عام مین بھی اسی کو کہتے ہین، جسکا ہر قول و عمل جسکی ہر نقل و حرکت اور جسکی ہر ادا قابل تقلید ہے، اور انھین اقوال و اعمال کو حدیث و سنت کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے، کہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے، جسمین عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق صرف کلی اصول ہین، باقی ان کی تفصیلات اور جزئیات کے استقصار کی اس مین گنجایش تھی اور نہ ہین، ان کلی کی جزئیات، اس اصول کی فروعات اور اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذات پاک محمدی زندہ کتاب ہے جسکا ہر قول و عمل متن قرآنی کی شرح ہے، قرآن کے اصولون کی تشریح بغیر نبی کی وضاحت کے نہین ہو سکتی، چنانچہ

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم، — اور نہین اتاری ہمنے تیپر کتاب مگر اسلیے کہ تم اسکو کھول کھولکر واضح بیان کرو،

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس، — ہمنے تمھاری طرف اسلئے نصیحت اتاری تاکہ تم لوگون کیلئے اسکو واضح بیان کرو،

ظاہر ہے کہ جہانتک قرآن کی عربی عبارت کا تعلق ہے، ہر عرب سمجھ سکتا تھا، پھر اس تبیین اور وضاحت کے کیا معنی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مین کچھ اور بھی ہے جسکی وضاحت نبی ہی کر سکتا ہے، اور یہی وضاحت حدیث و سنت ہے، حدیث مین اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان کیا گیا ہے،

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلعم شیئا فقال	زیاد بن لبید بیان کرتے ہین کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی
ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ و	چیز بیان کیگئی آپنے فرمایا یہ علم کے جانے کے وقت ہوگی، مین نے
کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئه	کہا یا رسول اللہ علم کیونکر چلا جائیگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہین، اپنے

ابناءنا ویقرئه ابناءنا ابناءهم الی یوم القیمة قال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقه رجل بالمدینة اولیس هذا الیهود والنصاری یقرءون التوراة والانجیل ولا یعلمون بشیء مما فیهما، (ابن ماجہ باب ذہاب العلم)

لڑکون کو پڑھاتے ہین اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکون کو پڑھائینگے اور سلسلہ قیامت تک قائم رہیگا، فرمایا زیاد تیری ماں تجھکو روئے مین تجھکو مدینہ مین سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا کیا یہود و نصاری انجیل و تورات کی تلاوت نہین کرتے ہین، لیکن ان مین جو کچھ ہے اس سے بالکل بیخبر ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھ لینے سے اس کا پورا علم حاصل نہین ہوتا اسی لئے نبی کو اسکی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہین بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ وحی کی زبان مین ہو یا خدا کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی مین جسے ہم حدیث و سنت کہتے ہین، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے،

وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی، — نبیؐ اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا بلکہ وہ وحی ہوتی جو اسکو کیجاتی ہے،

وما انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک الله، — ہم نے تمہاری طرف سچائی کیساتھ صرف اسلئے کتاب اتاری ہے کہ تم لوگون کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کرو،

اسی لئے کسی دینی اور دنیاوی معاملہ مین رسول اللہؐ کے فیصلہ کے بعد چون و چرا کی گنجایش باقی نہین رہتی،

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا بعیدا،

اور مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہین رہتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ مین کوئی فیصلہ کر دے تو وہ اسمین چون و چرا کرین اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

ان آیات سے یہ ثابت ہوگیا کہ رسولؐ جو کچھ کہتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی روشنی مین کہتا ہے اور اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو اس مین چون و چرا کا حق باقی نہین رہتا، اس لئے اس کا ہر قول و فعل جب

ہوا اور اسکی اتباع عین خدا اور قرآن کی اتباع ہوئی، چنانچہ خود خدائے تعالیٰ فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ، ہمنے نہین بھیجا کسی رسول کو مگر اسلئے تا کہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے

اور خود رسول کی زبان سے اسکی اتباع کو فرض قرار دیا گیا،

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تمکو دوست رکھیگا،

اس آیۂ پاک مین خدا کی محبت اور خدا کی بارگاہ مین محبوب بننے کے لیے رسول اللہ کی اتباع ضروری قرار دیگئی، یہ نہین فرمایا گیا کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو قرآن کو مان لو، خدا تم کو دوست رکھیگا، بلکہ فرمایا گیا کہ میری اتباع کرو، ظاہر ہے کہ یہ اتباع اتباع بالحدیث والسنہ کے سوا اور کوئی دوسری شے نہین ہوسکتی، دوسرا قابلِ غور ایک اور امر ہے، مگر اس سے پہلے حدیث وسنت کا مفہوم اور منشا واضح ہوجانا چاہئے، محدثین کے نزدیک تو حدیث وسنت کا مفہوم نہایت وسیع ہے لیکن زیر بحث موضوع کے اعتبار سے ہم اسے محدود کرکے یہ کہتے ہین کہ حدیث وسنت سے مراد آنحضرت صلعم کے وہ اقوال واعمال ہین جو آپ نے مسلمانون کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ مین فرمائے ہون، غالبًا اس تعریف مین کسی کو شک وشبہ کی گنجایش نہ ہوگی، اس معنی کی تعیین کے بعد سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کو کوئی دینی یا دنیوی تعلیم دی یا کسی مسلمان کے سوال یا پیش آمدہ صورت کے متعلق کوئی جواب دیا یا کوئی حکم صادر فرمایا، تو یہ تعلیم، یہ جواب اور یہ فیصلہ عارضی اور وقتی مانا جائیگا اور آپ کے بعد ان کی ہدایت ورہنمائی اور عملی حیثیت ختم ہوجائیگی، اسے کون عقل تسلیم کرسکتی ہے، اس کی مثال روزانہ کے دنیاوی معاملات مین لیجیے، ایک باپ یا معلم اپنے بچہ اور شاگرد کو جو تعلیم وتربیت دیتا ہے اور جو زرین اصول اخلاق یا علوم سکھاتا ہے، کیا وہ محض سنانے کے لیے اور وقتی ہوتے ہین، ان پر عمل کی ضرورت نہین ہوتی اور مکتب درس سے نکلنے کے بعد انھین طاقِ نسیان کے حوالہ کردیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا نہین ہے بلکہ بچہ اور شاگرد کی بچپن کی صالح تعلیم وتربیت اس کی آیندہ زندگی کی رہنما ہوتی ہے، پھر جب ایک باپ اور دنیاوی استاد کی تعلیم وتربیت انسان کے لیے دائمی لائحۂ عمل ہے تو اس استا

اور اس معلم خداوندی کی تعلیم جو تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اُن کے اخلاق سدھارنے کے لیے آیا تھا اور اس دعویٰ کیساتھ آیا تھا کہ وہ دنیا کا آخری معلم اور اسکی تعلیم دنیا کے لیے دائمی اور آخری تعلیم ہے اس لائق ہے کہ اس کے بعد اسے طاقِ نسیان کے حوالہ کردیا جائے کلا ثم کلا اور اسکی یہی تعلیم و تربیت حدیث و سنت ہے،

یہانتک اتباعِ رسول ؐ کے متعلق قرآنی احکام سے بحث تھی اب حدیث کے احکام ملاحظہ ہوں ایک نہیں بیسیوں صحیح احادیث میں اتباعِ حدیث و سنت کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے،

عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله الخ (مسلم کتاب الامارة ج ۲ ص... مطبع مصر و بخاری دعاء النبی صلعم)

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، الخ

اس حدیث میں آپنے اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا، خدا کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی نہیں بتایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے ساتھ نبی کے احکام کی اطاعت بھی جو اسی سے مستنبط ہیں، ٹھیک ویسی ہی ضروری ہے، دوسری حدیث میں اس اطاعت کی خود تشریح فرمادی ہے،

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم ما امرتکم به فخذوه وما نهیتم عنه فانتهوا (ابن ماجه ج ۱ ص ۲ مطبع فاروقی دهلی)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس چیز کا میں تمکو حکم دوں اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے رک جاؤ،

اس حدیث میں قرآن کی تخصیص نہیں ہے کہ جس چیز کا قرآن حکم دے اسے اختیار کرو اور جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا میں حکم دوں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روکوں اس سے رک جاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے علاوہ آپ کے دوسرے احکام و فرامین بھی قرآنی احکام کی طرح واجب الطاعة ہیں مسلم

مین یہ روایت ان الفاظ مین ہے،

کان ابوھریرۃ یحدث انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ	ابوہریرہ رضہ بیان کرتے تھے کہ انھون نے سنا رسول اللہ
علیہ وسلم یقول ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ	صلعم فرماتے تھے کہ مین جس چیز سے تم کو منع کرون اس سے بچو
وما امرتکم بہ فافعلوہ (مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۳۰۲)	اور جس چیز کا حکم دون اسے اختیار کرو،

احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کی اس سے زیادہ واضح سند کیا چاہئے، ممکن ہے کوئی صاحب یہ اعتراض کرین کہ اس مین احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کا حکم حدیث کے متعلق کہان ہے، گو حدیث رسول اللہ صلعم کے احکام کی ایک قسم ہے، تاہم معترضین کی تشفی کے لیے ذیل کی تشریحی روایت پیش کیجاتی ہے، جس کے بعد کسی شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رہتی،

عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول اللہ	مقدام بن معدیکرب الکندی روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم
صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث	نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آدمی (اپنے پر تکلف اور آراستہ تخت پر بیٹھکر)
بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ عز وجل	اُس سے میری کوئی حدیث بیان کیجائے تو وہ کہے کہ ہمارے تمھارے
فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا	درمیان کتاب اللہ عز وجل موجود ہے ہم جو چیز اسمین حلال پائینگے
فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللہ	اسکو حلال سمجھینگے اور جو حرام پائینگے اسکو حرام سمجھینگے (ایسے
صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللہ (ابن	لوگون کو) آگاہ ہوجانا چاہئے کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے
ماجہ ص ۳)	وہ بھی خدا کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے،

کیا اس کے بعد بھی حدیث کے واجب العمل اور واجب الطاعۃ ہونے مین کوئی شبہہ باقی رہجاتا ہے، تمسک بالکتاب کے مبلغین کو خصوصیت کیساتھ اس حدیث پر غور کرنا چاہئے، یہ تو حدیث کے متعلق تھا، گو حدیث و سنت ایک ہی ہین تاہم لفظ "سنت" کے ساتھ ملاحظہ ہو،

عن عرباض بن ساریۃ قال صلی لنا رسول اللہ	عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہین کہ ایک دن فجر کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر ثم وعظنا موعظۃ	صلعم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ فرمایا
بلیغۃ ذرفت منہا العیون و وجلت منہا	جس سے آنکھیں بہ نکلیں اور دل خوفزدہ ہوگیا، ایک کہنے والے
القلوب فقال قائل یا رسول اللہ کانہا موعظۃ	نے کہا یا رسول اللہ یہ رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، اس لیے
مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ	ہم کو کچھ وصیت فرماتے جائیے آپ نے فرمایا میں تم کو خدا سے
والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ	خوف کی اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں
من یعش بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم	خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا
بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المہدیین	اسکو بہت سے اختلافات سے سابقہ پڑیگا، ایسے وقت میں
عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم والمحدثات	تم لوگ میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کی
فان کل محدثۃ بدعۃ (مسند دارمی ص ۶	سنت کی پیروی کرنا، اسکو اپنے کچلوں سے پکڑ لینا اور
مطبع نظامی کانپور)	محدثات سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے،

علیکم بسنتی کے واضح اور صریح حکم کے بعد کون اقتدار با سنۃ کے خلاف لب کشائی کرسکتا ہے، کتاب اللہ کے بعد مسلمانوں کے لیے سنت رسول ہی رہنما ہے، آپ نے اسی کا حکم دیا ہے اور صحابہ کا اسی پر عمل تھا، جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر کیا تو روانگی سے پہلے ان سے امتحاناً پوچھا فیصلہ کس طرح کروگے؟ معاذ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اسمیں نہ ملے، عرض کیا سنت رسول اللہ کے مطابق، فرمایا اگر اسمیں بھی نہ ملے، عرض کیا تو میں خود اجتہاد کرونگا، یہ جواب سنکر آنحضرت صلعم بہت مطمئن اور مسرور ہوے، اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے "رسول" کو ایسی چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے، (مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۰ و مسلم و بخاری)

اس واقعہ میں امام امت حضرت معاذ بن جبلؓ نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا، اور آنحضرت صلعم نے ان کے بیان پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اگر سنت کوئی شے نہ ہوتی تو آپ معاذ کو اس سے روک دیتے

ناپسندیدگی ظاہر فرماتے، غالباً اتنی مستند روایات کے بعد حدیث و سنت کے واجب الطاعہ ہونے مین کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہ جائیگا،

اس تمہید کے بعد اب معترضین کے ان دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جو حدیث و سنت کی مخالفت مین پیش کرتے ہین، سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابون مین ہے،

(ا) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو اسکو چاہئے کہ مٹا ڈالے،

اس حکم سے حدیث و سنت کے ناقابل حجت اور نا واجب العمل ہونے کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حدیث واجب ہوتی تو اس کے لکھنے کی کیون ممانعت فرمائی جاتی، معلوم نہین یہ کونسی منطق ہے، دعوی کو دلیل سے کوئی تعلق ہونا چاہئے، کسی کے قلمبند کئے جانے کی ممانعت اور شے ہے اور اس کا واجب العمل ہونا اور شے، کتابت کی ممانعت سے اس کا نفاذ کہان سے ساقط ہو جائیگا، دوسرے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ممانعت کن حالات اور کن مصالح کی بنا پر کی تھی اور وہ وقتی تھی یا دائمی،

بیشک ابتدا مین رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث کی ممانعت کی تھی، لیکن مطلق اور دائمی نہین بلکہ خاص مصالح کی بنا پر اور وقتی، ابتدا مین بہت کم مسلمانون کو لکھنا آتا تھا، اور جو جانتے بھی تھے وہ بھی یون ہی سا معمولی اس لیے ان کے حدیثون کے قلمبند کرنے مین غلط سلط لکھ جانے کا خطرہ تھا، دوسرے شروع مین خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمانون مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے درمیان فرق و امتیاز قائم رکھنے کا صحیح مذاق پیدا نہ ہوا تھا، اس لیے دونون کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا، اس اہم خطرہ سے حفاظت کے لیے آپ نے ابتدا مین ممانعت کی تھی لیکن جب فن کتابت ترقی کر گیا اور صحابہ مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ مین فرق و امتیاز کی پوری صلاحیت آگئی تو آپ نے یہ ممانعت اٹھالی، اور جو لوگ لکھنے مین مہارت رکھتے تھے انھین کتابت کی اجازت دیدی، چنانچہ عبد اللہ

بن عمرؓ کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شیٔ اسمعہ من رسول اللہ صلعم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا تکتب کل شی تسمعہ ورسول اللہ صلعم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق، (ابوداؤد ج ۲ صفحہ مطبع قادری دہلی وبخاری ومسلم)

عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہین کہ مین حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا قریش نے مجھکو منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلعم سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہین غصہ اور رضا دونون کی حالت مین فرماتے ہین، اسکے کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی انگلیون سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم لکھا کرو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، اس سے حق کے سوا کچھ نہین نکلتا،

مسند دارمی کی روایت ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ارید ان اروی من حدیثک فاردت ان استعین بکتاب یدی مع قلبی ان رأیت ذالک فقال رسول اللہ صلعم ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (مسند دارمی ص ۶۷)

عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہین کہ مین رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مین چاہتا ہون کہ آپکی حدیث روایت کرون اس لئے چاہتا ہون کہ اپنے قلب کی یادداشت کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لون، اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائین رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کیساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو)،

یہ واضح رہے کہ یہ اجازت تنہا ابن عمرؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بہت سے صحابہ حدیثین لکھ کرتے اور

آپ کے علم اور اجازت سے،

عن ابی قبیل قال سمعت عبداللہ بن عمرو قال بینما نحن حول رسول اللہ صلعم نکتب اذ سئل رسول اللہ صلعم ای المدینتین تفتح اولا قسطنطنیہ او رومیۃ (مسند دارمی ص ۶۸)

ابی قبیل بیان کرتے ہین کہ مین نے عبداللہ بن عمرو سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے گرد (حدیث) لکھتے تھے، اتنے مین کسی نے آپ سے پوچھا دونون شہرون مین کون پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ،

بعض اوقات دوسرون کی درخواست پر آنحضرت صلعم خود لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ فتح مکہ مین جب آپ نے تحریم حرم پر خطبہ دیا تو ایک یمنی ابوشاہ نے درخواست کی یا رسول اللہ مجھکو یہ احکام لکھوا دیئے جائین، انکی درخواست پر آپ نے فرمایا،

اکتبوا لابی شاہ (مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ ج اول ص ۴۲۵) ابی شاہ کے لیے لکھ دو،

آپ کے مرض الموت کا مشہور واقعہ بخاری اور مسلم سب مین ہے کہ جب آپکی حالت غیر ہوئی تو آپ نے کچھ لکھنے کے لیے قلم و دوات مانگی، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہین کہ جب رسول اللہ صلعم کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ قلم دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ مین تمھارے لیے ایک تحریر لکھدون تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو (مسلم ج ۲ ص ۴۸ مطبوعہ مصر بخاری کے مختلف ابواب مین یہ واقعہ ہے)

آپ نے کس چیز کے لکھنے کے لیے قلم دوات منگوائی تھی، ظاہر ہے کہ حدیث تھی آپ جو بھی لکھتے وہ حدیث رسول ہی ہوتی، یہ بھی واضح رہے کہ یہ رسول اللہ کا آخری فعل ہے،

آپ نے اپنے عمال کو بہت سے احکام لکھوا کر بھیجے، جنپر حضرات خلفاے راشدین کے عہد مین بھی عمل ہوتا رہا، اور وہ تحریری ہدایات علم حدیث کا پہلا مجموعہ ہین،

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپنے کتابت حدیث کی دائمی ممانعت فرمائی تو اس سے روایتِ حدیث اور حدیث و سنت کے ناواجب العمل اور ناواجب الطاعۃ ہونے کا ثبوت کہان سے

لکھتا ہے، کتابتِ حدیث کی ممانعت اور شے ہے اور حدیث کی روایت اور اسکا واجب العمل ہونا اور شے، کسی قانون کے نفاذ اور واجب العمل ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا ضروری نہیں ہے خصوصاً عہد رسالت میں تو تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، ادھر زبانِ مبارک سے کچھ نکلا ادھر اس پر عمل شروع ہوگیا، اور پھر یہ عمل تواتر کی شکل میں چلا، اس لئے تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، باقی حدیث کی روایت اور اسکی اشاعت کی جو موضوعِ بحث ہے آپ نے خود اجازت مرحمت فرمائی ہے،

حدثوا عنی ولاحرج (مسلم) مجھ سے حدیث بیان کرو اسمین کوئی مضائقہ نہین،

بلکہ مبلغ حدیث کے لئے دعا فرمائی ہے،

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ (ابوداؤد ج ۲ ۱۵۹ باب فضل نشر العلم،)

زید بن ثابت روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خدا اس شخص کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی اور اسکو محفوظ رکھا یہانتک کہ دوسرے کو پہنچایا کیونکہ بسا اوقات علم کا حامل اسکو ایسے شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل خود سمجھدار نہین ہوتا،

آپ نے حجۃ الوداع مین جو آخری اور مشہور خطبہ دیا تھا اور جسمین مسلمانون کے لیے بہت احکام اور ہدایات بیان فرمائے تھے، بخاری و مسلم وابوداؤد وغیرہ حدیث کی تقریباً کل کتابون مین کل یا جزءً موجود ہے اس کے آخر مین یہ حکم ہے کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی وہ لوگ جو موجود ہین ان احکام اور ہدایات کو ان مسلمانون تک پہنچا دین جو موجود نہین ہین، یہ تبلیغ کا حکم کس چیز کے لیے تھا کیا حدیث کے علاوہ کوئی شے تھی اور کیا محض کانون تک پہنچانے کا یہ منشا تھا کہ محض سنا دینا باقی اس پر عمل کی کوئی ضرورت نہین اور یہ نعوذ باللہ آپ کا آخری فعل ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد آپ کی زندگی مین کبھی مسلمانون کا اتنا بڑا اجتماع نہین ہوا، غالباً

اتنے واقعات منکرین حدیث کی تشفی کے لیے کافی ہونگے،

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثون کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے، اور اس کے ثبوت مین حسب ذیل واقعات پیش کرتے ہین،

(۱) آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو جمع کرکے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین بیان کرتے ہو اور اس مین اختلاف پیدا ہوتا ہے، تمھارے بعد جو لوگ آئین گے ان مین تم سے زیادہ اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے تم لوگ رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث بیان نہ کرو، جو شخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، ایک رات کو آپ بہت بیچین رہے، آپکی بیچینی سے حضرت عائشہؓ پریشان ہوئین اور پوچھا آپ کسی بیماری کی وجہ سے بے چین ہین یا کوئی ناگوار بات پیش آئی، صبح ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ بیٹی حدیثون کا وہ مجموعہ لے آؤ جو تمھارے پاس رکھا ہے، حضرت عائشہؓ اس کو لے آئین آپنے اس کو لیکر جلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا آپ نے جلا کیون دیا، فرمایا مجھے خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ محفوظ رہ جائے، ممکن ہے مین نے اس مین ایسے لوگون سے حدیثین لی ہون جنکو مین امین سمجھتا ہون اور مجھے ان پر وثوق ہے، لیکن وہ حدیثین ایسی نہ ہون، (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابوبکرؓ)

حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث مین یہ واقعات پیش کئے جاتے ہین، (۱) آپ فرماتے تھے، حسبنا کتاب اللہ (۲) لوگون کو حدیثون کی اشاعت سے روکتے تھے، قرظہ بن کعب راوی ہین کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق بھیجا تو خود مشایعت کو نکلے، اور ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے مین تمھارے ساتھ کیون آیا ہون، لوگون نے عرض کیا ہماری عزت افزائی کے لیے، فرمایا ہان لیکن یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے

مقام پر جاتے ہو، جہان کے باشندون کی آوازین قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کی طرح گونجتی رہتی ہین، تم اُن کو احادیث مین روک کر قرآن سے غافل نہ کردینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو، اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو مین تمھارا شریک ہون، قرظہ جب عراق پہنچے تو لوگون نے کہا ہم سے حدیث بیان کرو انھون نے کہا ہمکو عمرؓ نے منع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۳) ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طریقہ سے عمرؓ کے زمانہ مین بھی حدیثین بیان کرتے تھے انھون نے کہا اگر مین عمرؓ کے زمانہ مین اس طرح حدیثین بیان کرتا تو وہ مجھکو درے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ج اول)

(۴) عبداللہ بن مسعودؓ، ابودرداءؓ اور ابومسعودؓ انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کردیا تھا اور کہا تم لوگ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہو! (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۵) حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرتے تھے. سلمان فارسی نے کہا تم اس سے باز آؤ ورنہ مین عمرؓ کو لکھونگا، (ابوداؤد)

یا اس قبیل کے دو ایک اور واقعات سے اگر مل سکین. منکرین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، ورنہ احادیث اور رواۃ کے متعلق یہ مخالفانہ طرزِ عمل کیون ہوتا اوپر کے واقعات مین سے اکثر تذکرۃ الحفاظ مین ضرور ہین، لیکن ان سے حدیث وسنت کے خلاف نتیجہ نکالنا معترضین کی کوتاہیِ نظر اور ان کا قصورِ فہم ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان مین سے بعض روایات سرے سے غلط ہین، یہ ضروری نہین ہے، کہ تذکرۃ الحفاظ کی اس قسم کی ہر روایت قابل قبول ہو، خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ صحاح کی مستند روایات مین احادیث وسنت کی اشاعت اور اس کے وجوب ہونے کے متعلق احکام اور خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے ایک دو نہین بلکہ بیسیون واقعات ہین، (اول الذکر کی روایتین اوپر گذر چکی ہین اور آخر الذکر کی آیندہ آئین گی) اور بعض روایتون کے مطلب غلط سمجھکر ان سے غلط نتیجہ پیدا کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان سے مخالفت حدیث کا نتیجہ نہین

خود حافظ ذہبی بھی اس نتیجہ پر نہین پہنچے ہین، اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے تو خود اتنے بڑے محدث وامام کیون ہوتے، اور مناقب محدثین کے بجائے ان کے مثالب لکھتے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حافظ ذہبی نے بہت سے واقعات خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے لکھے ہین، ان کثیر واقعات کو چھوڑ کر بعض ایسے مشتبہ واقعات کو لے لینا جن سے بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مخالفت نکلتی ہے، کہان تک جائز ہے، اوپر کی روایات سے صرف احتیاط فی الروایۃ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھتا ہے، اور خود حافظ ذہبی بھی یہی سمجھتے ہین اور یہی سمجھکر ان کو کتاب مین نقل کیا ہے، ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم کو احتجاج بالحدیث والسنۃ کے باب مین ابوبکرؓ وعمرؓ کے عمل کو دیکھنا چاہیئے،

ان تجدید محدثین کے علاوہ تمام محدثین اور ائمہ اسلام کا متفق علیہ اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کتاب اللہ کے بعد حدیث وسنت ہی کو رہنما سمجھتے تھے، اسی لئے وہ خلفائے راشدین کہلاتے تھے کہ کسی چیز مین عمل نبوی سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، حدیث وطبقات کی کتابین اس قسم کے واقعات سے معمور ہین، خصوصاً شیخین اس بارہ مین اور زیادہ متشدد تھے، حضرت ابوبکرؓ کا دستور العمل یہ تھا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تھی تو پہلے کتاب اللہ اس کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، مسند دارمی مین ہے،

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ ﷺ فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسال المسلمین (مسند دارمی)	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ مین دیکھتے تھے اگر اس مین پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ مین نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ مین کوئی سنت ہوتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانون سے پوچھتے

علامہ ابن قیم بحوالہ کتاب القضاء ابوعبید لکھتے ہین،

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے

نظر في كتاب الله فإن وجد فيه ما يقضي	کتاب اللہ میں دیکھتے تھے اگر اس میں فیصلہ کا مواد مل جاتا تو اسکے
به قضى به وإن لم يجد في كتاب الله نظر في سنة	مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملتا تو سنت رسول اللہ
رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن وجد فيها	صلعم میں دیکھتے۔ اگر اسمین فیصلہ کے متعلق کچھ مل جاتا تو اس کے
ما يقضي به قضى به فإن أعياه ذالك سأل	مطابق فیصلہ کرتے جب اس سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوتی تو
الناس هل علمتم أن رسول الله صلعم قضى فيه	لوگون سے پوچھتے کہ تم لوگون کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم
بقضاء فربما قام إليه القوم فيقولون قضى	نے اس بارہ مین کوئی فیصلہ کیا ہے بسا اوقات اسکے جواب
به بكذا وكذا فإن لم يجد سنة سنها النبي	مین کچھ آدمی کھڑے ہو جاتے، اور کہتے کہ اس معاملہ مین رسول اللہ
صلعم جمع روساء الناس فاستشارهم فإذا	صلعم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے اور جب نبی صلعم کی کوئی سنت
اجتمع رأيهم على شيء قضى به. (اعلام الموقعين ج ۱ ص ۶۲)	بھی نہ پاتے تو سربرآوردہ مسلمانون کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرتے اور جس امر پر سب کا اتفاق ہو جاتا اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔

بیعت خلافت کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اس مین کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا،

اما بعد ايها الناس قد وليت امركم ولست بخيركم	اما بعد لوگو! مین تمہارے معاملات کا ولی بنایا گیا ہون مگر تم
ولكن نزل القرآن وسنن النبي صلعم السنن فعلمنا	مین سے بہتر نہین ہون لیکن قرآن نازل ہو چکا اور رسول اللہ صلعم
فعلمنا . . . . أيها الناس إنما	صلعم نے ہم کو طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے اور ہم سیکھ گئے ہین . . .
أنا متبع ولست بمبتدع فإن أحسنت فأعينوني	لوگو مین متبع ہون نئی طرح ڈالنے والا نہین ہون اگر
وإن زغت فقوموني (طبقات ابن سعد ج ۳ ق	ہون اگر ٹھیک چلون تو میری مدد کرو اور اگر کجی
۱ ص ۱۲۹)	اختیار کرون تو مجھے سیدھا کر دو۔

اس پہلی تقریر ہی مین آپ نے اپنی حیثیت بتا دی ہے کہ مین پیرو ہون نئی راہ نکالنے والا نہین ہون، اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بتایا،

اب حضرت ابوبکر کے اجتہادات کی مثالین درج ہوتی ہین

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی جبکہ آپ کا جسد خاکی بھی آنکھون سے نہان نہ ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو حدیث نبوی کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ مین یہ سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کو کہان دفن کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے مسجد نبوی مین دفن کیا جائے بعضون کی رائے تھی کہ آپ کے صحابہ کیساتھ دفن کیا جائے، اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی سے اس کا فیصلہ کیا، فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جہان پر نبی کی روح قبض ہوتی ہے، وہین دفن کیا جاتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلعم کا فرش اٹھا کر اسی جگہ قبر کھودی گئی (موطا امام مالک ص ۸۰ مطبوعہ دہلی، و ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلعم ص ۱۱۸)

وفات نبوی کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے میراث نبوی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا،

فقال ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما	(ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہماری وراثت تقسیم)
ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال	نہین ہوتی ہم نے جو کچھ چھوڑا ہو وہ صدقہ ہے البتہ آل محمد
وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ	اس مین کھا پی سکتے ہین، خدا کی قسم مین رسول اللہ صلعم کے
صلعم ولا عملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صلعم	صدقات مین کوئی تغیر نہ کرونگا اور اس مین وہی کرونگا
الخ (مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ مصر و بخاری)	جو رسول اللہ نے کیا ہے،

منکرین حدیث کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے میراث نبوی مین بھی جو حضرت فاطمہؓ کو ملنے والی تھی حدیث نبوی پر عمل ضروری سمجھا اور حضرت فاطمہؓ کو صاف جواب دیدیا، ایسی حالت مین اور مسائل کا کیا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ پیش آمدہ مسائل مین آپ تنہا اپنے ہی معلومات حدیث پر اکتفا کرتے تھے، بلکہ دوسرون کی قابل اعتماد روایات پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی، قرآن مین اس کے ترکہ کا ذکر نہین ہے، اسلئے فرمایا کہ قرآن مین تمھارے ترکہ کا کوئی ذکر نہین ہے اور نہ دادی کے ترکہ مین مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے، مغیرہ بن شعبہ بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ دادی کو چھٹا حصہ دلاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کوئی اور شاہد ہے

محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، ان کی شہادت سنکر آپ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دلایا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۲)

اس قسم کے بیسیون واقعات ہین، مثالاً صرف چند لکھ دیئے گئے، مزید کے لیے حدیث کی کتابون کی طرف رجوع کرنا چاہیئے،

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا، وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، بلکہ انھون نے سنت رسول کے ساتھ سنت ابی بکر کو بھی شامل کر لیا تھا کہ یہ بھی سنت رسولؐ ہی پر مبنی تھی، چنانچہ اس کو ان الفاظ مین واضح فرمایا ہے،

انہ مضی لی صاحبان لی یعنی النبی صلعم وابابکر عملا عملاً وسلکا طریقاً فانی ان عملت لغیرھما سلک بی غیر طریقھما. (ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۲۰۷)

میرے دو ساتھی یعنی نبی صلعم اور ابوبکرؓ آگے جاچکے، انھون نے خاص قسم کے اعمال کئے اور خاص راستہ پر چلے، اب اگر مین ان دونون کے علاوہ کوئی تیسرے طریقہ پر عمل پیرا ہون تو میری وجہ سے ان دونون کے طریقون کے علاوہ ایک اور راہ کھل جائیگی

اس مین انھون نے اپنے لیے عمل رسول اور عمل ابی بکر کی پیروی ضروری قرار دی،

حافظ ابن القیم حضرت ابوبکرؓ کے طریقہ کو جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لکھنے کے بعد لکھتے ہین کہ

وکان عمر یفعل ذالک فاذا اعیاہ ان یجد ذالک فی الکتاب والسنۃ سأل ھل کان ابوبکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر قضاء قضی بہ والا جمع علماء الناس استشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی شیٔ قضی بہ. (اعلام الموقعین ج اول ص ۱۷)

اور عمر بھی ایسا ہی (یعنی علی الترتیب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف رجوع) کرتے تھے، اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ مین بھی کچھ نہ ملتا تو لوگون سے پوچھتے کہ ابوبکرؓ نے اسمین کوئی فیصلہ کیا ہے، اگر ابوبکرؓ کا فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر صاحب علم بزرگون کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے جس رائے پر سب کا اتفاق ہوجاتا اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔

قضاۃ کو عہدۂ قضاء پر مقرر کرتے وقت خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول کے مطابق فیصلون کی ہدایت کرتے تھے، چنانچہ جب تاریخ اسلام کے مشہور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی،

انظر ما یتبین لك فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احداً و ما لم یتبین لك فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ و ما لم تتبین لک فیہ السنۃ فاجتہد فیہ رایك، (الاعلام المو قعین ج ا ص ۱۷)	جو مسئلہ پیش آئے اسین پہلے کتاب اللہ کو دیکھو جو اس سے تمھارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس مین سنت رسول اللہ کی اتباع کرو، اور جب سنت سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی راے سے اجتہاد کرو،

چونکہ آپ کے زمانہ مین بکثرت فتوحات ہوئین نئے نئے ملک زیرنگین ہوئے، نئی نئی قومین اسلام کی حلقہ بگوش ہوئین اس لئے آپ نے ان ملکون کے عمال کو انتظام ملکی کے ساتھ اہل ملک کی دینی اور سنتِ نبوی کی تعلیم کا بھی حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی شہادت کے وقت خدا کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان مین ایک تعلیم سنت رسول بھی تھی،

قال اللّٰھم انی اشھدك علی امراء الامصار فانی انما ابعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم ویعدلوا علیھم ویقسموا فیئھم بینھم ویرفعوا الی ما اشکل علیھم من امرھم، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۳)	(عمر نے) کہا خدایا مین تجھکو ملکون کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہون کہ مین نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ لوگون کو انکا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائین اور ان مین انصاف کرین اور مال غنیمت کا حصہ تقسیم کرین اور انھین جو مشکل پیش آئے اس کو میرے سامنے پیش کرین،

امراء اور عمال کے علاوہ علماء صحابہ کو اشاعتِ حدیث کے لیے مختلف ملکون مین بھیجتے تھے، چنانچہ فقہ الامت عبد اللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ، معقل بن یسار، عبد اللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن صامت کو شام روانہ کیا، اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ یہ لوگ حدیث سے سرمو

تجاوز نہ کرنے پائین (ازالۃ الخفا، ج ۲ ص ۶)

اوپر کی روایات احتجاج بالحدیث و سنہ کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول کی تھین، اب واقعات کی صورت مین ان کی مثالین ملاحظہ ہون،

شیبہ راوی ہین کہ ایک مرتبہ عمرؓ نے جبکہ وہ مسجد (کعبہ) مین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے کہا کہ مین نے ارادہ کرلیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانون مین تقسیم کردونگا اور اس گھر (کعبہ) مین کچھ نہ رکھونگا، مین نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے انھون نے کہا کیون مین نے کہا اس لئے کہ تمھارے دونون ساتھیون (رسول اللہ اور ابوبکرؓ) نے ایسا نہین کیا، عمرؓ نے کہا مین انھین دونون کی اقتدا کرتا ہون، (بخاری باب الاقتدا بسنن رسول اللہ صلعم ج ۲ ص ۱۰۸۰)

اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عمرؓ علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنت ابوبکر اور اجماع صحابہ کے مطابق فیصلہ کرتے اور سب سے آخر مین اجتہاد کرتے تھے، لیکن اجتہاد کی صورت مین فیصلہ کے بعد اگر سنت رسول اللہ کا پتہ چل جاتا تو فیصلہ پلٹ دیتے، ابن مسیب راوی ہین کہ عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ انگلیون کی دیت کے بارہ مین کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ مین ان کو آنحضرت صلعم کے ایک فرمان کا جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا، حوالہ دیا گیا تو اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کردیا، (سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۱۲۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک مجنون زانیہ عورت کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ تین شخص مرفوع القلم ہین، سونے والا جبتک بیدار نہ ہوجائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہوجائے، وہ سمجھنے لگے" یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑ دیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰)

یہی نہین کہ آپ مسائل اور احکام مین سنت نبوی کو دلیل بناتے تھے، بلکہ بعض ان سنتون پر جن سے بظاہر کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا محض سنت رسول ہونے کی وجہ سے عمل کرتے تھے، حجر اسود کا بوسہ لینا ارکان حج مین نہین ہے، بلکہ محض سنت ہے، اور ایسی سنت جس سے بظاہر کوئی غرض بھی

مقصود نہین۔ حضرت عمرؓ محض سنت کے خیال سے بوسہ دیتے تھے، اور کوڑا مار کر کہتے کہ مین جانتا ہون کہ تو کسی کو کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتا، لیکن رسول اللہ نے بوسہ لیا ہے، اس لیے مین بھی لیتا ہون، (مسلم و بخاری کتاب المناسک)

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی تو مجمع عام مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس، اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین مذکور ہے، البتہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہ قبول کرتے تھے، اس پر آیندہ بحث آئیگی، ایسی حالت مین یہ دعویٰ کہانتک صحیح ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حدیث کو قابل حجت نہ سمجھتے تھے،

اس تفصیل کے بعد تذکرۃ الحفاظ کی ان روایات کی توضیح و تنقید کیجاتی ہے، جنکو منکرین حدیث اپنی تائید مین پیش کرتے ہین، ناظرین کو ان مخالف روایات کو جو اوپر گذر چکی ہین پیش نظر کر لینا چاہیے،

ا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو روایت حدیث سے اس لیے نہین روکا تھا کہ وہ ان کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ ان کی تشریح کے مطابق اس کا سبب یہ تھا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلعم احادیث تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافاً فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)	تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین بیان کرتے ہو کہ جنمین اختلاف کرتے ہو، جب تمھارا یہ حال ہے تو تمھارے بعد آنے والون مین اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، اس لئے رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو، جو شخص تمسے پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے،

اولاً یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کر دی ہے، فقط ایک تابعی کا بیان ہے، پھر اس مین اس ممانعت کا سبب خود بیان کر دیا ہے کہ اس کا سبب مسلمانون کو اختلاف سے بچانا ہے نہ کہ حدیث کا انکار اور اس کا ناقابل حجت ہونا، واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثین بیان کرتے تھے، جو

باہم مختلف ہوتی تھین، اس سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے عوام کو روایتِ حدیث کی ممانعت کردی تھی، لیکن اس سے روایتِ حدیث کا دروازہ بند کرنا مقصود نہ تھا ورنہ وہ خود حدیثون سے کیون تمسک کرتے، حافظ ذہبی اس روایت کے بعد ہی اپنی راے لکھتے ہین،

فھذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لاسد باب الروایۃ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ ما اکتفی حتی استظھر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقولہ الخوارج (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس مرسل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ابوبکر صدیق کا مقصد حدیثون کی تصدیق اور توثیق تھی نہ حدیثون کا دروازہ بند کرنا، تم نے نہین دیکھا کہ جب ان کے پاس دادی کے ترکہ کا معاملہ آیا (اسکا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) اور کتاب اللہ مین انھون نے نہین پایا تو کیسے اس مسئلہ مین رسول اللہ کی سنت دریافت کی، اور جب ایک ثقہ نے ان کو خبر دی تو اسکو کافی نہین سمجھا، جبتک دوسرے نے تصدیق نہین کی اسوقت خوارج کی طرح انھون نے یہ نہین کہا

ایسی حالت مین اس روایت سے جو مرسل ہے، حضرت ابوبکرؓ کے انکارِ حدیث کا نتیجہ کس طرح درست ہو، اس کی صحت کی حالت مین صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے عوام کو جو بلا امتیاز ہر طرح کی حدیثین روایت کرتے تھے، اختلاف کے خطرہ سے روکا تھا،

۲- دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنا لکھا ہوا پانسو حدیثون کا مجموعہ جلا دیا تھا، اولاً یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، اس کا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی مجہول ہے، رجال کی کتابون مین اس کا ذکر ہی نہین جبکا راوی ایسا مجہول ہو اسکی روایت کا کیا پایہ ہو سکتا ہے، خود حافظ ذہبی بھی جنھون نے بحیثیت واقعہ نگار یہ روایت نقل کی ہے اسے قابلِ اعتبار نہین سمجھتے اور آخر مین لکھتے ہین کہ "لا یصح ذلک" یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) پھر اس سے استدلال کیا، اس علمی خیانت کو دیکھیے کہ

منکرین حدیث اوپر کا واقعہ تو ذہبی سے نقل کرتے ہیں، اور آخر کا ٹکڑا جس میں اس روایت کے عدم صحت کا ذکر ہے، چھوڑ دیتے ہیں، لیکن بالفرض اگر اسکی صحت تسلیم بھی کر لیجائے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر حدیثوں کو قابلِ حجت نہیں سمجھتے تھے، اگر وہ ایسا سمجھتے تھے تو وہ پہلے ہی کیوں لکھتے، اس کا سبب خود انھیں کی زبان سے یہ تھا،

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقت ولم یکن کما حدثنی، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵)

مجھے یہ خوف معلوم ہوا کہ میں مرجاؤں اور یہ مجموعہ میرے پاس رہجائے اور اس میں ایسی حدیثیں ہوں جن کو میں نے ایسے آدمیوں سے لیا ہو جنھیں میں امین اور قابلِ وثوق سمجھتا ہوں اور وہ درحقیقت ایسے نہ ہوں،

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اس لئے نہیں جلایا تھا کہ سرے سے حدیث ہی کے منکر تھے بلکہ آپ کو ان کے راویوں پر پورا اعتماد نہ تھا، ایسی حالت میں ان کا جلادینا ضروری معلوم ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے، اور خود اس عبارت میں "احادیث" اور "وثوق" کے دو لفظ ایسے ہیں جو ان معنوں میں قرن اوّل میں مستعمل نہ تھے، اس سے یہ روایت سراسر ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے،

حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت حدیث کی بنیاد انھیں دو حصوں میں قائم کیجاتی ہے، جس کی حقیقت ظاہر کردی گئی،

علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا اردو کلیات

سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" حیدرآباد دکن

"مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" اردو کی ابتدائی تاریخ کی گمشدہ کڑیون کی تلاش وجستجو مین سرگردان رہتے ہین، موصوف اس سے پہلے وجہی، نظامی اور ابراہیم عادلشاہ کی مثنویون کو پہلی مرتبہ ان صفحات مین روشناس کر چکے ہین، آج وہ سلطنت عادلشاہی کے ایک تاجدار سلطان علی عادل شاہ کے کلیات کو پہلی مرتبہ روشناس کر رہے ہین، امید ہے کہ اسے بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا"

"سید ریاست علی ندوی، سب اڈیٹر معارف"

یہ ہمین معلوم ہے کہ بیجاپور کے آٹھوین حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی کا تخلص شاہی تھا، ور وہ عموماً اردو زبان مین طبع آزمائی کیا کرتا تھا، مگر آج تک اس کے کلام کے متعلق کافی تفصیلات سے آگاہی نہین تھی، اس کی ایک مثنوی کے متعلق ہم نے ایک علحدہ مضمون لکھا ہے،

آج سلطان کے کلیات کا ناظرین سے تعارف کرایا جاتا ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہم کو برہان پور سے دستیاب ہوا تھا، اور اب وہ دفتر دیوانی ومال سرکار نظام (حیدرآباد) کے کتب خانہ مین محفوظ ہے،

---

[1] یہ دفتر سرکار آصفیہ حیدرآباد کا ہسٹاریکل ریکارڈ آفس ہے، اس مین فارسی عربی اردو اور انگریزی مخطوطات کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جس مین ایک بڑا حصہ نایاب اور کمیاب مخطوطات کا بھی ہے،

اس کلیات کے تعارف سے پیشتر خود سلطان علی عادل شاہ ثانی کی سوانح زندگی کو مختصراً بیان کرنا بے محل نہ ہوگا۔

بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں میں سلطان علی عادل شاہ ثانی آٹھواں تاجدار ہے، جو سلطان محمد عادلشاہ کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ کو بیجاپور میں پیدا ہوا چونکہ سلطان محمد کے اس سے پہلے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کے تولد پر بڑی خوشی منائی گئی، غربا کو خیرات تقسیم ہوئی، علماء، شعراء، اور امرا کو جاگیر و مناصب سے سرفراز کیا گیا شعرا نے قصیدے پیش کئے اور تاریخیں نکالیں، منجملہ اُن کے خواجگی آقا نے جو قطعہ موزون کیا تھا اس کا مصرعۂ تاریخی حسب ذیل تھا:-

مولود شہزادہ گفت کوکب شوکب رسید

خدیجہ سلطان شہر بانو جو سلطان محمد عادل شاہ کی ملکہ اور سلطان محمد قطب شاہ والی گولکنڈہ کی دختر تھی اس نو مولود کو اپنے آغوش میں لیکر تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئی، لائق معلم اور قابل مؤدب شہزادے کی تعلیم و تدریس کے لیے مامور کئے گئے، اس زمانہ کی سوسائٹی میں حکمرانی کی قابلیت حاصل کرنے کے لیے جس نصاب کو ختم کرنا ضروری تھا اس کا باحسن وجوہ انتظام عمل میں آیا، اس اہتمام اور انتظام علمی ماحول، قابل اور صاحب تدبیر ماں کی تربیت اور نگرانی کا اثر تھا کہ شہزادہ علی اپنے زمانہ کا نامور ادیب، بلند پایہ شاعر، قابل مدبر اور فنون جنگ میں آزمودہ کار سپہ سالار ثابت ہوا،

باپ کے انتقال پر محرم ۱۰۶۷ھ میں انتیس سال کی عمر میں سلطنت کی باگ ہاتھ میں لی، درباری شاعر عبدالغنی نے

نوبت شاہی زدہ بعد محمد علی

سے تاریخ نکالی ہے،

محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی میں سلطنت عادل شاہی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تھا، مغلیہ شاہنشاہی کی حکمت عملی اب اس امر کی مقتضی تھی کہ دکن کو بھی اپنی سلطنت کا ایک جزو بنا لے، چنانچہ شاہجہان کی جانب سے اورنگ زیب نے حملہ کر کے بیدر و کلیانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اور خود بیجاپور کی باری تھی کہ شاہجہان کی علالت کی

خبر آئی، اورنگ زیب نے عارضی طور پر صلح کر لی،

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطنت عادل شاہی مین اسبابِ زوال اپنا کام کر رہے تھے۔ ارکان و عمائدِ حکومت عیش پرستی کے خوگر ہو چکے تھے، نظم و انتظام کی چولین ڈھیلی پڑ رہی تھین۔

اورنگ زیب سے صلح کے بعد عادل شاہی دربار نے ابھی سنبھالا نہین لیا تھا کہ اسی اثنا مین سیواجی نے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کئے، عادلشاہی سپہ سالار افضل خان کا سیواجی کے ہاتھون دھوکہ سے مارا جانا تاریخ کا ایک غمناک اور درد انگیز واقعہ ہے، اس جرم کی سزا دینے کے لیے سدی جوہر المخاطب صلابت خان روانہ کیا گیا، صلابت خان سیواجی کی سازش کا شکار ہو گیا اور دونون شیر و شکر ہو گئے، اب خود سلطان نے فوجکشی کی، سیواجی کا فرار ہونا صلابت خان کا قلعہ پنالہ مین محصور ہو کر طالبِ عفو ہونا اور پھر سرتابی کرنا اور بالآخر شکست کھا کر انتقال کرنا سب کچھ تاریخ کے مشہور واقعات ہین تفصیل کی ضرورت نہین،

علی عادل شاہ کے مصائب کا سلسلہ اسی پر ختم نہین ہوا، سلطنت عادل شاہی اعدا کے نرغے مین تھی لیکن سلطان نے اپنی فراست و دانشمندی اور قابلیت کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، چنانچہ سلطنت مین کچھ اضافہ بھی ہوا، ملیبار اور بدنور وغیرہ فتح ہوئے، سلطان نے کرناٹک کے جانب توجہ کی تھی کہ سیواجی نے پھر سر اٹھایا، اورنگ زیب کے حسب خواہش علی عادل شاہ نے سیواجی کے قلع و قمع پر کمر باندھی، دربار مغلیہ سے بھی جے سنگھ کی سپہ سالاری مین فوج روانہ ہوئی، ابھی فوج آئی نہین تھی کہ سیواجی عادل شاہی لشکر سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پونہ کی جانب فرار ہو گیا، مغلیہ فوج نے پونہ کا محاصرہ کر لیا، سیواجی کی سازش جے سنگھ پر بھی کارگر ہو گئی، دونون مل کر بیجاپور پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے، دو سال کی مسلسل ناکامی کے بعد مغلیہ فوج واپس ہو گئی، اس کے بعد سیواجی نے پھر ہاتھ پیر نکالے لیکن صلح ہو گئی۔

اب خود سلطان کا پیمانہ عمر بھی لبریز ہو گیا اور پینتیس[۳۵] سال کی بھری جوانی مین سولہ[۱۶] سال کے حکومت کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا، "پادشہ دین علی کرد وطن بر جنان" تاریخ وفات ہے (۱۰۸۳ھ)

سلطان علی عادل شاہ ایک منصف مزاج، دادگستر اور رعیت پرور حکمران تھا، علم و فضل کا قدردان اور خود بھی ذی علم تھا، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور لطیفہ گو، بذلہ سنجی مین مہارت تامہ رکھتا تھا، شعر و سخن مین ید طولیٰ حاصل تھا، علماء و فضلا اور شعرا کا قدردان تھا اُس کے اسی انہماک کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانہ مین گھر گھر شعر اور شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف علمی چہل پہل تھی،

سلطان کو فنون لطیفہ سے اچھا ذوق تھا، شاعری اور موسیقی مین مہارت تھی، عمارات سے دلچسپی تھی، متعدد قصر و محل تعمیر کئے تھے،

اس کی علمی قدردانی اور ذوقِ شاعری کے متعلق عالمگیری مورخ خافی خان لکھتا ہے :-

"بادشاہ بود باہوش، سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور، فضلا و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے بخصوص در حقِ شاعرانِ ہندی زیادہ مراعات می فرمود"

اسی طرح ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین مین لکھا ہے :-

"چون طبع ہمایون بادشاہ اکثر میل بجانب لغت خاص خویش یعنی زبان دکھنی داشتے بر طبق الناس علیٰ دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند، خانہ بخانہ ہنگامہ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند" (ص ۳۰۴)

قاضی نوراللہ جو اسی عہد کا مورخ ہے، اپنی کتاب تاریخ علی عادلشاہ مین لکھتا ہے :-

"این بادشاہ ظل اللہ را کہ در روز ازل از استاد و علمنا من لدنا علما کسبِ کمالات کونی والہی و فضائل ظاہری و باطنی در مدرسہ خلق الانسان علمہ البیان کردہ کرسی نشین قرب خالق ذوالجلال و صور گزین جوار قادر متعال بود، گنج لیاقت و استحقاق سبب و علمیت ظہور مذکور خداوند علی الاطلاق در ذات عظیم المرتبت رفیع المنزلت آن نور سراپا

سرور دلیعت نہا دہ"

ان تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہے کہ سلطان کی علمی قابلیت مسلمہ تھی اور وہ علماء و فضلاء کا قدر دان تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندی یا بہ الفاظ دیگر اردو شاعری سے بھی خاص شغف تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں بیسیوں شعرائے نامدار جمع تھے جنمین نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہیں، نصرتی ملک الشعراء تھا، اس کی تصنیفات گلشن عشق اور علی نامہ سے سلطان کے حالات پر جسطرح روشنی پڑتی ہے وہ اب عام طور سے معلوم ہے، اس کی صراحت اردو شہ پارے اور یورپ مین دکھنی مخطوطات سے ہوسکتی ہے، یہان ان کی تفصیل کا موقع نہین مگر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نصرتی جیسا بلند پایہ شاعر خود سلطان کا خوشہ چین اور اسی کا شاگرد تھا،

یہ امر قابل افسوس تھا کہ تا حال سلطان کا کلام گوشۂ گمنامی مین تھا، مگر اب نہایت مسرت کیساتھ سلطان کے کلیات کو علمی دنیا کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

زیر بحث کلیات کے (۲۴۰) صفحے ہین، فی صفحہ چھ سطر ہین، خط نسخ نہایت پاکیزہ لکھا ہوا ہے، اعراب بھی دیئے گئے ہین، مطلا جدول ہے،

تمام اصناف سخن یعنی قصیدے، مثنویان، غزل، مخمس، مثمن، رباعی، فرد، اسمین شامل ہین، یہین پہلے اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ اس کلیات کو سلطان علی عادلشاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا کلیات قرار دینے کے کیا وجوہ ہین،

(الف) کلیات مین متعدد جگہ شاہی تخلص آیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شاہی علی عادلشاہ ثانی ہی کا تخلص تھا

"روزے علی عادلشاہ مرزا را کہ بحضور طلبیدہ مدرت و عنایت بدو نمود و تکلیف نمود کہ زبان را بمدح بادشاہ آتش سازد، مرزا گفت زبانے را کہ در حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ در حکم من نماندہ بادشاہ دیگر تکلیف ننمودند، چنانکہ دو مرتبہ بزبان سلطان گفتہ بجائے اسم خویش

تخلص علی عادل شاہ کہ شاہی بود بہ قصیدہ داخل نمودہ کہ ذو معنی واقع شدہ"۔ (بساتین السلاطین ص ۴۳۴)

(ب) اشعار ذیل اس امر کا کافی ثبوت پیش کرتے ہین کہ یہ علی عادل شاہ ہی کا کلیات ہے؛

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج — ترے فیض سون ہے اُسے تخت و تاج (ص ۱۲)

مظفر علی شاہ کے ہات کا — اچک تیر لاگیا نشان کے پلک (ص ۱۵۹)

لاکھ سون بھون چھٹ یتوت سون سید سین بناوے — بھید پر دنگ گت علی عادل سیوک مرتضیٰ ترت بجاوے (ص ۲۱۹)

سلطان کی کنیت ابوالمظفر ہونے کی تصدیق نہ صرف تاریخون سے ہوتی ہے بلکہ نصرتی کے ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،

علی عادل شہ غازی شہنشہ بوالمظفر کون — دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کون

الٰہی سور یو نت ان کو عالمگیر ہے جگ مین — تلک جم فتح و نصرت دے یو شاہ بوالمظفر کون

ج:۔ کلیات کے عنوانات مین صراحت کیگئی ہے، "حضرت شاہی فرمودند"

د:۔ شرف برج اور بادشاہ محل کی تاریخین ۱۰۸۰ھ و ۱۰۸۱ھ کی برآمد کی گئی ہین، اس زمانہ مین علی عادل شاہ ثانی ہی حکمران تھا،

ﮦ:۔ شرف برج کی تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ اس تاریخ کا مصنف خود سلطان ہے،

و:۔ علی داد محل کی تعمیر اسی سلطان نے کی تھی اس کے قصیدے کا طرز بیان اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ وہی اس کا بانی ہے،

ان تفصیلات سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کلیات سلطان علی عادل شاہ ثانی ہی کا ہے،

ایک اور امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اس کلیات کی ترتیب کب ہوئی؟ کلیات کے خاتمہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے مگر اس مین بادشاہ محل کی تاریخ ۱۰۸۱ھ درج ہے اس سے واضح ہے کہ اس سنہ کے بعد ہی اسکی ترتیب ہوئی ہوگی،

کلیات کا کاغذ نہایت عمدہ زرافشاں ہے، اور خط بھی نہایت پاکیزہ ہے۔ قیاس ہوتا ہے کہ شاید شاہی کتب خانہ ہی کا نسخہ ہو،

قصائد | دکھنی قصائد کی بناء فارسی پر قائم ہوئی ہے اس لیے جو لوازم فارسی قصائد کے ہیں وہی دکھنی قصائد میں نظر آتے ہیں، تمہید، گریز، مدح، تعریف اور دعا، قصیدے کے جزو ہوتے ہیں، دکھنی قصائد میں نصرتی کے قصیدے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جو تسلسلِ مضمون اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ممتاز ہیں،

زیر بحث کلیات میں شاہی کے چھ قصیدے ہیں، پہلا قصیدہ حمد میں ہے، دوسرا نعت میں، تیسرا منقبت حضرت علیؓ میں، چوتھا منقبت دوازدہ امام میں، پانچواں حوض، علی دادمحل اور باغ کی تعریف میں، اور چھٹا چار درچار کے عنوان سے ہے، پہلے قصیدہ میں ابتدائی ورق نہ ہونے سے چند شعر کم ہیں، موجودہ تعداد ۲۷ ہے، جو اشعار موجود ہیں ان میں ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں:-

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل   نقش معمہ اپن قصہ سکھیا کہن
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے   عقل کا جاسوس ہو مکھ پہ اچھے یوکرن
عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بہت ہے   خوب دسا دے جھلک درجگ درعدن
عقل کسوٹی ہوئی طبع کے کسنے بدل   بوجھ رکھیا ہے صراف قلب کھرا جیو کنچن

اسی طرح عقل کی تعریف کرنے کے بعد:-

خاک کی پتلی بنا روح دے تن میں بھر   تب چہ کر ول آپ سکے نہ کہن
آب و آتش ملا خاک و ہوا سے بنا   چار عناصر کا دیہ سنوار یہ تن
دور پھریں جو تمام سجدہ کریں صبح و شام   سیکھ رہیں سنگات چاند سورج ہو تن
نور کا جھلکات دے جو پڑی تک سنوار   سات طبق سب کے پور رکھیا ذو المنن

دوسرا قصیدہ جو نعت میں ہے پچیس شعر کا ہے، یہ پورا قصیدہ ہے، تمہیدی شعر بلا حذف ہوتے ہیں۔

دیکھو نوروز جنجل یو بہارستان دیکھایا ہے — برگین پھل و پھولان مین پون کے ہت کھلایا ہے

سرک کی اوج کی کرسی سنواریا دول ہو دن کر — چندر ناری بلانے گھر بسنت سارا بنایا ہے

براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دیکھایا ہے — زری کسوت سراپا کر سورج نوشہ ہو آیا ہے

اورک جل تھل بھرے حوضان نہین ہی جانو بھوین پہ — چندر کا مکھ دیکھانے تین سرج ارسیان منگایا ہے

گریز یون ہے ،

وو بولیا باغ مالی سون بڑا ہے نانون سو کس کا — کھیا وو اسم احمد کا جنے دین آپ نپایا ہے

محمد شاہ مرسل کا منگیا جب نعت کہتے مین — مٹھائی پا کہ من میرا یو مضمون چن کہ لیایا ہے

محمد سا نہین پیدا کیا کرتار تر جگ مین — اسی کے عشق تین سو نسار تر جگ کا برایا ہے

فرشتان کا نہ تھا پہیرا اندان تھا نور سو تیرا — ترے احکام محشر لگ جگت کے سر چڑھایا ہے

بڑا تج دین کا کس ہے دوجے دین سب ہوے پس ہو — ترے انگشت کے کس نین چندر دو کھند گرایا ہے

تیسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؓ مین ہے، اس کے پچاس شعر ہین، تمہید :-

ارے کلال مجکون پیالا پلا کیا کا — تا مست ہو کہ دیکھون مکڑا علی پیا کا

پیو جیو کا گسائین پیو سون پرت لگائین — پینا شراب پیو ل پانی ارت پیا کا

گریز :-

شاہ نجف ولی ہے تس نانون سو علی ہے — وو راز دان احمد سلطان اولیا کا

جس ذات مین محبت کرنا اچھے علی کی — حیران سدا پرے وو جیون سنگ آسیا کا

تج شہ جوان آگین مغلوب ہین عدو سب — تون شیر ہے ازل تھین موصوف انبیا کا

تلوار کی تعریف ملاحظہ ہون :

تج تیغ کی جھلک تھین بجلی چھپی گگن مین — شمشیر زن تھین ہے سردار اصفیا کا

تج تیغ تیز آگین اوسان سب بسریا　　　پانی گیا ہے مکھ تھین چت بھول بیریا کا

خاتمہ :-

شاہی ہو ہر عاشق سن نانون مرتضیٰ کا　　　سایا او سیج کا ہے تس سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ دوازدہ امام کی منقبت مین ہے اس کے (۵۷) شعر ہین، تمہید :-

تج دل کے رسے میدان پر جب عشق کے فوجان چڑے　　　تب ہوش کے راوت جتی مخمور ہو بے خود پڑے

جو عشق کے سلطان کا فرمان کہت مین آئیا　　　اقبال ہو پاتان یو دُو خدمت بدل نس دن کھڑے

امام حسین علیہ السلام کی تعریف مین کہتا ہے :-

سارے جہان مین نین ہو تج سار کا شمشیر زن　　　جس پر کیا یک وار توں دو دھڑ ہزار ہو پڑے

تج گھرک کی ہور علم کی تعریف مین کیون کر سکون　　　حق کی عنایت تھے او یک یو وصفت تج ہٹ چڑے

پھر پھیر ہوا لازم مجے تعریف کہنا شاہ کی　　　تو مطلع ثانی کی رات شوق سون ہر یک پڑے

نا بولنے کج جان تے تھے طبع کے جو گھر بڑے　　　تر لوک مین شیانے دسے جب درس مین شہ کے چڑے

پانچوان قصیدہ حوض۔ علی داد محل اور باغ کی تعریف مین ہے اس قصیدہ کے (۵۷) شعر ہین یہ لامیہ قصیدہ ایک زبردست قصیدہ ہے، اسی بحر اور ردیف مین نصرتی نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے۔ محسن کاکوری کا وہ مشہور قصیدہ نعت بھی جسکا پہلا مصرعہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ہے۔ اسی بحر مین ہے سلطان نے علی داد محل کو ۱۰۶۶ھ مین تعمیر کیا تھا۔ اس کا باغ بھی مشہور و معروف تھا۔

دسے تج نین مین اس حوض پہ چند نا یو نجھل　　　دھریا ہے چاندنی جیونیکہ اپس مکہ کے آ کل

صفائی دیکھ کر اس حوض کی چند ر دائم　　　چلے آکاس پہ رات شوق سون امرت تے اول

پریان اچرج ہو کھیان دیکھ کہ اس حوض کہ تین　　　اچھے امرت تے بھریا حوض یو سمدر تے ڈکل

علی داد محل کی تعریف :-

کسوا یا اٹھوان سمدر بھریا جب نیر سون حوض   سزاوار اس کے آینگے ہے یو علی داد محل
پایا یو اچھے اس قصر کا پاتال تلک   طاق کسریٰ ہوے معراج اسے زہ کے اکل

باغ کی تعریف :-

مقدم دیس ونس کا بیان کم زیادت کر کے   بولیا ہون یہان تے مین تعریف کچ یک باغ بدل

. . . .

بھرے ہین باغ کے تختے گلان ہر جنس تے کے   خصوصًا رینو ینی تس مین یو دسا دی جنجل

. . . .

دسے شربت کے یو کوزے جتے ناریل کے کپر   میٹھے کئی نیر کے چشمے تے بھریا ہے منجل
نارنگی رنگ کا ہوس وہر لگی ایا غ سینے   رنگائے تن کون سراسر دیکھ ہور رنگ رس مین سگل

خاتمہ :-

بہلان پھولان سون عمارت کی ہوئی جب یو صفت   بھرے معنی سون یک یک بول دساوے افضل
دکھانے طبع کی قوت شاہی اسس بحر منے   بندھیا ہر بیت مین کئی لفظ یو صنعت کے نول
جان ہور دل تھے اجابات دعا منگتا ہے   تا اچھے امن مین سکھ چین تے یو خلق سگل
جو لگون نور سون دن کرا چھے ہور چاند و گگن   جو لگون زہرہ ہے زاہرا چھے ہور پر زحل
مشتری سعد ہے جو لک و عطارد ہے دبیر   جو لگون پانچو منے آکاس پہ دستا ہے منگل
جو لگون رات دن دُپہر گھڑی جشن منے   بجو انند سون اس گھر مین سدا تا ل منڈل

چھٹا قصیدہ چار درچار کے عنوان سے ہے اس کے (۱۹) شعر ہین، پہلا شعر حسب ذیل ہے :-

دیکھو اجھنا لکیا ہے یو بن نوی کلان سون بھریا ہے سالا   سرو ضو بر سیمنکے پیلان پہلے مین پھولان اچھے مکارا

مثنویان | دکھنی شعرا طویل مثنویان لکھنے کے عموماً عادی تھے جہان تک ہماری معلومات ہین ان کے سحا

سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن مین کسی غیر مسلسل نظم کے بجائے مسلسل نظم (مثنوی) کا وجود ہی پہلے ہوا ہے،

دکھنی شعرا کی اکثر مثنویان فارسی سے ترجمہ ہوئی ہین مگر ایسی مثنویان بھی لکھی گئی ہین کہ جنکو مصنف کی دماغی اپج قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً وجہی کی قطب مشتری اور نصرتی کا علی نامہ وغیرہ،

شاہی کی ایک نامکمل طویل مثنوی (بدیع الجمال) کے متعلق ہم نے ایک علیحدہ مضمون لکھا ہے، اس کلیات مین بھی سلطان کی تین مثنویان ہین جنمین سے ایک بہتر شعر کی مثنوی خیبر نامہ کے نام سے لکھی گئی ہے، دو اور مثنویان سات سات شعر کی ہین،

خیبر نامہ مین جنگ خیبر کے حالات ہین، زیادہ تر واقعات نہایت صداقت کیساتھ نظم کئے گئے ہین، یہ مثنوی واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے، مختصراً انتخاب پیش ہے:-

اوّل حق کی توحید سون کر سخن — بچھن خوش ادا سون بیان کر بچن

تجھے ہے سزاوار حمد و ثنا — ترے حکم سون ہے نہنا جو ربڑا

اتا ایک قصہ سنون جنگ کا — کہ وو جنگ تھا دین کے ننگ کا

اتھا ایک خیبر کا قلعہ بکل — بڑے بھر کلان پر اکل تھے ٹل

سلح ظاہری باطنی سون سنوار — عنایت کئے شاہ کون ذوالفقار

روانا ہوے جنگ کے تئین نامدار — وو شاہ ولایت اوتک کا مدگار

چلے شہ وہین کفر کون توڑنے — او جا ست پتھر کے تبان پھوڑنے

جو مرحب نے دیکھا برادر کتین — کھیا وو گیا تو بڑو ون لگا سب تین

زرہ باندھ دوہری بندھا دو فرنگ — رکھیا دل تین جب شہ سون کرنے جنگ

لیا ہات بھالا جو تھا [illegible] — ثنائی سون [illegible]

جو دیکھا نظر بھر شہنشہ کا موں — دو دیا سخن یو [illegible] سون

کہ سپنے مین دیکھیا ہون مین رات شیر
کیا پھاڑ پنجے سون آپس کون زیر

وہی شیر دستا ہے مج آج یو
غصے سون کرے گا مگر دہر کون دو

شہنشہ نے مرحب کون بگی ہاک
دو شق کرسٹے سیس تھی پا تلک

. . . .

یہودی جتے تھے ہوے سرنگون
غنیمت لگی ہات حد سون فزون

فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور
پھرے لیکہ لشکر پیمبر حضور

پیمبر خبر سنکہ خوش حال دل
ہوئے توانگے آعلی شہ سون مل

. . . .

ترا یاد دن رات شاہی کا کاج
ترے فیض سون ہے اُسے تخت و تاج

ایک دوسری مثنوی بھی ملاحظہ ہو:-

سونے کی صراحی سونے کا ہی جام
سونا گھول پتی ہے بھر بھر مدام

چندر مکھ سکی کا ادھک پیار کا
سونے کا ہے سیس پھول سورج سار کا

سونے کیان کلیان کر کرن مین ہڑی
سونے کی زنجیر گلے مین دھری

سینا ہے سکی کا سونے سار کا
سونا ہور موتی گلے ھار کا

سونے کا زر نیا سونے کا ہے انگ
سونے کا ہے ٹیکا سونے کا ہے مانگ

سو دھن جب سنواری ہے بیجن کا نگ
سونا آسرن لک دہریا سیس پگ

کرم تج پہ شاہی کا دستا ہے آج
سونے کا انچل ادت کرتی ہے لاج

غزلیات | مثنویون کے بعد غزلیات مین جنکی تعداد (۱۸) ہے، ان کے اشعار کی تعداد پانچ سے چودہ تک ہے، اشعار کی کل تعداد (۱۳۹) ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

سارے جہان کے پارکھی پرکھون رتن کیونکر کہو — یاقوت ہور مرجان مین کو ہے رتن برتر کہو
بوے جہان کے پارکھی ہمنا نہ آوے بولنا — تنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو
بولیا ہون نت مین فکرتے یو دو رتن کا فرق کر — گر کچ اچھے انصاف تو اس بول کون خوشتر کہو
مرجان مین صافی نہین یاقوت مین صافی اچھے — جس ذات مین صافی اچھے اس ذات کون بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل
سنکر جگت کے شاعران اس شعر کون افسر کہو

خوش بہانت ہو پیاری آتی انگن مین جم جم — نت پیم مین لٹکتے دستی نین مین جسم جم
پھولی ہون ات خوشی سون ہو باغ باغ من مین — جب ہاتھ ملا کر پھرتے چمن مین جسم جم

درد ستے ہوا ہے رخ کہ مین تج کل نہین دیکھا — ہوا ہے کل تیا مین کل کہ یک تل کل نہین دیکھا
تمارے حسن کی خوبی مقابل جب چندر سون ہوئی — تدانتی مین کلینکے کون کدھن نرل نہین دیکھا

چل خوش سہاوے کمان کے اوپر — کمان پدمنی سے چلا ہے الگ
مظفر علی شاہ کے ہات کا — اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

ابرو کمانان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سون — زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تج بات کا
تج بال کالے دیکھ کر بادل پھرین حیران ہو — تج بھال ہور ینلک کنے کیا چاند ہور کیا سورج ہے

ریختہ | شمالی ہند مین ایک زمانہ تک اردو زبان ہی کا نام ریختہ تھا اور پھر نظم کو بھی عام طور سے ریختہ کہا جاتا تھا، بخلاف اس کے دکن مین اردو زبان کو کبھی ریختہ نہین کہا گیا اور نہ عام طور سے نظم کو ریختہ کا نام دیا گیا، البتہ ولی کے زمانہ سے نظم ریختہ کے نام سے بھی موسوم ہونے لگی ––

ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو　　　رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

را خیال ہے ولی نے بھی اسکو شمالی ہند کے سفر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، کیونکہ دکن مین ریختہ سے
وہ اشعار تھے جنمین مصرعے فارسی اور اردو ترکیبون سے مرکب ہوتے تھے چنانچہ زیر تبصرہ کلیات
زل ایسی موجود ہے اور اسکو ریختہ کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

لر بہروپ جو اس شوخ چکہ مستانہ را　　　گفتم بیا مندر منے روشن کہن کاشانہ را

کر اس بول کون انچل جھٹک دے جب چلی　　　آخر تم سون بولی مجھے با من مگو افسانہ را

کے فراقون یون و سکلز ار سب انگار ہو　　　یو دل معلم ہو مرا دیوے سبق پروانہ را

ون متقا بولنے ہر یک کون کان طاقت اچھے　　　اجرج کہیا شاہی غزل سننے بدل فرزانہ را

ن کا موجد ہاشمی بیجاپوری متصور ہوتا ہے جو اسی علی عادل شاہ کے زمانہ مین تھا، زیر بحث کلیات
ب غزل ایسی موجود ہے جسکو ریختی سے موسوم کرنا غیر درست نہ ہوگا، وہ اگرچہ اس کلیات مین
بحت مین درج ہے، مگر عورتون ہی کی زبان مین ہے، یہ پوری غزل حسب ذیل ہے،

ات ریج رہنا لذت اسے کہتے ہین　　　آپ ریج پھر رجھانا صنعت اسے کہتے ہین

ن کے نگر مین لالن وطن کئے جب　　　تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہین

جھاؤن ہو پیا سنگ لاگے رہی ہون دائم　　　یک تل جدا نہ ہونا وصلت اسے کہتے ہین

ہور گلاب میا نے نہین کچ فرق ازل تے　　　یون پیون سون مل رہی ہون الفت اسے کہتے ہین

ت جو رچیت بھلائے مین آپنی پیا کون　　　عاقل جہان کے بولین حکمت اسے کہتے ہین

دتن مین پیو مجکون جب سیج مین آیس کے　　　بھو مان دے بلا دے عزت اسے کہتے ہین

یارون پھر پیا سنگ کئے بھانت کر دن کے　　　سنجوگ ہو رہی ہون عشرت اسے کہتے ہین

الن کی چاؤتھی مین پوری پروکہ انجھیا　　　ترلوک مین پھولئے شہرت اسے کہتے ہین

رون رون رس کری مین شاہی کا نانون لینے   پھر پھر دونا نون نسیا رحت اسے کہتے ہین

مخمس | غزلون کے ساتھ ایک مخمس بھی ہے۔ یہ نظم شاعر کے پروازِ خیال اور زورِ بیان کی اچھی مثال ہے ذیل مین اس کا کچھ نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:-

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات   مین نیہ بندی تون کیتا گھات
دل مرا اپنے سات کیا   مج برہے مین دن رت کیا
دل داری کا نا بات کیا   سب بسرا اسکہ ہے ہات کیا
کئے مج سون ایسی دہات کیا
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات   مین نیہ بندی تون کیتا گھات

پیو مورت دیکھو سپنے مین   جب جاگو تب رہون سپنے مین
لا دیپک برہا اپنے مین   تن جائے جھک جھک جھپنے مین
آرام اچھے مج کھپنے مین،
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات   مین نیہ بندی تون کیتا گھات

تج یاد کر تل ملتی ہون   لہو تیل منے دل تلتی ہون
تن موم تپی ہو جلتی ہون   اس جلنے سون نا ٹلتی ہون
سب رین برہ مین گلتی ہون
کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات   مین نیہ بندی تون کیتا گھات

کوئی آ دسنو رے میرا حال   پیو کیا مج سون جو کو تال
مین جگ تے نت اٹھ انجو ڈھال   کل تپی آنسو موتی مال
مج یک یک پل ہے تک تک سال

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

مثمن | اس کلیات مین ایک مثمن بھی ہے جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کی مدح مین ہے، اس کے بعض شعر ملاحظہ ہون،

تس رین محفوظا ہوات شوق سون کیتے بجن مدح مین اس ذات بابرکات کے کہو لیا رسن

طبع مج بولیا مثمن خوش عبارت خوش وزن حق کیا قدرت سون عالم تس مین یک روشن بدن

سو محمدؐ ہے حسینی سید قطب دکھن اس زمین کے کیا اتھے طالع جو کیتا ہے وطن

کہان سو یو دہرت ہور تس مین تون ہی جیون رتن جن لقب پایا ہی اپنی پیر تے گیسو دراز

رباعی | رباعی صرف ایک ہے،

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے کھٹ رات گئی ہے پانون پڑتے پڑتے

کیا نیکہ مدن کا اونچ لگتا ہے مجھے رہے پانون سرے پرت کے چڑتے چڑتے

راگنیان | اس کے بعد متعدد راگنیان ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا ماہر تھا اور اپنی یادگار مین نورس[1] جیسی کتاب راگنیون کے متعلق چھوڑی ہے، اسی طرح اس کے پوتے علی عادل شاہ کو بھی موسیقی مین کافی مہارت حاصل تھی،

سوہلا در مقام رام کلی | منجملہ متعدد راگ اور راگنیون کے ایک کا نمونہ پیش ہے،

آج راج ہے راج ہی راج ہی سائین گھر راج ہی سکھیان سکھیان مل گاؤ سوہلا سوہلا کاج ہے

بن آیو سجنی اور ساجن سیج سیج ساجن ہے مدن روپ نرنارن کو سر سر تاج ہے

تاریخین | دو فارسی تاریخین بھی اس کلّیات مین شامل ہین ایک شرف برج جسکا سال تعمیر ۱۰۷۱ھ ہے اور دوسری تاریخ بادشاہ محل کی ہے، جس کی تعمیر ۱۰۸۱ھ مین ہوئی تھی،

[1] نورس کے متعلق ہمارا ایک مضمون معارف جلد ۲۹ نمبر ۶ مین شائع ہو چکا ہے،

پہیلی | اس کلیات مین دو ایک پہیلی بھی مذکور ہین ناریل کی پہیلی حسب ذیل ہے:-

میانے ملائی بہتر رس   آس پاس بہوت دس

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کا نمونہ جو مختلف اصنافِ سخن مین ہے پیش ہو چکا ہے اس سے سلطان کی قوتِ بیان اور ذوقِ سخن کی تصدیق ہوتی ہے،

اسکے قصیدے جہان ادق اور مشکل بحرین ہین، وہان آسان اور سہل بھی ہین، اس سے شاہانہ طمطراق، رعب و داب کا اظہار ہوتا ہے، مثنویون سے واقعہ نویسی اور مرقع نگاری کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی غزلین رنگین خیالی عاشقانہ مضمون آفرین تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہین، تشبیہ اور استعارہ کو بھی کام مین لایا گیا ہے، مگر وہ بھی عام فہم، اس کے عاشقانہ کلام کو اگر زمانہ مابعد بلکہ آج کل کے کلام سے ملایا جائے تو زیادہ فرق سوائے زبان کی صفائی اور تخیل کی پرواز کے اور کچھ نظر نہین آتا،

معشوق کی وہی زلفِ سیاہ، رخسارِ گلگون اور چشمِ فتان کی تعریف ہے، اس کی ترچھی نظر سے عاشق گھ ئل ہوتا اور تیر نظر سے اس کا دل مجروح ہو جاتا ہے، شرابِ ناب سے سیری نہین ہوتی، معشوق چاند سے زیادہ حسین، شمع سے زیادہ روشن ہے، اس کا حسن سمندر کی طرح بے پایان، گیسو شام کی طرح سیاہ، گال سحر کی طرح سپید ہین،

کبھی معشوق اپنے عاشق کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہے، اس کو جدائی اور فراق کے زمانہ مین نیند نہین آتی، دن کو چین ملتا ہے اور نہ رات کو آرام، پیا کے سوا کوئی ساتھی نہین، دل ہوکے تیل مین تلتا اور موم کی طرح جلتا ہے، اور وہ جدائی کے صدمہ سے گھل کر دبلی ہو جاتی ہے، کوئی اس کے حال کو سننے والا نہین، اس کے آنسو موتی کے طرح نکلتے ہین، جدائی مین ایک ایک پل سال معلوم ہوتا ہے، عاشق کے بغیر دکھ بھاری اور دنیا اندھیری ہے،

اس طرح کے خیالات اور مضامین وہی ہین جو شعرائے مابعد کے کلام مین بھی نظر آتے ہین، اس سے

ظاہر ہے کہ عاشقانہ کلام مین زیادہ فرق نہین ہے،

یہ ہم کو معلوم ہے کہ سلطان نے دولت کے دامن مین آنکھ کھولی، ہوش آیا تو عیش ونشاط کا چرچا سنا اور جوان ہوا تو ساغر وجام کا دور دیکھا، اس وقت بیجاپور کی معاشرت مین سادہ زندگی، بلند مشربی اور عالی دماغی کا وجود نابود ہو رہا تھا، عالی شان قصرون کی زیبایش کے لیے سونے کو پانی کی طرح کام مین لایا جارہا تھا، ساقیانِ مہ وش اور زاہد فریب رانیان زینتِ محفل ہوتی تھین، اس لحاظ سے کلام کا رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی سے مملو ہونا ناگزیر تھا،

اردو یا دکھنی شاعری کے وجود کو زیادہ عرصہ نہین ہوا تھا، عام طور سے سادگی اور صفائی عام فہمی لوازمِ سخن تھے، سلطان کا کلام بھی ان امور سے خالی نہین ہے،

بہرحال سلطان کا کلیات ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس مین قیمتی موتی محفوظ ہین، خدا کرے یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے،

پٹنہ کے چند آثار

از

جناب عبدالاحد شرف الدین پوری پٹنہ

صوبہ بہار میں راجگیر ایک ایسا مقام ہے جہاں کی ایک عمارت کا نمبر دنیا کی عمارتوں میں قدامت کے اعتبار سے تیسرا ہے چنانچہ مسٹر پیٹرسن نے اپنی کتاب ان دی ٹرالیس آف یوان چوانگ (۱۹۲۳ء) میں اور ڈاکٹر اس ڈیمیٹس نے بودھسٹ انڈیا میں یہاں کے قدیم شہر اور قلعہ اور اس کی پرانی فصیل کو قدامت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں تیسری عمارت قرار دیا ہے اور پتھر کی ایک مسلم دیوار قلعہ کی عمارت کے بعض حصص آج بھی موجود ہیں،

راجگیر کے بعد صوبہ بہار کا موجودہ دارالحکومت پٹنہ جو عہد قدیم میں پاٹلی پتر تھا، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ ساری مملکت ہند کا دار السلطنت بنا جس کے حدود حکومت سرحد افغانستان تک وسیع تھے چنانچہ راجہ چندر گپت کے عہد ۳۲۲ ق م سے بھی پہلے ۵۰۰ ق م میں راجا بھیم بسار کے بیٹے راجہ اجات سترو نے اول اول اپنا دار الحکومت راجگیر سے یہاں منتقل کیا، اور اس کا نام پاٹلی پتر رکھا،

اس کے بعد عہد اسلامی میں جب شاہزادہ عظیم الشان ۱۱۱۶ھ میں پٹنہ آیا اور اس نے اس شہر سے دلچسپی لی اور اس کی زمانہ میں شہنشاہ اورنگ زیب سے کہہ کے اس کا نام اپنے نام پر عظیم آباد رکھا۔ شہر کو اپنی قدامت سے عہد قدیم سے مرکزیت حاصل تھی اس شاہزادہ عظیم الشان نے اپنی توجہ سے عہد اسلامی میں بھی اس کو پر رونق بنا دیا اور رفتہ رفتہ عہد اسلامی میں مشرقی ہند کا ایک پر عظمت معمور شہر بن گیا جس کی چند نشانیاں آج بھی جو بچ گئی ہیں عہد رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہیں ذیل میں یہاں کے چند نمونے پیش ہیں،

بیگو حجام کی مسجد

یہ مسجد سلطان علاء الدین حسین شاہ بنگالی کی یادگار ہے، اون کے حکم سے ناظر خان نے ۹۱۶ھ مین تعمیر کرائی جو مسجد کے کتبہ مین درج ہے، اس مسجد مین ایک دوسرا کتبہ بھی موجود ہے، جو بیگ محمد نے لگوایا ہے، اس مسجد کے مصلے اور فرش مین چینی کے کام کی اینٹین اور سنگ رخام کے ٹکرے لگے ہوئے ہین، ہندوستان مین چینی کے کام کی اس طرح کی اینٹین دہلی اور گوڑنگر (بنگال) کی بعض عمارتون کے سوا کہین نظر نہین آتین، اس مسجد کا شمار یہان کی نادر عمارتون مین ہے،

خاجہ کلان تھانہ کے آگے سڑک کے جانب شمال چند گز کے فاصلہ پر ہے،

پتھر کی مسجد

جہانگیر کے عہد کی یادگار گزری محلہ مین مرزا معصوم کی ایک مسجد معلوم ہے، اوس کے علاوہ جہانگیر کے بیٹے پرویز شاہ کی بنائی ہوئی ایک دوسری مسجد ہے، جو پتھر کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اسی نام سے وہ محلہ بھی یاد کیا جاتا ہے، کتبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسجد کے لئے پتھر مجھولی سے لائے گئے تھے عمارت بالکل سادہ اور نقش و نگار سے معرا ہے پتھر بھی کچھ قیمتی نہین اس کا کتبہ مسجد کے بیرونی محراب پر کندہ ہے، جس کا پتھر بالکل سیاہ ہے، اور حوادث روزگار سے کچھ مجروح بھی ہو گیا ہے، وہ کتبہ حسب ذیل ہے،

اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد نور چشم جہانگیر بادشاہ — پرویز شاہ عادل و باذل بو تل[1] و دائے

کیخسرو زمانہ و جمشید سلطنت — بر تخت مملکت چو سکندر جہان کشائے

کرد این بنائے خاص نظر خو یکی کہ ہست — در پیروی شرع محمد چو گوہ پائے، (؟)

[1] بعقل و رائے ؟

مسمار ساخت قلعہ مجہولی وبیت کردہ — وز سنگ و چوب تکیدہ شدایں نکو بنا

کردم سوال سال بنایش زپیر عقل — گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے ، [illegible]ھ

نواب سیف خان کی مسجد اور مدرسہ

شاہجہان کے عہد میں نواب[1] سیف خان حاکم صوبہ بہار نے [illegible]ھ میں ایک عالیشان مدرسہ اور اسی کے پہلو میں ایک طویل و عریض مسجد لب دریا تعمیر کرائی، مدرسہ کی عمارت آفات زمانہ کے نذر ہوگئی لیکن اسکی یاد اوس محلہ سے جو آج بھی مدرسہ کے نام سے موسوم ہے، ابھی تک تازہ ہے، مدرسہ کی مسجد کی عمارت اچھی حالت میں پرفضا مقام پر موجود ہے، اسکے کتبے کے حروف بمتداد زمانہ سے مٹ گئے، صرف چکنا پتھر باقی رہ گیا ہے،

عیدگاہ

یہ عیدگاہ گلزار باغ افیون کوٹھی کے متصل ہے، اس کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نواب سیف خان نے [illegible]ھ میں اس کو بھی تعمیر کرایا تھا،

خواجہ عنبر کی مسجد

نواب شایستہ خان کے خواجہ سرا خواجہ عنبر نے یہ مسجد [illegible]ھ میں تعمیر کرائی، جو اس وقت اچھی حالت میں پٹنہ سیٹی کے صدر ڈاکخانہ کے سامنے موجود ہے،

دارالعدل

دارالعدل پر ذیل کا کتبہ ہے :۔

بندہ نواب فخر الدولہ ممدوح زمان، — آنکہ در نامش حسن رہا بی باشد گمان

ساخت دارالعدل جا کو بنا برجسب داد — در ہزار یک صد و چہل و دو شمرده پیشگان

---

[1] نواب سیف خان کا اصل نام مرزا بھانی تھا یہ ممتاز محل کی بڑی بہن کے شوہر تھے۔ اس حیثیت سے یہ شاہجہان کے ہم زلف تھے۔

اس کتبہ کو خواجہ کلان تھانہ کے کانسٹبلون نے قبر کا کتبہ سمجھکر تھانہ کے صحن مین ایک بوسیدہ قبر پر لگادیا تھا، کچھ دنون کے بعد وہ اوس قبر سے بھی علحدہ ہوگیا، اور تپھرون کے ڈھیر مین ایک سائبان مین پڑا ہوا تھا، اتفاقاً مولوی فصیح الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ساکن پٹنہ سٹی کی نظر اوس پر پڑی، اور اون کی کوششون سے انسپکٹر جنرل پولس نے اس کتبہ کو تھانہ کی دیوار مین لگوادیا، جہان اس وقت موجود ہے،

داود خان قریشی کے زمانہ مین جب دار العدل بنا تو اس وقت دوسرا کتبہ اس پر لگایا گیا تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ پہلا دار العدل اسی خواجہ کلان تھانہ کے پاس تھا، یہ کتبہ بھی پہلے کتبہ کے پہلو مین دیوار مین لگا ہوا ہے، اس مین صرف یہ شعر لکھا ہے،

بہرِ عدل و دادِ مظلومان ز دستِ ظالمان ساخت دار العدل جعفر بندۂ داؤد خان،

مقبرہ پدر نواب سعادت خان،

محلہ دھولپورہ سے کچھ اور جانب جنوب سنگین چہار دیواری کے اندر نواب سعادت علی خان کے والد کا مزار ہے، یہ برہان الملک نواب وزیر اودھ بانی شہر فیض آباد کے دادا تھے، ۱۱۵۵ھ مین محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو علی وردی خان کی امداد مین مرہٹون سے لڑنے کیلئے عظیم آباد بھیجا، اثنائے قیام مین نواب صفدر جنگ تنہا اپنے جد مادری کے مزار کی زیارت اور فاتحہ کے لئے مقبرہ مین تشریف لائے، یہ جگہ مقبرہ پدر سعادت خان کے نام سے مشہور ہے[1]

مقبرۂ نواب ہیبت خان،

زین الدین احمد خان احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ نواب علی وردی خان صوبہ دار بنگال و بہار کے بھتیجے اور داماد تھے، اپنے خسر کے بنگال جانے پر خاص بہار کے گورنر مقرر ہوئے شمشیر خان اور سردار خان وغیرہ دربھنگہ کے پٹھان جاگیرداروں نے

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۲

نواب علی وردی خان کی ملازمت ترک کرکے پٹنہ پر اچانک قبضہ کر لیا، اور نواب ہیبت جنگ کو عمارت چہل ستون میں جو مدرسہ کی مسجد کے قریب تھی، دھوکے سے قتل کر ڈالا، یہ واقعہ ۱۱۶۱ھ میں پیش آیا، صاحب سیر المتاخرین یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :-

"رشید نا بشیر کتارے از کمر کشیدہ بر سینہ ہیبت جنگ زد، اما چوں دستش لرزان بود کارے نکرد و محمد عسکر خان متعارف این حال فریاد کرد کہ ہاں وہاں این چہ نمک حرامی است درین گرمے ہیبت جنگ نظر بالا کردہ این حالت دیدہ دست بقبضہ شمشیرے کہ روبرو داشت دراز ساخت، مراد شمشیر خان تیغہ کہ در دست داشت کشیدہ چنان قوت زد کہ از شانہ ہیبت جنگ گذشتہ تا تہی گاہ حمایل ببرید و ہیبت جنگ مردہ بر تکیہ مسند افتاد"۔

نواب ہیبت جنگ کی لاش میر حیدر علی کوتوال شہر کی اجازت سے سید محمد اصفہانی لائے، اور تکفین کے بعد محلہ گرد باغ میں حاجی کی زر خرید زمین میں دفن کیا۔[1]

یہ مقبرہ ریلوے اسٹیشن پٹنہ سٹی سے دکھن پچھم سو گز کے فاصلہ پر بڑی چہار دیواری کے اندر ہے، اس میں ترشے ہوئے پتھر کی خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں،

میر اشرف کی مسجد

یہ مسجد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے فرش کی اینٹوں پر سفال کا کام ہے، مسجد کا زمانہ تعمیر ۱۱۶۱ھ ہے، اس طرح اس مسجد کی تعمیر پر ۲۱۶ سال گذر چکے، مگر فرش کے کام میں مطلق فرق نہیں آیا ہے، چمک دمک بعینہ موجود ہے، اس مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

چون بعہد خجستہ حامی دین ، شاہ عالم بہادر بادشاہ

مسجد ہمچو کعبۂ اشرف ، معدن فیض خوش شدہ بنیاد

یا الٰہی بہ بارش رحمت ، کس کہ باعث شدہ بخیر معاد

بہر تاریخ گفت ہاتف غیب ، تا جہان اشرف المساجد باد

---

[1] گورنمنٹ گزیٹیر صـ ۲۰۳ سیر المتاخرین ج ۲ صـ ۵۲ - ج ۲ صـ ۵۰

گورکھپور کی ایک مسجد

یہ مسجد محلہ گورکھپور میں اچھی صورت میں موجود ہے، دیواریں سنگین اور پائدار ہیں، کسی خاص نام سے یہ مسجد مشہور نہیں، یہاں کے باشندے اسے شیعوں کی مسجد کہکر محلہ کی دوسری مسجدوں سے امتیاز دیتے ہیں، کیونکہ آج کل یہ اسی جماعت کے قبضہ میں ہے، مسجد کے بانی کا نام شادمان تھا، ان کے متعلق کوئی تاریخی علم حاصل نہ ہو سکا، مسجد کو تاریخی استناد یہ حاصل ہے، کہ اس میں شاہ فرخ سیر تاجدار پٹنہ نے نماز ادا کی، نہیں معلوم شادمان کا عہد فرخ سیر سے کس قدر پہلے ہے، فرخ سیر کے ۱۲۵ سال بعد اس مسجد کو شکستہ حال دیکھ کر ایک بزرگ ذوالفقار علی نامی نے اسے مرمت اور درست کرایا، اور بعض چیزوں کا اضافہ بھی کیا، یہ حالات مسجد کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتے ہیں، جو مسجد کے اندرونی در پر ایک سفید پتھر پر کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

این مسجد یکہ باشد بانیش شادمان نام — کردہ نماز در وی فرخ سیر شہنشاہ

بوسیدہ و شکستہ رفتہ بود چندے — بازش درست کردہ یک متقی ذی جاہ

بہ ذوالفقار سازی لفظ علی چو منضم — یابی تو نام پاک آن سید حق آگاہ

تاریخ چون بجستم ای شاد بہر انشا — ہاتف بگفت با من ترمیم کعبۃ اللہ

شاہ فرخ سیر کی تاریخ پیدائش ۲ رجب ۱۰۹۵ھ ہے، وہ ۲۰ سال کی عمر میں صوبہ بہار آیا، اسی سال ۱۱۲۳ھ اوائل ربیع الاول میں تخت سلطنت پر پٹنہ (عظیم آباد) میں جلوہ افروز ہوا، اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، پٹنہ میں چار یا پانچ مہینے کی اقامت کے بعد جہاندار شاہ سے لڑنے کیلئے اکبرآباد روانہ ہوا، اس کے بعد پھر تا حیات شاہ فرخ سیر کے پٹنہ آنے کا پتہ نہیں چلتا، اس لئے اواخر ۱۱۲۲ھ یا اوائل ۱۱۲۳ھ میں اپنے زمانہ قیام پٹنہ میں شاہ فرخ سیر نے اس مسجد میں نماز پڑھی، اس لحاظ سے اس مسجد کی تعمیر کو اگر فرخ سیر ہی کے زمانہ سے شمار کیا جائے، ۲۲۲ سال ہو چکے ہیں،

۱؎ اسی مضمون کا ایک دوسرا کتبہ مسجد کے صدر دروازہ پر بھی ہے،

اسلام اور تکمیل اخلاق

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی۔

اسلام کا یہ دعوی ہے کہ دنیا کی مختلف قومون مین جو اخلاقی اجزا نامکمل طور پر پائے جاتے تھے اسلام نے اونکو مکمل کر دیا ہے

چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی رسالت کا یہ مقصد بتایا ہے:۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی مین اس غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہون کہ فضائل اخلاق کی تکمیل کرون،

اب ہمین غور کرنا چاہئے کہ تکمیل اخلاق کی کسقدر صورتین ممکن ہین،

(۱) تکمیل اخلاق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زندگی کے کسی خاص شعبے یا زندگی کے تمام شعبون مین اخلاق کی جو مقدار پائی جانی چاہئے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین کم ہو، اس صورت مین تکمیل اخلاق کے معنی یہ ہین کہ یہ مقدار پوری کر دی جائے،

(۲) اسکے بالکل برعکس دوسری صورت یہ ہے کہ ان شعبہای زندگی مین اخلاق کی جسقدر مقدار درکار ہے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین اس سے زیادہ ہو، مثلاً دنیا کے تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسان کو دنیا اور دنیا کے لذائذ مین زیادہ منہمک نہین رہنا چاہئے لیکن اسی تعلیم نے ترقی کر کے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی، اور دنیا مین ہزارون راہب ہزارون جوگی اور ہزارون مہنت پیدا ہوگئے جو تجارت، ملازمت، زراعت غرض دنیا کے تمام جائز پیشون کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین زندگی بسر کرتے ہین اور دنیا کی تمدنی ترقیون کو نقصان پہنچاتے ہین، اب اس صورت مین تکمیل اخلاق کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس بڑھی ہوئی مقدار کو گھٹا دیا جائے،

فلسفہ اخلاق کی اصطلاح مین پہلی صورت کا نام تفریط اور دوسری صورت کا نام افراط ہے جسکے معنی ہین کہ حد سے بڑھنا

اخلاق قائم کیا ہے، وہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اسی درمیانی صورت کا نام فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں اعتدال اور شریعت کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم ہے،

(۳) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں جن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے، اون میں بعض شعبے اپنے مناسب اخلاقی اجزا سے خالی ہوں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ متاہلانہ زندگی بسر نہیں کی، اسلئے اون کے قائم کردہ نظام اخلاق سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ خانگی زندگی میں انسان کو کن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے،

اسی طرح جوگیوں اور راہبوں کی بے تعلق زندگی معاشرتی نظامِ اخلاق کے اجزا سے خالی ہوتی ہے اور اس صورت میں تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں کی مناسب تقسیم کیجائے اور ہر شعبے کو اس کے مناسب اخلاق کا حصہ دیا جائے

اسلام نے ان تینوں طریقوں سے نظامِ اخلاق کی تکمیل کی ہے، جسکی تفصیل سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام کا اخلاقی نظریہ کیا ہے،؟ اور اوس نے کون سی اخلاقی تھیوری قائم کی ہے ؟،

اس وقت تک جو اخلاقی نظریے قائم ہوئے ہیں اون میں سے

(۱) ایک نظریہ یہ ہے کہ کسی فعل کی برائی اور بھلائی کوئی عقلی اور روحانی چیز نہیں ہے، بلکہ اوسکا دار مدار صرف قانون سلطنت پر ہے یعنی بادشاہ جس فعل کو ممنوع قرار دیدے، وہ بداخلاقی کی فہرست میں شامل ہو اور جسکو جائز رکھے وہ خوش اخلاقی کے سلسلے میں داخل ہے، اس نظریہ کے روسے گویا اخلاق اور قانون ایک ہی چیز ہیں لیکن اسلام اس نظریہ کی تائید نہیں کرسکتا، کیونکہ اس سے شراب کی تجارت، یا طوائفوں کا پیشہ جسکی موجودہ سلطنتوں نے اجازت دی ہے جائز ہوجاتا ہے،

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ افعال کے حسن و قبح کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت و مناسبت ہے، جو عقل کو اون کے مختلف حصوں کے درمیان معلوم ہوتی ہے مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اوسے پورا کرنا، ان دونوں افعال کے درمیان بداہتہً ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہے، اسلام اس نظریہ کا نہ موافق ہے نہ مخالف،

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ ہر نیک کردار کا لازمی نتیجہ حصول مسرت ہے، اسلئے جو لوگ بداخلاقی میں مبتلا ہوتے ہیں، اون کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ اونھیں بجائے مسرت کے رنج و غم حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار مقدار علم ٹھہرتی ہے یعنی جس قدر کسی

شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اسی نسبت سے وہ نیک کردار یا بدکردار ہوگا، قرآن شریف کی ایک آیت میں ہے کہ خدا سے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اس لئے اگر اس آیت کے مفہوم کو زیادہ وسیع کیا جائے تو اسلام اس نظریہ کا مؤید ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خودغرضی پر ہے یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ بعض افعال سے اون کے کرنیوالے کو نقصان پہنچتا ہے، تو اون افعال سے بچنے کیلئے انھوں نے ان کو بداخلاقیوں کا لقب دیا، اور اون کے مقابل افعال کو عمل حسنہ قرار دیا، اسلامی نظامِ اخلاق کا نتیجہ بھی یہی ہے لیکن وہ تمامتر خودغرضی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فضائل اخلاق کو نجاتِ اخروی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے،

(۵) پانچواں نظریہ یہ ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیارِ اخلاق ہے، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق میں مفید ہوتے ہیں، وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہیں، اور جن سے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہ قبیح و مذموم ہیں، یہ نظریہ بھی اوسی فلسفہ خودغرضی کی ایک مہذب شکل ہے، اور اسلامی نظامِ اخلاق کے نتائج سے قریب تر ہے،

(۶) چھٹا نظریہ یہ ہے کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہیں، جو عملاً تمام دنیا میں عالمگیر ہو سکتے ہیں، چوری قتل دروغگوئی بدعہدی اس بنا پر معیوب ہیں کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہیں سکتے، اور اگر انھیں عالمگیر کیا جائے، تو موجودہ نظامِ عالم دفعۃً درہم برہم ہو جائے، یہ نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ کا ہے، اور عملی طور پر اسلام کا نظامِ اخلاق بالکل اسکے مطابق ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسلئے اس نے اپنے نظامِ اخلاق میں وہی اجزا شامل کئے ہیں، جو عالمگیر ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قومیں اونکی پابند ہو سکتی ہیں باقی خاص خاص ملکوں یا خاص خاص قوموں، یا خاص خاص شہروں کے مخصوص اخلاق اگر سوسائٹی کیلئے مضر نہیں ہیں تو اسلام اونکو ناجائز نہیں قرار دیتا، لیکن درحقیقت وہ اسلامی نظامِ اخلاق کے حقیقی اجزا نہیں ہیں، بلکہ رسمی و فنی چیزیں ہیں،

(۷) ساتواں نظریہ یہ ہے کہ نیکی کا اصل الاصول افراط و تفریط سے بچ کر قوائے فطریہ کا اعتدال کیساتھ استعمال کرنا ہے، مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کریں تو وہ سخاوت ہے، اور اگر افراط و تفریط سے کام لیں تو یہ اسراف یا بخل ہے، اور دونوں یکسان طور پر معیوب ہیں، یہ ارسطو کی تھیوری ہے، اور اسلام بھی اسکا مؤید ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کا اخلاق یہ بتایا گیا ہے،

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا	یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور تنگی بھی نہیں کرتے بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے

(۸) آٹھواں نظریہ یہ ہے کہ خود انسانی فطرت مین ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ افعال کی برائی

یا بھلائی کو بتلاتا رہتا ہے، اور اس فیصلہ مین عقل واستدلال کو دخل نہین ہوتا، اس نظریہ کے روسے افعال کی برائی یا بھلائی

ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے، اور اسی لحاظ سے حکمار مین جو لوگ روحانی طریقہ پر فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اونھون نے

یہی نظریہ اختیار کیا ہے، اور ہمارے صوفیۂ کرام کا میلان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے، اور اسلام کا حقیقی اخلاقی نظریہ یہی ہے،

چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہی،

لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامہ،

سورۂ قیامہ

یعنی مین قسم کھاتا ہون روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہون انسان کے اس روح کی جو برے کامون پر اسکو ملامت کرتی ہے

یہی نفس لوامہ ہے جس کو آپ کانشنس یا ضمیر بھی کہہ سکتے ہین،

اس کے چند آیتون کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ۔

خود انسان اپنے نفس کی خبر رکھتا ہی، گو وہ اپنی تئین بے گناہ ثابت کرنے کیلئے کتنے ہی حیلے کیا کرے،

انسان ایک جرم کرتا ہے، اور اس حالت مین اگر اس کا ضمیر مردہ نہین ہوگیا ہے، تو اس کا نفس لوامہ اوس کو

ملامت کرتا ہے، اب وہ حیلے تراشتا ہے، کہ مین نے اگرچہ رشوت لی ہے لیکن اس مین معذور ہون، کیونکہ میری تنخوا

میری ضروریات کے لئے کافی نہین، عملاً یہ حیلہ اوس کی تسکین کے لئے کافی ہے لیکن بایں ہمہ اوس کا ضمیر مطمئن نہین ہوتا

اور وہ بتاتا ہے کہ رشوت خواری ایک اخلاقی بلکہ قانونی جرم ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے چنا

ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور بدی کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا،

البر حسن الخلق والاثم ما حاک فی صدرک وکرہت ان یطلع علیہ الناس۔

صحیح مسلم

یعنی نیکی حسن خلق یعنی کیرکٹر کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل مین کھٹکے اور تم اوسکو پسند نہ کرو کہ لوگ اوسکو جانین یعنی تم اوسکے اخفاء

یہاں تک تو فلسفہ مذہب اسلام کا ساتھ دیتا ہے، یا یوں کہئے کہ اسلام فلسفہ کی تائید کرتا ہے، لیکن اسلام کا قدم اب اس سے آگے بڑھتا ہے، اور ایک دوسرے ضمیر کی طاقت سے نظامِ اخلاق کو مستحکم کرتا ہے، یعنی یہ کہ اگر بالفرض کسی شخص کا ضمیر مردہ ہوجائے، اور وہ برائی بھلائی کی تمیز نہ کرسکے، تو دوسروں کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اس اندھیرے میں اوس کو اپنے ضمیر کا چراغ دکھلا کر اوس کو برے کاموں سے روکیں، شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام احتساب ہے، اور پولیس کا پورا محکمہ اسی اصول پر قائم ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے،

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان	یعنی تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اوس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، لیکن اگر اس میں ہاتھ سے مٹانے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹائے یعنی اوسکو نصیحت کرے کہ ڈرا کام ہے باز آئے، اگر زبان سے مٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو اوسکو دل سے برا سمجھے یعنی دل سے اسکو برا سمجھے لیکن محض دل سے برا سمجھنا

[illegible]

لیکن نظامِ اخلاق کے قائم رکھنے کیلئے صرف یہی کافی نہیں، انسان بہت سے مواقع پر اخلاقی جرائم کرتا ہے، اور وہاں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوتا، اس لئے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم میں ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کردے، جو خود تمام برائیوں سے روک دے، اسی اعلیٰ ترین ضمیر کا نام پیغمبر ہے، اور جب تمام قوم گمراہی میں مبتلا ہوجاتی ہے اور اسکو کوئی برا بھلا کہنے والا نہیں رہتا، تو پیغمبر جو سراپا روح، سراپا ضمیر اور سراپا ایمان ہوتا ہے، اٹھتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات میں مبتلا کرکے پوری قوم کو برائیوں سے روکتا ہے، دنیا کے تمام پیغمبر اسی قسم کا قومی ضمیر تھے، لیکن اس قسم کا سب سے بڑا ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب میں نمودار ہوا، جس نے اور پیغمبروں کی طرح صرف ایک قوم اور ایک ملک کی گمراہی دور نہیں کی، بلکہ تمام دنیا کو اپنے ضمیر کی روشنی سے گمراہیوں کے تیرہ و تار غار سے نکالا، اب نظامِ اخلاق کے لئے یہی تین ضمیروں کی ضرورت ثابت ہوگئی، ایک ہر شخص کا ذاتی ضمیر، دوسرا قومی ضمیر، تیسرا پیغمبر کا ضمیر، لیکن یہ تینوں ضمیر سب کے نہیں، ورانہ دنیا میں رہتے ہیں، اور یہ تینوں اپنا اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہیں، لیکن صرف اسلام ہے، جو اسلام چند اور ضمیروں کی ترتیب دیتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں

آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے محبت کرتا ہون، تم بھی اوس سے محبت کرو، تو اب جبرئیل بھی اوس کی محبت کرنے لگتے ہین، پھر وہ آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ فلان شخص کو محبوب رکھتا ہے، تم بھی اوس کو محبوب رکھو، تو اب آسمانون کے فرشتے بھی اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، پھر اوس شخص کو دنیا مین حسن قبول حاصل ہوجاتا ہے، اس کے برعکس جب خدا کسی بندے سے بغض رکھتا ہے، تو جبرئیل سے بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے بغض رکھتا ہون، تم بھی اوس سے بغض رکھو، تو اب جبرئیل بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خدا فلان شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اوس سے بغض رکھو تو آسمانون کے فرشتے بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر تمام دنیا کے لوگ اس سے بغض رکھنے لگتے ہین،

یہ فرشتون کا ایک مرتب گروہ ہے، جس کا کام یہ ہے، کہ جو لوگ اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہین اور لوگون کو اخلاقی اصلاح پر آمادہ کرتے ہین، وہ اون کو شب و روز دعائین دیتا رہتا ہے، اور اس دعا کی وجہ سے اون پر برکتین نازل ہوتی رہتی ہین، لیکن جو لوگ دنیا مین فتنہ و فساد پھیلاتے ہین، وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور اوس کی لعنت اون کے لئے حسرت و ندامت کا سبب بن جاتی ہے، یہ گروہ خدا اور خدا کے بندون کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے، اور انسانون کے دلون مین الہامی طریقے پر نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اس گروہ کو شریعت کی اصطلاح مین، رفیق اعلیٰ، ندی اعلیٰ یا ملاء اعلیٰ کہتے ہین،

ان فرشتون کو تمام دنیا سے وہی نسبت ہے، جو ہمارے دماغ کو ہم سے ہے، ہم ایک جلتے ہوے پتھر پر پاؤن رکھتے ہین، تو سوزش کا اثر اعصاب کے ذریعہ سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے، اور ہم بے قرار ہوجاتے ہین، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے نوع انسان کی اصلاح کے لئے فرشتون کا ایک ذکی الحس گروہ متعین کردیا ہے، کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، تو اون کو مسرت محسوس ہوتی ہے، اور اس مسرت کا اثر خود اوس شخص پر اور نیز تمام لوگون پر پڑتا ہے، اور وہ اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، اور جب کوئی شخص برائی کرتا ہے، تو یہ فرشتے اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، اور اوس نفرت کا اثر اوس شخص پر اور نیز تمام دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے

اوس شخص کو خود اپنی ذات سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور تمام لوگ بھی اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، افلاطون بھی ہر نوع کے لئے فرشتون کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے، جس کو رب الانواع کہتے ہین، غالبًا ان رب الانواع سے اس کی مراد بھی فرشتے ہین،

لیکن ان تمام ضمیرون سے اعلیٰ تر ایک اور ضمیر بھی ہے یعنی خود خداوند تعالیٰ کو برائیون اور گناہون سے اس قدر نفرت ہے، کہ وہ اون کو کسی حالت مین برداشت ہی نہین کر سکتا، اسی طرح اچھے کام کرنے سے جو مدح وستایش حاصل ہوتی ہے، اوس کا بھوکا بھی خدا سے زیادہ کوئی نہین، چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے:-

مامن احد اغیر من اللہ من اجل ذلک حرم الفواحش. وما احد احب الیہ المدح من اللہ.

یعنی کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہین، اور اسی غیرت کی وجہ سے اوس نے بدکاریون کو حرام کر دیا ہے. نیز کسی کو خدا سے زیادہ تعریف بھی محبوب نہین.

ضمیر کا یہ مرتب سلسلہ زیادہ تر شخصی کام کرتا ہے یعنی جب دنیا مین کوئی شخص برا یا بھلا کام کرتا ہے، تو وہ اسکو محسوس کرتا ہے، اور محسوس کرنے کے بعد اپنے اخلاقی فرائض انجام دیتا ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام دنیا کے اخلاقی جائزہ لینے کے لئے ایک اور عام اور کلی ضمیر کی ضرورت ہے، جو بیک وقت تمام برے اعمال کی سزا اور تمام اچھے اعمال کی جزا دے، اسی عام اور کلی ضمیر کا نام قیامت ہے، جو بیک وقت ہر شخص کے اعمال کا جائزہ دے گی اور اس حیثیت سے قیامت کو ایک ایسے پیغمبر سے مشابہت حاصل ہے، جو اپنی عالمگیر رسالت کی وجہ سے قیامت ہی کی طرح تمام دنیا کا آخری ضمیر ہو، اور ایسا پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کے سوا آج تک دنیا مین مبعوث نہین ہوا، یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ مجھ مین اور قیامت مین اس قدر قربت حاصل ہے جس قدر ہاتھ کی انگلیون مین اتصال ہوتا ہے یعنی آپ دنیا کے سب سے آخری ملامت کرنیوالے ہین اسکے بعد دنیا کی ملامت کیلئے کوئی دوسرا اخلاقی ضمیر قیامت کے سوا پیدا نہ ہوگا، اسی مناسبت سے خداوند تعالیٰ نے سورہ قیامہ مین قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم کھائی ہے، کیونکہ قیامت اور نفس لوامہ کے

ایک ساتھ ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونون کے درمیان کوئی نسبت یا لگاؤ ہے، کیونکہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے، اس لئے کہ تمام دنیا ایک شخص واحد ہے، اور اوسکی رفتار ایک شخص کے حالات کی طرح یکسان طور پر پائی جاتی ہے، اس لئے جس طرح ہر انسان مین ایک نفس لوامہ ہے، جو اس کے گذشتہ اعمال پر ملامت کرتی ہے، اسی طرح تمام دنیا کیلئے بھی ایک نفس لوامہ ہونا چاہئے، جو دنیا کے تمام اعمال پر ملامت کرے،

اس تفصیل سے دو باتین نہایت بدیہی طور پر ثابت ہوئین،

(۱) ایک تو یہ کہ اگر آپ کو کوئی روحانی نظامِ اخلاق قائم کرنا ہے، تو اوس کے لئے مذہب کے پورے سلسلے کو ماننا پڑیگا، اور خدا، فرشتے، پیغمبر، قیامت سب کے سب اوس کے لازمی جزو قرار پائین گے، الحاد اور بے دینی درحقیقت ایک سلبی نظام ہے، بلکہ درحقیقت وہ کوئی نظام ہی نہین، دنیا مین صرف مذہب نے نظامِ اخلاق کو قائم کیا ہے، اور اوسی نے نظامِ اخلاق کو قائم رکھا ہے، آج تک اخلاق کی اصلاح الحاد اور بیدینی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ ہمیشہ مذہب سے ہوئی ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ مختلف فلاسفرون کے یہان جو اخلاقی نظرئیے منتشر طور پر پائے جاتے ہین، اسلام نے ان مین تمام قابلِ قبول نظریون کو جمع کر لیا ہے، اس لئے یہ بھی نظامِ اخلاق کا ایک تکمیلی پہلو ہے، جس کا اسلام نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہے،

تلخیص و تبصرہ

وسط ایشیا میں اہم انکشافات،

ڈاکٹر سیڈن (Hedin) جو تقریباً نصف صدی سے وسط ایشیا کے ریگستانوں میں ان مقامات کی تلاش و تحقیق میں مصروف ہیں جن سے اب تک تاریخ و جغرافیہ کے صفحات خالی تھے، اس سلسلہ میں حال کے نہایت اہم اکتشافات کا ذکر انھوں نے نیویارک ٹائمز کے ایک مقالہ میں کیا ہے، جو بمبئی کرانکل (ہفتہ وار) میں آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے،

سائنس کا خیال ہے کہ انسان عہد قدیم کی تاریکی سے اول اول وسط ایشیا کے کسی حصہ میں نمودار ہوا، اور وہاں سے نکل کر اس کی اولاد مختلف نسلوں اور قوموں کی شکل میں تمام دنیا میں پھیل گئی، تعجب ہے کہ اُن مقامات سے جو بنی آدم کے آبائی مسکن سے انتہائی فاصلہ پر واقع ہیں، حتیٰ کہ قطبین کے حالات سے بھی آج ہم اُس سرزمین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں، جو نسل انسانی کا گہوارہ اور حیات انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سرزمین پر ہماری زندگی کی ابتدا ہوئی اس کی جگہ نقشہ میں ہنوز خالی ہے،

حال میں یعنی اس پشت کے اندر ہی ہم نے وسط ایشیا میں جا کر ان نشانات کا پتہ لگانا چاہا، جن سے نوع انسانی کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مدون کئے جا سکیں۔ دنیا نے زمانہ قبل از تاریخ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش میں ہم کو ایک دوسرے راز سے واقفیت ہوئی جو نسبتہً بہت بعد کا ہے، ہماری مغربی تہذیب سے زیادہ قدیم ہے، یعنی اہل چین اور ان کے وحشی ہمسایوں کے ابتدائی حالات، چنانچہ وہاں ہم زمانہ قبل از تاریخ کے ساتھ ہی عہد تاریخ کے ابتدائی دور کا بھی سراغ لگا رہے ہیں، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن میں سے کون زیادہ دلچسپ ہے،

میں نے تقریباً نصف صدی مشرق بعید میں تلاش و تحقیق میں صرف کر دی ہے، ۱۸۹۳ء سے اس عظیم الشان وفد

کی قیادت کررہا ہون، جو ایشیا کے نامعلوم حصون کی دریافت پر مامور کیا گیا ہے، ہماری تفتیش و جستجو نے پانچ سال سے اُن پردون کو بہت کچھ اٹھا دیا ہے، جن سے اُس برِ اعظم کا اندرونی حصہ چھپا ہوا تھا، جو کچھ ہم نے اب تک معلوم کیا ہے، وہ کئی جلدون کو پُر کر دینے کے لئے کافی ہے، تاہم ابھی اس سے بہت زیادہ اور معلوم کرنا ہے، یہ خطہ جو اب تک غفلت اور بے توجہی کا شکار تھا معلومات کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، جس سے تحقیق کرنے والے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہین، ہم نے تو مشکل ابھی اس معدن کی سطح صاف کی ہے،

مشرقی نصف کرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ چین کے شمال مغرب مین صحرائے گوبی واقع ہے، اور اس کے مغرب مین ترکستان کے ریگستان ہین، یہ سلسلہ مغرب کی جانب بڑھتا ہوا فارس، فلسطین، عرب، اور سینا سے گذر کر ریگستان لیبیا اور صحرائے افریقہ سے مل گیا ہے، بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک ایک منطقۂ حارہ تمام دنیائے قدیم سے گذرتا ہوا چلا گیا ہے، ہمارا وفد جو کئی جماعتون مین تقسیم ہو گیا ہے، ۱۹۲۶ء سے اس منطقہ کے سب سے کم معلوم حصہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف ہے، یعنی وہ حصہ جو تبت کے شمال اور سائبریا کے جنوب مین واقع ہے، ہم نے کچھ کام منگولیا کے اندرونی حصہ مین کیا ہے، کچھ چینی ترکستان مین اور کچھ شمالی تبت مین،

ہمارا قافلہ پہلے صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا، یہ سفر اُن سفرون کی پہلی کڑی تھا جن کا سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا، ہم چٹیل میدانون مین دشت پیمائی کرتے رہے، لیکن تقریبًا ہر میل پر ہمین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزارون سال قبل جب تاریخ کی ابتدا بھی نہین ہوئی تھی، یہان انسانون کی آبادی تھی، اور لوگ اس راستہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، یہ زمین اگرچہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہے، تاہم یہی وسط ایشیا سے گذرنے کا راستہ ہے،

جس ریگستان مین ہمارے خیمے نصب تھے، اُسی مین چین کے تاجر بھی حضرت سلیمان ؑ کے زمانہ مین اپنے خیمے نصب کرتے تھے، اسی مقام سے سنہ عیسوی سے قبل قدیم ریشم کی سڑک گذرتی تھی، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی سڑک تھی، اور قافلے مغرب کی جانب سال سال بھر کے سفر پر چین سے ٹائر اور زیڈن کے لئے روانہ ہوتے تھے، جہان سے اُن کا قیمتی ریشمی سامان جہازون کے ذریعہ سے رومہ جاتا تھا، یہ ریشم کی سڑک آج ریگ کے تودون مین دفن ہے، تاہم بے شمار علامتون سے اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس کے کنارے کنارے قلعہ بند شہرون کا سلسلہ تھا، جن کے سپاہی تاجرون کی حفاظت شمال کی قوم ہن کے حملون سے کرتے رہتے تھے، ہمین ان قدیم قلعون کے دیوارین ملتی ہین اور ریت کھودنے کے بعد ان دیوارون کی جڑ مین دو ہزار قبل کے مخطوطات ملتے ہین جو

صحرائے گوبی میں ایک مقام پر جہاں پہلے کوئی شہر آباد تھا، ایک مٹی کے ٹیلے کے نیچے سے ایسی ہزاروں یادگاریں پائی گئیں، ایک فٹ لمبی پتلی پتلی تختیاں جو ایک ہرکارہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے لیجا سکتا تھا، چمڑے کے تسموں سے بنڈلوں میں بندھی ہوئی تھیں، ان بنڈلوں کی گرہوں میں بیس صدیاں گذر چکی تھیں، ریگستان کی خشکی نے ان چینی حروف کو اتنک محفوظ رکھا تھا، جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے، ہمارے اسٹاف کے ارکان نے جو چینی زبان، تاریخ اور رسوم وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہیں، زمانہ قدیم کے ان پیغامات میں سے بعض کا ترجمہ کیا ہے، چنانچہ ان میں سے کسی بنڈل پر اسلحوں اور پوشاک کی رسید لکھی ہوئی ہے، کسی پر ایک نوجوان سپاہی کے فوج میں داخل کرنے کے احکام اور اس کا نام، عمر، وطن اور پیشہ درج ہے، ایک پر یہ حکم لکھا ہوا ہے، "تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آج شب میں تین سو تیر انداز شہر کے نویں پھاٹک کی حفاظت کے لئے تیار رکھو" آج یہ شہر صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد تقریبًا نابود ہو گیا ہے، لیکن کسی زمانہ میں ضرور ایک بڑا شہر رہا ہوگا، کیونکہ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں کم سے کم نو پھاٹک تھے، دوسرے پر یہ درج ہے "تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ شہزادہ نو عنقریب تمہارے صدر مقام پر پہونچیں گے، ان کے ساتھ پچیس سوار ہوں گے، تمہارے ذمہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی خوراک اور قیام کا انتظام ہے" ان تختیوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خشک اور ویران مقام حضرت مسیح سے دو سو برس پہلے ایک مرتب اور آباد شہر تھا، تختیوں کے علاوہ اور بھی سیکڑوں چیزیں ہم نے قدیم زمانہ کی سڑک کے کنارے ریگستان سے کھود کر نکالی ہیں، اس سڑک پر کبھی بڑے بڑے تجارتی قافلے چین سے کاشغر، نیشاپور اور شام کو جایا کرتے تھے،

اسی خطے سے ہو کر قدیم چینی زائرین پامیر اور ہندوستان کا سفر کرتے تھے، انھی میں فاضل میان سانگ مشہور چینی سیاح (تقریبًا [illegible]) بھی تھا، اسی راستے سے تقریبًا ١٢٧٥ء میں مارکو پولو بھی قبلائی خان کے دربار میں قسمت آزمائی کرنے گیا تھا، اس کی یادگار احترام میں ہم نے اپنے لشکر کی سڑک کا نام "مارکو پولو سڑک" رکھا تھا، مارکو پولو سے پیشتر اہل چین مغرب کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مغرب کو چین کے متعلق براہ راست کچھ بھی واقفیت نہ تھی،

ریگستان کی ہوائیں اتنی تیز ہیں کہ آدمی مشکل سے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ رہ سکتا ہے، ریگستانی طوفان سیاہ دیواروں کی طرح آسمان میں اٹھتے ہیں، اور روشن دن کو تاریک رات بنا دیتے ہیں، بہت کم خیمے ان طوفانوں میں قائم رہ سکتے ہیں،

معمولی دنون مین بھی ہواؤن کا شور ایسا رہتا ہے کہ سننے والون کو بعض اوقات انسانی آواز کا دھوکہ ہوجاتا ہے، مارکو پولو کا بیان ہے کہ جو لوگ ان ریگستانون مین گم ہوجاتے تھے اونھین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھی ان کا نام لے کر پکار رہے ہین، ہم کو بھی کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے،

وسط ایشیا ماہر اثریات اور مورخ کے لئے ایک باغ ارم ہے یہان ان فوجی دیوارون کا بھی پتہ لگتا ہے جن کا کوئی نشان نقشہ مین نہین ملتا، یہ دیوارین موجودہ دیوار چین کے سیکڑون میل آگے، شمال کی جانب چلی گئی ہین، اور اس سے سیکڑون برس زیادہ قدیم ہین، یہان تفتیش کرنے والا خارا خوتو (Khara Khoto) اور لولان (Loulan) جیسے فراموش شدہ شہرون کی ویران سڑکون پر چل سکتا ہے، جس کا نام معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو ہزارون برس پیشتر کے چینی نقشون کا مطالعہ کرنا پڑے گا، لولان کی دریافت ہمارے اکتشافات مین نہایت درجہ اہم اور حیرت انگیز ہے،

دو ہزار سال قبل کے چینی نقشون سے معلوم ہوتا ہے کہ لولان دریائے تارم کے دہانہ کے قریب واقع تھا، مشرقی ترکستان کا یہ خاص دریا جھیل لوپ نور مین گرتا تھا، یہ شہر اس جھیل سے اس قدر نزدیک واقع تھا کہ جھیل کا دوسرا نام ہی بحر لولان، (Lou lan he) پڑ گیا، اس زمانہ مین یہ شہر بہت آباد اور خوشحال تھا اور چین اور کاشغر کے درمیان "ریشم کی سڑک" پر ایک اہم مقام تھا، صدیون لوپ نور چینی جغرافیہ دانون کے علاوہ اور تمام جغرافیہ دانون کی نظر سے پوشیدہ رہی،

سنہ ۱۹۰۱ء مین مین نے شہر لولان کے کھنڈر دریافت کئے، کھودائی کے بعد وہان لکڑی اور کاغذ پر ایسے مخطوطات دستیاب ہوئے، جن سے اس امر مین شبہ باقی نہ رہا، کہ یہ شہر لولان تھا، اور سنہ ۲۶۰ء مین یہ ایک آباد اور خوشحال شہر تھا، لیکن بحر لولان اب ساٹھ یا اسّی میل کے فاصلہ پر تھا، یہ ایک بڑا معمہ تھا، مجھے اس بات کا کافی ثبوت ملا کہ ایک وسیع جھیل جو ممکن ہے ۷۵ میل چوڑی رہی ہو، ایک زمانہ مین شہر کی دیوارون کے پاس ہی واقع تھی، یہ جھیل اب خشک ریگستان تھی، اسی سے ملی ہوئی پانچ سو فٹ چوڑی ایک دریا کی تہ بھی تھی، یہ بھی بالکل خشک تھی،

مین نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم نقشے درست تھے، لوپ نور ایک روان جھیل تھی، اور سنہ ۲۶۰ء کے بعد اُس نے اپنا مقام

تبدیل کر دیا تھا، میرے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ دریائے تارم کی قدیم تر جو چوڑی اور گہری تھی، مٹی نباتات اور ریت سے بھر گئی تھی، اور تارم میں ایک دوسرا راستہ اختیار کر کے ایک دوسری جھیل بنا لی تھی جسکی وجہ سے لولان کی قدیم جھیل خشک ہو کر غائب ہو گئی،

لولان کا قدیم شہر آج پھر آباد ہو رہا ہے، دریائے تارم کے کنارے پھر پیداوار نظر آ رہی ہے،

یہ صرف چند کارنامے ہیں اُن کارناموں میں سے جو ہمارے وفد نے وسط ایشیا میں انجام دئے ہیں، ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے اُس میدان میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے، جو از روئے سائنس ہماری مہم سے پہلے تقریباً نامعلوم تھا، ہم نے چین کی قدیم تاریخ کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل کئے ہیں، ہمارے ماہر اثریات ڈاکٹر فوگ برگمین (Dr Folke Bergman) نے زمانہ حجریہ جدیدہ کے پچاس ہزار نمونے جمع کئے ہیں ڈاکٹر ڈیوڈ ہمل (Dr David Hummel) نے بے شمار پودے اور حشرات الارض اکٹھا کئے ہیں، ہماری دو جماعتوں نے جو شمالی تبت کے کوہستانوں میں تفتیش و تحقیق میں مصروف تھیں ایک وسیع خطہ کو دریافت کیا ہے، جسکی جگہ نقشہ میں ابتک خالی تھی، ہماری ایک جماعت نے جنوبی سنگاری کے قیمتی معلومات حاصل کئے ہیں،

مختصر یہ کہ ہم ایک وسیع خطہ زمین کو جو بحر الکاہل سے بحر کیسپین تک پھیلا ہوا ہے، اور اب تک دنیا کے چند نامعلوم حصوں میں شمار کیا جاتا تھا، سائنس کی آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابھی اور کس قدر معلوم کرنا ہے لیکن لیکن گذشتہ پانچ سال کے واضح تجربہ کی بنا پر ہم جانتے ہیں کہ ان بعید مقامات میں دنیائے علم کیلئے بیش بہا اکتشافات تقریباً ہر روز ہوتے رہتے ہیں،

"ع ز"

یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو

جنوبی اٹلی میں سالرنو ایک بحری بندرگاہ ہے، جو قرون وسطیٰ میں ایک صحت گاہ ہونے کے ساتھ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں بہت سے مشہور اطبا رہتے تھے. اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے طب کی یونیورسٹی یہیں قائم ہوئی. گو یہ مورخین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی تاہم پروفیسر کا. ل سید موصوف نے جو تاریخ طب کے بہت بڑے

عالم ہین، اس موضوع پر بہت سے تاریخی ماخذ سے روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اور تمام مورخین نے اس یونیورسٹی کے متعلق تحقیقات کی اور اس تحقیقات کا خلاصہ مارچ ۱۹۳۲ء کے الہلال مین شایع ہوا ہے، جس کو ہم ناظرینِ معارف کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہین،

"چھٹی صدی عیسوی مین اٹلی ایک میدان کارزار بنی ہوئی تھی، اور شمالی جانب سے اوس پر حملے ہو رہے تھے، اس کے بعد گاتھک کا اقتدار جاتا رہا، اور جنوبی اٹلی بازنطینی حکومت کے زیر اثر آگیا، اس وقت اگرچہ اٹلی مین عام طور پر یونانی زبان رائج تھی، لیکن بازنطینی اقتدار کے زوال کے بعد دوسری زبانین رائج ہوئین، اور متعدد مقامات پر لاطینی زبان رائج ہو گئی، پھر جب آٹھوین صدی مین مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کیا تو یونانی کی جگہ مختلف مقامات مین عربی نے لیلی، اسی طرح جنوبی اٹلی مین بہت سے یہود بھی رہتے تھے، اور اونھون نے اور علوم یعنی لاطینی یونانی اور عربی کے مقابل مین عبرانی علوم کی اشاعت کی، اس کے بعد مسلمانون نے آٹھوین صدی مین بتدریج سسلی پر حملہ کیا اس کے بعد نوین صدی مین اٹلی کی سرزمین پر تاخت کی اور رفتہ رفتہ جنوبی اٹلی پر قابض ہو گئے، اور نیپلز اور سالرنو اون کے قبضہ مین آگئے اس کے بعد ۸۸۳ء مین مونٹ کاسینو بھی مسلمانون کے زیر اقتدار آگیا، اور اب اٹلی مین مسلمانون کی فوجی جد و جہد مکمل ہو گئی،

اب ہم کو جنوبی اٹلی مین رہبانیت اور کلیسا کی زندگی کی تاریخ بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے، سب سے پہلے سینٹ بنیڈکٹ (۴۸۰-۵۴۴) نے مونٹ کاسینو مین ایک بڑا کلیسا قائم کیا جس کے ساتھ لاطینی کتابون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ بھی تھا اس کے بعد اور بہت سے رہبانون نے اس کی تقلید کی، اور جنوبی اٹلی کے تمام شہرون مین جن مین سالرنو بھی تھا، بہت سے گرجے قائم کئے، سینٹ بنیڈکٹ نے جو نظام قائم کیا تھا، اوس کے رو سے رہبانون کے لئے علمی بحث و تحقیق بھی ضروری تھی، اس لئے ان اطراف مین ایک خاص لاطینی زبان جسکو نقفتان کہتے تھے، رائج ہو گئی، اور اس مین بہت سی کتابین لکھی گئین جن مین بعض فن طب پر تھین، اگرچہ قدیم یونانی زبان بھی مدتون رائج رہی، بلکہ متعدد یونانی گرجے بھی بالخصوص روسانو مین قائم تھے تاہم جس فضا مین یونانی اور لاطینی رہبان زندگی بسر کر رہے تھے، وہ نحوی مباحث اور مذہبی نزاعات کے شور و غل سے گونج رہی تھی، اس لئے علمی خیالات کو ترقی نہ ہو سکی، لیکن جب عربون نے اس ملک کو فتح کیا تو عربی علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی، اور لوگون نے

اون علوم کی طرف توجہ کی جنکو اہل عرب اپنے ساتھ لائے تھے، سالرنو مین پہلے ہی سے بڑے بڑے تجربہ کار اطبا موجود تھے اور انھون نے اپنے شاگردون کے فوائد کے لئے اپنے تجربات قلمبند بھی کرلئے تھے، ان کی قدیم ترین کتابین سنہ ء مین لکھی گئی تھین لیکن ابتدا مین یہ اطبا اپنی کتابون پر جو لاطینی زبان مین یونانی علوم کا ترجمہ تھین اپنے نام نہین لکھتے تھے، سالرنو مین خاص قسم کی علمی اور طبی کتابین گیارہوین صدی کے نصف اخیر مین شائع ہوئین، اور اطبائے سالرنو مین جاریوپنوس المتوفی ۱۰۵۰ء اور فانوس المتوفی ۱۰۸۰ء نے طبی کتابین لکھین، لیکن مشاہیر سالرنو کے زمانے مین جس شخص نے قرون وسطی کے ابتدا مین یورپ مین عربی علوم منتقل کئے وہ قسطنطین افریقی تھا، جس نے ۱۰۸۷ء مین وفات پائی، وہ حکمت و فلسفہ کا شیدائی تھا، اس غرض سے اپنے اصلی مولد قرطاجنہ کو چھوڑکر بابل گیا، اور وہان کلدانی عربی اور ایرانی طب و حکمت مین تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان آیا، اور یہان ہندوؤن کے علوم و فنون سیکھے اسی طرح حبشہ اور مصر مین گیا اور وہان کے علوم کی تعلیم حاصل کرکے ۳۹ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوا لیکن اسکے علم و فضل پر اوسکے ہموطنون نے حسد کیا اسلئے وہان سے بھاگ کر ۱۰۷۲ء مین سالرنو چلا گیا، اور وہان بھیس بدل کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا، حسن اتفاق سے ایک مشرقی امیر نے جو وہان آتا جاتا رہتا تھا، اوسکو پہچان لیا، اور لوگون کو اس کے علم و فضل سے روشناس کرایا، اور اب وہان کے شرفا مین اس کا درجہ بہت بلند ہو گیا، لیکن چند ہی دنون کے بعد وہ مونٹ کاسینو کے گرجے مین چلا گیا، اور راہب ہوکر مختلف اجنبی زبانون کی کتابون کے ترجمے مین مشغول ہو گیا، اور مشرقی قومون کے بہت سے علوم کا ترجمہ کیا، لیکن وہ ان ماخذون کا اظہار نہین کرتا تھا جن سے ترجمہ کرتا تھا اور ان مصنفون کا نام نہین بتاتا تھا جن کی کتابون کے اس نے ترجمے کئے تھے، بلکہ ترجمہ شدہ کتابون کو خود اپنی طرف منسوب کرتا تھا، لیکن اس کی ترجمہ کردہ کتابون پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سب کی سب عربی کتابون سے ماخوذ ہین، اور وہ صرف یہی عربی زبان جانتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی طب کے اس ترقی یافتہ دور سے جب کہ دسوین صدی کے آخر اور گیارہوین صدی کی ابتدا مین قانون شیخ تمام مشرق مین رائج تھی، بالکل ناواقف تھا، اس لئے اس کے علم طب کا ماخذ صرف وہ عربی طب ہے جو یونان سے بذریعہ ترجمہ کے عربی زبان مین آیا تھا، اور اس نے شمالی افریقہ مین اس سے واقفیت حاصل کی تھی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک مین اس کی سیاحت کا واقعہ محض ایک فرضی افسانہ ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یورپ مین سب سے پہلے اسی نے عربی طب کو روشناس کرایا، اور اسی کے

ذریعہ سے اسلامی طب سالرنو کے مدرسہ مین داخل ہوا، اور وہان کے اطبا اوسکی تعلیم مین منہمک ہوگئے، اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے، کہ آٹھوین صدی سے قرون وسطیٰ کے اخیر تک دنیا کی فلسفیانہ، علمی اور سیاسی سیادت و اقتدار کی باگ اسلام کے ہاتھ مین تھی، اس لئے قسطنطین نے عربی علوم کے ترجمہ کی جو خدمت انجام دی، وہ گویا یورپ مین اسلامی علوم و فنون کی ایک جدید فتح تھی، اس لئے مدرسہ سالرنو پر بھی اسکا بہت بڑا اثر قائم ہوگیا، اور وہ بہت جلد ترقی کرکے یورپ مین طبی تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہوگیا، اور جب نارمنون نے ۱۰۷۶ء مین سالرنو کو فتح کیا تو اس کو گویا ایک یونیورسٹی بنا دیا، اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک اسی حیثیت سے اوس کی شہرت قائم رہی، خود نارمن سلاطین عربی علوم و فنون کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، چنانچہ تیرہوین صدی کی ابتدا کی ایک تصویر ملی ہے، جو اردو مین بھی شائع ہوچکی ہے، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ نارمن بادشاہ ولیم ثانی المتوفی ۱۱۸۹ء کے بستر علالت کے پہلو مین ایک عربی طبیب ہاشم نامی کھڑا ہوا ہے،

سالرنو کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ فریڈریک ثانی نے اوس کی یونیورسٹی کو اطبا کے امتحان اور جنوبی اٹلی مین اون کو طبابت کرنے کی اجازت دینے کا حق عطا فرمایا، اور یورپ کے تمام اطراف سے وہان بکثرت مریض علاج کے لئے آتے تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی صاحب، ندوی،

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اوسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت :- للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

ایک عجیب و غریب مقبرہ

اسٹریا اور اٹلی کے حدود کے درمیان ایک مقبرہ ہے جسمین ۲۰ ہزار اٹالین کی قبرین ہین اور یہ وہ لوگ ہین جو ان معرکون مین قتل ہوئے ہین، جو جنگ عظیم مین اسٹریا اور اٹلی کے درمیان ہوئے اس مقبرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر قبر پر ایسی علامتین قائم کی گئی ہین جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبر کا کام کیا تھا؟ مثلاً درزی کی قبر پر سوئی اور دھاگے کا نشان ہے، اور حجام کی قبر پر قینچی اور کنگھی کا، اسی طرح ہر شخص کی قبر پر مخصوص علامتین ہین۔

انڈون کے پہچاننے کا آلہ

بڑے بڑے تجارتی کارخانون مین انڈون کی شناخت کے لئے بڑے بڑے تجربہ کار لوگ رکھے جاتے ہین، جو صرف دیکھکر یا ہاتھ مین لیکر بُرے بھلے انڈون کی شناخت کر لیتے ہین لیکن ایک ماہر فن نے اب ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو ان تجربہ کار لوگون سے بہتر طریقہ پر انڈون کی شناخت کر سکتا ہے چنانچہ ایک تجربہ کار نے چند انڈون کو خراب قرار دیا تھا لیکن اس آلے کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہ اچھے ہین، انڈے توڑے گئے تو معلوم ہوا کہ آلے کی شناخت صحیح تھی۔

موتی کی شناخت کا آلہ

لندن مین جمعیت علوم طبیعیہ کی تیسوین نمائشگاہ مین ایک ایسے آلے کی نمائش کی گئی جس سے ایکسرے کے ذریعہ سے کھرے

کھوٹے موتیون کی شناخت ہوسکتی ہے،

ایک عجیب آدمی،

نیویارک مین ایک عجیب وغریب شخص ہے، جس کو درد، دکھ کا مطلق احساس نہین ہوتا اطبا، نے اس کے مادی وجوہ معلوم کرنے کے لئے متعدد تجربے کئے، لیکن اون کو کامیابی نہین ہوئی،

غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ دماغ کے جو اعصاب اس قسم کی تکلیفون کا احساس کرتے ہین، وہ ماؤف ہوگئے ہین لیکن اس کا تجربہ اوس کے مرنے کے بعد اوس کے دماغ کی تشریح سے کیا جاسکتا ہے،

خون کا تعلق قرابت سے،

دو انگریزی ڈاکٹرون نے مصر مین بعض حیوانات پر جو تجربے کئے ہین، اون سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف خون کی جانچ سے دو شخصون کے درمیان قرابتداری کے تعلقات معلوم ہوسکتے ہین، کیونکہ خاص خاص مادے خون مین مختلف کیمیاوی فعل کرتے ہین لیکن اس فعل کی یکرنگی صرف والدین، انکی اولاد اور اون کے قریبی رشتہ دارون مین قائم رہتی ہے، لیکن جن لوگوں مین قرابتداری تعلقات نہین ہوتے، اون کے خون مین اسکی یکرنگی قائم نہین رہتی، بلکہ سخت اختلاف ہوجاتا ہے،

بلی کا جسمانی ارتقار

عام طور پر علمار کا خیال تھا کہ بلی درحقیقت چیتے سے پیدا ہوئی ہے جس کے دانت تلوار کے پھل کے مشابہ تھے، لیکن اس نظریہ پر اون کے پاس کوئی یقینی دلیل نہین تھی، لیکن ایک علمی جماعت کو اپنے تحقیقات مین بلی کی ایک ایسی کھوپری دستیاب ہوئی ہے جو قدیم چیتے اور موجودہ بلی کی درمیانی کڑی ہے، اور اس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے،

کوئلے کا غبار

جو لوگ پتھر کے کوئلوں کی کان میں کام کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اس کوئلے کا غبار صحت کے لئے مضر ہے، اور پھیپھڑے کے امراض پیدا کرتا ہے، لیکن کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ غبار صحت کے لئے مفید ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پھیپھڑوں کی حرکت بڑھ جاتی ہے، اور وہ بکثرت بلغم خارج کرنے لگتا ہے، معمولی غبار پھیپھڑوں سے لپٹ کر رہ جاتا ہے، اور بلغم خارج نہیں کرتا، لیکن جب کوئلے کا غبار پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے تو اس کے ساتھ معمولی غبار بھی لپٹ کر بلغم کے ساتھ نکل آتا ہے، اس لئے اگر پتھر کے کوئلے کا غبار نہ ہو تو بلغم نہ نکل سکے، اور جب تک بلغم نہ نکلے گا، پھیپھڑا معمولی غبار سے صاف نہ ہوگا،

خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد

عام خیال ہے، کہ قدیم زمانے کے انسان نہایت تنومند اور دراز قد ہوتے تھے، لیکن ایک پروفیسر نے یہ تجربہ کیا ہے عقلی اور جسمانی حیثیت سے خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد اور بڑی اولاد میں کیا نسبت ہے؟ تو معلوم ہوا کہ خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد خاندان کے اور ممبروں سے زیادہ طویل القامت، جسیم، اور ذہین و عقلمند ہوتی ہے، اس نے اٹھائیس ہزار بچوں پر جن میں مرد، عورت، امریکن، یورپین اور جاپانی سب شامل تھے، یہ تجربہ کیا، اور نتیجہ کی یکسانی ہر جگہ قائم رہی، اس سے پہلے نظریہ کی غلطی ثابت ہوتی ہے، اور یہ نظریہ قائم ہوتا ہے کہ ہر نسل دوسری نسل سے زیادہ طویل القامت اور تنومند ہوتی ہے،

تمدن اور حواس

تمدنی ترقی کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے انسان کے حواس ضعیف ہو جاتے ہیں، اس لئے تمدن انسان کے حواس وحشی قوموں سے ضعیف ہوتے ہیں، اور جانوروں کے حواس وحشی آدمیوں سے بھی زیادہ قوی ہوتے ہیں،

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان جس قدر ترقی کریگا، اوس کے حواس ضعیف ہوتے جائین گے، حال مین ایک امریکن عالم نے یہ تجربہ کیا ہے، کہ متمدن شہرون مین سڑکون پر جو شور و غل ہوتا ہے، اس سے قوتِ سامعہ بتدریج ضعیف ہورہی ہے، اور بہرا پن عام طور پر پھیل رہا ہے، جو رفتہ رفتہ آیندہ نسلون مین ایک موروثی چیز ہوجائیگا، اور اون مین قوتِ سامعہ بالکل مفقود ہوجائیگی،

بولنے والی گھڑی،

پیرس مین ایک عجیب و غریب گھڑی نصب کی گئی ہے، جو ٹیلیفون پر سوال کرنے سے خود وقت بتا دیتی ہے، اس گھڑی کا سلسلہ بیس ٹیلیفونون سے ملا ہوا ہے، جو ایک ہی وقت مین بیس آدمیون کو وقت بتا دیتی ہے،

زلزلہ پیدا کرنے والا آلہ،

ایک امریکن نے ایک عظیم الشان آلہ ایجاد کیا ہے، جو بوقت ضرورت زمین مین زلزلہ خیز حرکت پیدا کر سکتا ہے، اس آلہ کے ایجاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید عمارتون کے مکمل ہونے سے پہلے یہ تجربہ کر لیا جائے کہ وہ زلزلہ کے مقابلے کی کس قدر طاقت رکھتی ہین،

آنتون کے دیکھنے کا آلہ،

ایک جرمن ڈاکٹر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جسکو ایک انسان جب نگل لیتا ہے، تو اس کے ذریعہ سے پیٹ کی تمام آنتین نمایان ہوجاتی ہین،

نطق پیدا کرنے والا آلہ،

بعض لوگ آپریشن یا کسی جسمانی صدمہ کے پہنچ جانے سے بول نہین سکتے، لیکن ایک فرنچ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جسکے ذریعہ سے ان کی قوت گویائی عود کر آسکتی ہے، یہ ایک چھوٹا سا آلہ ہے، جو ایک نلکی مین لگا رہتا ہے، مریض اپنا منہ اس پر رکھکر بولنا چاہتا ہے تو اس کے منہ سے صرف ہوا نکلتی ہے، لیکن یہ آلہ اس ہوا کو الفاظ کے قالب مین بدل دیتا ہے جس سے جملے بآسانی سمجھ مین آجاتے ہین،

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگرؔ مرادآبادی

کوئی کمی نہ اے غمِ اشک آفریں رہے　　یہ آستیں رہے، کبھی یہ آستیں رہے
کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے　　جبتک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے
ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے　　اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے
میری زباں پہ شکوۂ درد آفریں رہے　　شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے
جب تک الٰہی جسم میں جانِ حزیں رہے　　نظریں مری جواں رہیں دل حسیں رہے
یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو　　دستِ جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے
تا چند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں　　میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے
مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں　　قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے
جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر　　اے عشق ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے
دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے　　حیران ہوں میں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے
اے عشقِ نالہ کش تری غیرت کو کیا ہوا　　ہے ہے عرق عرق وہ تنِ نازنیں رہے

اللہ ری چشم یار کی معجز بیانیان، ہراک کو ہے گمان کہ مخاطب ہمین رہے
ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر مین ہے، محدود سجدہ کیا مرا ذوقِ جبین رہے،
کس درد سے کسی نے کہا آج بزم مین، اچھا یہ ہے، وہ "ننگِ محبت" ہمین رہے
اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا،
رونے کی حسرتین ہین جب آنسو نہین رہے

راحت کدہ

از

جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

دل، کہ تمھارے عشق مین درد سے آشنا ہوا ریزۂ سنگ تھا مگر، گوہرِ بے بہا ہوا،
میرا سرِ جنون پسند دیر و حرم مین تھا بلند تیرے حضور مین مگر شوق سے ہے جھکا ہوا،
فصلِ بہار آگئی، سارے جہان پہ چھا گئی، میرا دلِ حزین مگر سوگ مین ہے پڑا ہوا،
دل کہ ریاضِ طور تھا میکدۂ سرور تھا آج وفورِ یاس سے خاک مین ہے ملا ہوا،
ٹوٹ گیا ہے سازِ دل فاش ہوا ہے رازِ دل سوزِ شکستِ آرزو نالون مین ہے بھرا ہوا،
بحرِ جہان ہے بیکران زیست حبابِ ناتوان موجِ فنا ہوئی روان دم مین وہین ہوا ہوا،
"راحت جان"! ترا اثر سب ہوا ہے بے خبر، اک ترا ذکر ہے مگر تارکِ ماسوا ہوا،

باب التقریظ والانتقاد

"قرونِ وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب"

از

رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا،

اس وقت ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد جن طریقون سے ہندوستانی زبان کی خدمت کر رہی ہے، ان مین اوس کے سالانہ علمی لکچرون کا سلسلہ جو وہ ہر سال ملک کے برگزیدہ مصنفون اور انشا پردازون سے دلواتی ہے نہایت اہم متعدد لکچر کتاب کی صورت مین شائع ہو چکے ہین جن سے ہندوستانی علوم و فنون، مذہب اور تاریخ کے متعلق نہایت وسیع لٹریچر فراہم ہو گیا ہے، کتاب زیر نظر بھی ان تین خطبون کا مجموعہ ہے جو رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا نے ہندوستانی اکاڈیمی نے مورخہ ۲۴، ۲۵، ۲۶ ستمبر ۱۹۲۸ء کو دلوائے، یہ خطبے اگرچہ ہندی زبان مین دئے گئے تھے لیکن اکاڈمی نے ان کا نہایت سلیس اردو ترجمہ ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جس سے اردو دان طبقہ بھی اون سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے،

مقرر نے تمہید مین اون کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے ان خطبون کو مرتب کیا گیا ہے، اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستانی تہذیب پر جن کتابون سے مدد لی جا سکتی ہے، ان سب سے مقرر نے فائدہ اٹھایا ہے،

پہلی تقریر اون مذاہب پر ہے، جو قرونِ وسطیٰ مین ہندوستان مین پیدا ہوئے اور ترقی کی، اسی سلسلے مین لکچرار نے اس دور کی معاشرت کو بھی لیا ہے، اور پوشاک، زیور، غذا اور خلق و عادات کی تفصیل کی ہے، اور جا بجا ان کے تغیر و تبدل کے اسباب و علل بھی بیان کئے ہین مثلاً غذا کے متعلق لکھا ہے، کہ مہاتما بودھ کے قبل گوشت کا بہت رواج تھا، جین اور بودھ دھرم کے

اثر سے رفتہ رفتہ اس کا رواج کم ہوتا گیا، پردہ کے متعلق لکھا ہے کہ اُس زمانہ مین پردہ کا رواج نہ تھا مسلمانون کے آنیکے بعد پردہ کا رواج شروع ہوا، غرض مذہب و معاشرت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اوس کے تغیر و تبدل اور عروج و زوال کی پوری تاریخ مستند حوالون سے بیان کر دی ہے،

اس تقریر کا ترجمہ ۸۲ صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد دوسری تقریر اس دور کی ادبیات پر ہے، اور اس سلسلے مین مقرر نے علوم و فنون کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، بالخصوص فلسفہ کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اسی سلسلہ مین تعلیم کی وسعت کا بھی ذکر کیا ہے، اور متعدد کالج، یا دار العلوم یا یونیورسٹیون کا ذکر کیا ہے، مقرر نے اگرچہ ان تقریرون مین کہین تعصب اور بیجا طعن و تعریض سے کام نہین لیا ہے، تاہم نالندا کے دار العلوم اور جامع بکرمشلا کے متعلق اگر یہ فقرے:-

"مسلمانون کے زمانہ مین اس یادگار اور فیض بار جامعہ کی ہستی خاک مین مل گئی"

"یہ جامعہ بھی مسلمانون کے زمانہ مین غارت ہوا"

ان کی زبان سے نہ نکلتے تو بہتر ہوتا، نالندا سے مقصود اگر بہار ہے، تو یقیناً نالندا کی تباہی اسلامی فتوحات کا نتیجہ ہے مگر بکرمشلا کی نسبت کوئی تاریخی شہادت ہماری نظر سے نہین گذری ہے، یہ تقریر پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات مین ختم ہوئی ہے، اس کے بعد تیسری تقریر نظامِ سلطنت اور صنعت و حرفت پر ہے، اور اس مین ہندوستانی تجارت، مالیات اور فنونِ لطیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور ہر تقریر مین جا بجا تصویرین اور نقشے دئے گئے ہین، پوری کتاب کی ضخامت ۲۳۸ صفحون کی ہے، اور عمدہ ٹائپ مین شائع ہوئی ہے، اور ہر حیثیت سے دلچسپ، پر از معلومات اور دلآویز ہے، "ع"

عرب و ہند کے تعلقات

عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولینا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد مین دیے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ مین مجلد شایع ہوئے ہین، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۲ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ تخت طاؤس

از مولوی محمد عبد اللطیف خانصاحب قادری سابق معلم گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری (یوپی) ناشر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشرز بک سیلرز لاہور قیمت مجلد عہ

"تاریخ تخت طاؤس" میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شاہجہانی تخت طاؤس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے لیکن یہ مجموعہ صرف اسی تخت کی تاریخ پر مشتمل نہیں، مصنف نے "متن" و "حواشی" کے دو طریق تحریر پر مستقل طور پر قائم کئے ہیں، متن میں تو تخت کی ساری سرگذشت کے ساتھ عہد شاہجہانی کے فنون جمیلہ کی گویا اجمالی سرگذشت درج کی گئی ہے، اور پھر عہد شاہجہانی سے دور حاضر تک اس تخت پر جو ادوار گذرے، اور بعد میں اس کے جو ہمنام تخت بنے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حواشی میں متن کے مندرجہ تاریخی اشخاص مقامات آثار سالانہ جشن و رسوم اور مختلف تاریخی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، اس طرح تخت طاؤس کی مختصر سرگذشت کا مجموعہ ۲۰×۳۰ تقطیع کے ۱۴۴ صفحوں میں پھیل گیا ہے،

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصنف نے اس تخت کے ایک ایک جز پر نہایت تحقیق، تفصیل اور جزئی استقصا سے نظر ڈالی ہے، جو اہم سے اہم تاریخی مباحث پر ڈالی جا سکتی ہے، گو یہ مختلف روایتوں کے بعد غلط و صحیح میں کہیں کہیں وہ مباحث تشنۂ تحقیق نہیں ہوئے ہیں، کہیں دور حاضر میں کسی رسالہ میں کسی شائع شدہ مضمون کے اقتباس سے کسی مستند و بنیادی روایت کا رد کیا گیا ہے، اور نیز جزئی استقصا کے تخیل سے کہیں کہیں حواشی کا تعلق متن سے اس قدر دور کا نظر آتا ہے، کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو کسی پڑھنے والے کو جستجو نہ ہوتی، اسی طرح حوالوں کی بہتات ہے، اور کہیں کہیں وہ حوالے خود محتاج حوالہ ہیں، مثلاً کہیں کہیں حوالہ میں محض اتنی ذرا مضمون خود شائع شدہ در جریدہ فلاں ہے، اور کہیں یہ نظر آتا ہے کہ ہر مطبوعہ ورق کو قابل استناد سمجھ لیا گیا ہے،

حالانکہ آسانی سے مستند ماخذون سے رجوع کرکے تحقیق کرلیجا سکتی تھی، مثلاً نادرشاہ کے سوانح "بڑی جنتری" سے ماخوذ ہین، عام ازین کہ جو واقعات درج ہین، وہ صحیح کیون نہ ہون، لیکن مستند ماخذون کو چھوڑکر غیر مستند ماخذون سے اوسکو جمع کردینا، اس دقت نظر کے اقتضاء کے خلاف ہے، جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہی ہے، اور دوسری طرف مصنف نے کسی مورخ کے محض ایک ایک جملہ یا لفظ پر صفحون مین بحث کی ہے، لیکن اس کے یہ معنی بھی نہین ہین کہ تخت طاوس وغیرہ کے اصل فارسی ماخذون کی طرف رجوع نہین کیا گیا، مصنف نے عہد شاہجہان کے قریب سے قریب فارسی ماخذون سے فائدہ اوٹھانے کی کوشش کی، قابل شکایت صرف یہ ہے کہ ہر رطب ویابس کو ماخذ بنا لیا،

لیکن بہرحال ان فروعی خردہ گیریون کو نظر انداز کرکے یہ کتاب دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اور مصنف کی ذہنی استعداد اور تحقیق وتلاش کے رجحانات کی آئینہ دار ہے، اور عام ازین کہ موضوع کتاب پر مستزاد ہو، لیکن خصوصاً عہد شاہجہانی، اور عموماً مغلی عہد کے فنون جمیلہ تعمیرات، مصوری اور نقاشی کا ایک خوشنما گلدستہ ہے، جس سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لطف اندوز ہو سکتے ہین،

کتاب کے آغاز مین جناب سید ظہیر الدین صاحب علوی ایم اے، وکیل فرخ آباد کا ایک "تبصرہ وتعارف" بھی ہے، لیکن اس کے اکثر مباحث بے محل، بلا ضرورت، اور بتقدین غیر صحیح ہین، مصنف نے کتاب کے اشخاص، مقامات اور ماخذون وغیرہ کی مفصل فہرست (انڈکس) ابتدا مین منسلک کردی ہے،

جامع اللغات

مرتبہ جناب خواجہ عبدالمجید صاحب بی اے، ناشر جامع اللغات کمپنی گوبندرام اسٹریٹ لاہور،

جامع اللغات اگرچہ اردو کا لغت ہے، لیکن اس کی تدوین اس نقطۂ نظر سے عمل مین آئی ہے، کہ اون الفاظ، لغات ومحاورات ضرب الامثال اور مقولون کو یکجا کیا جائے، جو اردو، یا ہندوستانی بولنے والون مین سے کسی نہ کسی طبقہ کی زبان پر ہین، اور وہ اردو تحریرون مین صحیح یا غلط طور پر لکھے بھی جاتے ہین، اسی لئے کتاب کا نام "جامع اللغات اردو والسنہ متعلقہ" رکھا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے اس مین اردو الفاظ ومحاورات کے ماسوا، ہندی، سنسکرت، فارسی وعربی، پنجابی اور انگریزی کے ایسے بکثرت الفاظ اور محاورے بھی درج ہین، جن کا استعمال اگرچہ صحیح اردو مین جائز نہ ہو، تاہم وہ اردو کے رسالون اخبارون اور کتابون مین کسی نہ کسی طرح

[illegible] نے اس کی اشاعت کا ماہانہ انتظام کیا ہے، گویا جامع اللغات ٢٦×٣٠/٤ تقطیع کے ٨٠ صفحون کا ایک ماہوار رسالہ ہے جس کا ہر پرچہ یا لغت کا ہر حصہ عمدہ، سپید، چکنے کاغذ پر چھپ کر ملتا ہے، اس وقت تک دو پرچے یا حصے ہیں موصول ہو چکے ہیں جن میں آخری لفظ "اڈورڈ" ہے۔

اس لغت کی مدد سے محض ایک اردو دان، اردو کی ان تحریرون کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے، جو "ہندوستانی" زبان کے بجائے "ہندوانی زبان" میں ہوتی ہیں، نیز انگریزی زبان کے بھی ایسے الفاظ ملجاتے ہیں، جو اردو میں بے تکلف لیکن بلا ضرورت استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً "اڈمشن" (رد داخلہ) لیکن اگر کتاب کو استقصاء سے دیکھا جائے، تو شاید مسامحات سے بھی خالی نہ ہو، مثلاً "ابو المعالی" کے ضمن میں ایک ترک شاعر ایک ایرانی شاعر اور مصنف تحفۃ القادریہ کا تذکرہ موجود ہے [illegible] ابو المعالی علی عبد الملک الجوینی کو جن کا تذکرہ موجود نہیں، اسی طرح امام ابو الحسن اشعری کو [illegible] تصنیف کین "بتانے کے بجائے یہ کہا جا سکتا تھا مذہب اشاعرہ کے بانی ہیں انکی کلام وعقائد میں کثرت [illegible] ذات کا [illegible] وصف مذہب اشاعرہ کا بانی ہونا ہی ہے، مگر ایسے مسامحات کو محض خردہ گیری ہی کہا جا سکتا ہے [illegible] اور محاورون اور ضرب الامثال میں جو اجنبیت ہمیں نظر آتی ہے، اون پر خاموش ہونا پڑتا ہے، اگر کسی نہ کسی اردو تحریر میں یہ حال اونکا استعمال نہ ہوگا ورنہ مصنف کو ان اوراق میں انھیں جگہ دینے کی کیا ضرورت پیش آتی [illegible] تصریح کی بھی شاید ضرورت نہ ہو کہ مفرد الفاظ و محاورات میں اردو کے علاوہ زیادہ الفاظ ہندی اور سنسکرت زبانوں کے ہیں، کہ انھی زبانوں کے نامانوس الفاظ ہمارے برادران وطن کے ایک طبقہ کی کرمفرمائی سے [illegible] اردو دانوں کی حسب خواہش کے بغیر [illegible] بہر صورت مرتب کتاب جناب خواجہ عبد المجید صاحب لائق صد ستائش ہیں، کہ وہ اپنی انفرادی کوششون [illegible] سے [illegible] کی دیدہ ریزی کے بعد یہ مجموعہ تیار کر سکے ہیں، [illegible] یقیناً اسکی موجودگی سے ہر قسم کی اردو تحریرین پڑھی جا سکتی ہیں [illegible] لغات میں ذات کے معنی و تشریح کے علاوہ [illegible] تحقیق [illegible] بھی [illegible] ہو سکتی ہے [illegible]

اچھی باتین، ازمولانا سعدالدین انصاری ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی چھوٹی تقطیع ۷۸ صفحے قیمت ۴ر

"اچھی باتین" دراصل بچون کے لئے آیاتِ قرآنی کی تعلیم کا مجموعۂ اسباق ہے، مثلاً مرتب نے کسی ایک آیت کو لیا، اس آیت اور بچون کے ذوق کے مناسب حال، اوپر عنوان قائم کیا، آیت کے پہلو مین سلیس اور آسان زبان مین اردو ترجمہ درج کیا، اس کے نیچے تفسیر کا عنوان ہے، جسمین آیت کے مطالب کی تشریح بچون کے ذوق اور فہم کا لحاظ رکھکر موثر انداز مین کی ہی، اس طرح ایک ایک آیت کا ایک ایک سبق ایک ایک صفحہ مین التزام سے درج ہے، آیتون کے انتخاب مین لحاظ رکھا ہے، کہ وہ بچون کے لئے موثر ہون، اوران کی تعلیم وتربیت کا بھی کام دین، اسلامی مدارس کیلئے اگر ایسے ہی رسالے ترتیب دے جائین تو نہ صرف مفید دینی خدمت ہو، بلکہ مسلمان بچون کی تعلیم وتربیت آغاز ہی سے صحیح طریق پر انجام پائے،

سرکارِ دوعالم، مولفہ مولوی محمد حسین حسان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، حجم ۱۲۹ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی نے بچون کیلئے آنحضرت صلعم کی سیرت سلیس اور آسان زبان مین لکھی ہی، واقعات کو مختصر انداز بیان مین سمجھایا ہی، اور اخلاقِ نبوی کے بیان کو زیادہ جگہ دی ہی، سیرت نبوی مین جو مختصر رسالے بچون کے لئے لکھے گئے ہین، اون مین اس رسالہ کو نمایان حیثیت حاصل ہی، بچون کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

مُعینُ اللبیب فی قصائدِ الحبیب مرتب مولٰنا محمد اعزاز علی صاحب ناشر ناظم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور حجم ۸۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند، دور حاضر کے افاضل مین تھے، زیر تبصرہ رسالہ انھی کے چند عربی قصائد کا مجموعہ ہی، جس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مختلف نظمین، دعائے مضطر، شمائل ومعجزات نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور عروج وزوال اسلام پر ہین، اور دوسرے حصہ مین مختلف اکابر وعلما، مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم اور مولانا احمد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کی شان مین مرثیے اور قصائد ہین، اوراسی طرح چند قصائد حضور نظام آصفجاہ کی شان مین بھی ہین، توقع ہی کہ عربی علم ادب سے ذوق رکھنے والے اہلِ علم اور مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے مستفید ہون گے،

"س"

دار المصنفین کی فلسفیانہ کتابیں

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، اردو میں فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے، قیمت:۔ عمر

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت عمر، حجم ۲۴۰ صفحے،

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فصیح اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے، قیمت:۔ عمر

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی شرقی زبان میں کیا کسی غربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۱۹۹ صفحے، قیمت:۔ ۱۲ر

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں، طبع دوم، قیمت:۔ عا، ضخامت ۱۶۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت عام

طبقات الامم، اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی سنہ ۴۶۲ھ کی کتاب جس میں مصنف نے اپنے زمانہ تک کی تمام قوموں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی میں لکھی تھی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے اسکو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور جا بجا حاشیوں میں علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہیں، ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت عمر

سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے رطب و یابس واقعات تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تمام روایتوں سے قطع نظر کر لی گئی ہے اور صرف وہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، اور جن کی صحت میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، تاریخ و سیر سے بھی وہی واقعات لیے گئے ہیں جن کی صحت و روایت کمزور و مشکوک نہ ہو۔

اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم ضخامت ۱۰۵ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible] تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از ۸ھ تا ۱۱ھ جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے، طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۳۵۱ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ [illegible] طبع دوم بتقطیع خورد ضخامت ۴۳۸ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible] ہے

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات معجزات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ معجزات ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۵۹۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible] طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۹۴۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

ایضاً جلد چہارم منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اثر، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ... صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible] تقطیع کلاں،

ملنے کا پتہ: منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

(طابع و ناشر محمد ادریس وارثی)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰۷ جون سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

تصانیف شبلیؒ

الفاروق - یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کا نپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم - فارسی شاعری کی تاریخ، جس میں حصۂ اول میں، شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیوں اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعرا (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور اُن کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت سے

حصۂ دوم: شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت ۱۲

حصۂ سوم: شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت ۱۲

حصۂ چہارم: اس حصہ میں تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہے کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع و اقسام میں سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت عہ

حصۂ پنجم: اس میں قصیدہ، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت عار

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیاں، اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۴ صفحے قیمت ۱۲

الکلام - مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت عار

جلد ۳۱	ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

تبلیغِ دین مسلمانون کا فریضہ ہے، لیکن اس فرض کو ہم کہانتک ادا کر رہے ہین، اسکا جواب بجز ندامت اور اعتراف قصور کے ہم کیا دیسکتے ہین، آجکل کی دنیا مین تبلیغ کی سب سے منظم شکل اخبارات ورسائل ہین، ہمارے ادبی وعلمی رسالے توشائد ہزارون ہون، لیکن ہمارے مذہبی رسالون کی تعداد مشکل سے چند ہو، اور خصوصاً ہمارے صوبہ مین تو ایک بھی ایسا مذہبی رسالہ نہین جسمین دین ومذہب کے متعلق اعلیٰ مضامین اور مسلمانون کے دینی وتمدنی واخلاقی اصلاحات پر معتدل خیالات شایع ہون، درآنحالیکہ الحاد کے سرچشمے یہین کے دارالحکومت سے ابل رہے ہین، اسی بنا پر چند دردمند اصحاب نے یہ ارادہ کیا ہے کہ **اصلاح** کے نام سے لکھنؤ سے ایک ماہوار مذہبی واخلاقی واصلاحی رسالہ نکالین، ہمارے نوجوان عزیز مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نگرامی ندوی نے اسکی ادارت کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، قیمت سالانہ تین روپیے ہوگی، دین کے دردمندون سے درخواست ہے کہ وہ خریداری سے اس مقدس کام کی اعانت کرین، پتہ دفتر اصلاح، نگرام پوسٹ لکھنؤ، اگر کوئی صاحب ہمت اس ضروری کام مین مالی مدد فرمائین تو اجر جزیل کے مستحق ہونگے،

دارالعلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ کی مجلس طلبا ے قدیم گو ایک مدت سے قائم تھی، مگر ادھر چند سالون سے وہ مردہ سی ہوکر رہ گئی تھی، اب مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی اور دوسرے ارباب ہمت برادران ندوہ کی کوششون سے اس نے نئی زندگی پائی ہے، پچھلے سال دسمبر ۱۹۳۲ء کا اجلاس خاص طور سے اہم تھا، کہ اسکے مقامی صدر استقبالی مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ، اور صدر اجلاس مولنا مسعود علی صاحب ندوی تھے، اس اجلاس مین مولنا عبدالماجد صاحب نے صدر استقبالی کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھکر سنایا تھا وہ ادب وانشا کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے علاوہ اپنی روحانی تاثیر کے لحاظ سے بیحد قابل قدر تھا، کتنی آنکھین تھین جو اس خطبہ کے سنتے وقت اشکبار تھین، صاحب صدر مولانا مسعود علی صاحب کا زبانی

خطبہ حسب معمول زندگی اور زندہ دلی کی تصویر تھا، جس نے روتون کو بھی ہنسا دیا،

گریانم وخندانم چون طفل بخواب اندر

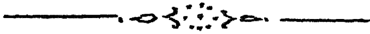
مولوی رئیس احمد صاحب ندوی نے ندوۃ العلما، کے ان "اطفال قدیم" کے اس "گریان وخندان خواب" کا مرقع کاغذ پر کھینچکر جلسۂ مذکور کی روداد کی صورت مین شائع کیا ہے، یہ مطبوعہ روداد جسمین دونون خطبے اور جلسہ کے مشاعرہ کی غزلین، اور ہمدردون کے خطوط بھی شامل ہین، مولوی صاحب سے قرول باغ جامعہ ملیہ دہلی کے پتہ سے ملیگی،

اس دفعہ لاہور کے سفر مین یہان کی تاریخی عمارتون کے دیکھنے کا موقع ملا، یہ دیکھکر اور سنکر بڑا افسوس ہوا، کہ سکھون کے چند سالہ عہد حکومت مین یہان کی اکثر اسلامی عمارتون کو شدید نقصان پہنچایا گیا، یہان کی مسجدون اور مقبرون کے پتھرون اور طلائی کامون کو اکھاڑ اکھاڑ کر امرتسر کے سکھ معبدون کو آراستہ کیا گیا، سب سے زیادہ افسوسناک منظر یہ ہے کہ لطافت ونزاکت کی مجسمہ بیگم نورجہان کے مقبرہ کی عمارت کے ایک ایک پتھر کو نوچکر اس طرح اسکو برہنہ کردیا گیا ہے کہ دنیا کی نسوانیت اسکی اس قابل رحم حالت پر ہمیشہ کے لیے سوگوار اور ماتم گسار رہیگی، خدا مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب پر اپنی رحمت نازل کرے کہ ان کی قومی غیرت نے بیگم اور اسکی لاڈلی بیٹی کی برہنہ قبرون پر سپید سنگ مرمر کی دو چادرین اڑھادی ہین، اور کتبہ کا پتھر لگاکر ان کے نامون کو مٹنے سے بچالیا ہے،

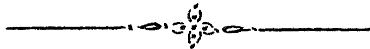
یہی کیفیت نورجہان کے بھائی، اور جہانگیر کے وزیر آصف خان کے مقبرہ کی کیگئی ہے، عمارت کے گوشہ گوشہ پر عبرت کی آنکھین آنسو بہارہی ہین، خود جہانگیر کے مقبرہ کو گو ہاتھ نہین لگایا گیا ہے، تاہم اس کے سر کا تاج بھی اتار لیا گیا ہے، یعنی مقبرہ کی دوسری منزل پر سپید مرمر کی بارہ دری تھی، یہ بارہ دری سکھون نے وہان سے اکھاڑلی، اور ایک دوسری جگہ لے جاکر اس کو آسمان سے اتار کر زمین پر پٹک دیا ہے، یعنی زمین پر اس کے ٹکڑون کو جوڑ کر دوبارہ بارہ دری بنائی ہے، یہ بارہ دری بھی انقلابات کے گرد وغبار سے اٹکر زمین مین چھپ گئی تھی، چند سال ہوے

کہ اب حکومت انگریزی نے مٹی ہٹا کر اس سنگی خزانہ کو دوبارہ زمین سے نکالا ہے،

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا مٹے نامیون کے نشان کیسے کیسے



پچھلے مہینہ کی اسلامی دنیا مین مشرقی ترکستان مین وہ عظیم الشان انقلاب پیش آیا جسکا انتظار ہماری آنکھون کو دس پندرہ برس سے تھا، ترکستان کا یہ اہم خطہ جسپر صدیون سے چین نے قبضہ کر رکھا تھا، اسلامی تاریخ مین مسلمان فاتحون اور کشور کشاؤن کا گہوارہ رہا ہی، یہین وہ ایلک خانی خاندان جو آل افراسیاب اور ملوک خانیہ بھی کہلاتا ہی، تیسری صدی سے چھٹی صدی تک فرمانروا رہا ہے، جس نے ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری طرف ملکشاہ سلجوقی کو مصالحت اور مصاہرت پر مجبور کر دیا تھا، چینیون نے اس پر بار بار حملے کئے ہین، اور پھر اس نے خود مختاری حاصل کر لی ہی، ۱۸۷۰ء مین یعقوب خان کی سرداری مین اس ملک نے خود مختاری حاصل کی، لیکن سات برس کے بعد اسپر چینیون نے پھر قبضہ کر لیا، نا اتفاقی کا برا ہو جس نے ہمیشہ ہر ملک کی خود مختاری کا خاتمہ کیا ہے، خدا اس دفعہ ہمارے ان مشرقی ترک بھائیون کو اس سے محفوظ رکھے اور دوسری طرف بالشویک روس کے پنجہ سے بچائے، تو یہ نئی اسلامی سلطنت کشمیر و تبت اور افغانستان و چین و روس کے بیچ مین اسلامی تمدن کا نیا منارہ بنکر کھڑی ہوگی،



قوم کے غمخوارون مین مشورے ہو رہے ہین، کہ مریض جان ملب کے علاج کے لیے مسلم لیگ کو پھر پوری اجتماعی قوت سے زندہ کیا جائے، یہ خیال مبارک ہی، مگر اس کے انسداد کی تدبیر کیا ہے، کہ ہم مین سے کسی اختلاف کے موقع پر پھر ایک جماعت ٹوٹکر ایک نئی مسلم لیگ، یا نئی مسلم کانفرنس نہ بنالیگی، جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک ہم نے بچون کی طرح سیاسی کھلونون کے بنانے اور توڑنے کے سوا اور کیا کیا ہے، جبتک ہم یہ عزم نہ کرلین کہ ہماری ہمیشہ ایک ہی سیاسی مجلس ہوگی، اور جو فرقہ کسی اختلاف کی بنا پر کوئی الگ رائے قائم کریگا، وہ اس مجلس کو توڑنے اور دوسری سیاسی مجلس کے بنانے کے بجائے وہ اس پرانی مجلس کا ایسا فریق اقلیت بنکر رہیگا جو آئینی جدوجہد سے اپنی اکثریت کیلئے ہمیشہ کوشان رہیگا، اس وقت تک مسلم لیگ کے احیا کی یہ دوبارہ کوشش بھی وقتی تفریح طبع سے زیادہ وقیع نہین ہے،

مقالات

انکارِ حدیث

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

اب حضرت عمرؓ کے ان واقعات کو لیجئے، جو مخالفتِ حدیث کی بنیاد کہے جاتے ہین،

۱- آپکی مخالفتِ حدیث کے ثبوت مین ایک واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ فرماتے تھے "حسبنا کتاب اللہ" یعنی ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جب آپ خدا کی کتاب کو کافی سمجھتے تھے تو اسکا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حدیثون کو لائقِ التفات نہ خیال کرتے تھے، بیشک یہ جملہ حضرت عمرؓ کا ہے، لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہین اور نہ اسکے وہ معنی ہین جو منکرینِ حدیث نکالتے ہین، حدیث و رجال کی کسی کتاب مین یہ جملہ اس معنی و مفہوم مین میری نظر سے نہین گذرا، حدیث کیا طبقات و تاریخ مین بھی اس معنی مین یہ جملہ نہین ملسکتا، حدیث کی کتابون مین یہ جملہ صرف ایک موقع پر آیا ہے، اور یہ موقعہ وہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مرض الموت مین فرمایا کہ قلم دوات لاؤ مین تمہارے لیے کچھ لکھدون تاکہ تم گمراہ نہ ہو تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آپ نے غفلت کی حالت مین ایسا فرمایا ہے، اور درد کی تکلیف آپکو زیادہ ہے، ایسی حالت مین آپکو لکھنے لکھانے کی زحمت دینا مناسب نہین ہے، یہ جملہ کہا، اصل روایت کے الفاظ یہ ہین،

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ، اسوقت آپ پر درد کا غلبہ ہے، تمہارے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے،

ظاہر ہے کہ اس کو مخالفتِ حدیث سے کوئی تعلق نہین بلکہ خاص اس واقعہ سے متعلق ہے، دوسرے موقع پر یہ جملہ تاریخ اور بعض رجال کی کتابون مین بھی ملتا ہے، جب مسلمانون نے عجم فتح کیا تو وہان کچھ عجمی کتابین ہاتھ آئین حضرت

عمرؓ کو ان کی اطلاع دیگئی، یا آپ کے پاس لائی گئین آپ نے فرمایا ہم کو ان کی ضرورت نہین "حسبنا کتاب اللہ" کہان کا جملہ کہان پیش کیا جاتا ہے، کجا فرمانِ رسول اور کجا عجم کی زہر آلود فلسفیانہ کتابین، "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"؛ ممکن ہے اسی قبیل کے واقعات مین کہین اور بھی یہ جملہ جسکا مجھے علم نہین نکل آئے لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہین ہو سکتا،

نمبر ۲۔ دوسرا واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے قرظہ بن کعب کو عراق بھیجتے وقت روایت حدیث کی ممانعت کی تھی، اور جب ممانعت کی تھی تو لامحالہ آپ مخالف رہے ہونگے، لیکن اولاً یہی صحیح نہین کہ آپ نے مطلقاً روایت کی ممانعت فرمائی تھی، بلکہ تقلیل روایت کا حکم دیا تھا، اور وہ بھی ایک خاص مصلحت کی بنا جس کو انھون نے خود بیان کر دیا ہے،

فانکم تأتون اھل قریۃ لھم دوی بالقرآن کدوی النحل فلاتصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جردوا القرآن، واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم، (تذکرۃ الحفاظ)

تم لوگ ایسے مقام پر جا رہے ہو جہان کے لوگون کی آوازین قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کیطرح گونجتی رہتی ہین تم لوگ انکو حدیثون مین روک کر قرآن سے غافل نہ کر دینا، قرآن کو بے آمیز رکھو اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو،

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے مطلق روایت حدیث سے نہین روکا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ کم روایت کرنا اور وہ بھی اس خطرہ سے بچنے کے لیے کہ یہ ابھی نو مسلم ہین، ابھی قرآن کے سبق سے اُن کو فرصت نہین ملی، احادیث کا درس کیا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ لوگ حدیث کی طرف متوجہ ہو جائین اور قرآن کو چھوڑ بیٹھین،

۳۔ تیسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو سلمہ نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ تم عمرؓ کے زمانہ مین بھی اس طرح حدیثین بیان کرتے تھے، انھون نے جواب دیا، اگر مین ان کے زمانہ مین اسی طرح بیان کرتا تو وہ مجھے مارتے، (تذکرۃ الحفاظ)

لیکن یہ روایت کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے، اولاً اس کی سند مجروح ہے، اسکا سلسلۂ سندیہ

دراوردی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ، اس روایت مین دراوردی راوی جن سے امام ذہبی نے یہ روایت نقل کی ہے محدث عبدالعزیز دراوردی ہین جنھون نے ۱۸۶ھ مین وفات پائی (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۴۵) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر مین پیدا ہوئے، اس لیے دراوردی سے انکی روایت موقوف ہے، دوسرے محمد بن عمرو بن علقمہ جن سے دراوردی نے یہ روایت لی ہے، ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ قابل اعتماد نہین ہین، گو محدثین نے ان سے روایتین کی ہین لیکن ان کی روایات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے ہے، ابن معین کا بیان ہے کہ لوگ ہمیشہ محمد بن عمرو کی روایت سے احتراز کرتے تھے، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی ان کی روایتون کو قوی نہین سمجھتے تھے، ابن سعد انکی اکثر روایتون کو ضعیف سمجھتے تھے، جو لوگ اچھی رائے بھی رکھتے تھے تو اسی حد تک کہ ان کی روایتونکو بالکل نظر انداز کرنے کے لائق نہین سمجھتے تھے. چنانکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہین "لا باس بہ" یعنی ان کی روایت مین کوئی مضائقہ نہین، ابن حبان انھین لائق اعتماد سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ روایتون مین غلطیان کرتے تھے (تہذیب ج ۹ ص ۳۷۶) ایسے ہوتے ہوئے محمد بن عمرو کی روایات اور وہ بھی اس قسم کی روایت کا جو اوپر نقل ہوئی ہے کیا پایہ ہو سکتا ہے،

لیکن بالفرض اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے حضرت عمرؓ کی مخالفتِ حدیث کا نتیجہ نہین نکلتا، ایسا نتیجہ نکالنا قبول حدیث کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول اور ابوہریرہ کے حالات سے لاعلمی کا ثبوت ہے، حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ وہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہین کرتے تھے، اس پر آیندہ مفصل بحث آئے گی، حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بال بچون کی فکرون سے آزاد سارا وقت خدمت نبوی مین گذارتے تھے، خلوت وجلوت مین ہر وقت ساتھ رہتے تھے، (مسند ج ۲ فضائل ابی ہریرہ) اسلیے انھون نے صدہا ایسی حدیثین سنی ہین جن کے سامع مین کوئی دوسرا ان کا شریک نہین ایسی حالت مین وہ ہر روایت کے ثبوت مین تائیدی شہادت کہان سے پیش کرتے اور جب ثبوت نہ پیش کرتے تو بہت ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ سزا دیتے، اس لیے ابوہریرہ کے بیان کا ہرگز یہ مقصد نہین ہے کہ حضرت

حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ راویون کو سزا دیتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہین قبول کرتے تھے اور یہ حدیثون کے باب مین انکی انتہائی احتیاط تھی، پھر بالفرض اگر انھون نے کسی ایک شخص کو کسی خاص مصلحت کی بنا پر کثرت روایت سے روک بھی دیا تو ایک شخص کو روکنا اور بات ہے اور مطلق روایت حدیث کو بند کر دینا اور بات، اگر وہ مطلق روایت کو بند کر دیتے تو البتہ اسکو حدیث کی مخالفت مین پیش کیا جاسکتا تھا، لیکن اوپر کی روایت مین اس کا کوئی ثبوت نہین،

۴ – چوتھا واقعہ ذہبی سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعود انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کر دیا تھا، (تذکرة الحفاظ ج اول ص ۷) اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ جو حدیثین روایت کرتے تھے روایت کے اہل ہی نہین تھے، ورنہ انھین حضرت عمرؓ قید کیون کرتے اور جب روایت کے اہل نہ تھے تو ان کی روایات بھی قابلِ حجت نہین ہو سکتین،

لیکن یہ روایت ہی سرے سے ناقابلِ قبول ہے، اس کی سند مین چند در چند نقائص ہین، پوری سند یہ ہے، معن بن عیسیٰ بن مالک عن عبداللہ بن ادریس عن شعبہ عن سعید بن ابراہیم عن ابیہ، اس کے راوی اول معن بن عیسیٰ اور امام ذہبی مین کئی صدیون کا فصل ہے، معن نے ۱۹۸ھ مین وفات پائی (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۲) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر مین پیدا ہوئے، اس لیے بغیر مسلسل سند کے اس روایت کی کوئی حیثیت نہین رہجاتی، پھر سعید بن ابراہیم کے نام کا کوئی راوی جرح سے خالی نہین ہے، لیکن اگر طباعت کی غلطی مان لیجائے تو سعد بن ابراہیم ہوسکتا ہے، اس نام کے ایک بزرگ شعبہ کے شیوخ مین ہین، لیکن پھر بھی یہ روایت موقوف رہتی ہے، اس لیے کہ امام بیہقی کے نزدیک ابراہیم کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہین ہے، (تہذیب التہذیب ج اوّل ص ۱۳۹) اس لیے حضرت عمرؓ کے کسی واقعہ مین بلا تسلسل سند کے تنہا ان کا بیان لائق اعتبار نہین ہوسکتا،

پھر سب سے بڑھ کر اس واقعہ کی تردید یہ ہو کہ اس روایت مین جن بزرگون پر کثرتِ روایت کا الزام عائد کیا جاتا ہے،

وہ اس کے محرم ہی نہ تھے ابن مسعود کی ہر قسم کی مرویات کی تعداد (۸۴۸) سے متجاوز نہیں ہے، ان میں سے بھی کل ۶۴ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ (۲۱) میں امام بخاری اور (۳۵) میں امام مسلم منفرد ہیں اور ان سب کی مجموعی تعداد (۱۱۰) سے نہیں بڑھتی (تہذیب الکمال ص ۲۱۴) جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، کہ ابو درداء اور ابو مسعود کی مرویات کی تعداد ان سے بھی کم ہے پھر ابن مسعود روایت حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ سال سال بھر گذر جاتا تھا اور ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا کلمہ نہ نکلتا تھا، جب کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو خوف سے تمام بدن میں رعشہ طاری ہو جاتا تھا، حدیث کے الفاظ کو بجنسہ آنحضرت صلعم کی جانب منسوب نہ کرتے تھے بلکہ بسبیل احتیاط یہ کہدیتے تھے کہ رسول اللہ نے اسی طریقہ سے یا اس کے قریب قریب یا اس کے مشابہ فرمایا ہے، حدیثوں میں رسول اللہ صلعم کے اصل الفاظ کو یاد رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو اس کی سخت تاکید کرتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲ و ۱۳) عمر بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کی زبان سے رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث نہیں سنی، اور قال رسول اللہ تو کسی روایت میں کہتے ہی نہ تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کرنے میں بے ساختہ ان کی زبان سے قال رسول اللہ نکل گیا، تو ایسی شدید ہیبت طاری ہوئی کہ سخت کرب میں مبتلا ہو گئے، پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا، پھر سنبھل کر کہا انشاء اللہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ایسی شدید احتیاط کے باوجود انھیں حدیثوں میں غیر محتاط کون کہہ سکتا ہے، ان کے ذاتی فضائل اور علمی کمالات کی بحث بہت طویل ہے، جس کا یہ موقعہ نہیں۔ وہ اپنے مذہبی معلومات کے اعتبار سے تمام صحابہ کی جماعت میں نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، کلام اللہ کی ستر سورتیں براہ راست رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے سنکر یاد کی تھیں، کوئی سورہ ایسی نہ تھی جس کے شان نزول کا انھیں علم نہ ہو، حفظ اور علم قرآن میں آنحضرت صلعم انھیں تمام صحابہ میں ممتاز سمجھتے تھے اور اس امتیاز کی سند بھی عطا فرمائی تھی، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو چار آدمیوں کو قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی ان میں

سب سے پہلا نام ابن مسعود کا ہے، (دیکھو مسلم ج ۲ فضائل ابن مسعود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، آپ کی مسواک کا انتظام، آپ کو جوتہ پہنانا، جوتہ اتارنا، آپ کا بستر درست کرنا، وضو کا پانی رکھنا، عصا کو لیکر چلنا، سفر مین سواری وغیرہ کا انتظام کرنا انھین سے متعلق تھا، ان خدمات کی وجہ سے صحابہ مین وہ "صاحب السواد" یعنی رسول اللہ کے سامان والے کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے، اس تقریب و خدمت کی وجہ سے یہ حضر و سفر مین ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور کاشانۂ نبوی مین کثرت آمد و رفت اور نشست و برخاست کی وجہ سے شہ اعمالِ نبوی کے سب سے بڑے واقفکار مانے جاتے تھے اور صحابہ انھین رکن اہلبیت تصور کرتے تھے، (تفصیل کے لیے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۳ ق اوّل ص ۱۰۸ و ۱۰۹ و مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن مسعود) ایسی حالت مین اگر ان کی روایات قابل اعتماد نہین ہوسکتین تو پھر کسکی ہونگی ؛

خود حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ ان کے کمالات علمی کے مداح و معترف تھے، حضرت عمرؓ انھین علم کا بھرا ہوا ظرف فرماتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول، تذکرہ ابن مسعود) زید بن وہب راوی ہین کہ مین لوگون کے ساتھ عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے مین ایک دبلا پتلا مختصر آدمی آیا، اُسے دیکھکر حضرت عمرؓ کا چہرہ بشاش ہوگیا، اور فرمایا علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، یہ ابن مسعود تھے (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اوّل ص ۱۱۰)

ان کو مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم اور نمونہ بنا کر بھیجتے تھے، اور ان کی تقلید کا حکم دیتے تھے، چنانچہ سنہ ۲۰ھ مین جب عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا تو عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت وزیر اور معلم انکے ساتھ کیا اور اہل کوفہ کے نام خط لکھا،

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرًا و عبداللہ	مین نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم
بن مسعود معلمًا و وزیرًا وھما من النجباء	اور وزیر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے یہ دونون رسول اللہ
من اصحاب رسول اللہ صلعم من اھل بدر	صلعم کے مقتدر صحابہ ہین اور بدری ہین، تم لوگ ان کی

فاقتدوا بهما واسمعوا وقد آثرتکم بعبد الله — تقلید کرنا اور ان کی اطاعت کرنا، میں نے تم کو اپنے اوپر

علی نفسی، (تذکرة الحفاظ ج اول ص ۱۳) — ترجیح دے کر عبد اللہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے،

یہی نہین بلکہ جو شخص مذہبی معاملات مین ان سے حجت کرتا تھا اس کو سزا دیتے تھے، ایک شخص کا ازار لٹکا ہوا تھا، ابن مسعودؓ نے اُسے ٹوکا اور کہا ازار اونچا کرو، اس نے کہا تم بھی اپنا ازار اونچا کرو، انھون نے کہا مین تمہاری طرح نہین ہون میری پنڈلیاں پتلی ہین

حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس آدمی کو مارا اور کہا کہ تم ابن مسعودؓ سے حجت کرتے تھے

(اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰)

ایسی حالت مین کہانتک یہ روایت قابل قبول ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کو کثرت روایت کے جرم مین قید کیا تھا،

حضرت ابو درداؓ بھی بڑے صاحب علم صحابی تھے خود امام ذہبی لکھتے ہین کہ ابو درداء امام ربانی حکیم الامت ان صحابہ مین تھے جنھین خدا نے علم عطا کیا تھا، (تذکرة الحفاظ ج اول ص ۲۱ و ۲۲)، مسروق بیان کرتے ہین کہ رسول اللہ کے صحابہ مین چھ بڑے صاحب علم صحابہ تھے. عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ معاذ بن جبلؓ، ابو درداءؓ، زید بن ثابتؓ کلام پاک براہ راست زبان وحی و الہام سے حفظ کیا تھا (ایضاً)

ابو درداء ان چار عالم قرآن صحابہ مین ہین، جنھون نے حیات نبوی ہی مین قرآن کی سورتین جمع کر لی تھین، (بخاری) امام الامت حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگون نے درخواست کی کہ ہمین کچھ وصیت فرمائے، ارشاد فرمایا علم و ایمان اپنی اپنی جگہ پر ہین، جو اُسے تلاش کرے گا وہ پائے گا، تم لوگ ابو درداء سلمان ابن مسعود اور عبد اللہ بن سلام کے پاس علم تلاش کرو، (تذکرة الحفاظ ج اول ص ۲۳) یہ اس شخص کے علمی کمالات کی سندین ہین جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قید کیا تھا پھر ابو درداء مکثرین کے زمرہ ہی مین نہین آتے، ان کی مرویات ابن مسعودؓ سے بھی کم ہین یعنی کل ۱۷۹ ہین ان مین

بھی صرف دو حدیثین متفق علیہ ہین اور ۳ مین بخاری اور ۸ مین مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۹۹)

حضرت ابو مسعودؓ بھی صاحب کمال اور بدری صحابی تھے، ان کی مرویات ابو درداء سے بھی کم ہین یعنی کل ۱۰۲ اور ان مین سے صرف ۹ متفق علیہ ہین اور ایک مین امام بخاری اور ۷ مین امام مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۶۹) ایسی حالت مین آخر الذکر دونون کسی طرح مکثرین حدیث مین آہی نہین سکتے پھر حضرت عمرؓ انھین اس جرم مین سزا کیسے دے سکتے تھے،

آخر مین یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ابن مسعود اور ابو مسعود بدری صحابی ہین، جنکے اگلے پچھلے تمام گناہ بحکم قرآن معاف ہین، اس لیے اگر یہ کوئی جرم بھی کرتے تب بھی حضرت عمرؓ انھین سزا نہین دیسکتے تھے، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا بہت مشہور واقعہ ہے، جس زمانہ مین آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی خفیہ تیاریان شروع کین، اس زمانہ مین حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ مین تھے، اور ان کے بال بچے مکہ مین، اور عزیزون مین کوئی اُن کی حفاظت کرنے والا نہ تھا، اس لئے حاطب نے اپنے کسی مکی دوست کو بال بچون کی حفاظت کے خیال سے مسلمانون کی تیاریون کی خبر کر دی، لیکن یہ خط راستہ ہی مین پکڑ لیا گیا، اور آنحضرت صلعم کے سامنے پیش ہوا، آپ نے حاطب سے پوچھا، حاطب یہ کیا، انھون نے معذرت مین صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا، کہ مکہ مین میرا کوئی عزیز نہ تھا اس لئے مین نے بال بچون کی حفاظت کے خیال سے ایسا کیا، آپ نے ان کی معذرت سنکر فرمایا، انھون نے سچ کہا ہے، حضرت عمرؓ بہت غضبناک ہو رہے تھے، انھون نے عرض کی، اس نے اللہ اور رسول اور مومنین کی خیانت کی ہے، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کیا یہ بدر مین شریک نہ تھے؟ خدا نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہین، اور فرمایا ہے "جو تمہارا دل چاہے کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی، اور مین نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دئے" یہ سنکر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، اور عرض کیا، اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے، (بخاری فضائل من شہد بدراً ج ۲ ص ۵۶۶)

ایک طرف بدری صحابہ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک شدید اور سنگین قومی جرم مین جسکی اگر بروقت اطلاع نہ ہوگئی ہوتی تو اس کا نتیجہ مسلمانون کے لیے سخت مہلک تھا، آنحضرت صلعم حاطب بن ابی بلتعہ کو محض بدری ہونیکی وجہ سے معاف فرما دیتے ہین، اور حضرت عمرؓ کے غیظ وغضب پر ارشاد فرماتے ہین کہ تم کو نہین معلوم یہ بدری صحابی ہین جن کے تمام گناہ خدا نے معاف کر دیئے ہین، اس ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سارا غیظ وغضب آنسوؤن سے بدل جاتا ہے، دوسری طرف یہی عمر ایک بدری صحابی کو کثرت روایت کے جرم مین قید کر سکتے تھے اسے کون عقل تسلیم کر سکتی ہے۔

۵۔ پانچوان واقعہ ایک طویل روایت کے ناقص اور مسخ شدہ ٹکڑے سے پیش کیا جاتا ہے کہ حذیفہ حدیثین بیان کرتے تھے رسول اللہ صلعم کی، تو سلمان نے کہا تم اس سے باز آؤ، ورنہ مین عمر کو لکھ دونگا، اس غلط مسخ شدہ ٹکڑے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف نہ ہوتے تو سلمان حذیفہ کو انھین اطلاع دینے کی کیون دھمکی دیتے، لیکن یہ واقعہ ہی اس شکل مین صحیح نہین ہے، پوری روایت مین اس کا مطلب ہی بالکل بدل جاتا ہے، پوری روایت یہ ہے،

عن عمرو بن ابی قرة قال كان حذيفه
بالمدائن فكان يذكر اشياء قالها رسول الله
صلی الله عليه وسلم لاناس من اصحابه
فی الغضب فينطلق ناس ممن سمع ذالك
من حذيفه فياتون سلمان فيذكرون
له قول حذيفه فيقول سلمان حذيفه
اعلم بما يقول فيرجعون الی حذيفه
فيقولون له قد ذكرنا قولك لسلمان
فما صدقك ولا كذبك فاتی حذيفه

عمرو بن ابی قرہ روایت کرتے ہین کہ حذیفہ مدائن مین ایسی
باتین بیان کرتے تھے جنھین رسول اللہ صلعم نے غصہ کی حالت
مین اپنے بعض اصحاب کے متعلق فرمائی تھین لوگ انھین
حذیفہ سے سنکر تصدیق کے لیے سلمان کے پاس جاتے تھے اور
ان سے حذیفہ کا بیان ذکر کرتے، اسے سنکر سلمان کہتے
حذیفہ جو کہتے ہین، اسکو زیادہ جانتے ہین، یہ جواب سنکر یہ
لوگ حذیفہ کے پاس لوٹ آتے اور کہتے ہم نے تمھارا قول سلمان
کے سامنے بیان کیا وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہین نہ تردید
ایک دن حذیفہ خود سلمان کے پاس آئے اور ان سے کہ

سلمان وھو فی مقبلہ فقال یا سلمان ما یمنعک
ان تصدقنی بما سمعت عن رسول اللہ صلعم
فقال سلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان یغضب فیقول فی الغضب لناس
من اصحابہ ویرضی فیقول فی الرضی لناس
من اصحابہ اما تنتھی حتی تورث رجالا
حب رجال ورجالا بغض رجال وحتی توقع
اختلافا وفرقۃ ولقد علمت ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال ایما رجل
من امتی سببتہ سبۃ او لعنتہ لعنۃ
فی غضبی فانما انا من ولد آدم اغضب کما
یغضبون وانما بعثنی رحمۃ للعالمین فاجعلہا
علیھم صلوۃ یوم القیمۃ واللہ لتنتھین
اولاکتبن الی عمر،
(ابوداؤد کتاب السنۃ باب النہی عن سب اصحاب
رسول اللہ صلعم)

سلمان جو کچھ تم نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے اسکے بارہ
میری تصدیق سے تمہین کونسی شے مانع ہوتی ہے؟ سلمان
نے کہا رسول اللہ صلعم سے (عام انسانون کی طرح)
کبھی غصہ ہوتے تھے اور غصہ کی حالت مین اپنے بعض
اصحاب کے متعلق کچھ کلمات فرما دیتے تھے اور کبھی خوش
ہوتے تھے اور خوشی کی حالت مین اپنے بعض اصحاب
کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے، تم اسوقت (ان باتون کے
بیان کرنے سے) باز نہ آوگے جبتک (انھین بیان
کرکے) کچھ آدمیون کی طرف سے کچھ آدمیون کے دل مین
محبت اور کچھ آدمیون کیطرف سے کچھ آدمیون کے دل
مین بغض کرکے اختلاف اور تفرقہ نہ پیدا کردوگے،
تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک خطبہ مین فرمایا
ہے کہ مین نے غصہ کی حالت مین اپنی امت کے جن آدمیون
کو برا بھلا کہا ہو یا اسپر لعنت بھیجی ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ
مین بھی آدم کی اولاد مین ہون اور انھین کی طرح غصہ
ہوتا ہون، خدا نے مجھکو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اسلئے
قیامت کے دن ان گالیون اور لعنتون کو ان آدمیون
کے حق مین دعا بنا دونگا، یہ سنا کر سلمان نے حذیفہ سے
کہا "اگر تم اس قسم کی اختلاف انگیز روایتون سے باز
نہ آؤ گے تو مین عمر کو لکھدونگا"

کہان مسلمانون مین بغض اور منافرت پھیلانے والے واقعات کی اشاعت سے منع کرنا، اور کہان ان
اشاعت کی ممانعت، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے حذیفہ کو جن باتون کی اشاعت
سے منع کیا تھا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تھی وہ کوئی مذہب کے متعلق امر و نہی کی حدیث یا آثار
نبوی نہین تھا بلکہ ایسی وقتی اور جذباتی باتین تھین جو آپ نے غصہ اور رضا کی حالت مین بعض لوگون کے متعلق
فرمائی تھین اور ان کا کوئی دائمی اثر نہ تھا، اور بعد مین جنکی اشاعت سے مسلمانون مین بغض و منافرت پیدا ہونے
کا قوی احتمال تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ باتین بعض بنی ہاشم اور بنی امیہ کے افراد کے متعلق رہی ہون، حقیقت
یہ ہے کہ اس قبیل کے واقعات سے اگر وہ کسی حد تک صحیح بھی مان لیے جائین تو یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ حضرت عمرؓ حدیث
کے مخالف تھے اور اس کو قابلِ احتجاج نہین سمجھتے تھے، ایسا نتیجہ پیدا کرنا حدیث کے رد و قبول کے بارہ مین حضرت
عمرؓ کے اصول سے لاعلمی کا ثبوت ہے، گو زمانۂ مابعد مین محدثین نے یہ اصول بنا دیا کہ تمام صحابہ عدول ہین اور قرنِ
اول کی روایات مین کسی ضعف کا احتمال نہین، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ سہو و نسیان خصائص
بشری ہین، جس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہین، صحابہ کی عدالت مسلم ہے اور ان کی جانب سے رسول اللہ پر کذب
کا امکان نہین، لیکن سہو و نسیان کی انسانی خصوصیت سے تو انھین مستثنیٰ نہین کیا جا سکتا، نیز خلفاء کے زمانہ
مین خلافتِ الٰہیہ کی تشکیل ہو رہی تھی، روزانہ نئے نئے واقعات اور نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، جن مین
خلفاء کا فیصلہ اصولِ دین بنجاتا تھا، ان تمام باتون کو پیش نظر رکھکر حضرت عمرؓ نے احادیث کی چھان بین
اور اسکی تصدیق و تحقیق اور رد و قبول مین وہ تمام احتمالات محفوظ رکھے، جو ایک عام انسان کی بات قبول کرنے
مین رکھنے چاہئین، چنانچہ اسی احتیاط کے تحت وہ خبرِ واحد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہ کرتے تھے،
کہ ایک انسان سے بھول چوک بہت ممکن ہے، لیکن تائیدی شہادت کے بعد جب انھین حدیث کی صحت
کا پورا یقین ہو جاتا تھا، تو اسے بلا تامل قبول کر لیتے تھے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے، چنانچہ
حمل کی دیت مین مغیرہ کی روایت محمد بن سلمہ انصاری کی شہادت کے بعد مکان کی بیع مین حضرت عمرؓ

کی روایت چند انصاری بزرگون کی شہادت کے بعد قبول کی (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷) استیذان مین (یعنی صاحب خانہ سے تین مرتبہ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنی چاہئے، جب تین مرتبہ کے بعد بھی نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت تائیدی شہادت کے بعد قبول کی (مسلم باب الاستیذان) لیکن ان شہادتون سے صرف حدیث کی تصدیق مقصود ہوتی تھی نہ کہ انکار، اگر سرے سے انکار مقصود ہوتا تو تصدیق کیون طلب کرتے، اور تصدیق کے بعد اوس پر عمل کیون کرتے،

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی یا کسی مسئلہ کے متعلق آنحضرت صلعم کا کوئی فرمان نہ معلوم ہوتا تھا تو صحابہ کے مجمع مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسلِ میت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے پوچھکر احادیث کا پتہ چلایا،

حدیث کی روایت مین دوسرا امر انھون نے یہ ملحوظ رکھا (جسے بعض ظاہر بین انکی مخالفتِ حدیث مین پیش کرتے تھے) کہ آپ انھین حدیثون کے ساتھ زیادہ اعتنا کرتے تھے، جو دین یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سے تعلق رکھتی تھین، لیکن جنھین مذہب سے چندان تعلق نہ تھا، مثلاً دعا، قصص، حکایات، پیشین گوئیان، لباس و معمولات نبوی وغیرہ کی طرف چندان توجہ نہ کی کہ انھین مذہب اور اصولِ دین سے کوئی تعلق نہین ہے، لیکن عام رواۃ کی نظر اس قدر دقیقہ رس نہین تھی اور وہ ہر قسم کی روایتین خواہ مذہب سے متعلق ہون یا غیر متعلق بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور بیان کرتے پھرتے تھے، ایسی حالت مین اگر حضرت عمرؓ نے کسی راوی کو روکا بھی ہوگا تو اسی قسم کی روایات سے، ناواقفون نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ حدیثون کے مخالف تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ انتہائی دقت نظری تھی کہ انھون نے متعلق بہ مذہب اور غیر متعلق روایات مین تفریق قائم کردی،

اس سلسلہ مین ایک احتمال اور پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین جو بارگاہِ نبوی کے سب سے زیادہ مقرب ہین، بہت کم حدیثین مروی ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیثون کی طرف توجہ کرتے تھے، اس

استدلال مین ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ خلفاء نے حدیثین روایت کی ہین یا نہین کم زیادہ سے بحث نہین انکی قلت روایت کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا نفس روایت حدیث سے خواہ وہ کم ہی کیون نہ ہون اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے اگر خلفاء حدیثون کے مخالف ہوتے تو سرے سے ان کی کوئی روایت ہی نہ ہوتی، حالانکہ اس سے منکر حدیث بھی انکار نہین کرسکتا کہ خلفاء کی روائتین حدیث کی کتابون مین موجود ہین، حضرت ابوبکرؓ سے (۱۴۲) حدیثین مروی ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۴) حضرت عمرؓ سے (۵۳۹) حدیثین مروی ہین، (ایضاً ص ۲۴۲)، حضرت عثمانؓ کی (۱۴۶) روایات ہین، (ایضاً ص ۲۶۱) حضرت علیؓ کی ۵۸۶ روایات ہین (ایضاً ص ۲۷۴) اور یہ اہل سنت کی حدیثون کی تعداد ہے، ورنہ اگر حضرات شیعہ کی حدیثون کو بھی شمار کرلیا جائے تو حضرت علیؓ کی مرویات کی تعداد ہزارون سے متجاوز ہو جاتی ہے،

جب اس قدر مسلم ہے کہ خلفاء نے روایت کی ہے خواہ وہ کم سہی تو یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حدیثون کے مخالف نہ تھے، باقی رہا یہ احتمال کہ ان کے تقرب بارگاہ نبوی کے باوجود دوسرے کثیر الروایہ صحابیون کی روایات کے مقابلہ مین ان کی مرویات اس قدر کم کیون ہین کوئی حقیقت نہین رکھتا، محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو تو اس مین خواہ وہ رسول اللہ کا نام لے یا نہ لے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور جب عام صحابیون کے متعلق جسمین خلفائے راشدین بھی شامل ہین یہ حکم ہے تو خلفاء کے متعلق بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور یہ اصول بالکل قرین قیاس ہے، معمولی سمجھ کا انسان بھی اس سے انکار نہین کرسکتا کہ اگر حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ مین لکھ بھیجا تھا کہ زکوۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے تو اس مین احتمال ہی نہین کہ انھون نے اپنی رائے سے لکھا ہوگا، اس لیے کہ وہ شارع نہ تھے کہ مجاز ہوتے بلکہ انھون نے رسول اللہ ہی سے سنکر لکھا ہوگا، یہ اور بات ہے کہ انھون نے خود رسول کا نام نہین لیا اور انھین اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ وہ خود صاحب رسول تھے جن کا کام دوسرون تک ... پہنچانا تھا، اس

رسول کے ماتحت خلفاے راشدین کے نافذ کردہ وہ تمام قوانین جو مذہب سے متعلق ہین اور جنمین ان کے اجتہاد کو دخل نہین ہے، درحقیقت حدیث ہی پر مبنی ہین، اسلئے انکے عہد کے تمام مذہبی قوانین کو انکی مرویات ہی شمار کرنا چاہئے،

حضرت عثمانؓ کے انکارِ حدیث کے ثبوت مین صرف یہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن علی حضرت عثمانؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا ایک نوشتہ لائے انھون نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے" (توجیہ النظر ص ۱۶)

اولاً اس واقعہ کی صحت ہی مشکوک ہے، طاہر جزائری نے معلوم نہین کہان سے بلا حوالہ نقل کردیا ہے، کسی حدیث کی کتاب مین میری نظر سے نہین گذرا، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اسکی شکل یہ نہین ہے جو پیش کیجاتی ہے، دوسرے واقعات کی طرح اسے بھی ناتمام نقل کرکے اس سے غلط نتیجہ نکالاجاتا ہے، پورا واقعہ یہ ہے،

ان عثمان حمل الیہ محمد بن علی بن ابی طالب من عند ابیہ کتاب النبی صلعم فی الزکوٰۃ فقال اغنہا عنا، (توجیہ النظر)	محمد بن علی بن ابی طالب حضرت عثمانؓ کے پاس زکوٰۃ کے بارہ مین آنحضرت صلعم کا ایک تحریری حکم لائے انھون نے کہا مجھکو اس کی ضرورت نہین ہی،

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اس نوشتہ کو اسلئے واپس نہین کیا تھا کہ اسے قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے بلکہ اسکی ضرورت ہی نہ تھی، زکوٰۃ کا مسئلہ مشتبہ مسئلون مین نہین ہے بلکہ اس کے متعلق حدیثون مین تفصیلی احکام موجود ہین، اور آنحضرت صلعم کی زندگی ہی سے ان پر عمل ہو رہا تھا، آپکی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسی دلیل سے ان پر تلوار اٹھائی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین زکوٰۃ کی جو شرح معین تھی اور جو جو لوگ جس قدر زکوٰۃ ادا کرتے تھے اگر وہ اس مین اونٹ کے چھوٹے ان کے برابر بھی کمی کرنا چاہین گے تو مین ان سے جہاد کرونگا، ایسی حالت مین زکوٰۃ کے متعلق تمام مسائل اسی زمانہ مین منقح ہوچکے تھے اور اس وقت سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک ان پر عمل ہوتا چلا آرہا تھا، اسلئے

محمد بن علی کے نوشتہ سے حضرت عثمانؓ کے معلومات مین کوئی مزید اضافہ نہین ہوتا، لہذا نوشتہ واپس کر دینے کو حدیث پر محمول نہین کیا جاسکتا،

تمسک بالحدیث والسنہ مین حضرت عثمانؓ کا بھی وہی عمل تھا جو ان کے پیشروؤن کا تھا،

احکام و قوانین کی احادیث کا تو ذکر کیا، حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے تمام اقوال بلکہ آپ کے حرکات و سکنات تک کی پیروی کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کر کے متبسم ہوئے، لوگون نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا مین نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کو وضو کر کے اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۵۸) ایک مرتبہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا آنحضرتؐ بھی ایسا ہی کرتے تھے، (ایضاً ص ۶۰) ایک مرتبہ مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھکر بکری کا گوشت منگوا کر کھایا، پھر بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا آنحضرت صلعم نے بھی یہی کھانا نوش فرمایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (ایضاً ص ۶۲) لوگون کو اعمال نبوی کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا اور فرمایا رسول اللہؐ اسی طرح وضو کرتے تھے، (ایضاً ص ۶۷ و ۶۸)

حدیث رسولؐ کی اطاعت اور پابندی کی اس سے بڑھکر سند کیا ہو سکتی ہے کہ اسی پابندی مین جان تک دیدی، جب مدینہ مین آپ کے خلاف شورش برپا ہوئی تو مغیرہ بن شعبہ نے اپنی حفاظت کے لیے مختلف مقامون پر چلے جانے کا مشورہ دیا، اور کہا کہ مکہ چلے جایئے، حضرت عثمانؓ نے مکہ نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ مین وہان چلا جاؤن تو ان باغیون سے امید نہین کہ حرم کی حرمت کا لحاظ کرینگے اور جنگ نہ کرین، اور مین رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہین چاہتا جو مکہ کی بے حرمتی کا باعث ہوگا، (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۶۷ مختصراً) یا جب باغیون نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، اس وقت صحابہ اور عام مسلمان مدافعت کو تیار تھے، آپ کے گھر مین موجود تھے، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۹ ملخصاً) جانثارون نے مشورہ دیا کہ آپ مقابلہ کیون نہین کرتے، فرمایا رسول اللہ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، اور مین اسی

صابر ہون (ایضاً ص ۶۹۴) غرض پاس فرمان رسول کی وجہ سے طاقت رکھتے ہوئے مقابلہ نہین کیا اور جان دیدی، ایسی حالت مین یہ کہنا کہ وہ حدیث وسنت کی طرف التفات نہ کرتے تھے، کیسے درست ہے؛

۳- تیسری دلیل یہ دیجاتی ہے کہ محدثین ہر صحابی کو مستند، قابل یقین اور سچا مان کران کی روایتون کو قبول کر لیتے ہین، حالانکہ انھین مین ایسے صحابہ بھی ہین جنکو کلام اللہ نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے اور مثال مین حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا نام پیش کیا جاتا ہے، کہ واقعہ افک مین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والون مین یہ بھی تھے، جنکے متعلق کلام پاک کا یہ فیصلہ ہے،

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا	جو لوگ عفیفہ اور پاکدامن عورتون پر تہمت لگائین اور
باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین	اسکے ثبوت مین چار گواہ نہ لاسکین، تو انھین اسّی کوڑے
جلدۃ ولا تقبلوا شھادتھم ابدا،	مارو اور انکی شہادت کبھی قبول نہ کرو،

لیکن معترضین اس موقعہ پر اسے نظر انداز کر دیتے ہین کہ اس شہادت سے مراد معاملات اور مقدمات کی شہادت ہے نہ کہ روایت حدیث، لیکن اگر یہ حکم عام بھی مان لیا جائے تو بھی پوری آیت کے حکم کو دیکھنا چاہئے، یا صرف اپنے حسب منشا، ایک ٹکڑا لے لیا، اور باقی حصہ کو جو منشا کے مخالف پڑتا ہو نظر انداز کر دیا جائے، اس حکم کے بعد ہی یہ استثنا ہے،

الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا	مگر کیئے پیچھے جن لوگون نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی
فان اللہ غفور رحیم،	(وہ مستثنیٰ ہین) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مقتدر صحابی ہین، دربار رسالت کے شاعر تھے اور آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ روح القدس حسان کے ساتھ ہے، لیکن منافقون کے دام مین آگئے تھے، لیکن جب تحقیقات سے واقعہ غلط ثابت ہوا اور قرآن نے خود اس کی تردید کی تو حسان کو اپنے کیئے پر پشیمانی ہوئی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھین معاف کر دیا تھا چنانچہ جب آپ کے سامنے

حسان کو کوئی برا کہتا تھا تو اس کو منع کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ وہ آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور آپ کی مدافعت کرتے تھے (بخاری ج ۲ ص ۵۰۹) اس لیے حضرت حسانؓ الذین تابوا واصلحوا کے حکم سے مستثنیٰ ہوگئے، لیکن اگر کسی کو اس کے بعد بھی اُن کے مردود الشہادہ ہونے پر اصرار ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کی روایات قابل اعتماد نہ تسلیم کرے، یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ مقدس صحابہ کی جماعت میں غالباً حضرت حسان [illegible] ہی وہ بزرگ ہیں جنسے صرف ایک حدیث مروی ہے اسلئے مردود الشہادہ صحابہ سے قبول روایت کا اعتراض ہی غلط ہوا جاتا ہے، لیکن اگر ان کی روایات ہوتیں بھی تو اُن سے تمام صحابہ کی مرویات کی تضعیف کیونکر ہوسکتی ہے، قصور وار ایک شخص ہو اور ملزم ساری جماعت ٹھہرائی جائے یہ کونسا اصول اور قانون ہے،

۴ - چوتھی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ حدیثوں کے متعلق صحابہ کی رائے اچھی نہ تھی اور وہ انھیں قابل اعتماد نہ سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کم روایت کرتے تھے، اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم اس وقت رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے تھے، جب آپ سے جھوٹی حدیثیں روایت نہیں کیجاتی تھیں، لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں بیان کرنے لگے، اس وقت سے ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا (مسند دارمی) ابن عباس کہتے تھے کہ تم کو قال رسول اللہ اور قال فلان کہتے وقت، اس کا خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل کیا جائے یا زمین تم کو لیکر دھنس جائے (ایضاً) امیر معاویہ سے ایک حدیث بیان کیگئی جس کو انھوں نے غلط خیال کیا اور تصدیق کیلئے ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے، اور کہا، یا ام المومنین جھوٹی باتیں رسول اللہ کی طرف منسوب ہوگئی ہیں ہمیشہ کہنے والا یہی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے حالانکہ وہ بات آپ نے نہیں فرمائی تھی، (ابن سعد) امام شعبی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے ساتھ سال بھر بیٹھا اس عرصہ میں انھوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی، (مسند دارمی) سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے راستہ میں سعد بن ابی وقاص کا ہم سفر رہا ہوں وہاں سے مدینہ واپس آیا اس سفر میں میں نے ان سے کوئی حدیث نہیں سُنی (مسند دارمی [illegible])

کہ مین مدینہ تک ابن عمرؓ کے ساتھ رہا مگر مین نے ان کو حدیث روایت کرتے ہوئے نہین سنا (مسند دارمی)
ثابت بن قطبہ انصاری کہتے ہین کہ عبد اللہ بن مسعودؓ مہینہ مین ایکبار حدیث بیان کرتے تھے، (مسند دارمی)

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ تمام بزرگ حدیثون کے مخالف تھے ورنہ وہ حدیثون کے مستحق بری رائے کیون ظاہر کرتے، اور اتنی کم روایت کیون کرتے، اس موقع پر پھر مجھے وہی کہنا پڑتا ہے کہ ان واقعات سے یہ استدلال کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے، اگر ان بزرگون کے حالات اور حدیثون پر معترضین کی نظر ہوتی تو وہ ہرگز انکار حدیث کا نتیجہ نہین اخذ کر سکتے تھے، اب واقعات کی شکل مین انکی تفصیل ملاحظہ ہو،

پہلے ابن عباسؓ اور امیر معاویہ کے بیان کو لیجئے، ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون نے غلط روایتین شروع کردی تھین، اس سے حدیثون کا انکار کہان سے نکلتا ہے، ابن عباسؓ خود کہتے ہین کہ "ہم حدیثین روایت کرتے تھے، لیکن جب سے لوگون نے ہرقسم کی رطب و یابس حدیثین بیان کرنا شروع کردین اسوقت سے ہم نے روایت چھوڑدی، یعنی انھون نے روایت اس لئے نہین چھوڑی کہ وہ حدیث کے منکر تھے یا اسے قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس لیے کہ لوگون نے قول رسول مین آمیزش شروع کردی تھی، اسلئے ابن عباس کا ترک روایت جس کے معنی اس موقع پر قلت کے ہین بربنائے احتیاط تھا نہ کہ بربنائے انکار حدیث، ورنہ وہ ہمیشہ سے حدیثون کی روایت نہ کرتے حالانکہ ایسا نہین اس موقعہ پر ترک بمعنی قلت ہے اس لیے کہ ابن عباس کی اس احتیاط کے باوجود ان کی (۱۶۶۰) روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہے جنمین سے ۷۵ متفق علیہ ہین اور ۲۸ مین امام بخاری اور ۴۹ مین امام مسلم منفرد ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۲) ابن عباس مکثرین حدیث مین ہین اور حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اول مین انکا شمار ہے، ایسی حالت مین ترک کو اصلی معنون مین لینا اور ابن عباس کو منکرین مین شمار کرنا کہانتک صحیح ہے، باقی ان کا یہ قول کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت خوف نہین معلوم ہوتا الخ غیر محتاط راوی

کے مستحق ہے، ظاہر ہے کہ رسول کی جانب حدیث کا غلط انتساب کرنے والا اس سے زیادہ سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اس سے بھی روایت پر کیا اعتراض وارد ہوتا ہے،

امیر معاویہ کے بیان سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض غیر محتاط راویوں نے رسول کی جانب غلط حدیثیں منسوب کرنا شروع کر دی تھیں لیکن امیر معاویہ کا حدیثوں سے انکار نہیں ثابت ہوتا، اگر وہ نفس حدیث کے منکر ہوتے تو حضرت ام سلمہ کے پاس روایت کی تصدیق کیلئے کیوں جاتے ہیں۔ یہ تو حدیثوں میں اپنے سب سے بڑے حریف حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے (موطا امام مالک القضاء فیمن وجد مع امراتہ رجلا) خود انھوں نے (۱۳۰) حدیثیں روایت کی ہیں (تہذیب الکمال ص ۳۸۱) جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ کم ہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد بھی مکہ ہی میں رہے اس لئے آنحضرت صلعم کی صحبت کا انھیں موقع نہ ملا،

بقیہ حضرت ابن عمر، عبد اللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے کم روایت کرنے کے واقعات بعض اتفاقی ہیں، یعنی جن لوگوں کا یہ بیان ہے کہ [illegible] ان کے سامنے ان بزرگوں نے بیان کیا ہوگا، یا ان لوگوں کو خود ان کے دوران میں ان سے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا، اسلئے کہ ان بیانات کے باوجود ابن عمر کی مرویات کی تعداد (۱۶۳۰) ہے جن میں سے (۱۷۰) متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں امام بخاری اور ۳۱ میں امام مسلم منفرد ہیں (تہذیب الکمال ص ۲۰۷) ابن عباس کی طرح ابن عمر بھی حفاظ حدیث صحابہ کے زمرہ اول میں تھے [illegible] کثیر الروایت ہیں، یہ آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے [illegible] طویل مدت میں صرف علم و افتا اور روایت کی خدمت کرتے رہے [illegible] حضرت ابن مسعود کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے (تہذیب الکمال [illegible]) البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص کثیر الحدیث نہیں [illegible] چنانچہ ان کی مرویات کی تعداد [illegible] ہے جن میں [illegible] متفق علیہ ہیں [illegible]

[illegible] حدیث [illegible]

اور جو واقعات ملتے ہون، انکا ان سے احتیاط فی الحدیث کے سوا اور کچھ ثابت نہین ہوتا، اور اُسکا انکار نہین بلکہ یہ واقعہ ہی،

۵- پانچوین اور سب سے اہم دلیل یہ پیش کیجاتی ہے، کہ حیاتِ نبوی سے لیکر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین اور اس طویل مدت مین بغیر حدیثون کے مسلمانون کا کام چلتا رہا، اس کے بعد جب بنی عباس کا زمانہ آیا اور دینی و دنیاوی علوم کیطرف توجہ ہوئی تو حدیثون کے لکھنے کا بھی خیال پیدا ہوا، اس طرح آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد حدیث کی موجودہ کتابین لکھی گئی ہین، چنانچہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور تمام بڑے بڑے محدثین اسی زمانہ مین تھے، اور جو قول رسول آنحضرت صلعم کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھا گیا ہو اس پر اعتماد نہین کیا جا سکتا اس لئے حدیثون کا سارا سرمایہ ناقابلِ اعتبار ہے،

اس دلیل کے دو حصے ہین، ایک یہ کہ حیاتِ نبوی اور خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین، اور یونہی کام چلتا رہا، دوسرا یہ کہ حدیث کی موجودہ کتابین آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، اس لئے اعتبار کے قابل نہین،

پہلا حصہ تو سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے، ان مین سے بعض اجزار کی تردید اوپر گذر چکی ہے، اس موقع پر پھر اس پر تفصیلی بحث کیجاتی ہے، اس قسم کا دعوی معترضین کی کوتاہ نظری اور تاریخ حدیث سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، واقعہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ خلفائے راشدین اور عہدِ بنی امیہ مین سے کوئی ایسا دور نہ تھا جس مین حدیثون کے مجموعے نہ مرتب کئے گئے ہون، یہ دوسرا امر ہے کہ دستبردِ زمانہ سے وہ بعینہ محفوظ نہ رہ سکے، ورنہ اس حیثیت مین وہ اب تک محفوظ ہین کہ بعد کی کتب مدونہ مین وہ تمام مجموعے شامل ہوگئے، اس لئے گو وہ ممتاز و مستقل صورت مین نہین، مگر موجودہ کتب کے اجزار بنگئے ہین،

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثون کے قلمبند کرنے کی اجازت لے لی تھی، اس اجازت کے بعد انھون نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کو وہ صادقہ کہتے تھے یہ مجموعہ ان کی عزیز ترین متاع تھا، مجاہد کا بیان ہے،

عن عبداللہ بن عمرو قال ما یرغبنی فی الحیوٰۃ الا "الصادقۃ" والوھط فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتہا من رسول اللہ صلعم واما الوھط فارض تصدق بہا عمرو بن العاص کان یقوم علیہا (مسند دارمی ص ۶۸)

عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے تھے کہ مجھے زندگی کی خواہش صرف صادقہ اور وہط کی وجہ سے ہے، صادقہ وہ صحیفہ ہے جسکو مین نے رسول اللہ صلعم سے لکھا اور وہط ایک جاگیر ہے، جسے عمرو بن العاص نے صدقہ کیا ہے جسکے وہ منتظم تھے،

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی تمام مرویات قلمبند کی تھین، مستدرک حاکم مین فضل بن حسن اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہین،

قال (حسن بن عمرو) حدثت عن ابی ھریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی سمعتہ منک قال ان کنت سمعتہ منی فانہ مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فارانی کتابا من کتبہ من حدیث رسول اللہ صلعم فوجد ذالک الحدیث فقال قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک فھو مکتوب عندی (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۱)

(حسن بن عمرو) کہتے تھے کہ مین نے ابوہریرہ سے ایک حدیث بیان کی انھون نے اس سے انکار کیا، مین نے کہا اسکو مین نے تمسے سنا ہے، انھون نے کہا اگر تم نے مجھ سے سنا ہوگا تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی، اور میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر لے گئے، اور مجھکو اپنی حدیث رسول کی کتابون مین سے ایک کتاب دکھائی اسمین وہ حدیث مل گئی پھر کہا مین نے تم سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ اگر مین نے تمسے روایت کی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی،

ظن غالب یہ ہے کہ عہد نبوی مین یہ مجموعہ لکھا ہوگا کیونکہ زبان نبوی سے سنکر لکھتے تھے، ورنہ خلفا کے زمانہ مین تو یقیناً مرتب ہو چکا تھا، اس لیے کہ امیر معاویہ کے زمانہ مین ابوہریرہ کا انتقال ہوا، اور اس سے پہلے وہ لکھ چکے ہون گے،

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ مین ۔ خلفائے راشدین مین حضرت علیؓ نے

چند نقلی حدیثین لکھی تھین، اوراس تحریر کو وہ صحیفہ کہتے تھے (بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم) باقی خلفاء کے متعلق جہانتک علم ہے انھون نے کوئی باقاعدہ حدیثون کا مجموعہ نہین لکھا لیکن بہت سے فقہی مسائل جو احادیث ہی پر مبنی تھے لکھ کر ممالک اسلامیہ مین شائع کئے، خصوصاً حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال و افسرون کو مذہبی احکام و مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کی تعیین کے متعلق تمام عمال کو مفصل ہدایت نامہ بھیجا، یہ ہدایت نامہ امام مالک نے بجنسہٖ موطا مین نقل کیا ہے (دیکھو موطا امام مالک ص ۳ مطبع احمدی دہلی) یا جمع بین الصلوٰتین کی ممانعت کے متعلق تمام ممالک مین تحریری فرمان جاری کیا (موطا امام محمد مطبع مصطفائی ص ۱۲۹) گو یہ احکام حدیث کی شکل مین نہین ہین، لیکن حدیث ہی سے ماخوذ ہین، اس لیے حضرت عمرؓ نے گو حدیثین نہین قلم بند کین لیکن اس کا منشا اور مقصد قلمبند فرمایا، اور حکم دیا کہ "قیدوا العلم بالکتابۃ، علم کو لکھکر قید کرو" (مسند دارمی ص ۶۸) یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حدیث ہی ہے، اس لئے کہ ان کے زمانہ مین قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی علم نہ تھا اور قرآن لکھا جاچکا تھا، اس لیے حدیث ہی کے متعلق یہ حکم ہوسکتا ہے، اس قسم کے اور بہت سے احکام ہین، جنکی تفصیل کا یہ موقعہ نہین، خلفاء کے علاوہ بہت سے صحابہ اور تابعین جنمین سے بہتیرے خلافت راشدہ کے زمانہ مین تھے اور بہتیرے بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثون کو قلمبند کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو قلمبند کراتے تھے،

حضرت انسؓ بن مالک اپنے لڑکون سے فرماتے تھے کہ علم (حدیث) کو لکھکر قید کرو، سعید بن جبیر روایت کرتے ہین کہ مین ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے رات کو جو حدیثین سنتا تھا اسکو کجاوہ کی لکڑی مین لکھ لیتا تھا، دوسری روایت مین ہے کہ مین ابن عباسؓ سے جو کچھ سنتا تھا اس کو صحیفہ مین لکھ لیتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور محدث غلام نافع ان کے سامنے ان کی حدیثین لکھا کرتے تھے، آبان حضرت انسؓ سے سنکر ان کے سامنے حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے حدیثین لکھا کرتے تھے، استفادہ کا زمانہ ختم کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حدیثون کی کتاب لیکر ابوہریرہؓ

کے پاس آئے اور ان کے سامنے پڑھکر کہا کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آپ سے سنکر لکھی ہین، آپ نے اثبات مین جواب دیا، براء کے تلامذہ ان سے حدیثین لکھا کرتے تھے، حضرت امام حسن نے اپنے صاحبزادون، بھتیجون کو ہدایت فرمائی تھی کہ تم ابھی بچے ہو ایک دن بڑے ہوگے اس لیے علم سیکھو، اور تم مین سے جو شخص اسکو روایت کرنے اور یاد رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو چاہئے کہ لکھکر اپنے گھر مین رکھ لے، اس قسم کے ایک نہین صدہا واقعات ہین ہم نے صرف چند بطور مثالاً لکھدیئے تفصیل کے لئے دیکھو مسند دارمی ص ۶۸ ؎

یہ واضح رہے کہ ان مین ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم بڑے مقتدر صحابی ہین، باقی تابعی ہین، یہ لوگ کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے اور لکھاتے تھے، ان مین سے تمام صحابہ خلفائے راشدین کے زمانہ سے لیکر بنی امیہ کے زمانہ تک تھے اور تابعین مین سے کچھ خلافت راشدہ کے آخر کے ہین، اور کچھ خالص بنی امیہ کے عہد کے، اس لیے یہ کہنا کہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین صحیح نہین ہے؛ اب خالص اموی دور مین آئیے، مروان امیر معاویہ کے زمانہ مین جبکہ وہ ان کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حضرت ابوہریرہ کو بلاکر ان سے حدیثین سنتا تھا اور ان کو قلمبند کراتا تھا (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۹ و ۵۱۱) ہشام بن عبدالملک کو جب ضرورت پیش آتی تھی تو حدیثون کی طرف رجوع کرتا تھا، اور حدیثون کے تحریری مجموعون سے اسکی مقصد برآری ہوتی تھی، رجاء بن حیوۃ روایت کرتے ہین کہ ایکمرتبہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک عامل کو مجھ سے ایک حدیث پوچھنے کا حکم دیا اگر وہ میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی تو مین اسے بھول چکا تھا (مسند دارمی ص ۶۹) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی فرمانروا حدیث نبوی سے بے نیاز نہ رہ سکے اور ان کے زمانہ مین حدیثون کے مجموعے بھی موجود تھے .

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کا زمانہ آیا تو انھون نے مرکز حدیث مدینہ رسول اور تمام ممالک اسلامیہ مین فرمان جاری کرکے حدیثون کے مجموعے مرتب کرائے چنانچہ قاضی ابوبکر محمد بن حزم کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماً ولایقبل الا حدیث النبی صلعم (بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کرکے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہوجانے کا خوف ہے، لیکن سوائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی چیز نہ لکھی جائے۔

مسند دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابوبکر کے علاوہ تمام اہل مدینہ کے نام یہ حکم صادر ہوا تھا،

عن عبد اللہ بن دینار قال کتب عمر بن عبد العزیز الی اھل المدینۃ ان انظروا حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبوہ فانی خفت دروس العلم وذھاب اھلہ (مسند دارمی ص ۶۸)

عبد اللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اہل مدینہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیثیں تلاش کرکے لکھو مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہوجانے کا خوف ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانی ابونعیم کی تاریخ اصفہان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلعم فاجمعوہ (فتح الباری ج اول ص ۱۷۴)

عمر بن عبد العزیز نے تمام دنیائے اسلام میں فرمان لکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش کرکے جمع کرو،

غرض تمام دنیائے اسلام سے حدیثیں جمع کرکے انھیں کل ممالک محروسہ میں شائع کیا چنانچہ جامع بیان العلم حافظ ابن عبد البر قرطبی میں سعد بن ابراہیم کی یہ روایت ہے،

قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفتراً دفتراً فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفتراً (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۸)

ہم کو عمر بن عبد العزیز نے احادیث نبوی جمع کرنے کا حکم دیا، ہمنے اسکے دفتر کے دفتر لکھے، عمر بن عبد العزیز نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجا،

ان تاریخی حقائق کے بعد یہ کہنا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں کتنی جرأت کا

ثبوت ہے؟ اس سلسلہ مین یہ دعوی اور بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ صحاح سے پہلے جو رسول اللہ ؐ کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، حدیثون کا اور کوئی مجموعہ مرتب نہین ہوا، معلوم نہین اس دعوی کے وقت امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی مسندون اور امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ کی موطا کو کیون فراموش کر دیا جاتا ہے، خصوصًا موطا امام مالک جو اپنے پایہ کے لحاظ سے میرے نزدیک صحیحین سے بھی زیادہ بلند مرتبہ ہے، یہ اور بات ہے کہ اسے صحیحین کے جیسا قبول عام حاصل نہ ہوا، ان مین سے مسند احمد بن حنبل کے سوا باقی کل کتابین دوسری صدی کے اندر اندر اور صحاح سے پہلے کی ہین، بلکہ مسند بھی صحاح سے پہلے کی ہے، یہ تمام کتابین کتب فروشون کے یہان عام طور سے ملتی ہین، کوئی نایاب نہین، پھر انھین کیون نظر انداز کر دیا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ صحاح سے بہت پہلے دوسری صدی کے اندر اندر حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے جو دست برد زمانہ سے بالکل معدوم ہو گئے اور اب صرف ان کے نام باقی ہین، بلکہ بہتون کے نام بھی باقی نہین ہین، ابن ندیم نے بہت سے ایسے محدثین کے نام گنائے ہین جنھون نے حدیثین مدون کی تھین، ان مین سے بعض نام یہ ہین:-

سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ ابو عبد الرحمن محمد بن عبد الرحمن المتوفی ۱۵۹ھ، عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المتوفی ۱۵۰ھ زائدہ بن قدامہ ثقفی المتوفی ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ، محمد بن فضیل بن غزوان ضبی المتوفی ۱۹۵ھ یحیی بن زکریا بن زائدہ المتوفی ۱۸۳ھ، وکیع بن جراح بن ملیح رواسی المتوفی ۱۹۷ھ، عبد الرحمن بن عمرو المعروف باوزاعی، المتوفی ۱۵۷ھ ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۴ھ ہشیم بن بشیر سلمی المتوفی ۱۸۳ھ، عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہم، (دیکھو فہرست ابن ندیم الفن السادس من المقالۃ السادسۃ)

ان تمام بزرگون نے فقہی حدیثون کے مجموعے مرتب کئے تھے جنھین سے آج کسی کا پتہ نہین یا بہت کم کا پتہ ہے، یہ واضح رہے کہ یہ لوگ دوسری صدی کے ہین، اگر تیسری صدی کے آغاز و ...ن کو بھی لیا جائے

جنکا زمانہ صحاح کے قبل کا ہوگا، تو ان کی تعداد دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہے،

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم اور اصولی امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے ہم کو حدیث کی کتابت یا عدم کتابت سے بحث ہی نہین اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے، کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے لے کر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین تب بھی حدیث وسنت کے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے پر کوئی اثر نہین پڑتا، اصل شے تواتر عمل ہے ہم کو دیکھنا یہ چاہئے کہ ان زمانون مین مسلمانون کا عمل کیا تھا، جس چیز پر آنحضرت صلعم کی دہ سالہ مدنی زندگی مین ہزارون صحابہ، پھر خلافت راشدہ کے سی سالہ دور مین ہزارون صحابۂ لاکھون تابعی پھر بنی امیہ کے صدسالہ دور مین سیکڑون ائمۂ اسلام، لاکھون تابعی اور تبع تابعی اور کڑورون مسلمان بلا اختلاف پابندی کے ساتھ عمل کرتے چلے آئے ہین اور آج تک وہ عمل جاری ہے، اسکو ناواجب الطاعۃ اور ناواجب العمل کس طرح کہہ سکتے ہین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مذہب، علمائے اسلام بلکہ کسی قابل ذکر مسلمان نے آج تک احکام واعمال نبوی مین فروعی اختلاف کے سوا جو حدیث وسنت ہی سے متفرع تھے، کوئی اصولی اختلاف کیا ہے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہوا ہے، اگر کوئی مثال ہو تو پیش کرنی چاہئے ورنہ پھر امت اسلامیہ کے سواد اعظم کے عملی تواتر کو جسمین صحابہ، تابعین، علمائے اسلام اور ائمۂ مذہب سبھی تھے کون رد کر سکتا ہے اور کون عقل اسے تسلیم کر سکتی ہے، ومن انکر فعلیہ البرھان۔

سب سے آخر مین یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ حدیث کی جو کتابین رسول اللہ صلعم کے دو ڈھائی صدی بعد لکھی گئی ہون وہ قابل استناد ہو سکتی ہین یا نہین، اور حدیث کی موجودہ متداول کتابین کس حد تک قابل اعتماد ہین، اس پر انشاء اللہ کسی اور موقع پر مفصل بحث کی جائے گی،

خطبات مدراس مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۵ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچرس) دئیے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین اور تاریخی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین، اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین انکو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۸۰ صفحے، طبع دوم، قیمت :- عہ

"منیجر"

ہندی فلسفہ

از

جناب بشیر احمد صاحب ڈار ایم اے لاہور

آج کل دنیا مین مغربی فلسفہ کا دور دورہ ہے، حالانکہ مشرقی فلسفہ مختلف حیثیتون سے اس سے بدرجہا بہتر اور تشفی بخش ہے۔ مشرقی فلسفون مین ہندوستان کا قدیم فلسفہ اپنی قدامت اور گہرائی اور وسعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔

ہندوستان کے فلسفہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ عملی ہے محض نظری نہین۔ مغرب مین فلسفہ کا مفہوم محض نظری (Theoretical) ہے۔ انسان کی فطرت چونکہ ہر وقت نظام قدرت کی پیچیدگیون کے متعلق سوال کرتی ہے اس لئے فلسفہ ان سوالون کے جواب دینے کا نام ہے۔ یونان مین فلسفہ کا آغاز محض اسی استفسار فطرت فلسفی کا ظہور تھا۔ تھیلیز (Thales) پارمینائیڈز (Parmenides) اور زینو (Zeno) وغیرہ فلاسفۂ یونان کی تمامتر کوششین صرف اسی نظام کائنات کے مسائل کے سلجھانے مین صرف ہوتین۔ گرچہ بعض جگہ سقراط اور افلاطون کے فلسفہ مین عملی رنگ کافی طور پر نمایان ہے لیکن ان کے بعد ارسطو نے دوبارہ فلسفہ کو محض نظری کر دیا۔ اور اس کے بعد آج تک کسی مغربی فلسفی نے فلسفہ کو عملی رنگ مین دنیا کے سامنے پیش نہین کیا۔ مغرب مین بکثرت فلاسفہ پیدا ہوے۔ ان کے عقاید اور اصول خواہ وہ غلط ہون یا صحیح ہون کا رنگ کبھی ان کی عملی زندگی مین نمایان نہ ہوا۔ ایک شخص مثلاً جان لاک (John Locke) اگر تحقیق اور دلیل کی رو سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دنیا مین کسی چیز کی ہستی [illegible] نہین تو جب [illegible] دیکھتے ہین

تو اُس مین اور اُس کے مخالف عقیدہ رکھنے والے شخص مین کوئی فرق نظر نہین آتا لیکن ہندوستان کے فلسفہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وُہ سرتاپا عملی ہے فلسفہ کی جو کتاب بھی ہندوستان مین لکھی گئی، اس کا پہلا سوال دنیا کے مصائب اور تکالیف کے متعلق ہے، کوئی انسان خواہ امیر ہو یا غریب، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، اس عالمگیر رنج وغم سے فارغ نہین، اگرچہ تمام فلاسفۂ ہند مین یہ بات مشترک ہے لیکن مہاتما بدھ کی تعلیم بہت زیادہ اسی مضمون کو دہراتی ہے، بدھ فلسفہ کے تین عنوان ہین،

(ا) دنیا رنج وغم سے پُر ہے،

(ب) اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہے،

(ج) وہ کیا طریقہ ہے،؟

بالکل یہی سوالات ہین جو باقی مذاہبِ فلسفہ مین بھی موجود ہین، ہر ایک فلسفی اپنے خیال کے مطابق ایسا نظامِ فلسفہ پیش کرتا ہے جسکی پیروی سے انسان دنیا کے رنج وغم سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے، یہی وجہ تھی کہ فلسفہ کے جتنے مذاہب ہندوستان مین پھیلے بالکل عملی رنگ مین رنگے ہوئے تھے، فلاسفہ کا مقصد محض انسان کی فطرتِ مستفسرانہ کو تشفی دینا نہ تھا، بلکہ اُسے دنیا کے مصائب سے چھٹکارا دلانا تھا، اسلئے فلاسفۂ ہند مغربی فلاسفہ کی طرح محض عالم بے عمل نہ تھے، بلکہ علم کے ساتھ عمل سے بھی انھین وافر حصہ ملا تھا،

سب سے بڑا ضروری سوال جو ہر ایک فلسفی کے لئے بحث طلب تھا یہ تھا کہ یہ عالم کیسے بنا؟ کیسے چل رہا ہے؟ اور اسکا انجام کیا ہوگا؟ کیا یہ عالم حقیقتِ مطلق (Ultimate Reality) ہے؟، اور اگر نہین تو وہ حقیقت کیا ہے؟ ان سوالون کے جواب دو مختلف پہلوؤن سے دئے جا سکتے ہین، ایک پہلو تو خارجی ہے، جہان ہمین حقیقت کی ماہیت معلوم کرنے کیلئے معقولات یا متفکرات (Objects of Thought) سے شروع کرنا پڑتا ہے، دوسرا پہلو داخلی ہے، جہان ہم بجائے معقولات کے نفس ناطقہ سے بحث شروع کرتے ہین، تمام مذاہبِ فلسفہ مین جو ہندوستان مین پیدا ہوئے، دوسرے پہلو کو اختیار کیا گیا ہے، آتما نم وِدھی یعنی نفس (روح) کو پہچانو، ان کی تعلیم تھی، اور یہی وجہ تھی کہ سب فلاسفہ نے ما بعد الطبیعیات کو علم النفس کی بنیاد پر کھڑا کیا، لیکن اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ چونکہ ہندوستانی

فلاسفہ نے مباحث فلسفیانہ کو داخلی پہلو سے دیکھا، تو اس لئے اونھوں نے خارجی مباحث کو بالکل نظر انداز کر دیا، بلکہ جب ہم تاریخ قدیم کا مطالعہ کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے، کہ اہل ہند اس زمانے میں بھی خارجی علوم و فنون مثلاً سپہ گری، شاعری، موسیقی، علم ہیئت، علم طبیعی، و کیمیا، علم الحساب اور علم طب میں ماہر کامل تھے،

چونکہ اونھوں نے داخلی پہلو ہی کو زیر بحث لیا، اور خارجی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا، اس لئے ضروری تھا، کہ فلسفہ میں ان کا نقطۂ نگاہ، تصوریت (IDEALISM) ہوتا۔ اور چونکہ نظام فلسفہ کو ہمیشہ (SYNTHETIE) شکل میں پیش کرنا چاہتے تھے، اسلئے تصوریت کے ساتھ واحدیت (MONISM) بھی اس کا لازمی نتیجہ تھی،

چنانچہ ان دو مختلف میلانوں کا حاصل ایک طرف تصوریت کا ظہور اور دوسری طرف واحدیت کا نشوونما تھا، ہندوستان کے تمام مختلف مذاہب فلسفہ میں یہ دونوں اجزا پائے جاتے ہیں، اگرچہ بعض جگہ ظاہر ان کے مخالف رائے بھی موجود ہوتی ہے، اس تصوریت واحدی (monistic idealism) کی تین مختلف حالتیں ہیں، جو ہندوستانی فلسفہ میں ظاہر ہوئی ہیں،

(۱) غیر ثنویت یا ادویت

(ب) واحدیت خالص،

(ج) واحدیت معتدلہ (ترمیم شدہ)

پہلی قسم کا پیش کرنے والا شنکر اچاریہ ہے جسکے نزدیک روح ایک ازلی و غیر فانی چیز ہے، اور تین مختلف انسانی حالتوں یعنی جاگنا، سونا، خواب، کہنہ ہر ایک میں بدستور قائم رہتی ہے، روح کے بالمقابل خارجی دنیا کی اشیا بھی ہیں جو فانی اور ضائع ہونے والی ہیں، برہمن (خدا) یا "مطلق" جو شنکر کے نزدیک حقیقت ہے، ہمارے ادراک عقلی سے بالا تر ہے۔ اگر کوئی ذریعہ اس کے معلوم کرنے کا ہے، تو وہ وجدان ([illegible]) ہے لیکن دوسری طرف جو کچھ ہمیں خارجی دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اگرچہ موجود ہے، اور اس کی ہستی سے ہم انکار نہیں کر سکتے لیکن وہ حقیقت نہیں۔ اب سوال یہ ہے، کہ ان دونوں (یعنی برہمن اور دنیا) کا تعلق کیا ہے؟ اس کا جواب شنکر کے

پاس سوائے لفظِ مایا کے اور کچھ نہین یعنی ان دونون کا تعلق اگرچہ ہمارے عقلی نقطۂ نگاہ سے کچھ نہین ہوسکتا، کیونکہ ایک طرف حقیقت ہے، اور دوسری طرف محض باطل لیکن پھر بھی کچھ ہے، جسکو ہم نہین بیان کرسکتے،

یہ ادویت کا نظریہ ہے!

(ب) لیکن بعض فلاسفہ اس نقطۂ نگاہ سے اختلاف کرتے ہین، ان کے نزدیک "مایا" حقیقت لاعلمی کو چھپانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، وہ چاہتے ہین کہ حقیقت اور دنیائے فانی کا تعلق کسی عمدہ پیرایے مین بیان کیا جائے، یہ تو ہم کہنے سے رہے، کہ دنیا برہمن مین کچھ اضافہ کرنے سے پیدا ہوئی، کیونکہ اس سے حقیقت مین نقص لازم آئے گا، اس لئے ہمین یہ کہنا پڑیگا، کہ ایک اصول منفی (Negative principle) ازل سے موجود تھا، اور یہ اسی کی کارفرمائی تھی کہ دنیائے فانی کا ظہور ہوا، یعنی برہمن سے کچھ نفی ہونیکے بعد دنیا پیدا ہوئی،

اس گروہ کے مطابق بھی ہماری عقل محض اس قابل نہین کہ وہ حقیقت کو معلوم کرسکے، اس کے لئے اس سے اعلیٰ قوت چاہئے، جسے ہم وجدان کہہ سکتے ہین، جس سے حقیقت کا محض علم ہی حاصل نہین ہوتا، بلکہ ہمین اس کا عملی تجربہ ہوتا ہے،

ایسی واحدیت خالص ہمین بعض اپنشدون مین ملتی ہے، اور اون کے علاوہ ناگارجون اور شری ہرش مین بھی پائی جاتی ہے، مغرب مین پارمنیائڈز، افلاطون، اسپینوزا، پلاطینس، بریڈلے اور برگسان وغیرہ کے خیالات مین بھی ملتی ہے،

(ج) اس گروہ کا نقطۂ نگاہ پہلے دو گروہون سے بالکل مختلف ہے، اس گروہ کے سردار ہندوستان مین رامانوج اچاریہ اور مغرب مین ہیگل ہین،

شنکر اچاریہ کی رائے ہے، کہ برہمن (Being) صرف حقیقت ہے، اور باقی تمام باطل لیکن یہ وجود ہماری عقل اور فکر سے بہت بالا ہے، اور صرف وجدان ہی اس کو سمجھ سکتا ہے، مگر اس گروہ کے نزدیک برہمن خواہ وجدان کے نزدیک کچھ ہی ہو، لیکن فکر یا عقل (Intellect) کے لئے محض تجرید مطلق ہے، جسکی کوئی حقیقت نہین، انسانی دماغ کے لئے وجدان کا یہ فیصلہ کہ صرف برہمن وجود حقیقت [illegible] یہ معنی رکھتا ہے، کہ دنیا

میں کچھ نہیں، ہمارا تفکر اشیائے مفرونہ (Concrete) سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کے لئے ہر مثبت میں منفی مضمر ہے جب ہم ایک چیز کی نفی کرتے ہیں، تو اس نفی میں اُن چیزوں کے غیر کا اثبات لازم آتا ہے، ہر شئے مفرونہ حادث ہے جس میں عدم و وجود اثبات و نفی ہر دو موجود ہیں۔

اس گروہ کے نزدیک خدا کا مفہوم بھی اسی قسم کا ہے، خدا یا وجود (BEING) وہ ہے جس کے اندر عدم (NON BEING) بالقوہ (POTENTIALLY) موجود ہو یعنی ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، شنکر اچاریہ کے نظریہ کے مطابق ہم برہمن اور دنیا کا تعلق نہ بیان کر سکتے ہیں، اور نہ سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ تعلق بالکل واضح ہے، دونوں در حقیقت ایک ہیں، خدا اگر بنیاد ہے، تو دنیا اس پر عمارت، خدا اگر حقیقت ہے، تو دنیا اس حقیقت کا مظہر،

ان تمام مسائل کی تفصیل و تشریح اپنے اپنے مقام پر کی جائے گی،

| فلسفۂ ہندی کے مختلف دور | فلسفۂ ہندوستان کی تاریخ کو ہم چار مختلف زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں،

(۱) ویدوں کا زمانہ (۱۵۰۰ ق م سے لیکر ۶۰۰ ق م تک) اس زمانہ میں آریہ قوم ہندوستان میں آباد ہوئی اور آہستہ آہستہ اس کا تمدن یہاں پھیلنا شروع ہوا، اسی زمانے میں جنگلوں میں درسگاہیں قائم ہو گئیں، اور فلسفے کی تعمیر کا آغاز ہوا، سب سے پہلے منتر لکھے گئے، بعد میں برہمن اور آخر میں اپنشد، اگرچہ ہم اس زمانے کی تعلیم کو اصطلاحاً فلسفہ نہیں کہہ سکتے، لیکن پھر بھی جو کچھ ہوا، وہ فلسفہ کی تمہید ضرور تھا۔

(۲) زمانۂ شجاعت (۶۰۰ ق م سے لیکر ۲۰۰ء تک)

یہ زمانہ قدیم اپنشدوں کی تصنیف کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اور مذہب فلسفہ کے ابتدائی زمانہ تک جاتا ہے، مہابھارت اور رامائن، اسی زمانہ کے خیالات کی یادگار ہیں، ایک طرف بدھ مت نے اس زمانے میں اپنشدوں کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا، اور دوسری طرف بھگوت گیتا جیسی بے مثل کتاب بھی اپنشدوں کی تعلیم کے تحت میں دنیا کے سامنے نمودار ہوئی، مختلف مذاہب مثلاً بدھ مت، جین مت، شیومت اور وشنومت سب اسی زمانہ کی یادگار ہیں، اس کے علاوہ بھی

درشنون یا مذاہب فلسفہ کی ابتدا بھی اسی زمانے مین ہوتی ہے،

(۳) سوترون کا زمانہ (۶۰۰ء سے)

سوتر ایک طرزِ تحریر (اسٹائل) کا نام ہے جو اس زمانہ مین مصنفین نے اختیار کیا، اس طرزِ تحریر سے وسیع سے وسیع معانی کو بالکل چھوٹے چھوٹے فقرون مین بیان کر دیا جاتا تھا، اس لئے سوائے مصنف کے اس کا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے، چنانچہ انھی مشکلات کو مدِ نظر رکھ کر ایک ایک سوتر پر بے شمار شروح تصنیف کی گیئن، اور اصل سوترون کی بجائے ان کی شرحون کو زیادہ وقعت دی گئی، اور دی جاتی ہے، مثلاً ویدانت سوتر کے مقابلے مین شنکر اچاریہ اور راما نوج اچاریہ کی شروح زیادہ مشہور ہین،

لیکن اس دور کی ایک اور خصوصیت قابلِ ذکر ہے، اس زمانے سے پہلے فلسفہ کے مباحث اگرچہ موجود تھے، لیکن ان پر تنقیدی نظر نہین ڈالی گئی تھی، مغربی فلسفۂ جدید کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ اگرچہ ڈیکارٹ (DESCARTES) اور اسپنوزا وغیرہ فلاسفہ ایک طرف اور لاک، بارکلے، اور ہیوم دوسری طرف ان سب نے فلسفیانہ مباحث مین بڑے زور شور سے حصّہ لیا، لیکن نظریۂ علم (Theory of Knowledge) پر کسی نے توجہ نہ کی، اگرچہ لاک وغیرہ فلاسفہ نے بظاہر فلسفہ کی اس شق پر بحث کی، لیکن جیسا کہ کانٹ نے بعد مین ثابت کیا، وہ ان کا نظریۂ علم نہ تھا، نظریۂ علم کا موضوع ہمارے نفس کی وسعتِ علم ہے، یعنی ہم کس کس چیز کا علم حاصل کر سکتے ہین؟ لیکن جس چیز کو لاک اور اس کے دیگر پیرون نے لیا، وہ منبعِ علم تھا، یعنی ہمارا علم کہان سے شروع ہوتا ہے؟ یعنی ہم کسی چیز کا علم کس طرح حاصل کرتے ہین؟ اور یہ دو مبحث بالکل مختلف ہین، فلسفۂ جدید مین پہلا شخص کانٹ (KANT) ہے جس نے نظریۂ علم کی صحیح تاویل کی اور اسکی بحث کو مابعد الطبیعیات کی بحث سے مقدم رکھا،

چنانچہ جس طرح کانٹ نے یہ پہلا قدم اٹھایا، اسی طرح اس دور مین بھی یہ کام پہلی دفعہ عمل مین آیا، اور فلسفہ کی تمام شقون پر بحث کیگئی،

(۴) دورِ شارحین،

اس چوتھے دور اور تیسرے دور مین کوئی حد فاصل قائم نہین کی جا سکتی لیکن یہ وہی زمانہ ہے جسمین ہندوستان کے بہترین سے بہترین اور قابلترین علما سفہ دنیا کے سامنے نمودار ہوے، مثلاً کمارل بھٹ، شنکر، رامانوج، مادھو، وشیشتی، اوادین، جے انت، جیانن بھکشو اور رگھوناتھ وغیرہ، لیکن یہی وہ زمانہ ہے جس سے ہند وفلسفہ کا تنزل شروع ہوا، کیونکہ مصنفین قدیم نے اپنے اپنے اوریجنل خیالات سے دنیا کو متمتع کیا، لیکن اس دور مین سب سے زیادہ کام صرف گذشتہ باتون کی شرح تھا، اگرچہ ہم اس سے انکار نہین کر سکتے. کہ بعض شارحین نے اپنی تصانیف مین محض کورانہ تقلید ہی پر قناعت نہین کی، لیکن پھر بھی ایسی مثالین کم ملتی ہین، زیادہ تر اس دور کا انحصار تقلید پر ہے، اور جب تقلید کا آغاز ہو تو تنزل ایک لازمی نتیجہ ہے، چنانچہ بجائے اصلی فلسفیانہ مباحث کے اس دور مین صرف ظاہری آرایش کی فکر دامن گیر تھی، بجائے فلسفیانہ معانی پر غور کرنے کے محض لفظون اور اصطلاحون کے جھگڑے اور موشگافیان نظر آتی ہین،

دورِ اوّل

یعنی
ویدون کا زمانہ

وید ہندوستان کی مذہبی کتابین ہین، اور تسلیم شدہ بات ہے، کہ ویدون سے زیادہ پرانی کوئی کتاب آج دنیا کے صفحہ پر موجود نہین، لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وید اس کمل حالت مین جس مین وہ رشیون پر اُترے تھے، موجود نہین، ویدون کی تعداد صرف چار ہے، رگ وید، سام وید، یجر وید، اور اتھروید، پہلے تین وید زبان اور مضمون کے لحاظ سے ایک جیسے ہین، صرف اتھروید ان سب سے مختلف ہے؛

رگ وید ان سب ویدون مین سے فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے بڑھ چڑھ کر ہے. جب آریہ ہندوستان مین وارد ہوئے تو انھین مختلف قسم کے مذہبی گروہون سے ملنے کا اتفاق ہوا جن کا طریقۂ عبادت اور طریقۂ زندگی بالکل مختلف تھا، اس لئے انھین خوف پیدا ہوا کہ مبادا وہ تمام منتر جو ان مین زمانۂ قدیم سے رائج تھے، ضائع نہ ہو جائین، انھی منترون کے مجموعہ کا نام رگ وید ہے، یہ اُس زمانہ کی یادگار ہے، جب آریہ ابھی ہندوستان مین آئے ہی تھے، اور صرف پنجاب کے میدانون تک ہی محدود تھے،

سام وید درحقیقت، رگ وید کے منتروں کو مختلف پیرایوں سے اکٹھا کرکے بنایا گیا ہے، اوراسی طرح یجروید منترون کے یہ دونون مختلف مجموعے صرف اس لئے تیار کئے گئے تھے، تاکہ قربانی (یگیہ) کے موقع پران کا ورد بآسانی ہوسکے، ان کا زمانہ، تصنیف رگ وید کے بعد کا ہے، جب آریہ پنجاب کی وادی سے نکل کر مشرق کی طرف دریائے گنگا کی وادی مین جا پہنچے،

اتھروید، رگ وید کی طرح ایک علٰحدہ حیثیت رکھتا ہے، لیکن مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس کی وقعت پہلے تینون ویدون سے کم ہے، کیونکہ مدت تک اوسکو وید تسلیم ہی نہین کیا گیا تھا، اور نہ اسی لئے اُسے معتبر مانا جاتا تھا، اور نہ اس پر کوئی شرح لکھی گئی، مگر فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے رگ وید کے دوسرے درجہ پر ہے، اس کی طرز تحریر (Style) اوراس کے مضامین، رگ وید کی طرز تحریر اور مضامین سے بالکل مختلف ہین، یہ رگ وید کے بہت بعد کے زمانے کی تصنیف ہے، وہ زمانہ جب آریون نے محکوم قومون کو اپنے مذہب وتمدن مین ملانے کے لئے ان کے رسوم مذہبی ومعاشرتی کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا، چنانچہ اتھروید جو مذہب پیش کرتا ہے، وہ رگ وید کے مذہب سے بہت فروتر ہے!

ہرایک وید پھر تین حصون پر مشتمل ہے:-

(۱) منتر (۲) برہمن اور (۳) اپنشد،

منترون کے مجموعے کا نام سنہتا ہے، برہمنون مین مذہبی احکام اور اوامر ونواہی کے متعلق بحثین موجود ہین، اپنشد اور ارنیکا، برہمنون کے آخری حصون کا نام ہے، جن مین فلسفیانہ مضامین پر بحث ہوتی ہے، برہمنون مین صرف وہ مسائل ہین، جن کی پیروی ایک گرہستی کو لازم ہے، لیکن جب بڑھاپے مین لوگ دنیا چھوڑ کر جنگلون مین چلے جاتے ہین، توان کی رہنمائی کے لئے ارنیکا ہین، منتر شاعرون کے دماغ کا نتیجہ ہین، برہمن رشیون اور پنڈتون کے دماغ کا، اور اپنشد، فلاسفہ کے خیالات کا نتیجہ ہین،

جیسا کہ ابھی بیان کردیا گیا ہے، کہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے صرف رگ وید اور اتھروید ہی قابل ذکر ہین، اس لئے

صرف انھی کا ذکر یہیں اور آیندہ مضمون میں کیا جائے گا،

رگ وید | دنیا میں جتنے علوم ہیں، ترقی کے مختلف درجات سے گذر کر آج اپنی موجودہ حالت میں ہم کو نظر آ رہے ہیں، مثلاً کیمسٹری (Chemistry) کا پہلا درجہ کیمیا کی تلاش تھی، جب لوگ بجائے موجودہ طرزِ تحقیق کے صرف سنگ پارس کے لئے مختلف اشیا کو مختلف طریقوں سے تقسیم (Analysis) کیا کرتے تھے، موجودہ علم ہیئت کی پہلی صورت علم نجوم تھا، اسی طرح فلسفہ کے پیشرو علم الاصنام اور مذہب ہیں، چنانچہ اسی اصول کے مطابق اگر ہم کو کسی قوم کے فلسفہ پر غور کرنا ہے، تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے اس کے مذہب پر نگاہ ڈالی جائے، مذہب بھی دنیا کی دیگر اشیاء کی طرح ارتقاء کی مختلف منازل سے گذرتا ہے، لیکن اگر مذہب کی حقیقی ابتداء (Origin) یا اوسکی پہلی منازل دیکھنا ہو تو رگ وید سے بہتر کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں، ہومر (Homer) کی تصانیف میں اور عہد عتیق کے پرانے ملفوظات میں ہمیں مذہب کی ترقی کی بعد کی منازل نظر آتی ہیں، لیکن صرف ہندوستان ہی میں مذہب اپنی اولین حالت میں جلوہ افروز ہے،

جب ہم ان منتروں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو سب سے پہلے جو چیز نظر آتی ہے، وہ ان کی اکثریت پرستی (Polytheism) ہے، بے نتہا دیوتاؤں کے نام ہیں جنکی پرستش کیجاتی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں کہیں کہیں ایسے منتر بھی ملتے ہیں جنہیں خدائے واحد کی پرستش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ صرف رگ وید ہی میں ہمیں مذہب کی تین مختلف منازل ارتقا نظر آتی ہیں، وہ یہ ہیں،

(۱) اکثریت پرستی (یا پولی تھی ازم) یعنی بہت سے خداؤں کی پرستش،

(ب) وحدانیت (یا مونو تھی ازم) یعنی صرف ایک خدا کی پرستش،

(ج) وحدیت (یا مونزم) یعنی صرف وجود واحد حقیقی ہے،

(۱) اکثریت پرستی رگ وید میں بے حد دیوتاؤں کا نام آتا ہے اور یہ پروفیسر رادھا کرشن کے الفاظ میں "انسانی دماغ کی خداگری کا بہترین نمونہ ہے۔ ذیل میں صرف چند دیوتاؤں کے نام درج کئے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوجائیگا"

کہ ان دیوتاؤں کی سیرت (Character) کیا ہے، اور وہ مذہب جس کو رگ وید نے پیش کیا

ہے، کیسا ہے، !

(۱) وَرُون دیوتا، اس کا مادہ ہے، "ور" جس کے معنی ہیں "ڈھانکنا" یہ آسمان کا دیوتا ہے، ایرانی اہورمزدا اور وَرُون

دیوتا دراصل ایک ہی ہیں، مِتّر اس کا دوست ہے، اور جب ان دونوں کا نام اکٹھا آتا ہے، تو اس سے مراد رات اور دن

نور وظلمت ہوتی ہے، ورون آہستہ آہستہ ترقی کرکے اخلاقی دیوتا (یعنی وہ دیوتا جو محافظِ اخلاق ہے،) کی حیثیت اختیار

کرلیتا ہے، وہ گنہگاروں کو سزا دیتا اور توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے،

اگرچہ ستیارتھ پرکاش (ترجمہ اردو صفحہ ۴۲۲) میں لکھا ہے، کہ ایشور گناہ معاف نہیں کرتا، لیکن رگ وید کے ہر اس منتر

میں جو ورون دیوتا کے منسوب ہے، ہم یہی ایک چیز پاتے ہیں، گناہوں سے توبہ اور استغفار، وشنو اور بھگوت فرقے

جنھوں نے بھگتی کے اصول پر بہت زور دیا ہے، درحقیقت اسی ورون دیوتا کی عبادت کی صدائے بازگشت ہیں جن میں گناہ

کا احساس اور خدائے رحیم کی بخشش کی امیدواری ہر وقت نمایاں تھی،

وہ قانونِ اخلاق جس کا وہ محافظ تھا، رتہ کہلاتا ہے، رتہ لغوی معنوں کے لحاظ سے دنیا کی اشیاء کا ایک بنیادی

اصول ہے، اور افلاطون کے تصورات (Ideas) سے مشابہ ہے، جس طرح افلاطون کے نزدیک

دنیا کی ہر شے محسوس یا غیر محسوس بے حقیقت اور باطل تھی، اور اصل حقیقت وہی تصورات تھے، اسی طرح

یہ دنیائے مادی اسی رتہ کا ایک پرتو یا عکس ہے، جو تمام تبدیلیوں میں یکسان اور ثابت ہے، اور چونکہ وہ سب

اشیاء کا بنیادی اصول ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ وہ ان اشیاء یعنی مادی دنیا سے مقدم ہو، لیکن یہی رتہ

ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے طبیعی قانون کے بجائے خدائے واحد کے "ارادے" (Will) کا

مظہر اور پھر اخلاق و نیک چلنی کے قانون کی شکل اختیار کرلیتا ہے، رتہ کے لغوی معنی تھے، سورج، چاند، ستارے،

دن، رات، صبح و شام، غرض تمام مظاہر طبیعی کی مقررہ روش، لیکن بعد میں وہ قانون اخلاق تسلیم کیا گیا جس کی

پیروی ہر بشر و دیوتا کے لئے لازمی تھی، چنانچہ اسی لئے ورون دیوتا جو پہلے ایک قانون طبیعی کا محافظ تھا، بعد

مین قانونِ اخلاق (رتہ) کا محافظ قرار پایا،

(۲) سوریہ۔ سورج کا دیوتا ہے، سورج کی تپش اور روشنی کوئی کم عالمگیر نہ تھی، کہ آدمی قدیم الایام مین اس سے مرعوب نہ ہوتا، چنانچہ وہ مرعوب ہوا، اور سورج کی پرستش یونانی اور ایرانی ہر دو مذاہب کا لازمہ قرار پائی، سورج کی طرف بہت سی مافوق الادراک قوتین منسوب کی گئین، وہ دنیا کا نگہبان ہے، وہی لوگون کو کام کے لئے بیدار کرتا ہے، اندھیرا دور کرکے روشنی پیدا کرتا ہے، اور انھی بے مثل قوتون کی وجہ سے اسے دنیا کا خالق اور منتظم قرار دیا گیا،

(۳) وشنو، یہ تین کُرون کا خدا ہے، زمین آسمان، اور ملاءِ اعلیٰ کو گھیرے ہوئے ہے، رگ وید مین وشنو کا رتبہ اگرچہ بہت معمولی ہے، لیکن اس کا مستقبل بہت شاندار معلوم ہوتا ہے، وشنومت کی ابتدا بھی رگ وید ہی سے شروع ہوتی ہے، جہان وشنو کو بہت سریر (یعنی جسم عظیم کا مالک) کے نام سے پکارا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے تمام دو زمین کو تین بار صرف مصیبت زدہ آدمیون کی مدد کیلئے طے کیا تھا،

(۴) ادتی، اس کے لغوی معنی لامحدود ہین، اور یہ اُس لامحدود ہستی کا نام ہے، جو ہم کو چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہے، اَدِتی آسمان ہے، اَدِتی ماں ہے باپ ہے، اور بیٹا ہے، ادتی ہی تمام دیوتاؤن کا مبدأ ہے، اور ادتی ہی وہ ہے، جو پیدا ہو چکا ہے، اور آیندہ پیدا ہوگا، اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ادتی دیوتا دراصل سانکھیہ مذہب کی پراکرتی کا پیشرو ہے یعنی جو مفہوم سانکھیہ مین پراکرتی ادا کرتی ہے، وہی مفہوم اس دیوتا سے مراد ہے،

(۵) اگنی، اگنی آگ کا دیوتا ہے، اور اندر دیوتا سے صرف دوسرے درجہ پر، اس کے نام تقریبًا ۔۲ منتر منسوب ہین، اس کی جسمانی شکل بہت خوفناک دکھائی گئی ہے، اس کے دانت بہت تیز اور کاٹنے والے ہین، لکڑی یا گھی اس کی خوراک ہے، جب وہ حملہ کرتا ہے، تو اس کا راستہ سیاہ ہوتا ہے، اور اوسکی آواز بجلی کی طرح کڑکتی ہے۔

آگ نہ صرف زمین پر ہوتی ہے بلکہ سورج، صبح اور بجلی کی شکل مین آسمان پر بھی ہوتی ہے، اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے وہ دیوتا اور آدمیون کے درمیان ایک واسطہ یا وسیلہ ہوجاتا ہے جسکی مدد سے اندر دیوتا اور ورون

دیوتا وغیرہ کو مدد کیلئے پکارا جاتا ہے،

(۶) اندر بجلی کی کڑک کا دیوتا ہے، اور چونکہ تمام مظاہر طبیعی مین سے یہ زیادہ وحشت انگیز ہے، اس لئے اس کا دیوتا اندر بھی بڑا زبردست ہے، اگر ان منترون کا بغور مطالعہ کیا جائے، جو رگ وید مین اس کے نام کی طرف منسوب ہین، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر دلعزیزی دوسرے دیوتاؤن سے کہین بڑھ چڑھ کر ہے، اسکی طبیعی پیدایش تو ظاہر ہے وہ دریاؤن اور بادلون سے پیدا ہوا ہے، وہ بجلی کی کڑک کا آقا اور ظلمت کو شکست دینے والا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ اس منزل طبیعی سے ترقی کر کے روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے، اور تمام عالم اور مخلوق کا خدا تسلیم کر لیا جاتا ہے، وہ سمیع اور علیم ہے، چونکہ اس زمانہ مین آریہ، ہندوستان کے قدیم باشندون کے ساتھ جنگ وجدال مین مشغول تھے اسلئے اندر ان کا جنگی دیوتا قرار پایا، اور چونکہ ورون دیوتا، جس کی سیرت کا بہترین حصہ صلح جوئی حلیم طبعی اور شاہانہ سکون تھا، اس قابل نہ تھا کہ وہ اس زمانہ مین آریون کا دیوتا بن سکتا، اس لئے اندر نے اس کی جگہ پر بھی قبضہ پا لیا،

اس مختصر سی روداد سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام دیوتا کیا تھے وہ محض مظاہر طبیعی و قوائے طبعیہ کا مجسمہ تھے آدمی اپنی حیوانی حالت سے گذر کر جب انسانی حالت مین داخل ہوا، تو اوس نے اپنے اردگرد مختلف قوائے طبعیہ کو دیکھا، جن پر اس کی زندگی کا انحصار تھا، زمین آسمان ہوا بارش، کڑک وغیرہ ان کی طرف نہ صرف اس نے انسانی قوتِ ارادی منسوب کی، بلکہ انسانی نفس انسانی یا خودی، انسانی خواہشات اور کمزوریان بھی منسوب کین اس کے بعد انھی مجسم قوائے طبیعی کو اخلاق قانون کا محافظ سمجھا گیا، چنانچہ یہ تمام دیوتا دو مختلف قسم کے اجزا سے مرکب تھے (۱) طبیعی اور (۲) اخلاقی، مگر مذہب بہتر وہ ہے، جس مین اخلاقی عنصر طبیعی عنصر پر غالب ہو، اگر اس معیار پر رگ وید کے مذہب کو جانچا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ اتنا بلند رتبہ نہین کیونکہ رگ وید کے دیوتا اگرچہ ایک طرف اخلاق کے نگہبان تھے تو دوسری طرف بہت زیادہ عنصر نہ صرف قوائے ماورائے انسانی کا بلکہ خودپرستی کا عنصر بھی ان مین موجود تھا، اسی نقص کی وجہ سے ویدون کا پرانہ طریقہ عبادت مقبول نہ ہو سکا،

(ب) وحدانیت،

جیسے یونان میں زینوفانیس (Xenophanes) نے یونانیوں کے بے شمار دیوتاؤں کے بجائے خدائے واحد کا مفہوم اول اول پیش کیا، اور جس سے یونانی فلسفہ کے پہلے حقیقی مذہب (ELATICISM) کا آغاز ہوا، اسی طرح ہندوستان میں بے شمار دیوتاؤں کے ہوتے ہوئے لوگوں کے دل میں وحدانیت کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور یہی درحقیقت فلسفہ کے آغاز کا پہلا نشان ہے، اگر قدرت کے بے شمار مظاہر کے لئے بے شمار دیوتاؤں کی ضرورت تھی، تو قانون فطرت کی وحدت (unity) اور استمرار (uniformity) اس کی مقتضی تھی کہ خدا صرف ایک ہو جو سب پر حکمران ہو چنانچہ ورون دیوتا کی پرستش درحقیقت اسی مقصد کی طرف ایک قدم تھا، مختلف صفات اخلاقی وروحانی مثلاً عدل، رحم اور نیکی وغیرہ اس کی طرف منسوب کئے گئے، لیکن خالص وحدانیت اور اکثریت پرستی (پولوتھی ازم) کے درمیان ایک منزل اور بھی ہے، جو ہمیں رگ وید کے منتروں میں نظر آتی ہے۔ اس منزل کا نام میکس میولر نے ہینوتھی ازم (Heno Theism) رکھا ہے اس سے مراد یہ ہے، کہ لوگ باری باری صرف اس ایک دیوتا کی پرستش کرتے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی، اور باقی دیوتا بالکل فراموش کردئے جاتے، چنانچہ جب بارش کی ضرورت ہوتی تو اس وقت صرف بارش کے دیوتا کی پرستش ہوتی تھی، لیکن اگر کچھ دیر بعد دھوپ کی ضرورت ہوتی، تو اس وقت صرف سورج کے دیوتا کی وحدہ پرستش کی جاتی، غرض کہ کبھی ورون دیوتا سب سے بڑا درجہ حاصل کرلیتا کبھی اندرا اور کبھی اگنی، اس طرز عمل کو اگرچہ ہم خالص وحدانیت نہیں کہہ سکتے لیکن پولی تھی ازم یعنی اکثریت پرستی بھی نہیں کہہ سکتا،

ہینوتھی ازم کے بعد اصلی وحدانیت کا دور شروع ہوتا ہے، اس زمانے میں رشی اس دنیا کی علت واحد (یعنی خالق واحد) کی تلاش میں سرگرداں تھے، جو قدیم و ازلی ہو، یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے صرف ایک راستہ کھلا تھا یعنی تمام دیگر دیوتاؤں کو صرف ایک بڑے دیوتا کی قدموں میں پیش کیا جائے، اور وہ تمام دیوتا اسکی طرف سے مختلف کاموں پر مامور، چنانچہ اس طرح ان کا مقصد بھی حل ہوگیا اور گذشتہ روایتیں بھی محفوظ رہ گئیں۔

وہ خالق واحد جسکی تلاش کا ذوق کئی ایک منترون سے ظاہر ہوتا ہے، آخر کار پرجاپتی کی شکل مین نمودار ہوتا ہے
برہمنون مین مختلف مواقع پر کئی منترون کے ورد کی فرمائش کی گئی ہے، اور یہ منتران برہمنون کے مطابق وہ تھے
جو پرجاپتی نے دنیا کو پیدا کرنے کے وقت استعمال کئے تھے، اور یہ تمام منتر عام طور پر اس طرح شروع ہوتے ہین،

"ابتدا مین صرف پرجاپتی تھا، ...... وغیرہ"

(ج) وحدیت (Monism)

جب ہم غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے، کہ اکثریت پرستی (یعنی پولی تھی ازم) کا سبب انسانی فطرت مستفسرانہ تھی، جو ہر شے اور ہر مظہر قدرت کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے تھی، رات کو سورج کہان جاتا ہے، دن کو ستارے کہان ہوتے ہین؟ سورج گر کیون نہین پڑتا؟ ہوا کہان سے آتی ہے، اور کہان جاتی ہے؟ یہی وہ سوالات تھے، جو اکثریت پرستی کا باعث ہوئے، اور ان سوالات کے جواب دینے مین لوگون نے مختلف دیوتاؤن کی ہستی پیش کی، لیکن یہ انسانی دماغ کے ارتقاء کا صرف پہلا دور تھا جب انسان نے اور ترقی کی، تو یہ اکثریت پرستی ان کو ان جوابات سے مطمئن نہ کرسکی، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان تمام دیوتاؤن مین سے سب سے بڑا کون ہے؟ یہ زمانہ شبہات و شکوک کا تھا، اور پرانے خیالات بدل رہے تھے، چنانچہ رگ وید کے بعض بعد کے منترون مین یہ تبدیلی صاف طور پر نمایان ہے، ایک منتر مین شاعر صلہ رحمی کا ذکر بغیر کسی دیوتا کا نام لئے ہوئے کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اخلاقی قانون کی حفاظت اب ان کے سپرد نہین رہی، ایک دوسرے منتر مین جو اندر کے نام منسوب ہے، شاعر کہتا ہے:-

"وہ خطرناک دیوتا جس کی ہستی کے متعلق لوگون کو شک ہے اور پوچھتے ہین کہ وہ کہان ہے؟ نہین بلکہ واضح لفظون مین اسکی ہستی سے انکار کرتے ہین! وہی ان کو تباہ کریگا"

ایسے شکوک کئی جگہ منترون مین ملتے ہین، اور بعض جگہ تو سارے کے سارے منتر مین دیوتاؤن اور ان کی پرستش کرنے والون کا تمسخر اڑایا گیا ہے،

غرضکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دیوتاؤن کا رعب و دبدبہ زائل ہو رہا تھا، حتی کہ اپنشدون کے زمانہ مین تو یہ دیوتا بالکل غائب

بھی ہوگئے یہان تک کہ دوسرے دور میں پہنچ گئے ... [illegible] ... منسوب ہوگئی خدا کو انسانی شکل و انسانی

صفات (Anthropomorphic) بخشی گئی، یہ بھی اس دور کے فلسفیانہ دماغ کے لئے ناقص تھا، خواہ
خدا کا تصور ایک وحشی کی طرح ظالم انسان کا ہو، یا مہذب لوگون کی طرح جن کے نزدیک خدا مہربانی اور انصاف کرنے والا
اور ساری روئے زمین کا خالق و محافظ ہے۔ یہ ہر دو تصور انسانی (Anthropomorphic) ہیں۔ اور اس لئے
فلسفہ کے معیار کی رو سے ناقص، اس لئے اس دور مین بجائے وحدانیت کے وحدیت نے ترقی پکڑی۔

اس نظریہ کی پیروی مین اونھون نے اس اصول مرکزی کو لفظ "ست" سے پکارا، تاکہ اس سے ذکر و انث کا امتیاز
ہی اُٹھ جائے، انھین یقین کامل تھا کہ حقیقت (Reality) موجود ہے، تمام دیوتا، اگنی، اندرا اور ورون وغیرہ
اسی حقیقت کا پرتو ہین، وہ "حقیقت" واحد ہے، کثیر نہین، اور جسمانی خصوصیات و قیود سے بالاتر ہے، میکس میولر کہتا ہے،

"جس زمانہ مین رگ وید بھجن اکٹھا کئے گئے، اگرچہ ہم نہین جانتے کہ وہ کونسا زمانہ تھا، لیکن اس زمانے سے بھی
بہت پہلے یہ رائے قائم ہو چکی تھی، کہ خدا صرف ایک ہے۔ جو نہ مذکر نہ مونث، وہ ہر قسم کی قیود سے بالاتر ہے، اور جب اگنی، اندرا
اور دیگر ایسے نام لئے جاتے ہین، تو اون سے مراد اسی خدائے واحد سے ہے، حتیٰ کہ خود پرجاپتی سے بھی یہی خدا مراد ہے"

رگ وید کے بعض منترون مین اس پرم پرش (یعنی ایزد تعالیٰ) کے لئے جو ضمیر استعمال کیگئی ہے، وہ کبھی جاندار کی ہوتی
ہے، اور کبھی بے جان کی، اس دو طرفہ بات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ مصنف دو مختلف نظریون یعنی مونوتھی ازم (وحدانیت) اور
مونوازم (وحدیت) مین پورے طور پر فیصلہ نہین کر سکا، کبھی اس کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، اور کبھی دوسری طرف۔ اصلی
معاملہ یہ ہے کہ خدا کا تصور ایک فلسفی کے نقطۂ نگاہ سے اتنا بلند ہے، کہ اس کا بیان تقریباً ناممکن ہے، لیکن اگر ہم اسے بیان کرنا
چاہین، تو یقیناً ہمین اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑین گے، جو اسکو اپنے اصلی درجہ سے بہت نیچے لے آئین گے، چنانچہ انسان
کی عبادت کرنے کیلئے ہمین اس خدائے لاثانی کو ذات و صفات (Personality) کی قیود مین محدود کرنا پڑتا ہے
جونہی ہم خدائے مطلق کو معبود خالق بناتے ہین، تو وہ مطلق (Absolute) کے درجہ سے گر جاتا ہے، لیکن ایسی
حالت مین خدا کو ہم خدا کامل نہین کہہ سکتے، چنانچہ اگر خدا کامل ہے (یعنی مطلق ہے) تو مذہب ناممکن ہے، کیونکہ مذہب کیلئے

خدا اور انسان کا تعلق لازمی ہے، اور یہ تعلق ہی فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے خدائے مطلق کے لئے ناممکن ہے، اور اگر خدا کامل نہین یعنی مطلق کے درجہ سے کم ہے، تو ایسا خدا کسی مذہب کے لئے درست نہین ہو سکتا، ایک محدود خدا کا مفہوم انسان کے کمزور دماغ کے لئے تسکین بخش نہین ہو سکتا، اور نہ اس سے آخرت مین خیر (GOOD) کی کامیابی کا یقین آسکتا ہے، خالص اور بلند مذہب کے لیے خدائے مطلق کی ضرورت ہے، جو ذات وصفات (AUTHRO POMORPHISM) کی قیود سے بالاتر ہو،

اسی اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے کبھی جاندار کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جس سے وہ خدا مراد ہے جس کی مذہبی لوگ پرستش کرتے ہین، اور کبھی بے جان کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جس سے خدائے مطلق مراد ہے، جو فلسفہ اور اعلیٰ مذہب کے نزدیک خدا کا مفہوم ہے،

الغرض رگ وید کے منترون مین مذہبی خیال کے ارتقا کی چار مختلف منازل ہین، :-

(۱) پہلا زمانہ فطرت پرستی کا تھا جب کہ ہر ایک مظہر قدرت کو دیوتا سمجھ کر اوسکی پرستش کیجاتی تھی،

(۲) اس زمانہ مین دیوتا نہ صرف طبیعی قانون کے حامل سمجھے جاتے تھے بلکہ اخلاقی قانون کی حفاظت بھی ان کا فرض سمجھا جانے لگا، اس زمانہ کا دیوتا ورون تھا،

(۳) یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آریہ اس ملک کے قدیم باشندون سے برسر پیکار تھے، اس زمانہ کا دیوتا اندر تھا، جس مین نفس پرستی اور خودداری کا مادہ بہت زیادہ نمایان ہے،

(۴) دور وحدانیت :- اس زمانہ کا خدا پرجاپتی تھا،

(۵) دور وحدیت :- اس زمانہ کا خدا برہمن ہے، جو خدا کا بہترین فلسفیانہ تصور ہے،

لیکن رگ وید کے منترون مین یہ تمام منازل یکے بعد دیگرے موجود نہین، کئی دفعہ ایک ہی منتر مین یہ پانچوں خیالات موجود ہین، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے، کہ جس وقت رگ وید کے منتر جمع کئے گئے، تو یہ ساری منازل گذر چکی تھین اور مختلف آدمی مختلف خیالات کی پیروی کرتے تھے،

حضرت ناصر جنگ شہید

کے

بعض عنایت نامے

از جناب محمد غوث صاحب، (دعتشمہ) حیدرآباد دکن

حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول کے انتقال کے بعد سرزمین دکن میں حضرت مرحوم کی جانشینی کیلئے جو اختلاف پیدا ہوا، اس کے متعلقہ کاغذات اب گویا عنقا ہیں، اس عہد کا جو بھی کاغذ فی الوقت دستیاب ہو جائے وہ ایک قیمتی دستاویز ہے، حسن اتفاق کہ اس زمانہ پر آشوب کے بعض اصلی کاغذات قدیم بستوں کے ٹٹولنے میں برآمد ہوئے ہیں،

سیواجی کے باپ شاہ جی کے حملہ کے بعد سے تنجاور پر مرہٹہ راجاؤں کی حکومت تھی جس وقت حضرت ناصر جنگ شہید مسند آصفی پر متمکن ہوئے اس زمانہ میں راجہ پرتاب سنگھ تنجاور کے حکمران تھے، اس زمانہ میں جنوبی ہند کے راجہ اور نواب سب کو اپنی سلامتی کے لیے آصف جاہی زلہ ربائی ضروری تھی، راجہ پرتاب سنگھ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے، انھوں نے بھی حضرت ناصر جنگ شہید سے اظہار عقیدت کیا اور نذر گذرانی، پیشگاہ شہادت مآب سے بھی الطاف و عنایات کا اظہار ہوا اور عنایت نامے بہ دستخط و مہر خاص نافذ ہوتے رہے۔ فی الوقت اس قسم کے گیارہ عنایت نامے پیش نظر ہیں، یہ سب اس زمانہ کے حسب دستور افشانی کاغذ پر زیب تحریر پائے ہیں۔ سب کے سر عنوان پر "ہو الکریم" درج ہے اور سب کے سب مزین بہ "بیض خاص" ہیں۔ دو عنایت ناموں پر خط خاص سے بھی کچھ عبارت زیب تحریر فرمائی گئی ہے،

اس زمانہ میں خطوط اور فرامین پر تاریخ درج کرنے کا عموماً دستور نہیں تھا کاتب کی مہر صرف لفافہ پر ہوتی تھی مکتوب الیہ کا نام بھی لفافہ ہی پر درج ہوتا تھا، مہر سے کاتب و مکتوب الیہ دونوں کے نام و عہدے معلوم ہوتا تھا۔ [illegible]

یط و فرامین وغیرہ جب لفافہ کے بغیر بہ دست ہوتے ہین تو کاتب و مکتوب الیہ اور تاریخ کتابت کا پتہ چلانا بہت مشکل جاتا ہے،

پیش نظر عنایت نامون کا بھی یہی حال ہے، بد قسمتی سے اس کے لفافے غالباً مکتوب الیہ ہی کے دفتر مین تلف دیئے گئے ہین، البتہ یہ امر باعث تشفی ہے کہ لفافون پر جو مہر ثبت ہوتی تھی اسکو علحدہ کرکے ان عنایت نامون کی ت پر چسپان کر دیا گیا ہے، جو مہر چسپان ہے وہ یون ہے:-

"نظام الدولہ ۱۱۵۲"

مزید خوش قسمتی سے ایک عنایت نامہ پر "۱۲ ربیع الاول ۱۱۶۳ھ" بھی مرقوم ہے، سب عنایت نامون کا از "شہامت و جلادت دستگاہا" کے القاب سے ہوا ہے،

بہر حال باوجود صاحب عنایت نامجات کا نام مرقوم ہونے کے یہ امر متحقق ہے کہ یہ عنایت نامے راجہ پرتاپ ھ والی تنجاور کو ہی مرحمت ہوئے تھے[۵]،

۱- ۱۱۵۹ھ مین اعلیحضرت مغفرت مآب آصفجاہ اوّل نے حضرت ناصر جنگ کو میسور کی جانب روانہ فرمایا تھا۔

تنجاور سے سرسری واقفیت حاصل کرنے کے لیے کے۔ آر سبرا منین صاحب ایم اے (مدراس) کا ایک انگریزی رسالہ موسوم بہ ہٹہ راجاز آف تنجور" بہت مفید ہے،

ان عنایت نامون پر نوٹ لکھنے مین حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے،

۱- تحفۃ الاخبار، ۲- توزک والاجاہی، ۳- توزک آصفیہ، ۴- گلزار آصفیہ- ۵ مآثر الامرا، ۶- مرقع دکن اور ۷- یخ ہندوستان تالیف تھامسن صاحب (انگریزی)

ان مین سے تحفۃ الاخبار اور توزک والاجاہی کرناٹک کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون تا حال غیر مطبوع ہین، ان کا ایک ب نسخہ حیدرآباد مین دفتر دیوانی و مال وغیرہ کے بیش قیمت کتب خانے مین فراہم کیا گیا ہے، یہ دونون کتابین ایک مستقل مضمون کی محتاج ہین،

توزک آصفیہ اور گلزار آصفیہ حیدرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون کتابین طبع ہو گئی ہین،

تاکہ میسور کے راجہ سے پیشکش وصول کیجائے، چنانچہ سری رنگ پٹن میں پہنچکر پیشکش وصول فرمائی گئی اور بعد ازان جانب اورنگ آباد مراجعت عمل میں آئی[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل عنایت نامہ نواح میسور ہی سے راجہ پرتاپ سنگھ کے نام پر نافذ ہوا،

"مبالغ خطیر من جملہ پیشکش بذمہ آن جلادت دستگاہ باقیست بنظر برین معنی عزم صمیم داشتیم کہ بحول وقوۃ الٰہی بعد انفراغ معاملت سری رنگ پٹن متوجہ تعلقہ آن جلادت دستگاہ شویم لیکن چون درین روزہا شہامت پناہ محمد محفوظ خان[2] بحضور رسیدہ ملازمت نمود وکیفیت برآوردن اناشئیہ مستقیم بودن آن جلادت دستگاہ بر جادۂ اطاعت وفکر سبیل زر پیشکش بعرض رسانید لہذا در توجہ ان طرفہا توقف فرمودیم وعقیدت شعار خوجہ امید را کہ از فدویان معتمد ست فرستادیم می باید کہ زر باقی پیشکش را مع نیاز معقول برای ما معرفت شہامت پناہ انورالدین خان[3] بہادر ارسال نماید و در فوج ظفر موج تعجیل خود رسیدہ داند بعض ارشادات از نوشتہ شہامت پناہ محمد محفوظ خان بہادر معلوم خواہد شد۔

۲- ذیل میں جو عنایت نامہ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حکمرانی سے پہلے کا ہے ممکن ہے کہ یہ عنایت نامہ پہلی فرانسیسی جنگ کے سلسلہ میں صادر ہوا ہو[4]،

"وکلائے انگریزان بحضور رسیدہ تعدی فرانسیسان بعرض رسانیدند چنانچہ درباب ممانعت انہا شہامت مرتبت انورالدین خان بہادر از حضور بندگان حضرت[5] وازین جا تاکید رفتہ باید در امداد و اعانت انگریزان پرداختہ نگذارند کہ صدمے از تعلقہ داران بدشاہی رسد غلہ وسرب و باروت وغیرہ بمردم [illegible] مصدر شورش و فساد [illegible] درین باب تاکید [illegible]

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۵۵ - سری رنگ پٹن حسب بیان مآثر [illegible] میسور کا [illegible] [2] نواب محمد علی خان [illegible] کے بھائی۔ [3] نواب محمد علی خان [illegible] [illegible] حضرت [illegible] [illegible]
[4] اس کی تفصیل مضمون [illegible] [5] نواب حضرت [illegible]

۳۔ حضرت آصفجاہ مغفرت مآب کی وفات کے بعد نواب ناصر جنگ شہید مسند پدری پر رونق بخش ہوئے، اس موقع پر راجہ پرتاب سنگھ نے بھی اظہار عقیدت کرکے ۴۲ اشرفی نذر گذرانی اور عرضداشت پیش کی، شہادت مآب کی بارگاہ سے قبولیت نذر اور عرضداشت مرسلہ کا جو جواب مرحمت ہوا وہ یہ ہے،

"خط مرسل با چہل و دو اشرفی نیاز رسید و موجب سرور خاطر گردید، بہ مقتضائے خلوص ارادت و رسوخ عقیدت تردد داشتے کہ از آن جلالت دستگاہ ظہور نمودہ شایان تحسین و آفرین است، بنصرو تائید الٰہی اصلاح و انتظام امور و مہام ان حدود مکنون خاطر است و عنقریب از قوۃ بہ فعل می آید، آن شہامت پناہ مترصد ظہور این لطیفہ غیبی بودہ بیش از بیش مراسم دولت خواہی را کہ مسلک قویم اطاعت و انقیاد است بتقدیم رسانیدہ بہ ہمین آئین نویسان حالات باشند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۴۔ ۱۱۶۱ھ مین حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اوّل نے جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی اور فتنہ و فساد کا ایک نیا عالم وجود مین آگیا، سرزمین دکن جنگ و جدل اور دغا و فریب کے شرمناک اور دردانگیز مناظر کی تماشہ گاہ بنگئی، سارے دکن مین باہمی نزاعون کا ایک نہایت پرپیچ جال بچھ گیا، قحط الرجال کی جو شکایت شاہ [illegible] کان کو تھی وہ اب عالمگیر ہو چکی تھی، خودسری کے تخیل کی ہمہ گیری تھی، درست ہے کہ اس وقت بھی بقیۃ السیف مشرقی ارباب دانش و بنیش حالات کی نزاکت سے سہمے جا رہے تھے لیکن ان کے ہاتھ اس قدر قوی نہین تھے کہ آنے والے طوفان کو روک دیتے اور جن افراد مین اس افراتفری کے فرو کرنے کی قوت تھی وہ تیغ و تفنگ کے شکار ہو گئے،
بہرحال حضرت مغفرت مآب کے جانشین شہادت مآب ناصر جنگ کے برخلاف آپکے ہمشیرزادہ حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ صوبہ دار بیجاپور نے علم بغاوت بلند کیا، اور نواب انورالدین خان شہید سے قبل نظامت ارکاٹ جس خاندان مین چلی آتی تھی اس کے ایک رکن نواب حسین دوست خان چندا صاحب کو صوبہ داری کرناٹک کے دعوی کی سوجھی، نواب انورالدین خان شہید اسوقت دربار آصفی کے مقرر کردہ صوبہ دار کرناٹک تھے انھون نے نواب مظفر جنگ کو اپنے دعوی سے باز آجانے کی نہایت اخلاص سے بہت ترغیب دی، نواب

انورالدین خان کو ان کے پاس، درنیک ہونے میں تقریباً پوری کامیابی حاصل ہو چکی تھی نواب مظفر جنگ نے یہی نہیں بلکہ حکومت سے تائب ہو جانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا کہ فرانسیسی ڈپلومیسی بازی لے گئی، بقول صاحب "تحفۃ الاخبار" نواب مظفر جنگ کی اطلاع کے بغیر لشکر انوری پر بے خبری میں دھاوا بول دیا گیا، اس تہلکہ میں دکن کے لیے حضرت مغفرت مآب کے انتقال کے بعد دوسری مصیبت یہ آئی کہ نواب انورالدین خان بھی شہید کر دیئے گئے، (۱۱۶۲ھ)

اب نواب مظفر جنگ کے ساتھ جیتنے والے ارکاٹ میں داخل ہوئے اور نواب مظفر جنگ کو مسند آصفی کا وارث ٹھہرایا، نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر اس وقت ترچناپلی میں مقیم تھے، اُن کے والد نواب انورالدین خان شہید نے ان کو ان اضلاع کا انتظام سپرد کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر نے نواب مظفر الملک کی حکومت تسلیم نہیں کی اور حضرت ناصر جنگ شہید کو حالات سے مطلع کیا، اس وقت راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر جو عنایت نامہ صادر ہوا وہ یہ ہے،

"بے ہدایت شقی[۱] از برگشتگی طالع طریق بغی نمودہ و با انبوہ اوباش در ملکہ کرناٹک[۲] منتشر گردید لہذا موکب منصور بہم عنانی عساکر نصرت و تائید ربانی عنقریب متوجہ آن سمت[۳] میشود و باغی شقی علف صمصام انتقام بہادران نصرت آئین میگردد، بہمہ جہت مستقل بودہ بابسالت دستگاہ محمد علی خان[۴] از صمیم قلب شرائط موافقت و مرافقت بجا آرند و رفیق و شریک ترددات باشند و این معنی را باعث افزائش توجہ خاطر دستمر نتائج شناسند، زیادہ چہ نوشتہ شود۔"

ارکاٹ میں چند دن قیام کرکے نواب مظفر جنگ پانڈی چری کی جانب روانہ ہوئے، وہاں نواب حسین دوست خان چندا صاحب[۵] اور ڈوپلے کی مشورت سے طے ہوا کہ فی الوقت نواب والاجاہ بہادر سے مقابلہ نادرست ہے، ان کا مقابلہ نہایت سخت ہوگا، اس کے لیے معقول رقم کی ضرورت ہے، لہذا تنجاور پر تاخت کرنی چاہیے کہ مال و دولت کے حصول کی بڑی توقع ہے، تنجاور پر یورش عمل میں آئی معلوم ہوتا ہے کہ کسی

۱؎ حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ مراد ہیں۔ ۲؎ ملک کرناٹک مراد ہے۔ ۳؎ نواب مظفر جنگ مراد ہیں۔ ۴؎ نواب والاجاہ بہادر مراد ہیں
۵؎ دیکھو بقیہ حاشیہ بر ص ۴۵۲،

اطلاع پیشگاہ شہادت مآب میں عرض کیگئی، جو جواب شرف صدور پایا وہ اس طرح ہے :-

"خط مرسل متضمن آوارگی باغی شقی[1] در نواح تنجاور و حرکات سفیہانہ باغوائے چندلے ادبار نصیب شریر بے پیر[2] و محاصرہ قلعہ و استقلال آن شہامت پناہ رسید و مضامین بوضوح انجامید بنصرو تائید بست و پنجم شہر صفر ختم بالخیر و الظفر سواد مدکری (؟) مخیم جاہ و جلال گردید و فوج جرار خونخوار مرہٹہ برسم منقلا تعین شد کہ پاشنہ کوب بسر وقت اشقیا رسیدہ علف تیغ انتقام سازد و موکب منصور نیز جلو ریز عنقریب رسیدہ، بقیۃ السیف را قتل و اسیر می کند و ساحت ان ملک از لوث شرارت باغی شقی پاک میشود، ان شہامت پناہ باستقلال تمام سرگرم مدافعہ سفہا بود لشکر ظفر اثر را ہمعنانی تائیدات الٰہی رسیدہ دانند زیادہ چہ نوشتہ شود"

۶ - شہادت مآب نے بغاوت کے سدباب کے لیے خود بنفس نفیس جانب کرناٹک عزیمت فرمائی تھی، عنایت نامہ نمبر ۵ اثنائے راہ ہی سے مرحمت ہوا ہے، اس اثنا میں مخالفوں کی جد و جہد اپنے پورے شباب پر تھی، غالبًا راجہ پرتاب سنگھ نے وقت بوقت حالات سے مطلع کرنے کا التزام رکھا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ تنجاور پر جو یورش کیگئی تھی اسمیں نواب مظفر جنگ کو کامیابی نہیں ہوئی، اس کی اطلاع عرض کیگئی تو ارشاد ہوا کہ

"الحمد للہ و المنۃ باغی شقی[3] آوارۂ دشت ادبار شد و اطمینان کلی از فتنہ او و امنیت تام در ان حدود بحصول پیوست لہذا بہ شہامت پناہ انور الدین خان[4] نوشتیم، کہ خود را بحضور رساند از آنجا کہ خان مذبور بکرات اثبات حقوق بر ان جلادت پناہ نمودہ و شرائط امداد و اعانت بجا آوردہ

---

[1] نواب مظفر جنگ نے ان کو صوبہ داری کرناٹک پر مامور کردیا تھا لیکن نواب والا جاہ بہادر نے ان کی صوبہ داری چلنے نہیں دی، [2] نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [3] نواب حسین دوست خان چندا صاحب سے مراد ہیں، [4] غالبًا نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [5] نواب محمد علی خان والا جاہ بہادر مراد ہیں،

وبہمہ جہت ممد ومعاون بودہ وحق اینست کہ بہ تقویت خان مذبور از ین بلاے مبرم محفوظ ومصون

ماندہ اندؑ باید خود را بلا توقف ہمراہ خان مذبور بحضور رسانیدہ در قتل واسر باغیان ظلمت سرشت شقی

مصدر ترددات نمایان شوند ورسد غلہ متصل وپیہم بار دوے معلی می فرستادہ باشند درین باب

تاکید دانند زیادہ چہ نوشتہ شود۔

۷۔ جانب دکن عزیمت عمل مین آنے کے بعد اثنائے راہ سے جو عنایت نامے صادر ہوتے رہے اُن کے

منجملہ ایک عنایت نامہ یہ ہے:۔

"عرضہ داشت متضمن ارادہاے فاسد وحرکات لغو بے ہدایت ادبار نصیبؑ رسید ومضامین

مفصل بوضوح انجامید، باغی ظلمت سرشت با اعوان وانصار عنقریب قتیل واسیر میشود وعرصہ کرناٹک

از لوث فتنہ او منزہ ومطہر می گردد وتقدیم لوازم برفاقت شہامت پناہ نورالدین خانؑ کہ فی الجملہ

شاہد عدل است بر خلوص عقیدت وفدویت باعث افزونی توجہ خاطر ما بحال ان جلادت دستگاہ

شد، وفاق واتفاق با فدویان ارادت سرشت ما ہمہ وقت مفید است بتخصیص در وقات فتنہ و

آمادہ شدن اسباب فساد فوائد کلی دارد ومثمر حفظ وحراست ملک ومنتج صیانت مال خلائق ہست

بعون وصون الٰہی بغتم شہر محرم الحرام از دریائے کشناؑ وشانزدہم از تمؑ بہدرا عبور عساکر فیروزی اثر

بہم عنانی جنود مجندہ تائیدات ربانی قرین فرح وفیروزی دست بہم دادہ بحول اللہ وقوتہ عنقریب

بیان حدود رسیدہ میشود وباغیان بد ہنر مقہور مخذول ومستاصل می شوند زیادہ چہ نوشتہ شود"

۸۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا عنایت نامہ یہ ہے:۔

"بنصرت وتائید الٰہی موکب منصور بارادۂ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ باید آن شہامت پناہ بمعیت

لہ راجہ نے نواب محمد علی خان سے مدد مانگی تھی، انھوں نے امداد کی فوج روانہ کی، فوج کی آمد آمد سن کر مخالفین کو منتشر ہو جانے

کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا، ؑ دیمن جی نامی نواب نصیر جنگ [illegible] [illegible]

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر تردداتِ نمایان شوند، دواز دہم

شہر ربیع الاوّل ۱۱۶۳ھ قلمی شد"

۹۔ اسی مضمون کا ایک اور عنایت نامہ بشرح دستخط خاص صادر ہوا:-

"بنصرت و تائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ بایدان شہامت پناہ باجمعیت

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر ترددات نمایان شوند، زیادہ

چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص[1]:-

"شنیدہ شد تا حال اشقیا ہمانجا بامید ادبار اند، افواج قاہرہ و سرداران نامی عنقریب می رسند

خود بخود اشقیا خود را گرفتار وبال و نکال کردہ اند در صورتے کہ ہمانجا ہستند، و فوج منقلا برسد آنہا را

جائے گریز ہم نمی ماند دریں وقت استقلال از دست ندہند ہمین کہ فوج منقلا محمد علی خان کہ ملقب

بہ انور الدین خان شدہ یقین کہ شریک فوج منقلا خواہد شد، از چار طرف اشقیا را درمیان گرفتہ قسمے

تنگ باید کرد کہ از جان بتنگ آیند، درین صورت گروہ نکبت پژوہ آنہا پراگندہ میشود و تاہم با لشکر

قیامت اثر بسر وقت آنہا می رسیم بحول و قوت الٰہی"

۱۰۔ شہادت مآب کے کرناٹک مین تشریف فرمائی کے بعد جو ماجرا گذرا وہ مختصراً یہ ہے کہ لشکر آصفی کیا آیا، فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دیگئی، فرانسیسی فوج اپنے سب عہد و پیمان بھول گئی، میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی، نواب مظفر جنگ تنہا چھوڑ دیئے گئے، نواب حسین دوست خان چندا صاحب بھی چل کھڑے ہوئے، بالآخر نواب مظفر جنگ گرفتار اور پیشگاہ شہادت مآب مین حاضر کئے گئے، نواب مظفر جنگ کی جان بخشی عمل مین آئی، نواب والا جاہ کو ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ مین نظامت ارکاٹ پر سرفراز کیا گیا اور اس خصوص مین جو فرمان دہلی سے شرف

[1] جس عنایت نامہ وغیرہ پر بعد مبیضہ جو عبارت بخط خاص ہوتی ہے اسکو "شرح دستخط خاص" کہا جاتا ہے،

نفاذ پایا تھا وہ ان کو عطا کیا گیا،

باوجود اپنی بے سروسامانی کے اعداء اپنی دھن مین لگے رہے، فرانسیسی سازشین برابر کام کرتی رہین تا آنکہ خبر آئی کہ قلعہ نصرت گڈھ بھی مخالفون کے قبضہ مین آگیا، غالبًا یہ خبر سماعت فرما کر جو عنایت نامہ نافذ فرمایا گیا وہ یہ ہے

"خط مرسلہ رسید و مضامین مفصل بوضوح انجامید با وصف بودن ہمچو قلعہ مستحکم و تکاثر جمعیت و توافر مصالح و ادوات حرب و علاوہ ان از صولت و سطوت انی افواج ظفر امواج مضطرب و سراسیمہ شدن باغی شقی و تطرق تفرقہ و انتشار در انبوہ نکبت پژوہ او و عجالتا تعین فوج منقلا بکومک و اعانت شما و بر سر رسیدن فوج مذکور تاب مقاومت نیاوردہ استدعاے مصالحہ و قبول زر باعث تعجب شد ہمین است مشہور کہ قلعہ اگر از کاغذ دارسش زن و حربہ اش سوزن باشد تا شش ماہ متحفظ قائم داشت فائدہ زر دادن چہ شد کہ یکے این کہ آنہا قابو یافتہ باز ہنگامہ پیکار گرم کردند مار رسیدہ دانند و بمدافعہ پردازند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص:-

عنقریب بحول و قوۃ قوی مطلق لشکر قیامت اثر بر سر وقت باغیان ظالم می رسد دست و پا

. . . . . تباہ کرد، اما استقلال باید بود"

یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ نے اس وقت تائید و اعانت کے کیا مراتب انجام دیے، اس وقت جو مواد پیش نظر ہے، اس سے یہ مشکل حل نہین ہوسکی ہے، اس لحاظ سے یہ بھی تحقیق نہین کہا جا سکتا کہ یہ عتاب کس قلعہ کی سپردگی سے صادر ہو، ممکن ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ کو قلعہ نصرت گڈھ کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا ہو،

"وامق وعذرا"

از

جناب نبی احمد خان صاحب شاد، رجسٹرار کتب خانہ رام پور،

داستان وامق وعذرا، فارسی زبان کا ایک قدیم مشہور قصہ ہے، جسکی اصل و منشا مین شدید اختلاف ہے، بعض لوگون نے اسکو ویس
ین کی طرح قدیم ایرانی زبان کا قصہ تصور کیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہے، کہ ایک روز امیر عبداللہ بن
ہر والی خراسان، نیشاپور مین مقیم تھا کہ ایک شخص نے ایک کتاب پیش کی، امیر نے پوچھا کہ کیا کتاب ہے؟ جواب دیا کہ قصہ وامق وعذرا
لو حکما نے نوشیروان کے لئے ترتیب دیا تھا الخ، بعض لوگ اسکو لیلیٰ مجنون کی طرح عربی داستان خیال کرتے ہین، چنانچہ ابن ندیم اپنی فہرست
ن لکھتا ہے، کہ سب سے پہلے قصہ وامق وعذرا کو سہل بن ہارون نے تالیف کیا،

تیسرے گروہ کا گمان ہے کہ سلامان وآبسال و یوسف زلیخا کی طرح یہ کتاب ملل اجنبیہ سے اقتباس کی گئی ہے، اور اصلاً یہ کتاب
ونانی زبان مین تھی، جیسا کہ مجمل التواریخ مین تحریر ہے، کہ داراب بن داراب کے عہد مین پہلی مرتبہ یہ کتاب ملک یونان مین تالیف ہوئی،
نصری کی مثنوی کے اعلام واسما سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، کہ اوس کی اصل یونانی زبان مین تھی، اور لفظ وامق وعذرا بھی یونانی
زبان کے عاشق و معشوق کا ترجمہ ہے،

وامق وعذرا کی شخصیت مین بھی سخت اختلاف ہے، اور کوئی دو روایتین بھی باہم متحد نہین ملتین، جیسا کہ ہر مثنوی کے تحت مین
ین ظاہر کیا جائیگا، حمد اللہ مستوفی نے اپنی مشہور تالیف گزیدہ[1] مین اون کو اسکندر اکبر کا ہم عہد لکھا ہے،
وامق وعذرا پر اب تک تقریباً بیسیوں کتابین تالیف ہو چکی ہین، اور ان کے حالات محبت پر ہر زبان مین کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے

[1] تاریخ گزیدہ مطبوعہ لنڈن ج ۱ ص ۱۰۰

لیکن یہ بہت حد تک قرین قیاس ہے کہ زبان فارسی میں سب سے پہلے جس شخص نے اس قصہ کو نظم کیا وہ یہی مشہور شاعر عنصری تھا۔ عنصری نے چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں کی شروع میں اوس کو مثنوی کے قالب میں ڈھالا، لیکن افسوس کہ یہ مثنوی اب دنیا سے ناپید ہے۔ بعض اہل لغات نے اس کے کچھ اشعار بطور شواہد اپنی فرہنگوں میں نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بحر متقارب میں تھی۔ جو اشعار دستیاب ہو سکے، وہ یہاں نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں :۔

جزیرہ یکے بد بیونان زمین	کرونیش نام و شہر گزین
کہ مکذیطس آن جایگہ داشتے	بشاہی درو تخت بگذاشتے
یکے دوستش بود ترقان نام	بسے آزمودہ بنا کام و کام
بفرمود تا آستناقی بگاہ	بیاید بنزدیک رخشندہ ماہ
ابا دیترکان ماند وامق بجنگ	نہ روے گریز و نہ رائے درنگ
بانسر بجہ افراطس نامدار	یکے پادشاہے بدے ہوشیار
فلاطوس برگشت و آمد براہ	بر چہرہ وامق بنیک خواہ
دل و جنبوس شد بانہیب	کہ در کار عذرا چہ سازد فریب
بدو جست عذرا چو شیر نژند	بزد دست و چشم او را نوس کند
فشد از پس رنجہاے دراز	بیک جا جزیرہ رسیدند باز
کجا نام او بود طرطانیوس	درو پادشاہ نام او تو گیوس
ز دریا بخشکی برون آمدند	ز ہر بر سوے زیقنون آمدند

ے کرونیس ایک جزیرہ کا نام ہے [illegible] مکذیطس یا مکذیطس [illegible] کے باپ کا نام ہے [illegible] خسرو وامق [illegible] زیقنون ایک شہر کا نام ہے جہاں کی والدہ عذرا رہنے والی تھی۔ فلاس نام شاہ وامق ایک بحری کا نام ہے جس نے عذرا کو مقلوس کے پاس سے چرا کر آزاد کیا تھا۔ نام قاصد [illegible] نام جزیرہ [illegible] نام شہر۔

ے مندرجہ بالا اشعار مختلف مواقع کے ہیں ناظرین اس کو ترتیب خیال نہ فرمائیں

عنصری کے بعد اس کے ہم عہد شاعر ابوریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جیسا کہ وہ خود اپنی مصنفات کی فہرست میں ذکر کرتا ہے، بیرونی کے بعد سلطان سلیمان ثانی کے عہد میں محمود بن عثمان لامعی متوفی ۹۳۸ھ نے اس قصہ کو ترکی زبان میں نظم کیا، اگرچہ لامعی سے پہلے بھی ایک شخص اس کو ترکی میں ترجمہ کر چکا تھا، لیکن وہ ترجمہ منثور تھا، لامعی کی مثنوی کا ایک نسخہ کتب خانہ چلپی (استامبول) میں محفوظ ہے، ترکی زبان میں ان کے علاوہ مُعیدی نے بھی ایک خمسہ ترتیب دیا جس کا ایک عنصر مثنوی وامق و عذرا بھی تھی،

زبان فارسی میں عنصری کے بعد ملا فصیحی[1] جرجانی نے پانچویں صدی ہجری میں اس قصہ کو نظم کیا، دولت شاہ سمرقندی کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل شعر اسی کا ہے:

چہ فرخ وجودے کہ از ہمتش
بمیرد بہ پائے ولی نعمتش

اس مثنوی کا بھی کوئی نسخہ آج تک نظر سے نہیں گذرا،

فرہنگ[2] مشاہیر شرق میں لکھا ہے کہ امیر فخر فارسی نے بھی جو کیکاؤس سلجوقی کے عہد کا شاعر ہے، قصۂ وامق و عذرا کو نظم کیا تھا، دسویں صدی ہجری میں ضمیری اصفہانی، شعیب جوشقانی، اور اسیری تربتی نے اس داستان کو منظوم کیا جن میں سے صرف اسیری کی مثنوی کا کتب خانہ فاتح (ایران) میں پتہ چلتا ہے، یہ مثنوی ۹۵۴ھ کی تصنیف ہے، نظامی کی شیرین خسرو کی بحر میں ہے، اس کا وامق قاآنشاہ ساسانی والی سرحد خطا کا فرزند ہے،

اس کے بعد عہد اکبری میں مولانا صلحی نے ایک مثنوی لکھی جس کا ایک نادر اور تصنیف سے قریب تر زمانہ کا لکھا ہوا نسخہ کتاب خانہ رامپور میں موجود ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے:

خدا وندا درے از وصل بکشا زفر غم رہ بسوئے اصل بنما

---

[1] فصیحی امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن قابوس کے عہد کا مشہور شاعر ہے، [2] (Dictionary Bigraphy (Oriental

جلال الدین محمد اکبر کے نام پر معنون ہے، سنہ تصنیف کے متعلق کتاب سے کوئی صریحی شہادت دستیاب نہیں ہوئی، صرف اتنا

پر شاہزادہ دانیال کے متعلق لکھا ہے، کہ "گل نو رستہ گلزار خوبی"

شہزادہ دانیال کی ولادت ۹۷۹ھ میں ہوئی، لہذا اس کو بھی اس کے قریب ہی کی تصنیف ہونا چاہیے، صلحی ایک جگہ

لکھتے ہیں کہ اس داستان کو مجھ سے پہلے کسی شخص نے نظم نہیں کیا، (یا للعجب)

اس مثنوی کا وامق شاہ عرب کا فرزند اور عذرا شاہ کشمیر کی نور نظر تھی، صفحہ ۲۰ پر اپنا وطن خراسان بتاتا ہے،

صلحی کے بعد شیخ صرفی نے اسی بحر میں ایک مثنوی ترتیب دی، جس کا ایک خوشخط با تصویر نسخہ کتب خانہ رامپور میں

محفوظ ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے،

خداوندا حجاب از پیش بکشا،

بمشتاقان جمال خویش بنما،

سنہ تصنیف کے متعلق لکھتا ہے:-

بچشم شیخ صرفی دید لائق ــــــــ کہ تاریخش بود معشوق و عاشق
(۹۹۳)

اس مثنوی کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا شاہ استغار کی شہزادی تھی۔

اس کے بعد مولانا نقیبی نے ابراہیم خان میر جہانگیر بادشاہ کے حکم سے اس داستان کو لیلی مجنون کی بحر میں نظم کیا اشعار

کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے، ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے،

اے نام خوش تو در دلہا است ــــــــ در دیدۂ تو بہت ہر چہ پیدا است،

جہانگیر کے نام پر معنون ہے شاعر نے اس مثنوی میں بھی دعوی کیا ہے، کہ مجھ سے پہلے کسی شخص نے وامق و عذرا کے

حالات محبت نظم نہیں کئے، اس مثنوی کا بھی ایک نایاب خوشخط با تصویر نسخہ کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، اس کا وامق

ایک حبشی سردار کا فرزند اور عذرا شاہ چین کی دختر ہے، جس کا سلسلہ نسب یونان تک پہنچتا ہے،

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں خلیفہ صفی نے ایک مثنوی لکھی [illegible]

تھی، اس لئے اوس نے اپنی مثنوی مین ان علوم کی اکثر اصطلاحات صرف کی ہین،

بارہوین صدی ہجری مین بعہد کریم خان ژند مرزا محمد صادق نامی نے ایک خمسہ تیار کیا جسکی ایک کڑی مثنوی وامق و

عذرا بھی تھی، اس مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے،

کردہ احسانے بقدر پایہ اش
دادہ از ہوش و خرد پیرایہ اش

اس داستان کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا ایک خیمہ نشین دوشیزہ تھی، داستان کا خاتمہ اس طور پر کیا ہے،

چون بپیوستند باہم آن دو یار — آتش دل شعلہ ناگہ برفروخت
تنگ در گرفتند ہم را در کنار — پیکر زیبائے آن ہر دو بسوخت

اس مثنوی کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن مین پایا جاتا ہے،

ناصر اصفہانی نے بھی ایک مثنوی اس نام سے نظم کی ہے، ابتدا:-

بنام تازگی بخش بیانہا — نزاکت بخش آثار زبانہا

ص۲۴ پر لکھا ہے کہ میرا نام ناصر ہے، مین اصفہان کا رہنے والا ہون، سنہ تصنیف وغیرہ معلوم نہین ہے، اس مثنوی کا ایک نسخہ رامپور لائبریری

مین موجود ہے، اس مثنوی کا وامق ابطحش بادشاہ خورستان کا فرزند اور عذرا امشک بن دارا شاہ مغرب کی شاہزادی ہے،

یہ مثنوی ۱۸۸۹ء مین لکھنؤ مین طبع ہو چکی ہے،

مولوی مظفر حسین صبا نے تذکرہ روز روشن ص۵۵ مین لکھا ہے، کہ ملا محمد علی استرآبادی قسمتی نے بھی مثنوی

وامق و عذرا تصنیف کی ہے،

علاوہ ان کے حاجی محمد حسین قزوینی نے ایک ستہ ترتیب دیا جسمین وامق و عذرا بھی تھی،

اودھ کٹیلاگ کے ص۲۷ پر کمال الدین حسین کی بھی ایک مثنوی درج ہے،

مرزا ابراہیم نے بھی اس قصہ کو تالیف کیا ہے، جس کا ایک نسخہ برلن لائبریری مین موجود ہے،

نظامی گنجوی کی قبر

از قاضی احمد میاں اختر، جوناگڑھی

ایران کے سرآمد شعراء حضرت شیخ نظامی گنجوی شہر گنجہ مین پیدا ہوئے، اور وہین مدفون ہوئے، انہون نے سکندر نامہ مین یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ انکی قبر نیکون کی زیارت گاہ ہو:- ے

نگویم بداندیش را نیز بد — کزان گفته باشم بداندیش خود

بدین نیکی آرند بر من فزود — زنیکان وازنیکنامان درود

وزین حال گر نیز گردان شوم — زیارتگہ نیک مردان شوم

ان کی یہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ صاحبِ آتشکدہ کا بیان ہے کہ

"شیخ در گنجہ مدفون است و مزار کثیرالانوارش حال نیز محل زیارت اکابر و اعاظم آن دیار میباشد"[1]

اس کا ثبوت ذیل کے واقعات سے بھی ملتا ہے:-

(۱) اسکندر منشی نے اپنی تاریخ[2] مین لکھا ہے کہ ۱۰۱۴ھ مین شاہ عباس صفوی کی فوجین جب گنجہ کے قریب پہنچین تو شیخ نظامی کی تربت پر پڑاؤ ڈالا، اور وہین بروز شنبہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۰۱۴ھ (۲۵ مارچ ۱۶۰۶ء) کو جشن نوروز منایا گیا۔

(۲) اسی طرح شاہ ناصرالدین قاچار نے اپنے سفرنامہ[3] مین لکھا ہے کہ سفر یورپ سے واپسی کے بعد الزابتھ پول (گنجہ) جاتے ہوئے انھون نے شیخ نظامی کے مقبرہ کی زیارت کی جو شہر سے آدھا میل دور بہ سر راہ واقع ہے، اور نہایت معمولی درجہ کا اور کچی اینٹون سے تعمیر کیا ہوا نہایت شکستہ اور منہدم حالت مین ہے۔

نظامی کی قبر اس وقت کس جگہ اور کیسی حالت مین ہے، اس کے متعلق [illegible] کی انجمن [illegible] قدیمہ کے رسالہ [illegible]

---

[1] آتشکدہ صفحہ ۲۰۲ مطبع بمبئی [2] تاریخ عالم آرائے عباسی صفحہ ۶۹۵ مطبوعہ طہران [3] سفرنامہ شاہ ایران صفحہ [illegible] مطبوعہ بمبئی [illegible]

(Zapiski) جلد ۲ صفحہ ۳۵-۳۴ مین روسی مستشرق بارٹولڈ (Bartold) کے قلم سے ایک مضمون روسی زبان مین شائع ہوا ہے۔ رسالہ کا پورا نمبر تو نہ مل سکا مگر اس اصل روسی مضمون کی مطبوعہ نقل مع عکسِ مزارِ نظامی ایک جرمنی کتب فروش کی بدولت ہم کو دستیاب ہوئی ہے، اور روسی زبان سے عدم واقفیت کی دشواری کو ہمارے کرمفرما مشہور روسی مستشرق پروفیسر آئی دنوو (W. Ivanow) نے حل کر دیا ہے، جو "اسماعیلیات" کے ماہر خصوصی ہین،
چنانچہ اسی مضمون کی بنا پر ہم قبرِ نظامی کے متعلق بعض معلومات پیش کرتے ہین،

شہر طفلس کے عجائب خانۂ کوہ قاف (Caucasian Museum) کے ناظم اے، کازنکو کی اطلاع کے مطابق قبرِ نظامی کے کھنڈر مقامی طور پر "شیخ نظامیؒ کے نام سے مشہور ہین، اور الزابیتھ پول (گنجہ) سے[1] جو تمامتر روسی حکومت کے ماتحت ہے، چار Versten[2] کی مسافت پر اس قدیم طریق البرید (Old Post Road) کے قریب واقع ہین جو دَلمتلو (Dalmitlu) کے اسٹیشن کو جاتا ہے،

مرزا محمد آخوند وف (گنجوی) نے ایک رسالہ بعنوان "شیخ نظامی" آذربائجانی ترکی زبان مین لکھا تھا جو سنہ ۱۹۰۹ء مین گنجہ یا الزابیتھ پول سے شائع ہوا تھا، مؤلف نے اس کو یورپی ماخذ سے مرتب کیا ہے اور قبرِ نظامی کا عکس بھی اس مین دیا ہے، اس رسالہ کے مطابق قبرِ نظامی دراصل "قدیم شہر" (گنجہ) مین واقع ہے، مؤلف اس قبر کی شکستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے عالم اسلامی کا مقابلہ یورپ سے کرتا ہے، جہان اہل علم کی بہت قدر کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"شعرائے اسلام، سعدی، حافظ، فضولی، خاقانی، قاآنی وغیرہ کے مقابر اس وقت شکستہ حالت مین پڑے ہوئے ہین، اور کسی سے اتنا نہین ہوسکتا کہ انکی مرمت کرائے"[3]

مؤلف نے اس رسالہ کی آمدنی تمامتر قبرِ نظامی کی مرمت کے لئے وقف کر دی ہے، لیکن یہ نہین معلوم ہوسکا کہ اس کے بعد قبرِ نظامی کی مرمت کسی نے کرائی یا نہین، واللہ درمن قال!-

---

[1] مشرقی جانب (انسائیکلوپیڈیا۔آف اسلام ج ۲ صفحہ ۱۳) [2] تقریباً ۲-۳ میل [3] شاید مؤلف کو سعدی اور حافظ کے مقبرون کا صحیح علم نہین ہے، کہ وہ اس وقت بہت آباد اور اچھی حالت مین ہین، اور شیراز مین سعدیہ اور حافظیہ کے نام سے مشہور ہین

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا　　　مٹے ناميون کے نشان کيسے کيسے

۱۳۲۵ھ مين قبرِ نظامی کی قابلِ افسوس کس مپرسی کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوے ایک ایرانی اہل قلم نے لکھا ہے کہ

"واز قرار تقریر بعضی کہ چند سال قبل دیدہ، نہ محوطہ، مقبرۂ این حکیم بزرگ جائے ستوران وخران شدہ با وجود احترامی کہ بزرگان فرنگ از آثار حکمای ہر ملت وطائفہ دارند جای تعجب است کہ چرا امنای دولت معظمۂ امپراطوریہ در تعمیر وتنظیف مقبرۂ این بزرگوار اہمال کردہ غمض عین فرمودہ اند، امید دارم بعدۂ ملتفت این نکتہ شدہ آنچہ لازمۂ احترام ونگاہداری ہمیشہ آنجناب است معمول دارند"[1]

[1] دیباچہ خمسۂ نظامی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۸،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر وبرکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً نوسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش وتحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ، دیگر صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، کتاب مین چند رنگین نقشے بھی منسلک ہین۔

ضخامت مجموعی ۵۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت:- للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قصۂ آدم و حوار کی اثری تائید

مدحضرت ابراہیم کے شہر اور کی کھدائی اور اس کے آثار کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات مین آچکا ہے ماہرین آثار قدیمہ آجکل ایک دوسرے شہر کی کھدائی مین مصروف ہین، اور خیال ہے کہ یہ شہر اور سے بھی قدیم تر ہے اسکی کھدائی مین ایک مصور ٹھیکرا دستیاب ہوا ہے، اس کے متعلق علمائے آثار کا خیال ہے کہ یہ حضرت آدم و حوا کے قصہ کی تمثیل ہے، اسی پر رسالہ الہلال مصر بابت ماہ مئی مین ایک مختصر مقالہ آیا ہے، اسکی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہے؛

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوار کا قصہ تمام قدیم قومون مین مشہور و متداول ہے، توراۃ مین یہ قصہ جس طرح مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور انکی ناک مین ایک زندہ روح پھونکی، اور انکی اعانت کے لیے ان کے ساتھ حضرت حوار کو اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ان پر نیند طاری کی اور جب وہ سو کر اٹھے تو اپنے پہلو مین حوار کو پایا اور ان کے ساتھ ایک شاداب باغ مین رہنے لگے، اس باغ کے درختون مین سے خداوند تعالیٰ نے ان پر صرف ایک درخت کے پھل کھانے کی ممانعت کی تھی یعنی خیر و شر کے معرفت کا درخت لیکن اس ممانعت سے حضرت آدم اور حوار کے دل مین اس درخت کی طرف رغبت پیدا ہوئی، اور شیطان نے سانپ کی شکل مین نمایان ہو کر حوار کو اس درخت کے پھل کھانے کی ترغیب دی، اور وہ اسکی باتون مین آگئین، خود اسکا پھل کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونون اس جرم مین جنت سے نکالے گئے،

یہ اس قصے کا خلاصہ ہے، اور علمائے آثار متفق اللفظ ہین کہ انسان اول کا ظہور اس ملک مین ہوا جو مابین النہرین

کے نام سے مشہور ہے، اور "جنت عدن" سے چاہے کوئی حقیقی جگہ مراد ہو یا مجازی، لیکن توراۃ کے تمام قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی ملک مین تھی اور اسکی فضا، اسکی آب و ہوا اور اس کے پھول پھل انسان کی ترغیب کا بہترین ذریعہ تھے،

حال کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے آثار نے چند ایسے جدید آثار کا سراغ لگایا ہے جن سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کے قصے کی تائید ہوتی ہے، یہ آثار "شہر تیب جورا" مین ملے ہین جو انسان کے آباد کردہ شہرون مین سب سے قدیم ہے اور چھ ہزار سال سے پہلے آباد کیا گیا ہے،

یہ اثر ایک ٹھیکرا ہے جس پر ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے جنکی پیٹھ رنج و غم سے ٹیڑھی ہو گئی ہے، اور ان کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے، دونون برہنہ جنت سے نکلے ہین، اور اُن کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہوا ان کا انتظار کر رہا ہے، ٹھیکرے پر عورت اور مرد کا نام لکھا ہوا نہین ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون سانپ کے فریب مین آگئے ہین اور اسکی وجہ سے اس باغ سے نکال دیے گئے ہین، جسمین دونون رہتے تھے،

تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نقاش نے یہ تصویر بنائی ہے وہ سنہ ۳۷۰۰ قبل میلاد مین تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم و حوا کا قصہ جس زمانے مین لکھا ہے اس سے دو ہزار سال پہلے اسکا وجود تھا، ٹھیکرے پر اس تصویر کے بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ عام طور پر مشہور تھا اور ممکن ہے کہ دنیا کا پہلا قصہ یہی ہو،

شہر تیب جورا جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ملک ما بین النہرین کے شمال شرقی جانب واقع ہے، ایک علمی جماعت نے ڈاکٹر سپیزر کی صدارت مین اس کے کھنڈرون کی تحقیقات کی ہے، یہ جماعت چند سال سے کلدانیون کے شہر اُر کے کھنڈرون کی تحقیقات کر رہی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنم بھوم ہے، اور جس کی نسبت علماء کا خیال تھا کہ وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے، اس کے بعد شہر تیب جورا کے کھنڈرون کا پتہ چلا تو معلوم ہوا کہ وہ اُر

سے بھی قدیم تر ہے بلکہ اگر ہم غارون اور چھوٹے چھوٹے گانون کو مستثنیٰ کرلین تو وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے اوراس حیثیت سے اگراس کے کھنڈرون مین قصہ آدم وحوار کے آثار ملین توکوئی عجیب بات نہین ہے"

علمائے آثار نے جب مابین النہرین کے کھنڈر کھودنے شروع کئے، تو اس وقت وہ اشور، بابل اور کلدان کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے، صرف توراۃ کے ذریعہ سے ان کو یہ معلوم تھا کہ ان ممالک مین ایک تمدن پیدا ہوکر مٹ گیا، لیکن ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ تمدن کیونکر پیدا ہوا؟ کیونکر بڑھا، اوران پر کس قدر دور گذرے، کنعانیون فلسطینیون اورعبرانیون کے تمدن اوران کے باہمی تعلقات کا بھی یہی حال تھا، لیکن گذشتہ صدی کے نصف اخیر مین ان علمار نے ان تباہ شدہ اقوام کے آثار کی تحقیقات شروع کی، اوران کے تمدنی تہ تک پہنچنا چاہا، ان کوششون کی بدولت بہت سے ایسے آثار ملے جن کے مطالعہ سے اُن تعلقات کا پتہ چلا جو عبرانی تمدن اور دوسری تباہ شدہ اقوام بالخصوص اشوری اور بابلی تمدن کے درمیان پائے جاتے تھے، اس بحث ومطالعہ کے ذریعہ سے ان قومون کی بہت سی مذہبی باتون کا پتہ ملا جنمین ایک قصہ طوفانِ نوح کا بھی تھا جو بابلیون کے قصون کے درمیان پورا موجود تھا انکو یہ بھی معلوم ہوا کہ بابلی ارواح، ملائکہ، کروبیم، اور سرافیم پر جو عبرانی مذہب مین مذکور ہین ایمان رکھتے تھے،

ان باتون کے معلوم ہوجانے کے بعدان کے لیے قصۂ آدم وحوار کی واقفیت کوئی عجیب چیز نہ تھی کیونکہ قوی دلائل سے بابلی اورعبرانی آداب مین مستحکم تعلقات ثابت ہوچکے تھے اس لئے یہ ممکن ہے کہ ان قومی قصون اور مذہبی روایتون کا جو بابلیون اورعبرانیون مین منقول ہوتی چلی آتی تھین ماخذ ایک ہو بلکہ دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوار اوران کی لغزش کا قصہ اہل بابل کے درمیان بھی مشہور تھا کیونکہ علمار کو ایسے آثار ملے ہین جنمین اس قصے کی طرف غیر صریحی اشارات پائے جاتے ہین، یہ تو علمار کے ایک گروہ کی رائے ہے، لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک ان قرائن سے صراحۃً آدم وحوار کا قصہ معلوم ہوتا ہے،

اسی طرح بابلیون اورعبرانیون کی مذہبی روایات کے باہمی تعلق مین علمار کا اختلاف ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن سے یہودی قوم علمائے تورات کے نزدیک پیدا ہوئی، اپنی جنم بھوم اُور سے

ہجرت کی، اگرچہ اس شہر کو اور کلدانی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت مین وہ اپنے لفظی معنی کے لحاظ سے ایک بابلی شہر تھا

اس بنا پر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بوقت ہجرت کچھ بابلی قصے اپنے ساتھ لیتے گئے ہون تو یہ کوئی عجیب بات نہین

ہے، کچھ زمانے کے بعد "ارض موعد" مین یہودیون اور کنعانیون کا اجتماع ہوا، اور کنعانیون او فلسطینیون مین نسبی

تعلقات قائم تھے اور ان سے انھون نے بہت سے قصے نقل کئے جنمین آیندہ زمانے مین تغیر و تحریف نے راہ پائی

اس لیے جب کنعانیون اور فلسطینیون کے ساتھ عبرانیون کا اجتماع ہوا اور ان سے اہل بابل کی بہت سی روایتین

سنین تو ان کو اس پر کوئی حیرت نہین ہوئی،

یہ سوال بے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم و حوا کی تخلیق کا قصہ اہل بابل تک کیونکر پہنچا ؟ ماہرین سردست

اس کا کوئی جواب نہین دیتے، وہ صرف اسیقدر کہتے ہین کہ اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ قصہ لوگون کو کم از کم حضرت

موسیٰ سے دو ہزار سال پہلے یا اس سے بہت پیشتر معلوم تھا،

"ع"

جدید ترکی زبان مین ایک جدید تاریخ عالم

حال مین غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے تاریخ عالم پر ایک کتاب اپنی نگرانی مین لکھوا کر جدید رسم خط مین شائع کی ہے

اسکا مقصد نوجوانان جمہوریہ مین قومیت کی ایک تازہ روح پیدا کرنا ہے، عیسائی رسالہ "مسلم ورلڈ" اپریل ۱۹۳۳ء مین

اس پر ایک مضمون نکلا ہے، اہل مغرب اسلام اور مسلمانون سے متعلق اپنی قدیم ذہنیت کو جس طرز جدید مین چھپانے

کی کوشش کرتے ہین وہ اس مضمون مین بھی نمایان ہے، تاہم نفس مضمون کے لحاظ سے اس کا مطالعہ ناظرین کیلئے

دلچسپ ہوگا، ذیل مین ہم اسکی تلخیص پیش کرتے ہین:-

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے حال مین تمام دنیا کی تاریخ چار جلدون مین شائع کی ہے، ترکی قوم کے موجودہ

دورِ حیات مین اس کتاب کی اشاعت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ کتاب ملک کے سامنے دنیا کا ایک جدید

منظر پیش کرتی ہے، یہ تالیف اس نظام عمل کا ایک جزو ہے جو ترکون کی قدیم ذہنیت کی جگہ ایک جدید ذہنیت

پیدا کرنے کے لیے قلمبند کیا گیا ہے، ان جلدون مین ابتدائے آفرینش سے زمانہ موجودہ تک کے حالات درج ہین ۲

چونکہ جدید رسم خط نے موجودہ نسل کو تمام قدیم ترکی خیالات سے منقطع کر دیا ہے، لہذا یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے، پہلی جلد مین زمانہ قبل تاریخ سے یونانی اور رومن عہد تک کے حالات ہین، دوسری جلد مین قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہے، جسمین آلِ عثمان سے قبل کی ترکی سلطنتون کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، تیسری جلد مین سلطنت عثمانیہ اور یورپ کیساتھ اس کے تعلقات کا بیان ہے، اسی مین قرونِ وسطیٰ کے آخری دور اور یورپ جدید کی تاریخ کا بھی ایک جزو شامل ہے، چوتھی جلد مین جنگ عمومی کے خاتمہ پر جمہوریہ ترکی کے قیام کی تاریخ اور گذشتہ دس سالون کے حیرت انگیز کارنامون کا ذکر ہے،

یہ تاریخ آفرینش کی بحث سے شروع ہوتی ہے اور عام اسلامی عقیدہ کے خلاف بیان کرتی ہے کہ دنیا کے نشو و نما مین خدا کو کوئی دخل نہین تھا، جیسا کہ اسلام سے واقفیت رکھنے والون کو معلوم ہے حضرت محمد (صلعم) کی بڑی دلیل خدا کے وجود پر یہی تھی کہ اس نے کائنات کو پیدا کیا، اس کا ذکر بار بار قرآن مین آتا ہے اور خدا کے اسلامی نامون مین "خالق" ایک عام نام ہے،

یہ تاریخ ترک مورخین کی ایک جماعت نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ذاتی ہدایت کے ماتحت تیار کی ہے، یہ مشرق و مغرب کی تاریخی تصانیف پر مبنی ہے اور اسکی تالیف مین بہت احتیاط برتی گئی ہے، ملک مین جتنے ثانوی یا اعلیٰ مدارس ہین ان سب کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے، اور ابتدائی مدارس کے اساتذہ سے یونیورسٹی کے اساتذہ تک ہر ایک کے لیے اس کتاب کا خریدنا ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ اساتذہ سرگرم مقامی لیڈر ہوتے ہین، اور ان کا اثر قومی کلبون اور اسی طرح کے دوسرے ادارون پر کافی ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ اس کتاب کے مضامین سے عامۃ الناس کو باخبر اور مطلع کرتے رہین گے، چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف مین صدر جمہوریہ نے حصہ لیا ہے، اور اسی نے اس کے اصول مرتب کئے ہین، اس لیے عام لوگون پر اسکا اثر بہت نمایان طور پر پڑے گا، اور چونکہ لکھنے والون کی جماعت مین ملک کے تقریباً تمام مورخین شامل ہین اسلئے تعلیم یافتہ طبقون مین بھی کتاب وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی،

حیات انسانی کے ابتدائی دور کے بیان مین ترکون کی اصل و ابتدا پر ایک مفصل بحث ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ زمانۂ قدیم مین جو قومین وسط ایشیا سے کوچ کر کر کے مغرب کی طرف روانہ ہوتی تھین وہ ترکی النسل تھین دکھایا گیا ہے کہ قدیم ترک ایک طاقتور نسل کے لوگ تھے اور ایک قدیم تہذیب و تمدن کے مالک تھے،

عہد تاریخی مین سلطنت رومہ کے زوال کے بعد مختلف ترکی مملکتون کا ذکر تفصیل کیساتھ کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ دیوار چین کی تعمیر کے بعد ہی ترکون نے مغرب کی جانب کوچ کرنا شروع کیا، اور اس دیوار کی تعمیر ہی بعد مین سلطنت رومہ پر وحشی اقوام کے حملہ کا باعث ہوئی، چین کے متعدد شاہی خاندان ترکی النسل تھے، اسیطرح ہندوستان کے شاہان مغلیہ اور مصر کے شاہان مملوک بھی ترک ہی تھے، چین سے جو کاروان یورپ کو جایا کرتے تھے وہ وسط ایشیا کی مختلف ترکی سلطنتون سے ہو کر گذرتے تھے اور اس طرح قطب نما، بارود، اور چھاپنے کی مشین یورپ پہنچی، کئی سو برس تک یورپ کے طبی مدارس مین فاضل ترکی طبیب ابو علی سینا ہی کی تصانیف کا درس دیا جاتا تھا، کتاب مین اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ان تمام عہدون مین ترک صلح پسند اور متمدن تھے، یہ تالیف اس خیال کو مٹا دینا چاہتی ہے کہ ترک ایک جنگجو قوم ہے، برخلاف اس کے یہ ترکون کو تہذیب و تمدن کا علمبردار دکھانا چاہتی ہے،

عہد عثمانیہ کے بیان مین دیمقراطی حکومت کے فوائد سلاطین گذشتہ کے نقائص سے مقابلہ کر کے دکھائے گئے ہین، یورپ کی قدیم مالیاتی محکومی اور اس کے برے اثرات نمایان طور پر پیش کئے گئے ہین، ترکی پالیسی معاشیاتی آزادی ہے اور گذشتہ چند سالون مین ترکون نے اس پالیسی کو برقرار رکھنے کے لیے خوشی سے بہت سی سختیون کو برداشت کر لیا ہے،

مسیحیت کی طرف ترکون کے معاندانہ رویہ کے متعلق جو خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے، اس کے لحاظ سے اہل مغرب کو اس رویہ پر حیرت ہے جو اس کتاب مین یہودیت اور مسیحیت کی طرف ظاہر کیا گیا ہے، اسمین تورات کی بہت کچھ ستائش کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے لٹریچر اور آرٹ پر اس کا بہت زیادہ اثر پڑا ہے،

حضرت عیسیٰؑ کے حالات سلطنت رومہ مین مسیحیت کی اشاعت کے سلسلہ مین بیان کئے گئے ہین، انکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسان تھے، ان کو رسمی طریق پرستش سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ ایک بہتر زندگی کی بشارت لائے تھے، اس کے بعض جملے یہ ہین :۔ "وہ وحدانیت باری تعالیٰ کے عقیدہ کی تعلیم دیتے تھے حضرت عیسیٰ کا اصول مذہب دلون کو بلند اور متحد کرنا تھا نہ کہ پرستش کے طریقے تجویز کرنا۔ . . . . . . ابتدائی مبلغین کے خلوص، ایثار، اور جرأت کی وجہ سے لوگون نے مسیحیت قبول کی"۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق عزت و احترام کا یہ رویہ نیز ان کی وہ سوانح عمری جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی ہے ظاہر کرتی ہے کہ اب قدیم تعصبات اور نفرت کو جو ہر عیسائی شے سے تھی برطرف کرنے کی ایک مستقل خواہش پیدا ہوگئی ہے۔

چوتھی جلد مین مختصر طور پر ان حیرت انگیز کارنامون کا بیان ہے جو جدید ترکی نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت مین گذشتہ دس سال مین دکھائے ہین، اس جلد کے پہلے حصہ مین اس فوجی مہم کا ذکر ہے جس نے ترکی کو دول متحدہ کی سطح پر لا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اصلاح کے مختلف شعبون کا بیان ہے، جسمین قانونی، مذہبی، اور مدنی اصلاحات شامل ہین، جدید قومی نظام مدارس کی ترقی کا بیان اور مسجدون کے قدیم مکاتب کے منسوخ کئے جانے کا ذکر ہے، اس جلد مین دکھایا گیا ہے کہ کیونکر وہ اختیارات جو سلطان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے، جمہوریہ کی مجلس قومی کو تفویض کر دیے گئے،

ترکی حال مین جس انقلاب سے گذری ہے اس کے متعلق مشرق و مغرب کے بہت سے اہل قلم نے مضامین اور کتابین لکھ ڈالی ہین اور ہر ایک نے اس انقلاب کے متعلق مختلف نقطہ ہاے نظر پیش کئے ہین، لیکن اس جلد مین ہمین سرکاری بیان ملتا ہے جو انھین لوگون کا پیش کردہ ہے، جو اس انقلاب کے بانی ہین، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کون سے مقاصد تھے، جو کچھ انھون نے کیا وہ کیون کیا، اور کیونکر انھون نے ان مقاصد کی تکمیل کی،

"ع ز"

اخبار علمیہ

ناخن کی زبان

ناخن کے "ہلالوں" کو دیکھکر کسی شخص کی عام صحت کے متعلق جو اندازہ کیا جاسکتا ہے اس کا ذکر ان صفحات میں دو ماہ قبل آچکا ہے اس عرصہ مین اس فن پر مزید معلومات شائع ہوگئی ہین جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے حوالے سے ذیل مین درج کیجاتی ہین :-

ناخن سے امراض کی تشخیص کے متعلق یہ جدید معلومات پروفیسر ہنری مانجن بالٹ ہزارڈ (Henri mangin Balt-Hazard) کے تجربات وتحقیقات کا نتیجہ مین جو بین الاقوامی ادارۂ انسانیات کے ایک رکن ہین، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ ناخنون کے امتحان سے بہتیرے امراض کی تشخیص ہوسکتی ہے ایک تندرست آدمی کے ناخن کی پہچان یہ ہے :- نرم ہو لیکن بہت زیادہ نرم نہ ہو ورنہ ایسا ہو کہ آسانی سے ٹوٹ جائے، نہ بہت لمبا ہو نہ بہت چھوٹا، نہ بہت چوڑا نہ بہت پتلا، انگلی کے سرے سے پہلے پور کی گرہ تک جو لمبائی ہے ناخن اس کا نصف ہو، اس کے دونون کنارے متوازی ہون، اس کا رنگ ہلکا گلابی ہو، نرم اور چکنا ہو، اس مین خفیف سا خم ہو، اس مین کوئی داغ نہ ہو کوئی خلا نہ ہو، اگر کسی کے ناخن مین یہ تمام علامات نہ پائی جاتین تو سمجھنا چاہئے کہ اسکی صحت مین کوئی نہ کوئی خرابی ہے،

اگر ناخن بہت زیادہ لمبے ہین تو غالبًا ایسے شخص مین ان امراض کی استعداد موجود ہے جو قوت کی کمی یا ماندگی یا طبیعت کی سستی سے پیدا ہوتے ہین، اگر ناخن بہت زیادہ چھوٹے ہون خصوصًا جب وہ چوڑے

اور تقریبًا مربع ہون تو یہ خرابیِ قلب اور ضعفِ اعصاب کی دلیل ہے، بہت زیادہ مثلث نما ناخن دماغی صلبی خطرات اور فالج ولقوہ کی استعداد کو ظاہر کرتے ہین، چوکور شکل کے ناخن جنکے دونون کنارے متوازی ہوتے ہین افسردہ دلی کا پتہ دیتے ہین، پتلے ناخن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کچھ اچھی نہین ہے،

بادام کی شکل کے ناخن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرائین کا نظام زیادہ مقاومت کی قوت نہین رکھتا، اگر ناخن نمایان طور پر محدب ہین یعنی بہت زیادہ ابھرے ہوئے ہین تو اکثر یہ خرابی جگر کی علامت ہے، اگر شہادت کی انگلی کا ناخن بہت زیادہ محدب ہو تو اس سے پھیپھڑون کی بیماری کا پتہ چلتا ہے، اگر ناخن بہت زیادہ چپٹے ہون تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا جسم ڈھیلا اور طبیعت مین سستی اور کاہلی ہے، اگر ناخن ڈھیلے اور پتلے ہون تو یہ قوت جسمانی کی کمی کی علامت ہے،

فن جراحی کی ایک تازہ تحقیق

بعض بچون کی ٹانگین کسی مرض کے باعث ابتدا ہی سے چھوٹی ہوتی ہین، اس نقص کو دور کرنے کے لئے ڈاکٹر البرٹ فرگوسن (Albert B. Ferguson) نے علاج کا ایک بالکل انوکھا طریقہ معلوم کیا ہے، یعنی ایسی ٹانگون کی ہڈیون مین سوراخ کر دینے سے یہ نقص دور ہو جاتا ہے، اس طریق علاج کے متعلق رسالہ ویکلی سائنس (Weekly Science) مین حسب ذیل بیان شائع ہوا ہے:۔

لمبی ہڈیون مین جیسی انسانی ٹانگ کی ہڈیان ہوتی ہین خون دو ذریعون سے پہنچتا ہے، ایک تو ہڈی کے گودے مین سے ہو کر اور دوسرے اس جھلی سے ہو کر جو ہڈی کے خارجی حصہ پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے، ڈاکٹر فرگوسن کو اپنے تجربات کی بنا پر یہ معلوم تھا کہ اگر کسی اتفاقی حادثہ سے کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات ہو جائے جس کی وجہ سے گودے کے ذریعہ سے خون کا پہنچنا موقوف ہو جائے تو اس ہڈی کے بڑھنے کی رفتار بہ نسبت پیشتر کے زیادہ تیز ہو جاتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر موصوف نے ایسے سولہ (۱۶) بچون کی ٹانگون پر تجربہ کیا جنکی ایک ٹانگ دوسرے سے چھوٹی تھی اور ہر ٹانگ کی ہڈی مین دو دو سوراخ کر کے ایک قسم کے نشتر سے ان رگون کو کاٹ دیا جن سے

خون آتا جاتا تھا، ان سوراخون سے کوئی نقصان نہین ہوا اور ہڈی کے اوپر کی جھلی مین خون کی روانی بدستور قائم رہی، ڈاکٹر فرگوسن کا بیان ہے کہ جن ٹانگون پر یہ عمل جراحی کیا گیا ان کے بڑھنے کی رفتار بہ نسبت دوسری ٹانگون کے سال مین بقدر (½) انچ زیادہ ہوجاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچون کی ٹانگون کا یہ نقص اس تدبیر سے قریب قریب بالکل زائل ہوسکتا ہے۔

امریکہ مین بے روزگاری کا حل،

بے روزگاری کا مسئلہ امریکہ مین جس وقت سے رونما ہوا وہان کی حکومت نے اس کے حل کی مختلف صورتین پیدا کین لیکن ان مین سے کوئی زیادہ کامیاب ثابت نہین ہوئی، مرکزی حکومت نے ہر ریاست کو علیحدہ علیحدہ اختیار دیدیا کہ وہ جو تدبیر مناسب خیال کرے عمل مین لائے، پھر بھی بے روزگارون کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی، لیکن ۱۹۳۲ء کے آخر سے ایک بالکل جدید تحریک شروع کی گئی ہے جس نے بہت جلد تمام ملک مین مقبولیت حاصل کرلی، اسکی کامیابی نمایان طور پر نظر آنے لگی ہے، اس تحریک کا نام "تحریک شرکت کار" (Share The work movement) ہے، یہ تحریک اس تخیل کے ماتحت پیدا ہوگئی ہے کہ امریکہ مین بے روزگاری کا سبب زیادہ تر خوف بے روزگاری کی ہمہ گیری ہے، جون ہی بے روزگاری معمولی حدود سے آگے بڑھنے لگی جو لوگ ہنوز برسرکار تھے انھون نے بھی آیندہ کے خطرہ سے حتی الامکان اپنے اخراجات مین تخفیف کردی، اس تخفیف اخراجات کا اثر ملک کی اندرونی تجارت پر پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور زیادہ آدمی بے روزگار ہوگئے، بے روزگاری جتنی بڑھتی جاتی تھی اتنا ہی لوگ آیندہ کے خوف سے اپنے اخراجات کم کرتے جاتے تھے، اور اس سے لازمی طور پر بے روزگارون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا تھا، یہان تک کہ ۱۹۳۲ء کے آخر مین امریکہ کے بے روزگارون کی تعداد ایک کرور تک پہنچ گئی، "تحریک شرکت کار" کا اصول یہ ہے کہ تجارت کے انحطاط پر مزدورون کی تعداد کم کرنے کے بجائے انکی اجرت مین تخفیف کردیجائے اور تعداد برقرار رکھی جائے، مثلاً کسی کارخانہ مین چھ ہزار آدمی کام کرتے ہین جو سات گھنٹے یومیہ کے حساب سے مجموعی طور پر بیالیس (۴۲) ہزار گھنٹے کام کرتے ہین، فرض کیجئے کہ کساد بازاری کے باعث کارخانہ

چھتیس ہزار گھنٹے روزانہ کام کی ضرورت ہے، ایک سال قبل یہ کارخانہ ایک ہزار آدمیون کو برطرف کردیتا،
وہ لوگ اپنی استعداد خریداری سے محروم ہوجاتے اور اس کا اثر ملک کی تجارت اور پھر بے روزگاری پر
ہزار آیندہ برطرف کردیئے جانے کے اندیشہ سے اپنے اخراجات مین مزید تخفیف کردیتے، لیکن آج
کسی کو علحدہ نہین کرتا، بلکہ اپنے ہر مزدور سے بجاے سات کے صرف چھ گھنٹے یومیہ کام لیکر اسی نسبت
اجرت مین تخفیف کردیتا ہے، اس طرح وہ چھتیس ہزار گھنٹے یومیہ کام لیکر اس کی اجرت بجاے
مزدورون کے چھ ہزار مزدورون پر تقسیم کردیتا ہے، اس تحریک کی بے شمار شکلین ہین، چنانچہ
ریلوڈ کمپنی نے اپنے ہان ایک حد مقرر کردی ہے کہ ایک مہینہ مین کوئی مزدور اس سے زیادہ اجرت
سکتا، جون ہی اس نے مقدار کے مطابق کام کرکے وہ رقم حاصل کرلی اُسے آیندہ مہینہ کی پہلی تاریخ
کرنے سے روک دیا جاتا ہے، اور اسکی جگہ دوسرا آدمی کام پر لگا دیا جاتا ہے، یہ تحریک اس قدر مقبول
ریاستہاے متحدہ امریکہ مین، ۷۰ فی صدی کارخانون نے اسے اختیار کرلیا ہے اور کوشش کیجارہی ہے
، بیمہ کمپنیون اور اسی قسم کے دوسرے کاروبار مین بھی جاری کردیجائے، اس تحریک کے چلانے
کا دعویٰ ہے کہ اس وقت تک پینتیس لاکھ بے روزگار کام پر لگائے جاچکے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اگر
ملک مین اس تحریک پر عمل کیا گیا تو بے روزگاری کا مسئلہ حل ہوجائے گا،

حواس کا باہمی تعلّق

عام طور پر مشہور ہے کہ بعض حواس مین باہم اس قدر تعلق ہے کہ جب ایک حاسہ کسی وجہ سے بیکار ہوجاتا ہے تو
حاسہ بھی بیکار ہوجاتا ہے، جدید علمی تجارب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، چنانچہ خوشبو کا تعلق قوت شامہ سے ہے،
بعض خوشبوئین اس قسم کی ہین جن سے قوت باصرہ و ذائقہ کو بھی تقویت حاصل ہوتی ہے،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

ازحضرت جگر مراد آبادی

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو، رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں اس بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیٔ تقدیرِ خانہ بربادی
جمالِ یار کہاں نقشِ پا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ ہمیں
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیماں نگاہیوں کی قسم
مجھی کو خود مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

شکایتِ دلِ ایذا طلب کو کیا کیجے
تمام کیف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ
مرے ہی اس دلِ رنگیں قبا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں
اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

"وہی ہیں گے، وہی آواز ہے، وہی انداز"
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد اور کیا کہئے
خود اپنے شہر کو فرماں روا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک چھپے تھے کچھ فتنے
یہیں کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بیخودی کا جگرؔ
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

نظامِ زندگی

از

جناب سید حامد حسین صاحب اثر بی اے ایل ایل بی علیگ،

جادۂ حق پر نہ ہو جب تک خرامِ زندگی
زندگی کی صبح اچھی کچھ نہ شامِ زندگی

پنجرہ زر ہے زمانہ میں قیامِ زندگی
پانچ حرفوں سے مرکب یوں ہے نامِ زندگی

موت کے طالب کو حاصل ہے دوامِ زندگی
آرزوے زندگی ہے اختتامِ زندگی؛

کچھ کٹی قیدِ قفس میں، کچھ رہی نذرِ جنون
میری قسمت سے ہوا یوں انقسامِ زندگی؛

شمع جل کر کہہ رہی ہے گریۂ پیہم کے ساتھ
صبح ہو جاتی ہے کتنی جلد شامِ زندگی؛

موت کے پردہ میں پنہان ہے کوئی شکلِ حسین
خود بخود اوٹھتا چلا جاتا ہے گامِ زندگی،

شہر و گورستان دونون زندگی کے نام ہین
اک مقامِ موت ہے، اور اک مقامِ زندگی،

جس کی غیرت اوٹھ گئی، جس کی حمیت اُٹھ گئی
ہو چکا اس قوم کا لبریز جامِ زندگی؛

فرقہ بندی سے نہ ہو خطرہ مین کیون قومی بقا
ربط ہی تو ہے عناصر کا نظامِ زندگی،

ہر نفس بے کل نہ ہو جن کا خیالِ قوم سے
ایسے لوگون کے لئے ہے ننگ نامِ زندگی؛

راہِ حق مین جان دینا ہی ہے مقصودِ حیات
موت ہی کے نام سے زندہ ہے نامِ زندگی؛

ایسی کوئی شے نہین ہے، جو فنا سے بچ سکے
موت ہو سکتی نہین، ہرگز غلامِ زندگی،

تفرقہ کے ذکر سے بہتر ہے ذکرِ اتفاق
وہ پیامِ موت ہے یہ ہے پیامِ زندگی؛

کامیابی رہتی ہے، بے تاب کچھ اُن کے لئے
دیتی ہین ناکامیان جن کو پیامِ زندگی،

آشناے رمزِ خودداری ہیں جو قومین، اثر
قابلِ تعریف ہے ان کا نظامِ زندگی؛

مطبوعاتِ جدیدہ

مقدمات عبدالحق، حصۂ اول و دوم، مرتبہ جناب مرزا محمد بیگ صاحب، حجم ۴۰۹، ۲۱۲،

تقطیع چھوٹی، قیمت سے رو عا، پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد، دکن،

مولوی عبدالحق صاحب، سکریٹری انجمن ترقی اردو کی علمی و ادبی خدمات کا بڑا ذخیرہ ان مقدموں کی شکل میں ہے، جو وہ مختلف کتابوں پر اپنی علمی و ادبی زندگی کے دور آغاز سے ابتک لکھتے رہے ہیں، جن کتابوں پر مولوی صاحب موصوف کے مقدمے تھے، ان میں سے اکثر میں نہ صرف [illegible] لگنی شروع ہو گئی بلکہ بعض کتابیں اور رسالے ایک مدت گذری کہ اپنی زندگی پوری کر کے گمنام ہو چکے ہیں، اور انھی کے ساتھ وہ مقدمے بھی دفن ہو چکے تھے، مرتب نے اپنے اس مجموعۂ مقدمات سے ان گمشدہ تحریروں کو ایک مرتبہ پھر زندہ ہونے کے سامنے کردیا ہے، یہ مقدمے دو ضخیم جلدوں میں سمائے ہیں، پہلے حصہ میں "اسلامیات"، "سائنس و فلسفہ" اور "تاریخ و تذکرہ" پر نو مقدمے ہیں، اور دوسرے حصہ میں "ادبیات"، "لسانیات" اور "متفرقات" کے عنوانوں سے چند مقدمے ہیں،

مولوی صاحب موصوف کی علمی و ادبی زندگی کا بڑا حصہ اسی مقدمہ نویسی میں بسر ہوا، ان کا خاص فن "ادب اردو اور اس کی تاریخ" ہے، اسلیے مقدمات کی بیشتر تعداد کسی نہ کسی نوعیت سے اسی موضوع سے متعلق ہے، اور چونکہ ان میں سے ہر مقدمہ الگ الگ کتاب پر تھا، اور بسا اوقات انھوں نے ایک ہی مصنف کی متعدد کتابوں پر جدا جدا مقدمہ لکھا ہے، اس لیے مضامین و مباحث کی تکرار کا ہونا ضروری تھا جس کا احساس اس مجموعی شکل میں زیادہ ہوتا ہے، مولوی صاحب موصوف اردو ادب کی تاریخ میں اور اردو کے بعض انشاپردازوں کے متعلق اپنے خاص خیالات اور اپنی منفرد تنقید و رائے رکھتے ہیں، جو ان مقدمات میں کم و بیش ہر جگہ نمایاں ہے،

اور بلکہ مولوی صاحب کو اردو کے بعض مسلم انشا پردازوں اور ناقدوں سے جو دیرینہ اختلاف رہا ہے، اسکی بو نہ صرف ادب اور تاریخ ادب کے مضامین میں آتی ہے، بلکہ وہ راے اور تنقید سے گذر کر ذاتیات کے حدود تک پہنچ گیا ہے جس کی نمایاں مثال "مقدمۂ تمدن ہند" ہے، جس مین تمدن ہند کے مترجم شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے سوانح حیات مین بے ضرورت اور بے محل طور پر بعض ایسی شخصیتون پر خواہ مخواہ کے ذاتی حملے کئے گئے ہین، جن سے مولوی صاحب کو ان کی زندگی مین اختلاف رہا، اور انکی وفات کے بعد بھی انھون نے انھین کبھی کسی کلمۂ خیر سے یاد نہ فرمایا ہمین اس کا افسوس ہے کہ مرتب "مقدمات عبد الحق" نے اس مجموعہ کو شائع کرنے سے پیشتر مولوی صاحب کی خدمت مین پیش نہین کیا کہ شاید وہ وقت کی ان گرم تحریرون کو جن مین سے بعض محض جذبات اور ماحول کے لحاظ سے قلم سے نکلی ہونگی، اس عہد پیری مین کسی معتدل شکل و صورت مین نے آتے، اور تلافی مافات بھی ہو جاتی، بہرحال مولوی صاحب موصوف اردو کے ایک پرانے خدمتگذار ہین، اور اردو دانون پر ان کا یہ جائز حق ہے کہ وہ اُن سے اپنی تحریرون کے پڑھنے کا مطالبہ کرین، اور ہمارے نوجوانون کے لیے بھی یہی سزاوار ہے کہ وہ بزرگون کی ہر قسم کی تحریرین دیکھین، کہ رطب و یابس کا فیصلہ تو وہ اپنے ذوق سلیم سے خود کرلین گے،

سید الانبیاء، از تھامس کارلائل مترجمہ جناب محمد اعظم خان صاحب، حجم چھوٹی تقطیع کے ۸۸ صفحے، قیمت مجلد ۸؎، مترجم سے نصیر دلا، عثمان پورہ، حیدرآباد، دکن، کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"سید الانبیاء" کارلائل کے مشہور سلسلۂ خطبات "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین سے خطبۂ "محمد" (صلعم) کا اردو ترجمہ ہے، کارلائل نے اس خطبہ کے ذریعہ ایک ایسے زمانہ مین یورپ مین آنحضرت صلعم کے صادق القول ہونے کا بالاعلان اعتراف کیا تھا، جب کلیسا کے پادریون، اور عام متعصب مستشرقین کی نہایت گمراہ کن روایتین اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق یورپ مین پھیلی ہوئی تھین، لیکن اسی قند مین زہر بھی ملا ہے، کارلائل نے کچھ تو مجمع کے جذبات کا پاس کرکے، اور کچھ اپنے غلط ماحول، اور واقعات کو صحیح روشنی مین نہ دیکھ سکنے کے باعث، بعض بے معنی اور مبنی بر غلط افکار بھی پیش کئے ہین، مترجم نے اپنے دیباچہ مین اُن غلطیون پر قارئین کو متنبہ کردیا ہے، کارلائل

انگریزی زبان کا مستند و ممتاز انشا پرداز ہے۔ مترجم نے کوشش کی ہے، کہ اس کے زور بیان اور تشبیہ استعارات کے استعمال کو بھی اردو میں حسب مقدرت نباہ لے، اور اس میں شبہ نہیں کہ ترجمہ کی زبان میں سلاست اور لطف بیان پیدا ہوگیا ہے، تاہم کہیں کہیں ترجمہ کی عبارت سست بھی رہ گئی ہے، (مثلاً ص ۴۳ وغیرہ) اور اندازہ ہوتا ہے کہ اصل عبارت میں جو زور بیان ہے مترجم کا قلم اسے سنبھالنے کی کوشش میں درماندہ رہا ہے، لیکن عمومی حیثیت سے اسے ایک اچھا ترجمہ کہہ سکتے ہیں، اس خطبہ کے پہلے بھی متعدد تراجم شائع ہوچکے ہیں،

ورڈسورتھ اور اسکی شاعری، از جناب میر حسن مدیر مجلہ عثمانیہ حجم ۱۰۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت

مجلد عہ مولف سے بی بی اردو، نمبر ۲۰۳ حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ورڈسورتھ، انگریزی ادب کا معیاری شاعر ہے، جناب میر حسن نے اس کو اردو داں طبقہ سے روشناس کیا ہے، اور اس رسالہ میں اس کے سوانح اور کلام کو پیش کیا ہے، لیکن یہ حصے الگ الگ نہیں، بلکہ ورڈسورتھ کا ابتدائی تعارف کراکر خود اس کے کلام کی روشنی میں اسے مختلف دوروں سے گذارنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ شاعر بنکر نمودار ہوا، اور اسکی نظمیں سامنے آنے لگیں، پھر اسکی زندگی میں جو واقعات پیش آتے گئے، اور نظموں کے جو اثرات پیدا ہوتے گئے، اور اسکی طبیعت پر فلسفہ و شعر کے جس مسلک و مشرب کے رجحانات رہے، سب کو اسی سلسلہ میں بیان کیا ہے، اور پھر اس کی زندگی اور شاعری پر جو تنقیدیں ہوئیں، اور خود مرتب کو اس کی شاعری میں جو معیار اور اسکے فلسفہ میں جو رجحان نظر آیا، اسکو اسی سلسلہ سوانح میں بیان کیا ہے، اور جا بجا دوسرے شعرا سے اس کا موازنہ بھی کیا ہے، مولف نے یہ ایک اچھا طریق سوانح نگاری اختیار کیا ہے، اگر اسی رنگ پر وہ دوسرے باکمال شعرائے یورپ کو روشناس کرانے میں کامیاب ہوجائیں جیسا کہ ان کا قصد ہے، تو اردو کی ایک مفید خدمت انجام دینگے لیکن ضرورت ہے کہ تحریر اور انداز بیان میں اختصار ملحوظ رکھا جائے، اور طریق ادا میں بھی شگفتگی پیدا کیجائے، اگرچہ نظموں کا ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے، اس کتاب میں براعظم یورپ کا نام اس طرح پر لیا گیا ہے کہ شبہ ہوتا ہے کہ شاعر کسی مشرقی ملک کا باشندہ ہے، موقع [illegible] میں ایسے تسامحوں سے بچنے کی بھی ضرورت ہے، سید ط

مولف نے اپنے دیباچہ مین دکھایا ہے، کہ مولنٰا حالی اپنی جدید نظمون مین اسکی شاعری سے متاثر ہوئے ہین، ہمین اس نظریہ کے ماننے مین بہت کچھ تامل ہے، بہرحال توقع ہے کہ ادبی حلقون مین یہ رسالہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا،

طب النبی، مؤلفہ جناب حکیم غلام غوث صاحب حجم ۱۲۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۹ر

مؤلف سے اشراق الاسلام، نوان کوٹ، ڈاکخانہ بکالاڑان، ریاست بھاولپور کے پتہ سے ملسکتی ہے،

دورِ حاضر مین احادیث پر جو حملے کئے جاتے ہین، ان مین کتب احادیث کی کتاب الطب بھی نشانہ بنائی جاتی ہے، اور بعض احادیث کا محض اسلئے استخفاف ہوتا ہے کہ ان کے ناقص علم مین وہ علم طب کے اصول کے منافی ہین، جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے زیرِ نظر رسالہ طب النبی مین، طب نبوی کو طب یونانی اور جدید علم طب کے معیار پر پرکھنے کی خدمت انجام دی ہے، کتاب کے دو حصے ہین، اولاً طب النبی بالادویۃ الطبعیۃ جو دو ابواب "کلیات" و "مفردات" پر مشتمل ہے، "کلیات" گویا "اصول حفظانِ صحت کے" بیان مین ہے جسمین مختلف احادیث کو حفظان صحت کے جدید اصولون سے منطبق کیا گیا ہے، اگرچہ اس مین بعض مقامات پر تشفی بخش تطابق نظر نہین آتا کہ مصنف جس توجیہ کے ساتھ اس حدیث کو منطبق کرنا چاہتے ہین، وہ اسلئے صحیح نہین کہ خود اسی حدیث ہی مین اس توجیہ کے خلاف کوئی دوسری وجہ اس حکم کی بیان کردیگئی ہے، مثلاً ص ۱۹ اور ۲۶ وغیرہ مین "دخانیت" "ٹخنون سے اونچا پاجامہ" اور "تمباکو" وغیرہ کے بیانات، تاہم مصنف کی محنت و فکر لائق ستایش ہے اور بظاہر اکثر جگہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، اور "مفردات" کے بیان مین، احادیث مین جن جن اشیاء و ادویہ سے علاج کا ذکر آیا، اور جو طریقے درج ہین، ان کے خواص و اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا دوسرا حصہ "طب النبی بالادعیہ" ہے، جس کو مولنٰا عاشق الٰہی صاحب مترجم قرآن مجید نے چند صفحون مین آخر مین منسلک کردیا ہے، جس مین امراض کے متعلق ماثور دعائین نقل کیگئی ہین، لیکن یہ حدیثین بلاحوالہ درج ہین، اور پہلے حصہ کی حدیثین جو باحوالہ درج کیگئی ہین، اُنمین بعض حدیثین ضعیف اور موضوع بھی آگئی تھین، مولنٰا عاشق الٰہی صاحب نے اپنے حواشی مین ان کی تصحیح کا فرض ایک حد تک انجام دیدیا ہے،

"م"

دارالمصنّفین کی فلسفیانہ کتابیں

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح اردو میں فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے ضخامت ۱۲۶ صفحے،
قیمت: [illegible]

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت [illegible]، حجم ۱۴۰ صفحے،

مبادیٔ علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فصیح اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۳۰ صفحے،
قیمت: [illegible]

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۴۹۲ صفحے،
قیمت: [illegible]

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں، طبع دوم، قیمت: [illegible]، ضخامت ۱۶۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۲۲ صفحے، قیمت [illegible]

طبقات الامم، اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی سنہ ۴۶۲ھ کی کتاب جس میں انہوں نے اپنے زمانہ تک کی تمام قوموں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی میں لکھی تھی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے اسکو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور جابجا [illegible] علماء اور فلاسفر کے حالات اور تصانیف کے متعلق [illegible] معلومات فراہم کئے ہیں،
ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت [illegible]

عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا تذکرہ مصرح ہے

طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۳۵۱ صفحے، قیمت

قسم اعلیٰ عہ، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت

رطابع و ناشر محمد ادریس

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷

جولائی ۱۹۲۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایۂ فخر اس کے رسول کے احوال پاک اور کلمات طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہے، اردو میں اس وقت بالاتفاق سب سے کامل اور صحیح تر سیرۃ نبوی [illegible] جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد [illegible] اب تک اس کتاب کے چار حصے [illegible] ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا [illegible] غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن [illegible] قبل بعثت، طبع دوم ضخامت ۵۹۱ صفحے [illegible] کاغذ سے للعہ تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہے، طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۳۵۱ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عہ، طبع دوم، تقطیع خورد ضخامت ۴۳۸ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ صہ ہے

سیرۃ النبی حصہ [illegible]
کی حقیقت [illegible]
قدیمہ، علا [illegible]
تفلطی [illegible]
[illegible]
تقطیع کلاں، [illegible]
ے، طبع دوم تقطیع خورد [illegible]
ایضاً جلد چہار [illegible]
قبل اسلام عرب [illegible]
کا طلوع، تبلیغ نبوی [illegible]
بہ تعبیراتہ کا کام [illegible]
اور حکیمانہ بحث، [illegible]
کاغذ سے [illegible]

ملنے کا پتہ

منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈہ

جلد ۳۲ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۱

مضامین

"سرگذشت ادب ترکی" جس مین ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلاویز انداز مین بیان کیگئی ہے، از مولوی سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر معارف، ۲۰ ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب کرین،

"منیجر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

دین و دانش کی دنیا کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کی صبح کو دیوبند کی خاک مین ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا یعنی مولنا سید انور شاہ صاحب جانشین شیخ الہندؒ و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے دو برس کی علالت اور ضعف و نقاہت کے بعد ۵۰ برس کی عمر مین وفات پائی، مرحوم کا وطن گو کشمیر تھا، مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ مین اقامت فرمائی، پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، اور جسکو حضرت شیخ کے زمانۂ جنگ مین ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۹ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لیکر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجین لیتا رہا، اور ہند اور بیرون ہند کے سینکڑون تشنگانِ علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی،

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، انکی مثال اس سمندر کی سی تھی جسکی اوپر کی سطح ساکن، لیکن اندر کی سطح موتیون کے گران قیمت خزانون سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ مین اس عہد مین بے مثال تھے، علومِ حدیث کے حافظ و نکتہ شناس، علومِ ادب مین بلند پایہ، معقولات مین ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند، اور زہد و تقویٰ مین کامل تھے، اللہ تعالیٰ اپنی نوازشون کی جنت مین ان کا مقام اعلیٰ کرے، کہ مرتے دم تک علم و حرفت کے اس شہید نے قال اللہ اور قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا،

---

۱۹ جون کی صبح کو مشرقی ہند کے مرکزی شہر پٹنہ کے جسم سے روح نے مفارقت کی، سر فخر الدین وزیر تعلیمات جو وہان کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز مسلمان تھے ۶۵ برس کی عمر مین وفات پائی، ان چند مہینون کے اندر اس شہر کے وہ پرانے نئے تعلیم یافتہ اصحاب جو وہان کی مجلس کی شمعِ بزم افروز تھے، ایک ایک کرکے رخصت ہو گئے، سر علی امام کی وفات پر سیاسی تدبر و قابلیت کا ماتم ہوا، حسن امام کے مرنے پر قانون دانی کا نوحہ پڑھا گیا، لیکن سر فخر الدین کی رحلت پر انسانیت اور اسکی شرافت کا ماتم ہے، مرحوم نیکدل، متواضع، فیاض، مشرقیت پسند اور دیندار تھے، اسی لئے انکی وفات پر پورے

صوبہ نے ماتم کیا، شہر کے سب سے بڑے میدان مین پورے شہر نے نماز جنازہ پڑھی، اور صوبہ کے سب سے مقدس مقام پھلواری شریف مین اپنے مرشدین کے مقبرہ مین جگہ پائی، اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح پر اپنی مغفرت کے پھول برسائے،

نظام دکن کی مجلس مین فرمانروایان اودھ کی بزم دوشین کا ایک ٹمٹماتا چراغ مدت سے جل رہا تھا، افسوس کہ وہ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۳۳ء کی شب کو رونق دہر کی بیاسی بہارین دیکھکر ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا، مولنا علی حیدر نظم طباطبائی لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر نے بیاسی سال کی عمر مین وفات پائی، لکھنؤ وطن تھا، اخیر شاہ اودھ کے دربار کی خزان دیکھی تھی، ٹیابرج کلکتہ کی شاعرانہ مجلسون کی یادگار تھے، علوم عربیہ کے علاوہ شعر وسخن کے فنون پر کامل عبور رکھتے تھے، اس عمر کے باوجود اخیر تک علمی کامون مین مصروف ومنہمک رہے، اللہ تعالیٰ کرم فرمائے،

اس ماہ کے شذرات کا صفحہ وفات نامہ ہوا چاہتا ہے، مگر احسان فراموشی ہوگی اگر ملک کے سب سے بوڑھے صحیفہ نگار مولوی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار کا ماتم نہ کیا جائے، ۲۰ مئی کو انھون نے اس دار فانی کو الوداع کہا، وہ اردو کے سب سے پہلے روزانہ اخبار (پیسہ اخبار) کے اڈیٹر تھے، انھون نے صرف اپنی محنت وکوشش سے سرمایہ حاصل کیا، اور ملک مین تاریخ اور سیاحت نامون کے پڑھنے کا ذوق پیدا کیا، اور خود بھی دو سفر کئے، اور سیاحت نامے لکھے، مگر افسوس کہ اب انکو وہ سفر پیش آیا ہے، جسکا سفرنامہ انسانون کے ہاتھ نہین فرشتون کے ہاتھ لکھتے ہین، اس ان دیکھی منزل کے بوڑھے مسافر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، مرحوم نے ۸۴ برس کی عمر پائی،

اردو کے ایک اور کہنہ صاحب قلم استاد کی وفات پر دو آنسو بہانا ہے، ایک زمانہ تھا کہ اسکی انشا پردازی اور نکتہ نوازی پر ملک کے اچھے اچھے اہل قلم رشک کرتے تھے، مگر افسوس کہ نوجوانون نے اسکو بھلادیا، یہ خان بہادر میر ناصر علی مدیر صلائے عام دہلی تھے، مرحوم نے عمر کی چھیاسی بہارین دیکھکر ۲۰ جون کو دہلی مین وفات پائی، ان کے قلم مین جو نزاکت اور ان کے انشا مین جو لطافت تھی وہ اب بھی ہماری زبان کا سرمایہ ہے، مگر افسوس ہے کہ آخر مین وہ ساری جگر کاوی ان ناقدر شناس انگریز افسرون کے لیے کرتے تھے، جو ہندوستانی کو امتحان کے لیے سیکھتے تھے اور انکی یہ ادبی کوششین عام نگاہون سے چھپکر رہ گئی تھین، خدا اپنے دربار مین ہمارے اس بوڑھے صاحب قلم کی آبرو رکھے،

لوگون کو یاد ہوگا کہ ٹرکی مین ہماری سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے ترجمہ کا کام شروع ہوا تھا، اور انکی متعدد جلدین ترکی مین ترجمہ ہو کر وہان مقبول ہو چکی ہین لیکن ٹرکی مین دو برس سے جب سے عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف کو رواج دیا گیا، اودھر سے خاموشی رہی، خیال ہوا کہ شاید حروف کی تبدیلی سے خیالات مین بھی تبدیلی آگئی ہے، بارے اس ہفتہ مین قسطنطنیہ سے مترجم مذکور کا ایک عربی خط آیا، جس سے پہلے خیال کی غلطی دور ہوئی، انہون موصوف نے سیرت کی جلد چہارم اور سیر الصحابہ کے حصص مہاجرین کی جلدین ترجمہ کی غرض سے طلب کی ہین، اسی خط مین وہ لکھتے ہین کہ سیر الصحابہ مین سے انصار، مہاجرین جلد اوّل اور صحابیات کا ترجمہ وہ تمام کر چکے، فالحمد للہ،

ہم نے ہندوستان مین عربی زبان کی ترقی واشاعت کی غرض سے آج سے ایک سال پہلے الضیاء کے نام سے لکھنؤ سے جو ماہانہ عربی رسالہ نکلوایا تھا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک سال کی عمر طے کر کے دوسرے سال مین قدم رکھا، ہندوستان کے دو شوقین نے اسکو خرید کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا، ساتھ ہی ہماری تحریک پر حسب ذیل اصحاب نے اس کے اجرا مین مالی امداد دیکر اسکی طبع و اشاعت کی مشکلات کو آسان کیا،

۱۔ نواب سر مزمل اللہ خان بہادر، بھیکن پور علی گڈھ، ۱۰۰؍
۲۔ نواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمن خان شروانی حبیب گنج علی گڈھ ۵۰؍
۳۔ مولٰنا ضیاء الحسن علوی ندوی، انسپکٹر مدارس عربیہ، الہ آباد، ۵۰؍
۴۔ مولٰنا عبد الباری ندوی، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۲۵؍
۵۔ خاکسار سید سلیمان ندوی، ۱۰۰؍

اس ایک سال کے عرصہ مین اس رسالہ نے ہندوستان اور دیگر ممالک عربیہ مین جو عزت و منزلت حاصل کی، اور ہندوستان کے مسلمانون کے عربی ذوق کا جو ثبوت بہم پہنچایا وہ ہماری توقع سے زیادہ ہے، ضرورت ہے کہ اس مقدس زبان کی اشاعت کے قدرشناس رسالہ کی دوسری منزل مین بھی ہمارا ہاتھ بٹائین،

———•———

مقالات

اردو کیونکر پیدا ہوئی،

(ناگری پرچارنی سبھا بنارس کیلئے لکھا گیا)

ہندوستان کی ادبی تاریخ کا حال جب سے ہم کو معلوم ہے یہ نظر آتا ہے کہ اس ملک مین کبھی ایک بولی نہین بولی گئی، درحقیقت یہ ملک ایک بر اعظم ہے، جسمین ہر زمانہ مین مختلف قومین، اور مختلف نسلین جو مختلف بولیان بولتی تھین، آباد تھین آباد ہین، اور آباد رہینگی، دنیا کی زبانون کی تین مشہور اصلین، آریائی، تورانی اور سامی تینون یہان دوش بدوش ملی جلی ملتی ہین، ڈریویڈی زبانون کی اصلیت تورانی بتائی جاتی ہے، صوبون کی دوسری زبانین آریائی ہین، اور عربی کی شمولیت سامی اثر کا نتیجہ ہے،

چند مشہور راجاؤن کے زمانون کو چھوڑ کر جو ملک کے اکثر حصہ پر حکمران رہے، اکثر ہندوستان کا یہی حال رہا کہ اس کے مختلف صوبے مختلف مستقل ریاستون کی صورت مین رہے، ان صوبون کی وسعت راجہ کی قوت اور فتوحات کے دائرہ کی کمی بیشی کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ہر ریاست کی زبان اس کے صوبہ کی مقامی زبان تھی، اور وہی گویا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، اب جسقدر اس ریاست کا دائرہ ہوتا اسی حد تک اس زبان کا جغرافی دائرہ کبھی گھٹ جاتا، اور کبھی بڑھ جاتا،

مثلاً دیکھئے کہ اودھ کی بولی، برج کی بھاشا، مگدھ کی زبان، اطراف دہلی کی ہریانی یہ چار ہمسایہ زبانین گران کی حدین اپنی سلطنتون کی حدون سے وابستہ نظر آتی ہین، مگدھ (بہار) کی بودھ سلطنت جسکا دار السلطنت

پہنچی پر منتشر تھا، جب ہندوستان پر چھا گئی، تو انکی زبان بھی ہندوستان کی عام سرکاری زبان بنگئی، اور آج اسی مگدھ کی پالی زبان کے کتبے پشاور سے لیکر مہاراشٹر کے کنڈون تک ملتے ہین،

ہندوستان مین سندھ سے لیکر گجرات تک کا علاقہ ہمیشہ ایرانیون اور عربون کے جہازون کا گذرگاہ رہا، اور اسی کا اثر تھا کہ جہازیون کے ساتھ ساتھ انکی زبانون کے اثرات بھی خاموشی کے ساتھ پھیلتے رہتے تھے، خصوصاً سندھ وہ صوبہ تھا جو اکثر ایران کی سلطنت کا جز بنتا رہا، اور خلیج فارس کے تمدن سے متاثر ہوتا رہا، سندھ کے آثار قدیمہ کی موجودہ تحقیقات اس نظریہ کی صداقت کو روز بروز آشکارا کرتی جارہی ہے،

بہرحال آریائی زبان کی دوسری شاخ ایرانی یا فارسی کا اثر سندھ سے لیکر گجرات تک وسیع تھا، اس کے بعد پہلی صدی ہجری کے خاتمہ کے قریب ساتوین صدی عیسوی مین فتح فارس کے بعد عربون نے بھی، ایرانی سلطنت کے جانشین کی حیثیت سے سندھ پر قبضہ کیا، اور ان کے جہازات خلیج فارس کے اُبلہ، سیراف اور بصرہ نامی بندرگاہون سے نکل کر سندھ، گجرات اور ملیبار ہوکر چین تک جانے لگے، ان جہازون کے چلانے والے، فارسی اور عربی بولتے تھے، اس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہندوستان کے جن بندرگاہون سے یہ گذرتے ہون وہان انکی زبانون کے کچھ لفظ مستعمل ہوجائین، اور وہان کی مقامی زبانون کے کچھ لفظ ان جہازیون کی زبانون پر چڑھ جائین، چنانچہ اسکی مثالین عرب سیاحون اور ملاحون کی زبانون مین ملتی ہین، چنانچہ آج بھی ہندوستانی جہازون کے ذریعہ ہندوستانی زبان، افریقہ، عرب، عراق اور مصر کے بندرگاہون تک پہنچ گئی ہے، اور خود مجھے عدن، جدہ، پورٹ سعید، مصوّع اور پورٹ سوڈان مین ہندوستانی بولنے والے ملاح اور دوکاندار ملے،

اس موقع پر سب سے پہلا بیان ہمارے سامنے ایک ایرانی آمیز عرب جہازران بزرگ بن شہریار کا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ایک عرب جہازران ابو محمد حسن نے بیان کیا کہ

"مین ۲۸۸ھ مین منصورہ (بھکر) مین تھا، وہان مجھ سے مستند بزرگون نے یہ بیان کیا کہ الرا دالورہک راجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا، اور جسکی حکومت کشمیر بالا اور کشمیر زیرین کے بیچ مین تھی، اور جسکا نام

مہروگ بن رائق (؟) تھا، اُسنے ۲۷۰ھ مین منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ وہ اسلام کی شریعت کا کچھ حال اسکو بتائے تو عبداللہ نے منصورہ مین ایک عراقی کو پایا جو بہت تیز طبع، اور خوش فہم تھا، اور شاعر تھا، اور جسنے ہندوستان مین نشوونما پائی تھی، اور جو اہل ہند کی مختلف زبانون سے واقف تھا، اُسنے ایک قصیدہ لکھکر راجہ کو بھیجا، راجہ نے اسکو بلا بھیجا، اور اسکے حکم سے اس نے قرآن کا ہندی زبان مین ترجمہ کیا۔[لہ]

اس اقتباس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوستان کے سواحل مین بھی بہت سی مختلف زبانین تھین، اور وہ لوگ جنکی اصل زبان فارسی اور عربی تھی، وہ یہان کی زبانون کو سیکھتے، اور بولتے تھے، اور ان مین یہ لیاقت رکھتے تھے کہ وہ ان مین شاعری کر سکتے تھے، اور قرآن پاک جیسی کتاب کا ترجمہ کر سکتے تھے۔

یہ ہندوستانی اور اسلامی زبانون کے باہمی اختلاط اور میل جول کے امکان کا پہلا واقعہ ہے جو سفرنامون اور تاریخون مین مذکور ہے۔ اس واقعہ کا زمانہ ۲۷۰ھ یعنی ۸۸۳ء ہے اور آج سے قریباً ایک ہزار اسی سال پہلے کی بات ہے۔

اس کے ۳۳ برس کے بعد مسعودی ہندوستان آتا ہے وہ ۳۰۳ھ مین یہان آیا تھا، وہ ہندوستان کا ابتدائی حال اس طرح لکھتا ہے:-

"اس کے بعد ہند کے لوگون کے خیالات مختلف ہوگئے اور مختلف گروہ پیدا ہوگئے اور ہر رئیس نے اپنی ریاست الگ کر لی، تو سندھ پر ایک راجہ بنا اور قنوج پر دوسرا راجہ ہوا، اور کشمیر مین تیسرا راجہ تھا، اور مانگیر پر جو بڑا علاقہ ہے، (گجرات و کاٹھیاواڑ) بلہرا راجہ ہوا اور بلہرا کی حکومت ہوئی اور اب تک ہمارے زمانہ تک جو ۳۳۲ھ ہے بلہرا راجہ کے لقب سے ملقب ہے اور اسکی زمین بہت وسیع زمین ہے جو خشکی پر ہے، اور دریا مین بھی ہے، اسکا ملک ایک طرف زابج (جاوہ) (؟) سے ملتا ہے جو جزیرون کے بادشاہ مہراج کا ملک ہے، اور یہ ملک ہندوستان اور چین کے درمیان ہے حد فاصل ہے، یہ ہندوستان کی طرف منسوب ہے اور دوسری طرف کوہستان سے

لہ عجائب الہند [illegible]

خراسان اور سندھ اور تبت تک ہی، اور ان (ہندوستانی) ریاستون مین باہم اختلاف اور لڑائیان ہین اور انکی زبانین الگ الگ ہین، اور ان کے مذہبی خیالات مختلف ہین، زیادہ تر لوگ تناسخ اور آواگون کے قائل ہین، جیساکہ ہم نے پہلے کہا ہے[1]۔

اس کے بعد یہی سیاح سندھ کے حال مین کہتا ہے :-

"اور سندھ کی زبان ہندوستان کی زبان سے الگ ہے . . . . . . اور مانگیر کی زبان جو بلہرا (وبہ راے) کا دارالسلطنت ہمگیری ہے، اور اس کے ساحلی شہرون جیسے چیمور، سوبارہ، اور تھانہ (موجودہ بمبئی کے پاس) کی زبان[2] لاری ہے"۔

یہ سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور کوکن کی زبانون کی نسبت قدیم عربی شہادت ہے، اس کے بعد بغدادی سیاح اصطخری کا زمانہ ہے، جو ۳۴۰ھ مین آیا تھا، وہ کہتا ہے :-

"منصورہ (موجودہ بھکر واقع سندھ) اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والون کی زبان فارسی اور مکرانی ہے[3]"۔

بعینہ یہی الفاظ ابن حوقل کے سفرنامہ مین ملتے ہین، اس کا زمانہ ۳۳۱ھ سے ۳۵۸ھ تک ہی، وہ کہتا ہی :-

"منصورہ (بھکر) اور ملتان اور اس کے اطراف مین عربی اور سندھی بولی جاتی ہے[4]"۔

۳۷۵ھ ۹۸۵ء مین بشاری مقدسی ہندوستان آتا ہے، وہ ملتان کے حال مین لکھتا ہے :-

"اور فارسی زبان سمجھی جاتی ہے[5]"۔

پھر دیبل یعنی ٹھٹھہ کے بندرگاہ کے حال مین لکھتا ہے،

"دیبل (ٹھٹھہ) سمندر کے ساحل پر ہے، اس کے چارون طرف سوگاؤن کے قریب ہین،

[1] مروج الذہب مسعودی ج اول ص ۱۶۲ پیرس، [2] ایضاً ص ۳۸۱، [3] سفرنامہ اصطخری ص ۱۷۷، لائیڈن، [4] سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۳۲ لائیڈن، [5] سفرنامہ بشاری معروف بہ احسن التقاسیم ص ۴۸۰، لائیڈن،

اکثر غیر مسلم ہندو (کفار) ہیں، سمندر کا پانی شہر کی دیوار دن سے آکر لگتا ہے، یہ سب سوداگر ہیں، اُن کی زبان سندھی اور عربی ہے[1]۔

ابن ندیم بغدادی جس نے اپنی الفہرست ۳۷۷ھ میں ترتیب دی ہے، وہ سندھ کی زبانون کی نسبت جس کی وسعت مین اس کے نزدیک ہندوستان بھی داخل ہے، یہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ مختلف زبانون، اور مختلف مذہب والے ہین، اور ان کے لکھنے کے کئی خط ہین، مجھ سے ایک ایسے شخص نے جو ان کے ملک مین گھوما پھرا تھا، کہا تھا کہ اُن کے ہان دو سو خط کے قریب مستعمل ہین، مین نے (بغداد کے) قصر حکومت مین ایک بت دیکھا تھا جس کی نسبت مجھے کہا گیا کہ یہ بودھ کی مورت ہے . . . . . اس کے نیچے اس طرح لکھا ہوا تھا[2]"

اب وہ زمانہ آیا جب سلطان محمود کا باپ سبکتگین اپنی نئی سلطنت کا تختہ بنا کر کھڑا کر رہا تھا، اور ہندوستان کی بولیون مین عربی و فارسی کے بعد ترکی کے میل کا وقت آیا، اس وقت پشاور اور پنجاب اور غزنین مین صلح اور لڑائی کے تعلقات قائم تھے، آمد و رفت، لڑائی بھڑائی، اور صلح و پیام کے لیے دونون قومون کی زبانون مین اختلاط کا موقع آگیا تھا، اس وقت لڑائیون کے ہزارون ہندو قیدی[3]، اور نوکری پیشہ ہندو سپاہی افغانستان و ترکستان مین گھر گھر پھیلے تھے، امیر سبکتگین کی فوج مین دوسری قومون کے ساتھ ہندو بھی داخل تھے،

"و لشکر خواستن گرفت، و بسیار مردم جمع شد، از ہند و خلج و از ہر دستی[4]"

سلطان محمود کے دربار مین ہندی کا مترجم تلک نام ایک ہندو تھا، جو بچپن مین شیراز پہنچ گیا تھا، اور فارسی سیکھ لی تھی، اور ہندوؤن کے ساتھ نامہ و پیام اور درخواست کی خدمت اس کے سپرد تھی۔

"خطی نیکو ہندوی و فارسی، و مدتے دراز بکشمیر رفتہ بود و شاگردی کردہ . . . . . . و وا دبیری و مترجمی کردی با ہندوان[5]"

۱؎ سفرنامہ بشاری ص ۴۸۳ ۔ ۲؎ کتاب الفہرست مطبوعہ مصر ص ۲۶ ۔ ۳؎ قابوس نامہ ص ۲۱۳، باب در آمدن ہند و غیرہ ۔ ۴؎ تاریخ بیہقی ص ۲۳۲ و ص ۴۹۷ کلکتہ ۔ ۵؎ ایضاً ص ۵۰۳ ۔

ابوالفضل بیہقی اپنی تاریخ آل سبکتگین مین اپنے زمانہ یعنی سلطان مسعود (۴۲۱ھ - ۴۳۳ھ) کے عہد مین اسی قسم کے ایک ہندو مترجم بیربل کا ذکر کرتا ہی جسکا تعلق ان کے دفتر انشاء سے تھا،

"ہم چنان بیربل بدیوانِ ما"[1]

سلطان محمود کے دربار مین جہان عرب و عجم کے اہل علم تھے، وہان ہندوستان کے اہل علم بھی شریک بزم رہتے تھے کالنجر کے راجہ نندا نے ۴۱۳ھ مین جب سلطان کی شان مین ہندی مین شعر لکھکر بھیجا، اس موقع پر فرشتہ مین ہی:-

"نندا بزبان ہندی در مدحِ سلطان شعری گفتہ نزد او فرستاد، سلطان آنرا بفضلاے ہند و عرب و عجم کہ در ملازمت او بودند نمودہ ہمگی تحسین و آفرین[2] کردند"

یہ وہ زمانہ ہے جب لاہور بھی فتح نہین ہوا تھا، اس زمانہ مین بھی سلطان کے دربار مین عرب و عجم اور ہند کے فضلا پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے، اور سب اتنا درخور رکھتے تھے کہ ہندی شعر کو سمجھین اور مزہ لین،

غزنوی بادشاہون کے زمانہ مین جب پنجاب غزنین کا صوبہ تھا، ہزارون لاکھون مسلمان جنکی زبان فارسی تھی، پنجاب مین بس گئے تھے، ظاہر ہے کہ ان مین اور عام اہل ہند مین بول چال اس طرح ہوگی کہ وہ ہندی ملی ہوئی فارسی اور یہ فارسی ملی ہوئی ہندی بولتے ہون، اور چند روز مین یہ کیفیت ہوگئی کہ مسلمان ہندی مین، یا فارسی آمیز ہندی مین شاعری کرنے لگے، چنانچہ اس عہد کا مشہور شاعر مسعود سعد سلمان، المتوفی ۵۱۵ھ جو لاہور مین پیدا ہوا تھا، اور لاہور ہی مین رہتا تھا، اس نے ایک عربی کا، ایک فارسی کا اور ایک ہندی کا دیوان یادگار چھوڑا،

"یکے بتازی، و یکے بہ پارسی، و یکے بہ ہندی" (لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص ۲۴۶، گب)

یہ شوق روز بروز ترقی کرتا گیا، یہانتک کہ ایک ترک خاندان جو دہلی مین رہ پڑا تھا، اسمین امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ) جیسا ہمہ دان شاعر پیدا ہوا، جس نے عربی، فارسی، ہندی مین علٰحدہ علٰحدہ بھی اور تینون زبانون کے مصرعون کو ملا کر بھی شاعری کی، چنانچہ انھون نے خود اپنے دیوان غرۃ الکمال کے خاتمہ مین اس پر فخر کیا ہے،

---

[1] تاریخ بیہقی ص ۵۰۳، کلکتہ، [2] مطبوعہ نولکشور ص ۳۱، جلد اول،

امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی حسب ذیل بولیوں کا ذکر کیا ہے جیسے :

سندھی، لاہوری، کشمیری، بنگالی، گوڑی (گوڑ بنگالہ کا ایک حصہ) گجراتی، تلنگی، معبری (کرناٹکی جسکو تامل کہتے ہیں)

دہور سمندری (دوسمندر، کرناٹک کا پایہ تخت تھا جو اس زمانہ میں نیا فتح ہوا تھا)، اودھی اور دہلوی۔

یہی زبانیں تھوڑے تھوڑے فرق سے اب بھی موجود ہیں۔ امیر خسرو کے تین سو برس کے بعد اکبر کے زمانہ میں بھی ہندوستان کے مختلف صوبوں میں یہی بولیاں رائج تھیں۔ ابو الفضل ہندوستان کی مستقل زبانوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے[1]،

دہلوی، بنگالی، ملتانی، مارواڑی، گجراتی، تلنگی، مرہٹی، کرناٹکی، سندھی، افغانی، شال (جو سندھ، کابل اور قندھار کے بیچ میں ہے)، بلوچستانی، اور کشمیری۔

ان کے اقتباسات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اس ملک میں ہر زمانہ میں صوبہ دار بولیاں بولی جاتی تھیں اور ان میں کوئی ایک عام اور مشترکہ بولی نہ تھی، اور دوسری یہ کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قدرتی طور سے ایک زبان تیار ہو رہی تھی۔

ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کے چھ سو برس قیام کے بعد بھی ملک میں زبانوں کے اختلاف کا یہی حال رہا، کہ ایک صوبہ کا رہنے والا دوسرے صوبہ کے رہنے والے سے بات چیت اور کاروبار کرنے سے عاجز تھا۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ملک جس میں کم از کم تیرہ مستقل زبانیں بولی جاتی ہوں، اس کو ایک مملکت، ایک حکومت اور ایک ملک کیونکر قرار دیا جا سکتا تھا، اور ایسی مختلف بولیوں اور زبانوں والے ملک کے انتظام اور کاروبار کے لیے متحدہ و مشترکہ زبان کی کتنی سخت ضرورت تھی، یہی بات تھی جس نے اس ملک میں ایک نئی بھاشا کو پیدا کیا، اور اس کو ترقی دی۔

اسلامی عہد کی ادبی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوط زبان سندھ، گجرات، دکن، پنجاب، اور بنگال ہر جگہ کی صوبہ دار زبانوں سے مگر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی جن میں خصوصیت کے ساتھ دکن

[1] آئین اکبری جلد سوم، ترجمہ، ص ۹۳ نولکشور۔

قابل سندھی، گجراتی، دکھنی اور دہلوی ہین، جن صوبون کی بولیون کو الگ وجود نہین بخشا گیا، ان مین بھی یہ ابتک مانن

پڑتا ہے کہ انکی دو قسمین ہین، ایک مسلمانی اور ایک خالص دیسی، چنانچہ بنگالی، مرہٹی، کنڑی، تلنگی، ملیالم، ہر ایک مین

مسلمانی بولی خالص بولی سے الگ ہے، مسلمانی بنگالی، مسلمانی مرہٹی، مسلمانی تلنگی، خالص بنگالی، خالص مرہٹی اور

خالص تلنگی سے الگ اور ممتاز ہے، یہ امتیاز بھی ہے کہ مسلمان ان صوبہ دار بولیون مین عربی و فارسی لفظون کو ملا کر

بولتے ہین، اور ان صوبون کے اصل باشندے اُن کو خالص اور بے میل بولتے ہین،

اب صورت یہ ہوئی کہ ہر صوبہ کی مقامی بولیون مین مسلمانون کی زبان کے الفاظ کا میل ہو کر ایک نئی بولی پیدا

ہونے لگی، مسلمانون اور ہندؤن کا یہ میل جول جیسا کہ پہلے کہا گیا، سب سے پہلے ملتان سے لیکر ٹھٹھہ تک سندھ مین اُ

پھر یہان سے گجرات اور کاٹھیاواڑ تک ہوا ہوگا، اس میل جول سے جو زبان بنی اس کا پہلا نمونہ ہم کو ۷۶۲ھ مین فیرو

شاہ تغلق کے عہد مین سندھ مین ملتا ہے، سنہ مذکور مین سلطان ٹھٹھہ پر ناکام حملہ کر کے جب گجرات جاتا ہے تو ٹھٹھہ والون

نے اس کو اپنے شیخ کی کرامت سمجھکر کہا،

"برکت شیخ تھیا، اک موا، اک تھا"

یعنی یہ شیخ کی برکت تھی، کہ ایک حملہ آور (سلطان محمد شاہ تغلق جس نے ۷۵۲ھ مین حملہ کیا تھا) مر گیا، اور دوسرا

(سلطان فیروز شاہ تغلق) ناکام رہا،

عبارت سے یہ آئینہ ہے کہ اس زمانہ (۷۶۲ھ) مین عربی، فارسی اور ہندوستانی بولیون کا مجموعہ

جس کو آج آپ اردو کہتے ہین پیدا ہو چکا تھا، ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس زبان کی پیدائش کیوجہ

مختلف قومون کا کاروباری اور تجارتی اختلاط اور میل جول تھا، اور اسی ضرورت نے اس نئی زبان کو وجود بخشا

تھا، اس زبان کی پیدائش کی، اور پیدائش کی نہ سہی، تو اس کے قیام، بقا، اور ترقی کی وجہ اس سے بھی بڑھکر ناگز

ایک اور ہے، مسلمان جب اس پورے ملک پر حکمران ہوئے تو گو فارسی سرکاری زبان کی حیثیت سے ان کے

ساتھ آئی تاہم ایک ایسی قوم کے لئے جسکا تعلق پورے ملک سے ہو، اس ملک مین کوئی ایک بھی متحدہ اور مشترکہ زبان

موجود نہ تھی، لکھے پڑھے تو خیر آج کی انگریزی کی طرح کل کی فارسی سے کام چلا لیتے تھے، مگر ان پڑھ، ناخواندہ اور عوام کے لیے ایک ایسی زبان کی سخت ضرورت تھی جو پورے ملک کی بول چال، آمد و رفت اور کاروبار میں کارآمد ہو، اور بعینہ یہی ضرورت آج بھی موجود ہے،

اردو نام — زبانِ اردو کی تاریخ کے متعلق میر امن اور سر سید اور دوسرے پرانے بزرگوں نے جو بیان سنایا تھا، وہ اب پارینہ سمجھا جاتا ہے، اور اب اس مضمون پر چند ایسی محققانہ کتابیں لکھی گئی ہیں جن سے اس زبان کی تاریخ کا دشوار گذار راستہ بہت کچھ صاف ہو گیا ہے، اور اب اس کے وجود کا سراغ بہت دور تک لگایا جا چکا ہے، اور آج سے پانچسو برس پہلے کے فقرے جمع کیے گئے ہیں، اور تیموری بادشاہوں سے بہت پہلے کی نظم و نثر کی کتابیں مہیا کی گئی ہیں، اور اب چہار درویش کے مصنف میر امن کے اس بیان کو لوگ صرف بزرگوں کی کہانی سمجھتے ہیں،

"حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کی زبان سے یوں سنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے، انھیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے، اور اپنی بھاکا بولتے تھے، ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے، اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی، آخر امیر تیمور نے جن کے گھرانے میں اب تک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے، ہندوستان کو لیا، ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا، . . . . . جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی، اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی،

جب حضرت شاہجہان صاحب قران نے قلعۂ مبارک، اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا . . .

. . . . . تب شاہجہان آباد مشہور ہوا، اگرچہ دلی جدی ہے وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر

کہلاتا ہے اور زبان کے بازار کو اردوی معلّی خطاب دیا،"

لیکن میرے نزدیک ان چند سطرون مین اردو کی جو تاریخ بیان کیگئی ہے، وہ اشخاص کے نامون کو چھوڑکر سرتاپا حقیقت ہے، آجکل بعض فاضلون نے "پنجاب مین اردو" اور بعض اہل دکن نے "دکن مین اردو"، اور بعض عزیزون نے "گجرات مین اردو" کا نعرہ بلند کیا ہے، لیکن حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر ممتاز صوبہ کی مقامی بولی مین مسلمانون کی آمد و رفت اور میل جول سے جو تغیرات ہوئے، ان سب کا نام "اردو" رکھا گیا ہے، حالانکہ ان کا نام پنجابی، دکھنی، یا گجراتی اور گوجری وغیرہ رکھنا چاہئے، جیسا کہ اس عہد کے لوگون نے کہا ہے، یہ تغیرات جب ممتاز صوبون مین ہو رہے تھے تو خود پایۂ تخت دہلی مین تو اور زیادہ ہوتے،

امیر خسرو اور ابو الفضل دونون نے "دہلوی زبان" کا الگ نام لیا ہے، عہد شاہجہانی مین جب یہان اردوئے معلّی بنا، تو اُس "زبانِ دہلی" یا "زبانِ دہلوی" کا نام، "زبانِ اردوئے معلّی" پڑ گیا، چنانچہ لفظ اردو زبان کے معنی مین دہلی کے علاوہ کسی صوبہ کی زبان پر اطلاق نہین پایا ہے، میر تقی میر کی تحریری سند مین جب اسکا نام پہلی دفعہ آیا ہے، تو اصطلاح کے طور پر نہین، بلکہ لغت کے طور پر آیا ہے، یعنی میر نے "اردو زبان" نہین کہا، بلکہ "اردو کی زبان" کہا ہے،

ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبانِ اردوے معلّی بادشاہِ ہندوستان " (ذکر میر ص۱۳)

"بادشاہِ ہندوستان کے کیمپ یا پایہ تخت کی زبان"

اس کے بعد عام استعمال مین زبان اردو کے بجائے خود زبان کا نام اردو پڑ گیا، اور پھر یہ اردوی معلّی سے نکل کر ملک مین ہر جگہ اسی اصول پر پھیل گئی، جس اصول پر ہندوستان مین ہمیشہ راجدھانی کی بھاکا تمام حدودِ سلطنت مین پھیلتی رہی ہے،

اس زبان کی اصلیت کیا ہے؟ ہم نے پچھلی سطرون مین اسکو بار بار "نئی زبان" کہا ہے، مگر کیا حقیقت مین اسکو نئی زبان کہنا چاہئے؟ ہم جسکو آج اردو کہتے ہین، حقیقت مین وہ دہلی اور اطرافِ دہلی کی وہ پرانی

بولی ہے، جو وہان پہلے سے بولی جا رہی تھی۔ اور جس مین زمانہ کے قاعدہ کے مطابق انقلاب آتا رہا، چڑھاؤ اور اُتار ہو ہو کر لفظون کی مناسب صورت بنگئی۔

ہر زبان تین قسم کے لفظون سے بنتی ہے، اسم فعل اور حرف۔ اس بولی مین جس کو اب اردو کہنے لگے ہین، فعل جتنے ہین وہ دہلوی ہندی کے ہین۔ حرف جتنے ہین ایک دو کو چھوڑکر وہ ہندی کے ہین۔ البتہ اسم آدھے اس ہندی کے، اور آدھے، عربی فارسی اور ترکی کے لفظ ہین، اور بعد کو کچھ پرتگالی اور فرنگی کے وہ لفظ مل گئے ہین جن کے مسمی ان باہر کے ملکون سے آئے ہین، جیسے نیلام، پاؤ (روٹی) پادری، الماری، وغیرہ۔

اس لئے اردو اور ہندی (وہ بھی دہلوی ہندی) مین صرف دو فرق ہین۔ دہلوی ہندی تو اپنی جگہ پر رہگئی، لیکن اسی ہندی مین اس وقت کے نئے ضروریات کے بہت سے عربی، فارسی، اور ترکی کے وہ الفاظ آکر ملے، جنکے معنی اور مسمی ان ملکون سے آئے تھے۔

دوسرا فرق یہ پیدا ہوا کہ وہ ہندی اپنے خط مین، اور یہ اردو فارسی خط مین لکھی جانے لگی۔

رفتہ رفتہ ایک اور فرق بھی پیدا ہوا کہ پرانی ہندی کے بہت سے لفظ جو زبان پر بھاری اور ثقیل تھے، زمانہ اور زبان کی فطری ترقی کے اصول کے مطابق ان مین ہلکا پن خوبصورتی اور خوش آوازی پیدا کرنے کی کوشش کیگئی، اسی طرح عربی اور فارسی اور ترکی کے لفظون مین بھی اپنی طبیعت کے مطابق اس نے تبدیلیان پیدا کین۔ اردو نے ہندی کے لفظون مین اس قسم کا جو تغیر کیا ہے اسکی چند مثالین یہ ہین:۔

ہندی	اردو	ہندی	اردو
گنتر	تت	جیبھ	جی
براہمنر	برہمن	شکتی	سکت
راونڑ	راون	رکش	رکھ
وواہ	بیاہ	پہونچ	پہنچ

ہندی	اردو	ہندی	اردو
جیشٹھ	جیٹھ	کینتو	کیونکہ
ورش	برس (سال)	مائی	مان
پرنتو	پر (مگر)	سمے	سمان
اوچت	اچھا	دیش	دیس
سمبندھی	سمدھی	لکھشن	لچھن
ویشاکھ	بیساکھ	ناش	ناس (خراب)
وچار	بچار	اگنی	آگ
کھشتری	کھتری	پورن	پورا
منش	مانس (جیسے بھلامانس)	مورتی	مورت
میگھ	مینھ	ست یا ساچ	سچ
ورشارت	برسات	کٹنب	کٹم (خاندان)
وارتا	بات	اٹ	اٹا
ہستی	ہاتھی	پانیں	پانی
بادر	بادل	دوھے	دہی
دُگدھ	دودھ یا دود	گھرت	گھی
نا	نہ	بھنّ بھنّ	بھانت بھانت

اب چونکہ پورا ملک ایک تھا، اور ہمیشہ آمد و رفت لگی رہتی تھی، اسلئے اس دہلوی ہندی مین سینکڑون لفظ ہندوستان کے دوسرے صوبون کی بولیون سے آکر رفتہ رفتہ رُل مل گئے، خصوصاً پنجابی اور دکھنی لفظون

کی آمیزش زیادہ ہوئی۔

کہین یہ ہوا ہے کہ فارسی اور ہندی دونون کے ہم معنی لفظون کو ایک جگہ کرکے بولنا شروع کیا، تاکہ دونون زبانون کے الگ الگ جاننے والے، ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے معنی کو سمجھ لین، جیسے دھن دولت، رنگ روپ، رنگ ڈھنگ، خاک دھول، کاغذ پتر، موٹا تازہ، ہنسی مذاق، ہنسی خوشی، بھائی برادر، رشتہ ناتہ، داغ دھبہ، دکھ درد، صاف ستھرا، ریت رسم، کبھی فارسی لفظ مین ذرا ہندی پن پیدا کردیتے ہین جیسے جن، مجور یا مز دور یعنی مزدور، بونڈی باندی (بندی) بندہ یعنی غلام)

ان دونون کو دو زبانون کی جگہ ایک بھاشا بنانے کے لئے یہ چاہئے کہ ان دونون کے لکھنے والے اپنی اپنی جگہ پر چند ایسے اصول ایک ساتھ بنالین، جنکو دونون نباہ لیجائین،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین، سب اڈیٹر معارف،

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنادیا اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہی کہ اسکی کوئی تاریخ اردو، انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نتھی مصنف نے چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش اور تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کی ہی جو غالباً کسی مشرقی زبان مین سسلی کی سب سے پہلی اسلامی تاریخ ہی، اسکی پہلی جلد شائع ہو گئی ہی جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہی، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی کی وجہ تسمیہ، سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کا خاتمہ، اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب و جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہی، ضخامت مجموعی ۶۰۰ صفحے، متعدد رنگین نقشہ جات کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت صرف للعہ

"منیجر"

"وجودِ روح" روحانیین کے نقطۂ نگاہ سے[1]

از جناب محمد اصغر صاحب، انصاری، بی اے بھوپال

ارباب سائنس اپنے حواس اور آلات اور غور و فکر کے ذریعہ سے اشیار کی اصل حقیقت کا پتہ چلانے کی سعی مین مشغول ہین، وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ہماری یہ زمین جسپر ہم بستے ہین اس نظام شمسی مین چندان اہمیت نہین رکھتی ہمارا یہ عالم مشہود اپنے اندر ایک لا انتہائیت رکھتا ہے، ان ارباب علم کو ایسی بیشمار دنیاؤن کا پتہ معلوم ہوگیا ہے جو اس فضائے بسیط مین پھیلی ہوئی ہین، جنکے مقابلہ مین ہمارا کرۂ خاکی یکسر ناقابلِ لحاظ ہے، اجرامِ سماوی کے متعلق یہ تخئیل گو نسبتہً ایک جدید خیال ہے، لیکن اس نے انسانی افکار مین ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا ہے، اس لئے یہ چندان تعجب خیز نہین ہے کہ ابتداءً اصحابِ غرض نے اس نظریہ کی مخالفت کی جنمین سے بعض کا تعلق مذہبی گروہ سے تھا اور بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو محض اسلئے مخالف ہوگئے تھے کہ فہم سادہ کے نزدیک یہ بات لائقِ قبول نہ تھی کہ ہماری یہ زمین بھی منجملہ ان دیگر سیارون کے ایک سیارہ ہے جو اس فضا مین گردش کر رہے ہین، اب ہم رفتہ رفتہ اس جدید نظریہ کے عادی ہوگئے ہین لیکن اندیشہ یہ ہے کہ اب بھی بہت ہی کم نفوس ایسے ہونگے جنپر یہ امر اچھی طرح واضح ہو کہ ہم اس کائناتِ خلقت کے بحرِ زخار مین ایک قطرہ سے زیادہ نہین ہین، اور اس لئے یہ دعوی کسقدر طفلانہ ہے کہ انسان جو چیونٹی کی طرح اس کرۂ ارضی پر رینگتا ہوا نظر آتا ہے، اور جسکی پیدائش کو ہنوز چند ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہین گذرا، وہ اصل حقیقت کا شناسا ہے، ہم انسانون کی یہ توقع ہی بیجا ہے کہ ہم اس محدود علم و تجربہ کے باوجود "اس ذات" اور اس "مشیئت" کی بابت کوئی عرفان صحیح رکھ سکتے ہین، جو اس "تمام" مین ساری ہے، ہم ہنوز غور کر رہے ہین، تاریکی مین ٹٹول رہے ہین، لیکن ہان یہ امید ضرور رکھتے ہین کہ تدریجاً حقیقت سے قریب تر ہوتے چلے جارہے ہے

---

[1] اس مقالہ کے ابتدائی حصص سر الیور لاج کی کتاب سے ماخوذ ہین،

ہیں، غور کرو کہ باوصف فکر و ادراک کی اس نارسائی کے اگر ہم بحث و اختلاف کا غوغا بلند کریں تو یہ کہاں تک ہمارے حالات کے مناسب ہوگا، اس کے قطعی برخلاف ہمارا طرز عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ اس ہنگامۂ اقرار و انکار کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ اس لئے تعاون عمل کریں کہ اصل حقیقت کی بابت ہم سب کا علم وسیع تر ہو جائے اور ہمارا اصل مقام اور ہماری زندگی کا اصل مقصود ہم پر منکشف ہو جائے، لیکن خود اس اعتماد و یقین کے لئے کہ اس کائنات میں ہمارا وجود بھی یک گونہ اہمیت رکھتا ہے ہمکو قوت ایمانیہ کی ضرورت ہے، وہی قوت ایمانیہ جو ہماری تمام قوتوں کی اصلی محرک ہے، جو تمام علمی اکتشافات کی اصل بنیاد اور فنون لطیفہ کے تمام کارناموں میں قدر و قیمت پیدا کرنے کی موجب ہے، اور مذہب کا اصلی مبنیٰ اور اس کے لئے بمنزلۂ قلب و روح ہے،

جب اس کائنات پر خالص سائنس کے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی جاتی ہے تو اسمیں شک نہیں کہ سائنس میں کہیں بھی خدا کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے برعکس وہ ہمیشہ ایسے آخری علل و اغراض تک پہنچنے سے اعراض کرتی رہتی ہے جو اس کے موضوع سے باہر ہوں لیکن بہرحال اس نے بعض ایسی باتیں ضرور بتلا دی ہیں جو خالص مذہبی نقطۂ نظر سے بھی اہم و مفید ہیں،

پہلی بات جو سائنس نے بلا کسی ادنیٰ شک و ریب کے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو تمامتر قانون و نظم سے منسلک ہے، یعنی اس عالم کا ہر ذرہ ان مؤثرات کا تابع ہے جو اس پر عارض ہیں، اس فطرت مادی میں کہیں بھی کسی طرح کا تلون یا تفاوت نہیں پایا جاتا، یہی سبب ہے کہ ہم معلول سے علت کا پتہ چلانے میں کوئی غلطی نہیں کرتے، فطرت کا تمام کاروبار قطعی مستقل اور یقیناً لائق اعتماد ہے، کہیں بھی ہم کو ادنیٰ ترین تبدل یا انحراف نظر نہ آئے گا، الغرض جہاں تک سائنس نے کائنات کا مطالعہ [illegible] کر چکی ہے اور قوانین فطرت کو معلوم کر سکی ہے اس میں کہیں بھی کوئی فتور یا نقص نہیں پایا جاتا، فطرت تمام نظم اور سب سے بالاتر ہے۔

دوسری بات جو سائنس نے ہم کو بتائی ہے وہ یہ ہے کہ [illegible] کائنات کی [illegible] ہم زندگی [illegible]

کے مقابہ میں بہت زیادہ وسیع ہوگئی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہمارے تخیل وگمان سے بھی کہین زیادہ بڑھ گیا ہے،
لیکن اس وسعت علم کے باوجود بھی ہم اس کائنات کی وسعت کا کوئی اندازہ نہین کرسکتے، اس فضائے بسیط
کا ہرستارہ کم وبیش ہمارے اس آفتاب ہی کی طرح بڑا ہے، یہ کہکشان جسمین اربون کی تعداد مین ستارے
پائے جاتے ہین، نظام سماوی مین ایک حقیر نقطہ سے زیادہ نہین ہے اور گو بذاتہ اس قدر طویل وعریض ہے کہ
اس کے حجم کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، لیکن ہم کو اس سے زیادہ فاصلہ پر ایسی متعدد کہکشائین نظر آتی ہین جنمین
سے بعض اتنی ہی بڑی ہین جیسی ہماری کہکشان، گویا وہ بذات خود ایک کائنات معلوم ہوتی ہین اور اس ناپیدا
کنار فضا مین اس قدر بعید فاصلہ پر واقع ہین، کہ خود یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ ہم کو ان کا علم کیونکر ہوا، محض بڑی بڑی
دوربینون اور فوٹوگرافی کی انتہائی ترقیون کے باعث ہم کو ان مین سے اکثر کی جھلک معلوم ہوئی ہے، بہرحال ہم ان
اس کا اندازہ تو کرسکتے ہین کہ سیارات وثوابت کی ان دنیاؤن سے جو روشنی چلکر بالواسطہ اب ہم تک پہنچ رہی ہے،
اسکو چلے ہوئے بھی کڑوڑون برس ہوگئے ہین، تم تنہا اسی واقعہ سے اس کائنات کی وسعت ولاانتہائیت کا تصور
کرو، کیا محض مادی نقطۂ نظر سے بھی یہ کائنات اور اس کائنات کی یہ پہنائی مرعوب کن نہین ہے ؟ لیکن یہ بات
یہین تک ختم نہین ہوجاتی بلکہ حیرت تو یہ ہے کہ کیمیا، اور طبعیات کے وہ قوانین جو اس کرۂ ارضی مین عمل پیرا ہین وہی
قوانین طبعی اس تمام وسیع وعریض فضا مین بھی جس کا ابھی ذکر ہوا پورے پورے عامل ہین، وہی اجزائے
لایتجزی جو یہان پائے جاتے ہین وہی اس تمام کائنات مادی مین پھیلے ہوئے ہین، اور یکسر ایک ہی قانون
کے مطیع ومنقاد ہین، حرارت ونور کے انعکاس واشعاع کا جو عمل ہماری اس دنیا مین جاری ہے وہی عمل بعید ترین
ثوابت اور سیارون مین بھی پایا جاتا ہے، الغرض سائنس کا فتوٰی یہ ہے کہ جو عمل طبعی یہان جاری ہو وہی
تمام کائنات مین جاری ہے، کہین بھی ادنی ترین تضاد وتخالف نہین ہے، سائنس کا یہ فتوی اگر کسی نتیجہ تک
ہماری رہبری کرتا ہے وہ صرف ایک ہی ہے یعنی یہ کہ تمام کائنات فی حد ذاتہ ایک ایسی وحدت تامہ ہے
جس مین باہم کوئی تضاد وتنافر نہین ہے، وہ ایک ہی قانون ہے جو اس کل مین یکسان عامل ہے، پس اگر کوئی

ایسا وجود ہے جسکو ہم خدا کہکر پکارتے ہیں، اور اگر وہ کارساز اور حکیم ہے تو یقیناً وہ اس تمام کائنات کا حکیم و کارساز ہے، ہماری دنیا کا خدا محض اسی دنیا کا خدا نہیں ہے بلکہ تمام ارض وسمٰوات کا خدا ہے اور یقیناً اسکی قدرت اس کائنات کے بعید ترین حدود پر بھی یکساں طور پر حاوی ہے، اور باوصف اس وسعت کے چھوٹی سی چھوٹی جزئیات بھی ایسی نہیں جو اس کے علم و توجہ سے بے نیاز ہوں، اس عظیم المرتبت ذات واحد کی معرفت میں ہم خواہ کتنے ہی ناقص کیوں نہ ہوں لیکن ہمارا وجود، عالم مادی اور روحانیت کا یہ تمام نظام، الغرض ہر شے اسی سے ہے اور اسی کے لئے ہے، سائنس رفتہ رفتہ ہم کو اسی منزل کی طرف لیجا رہی ہے، مذہب کا منتہائے نظر بھی یہی ہے، اختلاف مقصود کا نہیں صرف طریق عمل کا ہے،

"وجودِ روح کے امکانات"

سائنس کا محدود میدان عمل

یہ یقین کہ ایک ذات واحد کا وجود اس تمام موجودات کی علت یا مبدا ہے، ہمارے اس یقین مزید کا بھی موجب ہے کہ انسانی روح فنا پذیر نہیں ہوتی، ایک ایسی ذہین و ذکی مخلوق کا معرض وجود میں لانا جو "سچائی" کی ساعی اور "خیر" کی آرزومند اور "جمال" کی جویاں ہو اور جسمیں "یقین" و "امید" اور "محبت" جیسے عالی صفات ودیعت کئے گئے ہوں اور پھر ان تمام خوبیوں کے بعد وہ بالآخر فنا کر دیجائے، یہ فنا اور یہ اختتام بھی ایسا ہو جس سے آیندہ کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا ہو، یہ صورت حال یقیناً قوت تخلیق کی انتہائی اضاعت اور ایک ایسی ستم ظریفی ہے جو ہرگز کسی ایسی ذات کی طرف عقلاً منسوب نہیں کیجا سکتی جو لائق عظمت و عبادت قرار دی گئی ہو، چنانچہ مذاہب جو ہمیشہ خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں وہ اس پر بھی مجبور تھے کہ بقائے انسانی کے مسئلہ کو بھی حق تسلیم کریں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا سائنس کے طریق تحقیق کی بنا پر بھی یہ ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں کہ انسان اس ظاہر طور کے اختتام کلی یعنی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے یا نہیں۔

غیر متعین اور مبہم طور پر تو حیات بعد الموت کا عقیدہ ہمیشہ سے نسل انسانی کے سامنے رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقین ہماری جبلت میں داخل ہوگیا ہے یہی باعث ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اس عقیدہ

کو ہر ملک و ملت مین تسلیم کیا گیا ہے، لیکن سائنس مین اب تک کبھی بھی اس خیال نے کوئی جڑ نہین پکڑی بلکہ اسکے برعکس ابتک یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ مسئلہ اپنے اندر ایسی نوعیت رکھتا ہے، جس سے وہ آرٹ یا مذہب سے تو متعلق ہو سکتا ہے، لیکن ہمارے جسمانی تجربات کے ٹھوس واقعات کے مطابق نہین ہو سکتا،

اہل سائنس مین ہمیشہ سے ایک گروہ کا یہ خیال قائم رہا کہ جوہر حیات (یعنی روح) کا تمامتر وجود ہمارے دماغ و قلب اور دیگر اعضا کے صحیح فعل و عمل پر مبنی ہے، یہ اصحاب ہمارے افکار ذہنی اور تخیلات کو حواس ظاہری کا اس درجہ پابند و مقید باور کرتے ہین کہ ان کے نزدیک کسی ایسی حیات بخش قوت (یعنی روح) کا کوئی پتہ نہین ہے، جو اعضا و جوارح سے جداگانہ کوئی مستقل بالذات وجود رکھتی ہو، یہ لوگ قوتِ شعور و ادراک یا قوتِ استدلال کے منکر نہین ہین، ان قوا کو وہ خود کام مین لاتے رہتے ہین، لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ شعور، ادراک یا استدلال دراصل اس مستقل بالذات وجود کے باعث ظہور مین نہین آتے، جسکو عوام "روح" سے تعبیر کرتے ہین، بلکہ یہ مظاہر ہمارے جرم دماغ کے جسمانی فعل و انفعال کے سوا اور کچھ نہین ہین، وہ ان حدود سے باہر جانا نہین چاہتے جہان ان کی خوردبینین یا دیگر آلات کام مین نہ آسکین، اسی لئے وہ ان میدانون سے گریزان رہتے ہین جنکا تعلق تصوف یا اسرار مذاہب سے ہے، دوسرے لفظون مین یہ کہنا چاہئے کہ وہ ان مباحث مین نہین پڑنا چاہتے جنکا تعلق مابعد الطبعیات سے ہو جو کبھی بھی مشاہدۂ حواس مین نہین آسکتے، وہ صرف محسوس اور مشہود اور ایسی چیزون سے بحث کرتے ہین جو آنکھون سے دیکھی اور کانون سے سُنی اور ہاتھون سے چھوئی جا سکتی ہون، بعبارت مختصر ان کا دائرۂ عمل صرف طبعیات ہے، اور چونکہ خود طبعیات کی دنیا بھی کافی وسیع اور دلچسپ ہے اس لئے ان مین کسی دوسری طرف توجہ کرنے کا کوئی میلان ہی پیدا نہین ہوتا، ان کا ادعا یہ ہے کہ کوئی روحانی یا نفسی وجود بغیر طبعی و کیمیاوی سلسلۂ اعمال کے بذاتہ کوئی معنی نہین رکھتا، ان آخر الذکر مظاہر کی جزوی تفصیلات کے افہام و تفہیم ہی تک ان کے تمام مساعی محدود رہتے ہین، وہ بزعم خود اجسام مادی کے سالمات ہی کے طریق کار کو کافی و وافی سمجھتے ہین، اور یہ باور کرتے ہین کہ جس چیز کو شعور یا زندگی کہا جاتا ہے وہ محض انھین اجسام

مادی کے عمل کیمیائی کا نتیجہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہین ہے،

بقائے روح یا ایک ایسی ہستی برتر کے وجود کے بارہ مین جو تمام کائنات کی ذمہ دار ہے ان کا خیال یہ ہے کہ یہ مسائل کسی دوسرے ہی شعبہ سے متعلق ہین اور گو وہ ان خیالات کی بھی کچھ نہ کچھ عزت کرتے ہین، کیونکہ بحیثیت انسان ہونے کے وہ اُن جذبات وحسیات سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتے جو پوری انسانی جماعت پر حاوی ہین، لیکن ان کے نزدیک اس قسم کے مذہبی تخیلات خالص سائنس کے نقطۂ نظر سے قطعاً بے معنی ہین اور اس کی صاف وجہ یہی ہے کہ یہ امور نہ تو احاطۂ حواس مین آتے ہین اور نہ کسی معمل مین انکی ناپ تول کیجا سکتی ہے، اور چونکہ "الہام" بھی علم طبیعی کے حدود مین نہین آتا اس لئے وہ اس سے بھی کوئی تعرض نہین کرتے،

بیشک انھون نے اپنے دائرۂ عمل کو محسوس ومشہود امور تک محدود کرنے مین اپنے کام کو بہت آسان کر لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس خاص صنف علم مین بڑی حد تک ترقی کرتے چلے جا رہے ہین، مادہ اور مادہ کے مختلف احوال ومظاہر کا ان کو بہت کچھ علم حاصل ہو گیا ہے جو محض غیر عضوی اجسام ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ اجسام عضوی کو بھی دائرۂ تحقیق مین لے لیا گیا ہے، اس تمام فضا کے اجرام سماویہ اور جوہرون کے متعلق ہمارا علم وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، اور یہ طریق تحقیق واکتشاف اس درجہ کامیاب ہے کہ سائنس نہ صرف رائل سوسائٹی (ROYAL SOCIETY) کے بانیون بلکہ جماعت انسانی کی توقع سے بھی کہین زیادہ ترقی کر گئی ہے،

اس مین شک نہین کہ جہانتک مادیات کا تعلق ہے ان محققانِ فن نے انتہائی صبر ومحنت سے کام کیا ہے، اور یہ تمام تر سعی یقیناً دریافت حق کے لئے کی گئی ہے، خود یہ میدان اسقدر طویل وعریض اور ایسی جستجو و دلچسپیون کا مرکز ہے کہ ان سب کو دوسری طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی پیدا نہین ہوتی، ہماری آئندہ نسلون کی پوری زندگی انھین محدود خطوط پر کائنات کے نوامیس کی جستجو اور دریافت مین صرف ہو جائیگی، دراصل اس عالم کا مادی رخ بھی ہوش ربا ہے، ہمارا علم مسلسل بڑھ رہا ہے اور کبھی ختم ہوتا نظر نہین آتا، جس قدر ہم زیادہ جانتے جاتے ہین اتنا ہی زیادہ ہم کو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بہت کچھ جاننا باقی ہے، گویا ہمین کتنا

چاہئے کہ اس مادی سمت مین بھی ایک طرح کی لا انتہائیت ہے، لیکن دوسری طرف کاروباری اصحاب، اربابِ فن وادب، اہلِ مذہب اور دیگر پیشہ ور جماعتون نے اپنی قابلیتون اور استعدادون کو دوسرے نہج پر تربیت دیا ہے ان کو سائنس کی تحقیقاتون کا بہت ہی کم علم ہے لیکن وہ ایسے عالم مین کام کرتے ہین جہان سائنس کے علاوہ دیگر انسانی اعتبارات مافوق نظر آتے ہین، جہان اس کائنات کا ایک دوسرا ہی رخ نمایان ہوتا ہے، ہماری مراد انسانی زندگی کے اس پہلو سے ہے جہان "یقین" "امید" اور "خیر" جیسے اعلیٰ مقاصد معرضِ بحث مین آتے ہین لاریب یہ مقاصد اپنے اندر ایسے ہی حقائق اور اسی قدر دلچسپیان رکھتے ہین جیسے کہ سائنس کے مسائل،

بات دراصل یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے ہر شعبہ مین ناپیدا کنار ہے، تم جس طرف بھی جاؤ جس شعبہ کی طرف بھی رخ کرو تمہاری ترقیون کی کوئی انتہا نہین ہے، کشفِ حقائق کا سلسلہ کہین بھی ختم نہین ہوتا مگر ہان نوامیس فطرت ہم پر یکبارگی آشکارا نہین کئے جاتے، اس حسن سرمدی کے چہرہ سے نقاب تدریجاً ہی اٹھ رہی ہے، کہ ہماری استعداد ذوق کی رعایت کا تقاضا یہی ہے، اگر وہ جمالِ محبوب بیک وقت بے نقاب ہو جائے اور یہ جلوۂ ناتمام یکسر تمام ہو جائے تو پھر تفریق و امتیاز کی تمام ہنگامہ آرائیان، عشق و محبت کی تمام سوزشین، تحقیق و کاوش کی تمام تگ و دو ایک تعجب انگیز حیرت مین بدل جائینگی ؎

کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ اُن کے جلوہ نے

کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

لیکن انسان مین ذوق علم و معرفت ودیعت کیا گیا ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ جہان وہ فطرت کو اس کے مختلف شعبون اور حالات مین دیکھنے کا طالب ہے وہان ایک چھپی ہوئی لیکن بہت زیادہ قوی یہ آرزو بھی کام کر رہی ہے کہ وہ حسنِ فطرت کو اپنے بسیط عالم مین یعنی تعینات کی حدود سے باہر دیکھے، ایک فلسفی بخلاف دیگر محققینِ علم و فن اسی آخر الذکر جذبہ کا مظہر ہے، اسکی تمامتر جد و جہد یہی ہے کہ حقیقت کے جتنے بھی شعبے اور شاخین ہو سکتی ہین ان سب کو یکجا کرے اور ان سب مین باہمی ایک ایسا ربط دریافت کرے جو ان مختلف

علوم وفنون کو بہ اعتبار حقیقت کے ایک بنا دینے والا ہو، ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کے لیے ہماری سعی کی ابتدا بہت سادگی سے ہوگی اور شروع مین ہم اپنے آپ کو بعض مخصوص نظائر اور بعض ایسے ہی مخصوص واقعات تک ہی محدود رکھنے پر مجبور ہونگے لیکن جون جون ہماری معلومات مین اضافہ ہوتا جائیگا اور ہم علوم وفنون کے باہمی ربط کی کڑیون کا پتہ چلاتے جائین گے تب یہ واضح ہوگا کہ کشف وتحقیق کے یہ مختلف راستے دراصل ایک ہی منزل تک لیجانے والے ہین یا ایک ہی تصویر کے مختلف رخ ہین،

ہم کو اپنے اندر واقعات کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے، ایک منفرد واقعہ خواہ وہ کتنا ہی کم حقیقت کیون نظر نہ آئے، لیکن یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جب اس نوع کے بہت سے واقعات معلوم ہوجائین گے اور ہم ان کو ایک مناسب ترتیب کیساتھ جمع کرلین گے تو یہی بے حقیقت واقعات ایک مستقل علم وفن بنجائینگے،

عالمِ ارواح کے وجود کے متعلق جو واقعات اور شہادتین اب فراہم ہوتی جارہی ہین، گو حیثیت علمی نقطۂ نظر سے ہنوز چندان اہم نہ ہون، لیکن ہم کو جلدبازی اور تعصب سے کام نہ لینا چاہئے، بلکہ صبر وتحمل کیساتھ ایک فلسفیانہ وسیع النظری سے ان کی تنقیح وتدوین مین مشغول ہوجانا چاہئے، اور پھر ایک کھلے ہوے دل و دماغ کے ساتھ ظہورِ نتائج کا منتظر رہنا چاہئے،

بعض لوگ اس کے شاکی ہین کہ وہ واقعات جنپر ہم اپنے نتائج مبنی کرتے ہین، بیشتر کم وزن ہین، لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بظاہر بے وزن واقعات مین کیا اہمیت پیدا ہوجائیگی اگر ہم باقاعدہ ان کے مطالعہ مین مشغول ہون اور ان کے سمجھنے کی واقعی سعی کرین، ایک نشان یا یا دھوئین کا ایک دھبہ کس قدر بے حقیقت ہے لیکن یہی چیز پولیس کے سراغرسان کے لیے بہت اہم ہوجاتی ہے.

"انجمن تحقیق روحانیات" ۱۸۸۲ء مین قائم ہوئی تھی تاکہ وہ اُن ان گنت شہادتون اور واقعات کی جانچ اور تحقیق کرے جو سننے مین بہت آتے تھے لیکن کبھی ان کی علمی طور پر تحقیقات نہ کی گئی تھی لیکن جب ان امور کی تنقیح کیگئی اور موانعات اور دقتون کے باوجود صبر واستقامت کیساتھ تجربات کا

سلسلہ جاری رکھا گیا تب ہمکو اپنی نئی قوتون اور نئی استعدادون کا پتہ چلا اور ان واقعات کی سچائی متحقق ہوئی جو اب تک تاریکی یا قصہ کہانیون کے گرد و غبار مین چھپے ہوئے تھے، بیشک ہم کو دھوکون اور فریبون سے سابقہ پڑا لیکن ہم اس سے دل شکستہ نہ ہوئے چنانچہ تدریجاً اہلِ علم مین یہ یقین پیدا ہو رہا ہے کہ وہ عقیدے جو تمام دنیا مین پھیلے ہوئے ہین گو توہمات سے مملو ہین لیکن در اصل حقائق پر بھی مبنی ہین، اس اصل حقیقت ہی کا پتہ چلانا ہمارا کام تھا اور جس طرح بہت سے آثارِ قدیمہ جو زیرِ زمین مدفون تھے، ہمارے زمانہ مین کھود کر نکال لئے گئے ہین، اسی طرح ان افسانہائے پارینہ کو جب عہد مظلم کے گرد و غبار سے پاک و صاف کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر بھی کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہے، آیئے اس جگہ ہم بطور خلاصہ کے اُن نتائجِ تحقیق کو بیان کر دین جو روحانیین کو معلوم ہوئے ہین، ان مین سے ایک بنیادی اور متفق علیہ امر یہ ہے کہ عالمِ ارواح ایک حقیقت و واقعیت ہے، انسانی ہستی کے مختلف مدارج و مراتب ہین، انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، انسانی وجود کے ان مختلف مراتب و منازل مین باہم کوئی ناقابلِ گذر حد فاصل نہین ہے، اس لئے بعض شرائطِ مخصوص کے تحت مین ارواحِ موتیٰ سے تخاطب و مکالمت ممکن ہے،

وجودِ روح پر ایک تفصیلی بحث

فرانس کے مشہور فلسفی "ڈیکارٹس" کے تمام فلسفہ کی بنیاد اس کے اس مشہور قول پر ہے کہ چونکہ "مین غور کرتا ہون اس لیے مین موجود ہون یعنی در اصل غور و فکر ہی کی اہلیت وہ چیز ہے جس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہون کہ "مین" موجود ہون، لیکن سوال یہ ہے کہ اس "مین" کی اصل حقیقت کیا ہے، کیا میرے ہاتھ پاؤن، آنکھ ناک، اور میرے جسم کے دیگر اعضاء میرے وجود کی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہین، میرے ہاتھ کٹ جاتے ہین لیکن مین موجود ہون، آنکھون کی بینائی چلی گئی لیکن مین فنا نہین ہوا، پاؤن قطع کر دئے گئے، لیکن میرا وجود باقی ہے، ان امثال سے ظاہر ہے کہ ان اعضاء کو منفرداً میرے وجود کی اصل حقیقت

مین کوئی دخل نہین ہے، اس موقع پر اطبا، اور اہل سائنس بڑھینگے اور کہینگے کہ تمہارے وجود کی اصل حقیقت دراصل اس نظام عصبی مین پنہاں ہے، جس کا مرکز دماغ اور نخاع ہے یا پھر قلب مرکز حیات ہے، تمہارے دماغ یا قلب کو اگر کوئی سخت اذیت پہنچ جائے تو پھر تم ختم ہو جاتے ہو، نہ تم غور کر سکتے ہو، نہ محبت و نفرت، نہ خدا کا خوف ہی باقی رہتا ہے اور نہ مذہب کا جوش و وارفتگی، یعنی تمہارے بلند سے بلند حسیات و جذبات اور تمہارے تخیل کی وسعت و کار فرمائی، تمہاری ساری حکمت و دانش، تمہارا پورا نظام اخلاق و عمل ایک دھوکا ہے اور کچھ نہین، بہ الفاظ دیگر انسان عناصر کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس مین غور و فکر، شرم و حیا، محبت و نفرت، پیش بینی اور حافظہ جیسے اوصاف پیدا ہو گئے ہین، جب یہ ترتیب عناصر بگڑ جاتی ہے تو تم بھی ختم ہو جاتے ہو، نہ کوئی روح ہے جو آسمان پر چلی جائے اور نہ عذاب قبر ہے نہ سوالِ حشر ؎

زندگی کیا ہے عناصر مین ظہور ترتیب

موت کیا ہے انھین اجزا کا پریشان ہونا

یہ خلاصہ ہے اس نظریہ کا جو انسانی وجود کے بارے مین مادیین پیش کرتے ہین، اس کے بالمقابل ایک دوسری جماعت ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ ہمارا جسم مادی اور نظام عصبی ہمارے وجود کی اصل حقیقت نہین ہے، بلکہ یہ سب نشیمن اور گہوارہ ہین ایک دوسری اصل کا جس کو ہم روح سے تعبیر کرتے ہین اور اس روح کی نوعیت جیسا کہ مادیین کہتے ہین یہ نہین ہے کہ وہ ہمارے دماغ اور نظام جسمانی کے بعض کیمیائی یا طبعی عمل یا ردعمل کا نتیجہ ہے، بلکہ وہ ان سے مافوق ایک ایسی جنس ہے جو مادی نہین ہے اور اس سارے نظام جسمانی عصبی پر بطور مدبر اور حکمران کے متصرف ہے،

انسانی وجود کی حقیقت کے بارہ مین یہ دو بالمقابل نظریات ہین جنپر ہمین غور کرنا ہے، اور متقابل دلائل کے وزن کی بنا پر یہ دیکھنا ہے کہ کونسا نظریہ اس قابل ہے کہ اسکو تسلیم کیا جائے۔

لیکن قبل اس کے ہم مادی نظریہ کو تفصیلاً بیان کرین ان خلاقی وقتون کو بھی بیان کر دینا ضروری

سمجھتے ہین، جو اس مادی نظریہ کے بجنسہ تسلیم کر لینے سے لازمی طور پر پیدا ہوتی ہین، اگر انسان اسکے سوا کچھ نہین ہے کہ بعض کیمیائی اسباب کی بنا پر رحم مادر مین کچھ عناصر باہم مرتب ہوگئے ہین اور اوصاف حیات (مثلاً محبت، نفرت، غور و فکر، اخلاقی ذمہ داری کا احساس وغیرہ) نتیجہ ہین اس کیمیائی عمل اور ردّ عمل کا جو ہمارے جرم دماغی مین غیر شعوری طور پر واقع ہوتا رہا ہے تو لازمی طور پر ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم سے جو اعمال سرزد ہوتے ہین وہ تمامتر تابع ہوتے ہین اسی کیمیائی یا طبعی عمل کے جو ہمارے دماغ یا نظام عصبی مین ابتداءً پیدا ہوچکا ہے، یعنی اس نظریہ کے تسلیم کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان مین غور و فکر اور حسیات و جذبات بذاتہا خود بخود رونما نہین ہوئے اسی طرح ہمسے افعال کا ظہور بھی ہمارے اختیار و تصرف سے نہین ہوتا بلکہ وہ تابع ہوتے ہین ہمارے افکار و حسیات و جذبات کے اور چونکہ خود غور و فکر، حسیات و جذبات بذاتہا کوئی مستقل وجود نہین رکھتے بلکہ نتیجہ ہوتے ہین بعض ان لامعلوم کیمیائی اعمال کا جو ہمارے جرم دماغی مین جسم کے بیرونی یا اندرونی مؤثرات کے باعث پیدا ہوتے رہتے ہین، تو ان مقدمات سے صاف و صریح نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انسان اپنے افعال پر خود قادر نہین ہے، اسکا ارادہ کوئی مستقل شے نہین ہے، اور اگر صورت حال یہی ہے جیسا کہ اس نظریۂ مادّی کے بجنسہ قبول کر لینے سے مستنبط ہوتا ہے تو پھر ایک انسان کی اخلاقی ذمہ داری محض بے معنی ہے، تمہاری عدالتون کا قیام تمہارے جیل اور تادیب گاہین اور تمہارے وہ مدرسے جنمین اخلاقی ذمہ داری کا درس دیا جاتا ہے سب بیکار ہو جاتے ہین. تمہارا اصول سزا و جزا اور قانونی احتساب ایک ایسا ظلم ہے جسکو تم ایک ایسی مخلوق پر کرتے ہو جو اپنے اعمال کی مختار نہین ہے، ایک شخص ایک گرم ملک اور ایک گرم رات مین بعض خاص قسم کی غذائین استعمال کرتا ہے جس سے اسکے جسم کے اندر کچھ کیمیائی اعمال ظہور پذیر ہوتے ہین اور یہی اعمال باعث ہوتے ہین ایک مخصوص قسم کی رائے اور مخصوص قسم کے جذبات پیدا کرنے کا جنکی بنا پر ایک مجبور، معذور انسان قتل یا رہزنی کر لیتا ہے تو تم ساری پولیس اور تمام عدالتون کو اسکے پیچھے لگا دیتے ہو، اسکو خطا کار قرار دیتے ہو، درآنحالیکہ لائق الزام انسان نہین ہے بلکہ خود اسکا نظام وجود ہے، یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا ایک حجت الزامی ہے اور گو بذاتہا بہت باوزن ہے لیکن متشککین روحانیت کی تسکین کا باعث نہین ہے، اس لئے اب ہم تفصیل کیساتھ انسانی وجود کے مادّی نظریہ کو بیان کرنا چاہتے ہین،

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اہل سائنس اس عالم کی تکوین کا باعث ان ۹۲ یا ۹۰ عناصر کو سمجھتے تھے جو اس وقت تک دریافت ہوئے تھے۔ ان عناصر کے متعلق یہ معلوم تھا کہ وہ کبھی معدوم یا فنا نہیں ہوتے اور یہ کہ وہ بعض مخصوص خواص اور خصوصیات رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ بھی بشکل جمادات و اشیا ہم کو نظر آتا ہے وہ انہیں عناصر کی کیمیائی ترکیب کا حاصل ہے یعنی تمام چیزیں ایک یا دو یا زیادہ عناصر سے مرکب ہیں اور وہ عناصر ان میں ایک خاص نسبت سے ترکیب پائے ہوئے ہیں۔ جب یہ ترکیب کسی کیمیائی عمل سے ٹوٹ جاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز فنا ہو گئی لیکن دراصل جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس چیز کے عناصر ترکیبی نے اپنے باہمی ربط کو چھوڑ دیا ہے جس کے باعث وہ اپنی ابتدائی شکل و صورت میں باقی نہیں رہی ورنہ دراصل عناصر ترکیبی معدوم نہیں ہوتے بلکہ اس فضا میں کسی دوسری ترکیب یا حالت میں اب موجود ہیں۔ یہ بیان اپنی توضیح کے لیے ایک یا دو مثالوں کا محتاج ہے۔

سوڈیم اور کلورین دو عناصر ہیں جن میں سے کلورین (کلورین) ایک گیس (گیس) ہے جو بذاتہ مہلک ہے اگر کافی مقدار میں انسان کے پھیپھڑوں میں پہنچ جائے تو انسان مر جائے۔ دوسرا عنصر سوڈیم (SODIUM) ایک طرح کی دھات ہے جو اگر جلد پر لگ جائے تو جلا دے۔ یہ دونوں عنصر جب کیمیائی ترکیب پا جاتے ہیں تو کھانے کا نمک بن جاتا ہے۔ سبھی کھانے کے نمک کی اصلیت یہ ہوئی کہ وہ سوڈیم اور کلورین کا ایک کیمیائی مرکب ہے۔ جب یہ ترکیب کسی دیگر کیمیائی عمل سے بگڑ جاتی ہے تو پھر نمک باقی نہیں رہتا لیکن اس کے اجزائے ترکیبی یعنی سوڈیم اور کلورین فنا نہیں ہوتے۔

پانی جو ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں خود دو عناصر سے مرکب ہے۔ ہائیڈروجن اور جو عموماً گیسوں میں سب سے ہلکی گیس ہے، اور آکسیجن۔ یہ دونوں گیسیں ہیں (GASES) جب کسی بڑے بھاری دباؤ کے باعث کیمیائی طور پر مل جاتی ہیں تو پانی بن جاتا ہے۔ اب پانی کی اصلیت یہ ہوئی کہ وہ دو عناصر مذکورہ سے ترکیب پائی ہوئی ایک چیز ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ اہل سائنس کے نزدیک یہ تمام ساز و سامان اس عالم کی تمام اشیا انہیں عناصر سے ترکیب

پائی ہوئی ہین، یہ عناصر منفرد حالت مین اپنے مخصوص کیفیات اور طبیعتین رکھتے ہین لیکن ترکیب باہمی کے بعد
ایک نئے سلسلۂ خواص کا باعث ہوتے ہین، عناصر کی باہمی ترکیبون مین جسقدر تنوع ہوتا ہے، اسی قدر نئی نئی چیزین
نئے نئے خواص کیساتھ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہین،

عناصر کی ترکیب باہمی کے متعلق یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا سائنس کے ابتدائی دور کی باتین ہین، جب تحقیق
واکتشاف کی راہین کشادہ تر ہوئین تو معلوم ہوا کہ خود عناصر سالمات سے اور سالمات جوہرون سے ترکیب پائے
ہوئے ہین، اسلئے تکوین عالم اور وجود اشیا کا سبب یہ قرار پایا کہ ہر مادی شے مین، (ATOWS)
جوہر ایک خاص نسبت اور ایک خاص نہج سے واقع ہوا ہے، یہی جوہر جب عمل کیمیاوی وغیرہ سے اپنی ترتیب
کو بدل لیتا ہے تو وہ چیز بظاہر فنا ہو کر دوسری صورت و شکل اختیار کر لیتی ہے،

عناصر کے غیر فانی ہونے کے ساتھ ہی جو امر اہل سائنس کو دریافت ہوا ہے وہ (ENERGY)
توانائی کا وجود ہے یعنی اس بیجان مادہ مین جو چیز اصل مین عامل ہے وہ توانائی ہے، توانائی کی مقدار اس عالم مین
کبھی کم و بیش نہین ہوتی لیکن یہ اپنی شکل اور مقام بدلتی رہتی ہے، ابھی اگر وہ کیمیائی جذب و کشش مین رونما ہے
تو بار دگر بصورت برق ہویدا ہوتی ہے لیکن اس تبدل و شکل پذیری مین وہ نہ کبھی کم ہوتی ہے اور نہ کبھی زیادہ
لیکن یہ عالم محض عناصر اور توانائی کی بنا پر مختلف شکلین اختیار نہین کر سکتا اور یہ جو اس دنیا مین مشاہدہ
ہوتا ہے کہ کبھی پانی برس رہا ہے بادل اٹھ رہے ہین بخارات مائیت مین اور مائیت ثرالہ باری مین بدل رہی ہے
زمین نباتی روئیدگی سے یکسر فرش مخملین بنی ہوئی ہے، کبھی گرمی ہے کبھی سردی ہے، الغرض یہ تمام حوادث و تغیرات
محض عناصر اور توانائی کی بنا پر ظہور پذیر نہین ہو سکتے تھے جب تک ایک تیسری چیز نہ ہوتی جو ان عناصر کو ایک
دوسرے سے ملا دیتی، یا پھر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی، وہ چیز ان علماء کے نزدیک
حرکت ہے یعنی حرکت کے وجود کے باعث ایک عنصر دوسرے عنصر سے جذب و اتصال پاتا ہے، اس جذب
و اتصال سے عناصر مین باہمی کیمیائی عمل ہوتا ہے، اس کیمیائی عمل سے توانائی اپنی شکل بدلتی ہے اور ایک نئے شے

کر دوسری شکل میں تبدیل ہوتی ہے اور اس طرح یہ عالم مادی دائماً ایک حالت کون و فساد میں رہتا ہے۔

اب اگر ان متذکرہ بالا بیانات کو یکجا کر لیا جائے تو اس عالم کے وجود کا سبب حسب تحقیق علمائے طبعیات یہ قرار پاتا ہے، مختصر یہ ہے کہ یہ تمام عالم مادہ اور مادی عناصر ذرات و سالمات میں تقسیم ہے۔ ان عناصر کی باہمی ترکیب و تحلیل سے تغیر کیمیاوی ہوتا ہے اور اس کیمیائی تبدیلیات سے مختلف چیزیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں ان عناصر مختلفہ میں مخصوص خواص و کیفیات ہیں اور ان کے باہمی اتصال و تحلیل سے جو جدید اشیا ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں ان میں بھی خواص پیدا ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔

اس نظریہ کے مطابق دنیا میں کوئی چیز، کوئی کیفیت یا حالت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک پہلے عناصر مختلفہ میں کوئی کیمیائی تبدیلی واقع نہ ہو یعنی کسی کیفیت کے ظاہر ہونے سے پہلے عمل کیمیائی کا ظہور ضروری ہے

علمائے سائنس نے اپنے اس متذکرہ نظریہ کی بنا پر جو اکتشافات کئے ہیں اور اس کو جس حد تک کامل و مکمل کر لیا ہے وہ یقیناً حیرت انگیز ہے، علوم طبعی کی رسائی بلا شبہہ اس عالم مادی کے عمیق ترین رازوں تک ہو گئی ہے۔ اس کامیابی کا ایک قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سعی کی گئی کہ عالم طبعیات کے جملہ مظاہر و حوادث کی توجیہ و تشریح سالمات کے اسی باہمی عمل و ردِ عمل کی بنا پر کی جائے، چنانچہ بیسویں صدی عیسوی کے تمام ترقی یافتہ علوم کی عمارتیں انھیں بنیادوں پر استوار کی گئیں اور علمائے علم الحیات نے چاہا کہ انہیں خطوط پر اپنا کام شروع کیا اور یہ کوشش کی گئی کہ وہ قانون مادی جو غیر عضوی اجسام پر صادق آ چکا ہے، اس کو ذی حیات اجسام کی کیفیات و حالات پر منطبق کیا جائے، چنانچہ اسی نظریہ کے تحت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ انسان کے جمیع نفسی اوصاف شعور، جذبات و افعال باہمی سالمات کے اس عمل و ردِ عمل کا نتیجہ ہیں جو دماغ کے اندر واقع ہوتا رہتا ہے، علم الحیات اپنی اس سعی میں ایک حد تک کامیاب معلوم ہوتا ہے۔ توضیح بیان کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مبحث کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے تاکہ فہم مطالب میں آئندہ کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور ہمارے مخالفین کے دلائل کا سارا زور و وزن قارئین کے سامنے آجائے۔

یہ امر تو بہر حال مسلم ہے کہ دماغی اوصاف کا مرکز ہمارا جرم دماغی ہے اور یہ جرم خود لاکھوں خلایائے CELLS سے مرکب ہے، یہ خلایا ہی دراصل تمام نفسی اوصاف کا موجب ہیں، خود ان کی ترکیب اور ساخت بیحد پیچیدہ ہے اور یہ باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ہمارا دماغ، ہمارے نظام وجود کا ایک مرکزی دفتر ہے، جہاں سے ہمارے سارے کام ہمارے حسیات وجذبات اور ہماری فہم وادراک کے جملہ وظائف انجام پاتے ہیں، یہیں سے غذا کے ہضم وتقسیم کا عمل ہوتا ہے، ہمارے احساسات کا ذریعہ، ہماری نقل وحرکت کا مبدأ، ہمارے غور وفکر کا آلہ یہی دماغ ہے، لیکن سب سے زیادہ حیرتناک تو یہ امر ہے کہ علمائے علم الحیات نے ہمارے اس جرم میں وہ مراکز معلوم کرلئے ہیں جو علٰحدہ علٰحدہ ہمارے جملہ نفسی اعمال کا مبدا ومنشا ہیں، مثلاً ہم کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ بصارت کا مرکز سطح دماغی میں کہاں واقع ہے، سماعت کا تعلق کس مرکز سے ہے، مختلف حرکات کی ابتدا کس نقطۂ دماغی سے ہوتی ہے، نطق کا تعلق کہاں سے ہے، حسیات وفکر کس مرکز سے متعلق ہیں، چنانچہ فتور دماغی کے مختلف حالات واشکال میں یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ متعلقہ مرکز دماغی میں کوئی نہ کوئی فتور موجود تھا، فتور دماغی کے اسباب کو بالتشریح سمجھنے کے لیے ہم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ہمارا جرم دماغی بذریعہ اعصاب ہمارے اعضاء وجوارح سے مربوط ہے، خود اعصاب دو قسموں پر منقسم ہیں، ایک تو وہ اعصاب جنکو ہم اصطلاحاً اعصاب حرکتی (MOTOR NERVES) کہتے ہیں، دوسری قسم کے وہ اعصاب ہیں جنھیں اعصاب حسی کہا جاتا ہے، اعصاب حسی کا فعل یہ ہے کہ وہ جملہ تأثرات کو جو ہمارے آلات حواس (آنکھ کان وغیرہ) میں مرتب ہوتے ہیں، ہمارے مرکز دماغی تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح ہم کو اس مخصوص اثر کا علم وادراک ہوتا ہے، ہم جو آوازیں سنتے ہیں تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ ہوا کے تھپیڑوں نے ہمارے کان کی اندرونی ساخت کو متأثر کیا، اور یہ اثر بذریعہ اعصاب اُس مخصوص مرکز دماغی تک پہنچا جس کا تعلق سماعت سے ہے اور اگر وہ مرکز سماعت بیمار یا بیکار نہیں ہے تو ہم آواز سنتے ہیں، اسی طرح جب ہم ہاتھ یا پاؤں کی کوئی حرکت کرتے ہیں تو یہ عمل اس طرح واقع ہوتا ہے کہ ہمارے اس مرکز دماغی میں جسکا تعلق کسی مخصوص حرکت سے ہے ایک تغیر

رونما ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ مرکز بذریعہ اعصاب عضائے حرکت سے متعلق ہوتا ہے اس لیے مرکز دماغی کا فرمان بذریعہ اعصاب ہاتھ پاؤں تک پہنچتا ہے اور ہاتھ یا پاؤں حرکت کرنے لگتے ہیں۔ یہ مراکز باہم ایک دوسرے سے بذریعہ ان مراکز کے جنکا تعلق خیال وغیرہ سے ہے ملے ہوتے ہیں جنکا نتیجہ یہ ہے کہ ایک تندرست آدمی کے تمام حرکات و احساسات عقل و شعور کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں لیکن فتور دماغی کی صورت میں یا تو کوئی مرکز دماغی خراب ہو جاتا ہے یا باہمی مراکز کا جو ربط ہے، وہ ٹوٹ جاتا ہے جسکی وجہ سے افعال کا صدور صحیح طور پر نہیں ہوتا، ایک مثال اسکی وضاحت کے لیے کافی ہوگی۔

ایک دماغی بیماری ہے جس کو اصطلاحاً "بصری فتور نطق گویائی" (VISUAL APHASIA) کہا جاتا ہے اس مرض میں ایسا شخص جو اس بیماری سے پہلے پڑھا لکھا تھا، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کو دیکھتا ہے لیکن ان کو پہچان نہیں سکتا یعنی کاغذ پر سیاہ نشانات اور انکی شکل کو تو ضرور دیکھتا ہے لیکن یہ پہچان سکتا ہی نہیں ہے کہ یہ کیا حروف ہیں اس مرض کی وجہ یہ ثابت ہوئی ہے کہ مرکز بصری کا تعلق اس دماغی مرکز سے منقطع ہو جاتا ہے جسکا تعلق لکھے ہوئے حروف کی فہم و یادداشت سے ہے، یہ ایک مثال تھی ورنہ فن تشریح الاعضا کی شہادت تو یہی ہے کہ جملہ وظائف دماغی کا تعلق کسی نہ کسی مرکز سے ہے۔ ادویہ کے اثرات دیوانگی کے اسباب و علل وغیرہ تمام شواہد اسی حقیقت کو ثابت کر رہے ہیں اور یہ نظائر اس کثرت سے ہیں کہ بعض علمائے علم الحیات کی تو یہاں تک رائے ہے کہ علم النفس بذاتہ کوئی علم و فن ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم وظائف الاعضا کی ایک شاخ ہے۔

اسی قسم کے تجربات علمی کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ نفس انسانی اور جوہر دماغی دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں، ہمارا ہر خیال، ہر خواہش، ہر جذبہ نتیجہ ہوتا ہے ایک طرح کے عمل دماغی کا۔ ہماری تمام نفسی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہمارے دماغ میں ایک سلسلہ مادی اعمال کا جاری رہتا ہے جو خلیات دماغی سے بگڑتے اور بنتے رہتے ہیں

اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی دماغ ایک ایسا ظرف ہے جو مختلف قسم کے مادی عناصر و سالمات سے مرکب ہے اور یہ عناصر و سالمات وہی ہین جو ہمکو بیرونی دنیا مین ملتے ہین اور جذب و اتصال، عمل کیمیائی اور حرکت کے انھین قوانین کے تابع ہین جنکا ذکر ہم ابتدا ئً کر آئے ہین جب کبھی ہم سے کوئی وصف نفسی صادر ہوتا ہے اسکے ساتھ ہی ہمارے دماغ کے اندر بھی ایک کیمیائی عمل واقع ہوتا ہے اور چونکہ اعمال کیمیائی اور اوصاف نفسی بالکل لازم و ملزوم ہین اسلئے یہ نتیجہ نکالنا بظاہر غیر صحیح بھی نہین معلوم ہوتا کہ ہمارے سارے مظاہر حیات کی حقیقت مادی اور محض مادی ہے

یہ ہے وہ مادی نظریہ جسکی بنا پر روح کے وجود کا انکار کیا جاتا ہے، اور دراصل اس نظریہ کا تعلق محض انکار روح ہی سے نہین ہے، بلکہ اس کا ماحصل اور مقصد یہ ہے کہ اس کائنات مین سوائے مادہ اور مادہ کے مختلف حرکات واشکال کے کچھ نہین ہے اور یہ توقع کیجاتی ہے کہ جون جون ہمارا علم "حرکت" اور مادہ کے اوصاف کی بابتہ وسیع ہوتا چلا جائیگا، ہم اس نظریۂ مادی کو ظہور عالم کے ہر شعبہ پر منطبق کر سکینگے،

لیکن پچاس سال ہوے کہ اس خیال کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا اور تعجب ہے کہ یہ علم ہمکو جن ہاتھون مین نظر آتا ہے وہ خود ان علمائے طبعیات ہی کے مقدس ہاتھ ہین، اب یہ حقیقت اُن پر واضح ہوئی کہ صرف مادہ کے مظاہر و شیون کا مطالعہ اس عالم کی حقیقت کے سمجھنے کیلئے قطعاً ناکافی ہے بلکہ بعض حالتون مین مغالطہ انگیز ہے، اسمین شک نہین کہ ہم کو جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ مادہ ہی کی تغیر پذیری ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مادی مظاہر و احوال خود اپنے اندر اولیت و تقدیم نہین رکھتے بلکہ خود کسی ایسے محرک کے نتائج و معلول ہین جو مادہ کے علاوہ ہے اور ہماری آنکھون اور حواس سے محجوب ہے ابتدا ہی سے یہ سوال حل کرنے کے لائق ہے کہ اجسام مادی مین باہمی عمل کے واقع ہونے کا سبب واقعی کیا ہے یعنی یہ تسلیم کر لینے کے بعد بھی کہ اس عالم کے کون و فساد کا سبب سالمات یا جوہرون کا ایسا عمل ہے جس سے وہ اپنی اس ترتیب مکانی کو بدل لیتے ہین جو مختلف اشیار مین عمل کیمیائی سے قبل پائی جاتی تھی؛ ہم کو اندروے تحقیق یہ بھی معلوم ہے کہ ان سالمات اور جوہرون کے درمیان بھی کچھ نہ کچھ خلا (SPACE) ضرور موجود رہتا ہے اور اس خلا کے متعلق یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ مادہ سے بھرا ہوا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا

چیز ہے جو ان سالمات کو باہم ملاتی اور ان کے تعامل کا باعث ہوتی ہے۔ خود نیوٹن (NEWTON) کے سامنے بھی یہ سوال تھا جسکا جواب اُس نے یہ دیدیا تھا کہ بعض ایسی غیر معلوم قوتیں ہیں جو ان اجسام پر علیحدہ سے عامل ہوتی ہیں یہ جواب ایک حد تک تسلی بخش تھا، اسلئے اسوقت اس مسئلہ پر مزید توجہ نہیں کی گئی لیکن اس سوال نے قدرتی طور پر ہماری توجہ ایک نئی حقیقت کی طرف منتقل کر دی یعنی خلا کے وجود کی طرف۔ چنانچہ جدید تجربات نے اہل سائنس پر یہ واضح کر دیا کہ خلا بھی اپنے اندر خواص طبعی رکھتا ہے اور یہ جو اجسام مادی میں بواسطہ سالمات وجوہر عمل اور رد عمل نظر آتا ہے، وہ دراصل نتیجہ و معلول ہے اس حالت یا کیفیت کا جو ان اشیاء کے مابین خلا میں اپنا کام کر رہی ہے یعنی مادی مظاہر و شیون براہ راست اس کا نتیجہ نہیں ہیں کہ مادہ میں ذاتی خواص ہیں اور اس کے باعث یہ مظاہر ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مادہ خود متبع ہے اس چیز یا قوت کا جسکی اصل حقیقت پر ہم مطلع نہیں ہیں لیکن خلا میں موجود ضرور ہے۔

انتقال نور اور شعاع حرارت کے مسائل سے بھی اس اصل کی تائید ہوتی ہے نور یا روشنی مادہ کے ذریعے منتقل نہیں ہوتی ہے بلکہ بذریعہ خلا اپنا کام کرتی ہے، روشنی نہایت سرعت و نہایت ہی آسانی کے ساتھ خالی فضا میں سے گذر جاتی ہے لیکن جونہی وہ اجسام مادی کے بالمقابل آتی ہے اسکی سرعت میں کمی آجاتی ہے، [illegible] میں کچھ نہ کچھ کثافت کا ہونا یقینی ہے اور اسی کثافت کے باعث روشنی فنا ہو کر حرارت میں بدل جاتی ہے۔ حرارت شمسی جو سورج اور سیاروں سے لکھو کھا میل کا سفر کرتی ہوئی ہم تک پہنچتی ہے، اس فضا یا خلا ہی میں سے گذرتی ہے، اس طویل سفر میں وہ اپنی تمام توانائی (ENERGY) کو قائم رکھتی ہے لیکن ہمکو اسکا احساس اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ اجسام مادی پر اپنا عمل کرتی ہے، جب ہی ہمارے [illegible] پر [illegible] جلد کو متأثر کرتی [illegible] کیمیائی عمل شروع ہو جاتے ہیں جیسے تم [illegible] میں وہ خصوصاً سبز درختوں پر اثر کرتی ہے [illegible] گویا یوں کہا جائے کہ [illegible] غیر معلوم قوت [illegible] وہ ہی غیر معلوم قوت [illegible] نہیں سمجھ سکتے

لہٰذا [illegible] ELECTRONS [illegible]
بھی توجہ کی تھی۔

جبتک ہم اس قوت کو پیش نظر نہ رکھیں جو خلا یا فضا مین پائی جاتی ہے، اس قوت کا نام خواہ کچھ ہی کیون نہ رکھ لیا جائے لیکن جو چیز ہمکو محسوس ہوتی ہے وہ یہ قوت خلا یا فضا نہین ہے بلکہ وہ صرف مادہ اور مادی شیون و مظاہر ہین، ہمارے حواس تو صرف مادہ اور مادی اشیاء ہی کا ادراک کرسکتے ہین،

حاصل اس تمام گذارش کا یہ ہوا کہ گو ابتدا اہلِ سائنس بیجان مادہ ہی کو اس تمام کائنات کا اصل اصول سمجھتے تھے لیکن جون جون اس حسن مستور کے چہرے سے نقاب اٹھتی جاتی ہے نئے نئے حقائق جلوہ گر ہو رہے ہین اور اب یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ خود مادہ اور مادہ کے یہ سالمات وجوہر وغیرہ یا انکا باہمی عمل بذاتہ بالکل بے اصل ہین، جبتک ایک تیسری چیز نہ ہو جسکی حقیقت تک تو اہلِ سائنس ابتک نہین پہنچے ہین لیکن اسکے وجود کا انکار بھی نہ کرسکے، اس چیز کو خواہ توانائی ENERGY خواہ حرکت MOTION خواہ قوت FORCE اور خواہ خواص فضائی (SPACE PROPERTIES) کہا جائے یا پھر اسی کو مذہبی اصطلاح مین "امر ربی" سے تعبیر کیا جائے، الغرض اسکا نام کچھ ہی کیون نہ رکھ لو لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جسکا براہ راست ہم کو کوئی علم نہین ہوتا نہ تو ہم اسکا کوئی وزن کرسکتے ہین اور نہ اپنے آلات علمی کے ذریعہ اسکی کوئی پیمائش عمل مین لاسکتے ہین اور نہ ہمارے حواس ظاہری پر اسکا کوئی اثر ہوتا ہے، لیکن ہان اہل علم اسکے وجود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہین اور صرف استدلال و استخراج ہی کی بنا پر اسکے وجود کا اقرار کیا جاتا ہے، کیا اب بھی یہ صحیح نہین کہ علوم طبیعی کی اس فلک بوس عمارت اہل علم کے کشف و تحقیق کی ناپیدا کنار وسعت رشگان ہمہ اور حملون کی اس ساری ہنگامہ آرائی کے باجود ہم جس نتیجہ پر پہنچے وہ صرف اسقدر ہے کہ اس عالم کی تمام بوقلمونیون کا باعث ایک ایسی قوت ہے جسکا ہم کو کوئی صحیح علم نہین ہے، ع

"معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"

اور کیا یہ واقعہ نہین ہے، کہ جتنا ہمارا علم اس کائنات کے بارہ مین وسیع ہوتا جاتا ہے اسیقدر ہمارا عجز بھی بڑھتا جاتا ہے، اور کیا ان حالات مین ہمارے لیے یہ زیبا نہین ہے کہ ہم اس عالم کی اس لامعلوم قوت مدبرہ کے سامنے جسکو خواہ کسی نام سے پکارا جائے، (فلہ الاسماء الحسنیٰ) اور "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" پر ایمان لاکر اپنے سرِ نیاز کو جھکا دین اور اپنے قلب کی تمام گہرائیون کیساتھ رب زدنی علما کی عاجزانہ درخواست مین مشغول ہو جائین،

(باقی)

خسرو باغ کے مقبرے

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، الہ آباد

خسرو باغ (الہ آباد) کے پھاٹک مین داخل ہوتے ہی سامنے چار مقبرے نظر آئین گے، مگر ان تک پہنچنے مین تقریباً تین سو قدم کے قریب کا فاصلہ طے کرنا ہوگا،

ان کا منظر مجموعاً نہایت دلکش، دلاویز و نگہ فریب ہے، مسٹر نیول[1] اور دیدہ ور اہل قلم کا قول ہے کہ یہ عمارات انتہا درجہ کی خوبصورت اور مغلون کے عہد مصوری و رنگ آمیزی کا بہترین نمونہ ہین، مسٹر سٹیل[2] ایک موقع پر لکھتے ہین کہ یہ مقبرے الہ آباد کے علمہ آثار و صنادید قدیمہ مین بڑے نمود کی چیزین ہین۔

اس فن کے ایک نوآموز و کم آشنا کی حیثیت سے مجھے بھی اس بارہ مین غور کرنے اور ان چیزون کو اپنی نظر و ستعد سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان مبصرین کی رائے سے کون اختلاف کر سکتا ہے، یہ صحیح ہے کہ خسرو باغ کا مقبرہ اکبر کے مقبرہ کا مقابلہ نہین کر سکتا، دونون عمارتین ایک ہی شخص کے حکم سے بنی ہین، مگر فرق یہ ہے کہ الہ آباد والا گنبد ان فرسودہ اور بوسیدہ ہڈیون کو آغوش مین لیے ہے جو باپ سے بگڑ کر ہمیشہ گرفتار رہنے والے بیٹے اور بھائی (شاہجہان) کے محسود بھائی کی تھین، جو بہ بات پورے دکن سے لا کر یہان دفن کی گئی تھین، سکندرہ کا بے مثل مقبرہ ایک نیک نام و عظیم الشان شہنشاہ کی دائمی دنیوی یادگار ہے جو آپ ہی جیسے دو حزم و ہمت شناس شہنشاہ نے بنوایا تھا، دونون مین جو قدرتی فرق ہونا چاہیے وہ یہان بھی نمایان ہے،

مغلون کے بعد کے زمانہ کی تعمیرات مین جنھین اکبر اور جہانگیر کے عہد کی عمارتین بھی داخل ہین جن خصوصیت

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۔۔ [2] ۔۔۔ سابق صفحہ ۔۔ ۔۔۔

ہوتی تھیں جو کچھ نہ کچھ ان مقبروں میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی بلند اونچے گردنوں پر ایرانی وضع کے گنبد، اس طرز کی عمارتیں بیشتر کی بنی ہوئی عمارتوں سے دو باتوں میں بالخصوص ممتاز و متبائن پائی جاتی ہیں (۱) اس امر کی صاف و صریح کوشش کہ ہندوؤں کے مختلف منتخب طرز تعمیر و نیز مسلمانوں کے مخصوص طریقے اور وضعیں متحد و یکجا کر دیجائیں (۲) زیادہ کھلتے ہوئے رنگ دینا، اس کے لیے عام طور پر سفید سنگ مرمر زیادہ استعمال ہوتا تھا، پھر حسب موقع وضرورت بیش قیمت رنگین پتھروں کا افراط کے ساتھ خرچ اور کھپت، بے شبہہ بعض عمارتوں کے متعلق محض اندرونی ساخت سے یہ تمیز (حاصل) کر لینا دشوار ہوتا ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ چیزیں جنکے مکانات و محلات میں موجود ہونے یا نہ ہونے سے بعض باتوں کا فیصلہ یا تمیاز ہوسکتا ہے مقبروں اور روضوں میں اکثر غائب ہوتی ہیں، مثلاً لکڑی کا قطعاً استعمال میں نہ آنا، یا سیدھے سادے نمونہ کی محرابیں کم بنانا، وغیرہ، مجھے اعتراف ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے بے مثل و بے نظیر نہیں ہیں، نہ ان میں ہمایوں کے مقبرے (متصل دہلی) کی سی شان اور لطافت و نزاکت تعمیر و نقاشی پائی جاتی ہے، نہ مقبرۂ اعتماد الدولہ واقع آگرہ کی سی پرچین سازی اور منبت کاری، مقبرۂ شیخ سلیم چشتی، قصبۂ فتحپور سیکری کی طرح سنگ مرمر پر باریک، نازک اور بے نظیر نقاشی و مشجر کاری نظر آتی ہے، نہ کوئی خاص قابل ذکر حسن وضع و تعمیر ہے، نہ مقبرۂ اکبر (سکندرہ) کی رفعت و عظمت اور ہیبت و جلالت پیدا کرنے والی شان نمایاں ہے، تاہم چار مختلف الوضع عمارتوں کا ایک سیدھی لائن میں نہ سہی، مگر ایک ہی محاذ میں بیک نظر نظر آنا، ایک کیفیت خاص پیدا کر دیتا اور عجیب دلکشی رکھتا ہے،

نامور فرگسن نے سلطان التمش کے روضہ واقع پرانی دہلی کو ہندوستان کا سب سے پرانا مقبرہ بتاتا اور لکھتا ہے کہ یہ مختصر تو ضرور ہے لیکن اسمیں ہندوؤں کی صنعت کے نفیس و بہترین نمونے جہانتک کہ اسلامی شعائر، خصائص اور شوکت کے مغائر و منافی نہ تھے مناسب حال و شایان شان صرف کر دئے گئے ہیں، جن سے یہ نہایت درجہ خوبصورت و دلآویز ہو گیا ہے، راقم سطور بلکہ یقیناً ہر ہوشمند دیکھنے والا بہ یک نگہ کہہ سکتا ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے

۱؎ ڈنمن صاحب کی آگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۲۰، ۲؎ ہندوستانی اور مشرقی تعمیر کی تاریخ، ۱۸۷۶ء،

بھی، اگرچہ مختصر ہیں، لیکن ان کی مجموعی کیفیت، مختلف وضع اور متنوع طرز عمارت ایک خاص قسم کی دلکشی اور جذب نظر اپنے اندر رکھتی ہے، اور ہر ایک میں کمال سادگی کے ساتھ ساتھ کمال فن و ہنر بھی نمودار ہے۔

سب سے پہلے جس فرض شناس حکمران نے اپنے صوبہ کی عمارات قدیمہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی، وہ ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر سر جان اسٹریچی تھے، اول اول ۱۸۷۶ء میں روضۂ ممتاز محل پر عنایت کی، اور مرمت کرا دی، پھر آگرہ اور الہ آباد کی دیگر بادشاہی یادگاروں پر نگاہِ التفات ڈالی، خسرو باغ ان کے دار الحکومت میں ایک ممتاز مقام تھا اور پبلک کے کام کی چیز، بقدر ضرورت اسکی مرمت و درستی بھی کرا دی، دلکش باغ اسوقت بھی اپنے گذرے ہوئے دنوں کی دستبرد اور امتداد زمانہ کی تاخت و تاراج کو ناقدری و حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، جو اپنی جوئہائے شیرین یعنی میٹھے پانی کے حوضوں اور بڑے بڑے کنووں اور چشمۂ فیض باؤلی سے سارے شہر کو سیراب کر رہا تھا، جس کے سنہرے انداز چمن بندی و تناسب اجزا کی اسوقت بھی داد مل رہی تھی، جسکا ایک ایک پھول اور ایک ایک پتہ، جس کے مقبروں کا ہر ریختہ و شکستہ پتھر اپنے شاہانہ تکلفات اور نازک ترتیبات کا آئینہ تھا، عروس البلاد الہ آباد میں گرمی کی شدت و تابش اور بعض اوقات سردی کی افسردگی و انجماد بھی کائنات کی حسین و جمیل چیزوں کو مردہ کر دیتی ہے، مگر خسرو باغ کی معطر ہواؤں کے حیات بدامن جھونکے اس وقت بھی تازہ زندگی پھونک دیتے تھے،

دنیا بدل گئی ہے، وہ ہیں ہمیں کہ اب تک   اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پر ہیں،

اس کے چھبیس ستائیس برس بعد مغل اعظم کے صحیح جانشین اور ان کی عظمت و سطوت رفتہ کے وارث و قابض لارڈ کرزن آنجہانی نے دیرینہ سال عمارت کے بقا و پرداخت میں وہ سعی مفید فرمائی جس کے لئے ہندوستان کے باشندے، بالخصوص احسان شناس مسلمان ہمیشہ زیر بار منت و شکرگذار رہیں گے، سلطان بہار بیگم کے گنبد کا خالی کر دیا اور اس کے عوض میں سپرنٹنڈنٹ باغات الہ آباد کے لئے ایک قصر پر تکلف جیسا

ا ہینڈبک آگرہ و تاج ۔ ۲ مسٹر سیویل، صفحہ ۰۰ ، ۳ ڈسٹرکٹ گزیٹیر جلد ۔ صفحہ ۲۰۳ ،

کرادینا اسی بلند حوصلہ امیر کا کام تھا جس کا ذکر مناسب موقع پر عنقریب آئیگا،

تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم   ورنہ لبون تک آہی چکا تھا گلا ابھی

مقبرون کی نگہداشت اور خسرو باغ کی آبیاری وآراستگی اس وقت حکومت کے دستِ کرم کی ممنون[1] ہے، باغ کے مصارف معقول نفع کے ساتھ خود اسکی پیداوار سے پورے ہوجاتے ہین، پھل پھول، پودون، ہر قسم کے درختون اور قلمون سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے، یہان[2] کے گلاب اور گلاب کی قلمین مشہور اور بڑی قدر کی چیزین ہین، الٰہ آبادی امرودون کی پودہ اس باغ کی قابل اعتبار اور اچھی سمجھی جاتی ہے، منتظمین نے تین[3] تین ایکڑ کے دو قطعے میوہ کے درختون اور پودہ کی پرورش گاہ اور پھل پھول کی بہار دکھانے کے لئے محفوظ رکھے ہین،

انگریزی پیمایش سے باغ کا کل رقبہ ۰۰ء۶ ہ ایکڑ ہوتا ہے، انتظامی ضرورتون اور سہولت کارروائی کے لیے اسکی تقسیم دو حصون مین کردی گئی ہے، ایک قطعہ ۰۷ء۳۶ ایکڑ کا محکمۂ آثار قدیمہ یعنی[4] ارکیالوجی کل ڈیپارٹمنٹ کے نام سے ہے دوسرا سینتیس ایکڑ زیر اہتمام وانتظام محکمۂ[5] زراعت ہے، عملی طور پر دونون قطعے اور انکی نگرانی محکمۂ زراعت کے ایک ذمہ دار افسر کے ہاتھ مین ہے، اور محکمۂ مذکور کی سالانہ رپورٹون مین دونون کے بقدر ضرورت حالات اور درستی وترقی کی کیفیت مندرج وشائع ہوتی رہتی ہے، دونون ٹکرون یعنی آرکیالوجی کل اور زراعتی کا تذکرہ جداگانہ حصون مین ہوتا ہے، آرکیالوجی[6] کل حصہ کی ترتیب جدید حال مین عمل مین آئی ہے اور دو ڈھائی سال ہوئے ختم ہوئی ہے، پرانی سڑک جو فصیل تھی دور کردی گئی، نئی سڑک ایک دلکش روش پر ہموار اور سطح کے برابر نئی ترتیب کے مناسب حال بنائی گئی ہے، پانپ کی لاین نئی قائم کی گئی ہے، فوارے لگائے گئے ہین، تاریخی عمارات کے لیے موزون ومناسب ترصیع کی گئی ہے اور نہایت دلکش ودلآویز ماحول مہیا کردیا گیا ہے، پرانی باؤلی کے متصل دیوارون پر بیلین چڑھائی گئی ہین،

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید - صفحہ ۲۰۳،
[2] رپورٹ باغات سرکاری بابتہ ۳۰-۱۹۲۹، صفحہ ۹
[3] " " " " ، صفحہ ۹
[4] " " " " ، صفحہ ۱۰
[5] " " " " ، صفحہ ۹
[6] رپورٹ انتظامی باغات سرکاری، صوبجات متحدہ، بابتہ ۲۹-۱۹۲۸، صفحہ ۱۰،

ان کے لانون کے شکستہ حال ٹکڑون کی مرمت کردی گئی ہے خسرو کے مرکزی مقبرہ کے گرد جو بے ترتیب جھاڑیون کی بہتات تھین، ان مین اب سرسبز و شاداب سدا بہار پھولواڑی لگادی گئی ہے، باغ کے گلگشت، نظارہ و تفریح سے حکام اور محکوم جماعتین دونون یکسان متمتع ہوتی ہین، اس محکمہ کی رپورٹ استظہاری[1] مین اس کا اندراج "تاریخی یادگارون کے باغ واقع خسرو باغ" کے نام سے کیا جاتا ہے،

زراعتی حصہ ۳۷، ایکڑ کا ہے، اسکا شمار "پراونشیل گارڈنس" کی مد مین ہوتا ہے" اس کی آراستگی و وسائل آمدنی کا ابھی تذکرہ کرچکا ہون، اس کے لانون پر بھی نئی گھانس نئے قسم کی لگائی گئی ہے،

اس سبزہ زار یا ہرے بھرے گھانس کے لمبے چوڑے قطعات پر پہنچکر مجھ ایسے پریشان خیال سیلانی کا دھیان خود بخود ایک دوسری طرف منعطف ہوجاتا ہے، یہان دو اکبر گذرے ہین، ایک اکبر اعظم، دوسرا اکبر کبیر، اکبر اعظم نے اس شہر کی بنیاد ڈالی، بسایا، اور الٰہ آباس یا الٰہ آباد بنایا تھا، یہ تو تونگری و حشمت، دولت کی فراوانی و شوکت و قوت سلطانی کا کرشمہ تھا، اس کو پونے چار سو برس ہوے دوسرے یعنی اکبر کبیر نے یعنی سخن سنجی و شیرین کلامی، اور ذہنی و دماغی کمال سے اسکی دائمی شہرت و بقا کی ضمانت فرمائی، یہ ہمارے آنکھون کے سامنے کی بات ہے مرحوم اکبر جب اس جگہ پہنچا ہے تو بے اختیار چیخ اٹھا تھا،

لان ٹینس کے لیے بن گئے شاہی گلزار ساتھ سبزہ کے ہجوم گل و سوسن نہ رہے

سب سے پہلے جس یورپین سیاح کے قدم یہان آئے اور جس نے کم و بیش یہان کے حالات قلمبند کیے وہ ویلیم فنچ[2] ہی ہین، انھون نے ۱۶۱۰ء مین اس مقام کو دیکھا تھا اور شاہزادہ خسرو کے مقبرے اور اسکی ترتیب و تزئین کا ذکر کیا ہے، انکے دو سو برس بعد ۱۸۲۵ء مین بشپ ہیبر تشریف لائے اور وہ بھی تین صفحات تحریر چھوڑ گئے ہین جنکا بیان وہ اون سے پہلے کوئی گذرا تھا نہ ان کے بعد آیا، مشہور انگریزی مناع اور ریشٹ مسز پارکس نے

---

[1] رپورٹ متعلقہ ... [illegible]

[2] ... جلد دوم صفحہ ... [illegible] ... جلد اول صفحہ ...

ن صد مشکور ستائش ہین جنھون نے اپنے دوران سفر و سیاحت مین یہان کی بعض عمارتون[۱] کے خریطے اور نقشے تیار کئے، یہ
ء مین یا اس کے قریب خوش رنگ شائع ہوئے تھے، اور آج بھی بڑے بڑے کتب خانون اور امرا کے ایوانات
ر کی زیب و زینت ہین، ادب و فضل کی دیوی حسین و جمیل اشیا کی شیدا، لفظون مین تصویر کھینچ دینے والی فینی
، بھی یہان[۲] آئی تھی، اور "وانڈرنگس آف اے پلگرم"[۳] مین بقدر قلیل حال لکھ گئی ہے،

فارسی مین سب سے پہلے جن صاحب نے خسرو باغ کے (مختصر سہی مگر) حالات قلمبند کئے وہ مسٹر بیل مؤلف مفتاح[۴]
یخ ہین، پھر انگریزی مین جہانگیری سوانح کے سلسلہ مین ذی علم مستشرق بلاک مین صاحب کا دلچسپ آرٹیکل اکتوبر
ء کے کلکتہ ریویو مین نکلا، اس کے بعد مسٹر ایسٹ وک نے کتبون کی طرف بھی توجہ فرمائی اور ان کا منظوم و
ترجمہ کر دیا، جو مرے صاحب کی ہینڈ بک صوبۂ[۵] بنگالہ مین موجود ہے، صاحب موصوف نے تحریر نہین فرمایا
قطعات کی نقلین ان کو کہان سے دستیاب ہوئی تھین مگر ترجمہ کی حالت اور اصل سے مطابقت کرنے سے واضح
ہے کہ بیل صاحب کی کتاب سے لئے گئے ہین، سب سے آخر ہمارے زمانہ کے مشہور علم دوست مسٹر ہنری بیوریج نے
رف التفات فرمایا اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ جولائی ۱۹۰۷ء مین[۶] ایک عالمانہ مقالہ شاہزادہ خسرو
، کے مدفن اور متصل کے مقبرون کی نسبت تحریر کیا، یہ لندن مین بیٹھ کر لکھا گیا تھا، اشعار و قطعات کی نقلین
ستان سے سر چارلز ڈبرن کی معرفت حاصل کی گئی تھین، سرمایہ علم و واقفیت کافی اور ذرائع آگاہی و صحت و
اطمینان نہ تھے، اس لئے غلطیون کا رہجانا ناگزیر تھا، خود ان کو اعتراف تھا کہ ان قطعات (تاریخ) کی زبان
ر مشکل ہے، اس وجہ سے اپنے ترجمون پر چندان اعتماد و اعتبار بھی نہ تھا، اطمینان خاطر کے لیے ہمہ دان و
ان سر چارلس لائل کو بھی دکھا لیا تھا، انھون نے پوری توجہ اور قابل قدر اعانت فرمائی تھی، زبان و مفہوم

[۱] دو گورنمنٹ لائبریری لکھنؤ مین شاہ بیگم کے مقبرے، دیوار و گنبدون کا رنگین نقشہ وغیرہ، [۲] پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک
ٹ ریویو آفیس صفحہ ۱۰، [۳] دو جلدین ۱۸۲۲ء سے ۱۸۴۸ء تک [۴] مطبوعہ ۱۸۶۹ء صفحات ۳۳۴ وغیرہ، [۵] وغیرہ، مطبوعہ
، صفحات ۳۶۲ و ۳۶۳، [۶] صفحات ۵۹۷ تا ۶۰۳۔

کا جہانتک تعلق تھا، ترجمہ تو درست ہوگیا، اگر بیل صاحب اور سر رچارڈ برن کے کاتب کی غلطیون کا ازالہ کیسے ہوتا۔

دور حاضر کے عدیم النظیر فاضل اور میرے محسن مسٹر ڈیوہرسٹ نے جب ممدوح حسن اتفاق سے الہ آباد مین قیام گزین تھے ان پر نظر ڈالی اور سوسائٹی مذکور کے رسالہ جولائی ۱۹۱۰ء مین انکی تصحیح اور بحالت ضرورت جابجا توضیح کردی۔ بعض غلطیان فاش تھین محض ٹائپ کی، مثلاً سلمیٰ کی جگہ سعلمیٰ۔ ان کے نقل یا بیان کرنے کی ضرورت نہین۔

یادش بخیر، مسٹر طامس ولیم بیل سب سے پہلے مورخ ہین جنھون نے اپنے زمانہ کی ایک رائج ملک زبان (فارسی) مین خسرو باغ اور اس کے مقابر کا ذکر مفتاح التواریخ مین لکھا اور اس کے بعد ایک اور کارآمد جامع اور مفید کتاب، اورینٹل بیاگرفی کل ڈکشنری تحریر فرمائی جسمین مشاہیر شرق کے ضروری اور پُرازمعلومات مآثر انگریزی مین لکھ دیئے ہین، مسٹر بیوریج کو اس کمی کا احساس ہوا کہ مسٹر کین نے بیل صاحب کی کتاب ڈکشنری کو ترجمہ اور ایڈٹ تو کیا مگر تاریخون کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کو افسوس ہے کہ بیل صاحب کی کتاب پھر (۱۸۸۱ء کے بعد) طبع نہین ہوئی، مسٹر بیوریج کا خیال ہے کہ مسٹر بیل یوریشین سے ہونگے، اور ضرور وہ بہت بڑے فاضل ہون گے، مسٹر کین لکھتے ہین کہ یہ بہت بڑی عمر پاکر ۱۸۷۵ء کے موسم گرما مین بمقام آگرہ فوت ہوئے، جہان صدر بورڈمال کے دفتر مین محض ایک کلارک کی حیثیت سے ملازم تھے لیکن ڈھاکہ کے ٹیلر صاحب، بہار کے کیمپین صاحب اور مانشیر ایاک (معروف بہ حاجی مصطفےٰ مترجم سیرالمتاخرین) کی طرح کتنے ایسے زندہ جاوید نام ملین گے جو بہت سی مستقل اور ہمیشہ رہنے والی کارآمد و مفید تالیفات چھوڑ گئے ہین، ان کے مقابلہ مین بہت سے بلند مرتبہ یورپین افسران کی کیا عزت ہوسکتی ہے، سر ہنری ییٹ صاحب کی تاریخ کا [illegible]

---

۱ صفحات ۲۰۴، لغایتہ ۲۰۹، ۲ صفحات ۲۴۴ لغایتہ ۲۴۶، ۳ [illegible] ۱۸۹۱ء صفحہ ...

۴ اورینٹل بیاگرفی کل ڈکشنری مطبوعہ ۱۸۸۱ء، تمہید صفحہ [illegible] یہ تینون صاحب مخلوط النسل تھے وہ کسی بڑے عہدہ تک نہین پہنچے، مگر علمی و ادبی سرمایہ کثیر چھوڑ گئے ہین، سیرالمتاخرین کے ترجمہ سے زیادہ اسکی تمہید [illegible] فرانسیسی اور ایسی پیاری انگریزی۔

صاحب کی تاریخ کے ذکر اور انکی قلمی اعانت کے اعتراف پر ہوا اور بالکل بجا ہوا ہے، امید ہے کہ ان کے مدفن کا پتہ اور علم ہوگا، اور اس پر پتھر بھی ہوگا، نامور فاضل (مسٹر ای بی) ایسٹ وک (صحابی) نے مرے کی ہینڈبک مین کیتھرائن پیل کی قبر کا ذکر کیا ہے، جو اگست ۱۸۵۰ء مین فوت ہوئی تھین ؟

پروفیسر ڈوسن نے بھی اپنی تاریخ ہند کی آٹھوین جلد مین ان کا تذکرہ کیا ہے،[1]

مسٹر بیل کے اس تذکرہ پر بعض مغرب پرست حضرات چین بہ جبین ہونگے اور یہان شاید بے محل قرار دینگے، راقم ہیچمدان کے خیال مین کسی علمی یا ریخی تحریر کو محض پٹواری کی کھتونی نہ بنانا چاہئے جسکی خانہ پُری بلا ازدیاد حرف کافی و وافی سمجھی جائے اور خلاف ورزی مستوجب باز پرس متصور ہو، جس شخص نے اپنی جنبش قلم سے خسرو باغ کو صفحاتِ کاغذ پر حیات تازہ بخشی کیا وہ اس قدر اعتنا و التفات کا بھی مستحق نہین، جو نہ صرف خسرو باغ، نہ صرف الہ آباد، نہ صرف ہندوستان، بلکہ پورے مشرق بر اعظم ایشیا سے بھی کچھ زیادہ کا محسن و خدمتگذار ہے؟

افسوس ہے کہ ان مقبرون کے حالات تفصیل کے ساتھ در کنار برائے نام بھی کسی پرانی کتاب مین نہین ملتے، مسٹر بیل نے جس قدر تحریر کئے ہین، اس سے کسی تشنۂ تحقیق و تجسس کی تسکین نہین ہوتی، ان کی مختصر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہان چار روضے ہین جنپر عالیشان گنبد بنے ہین :-

(۱) چھوٹا سا، پچھم طرف معلوم نہین کون دفن ہے، بعض کہتے ہین کہ بی بی تمبولن کا روضہ ہے،

(۲) عمارت سنگین، و گنبد، مادر خسرو کا مزار ہے،

(۳) روضہ، وسط باغ مین، بڑے دروازے کے مقابل ہے، سلطان خسرو کی ہمشیر نے ۱۰۳۴ھ مین اپنے دفن کے لیے یہ عمارت بنوائی تھی، کہین اور مرین، خالی ہے، شعر بہت سے لکھے ہین،

(۴) روضہ، سمت مشرق، مرقد خسرو،

گزیٹر سابق کے ذی علم مؤلفین کی جماعت نے جو مسٹر اسٹیل، مسٹر فشر اور مسٹر (حال سر) جان پرسکوٹ

---

[1] تاریخ ہند خود اہل ہند مورخین کے قلم سے ۱۸۷۷ء مطبوعہ مفتاح التواریخ صفحات ۳۳۵ تا ۳۳۷،

ہیویٹ پر مشتمل تھی صرف امور ذیل کے لکھنے پر قناعت کی،

(۱) اس راجپوت ملکہ کی قبر مع اسکی بیٹی اور بیٹے خسرو کے مقبرون کے خسرو باغ مین واقع ہے،

(۲) سڑک کی دوسری طرف وہ مکان ہے جسمین سوپرنٹنڈنٹ باغ کی بود و باش ہے، عام روایات کے مطابق تمبولی بیگم کا مکان کہلاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ وہی شاہزادی ہو جو فتحپور سیکری مین ستامبولی بیگم کے نام سے پکاری جاتی ہے

جدید گزیٹیر مین کرنیل نیویل نے اسیقدر لکھا کہ خسرو کی ماں رانی نے افیون کھائی، وہ اس باغ مین دفن ہے، اسی جگہ خسرو اور اسکی بہن کے بھی مقبرے ہین، دوسرے موقع پر اضافہ فرماتے ہین:-

۱- خسرو یہان کے چارون مقبرون مین سے بالکل اخیر پورب کے مقبرہ مین دفن ہے،

۲- دوسرا مقبرہ خسرو کی بہن کا ہے جو ۱۶۲۵ء مین مری تھی، جسمین بہت سے کتبے ہین مگر اکثر اب شکستہ حالت مین ہین،

۳- تیسرا خسرو کی ماں کا ہے،

۴- باغ کے عین وسط مین چوتھا مقبرہ ہے جو تمبولن کا کہلاتا ہے، کچھ عرصہ تک افسر منتظم باغ کا مسکن رہا تھا، ان صاحبون نے اور جو دو ایک باتین کام کی لکھی ہین وہ ہر مقبرہ کے جداگانہ حالات مین نقل کیجا ئینگی، ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ڈائرکٹر جنرل امپیریل گزیٹیر آف انڈیا نے بھی صرف چند لفظون مین خسرو باغ کا تذکرہ ختم کر دیا ہے، لکھتے ہین کہ یہ باغ اور روضہ شاہزادہ خسرو ریلوے اسٹیشن کے متصل ہے، مقبرہ ایک خوبصورت گنبد دار عمارت کے طرز کی بنی ہے، اس کے اندر پھولون اور چڑیون کی تصویرین ہین، دو چھوٹے چھوٹے مقبرے اسکے متعلق ہین

تاج کی نظیر شاید اسکی بے نظیر شہرت و نام کے سبب آپنے پیش کی ہے ورنہ وہ تو [illegible]

آپنے دیکھا گزیٹیر والون نے کس اختصار سے کام لیا ہے [illegible]

نکی تحریرون مین فرق محض [illegible] کا ہے [illegible] صاحب لکھتے تو [illegible]

[illegible]

[illegible]

پہلے بائین جانب نظر ڈالتے اور بائین سے شروع کرتے ہین، مسٹر اسٹیل باوجود اپنی مغربی و فرنگی جبلت و وضع کے پہلے داہنی سمت دیکھتے اور اسی طرف سے لکھنے لگتے ہین، کرنیل نیویل نے جو قلم اور تلوار دونون پر یکسان قدرت و قوت رکھتے ہین، اس مہم مین جادہ کہن یعنی اسٹیل صاحب کی مختصر نگاری کی فرسودہ روش سے ہٹنا گوارا نہین فرمایا، ایک متبع یا مقلد کی طرح قدم بہ قدم چلے اور ایک ناقل کے طور پر انہین کے الفاظ کم و بیش دہرا دیئے ہین،

ڈاکٹر فوہرر[1] اپنی کتاب "صنادید ہند" مین اتنا ہی لکھ کر خاموش ہوگئے کہ یہان خسرو، اسکی مان اور بہن کے مقبرے اور تمبولن بیگم کا مکان ہے۔" اس تحریر مین نہ کوئی سلسلہ ہے نہ ترتیب، کوئی کیا کہہ سکیگا!

مسٹر بیوریج[2]، ایسٹ وک صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہین کہ نورجہان کا بھی ایک خالی مقبرہ یا سینوٹاف[3] خسرو باغ مین تھا،

ایک کارآمد و راحت رسان چیز اگلے زمانہ کی اہم اور ضروری تعمیرات مین داخل تھی اور یہان بھی موجود تھی، ایک شاندار "باؤلی" تھی، حال کے مورخین نے وطنی ہون یا مسافر، اس کے بارہ مین کچھ نہین لکھا، صرف پیٹر منڈی صاحب نے جو سنہ ۱۶۳۲ع مین یہان آئے تھے تحریر[4] فرمایا ہے:-

"خسرو باغ کے پاس ہی ایک خوبصورت باؤلی یا کنوان ہے، اس مین ایک سو بیس[5] سے زیادہ سیڑھیان ہین، خوشنما شہ نشین اور محرابین ہین، جیوٗ کے درخت ہین، گرمی مین رہنے کے لئے سردخانے اور ٹھنڈے ٹھنڈے مکان ہین، جو "فرسکو" یعنی ٹھنڈک اور سایہ مین تازہ تازہ ہوا کے پہنچنے کے لئے بنائے گئے ہین، اوپر سے نیچے تک پہنچنے کا راستہ اندر ہی اندر ہے، یہ راستہ، وسیع، کشادہ آسان گزار اور خوب روشن ہے، حتیٰ کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی نیچے چلا جاتا اور اپنے ہاتھ سے پانی پی لیتا ہے، ٹھیک اسی مقام کے اوپر جہانتک پاتی ہے ایک کنوئین کا اچھا سا منھ ہے،

[1] جلد دوم بابتہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ، صفحہ ۱۳۰، [2] جرنل رایل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی سنہ ۱۹۰۷ع صفحہ ۶۰۷، نوٹ ۲: [3] خالی مقبرہ جو کسی شخص کی یادگار مین جو کہین اور دفن ہو، بنا دیا جائے، [4] سفرنامہ پیٹر منڈی، جلد دوم صفحہ ۱۰۱۔ اور، مرے صاحب کی بنگالہ کی ہینڈ بک، صفحہ ۳۶۴، پروفیسر بینی پرشاد، کی تاریخ جہانگیر، صفحہ ۱۴۳،

یہاں سے لوگ چھوٹے برتنوں میں یا مشکوں سے پانی کھینچ سکتے ہیں۔

مسٹر ولیمس نے اپنے نقشے مین ایک موقع رانی یا شاہ بیگم کے مقبرہ کے متصل مجمع کو دکھایا ہے جسمین بلند چبوترہ اور سنہ وغیرہ بھی صاف نمایاں ہین، بہت سے تماشائی، نیز حاجتمند مرد وعورت، پانی لیجانے کے مختلف برتنوں اور جانوروں کیساتھ کھڑے، بیٹھے چلتے پھرتے نظر آتے ہین، مگر یہ جگہ باؤلی کی نہین، بلکہ کنوئین کی معلوم ہوتی ہے: باؤلی کا انجام اس کے مقام پر تحریر کیا جائے گا،

پبلک یا الہ آباد کی ہینڈبک مرتبہ ماڈرن ریویو آفس مین اس قدر لکھا ہے کہ "پختہ کنوان اور پانی کی نہرین اور نالیان ایسی خوبصورت ہین کہ انکی تصویرین پیش کیجاتی مین"

بیورج صاحب فرماتے ہین[1] کہا جاتا ہے کہ خسرو کے دو بیٹے بھی خسرو باغ مین دفن ہین؛

سلطان خسرو اور شاہ بیگم کے پہلوؤن مین متعدد چھوٹی بڑی قبرین موجود ہین، کوئی کتبہ نہین نہ کسی تاریخ مین تذکرہ ہے، اسلئے ان شاہزادون کے مرقد کا وثوق وصحت کیساتھ تعین کرنا اس وقت دشوار ہے۔ آجکل کے بعض کم محنت آسان پسند لوگون کا شیوہ بلاتحقیق وتلاش بہت مین دخل در معقولات کرنا اور اپنی ہمہ دانی کے اظہار کے لئے کچھ نہ کچھ لکھدینا ہے، میرے نزدیک یہ کوئی مستحسن اور پسندیدہ روش نہین، ورنہ یہ لکھدینا سہل نیز قرین قیاس بھی تھا کہ خسرو کی قبر کی بغلون مین جو لڑکے دفن ہین یہی شاہزادے ہین، کب مرے اور کس عمر مین خسرو سے کتنے دن بعد، کیا نام تھا، آج ان سوالات کا جواب شافی کون دیسکتا ہے؛

باغ کے اندر داخل ہونے کے بعد بلکہ پھاٹک مین قدم رکھنے کے ساتھ ہی ان عمارت پر میری نگاہ دفعۃً جس سلسلہ وترتیب سے پڑی تھی حوالۂ قلم کرتا ہوں اور وہ کرنیل نیوبل کی تحریر کے مطابق ہے۔

داہنی طرف سے پھاٹک کے ایک جانب۔

پہلا۔ خسرو کا مقبرہ گنبددار، نیچے ویسے ہی گرد آبی ہین جنمین تین در [illegible] چبوترہ پر نشین [illegible]

---

[1] موجودہ امپیریل [illegible] گورنمنٹ [illegible] صفحہ [illegible]

ہشت پہل مع فوارہ، ویران وخشک، اُسی لین مین،

دوسرا خسرو کی بی بی کا، بلند گنبد، لیلی بیگم کہلاتی ہے، قبر کا نشان اوپر ہے، مسٹر بیل اور گزیٹیر والے اسکو خسرو کی بہن، سلطان النسا یا سلطان بہار بیگم کا لکھتے ہین، اور یہی قرین قیاس و قابل قبول ہے،

پھر ویسا ہی ہشت پہل رنگین حوض اور فوارہ،

تیسرا شاہ بیگم کا سہ منزلہ مختصر قبہ اوپر ہے، بیگم کے داہنی طرف دو قبرین، بائین جانب دو پہلو کی صحن چون مین بھی قبرین، کواڑون سے محفوظ ہے،

ان مقبرون کے پیچھے حوض کی پشت پر قد آدم پردہ کی دیوار جس سے کبھی پانی کے جھرنے اور آبشار روان رہے ہونگے،

دوسرے قطعے مین، پچھم طرف، اس قطار سے علحدہ، تمبولن یا تنبولن بیگم کا،

ان کی تیسری ترتیب تو قدرتی، یعنی تعمیر و زمانۂ تعمیر کے لحاظ سے یہ ہونا چاہئے تھی،

(۱) شاہ بیگم - ۱۰۱۲ھ

(۲) خسرو - ۱۰۳۱ھ

(۳) سلطان بہار بیگم - ۱۰۳۴ھ

(۴) تمبولن کا - لامعلوم،

یہی قبر بناتے وقت کس کو خیال ہوگا کہ یہان اور شاہزادے اور بیگمین بھی کبھی دفن ہونگی، بعد کی تعمیرات مین ہی سو، اتفاق سے کوئی سلسلہ و ترتیب ملحوظ نہ رکھا گیا، محض گنجایش پر نظر ڈالی گئی، جہان جگہ پائی آباد کر دیا،

(باقی)

رقعات عالمگیر

عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے بادشاہی تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین اور اسے علم ادب ... کے متعلق بیسیون حقایق کا انکشاف ہوا ہے، ضخامت ... صفحے، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت للعہ "منیجر"

نواب امیر الممالک آصف الدولہ صلابت جنگ مرحوم

کے

بعض عنایت نامے

از جناب محمد غوث صاحب (عثمانیہ) حیدرآباد دکن

حضرت ناصر جنگ شہید کی پیشگاہ سے جو عنایت نامے تنجاور کے راجہ پرتاب سنگھ کے نام صادر ہوئے تھے وہ گذشتہ مہینے میں پیش کئے جاچکے ہیں۔ اس وقت نواب صلابت جنگ مرحوم کے بعض عنایت ناموں کے متعلق کچھ لکھنا مقصود ہے۔

فی الوقت حضرت مرحوم کے (۷) عنایت نامے پیش نظر ہیں۔ یہ بھی راجہ پرتاب سنگھ ہی کے نام ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے لفافے بھی تلف کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ ان کی پشت پر اصل نام چسپاں کردی گئی ہے۔ دو عنایت ناموں کی پشت پر مرہٹی میں خلاصۂ عنایت نامہ درج ہے۔ اس سے عنایت ناموں کو تنجاور سے متعلق ہونے کی شہادت قوی تر ہوجاتی ہے۔

یہ عنایت نامے بھی فارسی کاغذ پر ہیں۔ بعض خاص سے بھی مزین ہیں۔ ایک عنایت نامہ پر نواب کا دستخط خاص موجود ہے۔ "شہامت و جلادت دستگاہ" کے القاب سے مخاطب کئے گئے ہیں۔ دو عنایت ناموں پر "صلابت جنگ بہادر ۱۱۶۶" کی مہر ثبت ہے اور باقی پر "آصف الدولہ [illegible]" کی [illegible] ہیں

(۱)

(۱) [illegible] معلوم ہے کہ [illegible]

شہید نے ارکاٹ سے کوچ فرمایا، اس کے بعد میدان قیچی میں جو معرکہ درپیش ہوا ہمین اعدا نے حضرت موصوف کو اپنی تفنگ کا نشانہ بنایا اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اس کے ساتھ ہی نواب مظفر جنگ کی حکمرانی کا پھر اعلان ہوا، نواب مظفر جنگ نے کرنامک کے انتظامات سے فراغت حاصل کر کے جانب بلدۂ فرخندہ بنیاد عزم فرمایا لیکن اثنائے راہ ہی میں ہمت بہادر خان کے ہاتھوں سے نواب مظفر جنگ کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا، اب حضرت آصف جاہ اول کے ایک دوسرے فرزند نواب صلابت جنگ وارث مسند آصفی قرار پائے، اس زمانہ میں دہلی سے کوئی فرمان صادر ہوا، اس کے ضمن میں ذیل کا عنایت نامہ مرحمت ہوا، اس عنایت نامہ پر "صلابت جنگ بہادر ۱۱۶۴ھ" کی مہر چسپان ہے اور پشت پر خلاصۂ عنایت نامہ مرہٹی میں درج ہے، عنایت نامہ نے اسطرح نگارش پائی ہے :-

"درین زمان مسرت پیرا و اوان دولت افزا کہ افضال الٰہی شامل حال و امداد سماوی باعث حصول آمانی و آمال فرمان والا شان مرحمت عنوان مزین بخط اقدس اعلیٰ مرقوم قلم فرنگ بہ کمال تفقد و عنایت با خلعت دوشالہ ملبوس میمنت اختصاص از حضور پر نور شرف ورود بخشیدہ باعث وفور سرور و شکر سپاس حضرت رب غفور شد، حضرت تعالیٰ و تقدس مراحم خاقانی را کہ فی الحقیقہ پرتو الطاف سبحانی است، بر جمیع فدویان و دولت خواہان مبارک و ہمایون و ظہور این مکارم ذریعہ ترقیات و جمعیت روز افزون سازد، زیادہ چہ نوشتہ شود"

(۲)

نواب صلابت جنگ مرحوم بعد مسند نشینی حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں رونق افروز ہوئے، بعد از ان جانب اورنگ آباد قصد فرمایا، اس زمانہ میں مرہٹوں نے جو قوت پیدا کر لی تھی اس کا تذکرہ موجب تطویل ہے مختصر یہ کہ بالاجی راؤ پسر باجی راؤ پیشوا نے احمد نگر پر قبضہ کر لیا تھا، اس کی تنبیہہ کے لیے نواب صلابت جنگ مرحوم نے لشکر کو کوچ کا حکم فرمایا، سخت معرکوں کے بعد لشکر آصفی فتحیاب ہوا، اس تقریب میں جو عنایت نامہ شرف صدور پایا

[illegible] گیا ہے

واضح ہو کہ یہ عنایت نامہ بھی جس کی پشت پر انگریزی خلاصہ درج ہے نواب صلابت جنگ بہادر [illegible]

جاری ہوا تھا جس کا مضمون عنایت نامہ یہ ہے:-

الحمد للہ والمنۃ کہ باتفاق نزول [illegible] قلعہ [illegible] مستوفی یافتہ بمکان مجاورت [illegible] منہج قویم اطاعت و انقیاد گردید و غاشیہ اذعان و فرمان برداری بر دوش کشیدند بمقتضائی خود مجدہ ہدایت الہی افواج ظفر امواج [illegible] متوجہ آن حدود است و عنقریب نزول جنود قاہرہ از غبار فتنہ و فساد مفسدان و متمردان آن دیار و بوم [illegible] صفائی تمام می بخشند و حسب تاکید حضور در تقدیم رفاق و اتفاق کوشند و بہادر ظفر جنگ جنرل بندہ بہادر [illegible] و شمس [illegible] جنگ و جناب موفور الرفاقت محمد علی خان بہادر [illegible] منت [illegible] خدمت [illegible] و سپہ [illegible] شدہ بہ تقدیم [illegible] مسمی [illegible] جلد [illegible] حرکت [illegible] برکت [illegible] خود [illegible] محفوظ داشتہ [illegible] بحضور [illegible] نوشتہ شود

(۳)

نواب ظفر جنگ [illegible] ہوئے تو نواب حسن دوست خان نے صوبہ [illegible]

[illegible]

...لئے بڑی جد وجہد کی، نواب مظفر جنگ نے ان کو اس خدمت پر مامور کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر حسب فرمان وصلی
...واب ناصر جنگ شہید کی وساطت سے مرحمت ہوا تھا، خود کو اس خدمت کا مستحق خیال کرتے تھے، ان دونوں دعوی
...دن نے اپنی پوری قوت صرف کی، انجام کار نواب حسین دوست خان کو راجہ پرتاب سنگھ کے ایک جنرل ماناجی راو نے
...کہ دیگر شعبان سنہ ۱۱۶۵ھ میں قتل کر ڈالا، اس واقعہ کے بعد نواب صلابت جنگ مرحوم نے جو عنایت نامہ جاری فرمایا وہ یہ ہے

"فوجداری و متصدی گری ارکاٹ وغیرہ کرناٹک پایان گھاٹ از انتقال شمس الدولہ حسین دوست خان
بہ شہامت و بسالت دستگاہ غلام مرتضیٰ خان بہادر[۱] مقرر و مفوض شد کہ باتفاق و استصواب مہربان بلند
مکان گورند ور بہادر جنرال ظفر جنگ[۲] بسر انجام مہام انجا پرداز ندآن شہامت دستگاہ بموافقت و مرافقت
گورند ور بہادر و غلام مرتضیٰ خان بہادر کوشند کہ موجب . . . . و ذریعہ بہبودان جلادت
دستگاہ خواہد بود، زیادہ چہ نوشتہ شود"

متذکرہ بالا عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" نافذ ہوا۔

(۴)

اسی ضمن میں ایک دوسرا عنایت نامہ بھی صادر ہوا، اس پر بھی "آصف الدولہ ۱۱۶۵" مہر چسپاں ہے، عنایت نامہ کے
...دن نے اس طرح نگارش اختیار کی ہے:-

"قبل ازیں عنایت نامجات متواتر متضمن طلب حضور بہ انور الدین خان بہادر[۳] ترسیل یافتہ حالا ہم بتاکید
تشید نوشتہ شد و یقین کہ مطابق حکم کاربند خواہد شد، چون خدمت جلیل المرتبت ارکاٹ و ترچناپلی بعمو صاحب
مہربان گورنر ور بہادر ظفر جنگ[۴] مقرر است درین ولا نیابت عمو صاحب معز الیہ بہ شہامت دستگاہ
غلام مرتضیٰ خان[۵] تفویض یافتہ باید کہ آن جلادت دستگاہ باتفاق و استصلاح گورند ور بہادر شریک خاطر

---

[۱] غلام مرتضیٰ خان ویلور کے جاگیردار تھے، اور نواب حسین دوست خان کے خاندان سے ہی تھے، ۱۲ [۲] ڈوپلے مراد ہے، ۱۲
[۳] نواب والاجاہ بہادر مراد ہیں۔ ۱۲ [۴] ڈوپلے مراد ہے، [۵] جاگیردار ویلور،

مشارالیہ بودہ حسن خدمت وتردد از فدویہ توجہ خاطر شناسند زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص :۔ "تاکید اکید دانند"

نواب صلابت جنگ مرحوم کے مقابلہ مین حضرت آصف جاہ اول کے بڑے فرزند نواب غازی الدین خان فیروز جنگ مرحوم مسند پدری کے آرزومند ہوئے۔ پیشگاہ حضرت بادشاہ احمد شاہ سے خلعت صوبہ داری دکن عنایت ہوا ملہار جی ہولکر اور جی آپا سندھیہ نے ساتھ دیا۔ برہان پور مین پہنچکر بعض انتظامات بھی انجام پائے۔ قرب وجوار کے قلعہ دار وغیرہ نے حکم برداری اختیار کی، وہان سے جانب اورنگ آباد توجہ عمل مین آئی یہان ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ مین پیغام اجل آگیا، اس واقعہ کے بعد جو عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" جاری ہوا وہ یہ ہے :۔

"سانحہ ناگزیر نواب صاحب وقبلہ فیروز جنگ مرحوم باعث ملال خاطر شد کہ بزرگ بودند وفات ایشان را از مغتنمات می دانستم الحال برائے تنبیہ وتادیب فرقہ واجب التفرقہ زیادہ . . . . . . آمدیم منزل بمنزل توجہ عساکر فتح رہبر درپیش است بخاطر جمع برفاقت نورالدین خان بہادر سرگرم شیوۂ زمینداری ومالگزاری بودہ رہ نورد اطاعت وانقیاد باشند واین معنی را ذریعہ سود وبہبود حال وقال شناسند زیادہ چہ نوشتہ شود"

(۶)

صاحب تزک آصفیہ کا بیان ہے کہ نواب غازی الدین فیروز جنگ مرحوم کے انتقال کے بعد نواب صلابت جنگ مرحوم کے نام پیشگاہ بادشاہی سے فرمان استقلال شرف صدور لایا اور خطاب آصف الدولہ مرحمت ہوا اس ضمن مین جو عنایت نامہ بہ مہر آصف الدولہ ... صادر ہوا وہ یون ہے :۔

"درین ایام فیروزی انجام شقہ موشح بخط قدسی نمط متضمن مشکور گردیدن مساعی وتردد ات تنبیہ وتادیب بالاجی درپیشگاہ خلافت وجہانبانی وظہور عنایات وتفضلات بے پایان

---

[1] ... ص ۴۲ ۔

بشفقتی کشن ہمیشہ بہار خاطر ملکوت ناظر اقدس اعلیٰ برشحات این لطیفہ روح افزا عنایت خطاب مستطاب آصف الدولہ و خلعت ملبوس خاص مع سرپیچ مرصع بورود مسعود مرحمت آمود سرمایۂ فخر و مباہات مبانی دو آمال را مستحکم و تمام بخشید۔ مراتب مرقومہ از نقل آن کہ فرستادہ شد معلوم خواہد شد باید بر جادۂ صدق اعتقاد و برلوح عقیدت مستقیم بودہ نویسان حالات در و داد باشند و بادای ذرہ‌ہای برکار ذمہ خود پرداز ند این معنی ذریعہ سود و بہبود خود شناسند زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

اس عنایت نامہ سے واضح ہے کہ خطاب آصف الدولہ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ مرحوم کے انتقال سے قبل مرحمت ہوا، چنانچہ نواب حسین دوست خان کے قتل کے بعد جو عنایت نامے نافذ فرمائے گئے اس پر "آصف الدولہ" کی مہر چسپاں ہے۔ نواب حسین دوست خان کا واقعہ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کے انتقال سے قبل واقع ہوا ہے، بالاجی راؤ پر فتحیابی سے متعلقہ جو عنایت نامہ اس سے قبل نمبر ۲ پر نقل کیا گیا ہے، اس پر "صلابت جنگ بہادر" کی مہر چسپاں ہے، اس کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ خطاب "آصف الدولہ" عنایت ہوا، بہرحال توزک آصفیہ کا یہ بیان درست نہیں کہ "خطاب آصف الدولہ" بھی نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کے انتقال کے بعد مرحمت ہوا۔

(۷)

پیشگاہ پادشاہی سے کوئی اور فرمان عنایت ہوا، اس کے متعلق ذیل کا عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ" نافذ ہوا ہے۔ ۶۵

"درین ایام عشرت انجام فرمان والا شان موشح بخط خاص تقدس اختصاص مشحون باصناف تفقدات انواع تعطفات پرتو ورود افگندہ ساحت امانی و آمال را روشن ساخت دقائق عواطف روز افزون روح افزاے والا از روے نقل آن کہ بجہت مزید سرور و ابتہاج خاطر آن شہامت دستگاہ سمت ترسیل پذیرفتہ، واضح و لایح خواہد گردید، زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

تلخیص و تبصرہ

اسلام کے قرون وسطیٰ میں ساہوکاری کی [illegible]

عنوان بالا سے مضامین کا ایک سلسلہ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں شروع ہوا ہے جس کی پہلی قسط کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے:-

گذشتہ تیس چالیس سال کے [illegible] دسویں صدی عیسوی کی سلطنت عباسیہ سے متعلق چند [illegible] ماخذ شائع ہو گئے ہیں مثلاً تاریخ الوزراء ہلال الصابی، کتاب تجارب [illegible] مسکویہ اور نشوار المحاضرہ تنوخی جو اس عہد کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کے لئے حقیقۃً ایک خزینۂ معلومات ہیں۔ ان تصانیف نے ہمارے سامنے بالکل ایک نئی دنیا کھول کر رکھ دی ہے۔ ان کتابوں کے مصنف چونکہ خود حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے اسلئے انھوں نے خاص طور پر معاشی حالات اور ملکی نظم و نسق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور مالیات، نظام مالگذاری، انتظام زمینداری، عملۂ حکومت اور وزراء کے حالات نہایت وضاحت سے پیش کئے ہیں۔ ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نیز لفظ جہبذ کے سلسلہ مین یہود کی تاریخ کے ایک پہلو پر روشنی ڈالیجائیگی، ان کتابون مین معاشی اور مالی نظام کے بیان مین یہود کا ذکر بھی اکثر آیا ہے جو حکومت کے اعلیٰ عہدون پر مامور تھے اور جنکو سلطنت کے مالیات سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ ایک مسلمان مورخ کے لیے ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا،

ہم جہبذ کے لفظ سے اپنی تحقیق کی ابتدا کرتے ہین، ایک عرب لغت نویس اس کے معنی یہ بتاتا ہے

"ایک ماہر مالیات جو پیچیدہ ترین معاملات مین تجربہ رکھتا ہو اور روپیہ کے کاروبار مین پوری طرح ماہر ہو"

جہبذ کا ذکر خلیفہ المنصور (۷۵۴ء تا ۷۷۵ء) کے زمانہ کے عرب ماخذون مین بھی آیا ہے لیکن جو لوگ خاص طور پر اس لقب سے ممتاز تھے وہ دسوین صدی عیسوی مین زیادہ نمایان ہوئے اسکا سبب غالباً یہ ہے کہ اس صدی مین تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا، نوین صدی کے آخر مین سلطنت عباسیہ کے مالی نظام مین ایک تبدیلی واقع ہوئی، اسکا سبب جیسا کہ وان کریمر پہلے بیان کرچکا ہے، یہ ہوا کہ درہم نقرئی کے بجائے اب دینار طلائی معیاری سکہ قرار پایا، یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ آٹھوین اور نوین صدی کے فرد محصول مین مغربی صوبون کی آمدنی دینار مین ظاہر کیگئی ہے اور مشرقی صوبون کی درہم مین، برخلاف اس کے دسوین صدی مین بجٹ کی تمام مدون کا حساب دینار مین دکھایا گیا ہے،

ان جدید حالات اور رائج الوقت سکون کے اختلاف اور انکی قیمتون کے اتار چڑھاؤ نے اس امر کی ضرورت پیدا کی کہ جو سکے بیت المال عامہ مین داخل ہون وہ معیاری سکون مین تبدیل کرکے داخل کئے جائین، یہی کام جہبذ کو سپرد ہوا اور اسی وجہ سے جہبذ کا عہدہ ایک ضروری عہدہ قرار پایا، اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان ماخذون مین مال الجہبذ کا ذکر اکثر آیا ہے، نیز ایک مخصوص دیوان الجہبذ کے قیام کا تذکرہ بھی بیان ہے اور ان لوگون کا نام بار بار آیا ہے جو جہبذ کے لقب سے پکارے جاتے تھے، مال الجہبذ ایک قسم کا محصول ہے جو اس زمانہ کے مالیات مین کافی اہمیت رکھتا تھا، ۹۱۸-۱۹ء کے بجٹ مین یہ ایک مخصوص مد کے طور پر رکھا گیا تھا، دیوان الجہبذ کے قیام کا ذکر اول اول ۹۲۸ء مین آتا ہے، اس دیوان کا افسر اعلیٰ اسوقت ایک

عیسائی ابراہیم بن ایوب تھا، قدامۃ بن جعفر کی کتاب الخراج مین دیوان الجہبذ کا تفصیلی بیان موجود ہے لیکن
جہبذ کے کام سے واقفیت کا ذریعہ مال الجہبذ کی اصطلاح کا رائج ہونا اور دیوان الجہبذ کا قائم ہونا ہی نہین ہے
بلکہ ہمارے ماخذون مین بھی ان لوگون کے نام اور ان کے کامون کے صحیح حالات موجود ہین جو جہبذ کے لقب سے
پکارے جاتے تھے مثلاً ان ماخذون مین حسب ذیل جہبذون کے نام دیئے ہوئے ہین:- ابراہیم بن احمد بن ادریس،
ابراہیم بن یوحنا، ذکریا بن یوحنا، سہیل بن نذیر، اسرائیل بن صالح، نکوس بن اندونا وغیرہ وغیرہ،

خلیفہ المقتدر کے دربار مین جتنے جہبذ تھے ان مین سے کسی نے ان دو جہبذون کی سی اہمیت حاصل
نہین کی جو الجہبذان الیہودیان کے لقب سے مشہور ہین اور جنکے نام یوسف بن فنحاس، اور ہارون بن عمران
ہین، یہان عہد عباسیہ کے یہودی عہدہ دارون کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اس وقت اس سے بحث نہین کہ
اسلامی حکومتون مین یہود اور دوسرے اہل ذمہ کو سرکاری عہدے کس حد تک دیئے جاتے تھے، عرب لٹریچر
مین جو کچھ ادھر اُدھر ملتا ہے، اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اگرچہ اسلامی قانون اجانب مین غیر مسلمون
کو حکومت کے عہدون پر مامور کرنے کی سختی سے ممانعت تھی تاہم اس ممانعت کی کبھی پوری پابندی نہین کی گئی،
اس امر کی صریح تاریخی شہادت موجود ہے کہ یہود ونصاریٰ اور دوسرے اہل ذمہ ہر زمانہ مین اسلامی حکومتون
کے مختلف شعبون مین ملازم تھے، حقیقت یہ ہے کہ بعض شعبون کے لئے اہل ذمہ کی مخصوص لیاقت کو دیکھتے
ہوئے خلفاء انھین اپنی ملازمتون مین داخل کرنے پر مجبور تھے، خلیفہ المقتدر کو بھی جس کے عہد حکومت سے
ہمین اسوقت بحث ہے یہود ونصاریٰ کو حکومت کے بعض عہدون پر مقرر کرنا ہی پڑا، اسکے عہد سے قبل
بھی سرکاری ملازمتون مین غیر مسلمون کی ایک تعداد ضرور رہی ہوگی کیونکہ اس نے اپنی حکومت کی ابتدا
مین اہل ذمہ کے مسئلہ ملازمت سے متعلق ایک قانون نافذ کیا اور سنہ مین ایک فرمان کے ذریعہ سے یہود
اور نصاریٰ کو صرف طبیب اور جہبذ کے عہدون پر مقرر کئے جانے کی اجازت دی، عرب جغرافیہ دان مقدسی
مصر وشام کے حالات کے سلسلہ مین لکھتا ہے:-

یہان اکثر جہابذہ، زرگر، صراف، رنگریز اور دباغ یہودی ہین، اکثر اطباء اور کتبہ (محرر) عیسائی ہین"

دسوین صدی مین سلطنت عباسیہ کے یہود کے پیشون سے متعلق ہماری واقفیت کا ذریعہ ابتک مقدسی کی یہ شہادت اور المقتدر کا فرمان ہی تھا لیکن ہمارے جدید ماخذ نہ صرف ان بیانات کی تصدیق کرتے ہین بلکہ ان مین بہت کچھ اضافہ بھی کرتے ہین، خصوصاً ان ماخذون سے یوسف بن فنیحاس اور ہارون بن عمران کے حالات اور خلیفہ مقتدر کے دربار مین ان کے کارنامے تفصیل کیساتھ معلوم ہوتے ہین،

ان ماخذون مین ان دونون کا ذکر بار بار الجہبذان الیہودیان یا التجار کے نام سے آتا ہے اور ان مین سے ہر ایک کا ذکر جہبذ اہواز کے نام سے بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق صوبۂ اہواز کی مالیات سے بھی تھا، ان القاب ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلطنت عباسیہ کے محکمۂ مالیات مین کس درجہ اہمیت رکھتے تھے، ان کا ایک لقب جہابذۃ الحضرۃ (COURT BANKERS) بھی تھا جس سے انکی اعلیٰ حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، دونون کا ذکر ہمیشہ ساتھ ساتھ آتا ہے، سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داران کو ایک ہی فرد خیال کرتے تھے، وزیر سلطنت جب ان سے قرض لیتا تھا تو معاہدہ یوسف اور ہارون دونون کیساتھ بلکہ ان کے جانشینون (ومن قام مقامہما) کے ساتھ بھی ہوتا تھا، اسی طرح اگر وزیر انھین سزا کی دھمکی دیتا تو اس دھمکی مین دو تون بلکہ ان کے ورثاء (وعلی ورثتہما) بھی شریک ہوتے،

ان بیانات سے کافی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دونون نے ایک مشترک فرم قائم کر لی تھی، اس فرم مین یوسف اور ہارون کے علاوہ ممکن ہے اور لوگ بھی شریک رہے ہون، ہارون بن عمران کا ایک لڑکا اپنے باپ کیساتھ درباری جہبذ کے فرائض انجام دیتا تھا، اس مشترک فرم کے قیام کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کے کثیر مطالبات کا پورا کرنا کسی ایک شخص کے اختیار سے باہر تھا، بہرحال جو سبب بھی رہا ہو یہ واقعہ ہے کہ خلیفہ مقتدر کے زمانہ مین ایک بنک قائم ہو گیا تھا جسے آجکل کی اصطلاح مین "یوسف ہارون، اینڈ کمپنی، ہیڈ آفس بغداد" کہہ سکتے ہین،

اس بنک کی اندرونی تنظیم آیندہ بیان کیجائیگی۔ اسوقت صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ یہودی ساہوکار کس زمانہ مین دربار خلافت سے تعلق رکھتے تھے۔ التنوخی کی کتاب [illegible] دونون [illegible] عبید اللہ بن یحیی الخاقانی کے زمانہ مین مقرر ہوئے تھے۔ لیکن یہ بیان سب ماخذون مین دئے ہوئے دوسرے واقعات اور تاریخون سے اسی وقت مطابق ہوسکتا ہے جب ہم عبید اللہ بن یحیی کے بجائے محمد بن عبید اللہ بن یحیی پڑھین۔ عبید اللہ بن یحیی [illegible] سے [illegible] تک خلیفہ المتوکل کا اور [illegible] سے [illegible] تک خلیفہ معتمد کا وزیر تھا۔ لیکن اہل ذمہ کو سرکاری ملازمتون مین داخل کرنے کی نسبت ان دونون خلفاء کا جو طرز عمل تھا اس کے لحاظ سے امید نہین کہ ان کے زمانون مین یہودی اعلیٰ عہدون پر مقرر کئے گئے ہون۔ علاوہ برین خود ماخذون مین اس بیان کی تائید کے لیے کوئی شہادت موجود نہین ہے۔ برخلاف اسکے محمد بن عبید اللہ بن یحیی المقتدر کے وزرا مین تھا اور وہ ٹھیک اسی زمانہ مین تھا جب ہم کو اول اول ان یہودیون کے حالات معلوم ہوتے ہین۔ گمان غالب یہ ہے کہ دربار مین ان دونون یہودیون کا تقرر اس وقت ہوا جب محمد بن عبید اللہ کی وزارت شروع ہوچکی تھی یعنی ۹۱۱ء اور ۹۱۲ء کے درمیان۔ واقعات بھی اس خیال کے مطابق ہین کیونکہ ان یہودیون سے پہلا معاملہ جو ہمارے ماخذون مین مذکور ہے [illegible] مین وزیر ابن الفرات کے ساتھ ہوا تھا [illegible] ۹۲۱ء ۹۲۳ء اور ۹۲۴ء کے حالات مین ان کا ذکر بار بار آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقرر کے بعد سے ۹۲۴ء تک یوسف اور ہارون کا تعلق دربار خلافت سے برابر قائم رہا۔ ۹۲۴ء کے بعد اس فرم کا کوئی ذکر ہمارے ماخذون مین نہین پایا جاتا جس [illegible] ہے کہ وزیر ابن الفرات جو ان کا مربی اور سرپرست تھا، [illegible] مین برطرف کردیا گیا تھا۔ گو یہ صاف [illegible] اپنی وفات تک برخاست نہین کئے گئے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ان کی وفات بھی [illegible] مین واقع ہوئی ہو۔

بہرحال ہر صورت مین مقتدر ہی کا زمانہ سلطنت عباسیہ مین ساہوکاری کی ابتدا کا زمانہ تھا۔

خلفائے عباسیہ کے چند آثار عراق مین،

خلفائے عباسیہ کے تمام تمدنی آثار جو ان کے دورِ حکومت مین، محلون، مسجدون، خانقاہون، مدرسون، مہمان خانون اور نہرون کی صورت مین قائم تھے مٹ گئے، البتہ عراق مین ان کے چند آثار اب بھی باقی ہین، جنکا تذکرہ جون ۱۹۳۳ء کے الہلال نے کیا ہے، ہم ناظرینِ معارف کی دلچسپی کے لیے اسکی تلخیص ذیل مین درج کرتے ہین،

جامع معتصم باللہ معتصم نے یہ جامع مسجد سُر مَن رَاے مین پانچ لاکھ دینار کے صرف سے تعمیر کی تھی اور اسکی دیوارون کے سامنے کے حصے مین شیشے جڑوا دیے تھے، اس لئے ہر نمازی حالتِ نماز مین اپنے پیچھے سے آنے والے شخص کو دیکھ سکتا تھا، شیشون کے جڑنے کی جگہ اب بھی دیوارون مین موجود ہے، اور وہ دیکھنے والون کو علانیہ نظر آتی ہے، اسکا منارہ بھی ایک عجیب چیز ہے، اور عراق مین اسکو ملویہ کہتے ہین،

قصر ابی العباس احمد الناصر لدین اللہ اس محل کا نام دار المسناۃ ہے، اور وہ بغداد کی مشرقی چار دیواری کے قریب شمالی جانب قائم کیا گیا تھا اور ابن جبیر نے اسکو دیکھا تھا، ناصر لدین اللہ نے اس مین ایک کتبخانہ بھی قائم کیا تھا، جسکا ذکر قفطی نے بشر بن احمد بغدادی کے حال مین کیا ہے، اب اس کے چند حجرے اور ایوان باقی رہگئے ہین، لیکن انھی سے اسکی تعمیری شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

منارہ جامع المکتفی باللہ یہ منارہ خود بنو عباس کے آثار مین شامل نہین ہے، البتہ ان کے دورِ خلافت کے ختم ہونے کے ۲۲ سال بعد انھی کی جامع مسجد مین بنایا گیا ہے، اور اس پر خط کوفی مین یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

"اباقا خان بن ہلاکو خان کے عہدِ حکومت مین علاء الدین عطا ملک الجوینی الفارسی کی ولایت مین تعمیر کیا گیا۔

۶۷۸ھ مین اسکی تعمیر آٹھ سال کی مدت مین ختم ہوئی،

معروف کرخی کی قبر کا منارہ یہ منارہ فن تعمیر کا عجیب و غریب نمونہ ہے، اور اسکو ابو العباس الناصر لدین اللہ نے بنایا

ہے، چنانچہ اس کے ایک چھوٹے سے طاق مین یہ عبارت منقوش ہے،

"یہ منارہ سنہ ۶۱۲ھ مین تعمیر کیا گیا"

اور یہی ناصر لدین اللہ کی حکومت کا زمانہ ہے کیونکہ وہ سنہ ۵۷۵ھ مین خلیفہ ہوا اور سنہ ۶۲۲ھ مین وفات پائی۔ علی بن اثیر نے لکھا ہے کہ ناصر کے ولیعہد نے سنہ ۶۱۲ھ مین وفات پائی، اور معروف کرخی کی قبر کے پاس دفن کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیعہد کی وفات اور اس منارے کی تعمیر کا زمانہ ایک ہی ہے، اور غالباً اس منارے کی تعمیر کا سبب بھی یہی ہے،

مسجد حظائر کا منارہ یہ منارہ بھی معروف کرخی کی قبر کے منارہ سے مشابہت رکھتا ہے، یہ مسجد اب جامع الخفافین کے نام سے مشہور ہے، اور دجلہ کے کنارے مدرسہ مستنصریہ کے نیچے واقع ہے، اس مسجد کو ناصر کی ماں زمرد خاتون نے بنوایا تھا اس لیے منارہ بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے۔

مدرسہ مستنصریہ اور اسکی گھڑی یہ مدرسہ اب بالکل ویران ہے۔ صرف اسکی دیوارین دجلہ کے کنارے کھڑی ہین، اس کے دروازے پر ایک منقوش تحریر تھی، لیکن اب وہ موجود نہین، ایک دیوار پر البتہ ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت سنہ ۶۳۱ھ مین تکمیل کو پہنچی،

اس مدرسہ کی آبی گھڑی اس کے سامنے کے ہال مین تھی جو سنہ ۶۳۳ھ مین تعمیر ہوا، اور اس کے نیچے ایک سائبان تھا، جس مین طبیب بیٹھکر طلبہ کو درس دیتا تھا اور مریضون کا علاج کرتا تھا، اسی سائبان کی دیوار مین ایک دائرہ بنایا گیا تھا جسمین آسمان کی شکل بنائی گئی تھی اور اس مین چھوٹے چھوٹے طاق تھے، جس مین چھوٹے چھوٹے دروازے بنائے گئے تھے، اس دائرے مین سونے کے دو باز سونے کی دو طشتون مین کھڑے کیے گئے تھے، اور اس کے پیچھے سیسے کے دو گولے تھے جو دیکھنے والے کو نظر نہین آتے تھے، ہر گھڑی کے گذرنے کے بعد دونون بازون کے منھ کھل جاتے تھے اور ان سے وہ دونون گولے گر پڑتے تھے، اور جب ایک گولہ گرتا تھا تو ان طاقون کا ایک دروازہ کھل جاتا تھا، اور جب دونون گولے دونون طشتون مین گر چکتے تھے تو تینی چی

جگہ پر چلے جاتے تھے، اس کے بعد سورج کے نکلنے کے ساتھ اس مصنوعی آسمان مین سونے کے بہت سے سورج نکل آتے تھے اور حقیقی سورج کی گردش کے ساتھ گردش کرتے تھے اور اس کے ڈوبنے کے ساتھ ڈوب جاتے تھے، پھر جب رات ہوتی تھی تو اس روشنی سے جو سورج کے پیچھے ہوتی تھی، بہت سے چاند نکل آتے تھے، اور جب ایک گھڑی پوری ہوجاتی تھی تو چاند کے دائرے مین وہ روشنی بھی پوری ہوجاتی تھی، پھر رات کے ختم ہونے اور سورج کے نکلنے کے وقت تک دوسرے دائرے مین شروع ہوتی تھی،

"ع"

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلت کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اسکی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کیگئی ہے، ضخامت ۰۰۴ صفحے، قیمت صر

"منیجر"

هفتہ وار

ہند

کلکتہ کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اردو کے بہترین اخبار مثلاً الہلال، البلاغ، پیغام، پیام اور ہند جدید یہین سے نکلے، اب یہان سے ایک اور اخبار ہفتہ وار ہند کے نام سے نکلنے والا ہے، اس اخبار کی تعریف کرنا تحصیل حاصل ہے، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور رفیق محمد اسحاق امرتسری کی ادارت اس بات کی قطعی ضمانت ہے کہ یہ اخبار بھی بہترین ہوگا، سائز الہلال کا ہوگا، فوٹو بھی دیئے جائینگے، اردو صحافت مین انشاء اللہ العزیز بہترین اضافہ ثابت ہوگا،

ابھی سے ایجنٹ صاحبان اور خریدار صاحبان اپنے نام درج رجسٹر کرالین، تاکہ ابتدائی نمبر نہ ملنے پر حسرت نہ کرنا پڑے، سالانہ قیمت غالباً چھ روپیہ، قیمت فی پرچہ دو آنہ (۲؍) ہوگی، کم ازکم ۲۴ صفحہ مین شایع ہونا شروع ہوگا،

"منیجر ہند جدید" نمبر ۲ اے چتر نجن ایونیو کلکتہ،

اخبارِ علمیہ

شیشے کی سڑک

لندن کے ایک نوجوان شخص نے چھ سال کی مسلسل کوشش اور متواتر ناکامیوں کے بعد بالآخر ایسا شیشہ تیار کر لینے میں کامیابی حاصل کرلی ہے جس سے آیندہ سڑکیں بنائی جاسکیں گی۔ اس نوجوان کا نام جارج رکیٹس (GEORGE J. RICKETTS) ہے۔ موجودہ پتھر کی سڑکوں میں جو خرابیاں ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر رکیٹس ایسی سڑک بنانا چاہتا ہے جو ان سڑکوں سے زیادہ مضبوط اور آرام دہ ہو، چنانچہ اس کے لیے اس نے شیشہ کی چھوٹی چھوٹی سلیں تیار کی ہیں، یہ سلیں پانچ انچ مربع ہیں اور ان کی دبازت ڈیڑھ انچ ہے، ان کی تہ کا حصہ بقدر (½) انچ مجوف ہے۔ ان کی سطح دندانہ دار ہے جس کی وجہ سے پھسلنے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سلیں سڑک کی تعمیر کے لیے کافی مضبوط نہ ہونگی، لیکن ان کی مضبوطی کا امتحان کیا جا چکا ہے، ساڑھے تین سیر وزن کے ہتھوڑے سے ان کو توڑنے کی کوشش کی گئی، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ موسم گرما کی شدت میں ان سلوں کے پگھلنے کے متعلق بھی خطرہ ظاہر کیا گیا ہے، لیکن سب سے زیادہ نرم قسم کے شیشہ کا نقطۂ گداخت بھی (۱۲۰۰) درجہ فارن ہائٹ ہوتا ہے اور انگلستان کی گرمی عموماً (۹۵) اور (۱۰۰) درجہ کے درمیان ہوتی ہے۔ آجکل سڑکیں موٹروں کے تیل گرنے سے بھی بہت خراب ہوتی رہتی ہیں، لیکن تجربہ کرکے دیکھ لیا گیا ہے کہ ان شیشوں پر تیل کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سلوں کی سطح ہیرے کی شکل کی بنائی گئی ہے، اور جب یہ ایک دوسرے سے ملا کر بچھا دی جاتی ہیں تو سڑک کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک متوازی خطوط قائم ہو جاتے ہیں جیسے ہو کر بچھڑ اور پانی فوراً موریوں میں پہنچ جاتا ہے۔ جن شیشوں سے یہ سلیں تیار کی گئی ہیں وہ بالکل معمولی شیشے ہیں جو بیکار سمجھ کر پھینک دیے جاتے

ہین، مثلاً شراب کی پرانی بوتلین، مربون کے مرتبان اور دریچون کے پرانے شیشہ کے ٹکڑے، لیکن موجد نے ان سب کو اپنے طریقہ پر گلا کر اسقدر پائدار اور کارآمد بنالیا ہے،

پڑھنے والا آلہ،

برلن کے ایک شخص نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ اگر اس مین ایک اخبار رکھدیا جائے تو وہ اسکو نہایت بلند آواز سے پڑھ سکتا ہے، اسلئے اس ایجاد سے اخباربینی اور مطالعہ مین آنکھون پر مطلق زور نہین پڑتا، بلکہ ایک انسان چپ چاپ لیٹے لیٹے اس آلہ کی زبان سے اخبار و واقعات کو سُن سکتا ہے،

لکڑی کے آلے

اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انسان عصر حجری مین صرف پتھر کے آلے استعمال کرتا تھا، لیکن علم الآثار کے ایک فرنچ عالم نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ اس زمانے مین انسان لکڑی کے آلے بھی استعمال کرتا تھا یعنی پہلے وہ لکڑی کے ہتھوڑے سے پتھر توڑتا تھا پھر اس کو تیز کرکے اُس سے لکڑی کاٹتا تھا اور اس لکڑی سے ضروری آلات تیار کرتا تھا،

رنگ کے اندھے

تین فیصدی آدمی ایسے ہین جو مختلف رنگون کو دیکھکر ان مین تمیز نہین کرسکتے طبی اصطلاح مین یہ لوگ رنگ کے اندھے کہے جاتے ہین، لیکن حال مین اطباء نے ایسے اشخاص کا پتہ چلایا ہے، جنکو ایک رنگ کے سوا دوسرا رنگ نظر نہین آتا، چنانچہ دس آدمی اس مرض مین مبتلا پائے گئے کہ ان کو خاکستری رنگ کے سوا دوسرا رنگ نظر نہین آتا تھا،

مارفیا کا قائم مقام

مارفیا کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اعصاب کو سُن کردیتی ہے، جس سے انسان کو نیند آجاتی ہے لیکن اس مین عیب یہ ہے کہ انسان اسکا عادی ہوجاتا ہے، لیکن حال مین ایک ڈاکٹر نے ایک ایسی جڑی دریافت کی ہے

جو اعصاب کے سن کرنے مین تو مارفیا ہی کی خاصیت رکھتی ہے لیکن انسان اسکا عادی نہین ہوتا ،

نباتات کا طریقہ علاج

نباتات کو جو روگ لگ جاتے ہین، اُن کے علاج سے اطبار عاجز تھے، سرِ دست انھون نے علاج کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ برقی رو سے ان جراثیم کو فنا کر دیتے ہین جو نباتات مین بیماریان پیدا کرتے ہین، اگر یہ طریقہ علاج کامیاب ہو جائے تو نباتاتی امراض کا خاتمہ ہو سکتا ہے، لیکن اطبار کو یہ خوف ہے کہ برقی لہرین شاید ان جراثیم کو بھی فنا نہ کر دین جو نباتات کی زندگی اور نشو و نما کا ذریعہ ہین ۔

رنگ کا اثر صحت پر

صحت پر رنگون کا خاص اثر پڑتا ہے، چنانچہ امریکہ مین بہت سے شفاخانے قائم ہین، جو صرف ان امراض کا علاج کرتے ہین جو رنگون سے پیدا ہوتے ہین۔ دماغی امراض کے اطبار خصوصی کا خیال ہے کہ جو بچے سفید رنگ کے دیکھنے کے عادی ہوتے ہین ان کے جسم و دماغ ان بچون سے زیادہ صحیح ہوتے ہین جو سیاہ اور نیلے رنگون کے دیکھنے کے خوگر ہوتے ہین، ان اطبار کا خیال ہے کہ اکثر مجنون وہی لوگ ہوتے ہین جو بچپن مین سیاہ رنگ دیکھنے کے عادی تھے۔

عالمگیر گھڑی

سوئٹزرلینڈ کے ایک انجینیر نے ایک بڑی گھڑی بنائی ہے جو درحقیقت تیرہ گھڑیون کا مجموعہ ہے، اور اس سے دنیا کے مختلف تیرہ صوبون کے اوقات معلوم ہو سکتے ہین ۔

چور پکڑنے والا آلہ

ایک فرانسیسی موجد نے ایک فوٹوگرافی کا ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو خزانون یا زیورات اور جواہرات کے صندوقون مین ایک مخفی مقام پر رکھ دیا جاتا ہے اور جو شخص خزانہ یا ان صندوقون کو کھولتا ہے خود بخود اس کی تصویر کھینچ لیتا ہے، اس طریقہ سے جو لوگ چوری کرتے ہین، ان کی شناخت مین آسانی پیدا ہوگئی ہے ۔

ہوائی جہاز کی آواز مین کمی،

جو لوگ ہوائی جہازون مین سوار ہوتے ہین، وہ ان کی آواز سے سخت پریشان ہوتے ہین لیکن اب ایک جرمن انجینیر نے اس آواز کی شدت مین اسقدر کمی پیدا کردی ہے کہ کان اسکو برداشت کرسکتے ہین،

ہوا مین کتابت،

جب کوئی شخص کوئی فعل عبث کرتا ہے تو بطور تمسخر کے کہا جاتا ہے کہ وہ پانی یا ہوا پر لکھتا ہے، یعنی ایک ایسا کام کرتا ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہین، لیکن اب ایک ایسا برقی چراغ ایجاد کیا گیا ہے، جس سے فضا کے بادلون پر حروف لکھے جاسکتے ہین، چنانچہ انگلستان مین ایک کمپنی قائم ہوئی ہے، جو اس سے فائدہ اٹھا کر فضا مین تجارتی اعلانات اور سیاسی خبرین شائع کرنا چاہتی ہے،

نظر نہ آنے والی روشنائی،

حال مین یہ معلوم ہوا ہے کہ جنگ عظیم کے زمانہ مین جرمن اسیران جنگ اپنے خطوط مین ایک ایسی روشنائی استعمال کرتے تھے جو نظر نہین آتی تھی، اور اس طریقہ سے وہ پہلے معمولی کاغذ پر جنگ کے متعلق راز کی باتین، اور جاسوسانہ خبرین لکھتے تھے، پھر اسی تحریر کے اوپر معمولی باتین لکھدیتے تھے، اور سنسر ان کو پڑھ کر خط بھیجنے کی اجازت دیدیتا تھا، لیکن جب وہ خطوط جرمنی مین پہنچتے تھے تو اہل جرمن ان کو بعض شعاعون کی روشنی مین پڑھتے تھے، اور وہ مخفی تحریریں ان کو نظر آجاتی تھی،

"ع"

ادبیات

یادِ دہی

از حکیم الشعراء امجدؔ، حیدرآبادی،

موزون نہین گر نغمہ تو فریاد سہی
کچھ بھول گیا ہون مین یہی یاد سہی

جب زینتِ دنیا سے، مرا گھر بھر جائے
جب حرص و ہوا کی مے سے ساغر بھر جائے

احباب بھی ہون، لطف کا سامان بھی ہو
جب عطر بھی ہو، ڈلی بھی ہو، پان بھی ہو

دلچسپ فضا ہو، چاندنی رات بھی ہو
اک ماہ جبین کے ہاتھ مین ہات بھی ہو

جب ناچ بھی ہو، راگ بھی ہو، رنگ بھی ہو
روئی بھی ہو، چقماق بھی ہو، سنگ بھی ہو

جب اڑتے ہون قہقہے ہر اک تال کیساتھ
جب طبلے پہ پڑ رہے ہون قوال کے ہاتھ

جب ہر دلِ مردہ شادمان ہو جائے
جب گھر مرا کشتِ زعفران ہو جائے

جب، مجھکو جہان کے خزانے مل جائین
سارے عالم کے کارخانے مل جائین

جب ہو یہ خیال، "خاک پر کون چلے"
ہو سونے کی اینٹ میرے پاؤن کے تلے

قدمون کا نشان نقشِ تسخیر بنے
لون خاک بھی ہاتھ مین تو اکسیر بنے

جب پھولون کی سیج پر مجھے نیند آئے
جب میرا دماغ عرش تک پہنچائے

کر دے اس وقت، باخبر اے مولا
بس یاد دلا دے اس قدر اے مولا

"بس اتنے ہی نشہ مین یہان چور رہے تو
اصلی ارام سے ابھی دور ہے تو"

۲

ب ٹوٹ پڑے پہاڑ غم کا سر پہ — باقی رہے جب نہ زور، زور و زر پہ
س وقت، کہ رہنما ہی رہزن بنجائے — اس وقت، کہ خاص دوست دشمن بنجائے
ئے کا غریق کو سہارا نہ ملے — ظلمت کدۂ دہر مین تارا نہ ملے
صاب، حصار کرب مین گھر جائین — اسوقت، کہ غم سے تیلیان پھر جائین

جب جل اٹھے غم سے تن کا ذرہ ذرہ
قُل نارِ جہنم اشدُّ حرّا

خونِ جگر

ازحضرت جگر مراد آبادی'

ن بھی مجھے تو حاصل، آرامِ جان نہین ہے — اب تو جو مہربان ہے، دل مہربان نہین ہے
ر داستان ہے اپنی افسانہ ہے کسی کا — شاید مرے دہن مین میری زبان نہین ہے
دکچھ مین دیکھتا ہون، میری نظر سے دیکھو — عینِ مشاہدہ ہے، وہم و گمان نہین ہے
ن اے جمالِ جانان اک اور بھی تجلی — دنیا مری نظر مین ابتک جوان نہین ہے
ماید تری نظر سے کچھ راز دل سمجھ لون — کہتے ہین عشق جسکو میری زبان نہین ہے
ھنے بنادیا ہر ماتم گسار سب کا — اب کسکو پوچھتے ہو، کوئی یہان نہین ہے
رحظ کہہ رہا ہے یہ انقلابِ فطرت — یعنی جہان ابھی تھی، دنیا وہان نہین ہے
رے کرم کے صدقے کرلے، ستم بھی شامل — دل شادمان ہے لیکن غم شادمان نہین ہے

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسائل و اخبار

اردو کے نئے رسالوں اور اخباروں کے متعلق معارف کی یہ روش سالہا سال سے قائم ہے کہ وہ ہر چھ مہینے پر نئے رسالوں اور اخباروں کو یکجا طور پر ناظرین سے روشناس کراتا ہے، اور ہر مرتبہ ان نئے پرچوں کی تعداد اسقدر ہوتی ہے کہ آٹھ دس صفحے انکی نذر ہو جاتے ہیں، اور یہ بظاہر نظر یا اردو زبان اور اردو صحافت کی ترقی کی ایک روشن دلیل ہے لیکن افسوس ہے کہ ان پر حقیقی مسرت کا اظہار نہیں کیا جا سکتا، کہ اولاً تو ان میں بیشتر تعداد ایسے پرچوں کی ہوتی ہے جنکا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ "ادبی" ہیں، اور ادب کا مفہوم اس میں منحصر ہے کہ چند بے معنی اور لغو افسانے چھاپ دیئے جائیں، چند سطروں میں "ادب لطیف" لکھ دیا جائے جو غیر مربوط خیالات، مغلق ترکیبوں، اور بے ڈھنگے لفظوں کا مجموعہ ہو، اور جنمیں بے معنی اور غیر ضروری نقطے اور لمبی لکیریں دیدی گئی ہوں اسی طرح چند غزلیں اور نظمیں چھاپ دیجائیں، خواہ موزوں ہوں یا نہ ہوں، تقطیع درست ہو یا نہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسے رسالے اپنی زندگی کے کتنے دن پورے کر سکتے ہیں، وہ جلد ہی فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، اور پھر جو زندہ بچ رہے، وہ سسکیاں لے لے کر اپنی زندگی کے دن پورے کرتے رہتے ہیں، چند دن مضمون نگاروں سے رسل و رسائل لکھ کر رسالہ جاری کئے رہے، بالآخر مضمون نگار بھی مضامین کہانتک بھیجیں، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اردو ہی کے پرانے رسالوں کے مضامین نقل کرنے پر اتر آتے ہیں یہانتک کہ لوگ نہ صرف رسالوں کے پرانے نمبروں سے بلکہ مستقل مجلدات اور تصنیفات سے صفحے کے صفحے نقل کر کے اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں، سرقہ کی نادر روایت کا عالم ہے کہ اردو کے مشہور ادیب کمال کے مضامین بھی جنپر ہر لکھے پڑھے کی نگاہ بالعموم ہوتی ہے، دوسرے کے ناموں سے چھپ رہے ہیں۔ ہمارے بعض احباب نے رسائل کی ان روایات کا ایک نقشہ تیار کیا ہے، جو حد درجہ عجیب ہے

اردو صحافت کی یہ صورتِ حال، ہماری زبان کے دردمندون کے لیے لائقِ غور ہے، خصوصاً ہم ان علم دوست اور ادب نواز اصحاب سے جو کسی نئے رسالے کے نکالنے کے آرزومند ہون، یہ درخواست کرتے ہین کہ اس اقدام سے پہلے وہ خود اپنے دست و بازو کو تول لیا کرین کہ اس بوجھ کو کہان تک اٹھا سکتے ہین،

اس ششماہی مین بھی حسبِ معمول اسی تعداد مین پرچے نکلے ہین، لیکن اس مرتبہ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ان مین خالص "ادبی" پرچون کی تعداد بہت کم ہے، اکثر پرچے اپنا کوئی نہ کوئی مفید مقصد سامنے رکھکر نکلے ہین، اور جو ادبی پرچے ہین ان مین بعض ہندوستان کے ایسے دور دراز صوبون سے نکلے ہین، جنکا مقصد اردو کی واقعی خدمت ہے، یہ سب نئے رسالے مختلف قسم کے مذہبی، اصلاحی، اقتصادی، تعلیمی، ادبی اور طبی ہین، جو بہ ترتیب درج ذیل ہین،

اصلاح لکھنؤ (ماہانہ) مرتبہ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب، ندوی نگرامی، حجم ۲۴ صفحے، معارف سائز قیمت سالانہ ۲ے، پتہ:- بادشاہ باغ، لکھنؤ،

"اصلاح" لکھنؤ کا وہی دینی و تبلیغی و اصلاحی رسالہ ہے، جس کا ذکر کسی گذشتہ مہینہ کے شذرات مین آچکا ہے، یہ گذشتہ مہینہ سے شائع ہونا شروع ہوگیا ہے، اسکی سرپرستی حضرت الاستاذ مولٰنا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولٰنا عبد الماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ نے قبول فرمائی ہے، پہلے نمبر مین مولٰنا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی نے "ارادۂ اصلاح" کے عنوان سے اس کا افتتاحیہ لکھا ہے، ان کے علاوہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین، مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی، مرتب رسالہ، اور جناب محمد احسن صاحب نگرامی ایڈوکیٹ رائے بریلی کے مذہبی مضامین ہین، اس کا سب سے دلچسپ باب قبولِ اسلام کا ہے، جس مین ہر ماہ کے نئے اسلام قبول کرنے والون کی فہرست مع وجوہ قبول اسلام شائع ہوتی رہیگی، اس رسالہ کا اصل مقصد مسلمانون مین سعی اصلاح اور غیرون مین دعوتِ حق کا فرض انجام دینا ہے، امید ہے کہ دردمند مسلمان اس پرچہ کی خدمت اپنی سعادت سمجھینگے،

حاشیہ صفحہ ماقبل (۱) مولٰنا شبلی کا مقالہ "موبدان مجوس ہندوستان مین" الندوہ مین چھپا تھا، اور رسائل شبلی مین موجود ہے، وہ لاہور کے رسالہ "یادگار" بابت ماہ اپریل ۱۹۳۳ء مین جناب حسان میان اقتدار صدیقی کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ یادگار اسی سال جنوری سے نکلا ہے، اور رسائل کے پچھلے تبصرون مین ان صفحات مین اس کا ذکر آیا تھا،

سمجھکر اس کو اپنے پاؤن پر کھڑے ہونے کا موقع دینگے،

ترجمان القرآن، حیدرآباد، دکن (ماہانہ) اڈیٹر مولنا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، ۲۰، صفحے، لکھائی چھپائی، کاغذ اور تقطیع معارف جیسی، قیمت سالانہ صہ، پتہ:۔ دفتر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن،

حیدرآباد، دکن مین مولوی ابومحمد صاحب مصلح بسرامی کی کوششون سے ایک انجمن "تحریک قرآن" قائم ہوئی ہے، جس کا مقصد تعلیماتِ قرآنی کو عام کرنا ہے، اس انجمن نے چند ماہ گذرے ایک ماہانہ رسالہ ترجمان القرآن جاری کیا تھا جس کی حیثیت محض مختصر تبلیغی رسالہ کی تھی، اب وہی رسالہ دو مہینون سے نئے آب و تاب اور ظاہری و معنوی ترقی کیساتھ مولنا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، مصنف الجہاد فی الاسلام کی ادارت مین نکلنے لگا ہے، اس کا مطمحِ نظر تعلیماتِ قرآنی کو احادیث و آثار کی روشنی مین رکھکر، دورِ حاضر کے اسلوبِ بیان مین پیش کرنا ہے، دورِ حاضر مین ہندوستان کے مختلف گوشون سے "حسبنا کتاب اللہ" کی صدائین بلند ہو رہی ہین، اور حاملِ وحیؐ کے اقوال و آثار اور اسکی تبعِ فیض کے پروانون کے بیانات اس لئے رد کئے جا رہے ہین کہ "مفکرین" کے غور و فکر اور عقل کی میزان پر وہ پورے نہین اترتے، حالانکہ وہی اربابِ فکر اپنے دنیاوی معاملات مین تعزیرات کی دفعات کے سمجھنے مین اسکی شرحون سے کام لیتے ہین اور تعیینِ مفہوم مین عدالت عالیہ کے فیصلون سے نظیر لاتے ہین،

اس بے راہروی کو روکنے کے لیے ایک مستقل ترجمان کی ضرورت تھی، مسرت ہے کہ رسالہ ترجمان القرآن اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عالمِ وجود مین آیا ہے، اسوقت تک اس رسالہ کے دو نمبر چھپ چکے ہین، جو اپنے مضامین کی نوعیت، لب و لہجہ کی متانت، مباحث کی دقت، اور رائے کی اصابت مین اسی صراطِ مستقیم پر گامزن ہے، جسے اِنَّ ہٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ، کہا گیا ہے۔ رسالہ کے مرتب نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ تعلیمات قرآنی یا دوسرے لفظون مین عقائد اسلامی کے متعلق جو شکوک و شبہات پیش کیے جائین گے، ان کے جوابات بھی درج ہونگے،

بشریٰ:۔ مدراس (ماہانہ) اڈیٹر مولنا ابوالجلال ندوی، و مولنا عبدالرزاق (فاضل دیوبند)

حجم ۴۰ صفحے قیمت سالانہ سے، مقام اشاعت نمبر ۱۳ کتابت خان اسٹریٹ، مونٹ روڈ، مدراس،

"بشری" صوبہ مدراس کا واحد ماہانہ اردو رسالہ ہے، جو ماہ جنوری ۳۳ء سے نکلنا شروع ہوا ہے کارکنان رسالہ کے پیش نظر مدراس مین اسلام کی خدمت ہے، مضامین مذہبی، تاریخی اور علمی ہر قسم کے مفید اور دلچسپ ہوتے ہین، سیاسیات کی ترجمانی بھی ہوتی ہے، مذہبی مضامین غور وفکر اور تلاش وتحقیق سے لکھے جاتے ہین، تاریخی مضامین کا معیار بھی کچھ پست نہین، مذہبی ومعاشرتی اصلاح کا ذریعہ افسانون کو بھی بنایا ہے، خدا کرے کہ کارکنان رسالہ اسے ثبات قدمی سے جاری رکھکر مدراس مین مذہب، معاشرت اور زبان کی مفید خدمات انجام دیتے رہین،

محدث، دہلی (ماہانہ) مدیر مولوی عبد الحلیم صاحب ناظم، حجم ۱۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی،

پتہ:۔ دار الحدیث، رحمانیہ، دہلی،

مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے کارکنون نے یہ مختصر رسالہ محض افادۂ علم کے لیے جاری کیا ہے، جسمین چھوٹے چھوٹے مذہبی، اصلاحی، اور تبلیغی مضامین درج ہوتے ہین، نیز مدرسہ کے کوائف بھی شائع ہوتے ہین، کارکنون نے رسالہ کی کوئی قیمت مقرر نہین کی ہے، صرف ۴ رکے ٹکٹ ڈاک کے محصول کیلئے بھیجکر سال بھر تک رسالہ جاری کرایا جاسکتا ہے،

مالیات: پٹنہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید حفظ الرحمن صاحب، حجم ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ سے، دفتر اشاعت دی پریمیر جنرل انشیورنس کمپنی لمیٹڈ، پٹنہ،

صوبہ بہار مین چند نوجوان ہمت اصحاب کی کوششون سے ایک بیمہ کمپنی "دی پریمیر جنرل انشیورنس کمپنی لمیٹڈ پٹنہ" کے نام سے قائم ہوئی ہے، رسالہ مالیات اسی کمپنی کا آرگن ہے، صوبہ بہار کے مخلص رہنما جناب قاضی احمد حسین صاحب سابق ام ال سی، رسالہ کے سرپرست اور اس کمپنی کے جنرل منیجر جناب سید محمد جلیل صاحب رسالہ کی پالیسی کے نگران ہین، رسالہ کا دائرۂ عمل "بینکنگ، تجارت اور بیمہ" کے مباحث ہین، اسکا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۳۳ء نظر سے گذرا، مضامین کی ترتیب اچھی ہے، اولاً "خیالات" کے عنوان سے مالی اور تجارتی مسائل پر نقد ونظر ہے، پھر بینک، بیمہ، تجارت، مالیات، اور بعض تجارتی کمپنیون، بنکون اور ایجنسیون کے طریق کار، ان کے افادی پہلو، مضرات کے

اصلاحات، اور بعض بینکوں وغیرہ کی تاریخ و سرگذشت پر مضامین ہیں۔ مضامین علمی اور اچھے دونوں قسم کے ہیں بعض مضامین میں تشنگی باقی رہ گئی ہے۔ اس طرح ضرورت ہے کہ رسالہ کو مذہبی مباحث سے بچایا جائے۔ اور کسی فرد یا جماعت پر نکتہ چینی کرنے میں اس کے حدود ایسے قائم رکھے جائیں کہ پیرایۂ بیان دلآزار نہ ہو۔ اگرچہ اکثر مضامین کا انداز بیان شگفتہ ہے لیکن بعض جگہ صحت زبان کی خامی ہے، اسی طرح لکھائی کی غلطیاں بھی ہیں۔ رسالہ مصور ہے لیکن پہلے ہی پرچہ میں اپنی آپ تصویر چھاپنا کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔

بہرحال یہ خردہ گیریاں ہیں، اور لائق اعتنا بھی نہ ہوتیں، اگر ہمیں ذاتی طور پر رسالہ کی ترقی کی آرزو نہ ہوتی کہ سرزمین بہار اردو صحافت کے لیے نہایت شور واقع ہوئی ہے، اور یہ ایک اچھا خاصہ ایسا معیاری رسالہ وہاں سے نکل آیا ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے یک گونہ اردو زبان میں منفرد ہے، ہمیں جناب قاضی سید احمد حسین اور سید محمد جلیل صاحب کی توجہ اور ہمت سے توقع ہے کہ یہ رسالہ اپنا مستقل وجود قائم کریگا۔

مالک امروہہ (ماہانہ) مدیر جناب محمد نبی خاں صاحب قادری، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ

پتہ:- امروہہ، مرادآباد، یوپی۔

مدرس، انجمن اصلاح مسلم مدرسین یوپی کی سرپرستی میں نکلا ہے، مختصر تاریخی اور ادبی مضامین کے علاوہ تعلیمی مسائل پر بھی مضامین ہوتے ہیں، ایجوکیشنل کوڈ یوپی کا اردو ترجمہ اس رسالہ میں بالاقساط چھپ رہا ہے۔

معصوم، رنگون (ماہانہ) نگراں جناب [illegible] صاحب ایم اے، حجم ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- مکان نمبر ۶۰، گلی نمبر ۴۲، رنگون (برما)۔

رسالہ معصوم ہندوستان کے اس دور دراز صوبہ سے نکلا ہے جسے آجکل جغرافی وسیاسی وجوہات سے ہندوستان سے الگ کئے جانے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ اور یہ دراصل زبان اردو کی مقبولیت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ رسالہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لیے ہے۔ درسی کے لائق مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں، مضامین بیشتر معلومات اور سبق آموز ہوتے ہیں، رسالہ ایک سال سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔

زبان ہند، کراچی (ماہانہ) اڈیٹر جناب ہرگوبند پرشاد نگم ایم اے، دہلوی، حجم ۵۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ/

پتہ:- جونا مارکیٹ، کراچی، (سندھ)

"زبان ہند" سندھ کا غالباً واحد اردو رسالہ ہے، جو ایک باہمت ہندو اہل قلم کی ادارت میں اس مقصد وحید کیساتھ نکلا ہے کہ اردو زبان ہندوستان کی واحد مشترکہ زبان ہے، اسلئے اسکو بلا تفریق مذہب و ملت سب میں رائج کرنا چاہئے، اس کا پہلا نمبر بابت ماہ جنوری ۳۳ء سامنے ہے، اس میں جناب روشن صدیقی امروہوی نے "سندھ میں اردو" کو دکھایا ہے اور ولی، ضیاء الدین ضیا اور باقر شہید کے اسمار پیش کرکے اردو زبان کی تعمیر میں صوبہ سندھ کے حصہ کو نمایان کیا ہے، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کو زندہ رکھا جائے کہ سندھ مین اردو کی مفید خدمت انجام پائے،

افسانہ لاہور (ماہانہ) حجم ۶۴ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ عہ/ پتہ:- پوسٹ بکس نمبر ۴۶ لاہور

"افسانہ" اسم بامسمیٰ ہے، اس کے دو پرچے دیکھنے مین آئے، اسکو آنریبل کپتان سر سردار سکندر حیات خان کی سرپرستی حاصل ہے، شاید اسی مناسبت سے اس کے پہلے پرچہ مین ملک کے اکابر اور مشاہیر ادب کے بکثرت پیغامات افسانہ کے استقبال مین شائع ہوئے ہین، رسالے کے پہلے پرچہ کے مدیر جناب نذیر نیازی بی اے۔ تھے، لیکن دوسرے پرچہ سے اسکی ادارت جناب ملک محمد اسلم خان ایم اے، (کیمبرج) بیرسٹرایٹ لا، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ایم اے پی ایچ ڈی اور جناب سید عابد علی صاحب عابد ایم اے کے ہاتھون مین آئی ہے، مضمون نگارون کی فہرست مین ملک کے اچھے افسانہ نویس پریم چند وغیرہ شامل ہین، اور مضامین مین افسانے یا افسانون پر تنقیدین ہوتی ہین اور افسانون مین یورپ کے مشہور افسانہ نویسون کے افسانون کے ترجمے زیادہ ہوتے ہین، توقع کیجا سکتی ہے کہ اگر رسالہ جاری رہا، اور اسی طرح اسکو قلمی معاونین ملتے رہے تو ایک کامیاب ادبی رسالہ ثابت ہوگا،

میخانہ، لکھنو (ماہانہ) اڈیٹر جناب اسد انصاری، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ/ پتہ:- پارچہ والی گلی، لکھنو

"میخانہ" کچھ دنون پہلے جاری ہوکر بند ہوگیا تھا، اب نئے اہتمام سے پھر نکلا ہے، یہ ایک ادبی رسالہ ہے جسمین

چند غزلیں اور چند افسانے ہوتے ہیں، تیمنا کو ایک مجذوب صفت کہنہ مشق شاعر خواجہ عزیز (سابق ڈپٹی کلکٹر حال ڈپٹی انسپکٹر مدارس یوپی) کی نذر ہوگئی ہے، اکثر پرچہ میں ان کا کلام نظر آتا ہے،

اقبال وزیرآباد (ماہانہ) مدیر جناب تبسم قریشی حجم ۴۸ صفحے قیمت درج نہیں، پتہ: وزیرآباد (پنجاب)

"اقبال" ایک ادبی رسالہ ہے، جو ڈاکٹر سر اقبال کے اسم گرامی سے معنون اور جناب خان بہادر نواب احمد یار خان دولتانہ ایم ال سی کی سرپرستی میں جاری ہوا ہے، افتتاحیہ میں جو اشارات کے نام سے ہے، سیاسی مباحث پر بھی رائے زنی کی گئی ہے، مضامین نظم و نثر اچھے خاصے ہیں،

معیار، کلکتہ (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب ڈاکٹر فیض قادری، و جناب ابراہیم شاد، ۴۰ صفحے قیمت سالانہ عہ،

پتہ:- ۳ امرتلہ لین، کلکتہ،

یہ بھی ایک ادبی رسالہ ہے، جو مشرقی ہند میں اردو رسالوں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے نکلا ہے، بنگال کے شعراء اور ارباب ادب اردو کا تذکرہ اس میں خصوصیت سے ہوگا، پہلے پرچہ میں بنگالی زبان کے مسلمان شاعر قاضی نذر الاسلام کے سوانح اور ترجمہ کلام درج ہے،

علم و عمل لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب کویراج ہرنام داس بی اے ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- بالمقابل اڈہ تانگہ لوہاری، لاہور،

یہ ایک ادبی اور معاشرتی اصلاح کا رسالہ ہے، رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیجاتی ہے، بعض مضامین دلچسپ اور مفید ہیں

جوہر مرادآباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب فاضل چغتائی، ۴۰ صفحے قیمت سالانہ عہ، پتہ:- ادبی محل مرادآباد،

مولانا محمد علی مرحوم کی یادگار میں جوہر کے نام سے ایک رسالہ اس سے پہلے نکل چکا تھا، اب اسی نام سے یہ دوسرا رسالہ نکلا ہے، اس کا چھٹا نمبر بابت ماہ اپریل ۳۳ء سامنے ہے، مضامین سطحی قسم کے ادبی ہیں، ایک مضمون مولانا محمد علی پر بھی ہے، اور ایک صفحہ پر انکی ایک غزل انہیں کے ہاتھ کی تحریر کے عکس میں شائع ہوئی ہے،

حاذق، دہلی (ماہانہ) مدیر جناب حکیم سید محمد حسن صاحب رضوی، و جناب حکیم سید عبدالرحمن صاحب، صفحے

قیمت سالانہ عہ پتہ :- قرول باغ، دہلی،

یہ ایک طبی رسالہ ہے جسکو طبیہ کالج دہلی کے بعض فارغ التحصیل طلبہ نے فن طب کی خدمت کیلئے نکالا ہے، رسالہ کو طبیہ کالج کے بعض سابق اساتذہ کی قلمی امداد بھی حاصل ہے، رسالہ کی ترتیب اچھی اور مضامین گو مختصر مگر پڑھنے کے لائق ہین، اطبا و غیر اطبا دونون فائدہ اٹھا سکتے ہین،

تبصرۃ الاطبا، لاہور (ماہانہ) حجم ۲۴ صفحے قیمت سالانہ سے پتہ:- فلیمنگ روڈ، لاہور،

رسالہ تبصرۃ الاطبا پانچ چھ اڈیٹرون کی ادارت مین نکلا ہے، اور ان مین سے ہر ایک کو ممتاز القاب و انتسابات مثلاً "بقراط زمان" "حکیم حاذق" "ممتاز الاطبا" "زبدۃ الحکما" وغیرہ سے یاد کیا گیا ہے، مضامین مین طب قدیم و جدید دونو کے متعلق ہین،

اس ششماہی مین ذیل کے چند نئے اخبارات ہمین موصول ہوئے،

دستور، دہلی، (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب آزاد دہلوی، ۳۰ صفحے قیمت سالانہ سے ہر پرچہ ۲ر پتہ :- کوچہ چیلان، دہلی،

"دستور" دہلی سے، دہلی کے ہفتہ وار اخبار ریاست کے طرز اور اسی تقطیع اور ترتیب پر نکلا ہے، یہ اخبار اس حیثیت سے قابل قدر ہے کہ سیاسیات مین اسکی رائے آزادانہ ہے، اسلامی حقوق کی صحیح نمایندگی کیساتھ وطن کی حقیقی خدمت بھی اس کے مدنظر ہے، اسی طرح اسکے افسانون علمی اور تعلیمی مضامین، نظمون غزلون اور معلومات کے صفحے بھی اچھے اور پڑھنے کے لائق ہوتے ہین، جو مختلف مستقل عنوانون سے شائع ہوتے ہین، اس سے اردو کی اسلامی صحافت مین ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

خادم کلکتہ (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب میر حشمت علی افقتلی، حجم ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ار، پتہ :- نمبر ۵ گنگا دھر بابو لین، کلکتہ،

"خادم" کو سیاسی اخبار کہنے کے بجائے، ہفتہ وار رسالہ کہنا زیادہ موزون ہوگا، جس نے دین و دنیا کو اپنے دو گوشون مین یکجا کرنا چاہا ہے، ایک طرف مذہب کا حامی، زبان اردو کا خادم، اردو کے شعر و ادب کا نامہ ہے، اور دوسری طرف فلم اسٹیج کا مبلغ ہے، اس مین انہی موضوعات پر مسلسل اور مختصر مضامین، شذرے، اور افسانے

نکلتے ہین،

صداقت، سری نگر، (ہفتہ مین دوبار) اڈیٹر جناب عبدالرحیم ایم اے، ال ال بی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۳ پتہ :- سری نگر کشمیر

"صداقت" مسلمانانِ کشمیر کا ترجمان ہے، اس نے اپنا مسلک یہ بتایا ہے کہ "وہ تحریک کشمیر کا سچا حامی، حکومت کشمیر کا بہترین مشیر، اور برادرانِ وطن کا معاون و مددگار ہوگا، مسلمانون کے حقوق کی پاسبانی کریگا، اور کشمیر کی مختلف قومون مین یگانگی اور اتحاد پیدا کرنے کی بھی کوشش کریگا۔

الواحد، بجنور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب عبدالوحید صاحب، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۰/۴ قیمت سالانہ

سے ہر پرچہ ۱ پتہ :- الوحید پریس، بجنور، یوپی،

الواحد کے اجرا کا مقصد غیر فرقہ وارانہ طور پر ملک کی خدمت کرنا بتایا گیا ہے، اس کا ایک نمبر دیکھنے مین آیا، خبرون کا انتخاب معقول ہے، اور بعض مضامین بھی دلچسپ ہین،

مطبوعاتِ جدیدہ

م زندگی، تصنیف جناب بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، حجم ۳۰۰ صفحے،

ت :- صرف پتہ :- منیجر ہمایون، المنظر، ۲۳ لارنس روڈ، لاہور،

ن بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، ایک ایسے خوش مذاق مغربی تعلیم یافتہ ہین، جنھین اردو ادب
عطا ہوا ہے، موصوف اپنی گوناگون مصروفیتون کے باوجود اپنے ادبی رسالہ ہمایون کو ایک رفتار سے چلا رہے ہیں،
ہر اشاعت مین ان کے قلم کی کوئی نہ کوئی گلکاری ضرور ہوتی ہے، وہ اکثر چھوٹے چھوٹے جملون اور فقرون مین
خیالات اور غور و فکر کے انمول موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیتے ہین، "طلسم زندگی" انھی گلہاے رنگارنگ کا ایک
آویز گلدستہ ہے، جو اپنی ظاہری و معنوی دونون حیثیتون سے دلفریب اور قابلِ قدر ہے،
ختصر مضامین اپنی اپنی مناسبت سے مختلف عنوانون "مناظر" "صداے روح" "آئینۂ دل"، "جد وجہد" "سرگوشیان"
"پریشان" مین منسلک کردیئے گئے ہین، اور گویا ان مین سے ہر عنوان "طلسم زندگی" کا ایک مفتاح باب ہے،
ایک ایک رنگین اور منقش صفحہ سے ہوتا ہے، کتاب دبیز آرٹ پیپر پر اس اہتمام سے چھپی ہے کہ شاید سعئ جستجو
ساری کتاب مین ایک داغ اور دھبہ نظر نہ آئے، اسی طرح مضامین کی مناسبت سے تقریبًا ۲۰، ۲۲، رنگین
ہین، جنھین سے اکثر مشہور نقاشون اور مصورون کے کمالات کی ممنون ہین،

لیکن ہمارے نزدیک کتاب کی اس ظاہری زیبایش و آرایش سے زیادہ لائقِ ذکر ایک مغرب پسند کی مشرقی
ہے، قلم مغربی ہے، مگر زبانِ قلم سے جو بات نکلی ہے، وہ مشرق کے خیالات مین ڈوبی ہوئی ہے، انھی چند سطور
مین مشرقی خیالات کی ترجمانی، مشرقی تہذیب کی ستایش، مشرق کے اخلاق و موعظت کے حکیمانہ اصول،
تہذیب و تمدن کی دلپذیر تصویر کا جلوہ نظر آتا ہے، نمونہ کے لیے، "چند بند" اور "چند بند (جدید اڈیشن)"

اور نئی اور پرانی دنیا" دیکھیے، اسی طرح فطرت انسانی کی صحیح مصوری اور معاشرت انسانی کی صحیح نقاشی" بڑے آدمی" "رشتہ دار" اور "خوش قسمت کون ہے" وغیرہ میں نظر آتی ہے، اور پھر مناظر "صدائے روح" "آئینہ دل اور جذر و جذ" وغیرہ مصنف کے تخیلات کی بلندی، جذبات کی مصوری، انسانی فطرت شناسی، اور روح کی پاکیزگی کی آئینہ دار ہیں، اور اگر خردہ گیری کیجائے، تو خامیاں کہاں نہیں، لیکن ایک بے داغ، صاف ستھری چھپی ہوئی کتاب پر خردہ گیریوں سے دھبے لگانا شاید ذوق و لطافت کے بھی خلاف ہو،

سیرت رسول اللہ، تالیف جناب سید نواب علی صاحب، ضوی، ایم اے، ایجوکیشن ممبر اسٹیٹ کونسل حجم ۴۰۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت قسم اول ۴؎ قسم ثانی ۳؎، دارالمصنفین سے مل سکتی ہے،

اس کتاب کے مؤلف ہمارے نئے تعلیم یافتون میں، اردو سیرت کے سب سے پہلے مصنف ہیں، اب جبکہ موصوف کے علم و تحقیق کا مرتبہ پہلے سے بہت بلند ہو چکا ہے "سیرت رسول اللہ" کے نام سے ایک اور کتاب لکھکر پیش کی ہے، اس کی تالیف میں مؤلف نے سیرت کے قدیم ماخذون کے علاوہ یورپ کے اہم مخالفین اسلام کی تصنیفات کو بھی سامنے رکھا ہے، جو سیرت پر اس وقت تک لکھی گئی ہیں، اور پھر اس طور پر اپنی تالیف مرتب کی کہ مخالفین کے اعتراضات بغیر الجھے ہوئے، دفع ہون، اور اصل حالات آئینہ ہو جائیں، اور اس طرح آنحضرت صلعم کی سیرت کے تقریباً تمام ابواب نقد و نظر کے ساتھ اجمالاً روشناس کر دیئے ہیں، اور سیرت کے مسائل ہم کو غور و فکر اور استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ مؤلف موصوف اسے اردو میں لکھنے کے بجائے انگریزی زبان میں لکھتے کہ انگریزی زبان میں ایسی سیرتوں کی زیادہ ضرورت ہے، البتہ اس کا افسوس ہے کہ مصنف نے مخالفین کے اعتراض کے خوف سے سیرت کی بعض ایسی روایتون سے انکار کرنا مناسب سمجھا ہے جنکو اب تک صحیح سمجھا جاتا رہا ہے، اور ان کی کمزوری تحقیق سے اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے، اگر یہ کتاب اس عیب سے خالی ہوتی تو بہت خوب ہوتی،

زندگی، از جناب ملا رموزی، حجم ۲۰۳ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عہ پتہ:- جناب محمد دستگیر صاحب تاجر کتب چوک، حیدرآباد دکن،

جناب ملا رموزی مزاحیہ مضمون نگاری مین خاصی شہرت حاصل کرچکے ہین "زندگی" انہی کے چند فکاہی مضامین کا مجموعہ ہے، جو اکثر رسالون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، ابتدا مین ملا صاحب نے ایک دیباچہ منسلک کیا ہے، جس مین اردو زبان مین ظرافت نگاری" پر تبصرہ کیا ہے، ملا صاحب اپنے مضامین مین علاوہ اس حصہ کے جو" درمدح خود میگویم" کا مصداق ہوتا ہے، ہنسی ہنسی مین بعض کام کی باتین کہہ جاتے ہین، خصوصاً ان کی نظر گھریلو زندگی اور مجلسی معاشرت دونون پر رہتی ہے، اور اس لحاظ سے ان کی تحریر سے معاشرتی اصلاح کی خدمت بھی انجام پاتی ہے،

روح جذبات، حجم ۷۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ رتبہ :- جناب عشرت رحمانی، دفتر رسالہ نیرنگ دہلی،

جناب اکبر حیدری، اردو کے روشناس ادیب اور شاعر ہین، ان کی چند نظمون اور غزلون کا مجموعہ "روح جذبات" کے نام سے شائع ہوا ہے، اکبر حیدری کی شاعری مین تخیل آفرینیان ہین، اور وہ جو کچھ کہتے ہین اسے وہ اپنے عزم و یقین اور ترتیب و توازن کے ساتھ پیش کرتے ہین، طریقۂ ادا سلیس اور سادہ ہے، مغلق اور بے معنی فارسی ترکیبین نظر نہین آتین، اگر خردہ گیری کیجائے تو خامیان بھی نظر آئینگی ہمارے نومشق اردو شعرا، اس مجموعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، اکبر حیدری کی شاعری پر مجموعہ کی ابتدا مین چند اہل قلم کی دو دو لفظون مین تقریظین ہین، اگر اس مجموعہ کو ان دو لفظی تقریظون سے معرا رکھا جاتا تو مناسب ہوتا،

نظام الفوائد، حصہ اول و دوم، از مولوی ابوالحسن محمد صابر صاحب اعظمی، مدرسہ مظہر العلوم بنارس، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۰۳، ۱۸۹ صفحے، قیمت ہر ایک کی ۷ر، مولف سے مل سکتی ہے،

نظام الفوائد، فارسی قواعد کا رسالہ ہے، حصہ اول مین صرف کے مسائل ہین، اور آخر مین پورا آمدنامہ نقل کیا گیا ہے، اور دوسرے حصہ مین نحوی مسائل درج ہین، مسائل کو سلجھا کر بیان کیا گیا ہے، اور متعدد مثالون سے واضح کیا گیا ہے، زبان آسان اور طرز ادا سہل ہے، رسالہ بچون کے پڑھانے کے لائق ہے،

"ر"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول: جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت للعہ

حصہ دوم: جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت للعہ

گل رعنا: اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور انکے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت [illegible] از مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم

مکاتیب شبلی: مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں ان کے قومی خیالات اور حیات شبلی اور ادبی نکتے ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم قیمت جلد اول [illegible] جلد دوم [illegible] ضخامت حصہ اول [illegible] صفحے و دوم [illegible] صفحے

موازنہ انیس و دبیر: اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible]

کلیات شبلی اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچھلے سال بعہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے قیمت [illegible]

افادات مہدی: ملک کے نامور انشاپرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس، کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت [illegible] ضخامت [illegible] صفحے

سرگذشت ادب ترکی: جس میں ترکی ادب کی مختصر تاریخ [illegible]

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس ارکان دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایہ فخر اس کے رسول کے احوال پاک اور کلمات طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۂ نبوی ہے اردو زبان میں اس وقت بالاتفاق سب کا علم اور تحقیق پر سیرۂ نبوی میں وہ کتاب ہے جس کو دارالمصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد للہ، اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، دو زیر تصنیف اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلہ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم، ضخامت ۵۶۱ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ سے ؎ للعہ، تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از [illegible] تا [illegible] جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہے، طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۵۱۴ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عہ، طبع دوم تقطیع خورد، ضخامت ۸۰۴ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس مع[…] کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسف[…] قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ، اور قرآن مجید سے […] نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور ا[…] بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائک[…] رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے پھر وہ آیات و معج[…] ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے بعد ازاں وہ ہیں جو صح[…] روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایا[…] کی تنقید کا باب ہے اور اس کے بعد وہ بشارات نبوی […] صحف سابقہ میں موجود ہیں اور جنکے حوالے قرآن مج[…] حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب [ہے…] تقطیع کلاں، ضخامت ۵۹۹ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ […] سے، طبع دوم تقطیع خورد، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کا[غذ…]

ایضاً جلد چہارم، منصب نبوت کی […] قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صحیح سا[…] کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلی [اللہ علیہ وسلم کا] پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر [تفصیلی] اور حکیمانہ بحث، ضخامت ۸۰۰ صفحے، قیمت با[ختلاف] کاغذ [illegible] تقطیع کلاں،

مینجر [illegible]

ملنے کا پتہ:-

مینجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

جلد ۳۲ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۳ء | عدد ۲

مضامین



شذرات

گذشتہ شذرات میں بعض غلطیاں رہگئی ہیں، جنکی اصلاح مناسب ہوگی، ورنہ آگے چل کر وہ شاید تاریخ کی غلطیاں نہ بنجائیں، مولٰنا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر وفات کے وقت یاد سے ستاون برس لکھدی گئی تھی، مگر اُنکے رفقاے خاص سے یہ معلوم ہوا کہ انسٹھ برس تھی، اسی شذرہ کے آخر میں "علم و حرفت" چھپ گیا ہے، حالانکہ وہ "علم و معرفت" ہے، امید ہے کہ ناظرین اسکو قلم سے درست کر لینگے،

منشی محبوب عالم مرحوم کے تذکرہ میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ اردو کے پہلے روزانہ اخبار کے بانی اور اڈیٹر تھے، اس سے مراد مسلمانوں میں تھی، یعنی اردو کے پہلے اسلامی روزانہ اخبار کے وہ بانی اور اڈیٹر تھے، اردو میں منشی نولکشور لکھنؤ کا اودھ اخبار اُن کے اخبار سے پہلے نکلا تھا، اور اب تک نکل رہا ہے،

اسدفعہ احباب کے اصرار پر جلسۂ سیرت کے موقع پر بڑودہ جانا پڑا، اعظمگڈھ سے ۲ جولائی کی شام کو نکل کر لکھنؤ اور دہلی میں بارہ بارہ گھنٹے ٹھہر کر ۵ جولائی کی رات کو ۹ بجے بڑودہ کے دارالریاست میں پہنچا، اسٹیشن پر ریاست کے نمایندہ مسٹر کلکر اور دوسرے مسلمان احباب نے خیر مقدم کیا، ریاست کے مہمان خانہ میں ٹھہرنے کی جگہ ملی، دوسرے دن ہز اکسلنسی دیوان بہادر کے زیر صدارت بڑودہ کالج کے بڑے ہال میں جلسہ منعقد ہوا، میں نے اور دوسرے مسلمان اور ہندو مرہٹہ مقرروں نے اپنے اپنے انداز میں سیرۃ نبوی کے موضوع پر تھوڑی تھوڑی تقریریں کیں، تیسرے دن جمعہ کے روز شہر کی جامع مسجد میں بعد نماز میری ایک اور تقریر ہوئی،

بڑودہ ہندوستان کی بڑی ترقی یافتہ ریاستوں میں ہے، آج سے ۲۲ برس پہلے جب میں نے حضرۃ الاستاذ مرحوم کے زیر سایہ ندوہ کی انجمن اشاعت اسلام کا کام شروع کیا تھا، تو یہاں آیا تھا، اس وقت وہاں کے مشہور مسلمان رئیس نواب صدر الدین خاں مرحوم جنکے صاحبزادوں سے میرے عزیزانہ اور برادرانہ تعلقات تھے، اور ہیں، زندہ تھے، مرحوم نے اس وقت اردو کا سب سے بڑا کتبخانہ جمع کیا تھا، اور جامع مسجد کے کونے کی تعمیر ختم ہو رہی تھی، اب وہ ان کا اردو کتبخانہ اسی جامع مسجد میں انکے صاحبزادوں نے منتقل کر دیا ہے، مگر افسوس کہ وہ مقفل پڑا رہتا ہے، اور کسی کو اس سے استفادہ کی توفیق نہیں ملتی،

ریاست بڑودہ کی آبادی چوبیس لاکھ ہے جسمیں پانچواں حصہ مسلمانوں کا ہے، خود شہر کی ایک لاکھ کی آبادی میں بیس ہزار مسلمان ہیں، الغرض یہاں بیس فیصدی مسلمان آبادی ہیں، تاہم آپکو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ یہاں ایک بھی خاص مسلمانوں کا اسکول نہیں مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک انجینیرنگ انسٹی ٹیوٹ ہے جس سے اسوقت تک گیارہ سو لڑکے کامیاب ہوچکے ہیں، مگر ان میں مسلمان صرف آٹھ دس تھے جنمیں سے تین ریاست سے باہر کے تھے، یہی سبب ہے کہ بیس فیصدی اسلامی آبادی ہونے کے باوجود ریاست کی ملازمت اور مناصب اور عہدوں میں مسلمانوں کا نام ونشان نہیں ہے، مسلمان اپنی غفلت کا الزام ریاست پر ڈالتے ہیں کہ وہ ہماری تعلیم کیطرف توجہ نہیں کرتی ہمکو بڑودہ کے بیدار مغز مہاراجہ کیساتھ جو حسن ظن ہے اسکی بنا پر یہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ خود انکی ریاست کی بے توجہی سے وہاں مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے، حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ بڑودہ کی ریاست کی تعمیر میں مسلمان امیروں اور سپاہیوں کی تلواروں کو بھی دخل ہے،

اگر لکھنؤ کو باغوں کا شہر کہا جاسکتا ہے، تو بڑودہ کو کتبخانوں اور مدرسوں کا ملک کہا جاسکتا ہے، ریاست کے پورے طول و عرض میں متحرک کتبخانوں، مکتبوں اور مدرسوں کا جال پھیلا ہے اور گجراتی کی ابتدائی تعلیم ہندو مسلمان سب کے لئے جبری ہے، شہر میں ایک عام کتبخانہ ہے، ایک خاص سنسکرت کا مشرقی کتبخانہ ہے، ایک متحرک کتبخانوں کا مرکزی کتبخانہ ہے، یہاں کے کتبخانوں کی عمارت، ترتیب اور تقسیم سب امریکی نظام پر ہے، اور حق یہ ہے کہ آج تک یہاں سے بہتر طریق پر کوئی کتبخانہ نظر نہیں آیا، سب سے بڑے کتبخانہ کی الماریاں منزل بہ منزل لوہے کی چھڑوں اور تختوں سے بنائی گئی ہیں اور ہر منزل کی چھت دبیز شیشہ کی بنی ہے، تاکہ نیچے کی منزل میں بھی روشنی پہنچ سکے، اور کتبخانہ آتش زنی سے محفوظ رہے، اس وقت ریاست کے مرکزی کتبخانہ کے ماتحت پینتالیس بڑے اور آٹھ سو کے قریب چھوٹے کتبخانے ہیں، اور تقریباً ہر سال چار لاکھ کتابیں پڑھی جاتی ہیں،

بڑودہ سے بھڑوچ، اور وہاں سے راندیر، راندیر سے سورت، وہاں سے انکلشور، انکلشور سے ڈابھیل، اور ڈابھیل سے سورت ہوکر دہلی اور لکھنؤ کے راستہ سے ۲۶؍ جولائی کو اعظم گڈھ واپسی ہوئی، ہر جگہ ایک دو تقریریں کرنی پڑیں، بھڑوچ دریائے نربدا کے کنارے وہ مقام ہے جہاں ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بحر عرب کی راہ سے نربدا میں داخل ہوکر مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ پہنچا تھا، اسکے ساحل پر پہنچکر تاریخ کا وہ مرقع آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا، اور بے اختیار چند مصرعے موزوں ہوگئے،

راندیر گجرات کے دیندار تاجروں کا مرکزی وطن ہے، یہاں کی مسجدوں کی شان وشکوہ کو دیکھکر [illegible] تاجروں کے

قصے یاد آگئے جنکا الف لیلہ میں ذکر ہے، ۱۸ مسجدیں ہیں، اور اکثر بڑی مسجدیں شروع سے آخر تک سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی موزوں ترکیب سے بنائی گئی ہیں، جامع مسجد، مسجد قوۃ الاسلام اور مسجد چار واڑ بہترین مسجدیں ہیں، اور اپنی صفائی اور ستھرائی میں ہندوستان بھر میں بے نظیر معلوم ہوئیں، پالنپور اسلامی آبادی ہے، مگر اسکے اندر بہترین میونسپلٹی، بہترین سڑکیں، اور ہر جگہ سڑک پر برقی روشنی کا انتظام ہے، مسجدیں برقی پنکھوں سے راحت رساں، اور برقی روشنیوں سے منور ہیں، ان ظاہری سامانوں کیساتھ باطنی حیثیت سے بھی یہ مسجدیں نمازیوں سے آباد نظر آئیں، نوجوان مسلمانوں کی ایک خاص مجلس ہے جس کے ارکان باہمت ہیں، محفل اسلام نام ایک مجلس ہے جسنے اردو، عربی، انگریزی اور گجراتی کا اچھا خاصہ کتبخانہ جمع کیا ہے، ایک گوشہ میں ایک پرانا مزار بھی ہے جو حسب دستور ایک گنبد کے نیچے چادروں اور غلافوں میں لپٹا ہوا، مزوروں کے جھرمٹ میں ہے اور جسکی نسبت کہاجاتا ہے کہ یہ کسی تابعی یا تبع تابعی کا ہے، بھڑوچ اور سورت اور راندیر میں ایسی مسجدیں نظر آئیں جنکی تاریخیں پانچویں صدی کی بتائی جاتی ہیں، اور کہیں دروازوں پر لکھ بھی دیگئی ہیں، راندیر میں ایک عربی مدرسہ محمدیہ بھی موجود ہے، جس میں یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ اسمیں قدیم عربی کیساتھ جدید عربی بھی سکھائی جاتی ہے،

ڈابھیل سورت سے ایک دو اسٹیشن بعد ایک گاؤں ہے جہاں کے دو تاجر ملکر اس ستارہ کو جو دیوبند کے نظام شمسی سے چند سال پہلے ٹوٹا تھا، یہاں اٹھا لائے ہیں، ہر قسم کی عمارتیں، مسجد، کتبخانہ، مہمان خانہ، دار الحدیث اور دار الطلبہ غرض چند پُرخلوص تاجروں کی فیاضی سے بے منت غیرے چھ برس کے عرصہ میں بنکر تیار ہوگئی ہے، صرف مدرسہ کی خاطر بجلی کی روشنی کا خاص اہتمام ہے، مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولنا سراج احمد صاحب، مولنا ادریس صاحب اور دوسرے فاضل علما درس میں مصروف ہیں، اور تین سو کے قریب طالب العلم ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے زیر تعلیم ہیں، گجراتی اور اردو کے مکتب الگ ہیں، جائے وقوع گاؤں سے باہر میدان میں ہے، خوش فضا منظر، سکون کا مقام اور اسٹیشن سے جسکا نام مرولی ہے چار پانچ میل دور ہے، گجرات کے خاص طالب العلم بھی یہاں آرہے ہیں، ہم کو توقع ہے کہ انشاء اللہ یہ چند سال میں گجرات کا دار العلوم ہوجائیگا،

اس دور دراز سفر کے ہر مقام میں جو پایۂ تخت دہلی سے سینکڑوں میل دور ہے، یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ ہماری پچھلی اسلامی حکومت کے دھندلے نشان اب بھی در و دیوار سے نمایاں ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کے وہ پچھلے خاندان آباد ہیں جنکو سلاطین دہلی نے جاگیریں دے دیکر ہر جگہ بسایا تھا، اور تعلیم و تدریس، یا قضا، یا ہدایت و رہنمائی کی غرض سے جابجا آباد کیا تھا، وہ اب تک اسی طرح آباد ہیں، انہیں سے ہر خاندان میں نسلی کتبخانوں کا سرمایہ پرانے تمدن کی یادگاریں ہیں، وہ آبادی میں امتیاز خاص رکھتے ہیں، شہر اور قصبہ میں قاضیوں اور عالموں کے خاندان آباد ہیں، جو اب تک اپنی حیثیت کو سنبھالے ہوئے ہیں، لیکن تا کے؟ ضرورت ہے کہ یہ لوگ اپنے ماحول کی ضرورتوں کو سمجھیں اور زمانہ کے تقاضوں کو پورا کریں،

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر　　مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے،

مقالات

لاہور کا ایک فلکی آلات ساز

ناظرین کو یاد ہوگا کہ چند ماہ پہلے ہم نے اپنے شذرات میں جرمنی کے ڈاکٹر فان کلیوبر کے ایک خط کا ذکر کیا تھا، جس میں موصوف نے اپنے ایک فلکی کرہ کے بنانے والے ضیاء الدین محمد کا حال دریافت کیا تھا، ذیل میں ہم پہلے موصوف کا خط درج کرتے ہیں، اور اس کے بعد اس کے متعلق جو کچھ پتہ لگ سکا ہے، اسکو حوالۂ قلم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی صاحبِ علم کچھ نئے معلومات پیش کریں گے تو ہمارے شکریہ کا باعث ہوگا

نقل خط ڈاکٹر فان کلیوبر

"جناب محترم — میرا قصد ہے کہ ایک فلکی کرہ کے متعلق جو برلن کے عجائب خانہ میں ہے کچھ لکھوں، اس کرہ پر ایک تحریر ہے جس میں بنانے والے کا نام، تاریخ، اور مقام درج ہے، میں تحریر کا عکس اس خط کیساتھ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں،

چاہتا ہوں کہ اس کے بنانے والے کے متعلق تفصیلات معلوم کروں، کہ یہ کون شخص تھا؟ کیا کوئی مشہور مہندس یا منجم ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس کا زمانہ کیا تھا؟ میں یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا کوئی تعلق آپکے ملک کے رئیس جے سنگھ سوائی سے تو نہیں تھا جو خود بڑا نجومی تھا؟

یہاں جو کتابیں مجھے مل سکیں ان میں ان باتوں کا پتہ نہ چل سکا، مجھے بعض ہندوستانی دوستوں نے بتلایا کہ اگر آپ کو لکھوں تو ضرور کچھ سراغ لگ سکیگا، میں بہت ممنون ہونگا اگر آپ براہ کرم مجھے معلومات

سے مجھے مستفید فرمائیں، مجھے بڑی ہی خوشی ہوگی اور یقین ہے کہ ایشیائی تمدن سے ہماری محبت اور

شغف میں اس سے اضافہ ہوگا، اپنی سیاحتوں میں میں خود بھی اس تمدن کا دلدادہ بن چکا ہوں،

آپ کا

فان کلیو بر،

ضیاء الدین محمد اسطرلابی ہمایونی لاہوری

اسطرلابی عربی علم ہیئت کی درسگاہوں میں جو آلاتِ فلکی عام طور سے استعمال کئے جاتے تھے، ان میں سب سے مشہور کرہ اور اصطرلاب ہیں، ان میں سے کرہ کی ضرورت صرف تعلیم میں پیش آتی ہے، وہ روزمرہ کے استعمال کی چیز نہیں، مگر اصطرلاب سے چونکہ آفتاب کا ارتفاع اور دوسرے ستاروں کا اندازہ لگاتے ہیں، اسلیے یہ ہیئت اور فلکیات کے عالموں، منجموں اور جوتشیوں کے روزانہ استعمال میں آتا ہے، اور اسلئے یہ زیادہ متداول ہے، اور اسی بنا پر آلات فلکی کے بنانے والوں کا لقب بھی متاخرین میں اسطرلابی مشہور ہوگیا ہے، کہ کرہ کی نسبت "کروی" شخصیت کے بجاے شکل کی نسبت میں اصطلاحاً مستعمل ہے، اس لیے وہ کاریگر اور صناع کے نام کے لیے غیر موزوں قرار دیا گیا ہے، اور "اسطرلابی" چونکہ اصطلاح میں کسی شکل کا نام نہیں، نہ ہیئت کی کسی اور اصطلاح سے متصادم ہے، اس لئے اس آلہ کی طرف انتساب سے فلکی آلات کے بنانے والے کا لقب بنایا گیا ہے،

ہمایونی یہ ہمایونی ہمایوں کی طرف نسبت ہے، جو آلِ تیمور کے سلسلہ میں ہندوستان کے تیموری فاتح بابر کا جانشین تھا، سلاطین آلِ تیمور کو علوم ہیئت سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، تیمور کے پوتے مرزا الغ بیگ المتوفی ۸۵۳ھ نے سمرقند میں مشہور رصدخانہ قائم کیا، جس میں اس عہد کے مشہور علمائے ہیئت قاضی زادہ رومی، غیاث الدین جمشید اور علی بن محمد قوشجی نے تحقیقات کیں، اور اس میں جو زیج لکھی گئی اس کا نام زیج الغ بیگی رکھا گیا، بابر نے اپنی تزک میں اس رصدخانہ کے کھنڈروں کا ذکر کیا ہے،

بابر کا بیٹا ہمایوں جس کے نام کی طرف اصطرلاب کی نسبت ہے، نجوم و ہیئت کے علوم کا ماہر و عالم تھا، ملا بدایونی

نے منتخب التواریخ میں جو ۱۰۰۴ھ کی تالیف ہے، ہمایون کے حال میں لکھا ہے،

"در علوم نجوم وہیئت وسائر علوم غریبہ بے نظیر" (جلد اول ص۴۶۸ کلکتہ)

فرشتہ میں ہے،

"در علم ریاضی علم مہارت می افراشت، مدام صحبتش با علما و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس، ومسائل علمی مذکور می شد" (جلد اول، مقالہ دوم ص۲۴۳ نولکشور)

بادشاہ نے ہیئت کا یہ فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں [illegible] تھے، (ان کا حال بدایونی نے منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۳۱ مطبوعہ کلکتہ میں لکھا ہے)

عراق و ایران کے قیام کے زمانہ میں حکمت وہیئت کے علوم کے دو ماہر علما ایک وہی الیاس اردبیلی مذکور، اور دوسرے شیخ ابوالقاسم جرجانی بادشاہ کے ساتھ تھے اور اسوقت بھی جب بادشاہ ہندوستان کا تخت کھوکر آوارۂ غربت تھا، ان دونوں دانشوروں سے قطب شیرازی المتوفی ۷۱۰ھ کی فاضلانہ کتاب درۃ التاج کا جو فارسی میں حکمت نظری و عملی پر مشتمل ہے، درس جاری تھا (مآثر رحیمی ص۶۱۲ جلد اول کلکتہ و اکبرنامہ دفتر اول ص۲۴۳ نولکشور)

اکبرنامہ میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے، ہمایون ایران کے سفر کے دوران میں جب تبریز پہنچے تو بیگ محمد اختہ بیگی نام اپنے ایک نوکر سے کہا کہ یہ پرانا شہر ہے یہاں "کرہ" تلاش کرو، کرہ فارسی میں گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غلط بیانی کو دیکھکر ہنس پڑا، ابوالفضل نے اس واقعہ کو ان لفظوں سے شروع کیا ہے،

"چون بہ تبریز نزول فرمودند ازانجا کہ توجہ اقدس باصطرلاب وکرہ وسائر آلات رصدی درجہ کمال داشت ....." (ص۲۴۱ نولکشور)

خود بادشاہ علما کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، بادشاہ کے مصاحب [illegible] (المتوفی ۹۹۴ھ) نے جو اس فن کے ماہر تھے، بادشاہ ہی سے اس فن کا درس حاصل کیا تھا [illegible]

"ملا نور الدین ترخان نوری سفیدونی جاگیردار سفیدون از توابع سندھ در علوم ہندسی و ریاضی و نجوم و حکمت ممتاز

واز اجلۂ مصاحبان ہمراز پادشاہ مغفرت پناہ بود" جلد ۳ ص ۱۹۷)

مآثر الامراء (جلد اول ص ۴۷۲ کلکتہ) مین مولٰنا نور الدین ترخان کے حال مین ہے :

"مولانا بفضل و کمال و شجاعت و سخاوت اتصاف داشت، و بہ ہیئت و ہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود

. . . . . و صحبتش با جنت آشیانی (ہمایون) کوک گشتہ از جلہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی

گردید . . . . گاہے پادشاہ ازو استفادۂ علوم میکرد، وگاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب

ہمایونی کہ درین فن مہارت تمام داشت استفاضہ می نمود"

بادشاہ کو ہیئت و فلکیات سے جو ذوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ترکی امیر البحر جو سلطان سلیمان خان کی طرف سے گجرات کے بندر سے پرتگیزون کو نکالنے آیا تھا، اور جسکا جہاز تباہ ہوا، اور اس کو بالآخر خشکی کی راہ سے ہندوستان، ایران اور عراق کے راہ سے اپنے ملک کو واپس جانا پڑا، اس نے اپنے سفرنامہ مرآۃ الممالک مین ہمایون سے ملاقات کے سلسلہ مین اس کے نجوم و فلکیات کے شوق کا تذکرہ کیا ہے، ہمایون چاہتا تھا کہ ترکی امیر البحر جو خود بھی فلکیات کا ماہر تھا، وہ ہمایون کے پاس سے نہ جائے، مگر امیر البحر مذکور نے جانے پر اصرار کیا، اس پر بادشاہ نے اس شرط پر رخصت دی کہ

"برسات کے تین مہینون کے گذرنے کے بعد جنمین راستے ناقابل گذر ہوتے ہین، مین جا سکتا ہون،

اس اثنا مین چاند اور سورج کے گرہنون کا حساب کرتا ہون، اور وہان کے نجومیون کو آفتاب کی گردش

اور خط استوار کے نکات کے پڑھنے مین مدد دون . . . . . . مین کام مین مصروف ہو گیا

اور نجومی مشاہدات ختم کئے" (باب ہشتم ترجمۂ مرآۃ الممالک پروفیسر ویمبری)

ہمایون کی بہن گلبدن بیگم جس نے ہمایون کے حال مین ہمایون نامہ لکھا ہے، اس مین ایک موقع پر مذکور ہے کہ ہمایون نے خود ایک شادی کے لیے اسطرلاب اٹھا کر ستارون کی گردش معلوم کر کے تاریخ سعید مقرر کی،

"غرضکہ بعد از چہل روز در ماہ جمید الاول ۹۴۸ھ در مقام پاتر روز دوشنبہ نیم روز بود کہ استرلاب را

حضرت پادشاہ بدست مبارک خود گرفتہ اند و ساعت سعد اختیار کردہ" (صفحہ ۱۵۹ منتخب)

ہمایون کو ریاضیات اور آلاتِ ریاضی سے اسقدر انس تھا کہ اس کے رفیق سپہ سالار بیرم خان خانخانان نے کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا ہے، اسمین اصطرلاب سے تشبیب کی ہے،

مطلع قصیدہ کہ درباب اصطرلاب گفتہ[1]

آن چرخ چیست کامدہ بر محورش مدار — آن مرکز میانہ شہابش کند گذار

بآنکہ می کند ہمہ دخور برابری — آمد بجان ز حلقہ بگوشان شہریار

تا دیدہ چشم کوکبۂ آفتاب را — چون مہچۂ لوای شہنشاہ نامدار

پیوستہ آسمان و زمین زیر حکم دست — ہمچون نگین خاتمش از جم قرار

برکف نہادہ خوان زری پر ز اشرفی — تا بر قدوم اشرف شاہان کند نثار

شاہ بلند قدر ہمایون کہ از شرف — بر درگہش سپہر نہد روی افتقار

اس قصیدہ مین چرخ، محور، مدار، بدر، شہاب، ماہ، خور (آفتاب)، حلقہ، آفتاب، آسمان، زمین، شرف سپہر، اسی فن ہیئت اور اصطرلاب کے اصطلاحات ہین۔

عام طور سے مشہور ہے کہ ہمایون کتبخانہ کے زینہ سے گر کر مرا تھا، واقعہ یہ ہے کہ پرانی دہلی مین شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ۹۵۰ھ مین بہت بلند سہ منزلہ ایک عمارت بنوائی تھی، اسکی تیسری منزل پر ایک برجی بنی ہے جو تمام عمارتون سے اونچی ہے، بادشاہ نے اس عمارت کو غالباً پیلے کتبخانہ بنا دیا تھا، اسے یہ اونچی عمارت اپنی بلندی کے سبب کسی قدر رصد خانہ کا کام دیتی، جس شام کو وہ گرا ہے اُس شام کو خیال تھا کہ ستارہ زہرہ طلوع ہوگا۔ بادشاہ دو ریاضی دانون کیساتھ مباحث مین مصروف تھا، در حقیقت زہرہ کے طلوع کا منتظر تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی، بادشاہ بیٹھکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینے سے پھسل کر گرا، اور زخمی ہوا، اور اس زخم سے جانبر نہ ہوا، اکبر نامہ میں ہے"

---

[1] بدایونی ج ۱ ص ۴۶۲ کلکتہ ۱۸۶۸ء آثار الصنادید سرسید مرحوم ص ... دہلی ...

وآخرہاے روز بربالاے بام کتبخانہ رفتہ . . . . . . جمعے از ریاضی دانان راطلب فرمودند

وآن شب منظر طلوع زہرہ بودمی خواستندکہ ملاحظہ فرمایند[1]، الخ

اس بادشاہ کے تمام کام فلکیات اور نجوم کے اصول پر ہوتے تھے، دربار کے دنون مین کامون کی تقسیم بھی علم نجوم کی مناسبت سے تھی، غیاث الدین خوندمیر نے ہمایون نامہ مین اور ابوالفضل نے اکبرنامہ مین ان دنون کی تقسیم اور انکے مناسبات نجومی کی پوری تفصیل کی ہے[2]، دربار اور خیمہ وخرگاہ کی ترتیب بھی فلکیات ہی کے اصول سے ہوتی تھی، دربار کے لیے خیمے ایسے بنوائے تھے، جو یونانی ہیئت کے نودن آسمانون کی پوری نقل تھے، ہر آسمان مین جو ستارے ہین، ان کے نمونے اسمین بنے تھے،

ہمایون کو اس قسم کے اختراعات سے بڑی دلچسپی تھی ایک "بساط نشاط" بنایا تھا اس بساط مین فلکی دوائر اور کرات عناصر بنائے تھے، پہلا جو فلک اطلس کی طرف منسوب تھا، سپید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا مشتری کی مناسبت سے صندلی، پانچوان مریخ کے تعلق سے لال، چھٹا آفتاب کی مناسبت سے سنہرا، ساتوان زہرہ کے سبب سے سبز، اٹھوان عطارد کے تعلق سے سوسنی، نوان چاند کی مناسبت سے سپید، اس کے بعد اربعہ عناصر کے نقشے تھے، ان مین سے کرۂ خاک مین ساتون اقلیمون کے نقشے تھے، نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ اہل نجوم نے خاص کیا ہے، اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، اسی طرح بارہ برجون کا ایک خیمہ بھی بنوایا تھا کئی جگہ رصد خانون کے بنانے کا ارادہ کیا، اور بہت سے آلات رصد ترتیب دیئے تھے[3]، انھیں آلات رصد مین سے ایک اصطرلاب بھی ہے،

مارچ و مئی سنہ ۱۹۰۹ء مین یعنی آج سے چوبیس پچیس برس پہلے الندوہ مین مین نے "مسلمان اور علم ہیئت" پر ایک مضمون لکھا تھا، اس مین سب سے پہلی دفعہ مین نے ضیاء الدین ہمایونی اصطرلابی کا ذکر کیا تھا، اس سلسلہ مین مین نے لکھا تھا،

"ہندوستان مین اصطرلاب کا رواج ہمایون نے دیا، ہمایون علم ہیئت مین نہایت ماہر تھا، اُسنے ایک

---

[1] اکبرنامہ نولکشور ص ۳۹۹ و مآثر رحیمی جلد اول ص ۶۰۹ کلکتہ [2] دیکھو الیٹ کی تاریخ ہند جلد ۵ ص ۱۱۶، [3] اکبرنامہ دفتر اول،

خانہ ساز تھی، اصطرلاب بنایا تھا جس کو اصطرلاب ہمایونی کہتے ہیں، چنانچہ ندوے کے کتب خانہ میں جو ایک قدیم اصطرلاب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے "عمل ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد اصطرلابی ہمایونی لاہوری سنہ ۱۰۵۹ھ"

افسوس ہے کہ میرے اس مضمون میں اس بیان کا حوالہ مذکور نہیں، اس وقت ہر چند میں نے اس کے حوالے جا بجا کتابوں میں تلاش کئے، مگر اب تک کامیابی نہیں ہوئی ہے، علامہ غلام حسین جونپوری جو ہو سنہ ۱۲۵۰ھ نے جامع بہادر خانی میں لکھا ہے، کہ "صناعان متاخرین نے اصطرلاب میں یہ اصلاحیں کی ہیں"، کیا عجب کہ ان متاخرین سے اسی ہمایونی اصطرلاب کی طرف اشارہ ہو،

ہمایوں کی خدمت میں جو صناع فلکیات کے یہ آلے اور نقشے اور کرے بناتے تھے، ان کے نام تاریخوں میں جگہ نہیں پا سکے ہیں، صرف ایک مولانا مقصود ہروی کا نام آئین اکبری میں ہے کہ

"از پرستاران جنت آشیانی (ہمایوں) بود . . . . . اصطرلاب و کرہ و دیگر چند چیزہا ساخت کہ کارویدگان را شگفت در آورد" (ج ۱ ص ۳ نولکشور)

ضیاء الدین اور اسکا خاندان ضیاء الدین اور اس کے خاندان کا کوئی پتہ ہم کو اب تک تاریخوں اور تذکروں سے نہیں چلا ہے لیکن ضیاء الدین اور اس کے باپ قائم محمد کے بنے ہوئے کروں اور اصطرلابوں پر اس کے نام و نسب کا جو سلسلہ لکھا ملتا ہے، اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ضیاء الدین کا پردادا الہداد ہمایوں کے عہد کا صناع تھا، اور جو ہمایونی طرز کے کرے اور اصطرلاب تیار کرتا تھا، ضیاء الدین اور اس کے باپ قائم محمد کے حسب ذیل مصنوعات کا پتہ مجھ کو لگا ہے

قائم محمد کا بنایا ہوا ایک اصطرلاب کلکتہ میں قاضی عبید[1] صاحب کے پاس ہے، اس اصطرلاب پر حسب ذیل کتبہ ہے:

"عمل قائم محمد بن عیسیٰ بن الہداد اصطرلابی ہمایونی سنہ ۱۰۳۲ھ"

---

[1] [illegible] کلکتہ کے ایک پرانے خاندان کی یادگار میں ان کے اصطرلاب کی اطلاع پروفیسر محفوظ الحق پریسیڈنسی کالج کلکتہ نے بھیجی ہے،

اسی اصطرلاب کے دوسرے گوشہ پر ہے "سنہ ۲۱ جلوس جہانگیری"

اس کا بنایا ہوا ایک کرہ فلکی بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ مین ہے، اس پر یہ عبارت درج ہے،

۲۔ " صنعۃ اقل العباد قائم محمد ابن عیسیٰ ابن اللہداد اسطرلابی لاہوری ہمایونی" سنہ ۱۰۴۷

کرہ کی دوسری جانب یہ عبارت کندہ ہے،

" تمت این کرہ مکمل مشتمل بیک ہزار و بست و دو کواکب ثوابت کہ جمیع از ان چہل و ہشت صورت مرصودہ نمودہ اند، اہل (؟) علما و حکما، تنجیم چنانچہ مرصود رصد مرزا الغ بیگ است، و بر تقویم ہر کوکب ثابتہ سہ درجہ زیادہ کردہ ایم بحساب حکمار علمار این فن تا باین تاریخ سنہ ۱۰۴۷ھ"

یہ کرہ خالص پیتل کا بنا ہوا ہے، ہر کوکب کے پاس چاندی کی کیل ہے، اور ہر برج کی شکل بھی بنی ہوئی ہے، اور برجون کے پاس اس طرح سے جڑی ہین کہ انکی شکلین متوہم ہوجاتی ہین،

قائم محمد کے بیٹے ضیار الدین محمد کے بنائے ہوئے حسب ذیل کرون اور اصطرلابون کا حال ہم کو معلوم ہوا ہے جنکو ہم سنہ کی ترتیب سے نیچے درج کرتے ہین،

۱۔ اس کی بنائی ہوئی سب سے قدیم صنعت ایک فلکی کرہ ہے، جو اس وقت پھلواری ضلع پٹنہ مین مولوی یوسف صاحب رضوی کے پاس ہے، یہ کرہ خالص پیتل کا ہے، اور ہر ستارہ کے پاس چاندی کی ایک کیل گڑی ہے تین پاؤ پختہ وزن ہے، اس خاندان مین یہ کرہ سنہ ۱۲۳۸ھ سے چلا آرہا ہے، کرہ پر حسب ذیل عبارت[1] نقش ہے،

"عمل ضیار الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ، ابن ملا اللہداد، اسطرلابی، ہمایونی لاہوری، فی سنہ ۱۰۵۰ھ"

۲۔ اس کے بعد اس کی بنائی ہوئی دوسری چیز ایک اصطرلاب ہے، جو اس وقت ندوۃ العلمار کے کتبخانہ مین ہے، اس اسطرلاب پر نام و تاریخ اس طرح ہے،

"عمل ضیار الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسی بن شیخ اللہداد اصطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۱۰۵۹ ہجری"

---

[1] اس کرہ کی واقفیت کے لیے ہم مولوی سید احمد عروج، ہاشمی، صدر منزل، مہندرو، پٹنہ کے ممنون ہین،

۳۔ اس کا بنایا ہوا دوسرا اسطرلاب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کے کتب خانہ (حبیب گنج ضلع علی گڑھ) میں ہے، اسکی عبارت اور تاریخ یہ ہے،

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد ابن قائم محمد ابن ملا عیسی ابن شیخ الله داد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۱۰۶۴ ہجری"

۴۔ اسی سال کا بنایا ہوا اسکا کرہ رامپور میں ایک حکیم صاحب کے پاس تھا اور جو اب طبیہ کالج علی گڑھ میں ہے، اس کا حلقہ ٹوٹ گیا ہے، مگر کرہ سالم موجود ہے، اس پر یہ عبارت ہے،

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسی ابن شیخ الله داد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۱۰۶۵"

۵۔ اس کی چوتھی فلکی یادگار وہ کرہ ہے جسکا حال ڈاکٹر کلو بر نے ہم کو لکھ کر اس کے فوٹو کے ساتھ بھیجا ہے، یہ کرہ ہے، جو اس وقت جرمنی کے پایہ تخت برلن کے عجائب خانۂ انسانی میں ہے، اس پر کتبہ یہ ہے،

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسی ابن شیخ الله داد اسطرلابی ہمایونی لاہوری، فی سنہ ۱۰۷۰ ہجری"

اس کے بعد ۱۰۷۴ھ کے بنائے ہوئے اس کے چار اسطرلابوں کا حال ہم کو معلوم ہے جو اس وقت یورپ اور ہندوستان میں موجود ہیں،

۶۔ ایک مولانا ابو بکر صاحب جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) کے پاس ہے، یہ نسبۃً چھوٹا ہے اور اس پر عبارت یہ ہے:۔

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن شیخ الله داد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۱۰۶۶ھ"

۷۔ دوسرا ریاست رامپور کے شاہی کتب خانہ میں ہے، اس کے حروف کہیں کہیں سے گھس گئے ہیں جو پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں[1]،

[1] اس اطلاع کے لیے ہم مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی، ناظم کتبخانۂ شاہی رامپور کے ممنون ہیں،

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد . . . فی سنہ ۱۰۴۲ھ"

۸ - اس سنہ کا تیسرا اصطرلاب وہ معلوم ہے جو سنہ ۱۹۳۱ء کے ایرانی فنون کی نمایش منعقدہ لندن (پرشین آرٹ اگزبیشن) مین پیش ہوا تھا، اور جسکا ذکر نمایش مذکور کی مطبوعہ فہرست صفحہ ۱۹۳ مین موجود ہے، اس پر یہ عبارت کھدی تھی[1]

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد اسطرلابی ہمایونی لاہوری، فی

سنہ ۱۰۴۲ ہجری"

فہرست مذکور کے مرتب نے الہداد کے نام کے پڑھنے مین غلطی کی ہے، اس ہندوستانی نام کو جو "الہ" اور "داد" کا مجموعہ ہے، اور جس کے معنی عطیۂ الٰہی کے ہین، "الحدّاد" پڑھا گیا ہے، جس کے معنی عربی مین "لوہار" کے ہین، اور پیتل کی صناعی کی مناسبت سے شاید یہ الحدّاد موزون سمجھا گیا ہے، مگر یہ صریحًا تحریف ہے،

۹ - اسی سنہ کا بنایا ہوا اسکا چوتھا اصطرلاب جو بہت بڑا ہے، بانکی پور لائبریری مین ہے، عبارت یہ ہے:

"عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۱۰۴۲ھ"

نتائج | اوپر کے معلومات اور کتبون کی بنا پر حسب ذیل نتیجے برآمد ہوتے ہین،

ان لوگون کا وطن لاہور (پنجاب) تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، ضیاء الدین، اس کا باپ قائم محمد، اس کا باپ ملا عیسیٰ، اس کا باپ ملا شیخ الہداد، کتبون کی عبارت اور لفظ "ملا" کے لقب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفت علم سے آراستہ تھے، بدایونی مین ایک شیخ الہداد لنگرخانی لاہوری کا حال ان لفظون مین ہے،

"منسوب بمحلہ ایست از لاہور (محلۂ لنگرخان لاہور کا ایک محلہ ہے) دراکثر علوم متداولہ ماہر و متبحر . . . . . وبدرس مشغول است، ہرگز بخانۂ ارباب بیمروت دنیا نرفتہ واز ملوک حاجت نخواستہ و مدد معاش نگرفتہ، عمرش قریب بہشتاد است۔"

بدایونی نے اپنی کتاب سنہ ۱۰۰۴ھ مین لکھی ہے، اس حساب سے ان شیخ الہداد کی پیدایش تقریبًا سنہ ۹۲۴ھ ہوئی،

[1] اسکی اطلاع بھی ہم کو پروفیسر محفوظ الحق نے دی ہے،

اور ہمایون کی حکومت کا زمانہ ۹۳۷ھ سے ۹۶۳ھ تک ہے، اس بنا پر یہ ہمایون کے سامنے پچیس تیس برس کے جوان ہونگے، تاہم ان کو وثوق کیساتھ ضیاء الدین کا پردادا شیخ الہداد نہین کہا جا سکتا،

ضیاء الدین اور اس کے بزرگون کے نامون کو سلاطین کے نامون کیساتھ ملانے سے یہ نسبت پیدا ہوتی ہے۔

۱- شیخ الہداد،	۱- بادشاہ ہمایون (۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء - ۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء)
۲- ملا عیسی	۲- بادشاہ اکبر (۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء - ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء)
۳- قائم محمد	۳- بادشاہ جہانگیر (۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء - ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء)
	۴- بادشاہ شاہجہان (۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء - ۱۰۶۸ھ / ۱۶۶۵ء)
۴- ضیاء الدین محمد،	۵- بادشاہ عالمگیر (۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء - ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء)

ان مین سے دو کی تاریخین ہم کو ملی ہین، اور وہ دونون اس قیاس کے مطابق ہین، قائم محمد کے بنے اسطرلاب کی تاریخ ۱۰۳۳ھ سنہ ۲۱ جلوس جہانگیری ہے، اس کے دوسرے کرہ کی تاریخ ۱۰۴۲ھ ہے، اس سے ثابت ہے کہ اس نے جہانگیر اور شاہجہان کا زمانہ پایا ہے،

ضیاء الدین کے پہلے کرہ پر ۱۰۵۸ھ اور آخری کامون پر ۱۰۷۴ھ منقوش ہین، جس سے اس کے عمل و صنعت کا زمانہ کم از کم سترہ برس تو بالیقین ہے،

ان لوگون کا اس کثرت سے آلات بنانا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ لوگ علمائے مدرسین علم ہیئت کے مرشد نہ تھے بلکہ پیشہ ور کاریگر تھے، ایک ایک سال مین کم از کم چار چار اصطرلاب یا کرے بناتے تھے، جیسا کہ ۱۰۶۷ھ مین اسکے ایک اصطرلاب اور ایک کرہ، اور ۱۰۷۴ھ مین اوس کے چار اصطرلابون کا پتہ ہمکو معلوم ہے،

ڈاکٹر کلوبر کا یہ شبہہ کہ ضیاء الدین یا اس کے کرہ کو راجہ جے سنگھ سوائی کے رصدخانہ سے تو کوئی تعلق نہ تھا، بے بنیاد ہے، رصدخانہ کی تعمیر محمد شاہ کے حکم سے راجہ جے سنگھ رئیس جے پور و صوبہ دار آگرہ و مالوہ نے ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۴ء مین کی تھی، یعنی برلن کے کرہ کی ساخت کے چھیاسٹھ برس بعد اور ضیاء الدین کے پہلے بنائے ہوئے کرہ (موجودہ بھنوری ضلع پٹنہ) کی ساخت کے [illegible] بعد

وجودِ روح "رجحانِ نئے نقطۂ نگاہ" سے

از

جناب محمد اصغر صاحب، انصاری، بی اے بھوپال

(۲)

اہل سائنس کی تحقیق نے مادئین کے اس نظریہ کو بالکل ہی کمزور کر دیا ہے کہ اس عالم میں مادہ اور مادہ کے اشکال کے سوا کچھ نہیں ہے، ہاں اس میں شک نہیں کہ ہم صرف مادہ ہی کے واسطے سے اس کائنات سے باخبر ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ نتیجہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کائنات تمام تر مادہ ہی مادہ ہے یا مادہ اس کائنات کی اصل اول ہے اگر ہم نے ایسا خیال کر لیا تو اس کے معنی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ ہم اصل محرک کو اسکی علامتوں اور نشانیوں سے خلط ملط کر دیتے ہیں، اسکی مثال تو یہی ہو گی کہ ایک مقناطیسی برق پیما کی سوئی کا پھرنا ہی دراصل برق کی حقیقت ہے، اگر ہم کو ایک لوہے کا ٹکڑا حرکت میں نظر آئے تو اس سے ایک مقناطیسی حلقہ (MAGNETIC FIELD) کا وجود تو ثابت ہوتا ہے، لیکن کوئی صاحب عقل سلیم یہ نہیں کہہ سکتا کہ خود یہ آہنی ٹکڑا ہی کوئی اصل شے ہے یقیناً ہم اپنے آپ کو ایک بہت ہی غلط راستہ پر ڈالدینگے اگر مقناطیس و برق کی حقیقت اور اصلیت کو صرف اسی مادہ کے مظاہر و حرکات ہی تک محدود کر دیں لیکن کسقدر افسوس ہے کہ ذی حیات اجسام کے مطالعہ میں ان مادیئین کا یہی رجحان پایا جاتا ہے کہ یہ حرکات ہی زندگی کی اصل حقیقت ہیں، حالانکہ یہ تو صرف زندگی کی علامات ہیں، بذاتِ خود زندگی نہیں، ہمارے دماغ کے اندر جو عمل کیمیائی ہوتا ہے اور جو عناصر و سالمات کا باہمی تغیر ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ خیال کا باعث نہیں ہے بلکہ خیال اس تغیر کا باعث و موجب ہے،

گذشتہ بیانات کا خلاصہ یہ ہوا کہ مادّہ بذاتِ خود بیجان اور بیکار ہے یعنی وہ خود ان اثرات کا تابع ہے

جو "خلا" سے اس تک پہنچتے ہیں، اگر اس پر کوئی بیرونی قوت عمل نہ کرے تو نہ اس میں کوئی حرکت پائی جائے گی اور نہ اپنی کسی حالت وکیفیت کو بدلنے کی وہ کوئی اہلیت رکھتا ہے، جس قدر تغیرات بھی ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ دراصل "خلا" کی ایک غیر معلوم قوت کا عمل ہے، اسی نتیجہ کی تائید مزید زمین کی کشش ثقل، برقیات، مقناطیسیت اور "نور" کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے، کچھ عرصہ پہلے اگر اہل علم کی کسی مجلس میں یہ دعویٰ کیا جاتا کہ مادہ بذاتہ جامد محض ہے تو شاید اس کا جواب بے التفاتی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا، لیکن آج ہر ماہر طبیعیات کے لیے یہ ایک روزمرہ کی بات ہے کہ روشنی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خلا کی ایک غیر معلوم کیفیت کا نتیجہ ہے، برق و مقناطیس اور جذب وکشش کے جملہ مظاہر دراصل کسی ایسی ہی قوت کا اثر ہیں جو مادہ کے واسطہ سے عمل کر رہے ہیں، یعنی آج پورے وثوق اور یقین کیساتھ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ مادہ میں زندگی کی حرکت، مادہ کا کوئی ذاتی وصف نہیں ہے بلکہ یہ چیز باہر سے آتی ہے،

آئیے، انھیں متذکرۂ بالا نتائج کو ہم اُن مظاہر حیات پر منطبق کریں جو اجسام عضوی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اسی تشریح کے ماتحت مظاہر حیات محض مادہ کے مرہون منت نہیں ہیں بلکہ جس طرح غیر عضوی اور غیر ذی روح اجسام میں مادہ پر ایک ایسی دوسری قوت عامل ہوتی ہے جو اس مادہ سے بالاتر ہے، اسی طرح ہمارے دماغ کے اندر بھی جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ کسی ایسی ہی قوت متصرفہ کے باعث ہوتا ہے جو ہمارے دماغ کے مادی وجود پر عامل ومتصرف ہے اور اس بنا پر ہمارے دماغ کے سالمات وجواہر، خلایائے دماغی اور ہمارا نظام عصبی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اُس قوت مدبرہ کے ظہور کا ایک ذریعہ و آلہ ہے جس کی حقیقت سے ہم ناواقف ہیں اور جسکا ہم ابتک کوئی علمی نام بھی نہیں رکھ سکے، اس قوت مدبرہ کا براہ راست ہم کو کوئی علم نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ ان مادی مظاہر ہی کے واسطے سے ہمارے علم میں آتی ہے جنکا ہم نظام عصبی، مراکز دماغی وغیرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن مادہ کے اوپر عمل کرنے والی قوت کا شعور و ادراک براہ راست ہم کو نہیں ہوتا، یہ چیز تو صرف استدلال واستخراج ہی کی بنا پر سمجھی جا سکتی ہے، اور جس طرح ہم ایک برقی میدان کے خواص وکیفیات کو صرف ان آثار

سے اخذ کرتے ہیں جو کسی برق یا جسم پر مرتب ہوتے ہیں اور جسطرح ہم برق اور مقناطیس کی اصلیت کا پتہ انھیں اثرات سے چلاتے ہیں جو اجسام مادی پر مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح ہم اس حیات بخش قوت کے وجود کو ان اثرات ہی سے اخذ و مستنبط کرتے ہیں، جنکو ہم مظاہر زندگی سے تعبیر کرتے ہیں، یہ قوتِ حیات دراصل بنیادی چیز ہے جس کی بنا پر انسان کی دماغی مشین کی توجیہ و تشریح تو کیجا سکتی ہے لیکن خود اس قوتِ حیات کی تعبیر دماغی مشین کے ذریعہ ہرگز نہیں کیجاسکتی، ہمارا یہ میلان کہ یہ مادی مشین ہی اپنے اندر ابتدا و اولیت رکھتی ہے، واقعات وحقائق کی زد میں مفتوح ہوتا جاتا ہے، آج سے پہلے ہم عفونت کا سبب یہ سمجھتے تھے کہ مادہ میں عمل کیمیائی کے باعث تخمیر و عفونت پیدا ہوتی ہے لیکن پاسٹیور (PASTEURE) کی تحقیقات نے اس نظریہ کو بالکل لغو ثابت کر دیا ہے، عفونت و تخمیر محض کیمیائی عمل نہیں ہے بلکہ ان تمام مظاہر کا سبب "زندہ جراثیم" کا وجود ہے، انھیں کے باعث یہ خرابی پیدا ہوتی ہے،

۵۰۔ اسی قسم کے شواہد و تجربات کی بنا پر پروفیسر وہائٹ فیلڈ (WHITEFIELD) جیسے مشہور و مستند طبیعی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک ذی حیات عضو ثابت کیا جا سکتا ہے،

الغرض اصل چیز ہمارے جسم و دماغ کی ساخت نہیں ہے بلکہ وہ قوتِ متصرفہ ہے جو جسم و دماغ کی اس مشین کو چلاتی ہے، اسی قوتِ متصرفہ کو ہم روح کے نام سے پکارتے ہیں، گو ہنوز یہ اصطلاح اہلِ سائنس میں رائج نہیں ہوئی ہے،

گذشتہ بیانات سے اس قدر واضح ہو گیا ہے کہ یہ نظریہ کہ انسانی روح کی حقیقت سوائے مادّہ کے اور کچھ نہیں، قطعاً بے بنیاد ہے، اور ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے شواہد اور دلائل معدوم ہیں لیکن ہنوز دو ایک شبہات اس سلسلۂ بحث میں ایسے باقی رہگئے ہیں جنکا جواب دینا لازمی ہے،

یہ تسلیم کر لینے کے بعد بھی کہ ہمارے دماغ کی اندرونی ترکیب و ساخت اور اس کا عمل مادی سالمات کا ذاتی عمل نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی غیر معلوم چیز کا نتیجہ ہے جسکو قوتِ ایتھر وغیرہ ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے

اور گو اس پتھر یا قوت وغیرہ کے متعلق یہ نہ کہا جا سکتا کہ وہ مادی ہے لیکن بہر صورت یہ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس طرح یہ غیر معلوم قوت ہمارے دماغ کے باہر اس عالم ظاہر میں کارفرما ہے، اسی طرح ہمارے دماغ کے اندر کارفرما ہے، اسلئے اس سے یہ نتیجہ صراحتہً اخذ ہوتا ہے کہ ہمارا نفس اور یہ عالم مشہود دراصل ایک ہی جنس سے ہیں یعنی وہی غیر معلوم قوت ہی ان دونوں چیزوں کا باعث اور ان کے عمل و ظہور کا موجب ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ہم (نفس انسانی) اصلاً اس عالم ظاہر سے مختلف ہیں واقعہ کے خلاف قرار پاتا ہے۔ اور جب اس استدلال کی بنا پر ہماری اور اس عالم مشہود کی اصل و ذات ایک قرار پائی تو پھر یہ محض لفظی نزاع رہ جاتا ہے کہ ہماری اصل مادی ہے یا نہیں، نتیجہ بہرحال ایک ہی ہے، وہ قوت جس طرح کسی غیر معلوم قانون کے تحت میں ہمارے اندر حسیات، جذبات، اور شعور پیدا کرتی ہے، اسی طرح اس عالم مشہود کے دیگر مظاہرات کون و فساد کا باعث بھی ہوتی ہے، اور گو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مادی نظریہ کے ٹوٹ جانے سے ہماری نگاہوں کے بہت سے حجاب بھی دور ہو گئے اور مادیت کے اس طلسم فریب کے شکست نے ہم کو حقیقت کے قریب تر کر دیا، تاہم روحانیین کا اصل دعویٰ ہنوز تشنۂ بحث ہے یعنی اصل سوال یہ نہیں ہے کہ ہماری اصل مادی ہے یا غیر مادی بلکہ تصفیہ طلب امر تو یہ ہے کہ وہ شئے جسکو عرف عام میں رُوح کہا جاتا ہے۔ اس کا وجود کوئی مستقل بذات وجود ہے یا نہیں، ہم میں سے ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے اور بقول ڈیکاوٹس "میں سوچتا ہوں اسلئے میں موجود ہوں" اسی سوچنے کے معنوں کو وسیع کر لیجئے، میں محبت کرتا ہوں، میں نفرت کرتا ہوں، میں ایک خواہش رکھتا ہوں، میں ایک ذی ارادہ ہستی ہوں، میرا ارادہ اس دنیا میں بعض تغیرات کا باعث بھی نظر آتا ہے، الغرض یہی وہ اوصاف ہیں جو مجھ میں ایک "شخصیت" یا "ذات" کی نسبت پیدا کرنے کا موجب ہیں، اس لیے سوال یہ ہے کہ کیا یہ تشخص یا ذات دراصل کوئی ایسی حقیقت ہے جسکو ایک مستقل ہستی تصور کیا جا سکتا ہے، یا یہ محض دھوکا اور فریب ہے اور یہ ہستی ایک دوسری نامعلوم قوت کی (جو خود مادی ہو یا نہ ہو) مرہون منت ہے، اور جس طرح بیجان مادہ اس قوت کے اثرات سے معذور و مجبور ہے اسی طرح ہم بھی مجبور و معذور ہوں۔

یا بہ الفاظ دیگر یہ کہئے کہ مجھ میں اور بیجان مادہ میں صرف اس قدر فرق ہے کہ مظاہر مادی اور میری شیون نفسی میں صرف اشکال وحالات کا فرق ہے، اصل اصول کا کوئی فرق نہیں،

یہ بحث گذشتہ مباحث سے زیادہ دقیق اور بہت زیادہ پیچیدہ ہے، اس بحث کے سلسلہ میں ہماری توجہ بار بار روح کی حقیقت کی طرف منتقل ہو جائے گی لیکن اس جگہ یہ واضح کر دینا چاہئے کہ ہمارا مبحث روح کی حقیقت نہیں ہے، بلکہ یہ بتا دینا ہے کہ "روح کا ایک مستقل وجود ہے" "حقیقتِ روح پر" بحث کرنا نہ صرف ہمارے موضوع سے خارج ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آج تک کسی کی بھی اس حقیقتِ مستور تک رسائی نہیں ہوئی ہے، دنیا کی سب سے بڑی کاشفِ اسرار کتاب میں جو زیادہ سے زیادہ بات اس بارہ میں کہی گئی ہے وہ صرف اس قدر ہے

قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے بحث ونزاع کا اصلی میدان یہ ہے کہ ایک فریق سرے سے روح کے وجود کا منکر ہے اور اس نے اپنے انکار کو بعض علمی نظریوں پر مبنی کر رکھا ہے اور دوسرا فریق اس کے وجود کا مقر ہے اور اس اقرار سے یہ نتیجۂ فرعی نکالتا ہے کہ یہ وجود اجسام مادی کیطرح فنا نہیں ہوتا بلکہ جس امر کو ہم موت کہتے ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس روح نے اپنا لباس ومکان بدل دیا ہے، منکرین روح کے نظریات علمی کی کمزوریاں تو آپ پر ظاہر ہو چکی ہیں لیکن اس سے زائد سے زائد جو نتیجہ مترتب ہوا وہ صرف یہ تھا کہ روح کے انکار پر کوئی دلیل نہیں ہے لیکن اس سے روح کا وجود تو ثابت نہیں ہوتا، سطورِ ذیل میں ہم کو اس مبحث پر کچھ عرض کرنا ہے،

اجازت دیجئے کہ اس موقع پر بحث کی وسعت کو سمیٹ لیا جائے، سیدھا سادہ سوال یہ ہے کہ انسان بذاتہ "عاملِ ہستی" ہے یا "معمول" ہے، اور اگر یہ "عاملِ ہستی" ہے تو اس کا یہ عمل خود اسکے وجود کی اصل حقیقت کے باعث پیدا ہوتا ہے یا یہ کسی بیرونی قوت یا اثر کا معمول ہے، اگر یہ معمول ہے تو پھر اس کا وجود کوئی مستقل شے نہیں ہے بلکہ دیگر اجسام ظاہری ہی کی ایک صنف ہے لیکن اگر یہ "عامل بالذات" ہے اور کسی بیرونی

اثر کا معمول نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ یہ عامل بالذات حقیقت انسان کا اصل معمول ہے۔ تسمیہ کا سوال محض ثانوی
اہمیت رکھتا ہے، خواہ تم اس کو روح کہو یا کوئی اور نام رکھو تو مراد و مفہوم ایک ہی رہیگا یعنی یہی عامل بالذات
حقیقت سوچتی ہے، یہی ارادہ کرتی ہے، یہی محبت کرتی ہے، یہی نفرت کرتی ہے، یہی ہمارے اعمال ظاہری
و باطنی کا موجب ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر اخلاقی احتساب جاری کیا جاسکتا ہے، یہی سزا و جزا
کی مستوجب ہے اور اگر دلائل موجود ہوں تو یہی عامل بالذات "حقیقت" مرنے کے بعد زندہ بھی رہتی ہے۔

جب ہم اس مسئلہ پر اس نوعیت کے تحت میں غور کرتے ہیں تو جو چیز سب سے پہلے ہمارے سامنے آتی ہے
وہ قوت ارادی ہے۔ نفس انسانی کا ارادہ ایک ایسی متعارف حقیقت ہے کہ کسی مزید تعریف کی محتاج نہیں ہے
لیکن علمی حیثیت سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ارادہ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ اگر بقول مادیین
"ارادہ" مادی سالمات کے باہمی عمل کا نتیجہ ہے یا ایسی ہی کسی دوسری غیر معلوم قوت کے باعث اس کا ظہور
ہوتا ہے، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک انسان اپنے ارادہ پر قادر نہیں ہے۔ بعض خارجی عصبی موثرات کے باعث
ہمارے دماغ کے بعض مخصوص سالمات میں باہمی ایک عمل ہوتا ہے اور اس کے باعث ایک خاص ارادہ پیدا
ہوجاتا ہے، ہمارے ارادوں کے باہمی اختلاف اور تنوع کی توجیہ بھی یہی کیجاسکے گی کہ وہ سالمات جو ارادہ
پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں ان کے ائتلاف باہمی کی نسبت میں جو تغیر ہوتا رہتا ہے وہی ہمارے ارادے
میں بھی تغیر کا باعث ہوتا ہے۔ اس توجیہ کو درست تسلیم کر لینے کا ایک بالکل منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب
اسباب متقدم کی بنا پر ہمارے ان سالمات میں جو ارادہ پیدا کرنے کا موجب ہیں، ایک عمل کیمیائی ہوگیا تو
ہم کو اس ارادے کے تبدیل کر دینے پر کوئی قدرت نہ ہونی چاہئے اور جب ہم ارادہ نہیں بدل سکتے تو
ارادے کے نتائج کو بھی نہیں بدل سکتے۔ ہمارے تمام مختلف وجوہ ہمارے ارادے کے تحت ہیں
تمثیلاً یوں سمجھئے کہ اندرون معدہ ہضم غذا کا عمل جاری ہے جس کے باعث کیمیائی تبدیلیاں ہوتی ہیں
تبدیلیوں کے باعث معدہ کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضرورت کا احساس ذہن تک منتقل ہوتا ہے

جن کے باعث ہمارے اعصاب حرکتی میں حرکت پیدا ہوتی ہے، اور ہم پیالہ اٹھا کر پانی پی لیتے ہیں۔

اس تمام توجیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس شے کو ارادہ کہا جاتا ہے وہ دراصل "اضطرار" کے سوا کچھ نہیں ہے او
سی توجیہ کے تحت میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ ارادے کے پیدا ہونے کا کوئی نہ کوئی مقدم طبعی (نہ کہ نفسی) سبب
ہونا لازمی ہے اور جب وہ اسباب جمع ہو جائیں تو پھر ارادہ بھی ایک مخصوص قسم کا پیدا ہوگا، اور اس میں تغیر
ہو سکیگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے تجرباتِ زندگی اس نتیجہ کے مخالف ہیں، ہم میں سے ہر شخص بداہتہً جانتا
ہے کہ ہم اپنے ارادوں میں مجبور نہیں بلکہ مختار ہیں، متذکرۂ بالا مثال ہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ہم میں سے
ہر شخص یہ جانتا ہے کہ ہم اس پر مجبور نہیں ہیں کہ جب ہمیں پیاس لگے تو ہم اضطراراً پانی پی لیں یعنی یہ نہیں ہوتا
یہ پیاس لگتے ہی ہمارا ہاتھ کاسۂ آب پر جا پڑے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارا ہاتھ کاسۂ آب کی طرف بڑھ چکا ہے
لیکن عین اس وقت ہمارے کان میں یہ آواز آتی ہے کہ اس پانی میں سَم ملا ہوا ہے فوراً ہمارا ہاتھ ٹھٹک کر
رہ جاتا ہے: یہ کیوں ہوا، اگر ہمارا ارادہ دراصل مقدم اسباب کا ایک نتیجہ تھا تو اس میں اسوقت تک تغیر نہیں
ہو سکتا تھا جب تک دوسرے ایسے اسباب مترتب نہ ہوتے، جو اس ارادے کی نفی کرکے دوسرا ارادہ پیدا
کر دیتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بغیر اس کے کوئی دوسرا سلسلۂ اسباب پیدا ہوا ہو ہم اپنے ارادہ کو بدل دیتے ہیں
جیسا کہ متذکرۂ بالا مثال سے واضح ہو رہا ہے، تم کہوگے کہ اس مثال میں بھی ارادے کی تبدیلی کا سبب
ہوا کہ عین وقت پر یہ آواز کان میں آئی کہ "پانی سم آلود ہے"۔ بیشک یہ ایک سبب ہے، لیکن یہ کوئی طبعی
سبب نہیں ہے، بلکہ نفسی سبب ہے اور بحث جو کچھ ہے وہ طبعی اسباب سے ہے، یعنی وہ اسباب جنکی اصل و
نوعیت مادی ہو، یہ "آواز" کہ پانی میں سم ہے مادی حیثیت سے اس کے سوا کیا ہے کہ ہوا میں کچھ امواج
پیدا ہوئیں اور وہ بذریعہ اعصاب دماغ تک پہنچ گئیں، فرض کرو کہ یہی آواز تمہارا ایک دوست مذاق میں
بلند کرتا لیکن اس صورت میں یہ نتیجہ پیدا نہ ہوتا، تمہارے ارادے میں تبدیلی نہیں ہوتی، درانحالیکہ آواز وہی
ہے، امواج ہوا کی نوعیت یکساں ہے اور اس کے باعث ہمارے دماغ میں جو تغیرات کیمیائی وغیرہ پیدا

ہونے چاہئیں وہ سب یکساں ہیں، لیکن نتیجہ مختلف مرتب ہوتا ہے جس سے صرف ایک یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا ارادہ بیرونی اسباب طبعی کا پابند نہیں ہے اور یہی صفت انسانی اس نتیجہ تک ہم کو پہنچاتی ہے کہ انسان بہر حال ایک "معمول" مخلوق نہیں ہے بلکہ بیشتر حالات میں ایک عامل بالذات وجود ہے، ہمارے روزمرہ کے مشاہدے اس کی تائید کرتے ہیں، ہم اپنے جذبات رذیلہ کے دبانے پر قدرت رکھتے ہیں، ان کی جگہ اعلیٰ جذبات کو اپنے اندر جگہ دیسکتے ہیں، اسی عامل بالذات قوت کی بدولت ہم تہذیب و ارتقائے نفس کا کام کرتے رہتے ہیں، ہماری تربیت کا سارا دار مدار اسی قوتِ انتخاب اور ارادے پر ہے، سزا و جزا کا موجب یہی قوتِ ارادی ہے اور یہی وہ قوت ہے جو ہم کو مجبور و محدود مادہ کی صف سے نکال کر ذی اختیار مخلوق کی صف میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے،

قوت ارادی سے ملی جلی ایک قوت ہم میں اور ہے، یعنی قوتِ شعور و ادراک، علم الحیات کے مسلمات میں یہ بھی ہے کہ فطرت کسی چیز کو بیکار نہیں پیدا کرتی، اس مسلمہ کے تحت میں قوتِ شعور کی بھی کوئی نہ کوئی ضرورت ہونی چاہئے، لیکن اگر انسان ایک مشین کے سوا کچھ نہیں تو پھر قوتِ شعور ایک بیکار شے ہوجاتی ہے، اگر ہمارے سارے اعمال و افعال دراصل مشین کی طرح ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اور انسان ایک ایسی مشین ہے جس کا ہر کیل کانٹا اپنی اپنی جگہ پر موزوں ہے تو پھر قوتِ شعور کا وجود قطعاً غیر ضروری ہے جس طرح ایک موٹر گاڑی اپنا سب کام بغیر قوتِ شعور کے انجام دیتی ہے اسی طرح انسان بھی اپنے تمام اعمال انجام دیسکتا تھا، لیکن قوتِ شعور انسان کا بہت ہی متعارف وصف ہے اس لئے علم الحیات کے اس اصول کی بنیاد پر کہ فطرت کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں کرتی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کے متعلق منکرینِ روح کا یہ قیاس قطعاً غلط ہے کہ انسان ایک ایسی مشین کے سوا کچھ نہیں جو خلایائے دماغی کے کل پرزوں کے بل پر چل رہی ہے،

ان جملہ مباحث کو یکجا کرنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ انسان میں قوتِ ارادہ و شعور کا پایا جانا اسکو مستلزم ہے کہ انسان ایک ایسا وجود نہیں ہے جو تمام تر بیرونی اثرات یا قوتوں کا معمول ہو بلکہ وہ بذات

خود بھی ایک عامل ہستی ہے اور ہمارے مظاہر حیات کا یہی وصف (یعنی عامل بالذات ہونا) نمایاں ترین وصف ہے اس وصف کے متعلق جب ہم علمی حیثیت سے تلاش و جستجو کرتے ہیں تو ہم کو کسی دلیل سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ اُن اثرات کے باعث پیدا ہوتا ہے جو بیرونی دنیا میں حدوث و تغیرات کے باعث معمولاً ہو رہے ہیں بلکہ یہ وصف انسان کا ایسا ذاتی وصف ہے، جس کا تعلق اس عالم مشہود و ظاہر سے معلوم نہیں ہوتا، رہا اس کی حقیقت کا سوال اس کے متعلق پہلے ہی معذوری کا اظہار کیا جا چکا ہے، ہمارا موجودہ موضوع تو صرف اس حد تک محدود تھا کہ ہم یہ بتا دیں کہ انسانی وجود کا راز خود انسان ہی کے عامل بالذات ہونے میں پنہاں ہے سکتا ہے اسی عامل بالذات وصف کیلئے روح کی اصطلاح ہماری زبان میں وضع ہو چکی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصطلاح کے بارہ میں کوئی نزاع نہیں

جہاں تک "وجودِ روح" کی بحث تھی یہ موضوع ختم ہو چکا ہے، اب صرف یہ امر بحث طلب رہ گیا کہ آیا یہ وصف انسانی جس کو روح کہا جاتا ہے، ہماری اس ظاہر ظہور موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے یا نہیں

بقائے روح کے متعلق تفصیلاً کسی دوسرے موقع پر بحث کیجائے گی، لیکن اس مضمون کے خاتمہ پر اشارۃً یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ جب یہ ظاہر ہے کہ انسانی روح کا تعلق ہمارے اس جسم مادی سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے ماوراء اور اس پر متصرف ایک ایسی چیز ہے جو خود اپنا مستقل بالذات وجود رکھتی ہے تو یہ گمان کیوں کیا جائے کہ فنائے جسم کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جائے گی، روح ہمارے جسم سے جداگانہ نوعیت رکھتی ہے اس لیے یقیناً وہ ان حالات و اسباب کی تابع نہیں ہو سکتی جو ہمارے جسم یا اس عالم محسوس و مشہود سے متعلق ہیں "فنا یا موت" کا جو کچھ بھی ہم کو علم ہوا اور اس کو جس طرح بھی ہم جانتے پہچانتے ہیں، وہ اس جسم [illegible] کے احوال و کیفیات ہیں، اسلئے یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہوگا کہ جو شے جسم و مادہ کی جنس سے [illegible] اس پر [illegible] کا وہ قانون جاری نہیں ہو سکتا جو جسم یا جسمانیت سے متعلق ہے، اس لئے یہ خیال کہ فنائے جسم کے ساتھ ہی فنائے روح بھی لازمی ہے، قطعاً بے دلیل اور بے بنیاد ہے، بلکہ دلائل کا رخ مخالف میں ہی ہے لیکن [illegible] یہ ضرورت مسلم ہے کہ بقائے روح پر براہ راست شواہد ہونے چاہئیں جو کسی آیندہ موقع پر بیان کئے جائیں گے

تاریخ خطیب بغدادی

از

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی

اس دور قحط الرجال کی (جبکہ بقیہ نقیہ رجال علم بھی علمی مجلسوں کو خالی کر رہے ہیں) یہ بڑی سعادت ہے کہ وہ علمی اسلامی تصانیف جنکو زمانے کی آنکھیں صدیوں سے ترس رہی تھیں، اور جن کے نام صرف کتابوں میں رہ گئے تھے، ایکے بعد دیگرے شائع ہو کر دل و دماغ کو منور کر رہی ہیں، تاریخ کے سلسلے کو ملاحظہ کیجئے، مثلاً تاریخ ابن جریر طبری عرصہ ہوا طبع ہو چکی، حافظ ابن عساکر کی تاریخ کے جزء شائع ہوئے، حال میں تاریخ خطیب بغدادی چھپ کے آئی، طباعت کی ان خوبیوں کو لیے ہوئے جنپر بیروت کے بہترین مطبعے رشک کریں، اہتمام صحت کیسا ضروری تحشی بھی ہے، رجال کی فہرست دی ہے، ہر صفحے پر سطروں کا شمار ہے، تاریخ کی چودہ جلدیں ہیں کل صفحات ... عجب ہے کہ مطبع نے ہر جلد کی لوح پر جلدوں کی تعداد ۱۴ اور صفحات کی تعداد ۶۰۰۰ لکھی ہے، تمہید کہ چودھویں جلد کی لوح پر بھی یہی طبع درج ہے

اس تاریخ کا خلاصہ بھی کیا گیا تھا، اس کا ایک قلمی نسخہ میرے یہاں ہے، یہ خلاصہ فلسکیپ کے ۲۸۱ صفحات پر ختم ہوا ہے، خلاصہ نگار قاضی ابو الیمن مسعود بن محمد بخاری حنفی المتوفی سنہ ۴۶۱ھ خطیب کے شاگرد ہیں، دیباچہ میں تاریخ خطیب کی تعریف کر کے لکھتے ہیں کہ طویل زیادہ ہے، اس لئے میں نے منتخب رجال کے بہ ترتیب حسن کتاب ... شعر حدیث، حکایت حسب سند خود مختصراً نقل کئے ہیں، واضح ہو کہ کل رجال خلاصہ کی تعداد چند صد سے متجاوز نہ ہوگی منتخب شعر وغیرہ مستقل عنوان ہیں

بستان المحدثین سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخ خطیب کا کوئی حصہ شاہ صاحب کے پیش نظر بھی تھا مطبوعہ

نسخہ کو دیکھکر یہ تعین مشکل ہے، کہ کونسا جز کتاب تھا، عبارت بستان کا ترجمہ یہ ہے،

"تاریخ بغداد خطیب بغدادی کی تصانیف میں سے ہے، اس کے جز ثانی کے شروع میں مناقب بغداد اور اس مبارک بنیاد کی بزرگی اور اس کے باشندوں کے محاسن اخلاق درج کئے ہیں"

اس کے بعد بغداد کی دونوں نہروں کا جو دجلہ اور فرات ہیں ذکر کیا ہے، بخاری کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب کے احوال تک کتاب کا ایک ربع ختم ہو جاتا ہے، پہلی اسناد اس کی یہ ہے، حافظ ابوبکر نے کہا ہے کہ ہم کو عبدالعزیز ابن ابی الحسن القرمیسینی نے خبر دی، الخ،

اس کے بعد چند شعر مدح بغداد کے نقل کئے ہیں جنکا پہلا شعر ہے ؎

فدیً لک یا بغداد کل قبیلۃ   من الارض حتی خطتی و دیاریا۔

مطبوعہ نسخہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مناقب بغداد جلد اول کے ابتداء میں ہیں، علی ہذا القیاس دجلہ و فرات کا ذکر، امام بخاری کا ذکر جلد دوم کے آغاز میں ہے، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب کا ذکر اسی جلد کے تین ربع ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب کے ملاحظے میں کونسی جلد تھی، بظاہر جلد اول و دوم کا مجموعہ تھا، اس صورت میں ابن ابی ذئب کے ذکر تک ربع کتاب ختم ہونے کا کیا مطلب ہوگا،

خطیب بغدادی | نام احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بغدادی، کنیت ابوبکر، ۳۹۲ھ میں بمقام درزیجان پیدا ہوئے جو عراق کا ایک قریہ تھا، ان کے والد قریۂ مذکور میں خطیب تھے، اور فی الجملہ علم آشنا، باپ کی تحریص سے بیٹے نے تحصیل علم شروع کی، گیارہ برس کی عمر تھی کہ والد نے ان کو حدیث سنوانی شروع کر دی تھی، اس کے بعد خطیب نے اپنی محنت سے اقلیم در اقلیم سیاحت کر کے علم حاصل کیا، جملہ فنون حدیث میں امام وقت ہوگئے، حافظ ابو نعیم ان کے مشائخ میں ہیں، حافظ ابن ماکولا شاگرد، حافظ ابن عساکر جو بیس شاگردوں کے شاگرد، خطیب کا شمار کبار شافعیہ میں ہے، فقہ ابن المحاملی اور قاضی ابوالطیب سے حاصل کی، اس پر اتفاق ہے کہ دارقطنی کے بعد علوم حدیث کا ماہر ان سے بڑھکر نہیں ہوا، حفاظ کا ان پر خاتمہ ہوگیا، صاحب ہیبت، باوقار اور ثقہ تھے، خط پاکیزہ تھا، کثیر الضبط

فصیح البیان، آواز بلند تھی، جو روایتِ حدیث کے وقت جامع منصور کے آخری حصے میں سنی جاتی تھی، سنی کریمہ کے سامنے صحیح بخاری مکہ مکرمہ میں پانچ دن میں پڑھی، عمر کا زیادہ حصہ بغداد میں صرف کیا، حاضری حرم کے وقت زمزم پی کر تین دعائیں کیں، بغداد میں اپنی تاریخ کی روایت کریں، جامع منصور میں روایتِ حدیث کریں، حضرت بشر حافی کے پہلو میں دفن ہوں، تینوں دعائیں قبول ہوئیں،

سفر حج میں شام تک قریب غروب ایک قرآن ترتیل کے ساتھ ختم کر لیتے تھے، اس کے بعد لوگ جمع ہو کر روایتِ حدیث کی التجا کرتے، خطیب سواری پر بیٹھ کر روایتِ حدیث کرتے (عرب میں سفر شب کو ہوتا ہے) ایک بار کسی نے ان کو دیکھ کر کہا تم حافظ ابوبکر خطیب ہو، فرمایا میں ابوبکر خطیب ہوں، حفظِ حدیث دارقطنی پر ختم ہو گیا، چلتے چلتے کتاب کا مطالعہ کرتے جاتے، جلبیوں کی سختی سے تکلیف اٹھائی، تصانیف کی تعداد ۵۶ ہے (تفصیل ملاحظہ ہو تذکرہ ذہبی میں)

بہت دولتمند تھے، اہل علم اور علم کی خدمت میں بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں،

عقائد میں مذہب ابوالحسن اشعری کے پیرو تھے جو بقول امام سبکی محدثین کا مذہب قدیم و حدیث ہے،

ایک بار شیخ ابو اسحاق شیرازی کے درس میں حاضر ہوئے، شیخ نے ایک حدیث جو بحر بن کنیز سقاء سے روایت کی، بعد روایت خطیب کی جانب متوجہ ہو کر کہا ان کی نسبت کیا کہتے ہو، کہا اجازت ہو تو حال بیان کروں، یہ سنکر شیخ ان کے سامنے سنبھل کر شاگرد کی طرح بیٹھ گئے، خطیب نے اس شرح و بسط سے حال بیان کیا، اس کو سنکر شیخ ابو اسحاق نے کہا خطیب اپنے وقت کے دارقطنی ہیں،

اکہتر برس کی عمر پا کر ۴۶۳ھ میں انتقال کیا، نماز جنازہ ابوالحسین بن المہتدی نے پڑھائی، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے جنازہ کو کندھا دیا، حضرت بشر حافی کے پہلو میں دفن ہوئے، رضی اللہ عنہ، وفات سے پہلے کتابیں وقف کر دیں، مال و دولت خلیفہ کی اجازت سے تقسیم کر دی، کیونکہ کوئی وارث نہ تھا، متروکہ مال بہت سا تھا، اجازت یوں ضروری تھی (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ذہبی، طبقات سبکی)

تاریخ خطیب | جیسا کہ اوپر لکھا گیا تاریخ چودہ جلدوں میں ہے، مصر سے ۱۳۴۹ھ میں اشاعت شروع ہوئی، بغداد کے حالات وواقعات آغاز بنیاد سے ۴۶۳ھ تک لکھے ہیں، اور یہ زمانہ (جیسا کہ لوح کتاب پر بھی لکھا ہے) بغداد کی اقبالمندی کا زمانہ ہے، خطیب دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ کتاب مدینۃ السلام کی تاریخ ہے جس میں اس کے آبادی کا ذکر ہے، اس کے کبرا، ساکنین، وارد ین اور علما کا تذکرہ ہے، اپنے علم ومعرفت کی حد تک میں نے اس میں حالات لکھدیئے ہیں" اس عہد کے دستور کے مطابق حالات وواقعات بسلسلۂ روایت لکھے ہیں، سب سے اوّل بروایت یونس امام شافعی کا قول لکھا ہے، یونس سے پوچھا تم بغداد گئے ہو، نفی میں جواب سنکر فرمایا "ما رایت الدنیا" تم نے دنیا نہیں دیکھی۔

تاریخ خطیب جسطرح بہترین زمانے کی تاریخ ہے اسی طرح طرز بیان کے لحاظ سے مسلمان مورخین کی تصنیف کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، الفاظ بقدر معانی استعمال کئے ہیں، عبارت آرائی ومدح طرازی کا نام نہیں، بیان صاف اور متین ہے، جرح وتعدیل دونوں بے لاگ ہیں، اگرچہ بعض معرکۃ الآرا مقامات میں قوت فیصلہ کی کمی نمایاں ہے محدثانہ روایات ہیں، ادیبانہ مبالغہ منطقیانہ تذبذب پاس نہیں،

روش تاریخ مروجہ طریقہ سے علیحدہ ہے، بجائے خلفاء وامراء کو مستقل موضوع قرار دیکر ان کے حالات بیان کرنے کے رجال تاریخ کا ذکر بہ ترتیب حروف تہجی کیا ہے، اسی سلسلہ میں اپنے اپنے موقع سے خلفاء وامراء بھی آجاتے ہیں، رجال کے سلسلے میں ہر فن اور علم کے ماہرین مذکور ہیں، مفسرین ومحدثین وفقہاء سے لیکر شعراء و مغنیین واہل صنعت تک سب ہی کا ذکر ہے، اس طرح ۷۸۳۱ مشاہیر رجال کا تذکرہ ہے،

چونکہ یہ زمانہ مجتہدانہ قوت کا تھا اس لیے اکابرین امت سب ہی اس سلسلے میں آگئے ہیں، مگر وہ حضرات جو بعد کو ہوئے ابتدائی چند بابون میں مختلف فقہی مسائل سے محدثانہ وفقیہانہ بحث کی ہے، مثلاً زمین بغداد کی بیع وشرا اور اسکی پیداوار کا کیا حکم ہے، چونکہ حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) کی زمین کو مسلمانون کے حق میں وقف فرمادیا تھا اس لیے اس پر مالکانہ قبض وتصرف فقہا کے ایک گروہ کے نزدیک ناجائز ومکروہ تھا، امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے تقویٰ کے متعلق کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔ استغفر اللہ! میرے لئے ورع وتقویٰ کے مسائل پر گفتگو کرنی

درست نہیں اس لئے کہ میں بغداد کی پیداوار کھاتا ہوں (بشر بن حارث حافی) ہوتے تو وہ تم کو جواب دے سکتے تھے۔ یہ

اسی لئے بغداد کی سکونت میں کلام تھا، اس مبحث پر موافق و مخالف دونوں پہلوؤں سے بسیط بحث کی ہے، فیصلہ بغداد

کے حق میں دیا ہے، دوسرے باب میں یہ بحث ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارض سواد فاتحین میں تقسیم کیوں نہیں فرمائی، اسی

سلسلے میں عہد فاروقی کے بندوبست اراضی کا ذکر آتا ہے، جو حضرت عثمان بن حنیف صحابی نے کیا تھا، اس بیان میں

بندوبست شدہ اراضی کی شرح لگان، اقسام پیداوار، تعداد رقبہ سب کچھ آجاتا ہے، لگان صرف قابل زراعت

اراضی پر تھا، مکانوں وغیرہ پر ٹکس نہ تھا، دوکانوں پر ٹکس مہدی خلیفہ نے لگایا ۱۶۷ھ میں،

اسی سلسلے میں ایک باب ان روایتوں پر ہے جو عراق کی برائی پر ہیں اور بعد بیان ان کی تنقیح کر کے ضعیف

قرار دیا ہے، اس کے بعد مناقب عراق اور اہل عراق کی صفات کا بیان ہے۔ عراق کی آب و ہوا کے اعتدال

کی تعریف ہے، اہل عراق کی عقل و اخلاق کی تعریف ہے، اس کے ساکنین کی خدمت حدیث کا بیان ہے، مگر

ہیں کہ محدثین بغداد کا دامن وضع حدیث اور کذب روایت کی تہمت سے پاک ہے بخلاف اہل کوفہ و خراسان

کے کہ ان کے احادیث موضوعہ اور اسانید مصنوعہ پر جلدیں کی جلدیں لکھی گئی ہیں، ایک قول لکھا ہے حلاوۃ الحجاز

اخلاق عراقی، طاعت شامی جب کسی شخص میں جمع ہوں تو وہ کامل ہے، دوسرا قول اذا خرجت من العراق

فالدنیا کلہا رستاق - جب تم عراق سے نکل آئے تو ساری دنیا دیہات ہے، وجہ بغداد کا تذکرہ مکی حیثیت سے تھی

بغداد | اس مقام کا قدیم نام بغداد تھا، بغداد کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ بغ اہل مشرق کے ایک بت کا نام تھا، واد معنی عطیہ

یعنی بغ دیوتا کا بخشا ہوا، اسی لئے اگلے زمانے میں فقہا اس نام کا استعمال مکروہ خیال کرتے تھے، اب جو بغداد

شریف ہے، یہ ہے ارباب صلاح و اہل دین کی گرمی تاثیر، بغداد کو بغدان و مغدان بھی کہتے تھے، بغدان

اس میں ہندی کا لفظ خیرات کے معنی میں ہے، ایک وجہ تسمیہ میں بغ کو باغ کا مخفف بھی بیان کیا ہے، و داد ایک

آدمی کا نام - اس صورت میں نام بغداد تھا اس نام کے استعمال میں فقہا کو کراہت نہ تھی،

منصور نے جس موقع پر مدینۃ السلام آباد کیا وہاں اہل بغداد کا ایک مزرعہ تھا جس کا نام المبارکہ تھا

ساٹھ آدمی اس کے مالک تھے منصور نے ان کو معاوضہ دیکر رضامند کیا اور اسی مقام پر نیا شہر آباد کیا، چونکہ شہر دجلہ کے کنارہ بسایا گیا اور دجلہ کا نام وادی السلام وقصر السلام تھا اس مناسبت سے شہر جدید کا نام مدینۃ السلام رکھا گیا،

خلافت بنی عباس جن اثرات کے تحت بنو امیہ کے مقابلے میں قائم و کامیاب ہوئی ان کا اقتضا یہی تھا کہ اس کا دار الخلافہ و مرکز عراق میں ہوتا، اسی لیے عبداللہ السفاح اوّل خلیفہ عباسی (۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ) نے دار الخلافہ پہلے کوفہ میں بنا کر اس کا نام ہاشمیہ رکھا، ۱۳۴ھ میں انبار کو دار الخلافہ قرار دیکر ہاشمیہ سے موسوم کیا، وہیں سفاح کی وفات و تدفین ہوئی اور وہیں منصور کی بیعت۔ (معجم البلدان)

مدینۃ السلام کی بنیاد ۱۴۵ھ میں رکھی گئی، ۱۴۶ھ میں شاہی عمارتوں کا اس قدر حصہ تیار ہوگیا کہ منصور مع لشکر اور خزانے کے ہاشمیہ سے منتقل ہو کر وہاں آگیا، سلسلۂ تعمیر ۱۴۹ھ تک جاری رہا، سنہ مذکور میں چار دیواری تیار ہونے پر کام ختم ہوگیا، مصارف تعمیر چالیس لاکھ آٹھ سو درم ہوئے، طریقۂ تعمیر یہ تھا کہ اوّل تمام ممالک خلافت سے ہر قسم کے کاریگر مثلاً انجینیر (مہندس) معمار، نجار، لوہار وغیرہ فراہم کئے گئے انکی تنخواہیں مقرر کیں، اس طرح ہزاروں آدمی جمع ہونے پر انجینیروں کو اپنا ذہنی نقشہ سمجھایا، انھوں نے اس کے مطابق داغ بیل کی، شہر کا نقشہ مدور قرار دیا گیا، اس اہتمام سے تعمیر شروع ہو کر پانچ سال میں ختم ہوگئی، عجیب بات یہ تھی کہ ساعت نوبخت منجم نے تجویز کی، یہاں تعمیر کے ضمن میں بہت سے مفید مباحث آجاتے ہیں، مثلاً معماروں وغیرہ کی شرح تنخواہ، اسکی مناسبت سے اس عہد میں اجناس کا نرخ، مدینۃ السلام کی پیمایش، اس کے دروازے، مساجد، پل، مقابر، نہریں وغیرہ،

تعمیر کے بعد جو ترمیمیں خود منصور نے کیں ان کا ذکر ہے، بازار پہلے محلات شاہی کے زیادہ قریب تھے دور ہٹا کر آباد کئے گئے اسطرح کرخ کی آبادی وجود میں آئی، سڑکیں چوڑی کی گئیں، سب سے زیادہ چوڑی سڑک چالیس ذراع (یعنی) چوڑی تھی، تقریباً ۔۔ فٹ کرخ کے بعد رصافہ ولیعہد مہدی کے لیے آباد کیا، یہ ۱۵۴ھ کا واقعہ ہے

اسی طرح عہد بعہد کے اضافے بیان کئے ہیں، اسی ضمن میں عروج تکلفات کا وہ منظر سامنے آتا ہے جبکہ مقتدر کے عہد (۳۰۵ھ) میں سفیر روم کی آمد میں شہر آراستہ کیا گیا تھا تفصیل کا شوق ہے تو اصل کتاب دیکھیے۔

ان مقابر کے بیان میں جو علما و صلحا کے لئے مخصوص تھے جداگانہ مستقل باب ہے، سب سے اول مقابر قریش کا بیان ہے جہاں حضرت موسیٰ کاظم کا مزار تھا (یہی مقام اب کاظمین ہے) ابو علی خلال کا قول نقل کیا ہے ما همنی امر فقصدت قبر موسیٰ بن جعفر فتوسلت به الا سهل الله تعالیٰ لی ما احب، جب مجھ کو کوئی مشکل پیش آتی اور میں موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے توسل سے دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ میری مراد بر لاتا۔

باب حرب کے مقبرے میں امام احمد بن حنبل اور حضرت بشر حافی مدفون تھے، اسی سلسلے میں دو روایتیں ہیں امام احمد بن حنبل کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ ہر قبر پر ایک قندیل روشن ہے، پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا تم کو معلوم نہیں؟ امام احمد بن حنبل کی آمد کے سلسلے میں یہ قبریں پر نور ہوئی ہیں، جو عذاب میں تھے ان پر رحم فرمایا۔ خاکسار کہتا ہے کہ جوانمرد امام کا استقبال اسی شان سے ہوتا تھا رضی اللہ عنہ۔

دوسری روایت حضرت بشر حافی کے وصال کے متعلق ہے ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ایک پڑوسی کو بعد وفات دو حلے پہنے ہوئے دیکھا، استفسار پر کہا کہ ہماری قبرستان میں بشر بن الحارث دفن ہوئے ہیں، اس سلسلے میں تمام اہل مقبرہ کو دو دو حلے عطا ہوئے ہیں، قدس سرہ۔

حضرت معروف کرخی کی قبر باب الدیر کے مقبرے میں تھی، اس کی نسبت لکھا ہے، قبر معروف مجرب لقضاء الحوائج، سو مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر جو دعا ان کی قبر کے قریب کیجئے مقبول ہوتی ہے۔

مقبرہ خیزران میں محمد بن اسحاق مصنف سیرۃ مدفون تھے نیز امام اعظم ابو حنیفہؒ۔

امام اعظم کی قبر کے متعلق امام شافعی کی ایک روایت لکھی ہے علی بن میمون کہتے ہیں امام شافعیؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے شافعی نے کہا انی لاتبرک بابی حنیفۃ واجی الی قبرہ فی کل یوم یعنی زائرا فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الی قبرہ وسألت اللہ تعالیٰ الحاجۃ عندہ۔

نما تقیہ عنی حتی تقضی، میں ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز انکی قبر کی زیارت کو جاتا ہوں،
جب کوئی حاجت پیش آجاتی ہے دو رکعت نماز پڑھکر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں، دعا کے بعد
مراد بر آنے میں دیر نہیں لگتی،

یہ بیانات جلد اول کے صفحہ ۲ تک چلے جاتے ہیں، اس کے بعد مداین کا ذکر بوجہ قرب تام آتا ہے اذ کہ
مداین تقریب ہو جاتا ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کی جنکے قدوم سے مداین مشرف ہوا، ان حضرات
کی تعداد پچاس ہے، اسی شرف کی وجہ سے مداین کا ذکر دیگر قصبات متصلہ بغداد، مثلاً نہروان، انبار وغیرہ
سے پہلے کیا ہے،

سب سے اوّل ذکر ہے حضرت امیر المومنین علی کا، سب سے آخر میں عبد اللہ الحارث کا، ذکر مداین بھی باعث
ہوا ہے تاریخ خطیب میں حضرات صحابہؓ کے ذکر مبارک کے آنے کا، ورنہ بغداد میں کسی صحابی کی آمد ثابت نہیں،

حضرت علیؓ کے مدفن کی بحث بسیط ہے، راوی نے امام ابوجعفر محمد بن علی (امام باقر) سے پوچھا کہ حضرت علی کہاں
دفن ہوئے تو کہا بالکوفۃ لیلاً وقد عمی عنی قبرہ، کوفہ میں شب کو اور مجھکو ان کے قبر کا حال نہیں معلوم، محمد
بن سعد کی روایت ہے کہ کوفے میں مسجد جامع کے قریب قصر الامارۃ میں دفن ہوئے،

عبد الملک راوی کا بیان ہے کہ میں حافظ ابونعیم کے پاس بیٹھا تھا کہ کچھ سوار وہاں سے گذرے، میں نے
... یہ لوگ ... جاتے ہیں، کسی نے کہا علی بن ابی طالب کے مزار کو جاتے ہیں، حافظ ابونعیم نے میری طرف مخاطب
ہوکر کہا کذبوا نقلہ ابنہ حسن الی المدینۃ، یہ لوگ کاذب ہیں ان کو ان کے بیٹے حسن نے مدینہ منتقل
کر دیا ہے، تہذیب کا یہ قول حدیث نبوی میں ہے، نقلہ واللہ الحسن بن علی الی المدینۃ، واللہ حسن
بن علی نے ان کو مدینہ منتقل کر دیا، اس مضمون کی اور متعدد روایتیں ہیں،

حافظ ابونعیم سے خطیب نے روایت کی ہے کہ ابوجعفر الحضرمی اس کے منکر تھے کہ جو مصنوعی قبر کوفے کی
بلندی پر ہے وہ حضرت علیؓ کی قبر ہو اور یہ بھی کہتے تھے کہ شیعیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قبر کس کی ہے تو وہ سنگسار

کردینگے، یہ قبر مغیرہ بن شعبہؓ کی ہے، اگر یہ قبر علیؓ کی ہوتی تو میں اسکو اپنا ملجا و ماوی بنا لیتا،

حضرت امام حسینؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے، احمد بن سعید الجمال سے روایت ہے، سألت ابا نعیم عن زیارۃ قبر الحسن فکانہ انکران یعلم این قبرہ۔ میں نے ابو نعیم سے زیارۃ قبر حسینؓ کی بابت دریافت کیا تو ان کے بیان سے ایسا معلوم ہوا کہ ان کو اس کا علم نہ تھا کہ ان کی قبر کہاں ہے، صحابۂ کرام کے ذکر کے سلسلے میں پانچواں نمبر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذکر کا ہے، اثنائے ذکر میں لکھا ہے، حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ قرآن اور شرائع و احکام کی تعلیم کے لیے بھیجا، فبث عبد اللہ فیھم علما کثیرا وفقہ منھم جما غفیرًا، کوفہ پہنچکر عبداللہ نے کوفیوں میں بکثرت علم پھیلایا، اور ایک گروہ کثیر ان کی تعلیم سے فقیہ بنا، خاکسار کہتا ہے کہ یہی علم فقہ حنفی کی بنیاد ہے،

حضرت ابن مسعودؓ کے اخلاق اسلامی کی وسعت کا ایک واقعہ اس زمانے میں شمع ہدایت بن سکتا ہے، علقمہ راوی ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود کے ساتھ مداین سے نکلا، راستے میں ایک مجوسی بھی ہمارے ساتھ ہولیا، آگے چلکر عبداللہ بن مسعود کسی ضرورت سے ہم سے الگ ہوگئے، واپس آئے تو مجوسی دوسرے راستے پر جا چکا تھا، یہ دیکھکر اس راستے پر جاکر اس سے ملے اور سلام کیا، اور فرمایا ان للصحبۃ حقا رفاقت کا بڑا حق ہے، کاش اس واقعے کو سنکر ہمارے سینے کشادہ ہوجائیں،

تراجم | صحابۂ کرام کا ذکر صفحہ ۲۱۲ پر ختم ہونے پر کتاب اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتی ہے، اور اہل بغداد کا ذکر شروع ہوتا ہے، خطیب لکھتے ہیں، اس سلسلے میں خلفا، اشراف، کبرا، قضاۃ، فقہا، محدثین، قرا، زہاد، صلحا، متادبین، شعرائے اہل مدینۃ السلام کا مذکور ہے، اہل مدینۃ السلام سے وہ مراد ہیں جو وہاں پیدا ہوئے یا دوسری جگہ سے آکر وہاں بسے، ان کا بھی ذکر ہے جو بغداد چھوڑکر دوسری جگہ فوت ہوئے، وہ بھی مذکور ہیں جو اس کی نواح قریب میں ساکن تھے یا وہاں آکر رہے، ان کی کنیت ان کا نسب مشہور وقعات حسب، خاندیک، مدۃ عمر، تاریخ وفات، حالات بقدر اپنی معرفت وعلم کے درج کئے ہیں، سی کیا تھا، کے متعلق ثقہ ومدح وذم وقدح قبول ... و تعدیل جرح کے جو الفاظ محفوظ ہیں وہ نقل کر دیئے ہیں ... معلوم کی ترتیب ... حسب ... ہوسکے بعض وقت

سی بلند پایہ کتاب میں کوئی اہم مضمون نظر سے گذرا دوسرے وقت تلاش کیا، بہت وقت صرف کیا، نہ ملا،
چھوڑ دیا، حالانکہ ضرورت وحاجت باقی رہی، اسی لئے حروف تہجی کی ترتیب اختیار کی،

نام مبارک سے برکت حاصل کرنے کے لحاظ سے اول ان صاحبوں کا ذکر ہے جنکا نام محمد تھا، اس کے
بعد حروفِ تہجی کی پابندی کی ہے، اسی ضمن میں حافظ تیمی کا قول نقل کیا ہے کہ طالبِ حدیث پر لازم ہے کہ سب سے
اول اپنے شہر کی کتبِ حدیث اور ان کے مولفین کے حال سے آغاز کرے، ان کی فہم میں ملکۂ تامہ بہم پہنچائے
جس سے صحیح وسقیم وغیرہ کی معرفت تامہ حاصل ہو، اس کے بعد دوسرے شہروں کو لے،

رجال تذکرہ کے حالات کے ضمن میں بڑے بڑے علمی دقائق ومباحث مجتہدانہ ومحدثانہ قوت کیساتھ
حل ہوتے جاتے ہیں، جن سے علما استفادہ کر سکتے ہیں، کاش اہل مطبع مطالب کی فہرست بھی مرتب کر سکتے
جس طرح یورپ میں ہوتا ہے،

اسم مبارک سے مسمی مشاہیر کے ۹۷۵ تذکرے تین جلدوں میں آئے ہیں، چوتھی جلد احمد نامی مشاہیر سے شروع ہوئی ہے
ہم چند تذکروں کا خلاصہ لکھکر اس عہد کے علمار کا پایۂ بلند دکھانا چاہتے ہیں، خصوصاً یہ کہ یونانیت سے اذہان کے مغلوب
ہو جانے سے قبل ہمارے علم وعلما کی کیا شان تھی،

سب سے اول ذکر محمد بن اسحق سیرۃ نگار کا ہے، اور یہ (بقول مولف) اس وجہ سے کہ ان سے زیادہ کوئی اور
اکبر سن، اعلی اسناد، اقدم موت نہ تھا، ورنہ حروف تہجی کے رعایت کے اعتبار سے محمد بن احمد کا ترجمہ پہلے آتا، واضح ہو
محمد بن اسحق صاحب سیرۃ کے تذکرے کی مناسبت سے تمام وہ مشاہیر جن کے باپ کا نام اسحق تھا، اسی سلسلے میں آگئے
ہیں، اس طرح یہ سلسلہ ۱۵ سے شروع ہوکر ۹۶ پر ختم ہوتا ہے، ۹۷ نمبر سے محمد بن احمد کا آغاز ہے، آمدم بر سر مطلب،

محمد بن اسحق صاحب سیرۃ | محمد بن اسحق صاحبِ سیرۃ کی کینت بقول قوی ابوبکر ہے، ابوعبداللہ قول ضعیف ہے، صحابۂ
کرام میں حضرت انس بن مالک کو دیکھا، اکابر تابعین سے روایت کی ہے، مثلاً حضرت نافع زہری، قاسم بن محمد،
امام محمد باقر، ائمہ علما نے ان سے روایت کی ہے مثلاً یحیی بن سعید، سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ وغیرہم،

بغداد آکر مقیم ہوئے، وہیں مقبرۂ خیزران میں مدفون ہوئے بعض کے نزدیک فارسی الاصل ہیں اور بعض کی روایت میں عربی، موسیٰ بن جسار حضرت ابوہریرہؓ کے راوی ان کے چچا تھے ان کی جرح تعدیل کے متعلق طویل بحث ہے ان کے ثقہ اور صادق ہونے پر اکابر کا اتفاق نقل کیا ہے،

اسی سلسلے میں امام مالکؒ کی جرح کے اور دلائل سے محققانہ بسیط بحث کی ہے اور محققین کے نزدیک امام مالک کی جرح کا کیا پایہ ہے، تالیف سیرۃ کی وجہ ایک روایت سے یہ بیان کی ہے کہ ابن اسحٰق ایک روز خلیفہ مہدی کے یہاں گئے، اس وقت خلیفہ کے پاس ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا، مہدی نے پوچھا جانتے ہو یہ کون ہے، کہا امیرالمومنین کے فرزند ہیں، خلیفہ نے کہا تو ان کے واسطے ایک تاریخ لکھو جس میں آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کی تاریخ ہو چنانچہ ابن اسحاق نے سیرۃ لکھی، مہدی نے دیکھکر کہا طویل بہت ہوگئی، مختصر کردو، چنانچہ مختصر کرگئی، آج جو ان کی کتاب موجود ہے، وہ یہی مختصر ہے، پہلا طویل مسودہ امیرالمومنین کے خزانے میں رہا،

یہ روایت بیان کرکے خطیب نے تصحیح کی ہے کہ بلحاظ واقعات یہ روایت صحیح نہیں، ابن اسحٰق خلیفہ منصور کے پاس گئے ہونگے، اور ان کے پاس مہدی ان کا فرزند ہوگا، مہدی کی خلافت کا آغاز ۱۵۸ھ میں ہوا، ابن اسحاق کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی، بعض نے ابن اسحاق کا سن وفات ۱۵۰ھ اور ۱۵۲ھ بھی بیان کیا ہے،

محمد بن ابراہیم ابوحمزہ صوفی | محمدؒ بن ابراہیم ابوحمزۃ الصوفی، احمد بن حنبل، بشر بن الحارث الحافی، سری سقطی کے صحبت یافتہ ہیں، علم قرأت کے عالم تھے، خصوصاً قرآت ابوعمرو کے،

امام احمد بن حنبل صوفی کہکر ان کو مخاطب فرماتے تھے، ما تقول فیہا یا صوفی، سب سے اول مسائل تصوف انھوں نے بیان کئے، چنانچہ خطیب نے روایت کی ہے کہ بغداد میں جس نے سب سے اول صفاء ذکر، جمع ہمت، محبت، شوق، قرب، انس پر کلام کیا ہے وہ ابوحمزہ ہیں، ان سے پہلے کسی نے منبر پر ان مسائل کو بیان نہیں کئے، ۲۶۹ھ میں وفات پائی،

امام بخاری | امام بخاریؒ کے حالات میں تیس صفحے لکھے ہیں جنمیں حالات کی پوری تفصیل ہے، خلق قرآن کے مسئلے

پر بھی مفصل بحث ہے جس کی وجہ سے امام بخاری کو آخر عمر میں دشواری پیش آئی،

حلیہ ضعیف الجثہ، قد اوسط نہ طویل نہ قصیر، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، عید الفطر کی شب میں ۲۵۶ھ میں وفات پائی، نماز ظہر کے بعد مدفون ہوئے، کسی نے پوچھا کہ طلب حدیث کس طرح شروع کی؟ فرمایا، دس برس کی عمر میں مجھکو الہام ہوا کہ حفظ حدیث کروں، اس وقت میں مکتبوں میں کام سیکھتا تھا، اسکو چھوڑ کر میں تحصیل علم حدیث میں مشغول ہوگیا، الداخلی وغیرہ کے یہاں جانا شروع کیا، ایک روز الداخلی نے کہا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم، میں نے کہا ابو الزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی، انھوں نے جھڑک دیا، میں نے کہا اصل تمھارے پاس ہے تو دیکھ لو، چنانچہ وہ گھر میں گئے، اصل کتاب دیکھ کر باہر آئے، مجھ سے پوچھا روایت کس طرح ہے، میں نے کہا، "الزبیر بن عدی عن ابراہیم" یہ سنکر قلم میرے ہاتھ سے لیا اور اپنا نسخہ صحیح کرکے کہا تمہارا بیان صحیح ہے، کسی نے پوچھا اس وقت کیا عمر تھی، فرمایا گیارہ سال کی، سولہ برس کی عمر میں ابن مبارک، وکیع کی کتابیں، حفظ کرکے سمجھنے لگے تھے، اسی سال اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے، حج کے بعد بھائی واپس گئے، خود تحصیل حدیث کے واسطے وہاں رہ گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں قضایا صحابہ و تابعین اور ان کے اقاویل کی تصنیف شروع کردی، اسی زمانے میں چاندنی راتوں میں التاریخ کی تصنیف قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھکر کی، ان کا قول ہے کہ تاریخ میں جتنے نام آئے ہیں سب کے متعلق کوئی نہ کوئی قصہ مجھ کو معلوم تھا مگر میں نے زیادہ طوالت پسند نہیں کی، فرمایا ہے میں نے تاریخ تین مرتبہ تصنیف کی ہے، تاریخ کی تصنیف کے بعد اسکا نسخہ اسحق بن راہویہ امیر عبد اللہ بن طاہر کے پاس لے گئے، اور کہا کیا سحر میں تم کو نہ دکھلاؤں، عبد اللہ بن طاہر دیکھکر متعجب رہ گیا،

جامع صحیح بخاری کی تالیف کی بابت ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اسحق بن راہویہ کے پاس تھا، بعض دوستوں نے کہا کاش تم سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مختصر لکھتے، میرے دل میں یہ خیال جم گیا، اور میں نے جامع صحیح کا جمع کرنا شروع کردیا، جامع میں صرف صحیح حدیث لکھی ہے، بہت سی حدیثیں طویل الحال ہونے کی وجہ سے چھوڑ

بھی دی ہیں، ہر حدیث غسل کر کے لکھی ہے، تراجم کتاب ما بین المنبر والقبر دو رکعت نماز پڑھکر لکھے ہیں، فربری کا قول ہے کہ جامع صحیح کی روایت بخاری سے نوے ہزار آدمیوں نے کی، ان میں سے صرف میں باقی ہوں، رمضان میں دن میں افطار تک ایک بار کلام مجید ختم کر لیتے تھے، فرماتے تھے ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، مسجد میں کسی نے امام بخاری کی داڑھی میں سے تنکا نکال کر زمین میں ڈالدیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ جس وقت لوگوں کی نگاہ بچنے پر ہاتھ بڑھا کر اس کو اٹھا لیا اور آستین میں رکھ لیا، مسجد سے باہر گئے تو اس کو بچا کر باہر ڈالدیا، آج بہت سے بخاری خواں اس واقعے سے ادب آموز ہو سکتے ہیں،

ایام طالب علمی میں چند روز درس میں حاضر نہ ہوئے، ساتھیوں نے تلاش کی تو معلوم ہوا کہ لباس پھٹ گیا، عریانی کی وجہ سے خانہ نشین ہیں، رفقانے لباس کا اہتمام کیا تو شامل درس ہوئے، ایک ساتھی کا بیان ہے کہ میں ایام سفر میں راتوں کو امام بخاری کو دیکھتا تھا کہ شب میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے چقماق سے آگ نکال کر بتی روشن کرتے، حدیثوں پر نشان بناتے، پھر لیٹ جاتے، امام کا قول تھا کہ میرے نزدیک حامد و ذام (مدح کرنے والا اور مذمت کرنے والا) یکساں ہے،

کئی صفحوں پر امام کے فضائل اور اکابر کی رائیں اُن کے حق میں پھیلی ہوئی ہیں، امام مسلم بن حجاج اُن کے سامنے اس طرح بیٹھتے جیسے بچہ استاد کے سامنے، ایک موقع پر انھوں نے کہا تم سے بغض سوا حاسد کے کوئی نہیں کر سکتا، تمہارا مثل دنیا میں نہیں، ابو مصعب المدینی کا قول ہے کہ امام بخاری ابن حنبل سے حدیث و فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں، کسی نے سنکر کہا آپنے حد سے تجاوز کیا، کہا اگر تم نے امام مالک کو دیکھا ہو تو تم ان کو اور بخاری کا چہرہ دیکھکر بول اٹھتے کہ یہ دونوں حدیث و فقہ میں برابر ہیں، امام بخاری کا یہ قول تھا کہ مجھکو ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حفظ یاد ہیں،

وفات کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ ابن آدم طواویسی نے روایت کی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر مع صحابہ کے تشریف فرما ہیں، میں نے سلام کیا، جواب سے مشرف ہوا، پھر

کی یہاں قیام کیوں ہے، فرمایا محمد بن اسمٰعیل البخاری کے انتظار میں کھڑا ہوں، ان کا بیان ہے کہ چند روز کے بعد امام بخاری کی وفات کی خبر پہنچی، حساب لگایا گیا تو وہی شب تھی جس شب کو خواب میں حضرت سرور عالم کو انتظار میں کھڑا دیکھا تھا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

امام محمد | محمد بن الحسن بن الفرقد ابو عبداللہ الشیبانی، صاحب امام ابوحنیفہ و امام اہل الرائے، دراصل دمشق میں حرستا نامی قریہ کے باشندے، ان کے والد عراق آئے، محمد واسط میں پیدا ہوے، کوفہ میں نشو و نما پائی، وہیں امام ابوحنیفہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری وغیرہ سے علم سنا، سماع حدیث بکثرت کیا، نیز امام مالک، اوزاعی اور امام ابی یوسف قاضی سے، بغداد میں سکونت اختیار کی اور حدیث و فقہ کی روایت کی، امام شافعی، جوزجانی وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے، ہارون رشید نے قاضی مقرر کیا، ان کے ساتھ خراسان گئے، بمقام رے انتقال کیا، وہیں مدفون ہیں، اسی روز کسائی نے وفات پائی، ہارون رشید نے کہا میں نے آج لغۃ اور فقہ کو دفن کردیا،

پیدایش سنہ ۱۳۲ھ میں، وفات سنہ ۱۸۹ھ میں عمر ۵۸ سال، اگرچہ حدیث کی سماعت کثیر تھی مگر رائے پر غور کیا، اسی کا غلبہ ہوا، اور اسی میں شہرت پائی،

ان کا قول ہے کہ باپ نے تیس ہزار روپیے چھوڑے تھے، میں نے پندرہ ہزار نحو اور شعر کی تحصیل میں اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ کی تحصیل میں خرچ کردیئے،

امام شافعی نے امام محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں تین برس سے زیادہ امام مالک کے پاس رہا اور سات سو سے زیادہ ان سے حدیثیں سنیں، امام شافعی کا یہ بھی قول ہے کہ جب محمد بن حسن مالک سے روایت حدیث کرتے تھے تو کثرتِ سامعین سے گھر بھر جاتا، گنجایش نہ رہتی، ایک موقع پر خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہوگئے، محمد بن حسن بیٹھے رہے، تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا، ان کے شاگرد و احباب پریشان ہوے، یہ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو پوچھا کہ تم فلاں موقع پر کھڑے کیوں نہیں ہوے، کہا کہ جس طبقے میں خلیفہ نے مجھکو قائم کیا ہے اس سے نکلنا میں نے پسند نہیں کیا، اہل علم کے طبقے سے نکلکر اہل خدمت کے

طبقے میں آجانا پسند نہیں آیا،

آپ کے ابن عم (یعنی آنحضرت صلعم) نے ارشاد فرمایا ہے، جو شخص اس بات کو محبوب رکھتا ہو کہ آدمی اس کے لیے کھڑے رہیں، وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے، آپ کی مراد اس سے گروہ علما ہے، پس جو لوگ حق خدمت اور اعزاز شاہی خیال کرکے کھڑے ہوں تو یہ دشمن کے لیے ہیبت کا سامان ہوگا، اور جو بیٹھے رہے انھوں نے اتباع سنت کیا جو آپ کے خاندان سے لی گئی ہے، اور آپ کے لئے زینت ہے، ہارون رشید نے کہا سچ کہتے ہو، (ابن ابی ذئب کے بیان میں اس کے ذیل میں شاندار واقعہ پڑھوگے)

بیس برس کی عمر میں مسجد کوفے میں علم کی تعلیم شروع کردی تھی، یحیی بن صالح کا قول ہے کہ مجھ سے ابن اکثم نے پوچھا تم نے مالک کو دیکھا ہے، ان سے حدیث سنی ہے، محمد بن حسن کی صحبت میں رہے ہو، کون زیادہ فقیہ تھا، میں نے کہا محمد بن حسن مالک سے افقہ ہیں، ابو عبید کا قول ہے کہ کتاب اللہ کا جاننے والا محمد بن حسن سے زیادہ کوئی نہ تھا، ربیع بن سلیمان نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن محمد بن حسن کی لغت میں اترا ہے، تو محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں، مزنی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے کوئی موٹا آدمی محمد سے زیادہ سبک روح نہیں دیکھا، ان سے زیادہ فصیح بھی نہیں دیکھا، جب میں ان کو قرآن پڑھتے دیکھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ قرآن انہی کی لغت میں نازل ہوا ہے، ربیع بن سلیمان نے امام شافعی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن حسن سے زیادہ عاقل آدمی نہیں دیکھا، یحیی بن معین کا قول ہے کہ جامع صغیر میں نے محمد بن حسن سے حاصل کرکے لکھی ہے، ربیع کا قول ہے کہ امام شافعی کا مقولہ تھا کہ میں نے محمد بن حسن سے ایک شتر بار کتابیں سیکھی ہیں، مزنی سے کسی نے پوچھا کہ ابو حنیفہ کے حق میں کیا کہتے ہو، کہا، سید ہیں، ان کے سردار تھے، کہا، ابو یوسف کہا، اتبعہم للحدیث، یعنی حدیث کے سب سے زیادہ تابع، کہا محمد بن حسن کہا، اکثرھم تفریعا، سب سے زیادہ مسائل نکالنے والے، کہا زفر کہا، احدھم قیاسا، قیاس میں سب سے زیادہ تیز،

امام شافعی کا یہ بھی قول ہے کہ فقہ کے معاملے میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر محمد بن حسن کا ہے، محمد بن حسن

کا اپنے متعلقین کو یہ حکم تھا کہ مجھ سے دنیاوی کوئی فرمایش نہ کرو، جو ضرورت ہو میرے مختار سے لو، تاکہ میرا قلب فارغ البال رہے اور میں بے فکر رہوں،

ابن داؤد کا قول ہے کہ بصرہ والوں کا فخر چار کتابیں ہیں، جاحظ کی کتاب البیان والتبیین، نیز کتاب الحیوان، سیبویہ کی الکتاب، خلیل کی کتاب فی العین (آنکھ پر) ہمارا فخر ستائیس ہزار مسائل پر ہے، جو حلال و حرام کے متعلق ایک کوفی محمد بن حسن کے نتیجۂ عمل ہیں وہ ایسے قیاسی و عقلی ہیں کہ کسی انسان کو ان کا نہ جاننا روا نہیں

ابراہیم الحربی کا قول ہے کہ میں نے احمد بن حنبل سے سوال کیا کہ یہ مسائل دقیق تم کو کہاں سے حاصل ہوئے کہا محمد بن حسن کی کتابوں سے،

قاضی ابن رجا نے محمویہ سے (جو ابدال میں شمار ہوتے تھے) روایت کی ہے کہ میں نے بعد وفات محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا، پوچھا، ابا عبداللہ کیا گذری، کہا مجھے ارشاد ہوا، میں تمکو علم کا خزانہ نہ بناتا، اگر تم کو عذاب دینے کا ارادہ رکھتا، میں نے کہا ابو یوسف کا کیا حال ہے، کہا فوقی، مجھ سے بالاتر ہیں، میں نے پوچھا ابو حنیفہ کہا فوق الطبقات، ابو یوسف سے بہت سے طبقے اوپر،

خطیب نے امام محمد بن حسن کی بابتہ جرح بھی نقل کی ہے جنمیں بعض سخت ہیں، مگر اس قریبًا ڈیڑھ ہزار برس کے زمانے میں، اکابر امت نے جو فیصلہ امام محمد کی عظمت کی بابتہ کیا ہے ظاہر ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی جرح قائم نہیں رہ سکتی خطیب کا قول ہے کہ جو قول آخر میں نقل کروں وہ میری رائے ہے، (تذکرۃ الحفاظ) چنانچہ محمویہ کا خواب جو سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، اس سے جرح و تعدیل کا فیصلہ خطیب کی تنقید کے مطابق بھی ہو جاتا ہے

محمد بن جریر الطبری صاحب التفسیر والتاریخ ولادت ۲۲۵ھ، وفات ۳۱۰ھ، عمر ۸۵ سال، عراق و شام اور مصر کی خلق کثیر سے علم حاصل کیا، بغداد میں آکر بسے اور وفات تک وہیں رہے، ان ائمہ علما میں سے تھے جن کے قول پر فتویٰ دیا جاتا تھا، اور ان کی معرفت و فضل کی وجہ سے ان کی رائے مانی جاتی تھی، اتنے علوم کے جامع تھے کہ ان کے زمانے میں ان کی نظیر نہ تھی، کتاب اللہ کے حافظ تھے، قرأتوں کے ماہر، معانی قرآنی میں صاحب بصیرت

احکام قرآن کے فقیہ، سنت اور اس کے طرق کے ماہر [illegible] کے صحیح و سقیم [illegible] و منسوخ کے عالم [illegible]

اختلافی احکام و مسائل، حلال و حرام کے عارف، تاریخ انسانی کے ماہر، تاریخ ملوک و امم میں [illegible]

ایک کتاب تفسیر میں ہے جس کے مثل کسی نے تصنیف نہیں کی، ایک کتاب کا نام تہذیب [illegible]

بھی بے مثل تھی مگر تمام نہیں ہوئی۔ اصول فقہ وغیرہ میں بہت سی کتابیں ہیں بہت سے [illegible]

مخصوص ہیں، اقوال فقہا میں اپنی رائے سے ترجیح بھی دی ہے۔ سمعانی کی روایت ہے کہ ابن جریر [illegible]

روزانہ چالیس ورق لکھتے رہے (کل تعداد اوراق ۰۰۰,۵۸ ہوتی ہے۔ شروانی)

فقیہ ابو حامد اسفرائینی کا قول تھا کہ اگر کوئی شخص چین تک تفسیر ابن جریر کے لئے سفر کرے تو [illegible]

کہ زیادہ سفر نہیں کیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابن جریر طبری نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ کیا تفسیر قرآن سے خوش ہوگے، پوچھا

کس قدر ہوگی، کہا تیس ہزار ورق، شاگردوں نے کہا اس کے تمام ہونے سے پہلے عمریں تمام ہو جائیں گی۔ پس مختصر [illegible]

میں مختصر تصنیف کی۔ اس کے بعد پوچھا تاریخ عالم سے خوش ہوگے؟ [illegible] تک [illegible]

سوال و جواب مثل تفسیر کے ہوئے، جب تیس ہزار ورق کو شاگردوں نے زیادہ بتایا [illegible]

انا للہ ہمتیں فنا ہوگئیں۔

ابن بالویہ کا بیان ہے کہ تفسیر کو ابن جریر نے [illegible] کاتب تھا [illegible]

میں لکھی۔ ابو بکر بن خزیمہ نے یہ تفسیر مجھ سے مستعار لی [illegible] کے بعد [illegible]

میں نے پڑھی، روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑھ کر عالم نہیں ہے۔

حنبلیوں نے ان پر مخالفت کی [illegible] نہیں دیتے تھے جو [illegible]

[illegible] حسین تمیمی [illegible] تھے [illegible]

خلقت [illegible]

کیا ہو جو کلام اللہ کی اس قرأت کو سنی خوبی و حسن سے پڑھتا ہو، بعد وفات اپنے مکان میں دفن ہوئے انکی وفات کی بابت اذن کسی کو نہیں کیا گیا، تاہم اسقدر مخلوق جمع ہوگئی کہ ان کے شمار اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مہینوں شب و روز انکی قبر پر نماز جنازہ پڑھی گئی،

حلیہ: رنگ پختہ، آنکھیں بڑی بڑی، نحیف الجسم، بلند و بالا، خوش بیان، باوجود پچاسی برس کی عمر کے سر اور داڑھی کے بال کثرت سے سیاہ تھے، اس سے قوت مزاج کا اندازہ کرو، رضی اللہ عنہ،

للہ در الطبری

اذا اعسرت لم اعلم رفیقی	واستغنی فیستغنی صدیقی
حیائی حافظ لی ماء وجہی	ورفقی فی مطالبتی رفیقی
ولو انی سمحت ببذل وجہی	لکنت الی الغنی سہل الطریق

محمد بن عبد الرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب مدنیؒ: پیدائش ۸۰ھ، ابو الحارث القرشی المدنی، عکرمہ مولی ابن عباسؓ، نافع مولی ابن عمرؓ، ابن شہاب الزہری وغیرہم سے حدیث سنی، سفیان ثوری، وکیع، عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان اور ان کے سوا ایک جماعت نے اُنسے حدیث روایت کی ہے، فقیہ صالح متقی تھے، آمر بالمعروف ناہی بالمنکر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جرأت میں ان کی مثال سعید بن المسیب سے دیجاتی ہے، یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے،

امیر المومنین مہدی نے ان کو بغداد بلایا، وہاں روایت حدیث کی، امام شافعی کا قول تھا کہ مجھ کو دو صاحبوں کے نہ ملنے کا افسوس ہے، لیث اور ابن ابی ذئب، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ابن ابی ذئب ثقہ، صدوق ہیں، مالک بن انس سے افضل تھے، مگر مالک تنقیۂ رجال میں زیادہ شدید تھے، ابن ابی ذئب کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس سے روایت کرتے ہیں، ان کا مثل ان کے بعد نہ ان کے بلاد (حجاز) میں تھا اور نہ دیگر بلاد میں، ابن خلاد کا بیان ہے کہ خلیفہ مہدی کا سفر حج کے دوران

میں مسجد نبوی میں وارد ہوا، خلیفہ کے داخلِ مسجد ہوتے ہی تمام حاضرین کھڑے ہوگئے، ابن ابی ذئب بیٹھے رہے، مسیب بن زہیر نے کہا، کھڑے ہوجاؤ یہ امیر المومنین ہیں، ابن ابی ذئب نے جواب دیا، انما یقوم الناس لرب العالمین آدمی صرف پروردگار عالم کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، خلیفہ اس جواب کی حدت سے کانپ گیا، ابن زبیر کہتا ہے کہ ان کو چھیڑ و میرے سر کے تمام بال کھڑے ہوگئے،

ابونعیم کی روایت ہے کہ جس سال منصور نے حج کیا، میں نے بھی اسی سال حج کیا، میری عمر اس وقت اکیس برس کی تھی، ابن ابی ذئب اور مالک بن انس خلیفہ کے ساتھ تھے، غروب کے قریب خلیفہ نے ابن ابی ذئب کو بلا کر اپنے پاس دار الندوہ میں بٹھایا، پوچھا کہ تمہارا خیال حسن بن زید کی نسبت کیا ہے، جواب دیا، انه یتحری العدل، وہ انصاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ سنکر منصور نے دو یا تین مرتبہ پوچھا، میری نسبت کیا کہتے ہو، ابن ابی ذئب نے کہا، ورب هذه البنية انك لجائر، قسم ہے اس عمارت (کعبہ) کے رب کی تمہارے ظالم ہونے میں شک نہیں، ربیع حاجب نے یہ سنکر ان کی داڑھی پکڑی، منصور نے کہا، اس نادان عورت کے بیٹے چھوڑ دے، اس کے بعد تین سو اشرفی انعام کا حکم دیا،

ابن ابی ذئب نے ایک بار منصور سے کہا،

امیر المومنین تمہاری رعایا تباہ ہوچکی، کاش تم ان کی امداد مال غنیمت سے کرتے

منصور، تیرا تباہی، اگر میں سرحدوں کی حفاظت نہ کرتا، اور لشکر نہ بھیجتا تو تمہارے گھر میں آج گوشت پکتا،

ابن ابی ذئب، تم سے جو بہتر تھے انہوں نے سرحدوں کی حفاظت، لشکروں کا سامان فتوحات تم سے زیادہ کیں، اور اسی کے ساتھ ذخیرہ تقسیم کر دیا،

منصور۔ تم یہ بتاؤ، وہ کون تھے؟۔

ابن ابی ذئب ۔ عمر بن خطاب،

یہ سنکر منصور نے سر جھکا لیا، المسیب کے ہاتھ میں تلوار تھی، ابن ہشیم کے ہاتھ میں چوب، منصور اُس طرف تو متوجہ نہ ہوا، محمد بن ابراہیم امام کیطرف دیکھکر کہا، ھذا اخیر اھل الحجاز، یہ تمام اہل حجاز میں برگزیدہ ہیں،

ابن ابی ذئب تمام شب خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے، اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ کل قیامت قائم ہو جائے گی تو ان کو کچھ کرنا نہ تھا، ایک روز روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، ایک مرتبہ شام میں زلزلہ آیا، ایک شامی نے ان سے زلزلے کی بابت پوچھا، انھوں نے متوجہ ہو کر حدیث بیان کی، وہ سنتا رہا، جب ختم کر چکے تو کسی نے کہا کھانا کھا لیجئے، (وہ دن افطار کا تھا) کہا آج ملتوی رکھو اس کے بعد مرتے دم تک تمام عمر روزے رکھے افطار نہیں کیا، تنگ دست تھے، روٹی اور تیل غذا تھی، ایک قمیص تھی ایک طیلسان، اسی میں گرما وسرما کے موسم بسر ہوتے، وکان من رجال الناس صراحۃ وقولا بالحق، بیباکی اور حق گوئی میں جوانمردوں میں سے تھے، حدیث کی سماعت بڑی عمر میں شروع کی، جن شیوخ سے اس تاخیر کی وجہ سے نہ مل سکے، ان کے نہ ملنے کا افسوس رہا،

تمام حدیثیں حفظ تھیں، کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہ تھیں،

امام احمد بن حنبل نے ان کو حدیث میں ثقہ، اور دینداری، تقویٰ اور حق گوئی میں امام مالک سے افضل کہا ہے، یہ بھی فرمایا ہے کہ ابن ابی ذئب منصور کے پاس گئے، حق کہنے میں ذرا بھی نہ ڈرے، صاف کہدیا الظلم فاش ببابک، تمہارے دروازہ پر ظلم پھیلا ہوا ہے،

۱۵۹ھ میں وفات پائی، ۷۹ برس کی عمر تھی، جعفر بن سلیمان نے پہلی مرتبہ والی مدینہ ہونے پر انکو سو دینار دیئے تھے، ان میں سے دس دینار کو ایک کُروی جبہ خریدا، ساری عمر وہی پہنا، انکے بعد ان کے بیٹے نے تیس ۳۰ برس پہنا،

خاکسار کہتا ہے کہ اس فقیرانہ گدڑی میں سے حق کے شعلے نکلتے تھے، خوش خوراکی وخوش لباسی کے دلدادہ وہ شعلے کہاں سے پیدا کریں گے،

(باقی)

خسرو باغ کے مقبرے

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی مولف تجلیات جلیل الٰہ آباد

(۲)

مقبرۂ خسرو

مقبرۂ خسرو ایک کنارے پر واقع ہے اس کے بعد کوئی مقبرہ نہیں اور کوئی چیز باغ کے سوا جنوبی دیوار ہے وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی مستقل راستہ بھی نہیں بنایا گیا۔ آپ کیاریوں کے کنارے کنارے یا روشوں پر ہو کر جا سکتے ہیں [illegible] برو گرچہ دوراست پر عمل فرماتے ہوں تو پھاٹک سے سیدھے مغرب کی روش پر ہو کر شاہ بیگم کے مقبرے تک [illegible] تشریف لے جاویں اور وہاں سے مقبروں اور حوضوں کو دیکھتے ہوئے خسرو کی قبر تک یہ بھی کچھ دور نہیں مقبروں کے درمیانی فاصلہ شرقاً غرباً بیس تیس قدم ہوگا۔ سیر و تفریح کا شائق [illegible] قدیمہ کا دلدادہ چار سو قدم آسانی اور خوشی سے طے کرتا ہے۔

مقبرہ ایک مربع پختہ خشتی چبوترہ پر بنا ہے جس کی بلندی ڈھائی فٹ اور خسرو باغ کے باقی مقبروں سے ایک فٹ زیادہ ہے چڑھنے کے لئے پتھر کی تین سیڑھیاں موجود ہیں چبوترہ مربع اور خوب وسیع و فراخ ہے مربع [illegible] گز اس چبوترہ پر پھر ایک اور چبوترہ بلند و سنگین نقشہ دار پتھروں کا واقع ہے یہ بھی چوکور ہے [illegible] اس کی بلندی ایک گز [illegible] مقبرہ کی عالیشان تعمیر ہوئی ہے جب [illegible] کی بلندی [illegible] سے بھی زیادہ ہوگی [illegible] پتہ نہیں ہے۔ مقبرہ کے فرش [illegible] پہنچنے [illegible] جیسے زندوں کی رسائی وہاں تک دشوار ہے [illegible]

عمارت مقبرہ ایک منزل کی ہے، مگر دور سے دو منزلہ معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ دروں اور محرابوں کی قطارین جیسی اوپر ہین، ویسی ہی نیچے بھی ہین، فرق یہ ہے کہ اوپر والے دروازے اور بند دراتنے اونچے نہین ہین، جتنے کہ نیچے والے ہین، مگر دونون قطارین ایک ہی بنیاد پر قائم ہین، ہر ضلع یا پہلو مین پانچ پانچ دروازے (ہر سمت) ہین، بلند سادہ وضع کی محرابین ہین، درون کی چوڑائی چھ چھ فٹ ہوگی، کنارون کے دو دو دروازون مین زینہ ہے، دوسرا اور چوتھا ہر طرف کا بند ہے، طریق تعمیر اور محرابین اور نشانات سب کے یکسان ہین، محرابون کے اندر دیوار مین طاق ہین، ان کے پتھرون پر خط نستعلیق مین، اُبھرے ہوئے حروف مین اللہ اللہ کندہ ہے، اسی طرح زیر و بالا محرابون پر نقطۂ مماس کے دونون جانب کلمہ طیبہ خوبصورت دائرون کے اندر کھدا ہے، گنبد مقبرہ کے چارون سمت، بیچ والی محرابون کے اوپر بڑے بڑے طاقچے ہین، ان مین پتھر کی جالیان اندر کی طرف پیوست ہین، آپ اُن کو ایک قسم کی گیلری تجویز کر سکتے ہین،

سامنے کے رُخ دُوسری چبوترہ پر چڑھنے سے، داخلہ کے دروازہ کے آس پاس اخیر کی دونون محرابون مین اوپر جانے کیلئے آمنے سامنے زینے ملین گے، سیڑھیون کی تعداد اُنیس اُنیس ہے، ایک خوش خیال مسلمان کا قیاس ہے، کہ حروف بسم اللہ کی رعایت سے یہ عدد فرد (۱۹) اختیار کیا گیا ہوگا حفاظت و نگہداشت کے لئے ان زینون مین کواڑ لگا دئے ہین، نیچے شروع مین صرف پتھر کی چوکھٹ باز و ہے، اوپر پہنچکر زینہ کے ختم پر دروازے مین کواڑ ہین، کھولنے پر ایک چھوٹی سی مسطح جگہ اور اس کے بعد ایک قسم کی تنگ کنگنی (کارنس) ملتی ہے، کسی وقت لوگ باحتیاط کھسک کھسک کر محرابون مین آجاتے تھے، اور محرابون کے پاس سے جو گھومتا ہوا زینہ اوپر گیا ہے، اُس پر چڑھ جاتے تھے، یہ مرحلہ خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کواڑ اب بند رہتے ہین، اس انسداد مین ایک مصلحت ظاہری مزار کی حُرمت و تعظیم بھی کار فرما ہے،

چھت کے چارون کونون پر نہایت مختصر بلکہ برائے نام منارے ہین، گوشے خالی نہین چھوٹے لوہے کی سیخون پر مختلف چڑھاؤ اُتار کے کلس پہنا کر ایک مخروطی شکل و ہیئت پیدا کر دی گئی ہے، اُس سے کچھ ہٹ کر گنبد کے متصل (دونون کے وسط ہین) ایک ایک گونڈی بنی ہے جسکو بعض لوگ (شاید فن کی زبان مین) گلدستہ کہتے ہین، یہ ضرور خوشنما اور مشرقی تکلفات تعمیر کی علمبردار و یادگار ہے، ہلکے پھلکے چھوٹے چھوٹے آٹھ آٹھ ستونون پر چھجے کے لئے پتھر لگا کر بقدر مناسب باہر نکال کر، اوپر کو

ایک خوبصورت گنبد [illegible] دیکھ کر [illegible] ہیں۔ [illegible]

خوبصورت نقشین ہے۔ مگر وہاں تک پہنچنا [illegible] کر لطف [illegible] دشواری [illegible] خالی نہیں۔

مقبرہ پر ایک نہایت بڑا گنبد ہے [illegible] قبر کے پورے [illegible] رفعت [illegible] سقف عمارت کے [illegible] [illegible] سے [illegible] پر اٹھایا گیا ہے جس سے نہ صرف عمارت میں [illegible] پیدا ہو گیا [illegible] ہے اور [illegible] مقبرہ کو خسرو باغ کی تمام تعمیرات سے ممتاز و شاندار بنا دیا ہے۔ حسب معمول [illegible] بھاری بھاری [illegible] ہیں [illegible] پیکس ہے۔

عمارت تمام و کمال سنگ سرخ کی ہے۔ اس کے ساتھ سنگ خطو یعنی زرد رنگ کے پتھروں کا استعمال و امتزاج ایک خاص کیفیت و لطف پیدا کرتا ہے۔ جالیاں سب لال پتھر کی ہیں۔ ان کا قدرتی رنگ چونے کی سفید قلعی سے بے رونق و بدزیب ہو گیا ہے۔ اندر چونے اور گچ کی استرکاری ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایسی سنگ تراشی و نقاشی کے نمونے الہ آباد کی بعض پرانی مساجد اور خانقاہوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ کوئی بے نظیر چیز نہیں۔ دیوار کی چوڑائی [illegible] چودہ فٹ ہو گی۔ یہ بھی تعجب کی بات نہیں۔ جہانگیر کے مقبرہ [illegible] پایا جاتا۔ مقبرہ میں داخل ہونے کے لئے ہر طرف صرف ایک ایک دروازہ [illegible] کھلا ہوا ہے۔ باقی دروازے [illegible] اور خانہ دار جالیوں سے بند ہیں۔ فی الحال صرف دکھن رخ کا بیچ والا دروازہ قبر تک آنے جانے کے واسطے [illegible] باقی [illegible] کے مقفل رہتے ہیں۔ چوکھٹ بازو پتھر کے ہیں۔ [illegible] [illegible] خوش وضعی کے ساتھ بنائے گئے ہیں [illegible] کر کے نیا لگایا گیا ہے۔ [illegible] رنگ پھیرا ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible]

ن تصویر کھینچی ہے، کہ جسوقت (حسب روایت پیر منڈے صاحب) ملک الموت نازل ہوا تھا، اور شاہزادہ قرآن پڑھ رہا تھا، فرشتہ
ی صورت اہلِ ہنر پریون سے مُشابہ بناتے ہین، ہاتھ کی کتاب سے خدا کی کتاب مراد ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ رحمت کا فرشتہ
زر و نیاز درود سلام کا پیشکش ہاتھ مین لیکر ایصالِ ثواب کی اجازت لینے عالم بالا کو جا رہا ہے، کسی ممتاز مسلمان کی گور پر تصویر کا
بنایا جانا ایک نئی اور تعجب خیز بات ہے، مگر یہان تو وہی، ع :- سرِ مزار مجاور بھی نوحہ گر بھی ہے،

حجرۂ قبر اندر کی جانب کچھ بلندی تک جہان محرابین ختم ہوتی ہین، چوکور بنا ہے، جہان سے گنبد کا دور دورہ شروع
وتا ہے، گول ہوگیا ہے چھت بھی خوب بلند ہے، اس کے نقطۂ علو کے گرد ایک دائرہ اور اس دائرے کے ہشت
پہل، ابھرے ہوئے اور ایک دوسرے سے سلے، اور ملاتے ہوئے دائرے، اور پھر دائرہ بناتے ہوئے رنگین پھول ہین
ان مین سے متصل ابھرے ہوئے مثلث اور قوسین اور پھول بھی بنتے چلے گئے ہین، یہ مثلثون، قوسون، اور دائرون کا
لگاتار سلسلہ ایسا ملا جلا چلا آتا ہے، جیسے کوئی پھولون کا جال درجال اوپر سے نیچے تک بچھا ہو، حسرت ہے اور افسوس، کہ
ناواقفیت فن و عدم ذہانت و مہارت کے باعث سے میرا قلم اس چیز کی صحیح صورت کشی سے عاجز ہے، اور اس طلسم
رنگین کو محض ایک گورکھ دھندا بنا کر چھوڑ نا چاہتا ہے، ورنہ اہلِ نظر کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کام اور یہ رنگ آمیزی مغلون کے
عہدزرین کی پینٹنگ اور نگار بندی کی بہترین یادگار ہے، اور الہ آباد کی لئے مایۂ ناز،

اس کارنامۂ رنگ و جمال کے نیچے، مگر محرابون کے اوپر چارون سمت اشعار لکھے ہین یعنی تاریخ کا پورا قطعہ گردن
مین سیاہی سے مرقوم ہے، مقبرہ کے اندر اُس حصہ پر جو مربع ہے، طاقون پر "الله، الله" اور محرابون کے دونون جانب خوشخط
نستعلیق مین کلمۂ طیبہ لکھا ہے، کندہ نہین ہے،

در و دیوار پر چارون طرف پھول پتے بنے ہین، محرابون اور طاقون کے گرد کے بیل بوٹے بالخصوص دلآویز ہین
سرو شمشاد کے جھاڑ بھی ہین، یہ تمام نقش و نگار پختہ شوخ رنگ، مصالحون سے بنائے گئے تھے، دست و برد زمانہ سے اب
مٹتے جا رہے ہین، مرمت مین عمارت کے حفظ و بقا، کا انتظام کیا جاتا ہے، نقوش اور گلکاریون کے قائم اور برقرار رکھنے
کا التزام مدِ نظر نہین رہتا، اسی طرح طاقون پر جو کچھ کام تھا یا تکلفات تھے، ان کو صدیون کے امتداد اور چراغون کے

نزہیر نے تقریبًا محو و صحو کر دیا ہے

سلطان خسرو کی قبر عرف عام مین اوسکی بے گناہی اور خون ناحق کے سبب سے پانچ مورت کا مزار کہلاتی ہے مسٹر فرنیچ اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین کہ مسلمان بادشاہون کی قبرین عام طور پر متبرک مانی اور سمجھی جاتی ہین ان کا بڑا ادب و احترام کیا جاتا ہے مسلمانون کی نسل کا یہ ایک طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے بادشاہون کو پیوند خاک ہوجانے کے بعد بھی یاد رکھتے اور بڑے خلوص و شوق کے ساتھ [illegible] تعظیم و اطاعت کرتے ہین۔ تربت سوا تین فٹ بلند چبوترہ پر واقع ہے جس کا طول و عرض یکسان ہے ساڑھے تیرہ تیرہ فٹ تعویذ دو فٹ اونچا ہوگا آٹھ فٹ لمبا چار فٹ چوڑا سب ملا کر قبر کی بلندی سوا پانچ فٹ ہوئی چبوترہ کی بغلی دیوارون مین تین تین روشن خوشنما جدولون سے مصور ہین۔ قبر پر ایک انچ موٹا مضبوط چونے کا پلاسٹر ہے جسکو اوس وقت کے طریقہ پر پالش کرکے جلا دیگئی تھی سنگ مرمر کے مثل چمکنے لگا مگر مرور زمانہ سے اب اس مین وہ آب و تاب باقی نہین رہی [illegible] ہوتی جاتی ہے [illegible] ترخ گئی ہے اور دو جگہ مصالحہ بھی اوکھڑ گیا ہے جس سے یہ کیفیت و حقیقت کھل گئی ورنہ اس عمدہ صناعی کی بدولت ہر دیکھنے والا سنگ مرمر کا دھوکا کھا جاتا ہے

تعویذ کے باہر چارون گوشون پر چودہ چودہ انگل کے فصل پر چوکور سوراخ ہین خادم وہی دار کہتے ہین کہ کچھ زمانہ پہلے یہان نقرئی ستون نصب تھے جو زبردستون کی دراز دستی کے نذر ہوگئے اور تاریخ شاہد ہے کہ انہین چاندی سونے کے کھمبون پر مخمل کے زرین شامیانے کھڑے کئے جاتے تھے پادری منڈی صاحب نے لکڑی کا خطیرہ کٹہرہ اور سیپیون اور موتیون کی جڑائی ہوئی دیکھی تھی آج اسکے نشان بھی باقی نہین کوئی پتہ نہین ملتا حسرت سے دیکھتا ہوا در و بام کی طرف خیال رہتا ہے کہ کس قسم کی قیمتی نذرون نفیس و بیش دست کاری کی چیزون [illegible] پچی کاری کے پھول پتیون کا [illegible] درگاہ صاحب [illegible] شیخ سلیم چشتی کے روضہ فتحپور سیکری اور خواجہ قطب الدین کے مزار دہلی پر [illegible] ابتک موجود [illegible]

[illegible]

عقیدتمندون کی یادگار ہین،

خسرو کی قبر کے ادھر اودھر (پورب پچھم) نسبتہً چھوٹی چھوٹی دو قبرین شہ نشینون مین ہین، ایک داہنے پہلو مین ہے، دوسری بائین مین، اُن پر کوئی کتبہ نہین جس سے صاحبِ قبر کا پتہ چل سکے، ایک کے تعویذ پر صرف اللہ اللہ کندہ ہے، مجاورون کا بیان ہے، کہ پورب والی قبر مرد (لڑکے) کی ہے پچھم والی لڑکی کی، ہیئت کذائی بھی اس قول کی تصدیق کرتی ہے کس کا لڑکا تھا، اور کون سی لڑکی؟ یہان کیسے پہنچے؟ کیا نام تھا؟ تاریخ کی زبان اس بارہ مین خاموش ہے،

قبر کے دکن ایک تنگ کھڑکی ہے جس کے اندر زمین دوز راستہ بنا تھا، مگر اس وقت بند ہے، غیر مستند و غیر محقق روایت ہے، کہ اکبر اکبر کے قلعہ تک جاتا تھا جسکو بعض مصلحتون سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اربابِ حل و عقد نے مسدود کرا دیا، میرے نزدیک سرنگ کا قصہ بداہتہً غلط اور ایک بے بنیاد افسانہ ہے، یہ راستہ قبر والے تہ خانے تک پہونچ کر ختم ہو جاتا ہوگا،

امپریل گزیٹیر آف انڈیا کے ڈائرکٹر جنرل، ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی یہ مختصر تحریر[1] حرف بحرف درست ہے کہ "مقبرہ پر ایک خوبصورت گنبد دار عمارت تاج کے طرز کی بنی ہے، اس کے اندر پھولون اور چڑیون کی تصویرین ہین" بلا شبہہ مقبرۂ خسرو اپنی وسعت و فسحت اور عالی شان برج کے لحاظ سے، یا یون کہئے کہ بحیثیت مجموعی اپنے ہمسایہ مقابر بلکہ ضلع الہ آباد کی تمام متفرق شاہی عمارتون سے نمایان اور بلندی و خوبصورتی مین ممتاز ہے، لیکن تاج کے ساتھ اوس کی مماثلت کیا ہو سکتی ہے، تاج، دنیا کا تاج اوس کے سالہا سال سے دراز بعد بنا ہے، مقبرۂ خسرو کے لئے اوس کی نظیر شاید بے نظیر شہرت و نام کی وجہ سے دی گئی ہو،

خسرو نے بھری جوانی مین جان دی تھی، فرزانگانِ فن کا تجربہ ہے، کہ جس درخت کی شاخین بہارین اٹھان کے وقت کاٹ دی جاتی ہین، وہ خوب بڑھتا، اور پھیلتا ہے، خسرو کی نو دپودہ تو برابر قطع ہوتی رہی، بڑھنے نہین پائی، مگر شاید اس کلیہ کے ماتحت مزارِ خسرو کے خادم و مجاور یا مقبرہ کے محافظ اچھی عمر پاتے ہین، موجودہ خادم

[1] مطبوعہ ۱۸۹۳ء جلد اول صفحہ ۱۹۸، نیز صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ ۱۸۸۵ء،

[illegible] سال کا ایک بچہ موجود ہے۔ اس کا پیشرو اس کا بڑا بھائی [illegible] ہے جو بڑا ذہین [illegible] ہو

خسرو اور اوسکی اولاد گرامی نژاد کے مقابر کے گرد و پیش کی آبادی اور تعمیرات شاہی کا سلسلہ خلد آباد کہلاتا ہے۔

گورستان کے متصل بستیوں کا یہ نام تبرکاً و تیمناً اور جگہ بھی رکھا گیا ہے۔ زمان و مکان کی قید نہیں دکن میں اورنگ آباد

کے قریب شہنشاہ عالمگیر کے روضہ کے اطراف کو بھی یہی شرف تسمیہ حاصل ہے۔ سرکاری گزیٹیر کی روایت ہے کہ خسرو کی جلا وطنی

کی حالت میں خلد آباد کے سادات نے اوسکی رفاقت کی تھی۔ مگر اپنے ماخذ کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا جس سے ان شرفاء کے

ناموں اور کارناموں کا علم اور عصر حاضر میں ان کے اخلاف کی تحقیق و تصدیق ہوسکے۔ نہیں معلوم کہ زمانہ جلا وطنی سے لکھنے

کا مقصود کیا ہے۔ خسرو کی پوری زندگی میں کچھ دن بھی ایسے نہیں پائے جاتے جن پر اس کی حیات صادق آسکے۔ بچپن اور

کچھ جوانی [illegible] باپ کے دربار اور سایہ شفقت میں امن و امان، عیش و فراغت کے ساتھ گذری۔ اس کے بعد باپ کی تاجپوشی

و گرانی میں بھاگا لڑا پکڑا گیا۔ وہ عمر بھر قید و حبس میں رہا۔ خسرو کی تمام کارروائیات اور کارناموں میں اسکے رفقاء اور جان

نثاروں کی فہرستیں جو گرفتار اور بعد ازاں تہہ تیغ [illegible] ہوتے رہے۔ کسی [illegible] کا نام نہیں ملتا۔

کہہ چکا ہوں کہ شاہزادہ کی عظمت اور اوسکے روضہ کی حرمت عوام میں اب بھی باقی ہے۔ برسات کے موسم میں

یہیں، اُس کے مزار پر ہر سال میلہ لگتا ہے، شیرینی چڑھائی جاتی ہے، رات کو روشنی ہوتی ہے، گانا بجانا بھی۔ خسرو باغ

کا بڑا پھاٹک جو معینہ قواعد و اہتمام کے بموجب معمولاً بند کر دیا جاتا ہے، اس شب کو کھلا رہتا ہے۔ یہ رات اس پھاٹک اور

اس باغ کیلئے شب برات، رونق اور چہل پہل کا باعث ہوتی ہے۔ جنت نصیب شاہزادہ کی بدولت باغ کے دن بھی

ف٥ یورپ کے غارت گروں نے [illegible] اور دولت آباد سے [illegible] حضرت شاہ برہان الدین غریب

کا روضہ (مرقد مبارک) مسلمانوں کی مشہور زیارت گاہ ہے جس کے پائین دفن ہونے کو [illegible]

و برکت کا باعث سمجھا تھا۔ یہ مقام پہلے روضہ کہلاتا تھا، اورنگ زیب کے یہاں دفن ہونے کے بعد سے خلد آباد کہلاتا ہے۔

(مفتاح التواریخ صفحات [illegible] و تاریخ گزیٹیر [illegible]

صفحہ ٥٠٩۔

پھر جاتے ہیں، اسی رات میں پھاٹک پر نعل چڑھائے جاتے، کیلوں سے جڑے جاتے ہیں، پہلے سونے چاندی کے بھی ہوتے تھے، جن کی دیکھنے والی آنکھیں اور شہادت دینے والے لوگ اب تک باقی ہیں، لیکن کفایت شعاری کے خیال یا حقیقۃً افلاس کے مارے اب عموماً لوہے کے رہ گئے ہیں، اس اجتماع میں حسب معمول ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، یا ہوتی تھی، مسلمانوں کی کم، خوش اعتقاد مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کا سالانہ عُرس سمجھا جاتا ہے، اور ہندوؤں کے دستور یا رسوم کے اعتبار سے ملک کی بول چال میں میلا، بہرصورت حاجت مندانِ عقیدت کیش خسرو شہید کے بابرکت مزار سے اب بھی منتیں مانتے، مرادیں مانگتے، اور سب کچھ پاتے ہیں، مشعلیں اور روشنی ساتھ لاتے اور قبر پر حسب حیثیت نذریں چڑھاتے ہیں، رات کے آٹھ نو بجے تک ایک اچھا خاصہ صاف ستھرا شہری نیز دیہاتی، ملا جلا، مجمع دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے، البتہ یہ جماؤ روز بروز کم ہوتا جاتا ہے، کچھ تو اعتقادات میں فرق آنے کی وجہ سے اور کچھ مخلوق کے اپنے اپنے اشتغالات اور موجودہ اختلافات کے باعث سے،

حتی کہ اب شہر کے اعلیٰ وادنیٰ بھی اس سے کم واقف ہیں کہ بھادوں میں جب کہ یہاں سے پچھم جانب کچھ فاصلہ پر سلیم سرائے کے قریب، ماموں بھانجے کا میلا دیوگیری میں (ہندوں کا) لگتا ہے، تو اوسی کے ساتھ اسی مہینہ (یعنی اگست) پہلی دو جمعراتوں کو یہاں بھی ہوتا ہے، مقامی شہرت واہمیت گھٹ جانے کے سبب سے، یا یہ کہ حسب دستور سابق غریب مجاوروں کو کسی قدر اہتمام واعلان کرنا پڑتا ہے، پھاٹک پر نقارہ بجایا جاتا ہے، لوگ آجاتے ہیں، اور شاہزادہ سے محبت وعقیدت رکھنے والے جمع ہوکر اس کی تربت پر دو پھول چڑھا دیتے ہیں، آپ جائیں گے اور کتنی ہی مدت گزری ہوگی تو بھی کچھ نہ کچھ باسی ہار اور بکھری ہوئی، پژمردہ وافسردہ کلیاں وہاں دیکھیں گے، گزٹیر والوں نے اپنی (میلوں کی) فہرست میں اس کو شامل نہیں کیا ہے، بعض اور میلے بھی جن کی نوعیت بالکل مذہبی رہ گئی ہے، نذر انداز کر دئے ہیں[1]

(باقی)

---

[1] ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید جلد ۲۳ ص ۹۶،

تاریخ اسلام کا ایک ورق

٧٦٧ھ میں اسکندریہ کی تباہی اور اوس کے چشمدید حالات

از

مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی، مہتمم تالیفات ریاست رامپور، سابق رفیق دار المصنفین

ممالک اسلامیہ پر صلیبی مجاہدین کے حملوں کا سلسلہ گیارہویں صدی عیسوی کے اخیر سے شروع ہو کر چودہویں صدی کے وسط تک جاری رہا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی وہ تھی، جو ٧٦٧ھ میں اسکندریہ پر بد ترین تباہی کی شکل میں نازل ہوئی۔ اس مہم کا علمبردار قبرس کا فرمانروا پیٹر اول (PETER-I) تھا۔ اس نے قبرس پر ١٣٥٩ء سے ١٣٦٩ء تک حکومت کی۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مضمون نگار کا بیان ہے کہ چودہویں صدی میں صلیبی جہاد کا عام جوش سرد پڑ گیا تھا۔ اور اس وقت مسیحی دنیا میں صرف پیٹر ہی ایک ایسا تاجدار تھا کہ جس نے ارض مقدس کی واپسی کے لئے تلوار بے نیام کی، اور اس کے وزیر اعظم پی ڈی میزیرس (P. DE. MEZIERES) نے تمام یورپ کا دورہ کر کے اس آگ کو بھڑکانا چاہا۔ اگرچہ سلاطین یورپ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تاہم اس وزیر کی کوشش سے پرستاران صلیب کی ایک بڑی جماعت قبرس میں مجتمع ہو گئی، اور خود شاہ قبرس کی زیر قیادت حضرت مسیح کی ان بھیڑوں نے اسکندریہ میں وحشت و بربریت کا وہ ہولناک منظر پیش کیا کہ اوس کے تخیل سے آج بھی آنکھوں میں خون کے آنسو بھر آتے ہیں۔

اس واقعہ ہائلہ کے متعلق کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں تقریباً پانچسو صفحات کی ایک ضخیم کتاب موجود ہے۔ ٹائٹل پیج پر کاتب نے اپنی جہالت سے کتاب کا نام مرآۃ العجائب موقدی لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کا ایک غیر مکمل نسخہ برٹش میوزیم

لندن مین بھی ہے، مگر وہ شاید ہمارے اسی نسخہ کی نقل ہے، یا کم سے کم دونون ایک ہی اصل سے منقول ہین، کیونکہ "مرآۃ العجب للواقدی" والی غلطی بعینہ وہان بھی موجود ہے، اس کتاب کا ایک تیسرا نسخہ برلن کے کتب خانہ مین ہے، اس مین مصنف کا نام مذکور نہین ہے، لیکن کتاب کا صحیح نام مندرج ہے، خود مصنف نے زیر تبصرہ نسخہ کے ص ۲ مین اس کتاب کو "الالمام فیما جرت من الاحکام والامور المقضیۃ من وقعۃ الاسکندریۃ" کے نام سے موسوم کیا ہے، اگرچہ مصنف کا نام بالتصریح موجود نہین ہے، تاہم وہ اپنی نسبت "النویری" کو اکثر ذکر کرتا ہے، علاوہ برین ص ۲۳۱ مین مصنف اپنے ایک قصیدہ مین جسکو اوس نے ایک دوست شیخ شرف الدین ابو حفص عمر بن سید الناس صدر مدرس مدرسۂ مالکیہ فیوم کی تعریف مین لکھا ہے اپنے کو ابن قاسم کے نام سے مخاطب کرتا ہے، چنانچہ وہ شعر جسمین یہ نام آتا ہے درج ذیل ہے:-

ان ابن قاسم مخلصاً لک بالدعاء

یرجو الاجابۃ من الٰہ النّاس،

مذکورۂ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ درحقیقت یہ وہی کتاب ہے، جس کو حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (جلد ۲ ص مطبوعہ یورپ) مین تاریخ اسکندریہ کے سلسلہ مین اس طرح بیان کیا ہے:-

دفی وقعتها الحادثۃ کتاب لمحمد بن قاسم النویری المالکی المتوفی ۷۷۲ھ

صاحب کشف الظنون نے جو سال وفات درج کیا ہے، وہ یقیناً غلط ہے، کیونکہ ص ۱۸۳ مین مصنف کا بیان ہے کہ اوس نے اوسکی تصنیف سے ۷۷۵ھ مین فراغت پائی، اس لئے وہ اس وقت تک یقیناً زندہ تھا، علامہ ابن حجر العسقلانی نے الدرر الکامنہ مین محمد بن قاسم النویری کا مختصر تذکرہ دیا ہے، مگر زیر مطالعہ نسخہ مین سال وفات مذکور نہین،

خود اس کتاب سے مصنف کے متعلق جسقدر حالات دستیاب ہو سکے، وہ یہ ہین، کہ ۷۳۶ھ مین وہ اپنا وطن النویرہ چھوڑکر تلاش معاش اسکندریہ پہنچا، اور اوس کو ایک نہایت ہی خوبصورت اور پر رونق شہر پاکر ہمیشہ کے لئے متوطن ہوگیا، کتابین نقل کرنا اور اون کو علم دوست امرا اور روسائے شہر کے ہاتھون فروخت کرنا اس کا پیشہ تھا، ۷۶۷ھ مین جب پیٹر اول (PETER-I-) اسکندریہ پر حملہ آور ہوا تو ہمارا مصنف بھی مدافعین کی جماعت مین ایک مرد میدان کی طرح

شریک کارزار ہو۔ اہل قبرس کا یہ حملہ بالکل ناگہانی تھا، مسلمان بالکل غافل تھے۔ اسکندریہ کا حاکم حج کے سفر میں تھا، اس کا نائب جو قائم مقام نہایت ہی ناتجربہ کار و ناعاقبت اندیش تھا، شاہی افواج بھی یہاں سے دور تھیں، صرف شہر کے رضاکاروں نے ساحل پر ان مسیحی حملہ آوروں کو جنہیں تمام یورپ کے منتخب بہادر شامل تھے، روکا۔ تھوڑی دیر تک تیر و تفنگ کی بارش ہوتی رہی مجاہدین صلیب اپنی آہنی ڈھالوں کی پناہ میں کشتیوں سے کود کود کر خشکی پر چڑھ آئے۔ کچھ عرصہ تک دست بدست کی جنگ ہوئی بالآخر مسلمان پسپا ہوتے ہوئے شہر کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اگر یہ قبرسی فاتحین درندوں کی طرح شہر میں گھس پڑے اور عورت، مرد، بوڑھے، بچے، غرض ہر جاندار یہاں تک کہ گھوڑے اور گدھے بھی نہایت ہی بیدردی کے ساتھ تہ تیغ کر دئے گئے۔ مصنف کا بیان ہے کہ اہل قبرس ایک خاص قسم کی آتشگیر چیز اپنے ساتھ لائے تھے، اس کو چھتوں اور دروازوں پر ڈال دینے سے فوراً آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ غرض پورا شہر جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا۔ جو لوگ جان بچا کر بھاگ سکے، ان میں ہمارا مصنف بھی تھا، اپنے اہل و عیال کو لیکر اپنے قدیم مسکن نویرہ پہنچا، وہاں علامہ ابن سید الناس اس سے مل کر اسکندریہ کی الم ناک تباہی کا حال دریافت کرنے آئے۔ مصنف نے ان کو اپنا وہ قصیدہ سنایا، جس کا ایک شعر اوپر مذکور ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب کہ سلطان مصر کی افواج قاہرہ نے اسکندریہ میں امن وامان قائم کر دیا، اور جو لوگ جان بچا کر بھاگ نکلے تھے وہ پھر وہاں واپس آنے لگے، تو ہمارا مصنف بھی اس ویرانہ کی زیارت کے لئے آیا، اور اس کو اس اجڑی ہوئی حالت میں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا، آنکھوں نے خون کے آنسو بہائے، اور دل مضطر نے مرثیہ کی شکل میں اپنے جذبات درد و الم کا اظہار کیا اوس نے جو مرثیہ لکھا ہے، اس کا پہلا شعر یہ ہے:-

عاذلی لا تلم و خل ملامی

فعیونی بعد الدموع دوامی

مرثیہ خوانی سے فارغ ہو کر اس واقعہ [illegible] مصنف نے [illegible] مرتب کی [illegible] کتاب کا موضوع تباہی اسکندریہ کی تاریخ ہے، تاہم ضمناً [illegible] عرب پر [illegible] سے عہد نبوت سے آٹھویں صدی تک کے تمام اہم تاریخی واقعات کو اس میں تفصیل سے [illegible] اصل موضوع [illegible]

سیاسی حالت اور تباہی اسکندریہ کے بعد جو واقعات رونما ہوئے، ان کو ہم کتاب کے مختلف حصّون سے ڈھونڈھ کر ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہان درج کرتے ہین،

اسکندریہ کی تباہی کے وقت سلطان الملک الاشرف ناصرالدین شعبان (۷۶۴ھ - ۷۷۸ھ) مصر کا محض برائے نام بادشاہ تھا، الامیر الاتابکی یلبغا الخاسکی تمام سیاہ وسفید کا مالک بنا ہوا تھا، بحری مملوک سلاطین مصر کے آخری عہد مین اس امیر نے سلطان گر کی حیثیت اختیار کر لی تھی، اس کے پاس دو ہزار غلام تھے، ان کو جلبان کہا جاتا تھا، یہ نہایت ہی سرکش تھے اون کے ظلم وتعدی سے اہل مصر عاجز آگئے تھے، اُن کی سرکشی بالآخر یہانتک بڑھی، کہ انھون نے خود اپنے آقا امیر یلبغا کو مار ڈالا اور اوس کے بعد سلطان شعبان پر حملہ آور ہوئے، مگر مصر کی رعایا نے سلطان کی بر وقت مدد کی، اور یہ جلبان ۷۶۸ھ مین ایک ایک کر کے مار ڈالے گئے، اب سلطان نے آزادی کے ساتھ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین سنبھالی، مصنف اوس کی دادرسی ورعایا پروری کی تعریف کرتا ہے، اور اوس کے طولِ حیات، دوامِ حکومت واستحکامِ مملکت کیلئے نہایت ہی خلوص کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزت مین دعاگو ہے،

مذکورۂ صدر تصریحات سے یہ صاف عیان ہے، کہ جسوقت پیٹر اول (PETER-I-) نے مصر و شام کے ساحلی شہرون مین قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا تھا، اس وقت دربارِ مصر کی حالت نہایت ہی بد سے بدتر تھی، اور غلامون کے ظلم وتعدی سے رعایا تباہ ہو رہی تھی، تاہم اسکندریہ کی تباہی نے مسلمانانِ مصر کی آنکھین کھولدین، ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائین بلند تھین چنانچہ اس واقعہ ہائلہ کے بعد امیر یلبغا نے مصر و شام کے سواحل مین جنگی جہازات کی تعمیر کے نئے متعدد کارخانے کھلوائے اور مصنف کے بیان کے مطابق صرف تھوڑے ہی عرصہ مین ایک سو پچاس جہازون کا ایک مضبوط بیڑا تیار ہو گیا، یہ ہر قسم کے سامان واسلحۂ جنگ سے آراستہ تھا، اس مین دو قسم کے جہازات تھے، ایک کو "طرائد الخیل" اور دوسرے کو "شوانی الغزو" کہا جاتا تھا، بحری فوج اور ملاحون کی تعلیم وتربیت اندلس کے ایک امیر البحر ابراہیم التازی کے سپرد تھی، الغرض جب یہ بیڑا پوری طرح مکمل ہو گیا، تو دریائے نیل مین امیر یلبغا کے سامنے اون کی نمائش ہوئی، ان جنگی جہازات کے بالمقابل خشکی پر بری افواج بھی صف بستہ تھین، اس طرح تری اور خشکی مین ایک سا

جان بازی و بہادری کے کرتب دکھائے جا رہے تھے، دریائے نیل کے کنارے لاکھوں تماشائیوں کا مجمع تھا، جن میں جسترہ کیتلان کے سفرا بھی موجود تھے، واقعۂ اسکندریہ کے ساتھ دربار مصر میں یہ اس لئے حاضر ہوئے تھے کہ اہل قبرص کی سفاکی پر صاحب کیتلان کی طرف سے بیزاری کا اظہار کریں، مصنف نہایت ہی جوشِ مسرت کے ساتھ اسلامی شان و شوکت کے اسی پر رعب منظر کا نقشہ کھینچتا ہے، اور کہتا ہے، کہ کیتلان کے سفرا پر اس نمایش کا بہت اچھا اثر پڑا ہوگا، انھیں معلوم ہوگیا ہوگا، کہ صرف ایک سال کی مدت میں اسکندریہ کی تباہی کا انتقام لینے کیسے منظم کیسی عظیم الشان تیاریاں کی گئیں

انتقامی تیاریوں کے ساتھ ساتھ تعمیر اسکندریہ کی تجدید کا کام بھی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہا تھا، یہ خدمت امیر سیف الدین الاکز والی اسکندریہ کے سپرد تھی، اس نے بہت جلد اس کھنڈر کو پھر عروس البلاد بنا دیا، اہل شہر کی راحت و آسایش کے لئے کشادہ سڑکیں نکالی گئیں، مساجد و مدارس کی ترمیم و تعمیر عمل میں آئی، مریضوں کے لئے ایک عظیم الشان مارستان (اسپتال) کی بنیاد ڈالی گئی، اس میں ہر وقت ہر قسم کی دوائیں تیار رہتی تھیں مریضوں کی عافیت و آسایش کا خاص انتظام تھا، مصنف کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں مصر کا سب سے بڑا مارستان قاہرہ کا "المارستان المنصوری" تھا، مگر اسکندریہ کا یہ جدید مارستان اپنی عظمت میں اس سے بھی بڑھ گیا، اس کا نام "المارستان الصلاحی" تھا، [illegible] اور گلیوں کی جاروب کشی و صفائی کے بہترین انتظامات عمل میں آئے، سڑکوں پر روشنی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا، [illegible] شہر جنت کا نمونہ نظر آتا تھا، شہر کی حفاظت و قلعہ بندی کی طرف بھی خاص توجہ مبذول کی گئی، شہر پناہ کی دیوار مستحکم کی گئی، اس کے دروازوں پر تیر اندازوں کے لئے لکڑی کے برج بنوائے گئے، اور ان کو [illegible] کی تہوں سے منڈھا گیا، مصنف کا بیان ہے کہ تہوں سے منڈھے جانے کے باعث یہ دشمن کی آتشباری سے محفوظ ہوگئے تھے، شہر کے دروازوں میں لوہے کے پھاٹک لگوائے گئے، یہ ایک مشین کے ذریعہ جب ضرورت ہوتی [illegible] بند ہو جاتے، اور جب ضرورت ہوتی کھینچ کر اٹھا دیئے جاتے، اس قسم کے دروازے تو قب [illegible] دشمن کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے [illegible] مفید خیال کئے گئے تھے، شہر کی مشرقی سمت میں خندق نہ تھی، اور اسی طرف سے اہل قبرص شہر میں گھس آئے تھے، چنانچہ اس تجدید تعمیر کے وقت اس جانب بھی ایک بڑی خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا گیا، اس سلسلہ میں مصنف

جدید اختراعات کا ذکر کیا ہے، اون کو ہم یہان کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہین،

شعل | اسکندریہ کے "دار الصناعۃ الحربیۃ" نے ایک خاص قسم کا مشعل ایجاد کیا تھا، جو رات کو روشنی کا کام دیتا تھا، اور
کے وقت دشمن کے جہازات یا مکانات پر آتشباری کرکے اون کو خاک سیاہ کر سکتا تھا،

ں | یہ چھوٹی توپچی کے مانند ایک چیز تھی، بارود کی قوت سے یہ دور دور تک تیراندازی کا کام دیتی تھی،

الحدید | یہ لوہے کے نہایت ہی تیز کانٹے تھے، ضرورت کے وقت ہانڈیون مین بند کرکے منجنیق کے ذریعہ سے دشمن
ستون مین پھینکے جاتے تھے، یہ اس کثرت کے ساتھ راستہ مین پھیل جاتے، کہ دشمن کو قدم بڑھانا دشوار ہوجاتا،

جا ر قدور | ہانڈیون مین ایک خاص قسم کا تیزابی مادہ جو پیشاب سے تیار کیا گیا تھا، بھرا جاتا، اور ان کو دشمن پر پھینکا جاتا، اس کا
شمن کی بصارت چشم و قوای دماغی کو زائل کرنے کیلئے کافی تھا،

الکبار | خاص قسم کی بڑی بڑی توپین بنوائی گئی تھین، ان سے نہایت ہی تباہ کن پھٹنے والے گولے پھینکے جاتے تھے؛
تشگیر اشیا، کی آمیزش کے ساتھ سنگریزون سے تیار کئے جاتے تھے، ہم اون کو اوس زمانہ کا بم کہہ سکتے ہین،

غرض ان جارحانہ و مدافعانہ تیاریون کی تکمیل کے بعد ۷۶۹ھ مین سلطان الملک الاشرف نے اسکندریہ کو اپنے
یت لزوم سے مفتخر کیا، ملک امرالامرا، استبغا نے تمام اہم مقامات کا ملاحظہ کرایا، سلطان نے ایک دربار منعقد کرکے ان لوگون
ن نے اسکندریہ کی تجدید تعمیر و قلعبندی مین غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی تھی، خلعت و انعام سے مشرف فرمایا، امیر البحر ابراہیم التازی
و خلعت فاخرہ کے خاص اپنی سواری کا ایک قیمتی گھوڑا اعطا فرمایا اور مصر کے جنگی بیڑے کا افسر اعلیٰ مقرر کرکے اہل قبرس کی
ب کی خدمت سپرد فرمائی،

ابراہیم التازی ایک تجربہ کار بحری مجاہد تھے، عمر کا بیشتر حصہ سمندر کی لڑائیون مین بسر ہوا تھا، قبرس پر چڑھائی کرنے
بلے دشمن کی دیکھ بھال کے لئے ایک متجسسانہ بحری مہم لے کر روانہ ہوئے، صرف سات سو جانباز سپاہی اور دو جہازون
ـ مختصر بیڑا ساتھ تھا، دشمن کو دھوکے مین رکھنے کے لئے ان لوگون نے فرنگی جہازرانون کی پوشاک اختیار کی تھی،
م بیڑا تقریبًا ایک ماہ تک بحر روم مین چکر کاٹنے کے بعد واپس آیا، اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت ساتھ لایا، اس

کامیاب بحری مہم اور مصر کی غیر معمولی جارحانہ تیاریوں نے تمام جزائر بحر روم میں ہلچل برپا کردی، اہل قبرس سے تعلقات

بے تعلق کے لئے جنیوا، روڈس، اور بندقیہ وینس کے وفود آنے لگے، اور اون کی طرف سے مصالحت کی کوششیں

ہونے لگیں، اہل قبرس اسکندریہ کے ہزاروں عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے گئے تھے، اُن میں سے کثیر جو مختلف

جزائر و محتلف ممالک میں غلامانہ زندگی بسر کررہے تھے، چنانچہ سلطان نے ہر ملک کے وفد کو یہی جواب دیا، کہ جب تک وہ

تمام اسیران اسکندریہ جو اُن کے ملک میں پائے جاتے ہوں، واپس نہیں آئیں گے، اس وقت تک مصالحت کی گفتگو

ناممکن ہے، سلطان کے اس اصرار کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں قیدیوں کی ایک بڑی تعداد واپس آگئی، مصنف ان

قیدیوں کو نام بنام بیان کرتا ہے، اور بعضوں سے مل کر اون کی گرفتاری کے قصے اور جن ممالک میں اون کو رہنے

کا اتفاق ہوا، وہاں کے حالات دریافت کرکے کسی قدر تفصیل کے ساتھ سپرد قلم کرتا ہے، اُن سے ظاہر ہوتا ہے،

کہ زنان فرنگ کی بے حجابی و مردانہ وشی آٹھویں صدی ہجری میں بھی تقریباً ویسی ہی تھی جیسی کہ اس موجودہ دور

مدنیت میں ہے، مصنف کو اہل فرنگ کی بے شرمی و بے حیائی کے بہت سے قصے سنائے گئے ہیں مگر وہ ان کو قصداً

نظر انداز کرتا ہے،

جن ممالک نے اسیران اسکندریہ کو واپس کیا تھا، وہاں کے تجار کو مصر و شام کے سواحل پر تجارت کی اجازت

دی گئی، اور امیر سیف الدین طغیہ ابن العرضی سلطان کی طرف سے تحائف لیکر فرمانروایان بندقیہ، وینس، جنیوا

اور کیتلان کے دربار میں بھیجے گئے، اُن سے جو معاہدے ہوئے اون میں ایک شرط یہ بھی تھی، کہ وہ سلطان مصر

کے مقابلہ میں اہل قبرس کی اعانت نہیں کریں گے، سلطان مصر کی ان تیاریوں سے اہل قبرس نہایت خائف

ہوئے، اور کیتلان کے سفیر کی معرفت مصالحت کے لئے [illegible]

اسکندریہ کی واپسی کی شرط یہاں بھی پیش ہوئی، چنانچہ خاص قبرس میں جس قدر قیدی تھے، سفیر کیتلان کی

وساطت سے وہ بھی واپس آگئے،

غرض ان مصالحانہ کوششوں کے ساتھ ہی مصر کی سیاسیات میں بھی کچھ ایسے انقلاب رونما ہوئے

قبرس کی چڑھائی کا خیال ہی جاتا رہا، امیر بلیغا کی شہادت اور اس کے غلامون کے ہنگامہ و فساد نے سلطان کو اپنے ملک کی حالت درست کرنے پر مجبور کردیا، دوسری طرف دربار قبرس بھی سیاسی ہیجان سے محفوظ نہین تھا پٹیر اول (PETER- I-) کے خلاف ملک مین سازش ہوتی ہے، اور ۱۳۶۹ء مین وہ مارا جاتا ہے، اس کی جگہ پر اس کا بھائی جس کو مصنف بُرزُن کے نام سے یاد کرتا ہے، تخت نشین ہوتا ہے، اور اسکی مصالحانہ کوششین بالآخر مصریون کے جوش انتقام کو ٹھنڈا کر دیتی ہین،

اوپر جو کچھ لکھا گیا، وہ اصل موضوع کتاب کا ایک مختصر خلاصہ ہے، مگر جیسا کہ ہم کہہ آئے ہین، یہ کتاب درحقیقت اسلامی تاریخ کا کشکول ہے، تاریخ اسلام کے متعلمین و محققین اس سے بہت کچھ فوائد حاصل کر سکتے ہین، زیر تبصرہ نسخہ نہایت ہی قدیم ہے یعنی ۸۰۹ھ کا لکھا ہے،

سیر الصحابہ

حصہ ششم

جسمین بہ ترتیب چار اہم ہستیون حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسین، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی علمی اخلاقی، اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت :- ۳۰۶ قیمت سے ؎ر

مہاجرین

حصہ دوم

اسمین اُن صحابہ کرام کے حالات جمع کئے گئے ہین، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، اور ہجرت کی، ضخامت ۳۷۲ صفحے، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ؎ ہے

"منیجر"

دیوان نظامی کے قلمی نسخے

از جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی

رسالہ معارف (نمبر۱ جلد ۲۲) میں بعنوان بالا ہم نے دیوان نظامی کے پانچ قلمی نسخوں کا ذکر کیا تھا جنہیں سے بوہار، رامپور، اور باڈلی کے کتبخانوں کے قلمی نسخوں کی نقلیں ہم نے حاصل کی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں [illegible] دیوان کے دو اور نسخوں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہیں سے ایک کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے [illegible] مطبع نولکشور لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے، اور جس کی ایک نقل ہماری [illegible] مطبع مذکور کے مہتمم صاحب نے [illegible]

۱۔ نسخہ خدیویہ | کتبخانہ خدیویہ مصر (بسلسلہ درب الجمامیز) کی فہرست مخطوطات [illegible] میں اس نسخہ کے متعلق [illegible]

"دیوان نظامی تالیف المولی نظام الدین ابی محمد جمال الدین [illegible]

الگنجوی الاویسی المتوفی سنہ ۵۹۷ [illegible]

بقلم تعلیق بخط [illegible] احمد بن اسکندر [illegible] تحریرہ فی سنہ [illegible]

باللغة الترکیة"[5]

اس تحریر سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ دیوان [illegible] جو نسخوں [illegible] وہاں یہ امر بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے کہ یہ دیوان ترکی زبان میں ہے [illegible] ادب فارسی کے لیے یہ ایک نیا انکشاف ہوگا کہ نظامی ترکی زبان میں بھی [illegible] آج تک ان کے کسی سوانح نگار یا تذکرہ نویس نے نہیں لکھا [illegible]

---

۵ فہرست کتب [illegible] المحفوظة [illegible] خدیویة [illegible]

شہادت ملتی ہے، علاوہ ازین آغاز دیوان کے عربی شعر سے، جو عربی قصیدۂ نعتیہ کا مطلع معلوم ہوتا ہے، یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اس دیوان مین ان کے عربی اشعار بھی ہونگے،

ہم نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا یہ دیوان فارسی زبان مین ہے، یا ترکی مین، اپنا ایک کرمفرما مصر کے عیسائی کتب فروش الیان سرکیس کو لکھا تھا کہ وہ اس دیوان کے متعلق ضروری معلومات سے ہم کو آگاہ کرین، چنانچہ انھون نے جواب مین لکھا ہے کہ

"یہ کتاب فارسی زبان مین ہے، ترکی مین نہین ہے، اس دیوان کے ۵-۶ صفحے الٹنے کے بعد اشعار ذیل ملتے ہین :-

نظامی نطقکی کورسہ نظامی گنجہ — اوتردی کنج لحدون کہ نم فیک مقال

دکل براہل معانی قتسندہ دون تیج — محدث نم ایدر بوحال اہل مقال

طاب جتر سخن واکمن ولا اطاب — کہ تا بخاطر عاطر رسد گزند و ملال"

ظاہر ہے کہ ان مین سے پہلے دو شعر ترکی زبان مین اور تیسرا شعر فارسی مین ہے، غالباً ہمارے کاتب کا مطلب یہ ہے کہ اس دیوان مین صرف چند اشعار ترکی زبان مین پائے جاتے ہین، لیکن اگر تمام دیوان اسی زبان مین ہو تو پھر صاحبِ فہرست کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ دیوان ترکی زبان مین ہے، ہم نے موجود مخطوطات مین ان اشعار کی تلاش کی مگر بے سود، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامی کے دیوان کے مختلف مجموعے ہین، چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ مین جو غزلین نظامی کی نقل کی ہین، وہ بھی ہمارے ان مخطوطات مین نہین پائی جاتین، اسی طرح ہرمن ایتھے نے بھی فہرستِ مخطوطاتِ فارسی (بوڈلین لائبریری) مین لکھا ہے کہ آگرہ کا مطبوعہ (۱۳۱۲ھ) نسخہ دیوان بوڈلین کے قلمی نسخہ سے بالکل مختلف ہے، اس مین وہ قصائد اور غزلیات نہین پائی جاتیں جو اس نسخہ مین موجود ہین، اس سے دولت شاہ اور لطف علی آذر کے اس قول کی تائید ہوتی ہے، کہ "خمسہ کے علاوہ نظامی کے قصائد و غزلیات، قطعات و رباعیات کے بیس ہزار اشعار ہین" اس کی مزید تائید اس امر

سے بھی ہوتی ہے کہ حال میں ادارۂ مجلۂ ارمغان تہران نے خمسۂ نظامی کا ایک صحیح ایڈیشن شائع کیا ہے، اور اس کی عنقریب شائع ہونے والی پہلی جلد شیخ کی مثنوی مخزن اسرار کے علاوہ ان کے دیوان پر مشتمل ہوگی جس کے اشعار کی مجموعی تعداد دو ہزار ہوگی، حالانکہ موجودہ مخطوطات میں اشعار کی مجموعی تعداد بارہ تیرہ سو سے زائد نہیں ہے،

۲۔ نسخۂ نولکشور | یہ نسخہ مطبع نولکشور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دیوان کے آخر میں یہ عبارت درج ہے،

"دیوان حضرت اولیائی نظامی گنجوی قدس اللہ سرہ، در دارالخلافت شاہجہان آباد بہ اشتیاق تمام بہ سرعت بتاریخ دوازدہم ماہ اگست ۱۸۳۵ء روز دوشنبہ بخط پنڈت دھرم نرائن نقش پذیرفت"

اس نسخہ کی نقل ہم کو مل گئی ہے، اور اس طرح کل چار قلمی نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کے ساتھ دیوان نظامی کا ایک صحیح متن ہم نے ترتیب دینا شروع کر دیا ہے، جو امید ہے کہ انشاء اللہ عنقریب تیار ہو کر مطبع میں جائیگا۔

مثنوی مولانا روم کا ایک عارفانہ انتخاب

مولانا عبدالماجد دریابادی ایڈیٹر سچ فرماتے ہیں،

"مثنوی معنوی کو اللہ نے عجیب و غریب مقبولیت دے رکھی ہے اور اس سلسلہ میں [illegible] وہ بھی جو جوہر نغز کے نام سے مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب جونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے قلم سے نکل کر بھی شائع ہوا،

کتاب فاضل مرتب کے ذوق سلیم و حسن انتخاب و سلیقۂ ادب کا [illegible] مثنوی [illegible] کو سطح بینی کے لطف بیان کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے [illegible] بات نہ تھی، دریا کو کوزہ میں بند کرنا حقیقۃً ایسے ہی موقع کیلئے کہا گیا ہے، ہر جزو مثنوی کا معہ پوری لطافت کیساتھ آگیا ہے، کوئی ضروری بات بھی چھوٹنے نہیں پائی ہے [illegible] پتہ نہیں چلنے پاتا کہ اس کے سامنے اصل تصنیف نہیں ہے،

کتاب علاوہ طلبا کے عام شائقین کیلئے بھی [illegible] کے [illegible]

تلخیص و تبصرہ

کیا رومن حروف ہیروگلیفی سے ماخوذ ہیں؟

دمن حروف جنمیں یورپ کی اکثر زبانیں لکھی جاتی ہیں، اُن کی اصلیت کے متعلق اتنا تو معلوم ہے، کہ ان کو
ہیں مشرق سے مغرب کو لائیں، لیکن یہ مسئلہ اب تک پوری طرح ثابت نہیں، کہ وہ کس مشرقی خط کی نقل
۱۹۳۰ء میں ایک فرنچ اہل قلم نے فرانس کی مجلس علمی میں اپنی ایک نئی تحقیق پیش کی ہے، جس میں یہ ثابت کرنا
رومن حروف مصر کے مقدس حروف سے ماخوذ ہیں، جنکو ہیروگلیفی کہا جاتا ہے، اس ہیروگلیفی کے لفظی

قدس حروف کے ہیں،

صاحب قلم مذکور کا ذہن اس نظریہ کی طرف بالکل اتفاقی طور سے متوجہ ہوا، پرانی چیزوں کی ایک دکان پر
ہوا، تو وہاں اس کو ایک ایسی کتاب ملی جس میں ہر قوم کے، ہر زمانہ کے، خطوط کے نمونے دیئے گئے تھے
میں اس نے فنیشین حروف کا باب کھولا، تو اس میں اس کو ۲۲ حروف ملے، لیکن بعض حروف کی
کے سمجھنے میں اس کو بڑی دشواری پیش آئی، تو اس نے فنیشیہ کی دوسری ہمسایہ قوموں کے حروف سے
بلہ کیا، تو ان فنیشین حروف اور قدیم مصریوں کے حروف میں جنکو ہیروگلیفی کہا جاتا ہے عجیب وغریب
معلوم ہوئی، پہلے اس نے مصری حروف میں سے ایک ایسے حرف کی تلاش کی جو فنیشین خط کے پہلے حرف
کے مقابل ہو، شکل وصورت، اور آواز وتلفظ دونوں لحاظ سے، تو اسکو ایک حرف ایسا ملا، جو مصری خط
د، کی طرف اشارہ کرتا ہے، اب اس نے فنیشین خط کے دوسرے حرف "ب" کا مقابل تلاش کیا

تو اس کو وہ مصری حرف ملا، جو "عورت" سے عبارت ہے [illegible] مرد ہے جو

دنیا کے ہر کاروبار کی جڑ ہے، اور اس کے پہلو میں "عورت" ہے جو انسانیت کے تمام مشکلات میں اسکے

ساتھ ہوتی ہے اتنی بات معلوم ہونے پر یہ خیال سامنے آیا کہ ان حروف کی ترتیب بے بندشی کی نہیں ہے بلکہ

ایک منظم و باترتیب خیال پر مبنی ہے، ان دو حرفوں کی دریافت نے تحقیق کے اس طالب کو تیسرے فنیقینی حرف کی

طرف پہنچایا اور وہ "جیم" ہے، جو ہیروگلیفی میں بل کا اشارہ ہے، چوتھا حرف جو "دال" ہے، وہ دو بیتی پھری [illegible]

کو بتاتا ہے، اور پانچواں جو "د" ہے، وہ گھڑیال کی تصویر پیش کرتا ہے، جو بطریق تشبیہ خود مصر کی طرف اشارہ ہے، اب اس

محقق نے ان پانچوں حرفوں کو جب ایک دوسرے کے پہلو میں رکھا، تو اس کو اور مصری آثار قدیمہ کے ہر عالم کو معلوم

ہوا کہ ان پانچ حرفوں میں ایک پورا فقرہ پوشیدہ ہے جو حسب ذیل ہے،

"مرد اور عورتیں جوڑے کی قید سے مصر سے نکلے ہیں"

اس سے معلوم ہوا، کہ یہ حروف کسی مرتب خیال پر اور ان کی ترتیب کسی حکیمانہ منطق پر مبنی ہے، اور یہ اس

قصہ کے رموز ہیں، جو بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کو ظاہر کرتا ہے۔

باقی فنیقینی حروف کے ہیروگلیفی ماخذوں کی حسب ذیل تشریح بھی ملی ہے،

واؤ	"Y"	سورج جس کے نیچے لکڑی کا ایک عمود ہے، جس سے مراد "پورب کی طرف"
ز	"ꟻ"	وہ عضو جو پھیپھڑے کی تمام شاخوں کو ملاتا ہے، جس سے مراد "اکٹھا ہوئے"
ح	"[illegible]"	عبادتگاہ، اس سے مراد "عبادتگاہ" ہے،
ط	"T"	مختلف ستون کا مقام یعنی "شہر" ہیں۔
ی	"ꟻ"	روتی ہوئی آنکھ جس سے مراد "رونے لگے"
ک	"K"	بط جو اپنے دونوں بازو پھیلائے جس سے مراد "[illegible]" تھے

ل	L	ایک شیر جو حملہ کے لیے تیار ہے، جس سے مراد "بہادر بن کر"
م	m	پہاڑیوں کا سلسلہ جس سے مراد "قوم"
ن	n	ایک شخص دوڑتا ہوا، یعنی "چلا"
س	s	تین ٹیڑھی لکیریں، اس سے مراد "دریا کو عبور کیا"۔
ع	o	ایک دائرہ جس کا کچھ حصہ سایہ میں ہے، اس سے مراد "پورے چاند کے وقت"
پ	P	کمان جس سے مراد "لشکر"
ص		شکار کے آلات جس سے مراد "وہ جو اس کے پیچھے تھا"۔
ق	q	ایک برتن جس سے پانی بہ رہا ہو، جس سے مراد "ڈوب گئے"
ر	R	کھلا ہوا منھ، جس سے مراد "سبھوں نے گایا"۔
ش	s	ایک ہندسی کمان جس سے مراد "جلال اور بزرگی"
ت	T	تاروں بھرا آسمان جس سے مراد "خدا"

اس نظریہ سے یہ منکشف ہوتا ہے، کہ یہ فینیشین حروف مصری قدیم حروف میں بنی اسرائیل کے مصری قصے کی پوری زبانی روداد ہیں، "س"

اسلامی فن تعمیر

"اسلامی فن تعمیر" پر رسالہ الہلال مصر میں اختصار کے ساتھ نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کی تلخیص حسب ذیل ہے:-

اثنائے فتوحات میں جن سلطنتوں کو عربوں نے اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا، ان کے اختلاط اور میل جول سے ایک نیا اسلامی فن تعمیر پیدا ہوا، جس میں اگرچہ کلی طور پر یکرنگی پائی جاتی ہے، لیکن مختلف شہروں کے اثر سے اس کے جزئیات میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کے لحاظ سے اس کی پانچ قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں،

مصری اور شامی طرز تعمیر | سلطنت امویہ کے زمانے سے شام میں فن تعمیر کے نہایت نادر نمونے قائم ہوئے، جنھیں

دو چیزیں اس عہد کی بہترین یادگاریں ہیں، ایک تو قبۃ الصخرہ جو بیت المقدس میں عبدالملک بن مروان نے بنوایا تھا، اور دوسری جامع اموی جسکو ولید بن عبدالملک نے تعمیر کیا تھا، ان دونوں کے اندر کی دیواروں میں پچی کاری کا کام بنا ہوا ہے، جو بیزنطی صناعوں کی دستکاری کا بہترین نمونہ ہے،

مصر میں اسلامی فن تعمیر کی ابتداء احمد بن طولون کے زمانے سے ہوئی، اور جب سے اس نے جامع طولونیہ کو اینٹ سے بنا کر چونے سے پختہ کرایا، اور اس پر نہایت نادر نقش و نگار بنوائے، مصریوں نے چونے کی گچ بنانے میں نہایت کمال پیدا کر لیا،

فاطمیین کے عہد سے مصر میں ایک جدید تمدن کا آغاز ہوا، اور انھوں نے اپنی یادگار بہت سی مسجدیں چھوڑیں، جو حسن و جمال میں فن تعمیر کی بہترین مثال ہیں، اور ان میں سب سے قدیم اور قابل ذکر جامع ازہر ہے، لیکن جامع سلطان حسن جو قلعہ کے پاس ہے، وہ مصر کے آثار اسلامیہ کا سرتاج ہے،

مغربی طرز تعمیر یہ قسم اندلس اور بلاد مغرب یعنی تونس، الجزائر اور مراکش کی اسلامی عمارتوں پر شامل ہے، اس وقت تک بلاد مغرب اور اندلس میں جو اسلامی عمارتیں باقی ہیں اُن میں سب سے زیادہ مشہور جامع قیروان اور تونس کی جامع زیتون ہیں اور یہ دونوں مصری اور شامی طرز تعمیر سے متاثر ہیں،

مغرب میں مسلمانوں کے طرز تعمیر کی قابل فخر یادگار غرناطہ کا قصر حمراء ہے، جس کی شہرت صرف حسن تعمیر ہی کی بنیاد پر قائم نہیں ہے، بلکہ اس میں اسکے باغات اور ان فواروں کو بھی بہت بڑا دخل ہے جو درندہ جانوروں کی شکل پر بنے ہوئے ہیں

ایرانی طرز تعمیر ایران خلفائے راشدین کے زمانے میں مفتوح ہوا، لیکن خلفائے راشدین کے بعد خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کی بھی کوئی تعمیری یادگار ایران میں موجود نہیں ہے، البتہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں صفویہ کے زمانے میں دار السلطنت اصفہان میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں

اسلامی عہد میں ایران کی اکثر عمارتوں کی دیواریں کاشانی ٹائلوں سے مزین تھیں، جس میں ایرانیوں نے نہایت کمال پیدا کیا تھا، اور اس میں نہایت عمدہ نقش و نگار بنائے تھے۔

ایرانیوں کو نہایت قدیم زمانے سے قالین بافی میں بھی کمال حاصل تھا، اور اب تک یہ کمال باقی ہے، اسلامی فنون لطیفہ میں ایران جیسے مرقع تصاویر بھی نہیں پائے جاتے جس میں آدمیوں اور پرندوں کی تصویروں کے ذریعہ سے مختلف مناظر دکھائے گئے ہیں،

ترکی طرز تعمیر | ترکی طرز تعمیر ایرانی اور بیزنطی طرز تعمیر کا مجموعہ ہے، یعنی ترکوں نے ایرانیوں سے الواح کاشانی کے ذریعہ سے دیواروں کے مزین کرنے کا طریقہ سیکھا ہے، اور بیزنطی شکل کی عمارتیں تعمیر کی ہیں،

تمام عثمانی مسجدیں کنیسۂ اباصوفیہ کی طرح، ایک وسیع مربع شکل کی ہیں، جن کے اوپر ایک بڑا قبہ بنا ہوا ہے جو چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے قبوں سے گھرا ہوا ہے،

عثمانیوں نے اول اول مسجدوں کے تعمیر کی یہی شکل اختیار کی تھی لیکن بعد کو ان قبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا جو بیچ کے قبہ کو محیط تھے اور ستونوں میں بھی قبے بنائے جانے لگے، پھر ان تمام قبوں کے گرد بھی بہت سے قبے بنائے گئے۔

عثمانیوں نے قسطنطنیہ میں جو مسجدیں بنائی ہیں، ان میں جامع بایزید اور جامع سلیمانیہ نہایت ممتاز ہیں،

ہندوستانی طرز تعمیر | یہ طرز تعمیر شمالی ہند میں پیدا ہوا اور وہ دو عظیم الشان زمانوں پر مشتمل ہے،

(۱) ایک تو مغلوں سے پہلے کا زمانہ جس میں اسلامی فن تعمیر قدیم ہندوستانی فن تعمیر سے متاثر تھا،

(۲) دوسرے مغلوں کا زمانہ جس میں ایک خاص طرز تعمیر ایجاد ہوا،

ہندوستان کے شہروں میں اسلامی عمارتیں سب سے زیادہ فتح پور سیکری، آگرہ اور دلی میں پائی جاتی ہیں، بالخصوص آگرہ میں جہاں اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور تاج محل موجود ہیں،

"ع"

کوہ نور

جرنل آف انڈین ہسٹری میں کچھ عرصہ سے شاہجہان کے عہد کی تاریخ باقساط شائع ہو رہی ہے، اس سلسلہ میں فاضل مقالہ نگار

جناب عبدالعزیز بیرسٹر نے کوہ نور کی تاریخ پر ایک محققانہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ جس میں مؤرخین کے سامنے یہ مسئلہ بہت زیر بحث رہا ہے کہ جو ہیرا آج "کوہ نور" کے نام سے مشہور ہے اس کی گذشتہ تاریخ کیا ہے۔ اس باب میں تین مختلف جماعتیں قائم ہو گئی ہیں اور ہر جماعت کے نزدیک "کوہ نور" اس ہیرے سے مختلف ہے جو دوسری جماعت میں اس نام سے موسوم ہے یعنی اس بحث میں تین مختلف ہیرے پیش کئے جاتے ہیں اور ہر گروہ اپنے ہیرے کو "کوہ نور" ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مقالہ نگار موصوف نے ہر فریق کے بیانات و دلائل پیش نظر رکھنے کے بعد فیصلہ کی کوشش کی ہے لیکن جیسا کہ موصوف نے اعتراف کیا ہے اس مسئلہ پر کوئی آخری فیصلہ نہیں دیا جا سکتا، بہرحال موضوع کی دلچسپی کے خیال سے ہم اس مضمون کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"جن تین ہیروں پر کوہ نور کا گمان ہوتا ہے ان میں پہلا وہ ہے جسے بابر کا ہیرا کہتے ہیں۔ بابرنامہ کے حسب ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیرا بابر کے پاس کیونکر آیا:-

سلطان ابراہیم کی شکست میں گوالیار کا راجہ بکرماجیت مارا گیا۔ اس وقت بکرماجیت کا خاندان آگرہ میں تھا۔ ابراہیم کی شکست کے بعد ان لوگوں نے آگرہ سے بھاگنا چاہا لیکن ہمایوں نے وہاں پہنچ کر ان کا راستہ روک دیا۔ اس پر ان لوگوں نے ہمایوں کے سامنے بہت سے جواہرات اور قیمتی چیزیں پیش کیں۔ ان میں وہ مشہور ہیرا بھی تھا جو علاء الدین نے دکن سے لیا تھا۔ اس کی قیمت کا اندازہ یہ ہے کہ ڈھائی روز تک اس سے تمام دنیا کی خوراک کا انتظام ہو سکتا ہے۔ بظاہر اس کا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جب میں آگرہ پہنچا تو ہمایوں نے یہ ہیرا میرے سامنے پیش کیا لیکن میں نے اسے واپس کر دیا۔"

اس ہیرے کی ابتدائی تاریخ قصوں اور غیر مستند روایتوں میں پوشیدہ ہے۔ پروفیسر ماسکیلائن کا خیال ہے کہ اس پر تاریخ کی روشنی اول اول چودھویں صدی کی ابتدا میں پڑتی ہے۔ ۱۳۰۴ء میں یہ مالوہ کے راجہ کے قبضہ میں تھا۔ ۱۳۰۶ء میں سلطان علاء الدین محمد شاہ کی فوج نے مالوہ کو فتح کیا اور راجہ کا خزانہ اس [illegible] کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس وقت یہ عظیم الشان ہیرا تاریخی حیثیت سے دنیا کے سامنے آیا۔ تاریخ میں یہ ذکر نہیں کہ علاء الدین خلجی کے ہاتھ سے نکل کر یہ کیونکر [illegible] کے پاس پہنچا، بہرحال یہ ایک عرصہ تک ہمایوں کے پاس رہا۔ پھر جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران پہنچا تو اس نے [illegible]

اسکی نذر کیے، خورشاہ جو دربار ایران میں ابراہیم قطب شاہ والی گولکنڈا کا سفیر تھا بیان کرتا ہو کہ شاہ طہماسپ نے اس ہیرے کی قدر نہ کی اور کچھ دنوں کے بعد اسے نظام شاہ فرمانروائے دکن کے پاس بطور ہدیہ بھیجدیا، اس روایت کی تصدیق تاریخ فرشتہ سے بھی ہوتی ہے، اس کا وزن بابر کی روایت کے مطابق آٹھ مثقال تھا یعنی (۳۲۰) رتی یا ۱۸۶ء۴ ۵۸۹) چاول،

دوسرا ہیرا جسے بعض لوگ "کوہ نور" بتاتے ہیں وہ ہے جو میر جملہ کے ہیرے کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق شاہجہاں کے دربار کا مستند مورخ محمد وارث بادشاہ نامہ کی تیسری جلد میں بیان کرتا ہے کہ "۱۸ صفر سنہ ۱۰۶۶ ہجری (۱۷ دسمبر سنہ ۱۶۵۵ء) کو نئے وزیر اعظم محمد سعید میر جملہ نے شاہجہاں کے سامنے پیشکش کے طور پر قیمتی جواہرات حاضر کئے جنمیں ایک بڑا ہیرا بھی تھا جس کا وزن (۹) ٹانک یا (۲۱۶) سرخ تھا، اور جس کی قیمت دو لاکھ سولہ ہزار روپیہ تھی"۔ اس بیان کی تصدیق نہ صرف قاربہ (؟) اور مآثر الامرا بلکہ عمل صالح اور منتخب اللباب سے بھی ہوتی ہے، تمام مقامات پر اس کا وزن ٹانک کے علاوہ رتی میں بھی دیا ہوا ہے اور اس میں شبہہ کی گنجایش نہیں کہ اسکا وزن (۲۱۶) جوہری رتی یا (۵۶، ۱۸۴، ۵) چاول تھا،

تیسرا ہیرا وہ ہے جو اب عام طور پر "کوہ نور" کے نام سے مشہور ہے، سنہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ اسے دہلی سے لے گیا، بیان کیا جاتا ہو کہ اُسی نے اسکا نام "کوہ نور" رکھا تھا، سنہ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد "کوہ نور" اُس کے جانشین شاہ رخ کے قبضہ میں آیا، شاہ رخ نے اسے احمد شاہ درانی کو دیدیا اور احمد شاہ کے بعد یہ اس کے لڑکے تیمور کو وراثت میں ملا، تیمور کے بعد سنہ ۱۷۹۳ء میں یہ اُس کے بڑے لڑکے شاہ زماں کے ہاتھ آیا، دو سال کے بعد یہ شاہ زماں کے تیسرے بھائی شاہ شجاع کے قبضہ میں آیا، شاہ شجاع اپنے بڑے بھائی محمد سے شکست کھا کر رنجیت سنگھ کے دربار میں لاہور پہنچا اور کابل کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے مدد کا خواستگار ہوا اور اس کے معاوضہ میں "کوہ نور" رنجیت سنگھ کی نذر کردیا، یہ سنہ ۱۸۱۳ء کا واقعہ ہے، سنہ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد "کوہ نور" اس کے جانشین دلیپ سنگھ کے قبضہ میں آیا، سنہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب سلطنت برطانیہ میں شامل کرلیا گیا اور جدید بورڈ آف گورنمنٹ نے "کوہ نور" کو حاصل کرکے ملکہ وکٹوریہ کے پاس بھیجدیا،

یہ ہے ان ہیروں کی تاریخ، ان کے متعلق تین مختلف رائیں ہیں، بعض مورخین مثلاً پروفیسر ماسکیلائن کا خیال ہے کہ بابر کا ہیرا" اور "کوہ نور" دراصل ایک ہی چیز ہیں، دوسرے گروہ کی جسمیں ڈاکٹر بال سب سے زیادہ ممتاز ہیں یہ رائے ہو کہ

میر جملہ کا ہیرا اور کوہ نور ایک ہیں، تیسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ تینوں ایک ہی ہیں،

اس مسئلہ میں سب سے زیادہ غلط فہمی فرانسیسی سیاح ٹیورنیر کے بیان سے پیدا ہوئی ہے جو ایک عرصہ تک شاہجہاں کے دربار میں تھا اور جس نے خود وہ ہیرا دیکھا تھا جسے وہ میر جملہ کا لکھتا ہے، پروفیسر اسکیلائن کا خیال ہے کہ کوہ نور اور بابر کا ہیرا حقیقۃً ایک ہی چیز ہیں، اور یہی وہ ہیرا تھا جسے ٹیورنیر نے دیکھا تھا لیکن اس نے غلطی سے اسکو میر جملہ کا ہیرا سمجھا اور اس کے ساتھ وہ روایت شامل کر دی جو میر جملہ کے ہیرے کے متعلق اسوقت عام طور پر رائج تھی،

بابر نامہ کی عبارت سے بلاشبہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بابر کے ہیرے کا وزن (۳۲۰) معمولی رتی سے کچھ کم و بیش تھا اور اگر ہم ایک مثقال کو (۲۷) جوہری رتی کے برابر مانیں تو اس ہیرے کا وزن (۲۰۶) جوہری رتی ہوتا ہے، وزن کی اسی یکسانی کے لحاظ سے مسٹر بوریج کا خیال ہے کہ بابر اور میر جملہ کے ہیرے ایک ہی ہیں، اور میر جملہ نے اس ہیرے کو جنوبی ہند میں کہیں پایا تھا اور وہاں سے لاکر شاہجہاں کے حضور میں پیش کیا تھا، اس طرح فرض کرنے سے بابر کے ہیرے کا دوبارہ خزانہ مغلیہ میں آنا بھی ثابت ہو جاتا ہے، لیکن اس نظریہ کو تسلیم کرنے میں تامل یہ ہے کہ اگر میر جملہ کا ہیرا بابر کا ہیرا ہوتا تو میر جملہ اسکا فخریہ اعلان کرتا اور درباری مورخین بھی اس واقعہ کا ذکر ضرور کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا، علاوہ بریں دونوں کی قیمتوں میں بھی بے حد فرق ہے، جس ہیرے کی قیمت شاہجہاں کے دربار میں زیادہ سے زیادہ تین لاکھ روپئے قرار پائی تھی وہ ہیرا نہیں ہو سکتا جس کی قیمت کا اندازہ ایک سو تیس سال قبل ایک غیر محدود رقم سے کیا گیا تھا اور پھر ۱۸۳۸ء میں رنجیت سنگھ کے زمانہ میں جس کی قیمت تین کروڑ روپے ٹھہری تھی،

تمام شہادتوں کو پیش نظر رکھنے اور ہیروں کے اوزان کا باہم مقابلہ کرنے سے گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ بابر کا ہیرا اور کوہ نور ایک ہی چیز ہیں، تاہم یہ واقعہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بابر کے ہیرے کا خزانۂ مغلیہ میں دوبارہ داخل ہونا آج تک ثابت نہیں ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کوہ نور اور بابر کے ہیرے کو قطعی طور پر ایک نہیں سمجھا جا سکتا۔

اخبار علمیہ

ہندوستان اور افریقہ کا قدیم تعلق،

بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اب سے ہزاروں سال پیشتر بحر عرب میں ایک عظیم الشان براعظم واقع تھا جو ایک طرف ہندوستان سے ملا ہوا تھا اور دوسری طرف افریقہ سے، اس براعظم کی دریافت و تحقیق کے لئے، جو علمائے ارضیات کے ہاں لیموریا کے نام سے معروف ہے، عنقریب ایک مہم بحر ہند کو روانہ ہونے والی ہے، سائنس دانوں کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ کسی زمانہ میں لیموریا، ہندوستان، افریقہ، اور آسٹریلیا کو باہم ملاتا تھا، مسٹر لیویس اسپنس جنھوں نے اس مسئلہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے بیان کرتے ہیں کہ اس براعظم کو غائب ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا کیونکہ اس کے بعض حصے سترہویں صدی کے آخری ربع میں سطح آب پر دکھائی دیتے تھے جیسا کہ اس وقت کے جہاز رانوں کی عینی شہادت سے معلوم ہوتا ہے، ان کی رائے ہے کہ لیموریا متعدد چھوٹے چھوٹے براعظموں یا بڑے بڑے مجمع الجزائر میں منقسم تھا اور اس میں ایک سفید نسل کے لوگ آباد تھے، جن کا تمدن عہد حجری کے آخری دور کا تمدن تھا اور وہ فن تعمیر میں نمایاں قابلیت رکھتے تھے، مسٹر اسپنس کا نظریہ یہ ہے کہ ایک براعظم جزائر سینڈوچ سے نیوزی لینڈ تک پھیلا ہوا تھا، دوسرا نیو کیلیڈونیا اور سماترا سے نکلتا تھا اور تیسرا جزیرہ ایسٹر کے قریب واقع تھا، اس جزیرہ پر سنگ تراشی کے عظیم الشان نمونے اب تک موجود ہیں جنھوں نے دو سو برس سے زائد سے اہل سائنس کو حیرت میں ڈال رکھا ہے، لیکن اس نظریہ پر تمام سائنس دانوں کا اتفاق نہیں ہے اور اس باب میں دو مختلف جماعتیں ہیں، ایک کا خیال ہے کہ بحر الکاہل اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے، دوسری

جماعت کہتی ہے کہ اس میں متعدد تغیرات پیش آچکے ہیں ہمارے تحقیقات کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ جب دنیا اپنی حیات کے ابتدائی دور میں تھی اس وقت ایک قدیم اور زبردست براعظم جسے گونڈوانا لینڈ کہتے ہیں موجود تھا جو ہندوستان کا ایک حصہ، امریکہ اور آسٹریلیا شامل تھے کرۂ ارض کے جنوبی نصف کو گھیرے ہوئے تھا اس براعظم اور کرۂ ارض کے شمالی نصف کے درمیان ایک عظیم الشان بحراعظم حائل تھا جسے ٹیتھا میں [illegible] کہتے تھے اور بحر روم جس کا ایک باقی ماندہ حصہ ہے۔ اس گروہ کی رائے ہے کہ یہ براعظم جو بیس کروڑ برس پہلے موجود تھا اور اس وقت وہ ہمالیہ اور اس سے ملحق تبت کے خطے تہ آب تھے۔ اس کے بعد ہزارہا ہزار سال کی مدت میں بعض دوسرے ارضی تغیرات کے باعث لیموریا کا وجود عمل میں آیا اور براعظم ایشیا اپنی موجودہ شکل میں ظاہر ہونے لگا پھر کچھ عرصے کے بعد ہندوستان، افریقہ اور آسٹریلیا سب علیحدہ علیحدہ ہوگئے۔

طوالت عمر کی دو مثالیں

حال میں چین سے خبر آئی ہے کہ لی چنگ یون نے جو تمام دنیا کا سب سے زیادہ عمر رسیدہ انسان تھا ۲۵۶ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ شخص جو ایک [illegible] اور جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا اور ایک مدت دراز سے زیادہ وقت غور و خوض اور عبادت میں صرف کرتا تھا خود اپنی روایت کے مطابق ۱۶۷۷ء میں پیدا ہوا تھا اس کے [illegible] بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔ تین سال ہوئے ایک [illegible] وفد [illegible] دیکھنے کی غرض سے چین گیا تھا اس وفد کا بیان ہے کہ وہ ایک تندرست و توانا شخص تھا [illegible] برس کے [illegible] معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اپنی غیر معمولی طویل عمر [illegible] میں پہاڑوں پر گھومتا پھرتا تھا [illegible] اسی کے [illegible] اس کی عمر اتنی بڑھ گئی۔

ناگپور میں ایک شخص سید [illegible]

کی رائے میں (۱۳۰) سال ہے، اگرچہ نوناگپور کے لوگ اسکو (۱۵۰) سال کا بتاتے ہیں، ۱۹۱۸ء کے انفلوئنزا کی وبا تک
اس کی صحت نہایت عمدہ تھی، لیکن اس کے بعد سے اس کے دانت ٹوٹ گئے ہیں اور بال سفید ہوگئے ہیں، سیدی استاد
جس کا باپ افغان اور ماں عرب تھی ایک زمانہ میں گائکواڑ بڑودہ کے دربار کا مشہور پہلوان تھا اور ۱۸۵۰ء میں اپنے
فن کے شباب میں تھا، اس کا بیان ہے کہ میسور کی لڑائی اور سرنگاپٹم میں سلطان ٹیپو کی وفات (۱۷۹۹ء) اُسے یاد ہے
سیدی ہی کی عمر کے قریب امریکہ کے مشہور جان شیل (UNCLE JOHNNY SHELL)
کی عمر بھی تھی جو چند سال قبل (۱۳۴) برس زندہ رہکر مرا ہے، ۱۹۱۸ء میں لوگ اُسے دیہات سے شہر میں لائے جہاں
وہ اپنی زندگی میں پہلی بار ہوائی جہاز اور ریل میں سوار ہوا، متعدد ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا اور اس نے چند کاغذات
پیش کئے جن سے معلوم ہوا کہ اس کی پیدائش ۱۷۸۸ء کی ہے۔

اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ بوڑھا آدمی غالباً زارو آغا ہے، اس مشہور ترک کی پیدائش ۱۷۷۴ء کی ہے چند
سال ہوئے اس کے ایک لڑکے کا انتقال (۱۱۰) سال کی عمر میں قسطنطنیہ میں ہوا ہے، زارو آغا گوشت بہت کم کھاتا
ہے، اس کی غذا زیادہ تر پھل، ترکاری، اور دودھ ہے،

انگلستان میں بھی دو آدمی ایسے گذرے ہیں جن کی عمروں تک وہاں کا کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا،
ایک ہنری جنکنس جس کی وفات (۱۶۹) سال کی عمر میں ۱۶۷۰ء میں ہوئی، اس کا دعویٰ تھا کہ وہ جنگ فلاڈن
(۱۵۱۳ء) میں موجود تھا، اور اس وقت اس کی عمر (۱۲) سال تھی، دوسرا مشہور شخص "بوڑھا" پار ہے جس کا انتقال ۱۶۳۵ء
میں ہوا جبکہ اس کی عمر (۱۵۲) سال تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ سو برس کے سن میں اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جسنے
(۱۱۳) سال کی عمر پائی۔

اسپین اور پوپ کی جنگ

اسپین کے جس قومی انقلاب نے ملوکیت کا خاتمہ کرکے ایک جمہوری حکومت قائم کردی ہے اُسی نے حال
میں عیسائیت کے بعض اہم حقوق پر بھی حملے کئے ہیں اور اسپین میں جو اٹلی کے بعد کیتھولک مذہب کی سب سے بڑی

وقت خیال کیا جاتا تھا اس مذہب کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ ۲ جون ۱۹۳۳ء کو پریذیڈنٹ جمہوریہ
جمہوریہ ہسپانیہ نے اس بل پر دستخط کر دیئے جس سے اسپین کے جدید مذہبی قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ ان قوانین کے
رو سے کلیسائے اسپین کی تمام جائداد قومی حکومت کی ملک قرار دیگئی ہے، اور پادریوں کو صنعت وحرفت میں حصہ لینے
اور مدرسوں میں تعلیم دینے سے قطعاً روک دیا گیا ہے۔ جس روز پریذیڈنٹ زامورا نے یہ قوانین نافذ کئے اس کے دوسرے
ہی روز پوپ نے حکومت اسپین کے نام نہایت برہمی کا ایک خط روانہ کیا جس میں مذہب کیتھولک پر اس سخت حملہ
کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ اسپین کے بعض کیتھولک حلقوں میں بھی ان قوانین کے خلاف سخت برہمی پھیلی ہوئی ہے
لیکن چونکہ ان کا نفاذ جمہوریۂ اسپین کی مجلس عامہ کی جانب سے ہوا ہے اس لئے یہ تمام مخالفتیں غیر مؤثر ثابت ہو رہی
ہیں۔ تخمینہ ہے کہ ۱ جنوری ۱۹۳۴ء سے (۷۸۲۵۵۰۰) طلبہ پادریوں کی تعلیم سے آزاد ہو جائیں گے۔

مدرسۂ علوم عربیہ غرناطہ

مدرسۂ علوم عربیہ غرناطہ سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ جو لوگ اسپین جا کر عرب کے مناظر و تمدن کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کی سہولت کے لئے تعطیل کے زمانہ میں مدرسۂ مذکور نے خطبات کے ایک سلسلہ کا انتظام کیا ہے، جو امسال ۱۰ ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۳ء تک حسب ذیل مضامین پر انگریزی و فرانسیسی زبانوں میں دیئے جائیں گے۔

(۱) اسپینی لٹریچر (۲) تاریخ اسپین (۳) اسپینی آرٹ
(۴) اسپین کا جغرافیہ (۵) موجودہ اسپین (۶) اسپین کے تمدن پر عربوں کا اثر
(۷) اسپین کے آرٹ پر عربوں کا اثر (۸) اسپینی زبان کا ادب

ن ۔ ز



ادبیات

سوزوساز

(بمواجہ انور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام)

از حکیم الشعراء حضرت امجد حیدرآبادی

مل گیا صوتِ سرمدی ۔۔۔ میرے شکستہ ساز سے،
نغمہ کی آتی ہے صدا ۔۔۔ نوحۂ دل گداز سے

ابتو مری نظر میں ہے ۔۔۔ حُسن ہی حُسن ہر طرف
خلعتِ عشق مل گیا ۔۔۔ بارگہِ مجاز سے

حاصلِ عمر مل گیا ۔۔۔ قلبِ فسردہ کھل گیا
پڑگئی زندگی میں جان ۔۔۔ اُن کی نگاہِ ناز سے

برسوں کے بچھڑے مل گئے ۔۔۔ داغ دلوں کے دُھل گئے
لپٹی ہے اُن کی خاکِ پا ۔۔۔ میرے سرِ نیاز سے

صَلِّ کانّکَ تراہ ۔۔۔ آج صحیح ہو گیا
رفع یدین کر سکے ۔۔۔ کون اب اس نماز سے

دل کی شکستگی نے آج ۔۔۔ جوڑ دیا کسی کے ساتھ
دیکھ لیا رخِ حسیں ۔۔۔ اس درِ نیم باز سے

حالتِ وجد و ذوق میں ۔۔۔ دل سے، یہ کہہ رہا ہے درد

"ہم نے ملا دیا تجھے — لے، ترے چارہ ساز نے
ہر رگِ جانِ مجذوب — رقص میں ہے بصد طرب
بربطِ روح بھر گیا — نغمۂ دل نواز سے

وثائقِ حقائق

از جناب میرزا عزیز صاحب فیضانی داناپوری

عشقِ سرور میں ماسوا سے کیا کام — سیدھا رستہ ہے رہنما سے کیا کام
1 اس رہ میں فقیر بنکے جاتا ہوں عزیز — جو بھی مل جائے مدعا سے کیا کام

کیوں آج ہے کل کی فکر، کیا ہوگا — اب سوچیں ہی کیوں کہ اب ہوگا
2 ہاں چھوڑ کے کل کو، کچھ کرو آج کی فکر — کل ہی دیکھیںگے کل کو، جیسا ہوگا

میدانِ عمل نہ ہو تو جینا بیکار — دنیا بے سود، روزِ عقبےٰ بیکار
3 اب وقت ہے کوئی کام کر لے غافل — یادِ ماضی و فکرِ فردا بیکار

چھوڑو غفلت کو، آنکھ کھولو، جاگو — یہ وقت کی ہے صدا کہ جاگو جاگو
4 تم سوتے ہو اور جاگ اٹھی ہے دنیا — جاگو! جاگو! خدا کے بندو جاگو!!

پھر جلوہ فگن جہاں میں خور ہوگا — دنیا میں بلند نام مسرور ہوگا
5 مغرب میں غروب ہو چکا ہے اب پھر — مشرق سے طلوعِ مہرِ نو ہوگا

نظارۂ رونقِ جوانی دلکش — ہستی دلکش ہے، زندگانی دلکش
6 دلکش ہے عزیز نقشِ اول لیکن — ہوگا کس درجہ نقشِ ثانی دلکش

مطبوعات جدیدہ

منا شبلی اینڈ عمر خیام ۔ (انگریزی) تالیف جناب رستم پستن جی بھاجی والا، ۱۱۸ صفحے، قیمت مع
صورت جلد للعہ، مصنف سے امبا واڑی مزے گاں، بمبئی نمبر ۱ کے پتہ سے طلب کریں،

ب رستم پستن جی بھاجی والا، بمبئی کے ایک معزز پارسی خاندان کے رکن ہیں، ان کو حب وطن کے طور پر فارسی
وما اور خیام سے خصوصاً گہری شیفتگی ہے، اور اسی تعلق سے فارسی ادبیات کے خدمتگذار شبلی نعمانی کی عقیدت
یں جاگزیں ہوئی، زیر نظر کتاب، انہی اثرات کا آئینہ ہے، اس میں پہلے تقریباً پچاس صفحوں میں مولنا
ٔ حیات شرح وبسط سے لکھے ہیں، بلکہ مولنا کے حالات میں اب تک اس سے مفصل کوئی چیز لکھی
ت نے کاوش سے ان تمام ماخذوں پر نظر ڈال لی ہے، جو سیرت شبلی سے متعلق ہو سکتے ہیں، نیز مستند ذرا
ت بھی فراہم کئے ہیں، پھر شعر العجم کے حصہ "خیام" کا ترجمہ ہے، جس میں کہیں کہیں مترجم نے خود حاشیے بھی لکھے ہیں،
م کے حالات میں بعض باتیں اسوقت تک علمی حلقوں میں بعض حیثیات سے "خلافیات" کی شکل رکھتی ہیں
اس حصہ پر بھی اختلافی مضامین نکل چکے ہیں، جنکا حوالہ بھی زیر نظر کتاب کے تبصرہ میں اردو کے ایک رسالہ
ذرا جس میں مترجم موصوف کو مطعون کیا گیا ہے، کہ اُس "تحقیقی نقد نظر" کو مترجم نے نظر انداز کر دیا ہے جو ان
پیش کئے گئے ہیں، لیکن کیا ستم ہے کہ معترض نے بھی اُس جواب نقد کو نظر انداز کر دیا ہے، جو ان خلافیات
ت نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اسوقت تک عمر خیام کے موضوع پر بعض ابواب
ہیں، لیکن ہمیں انھیں یہاں چھیڑنے کی ضرورت نہیں کہ امروز فردا میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان
ب ضخیم تصنیف "عمر خیام" چار پانسو صفحوں میں پریس سے نکلنے والی ہے، جو امید ہے کہ خیام کے مالہ وما علیہ

پر حاوی ہونے کے علاوہ ان خرافیات میں بھی شاید قولِ مختتم بن سکے۔

کتاب کے آغاز میں ایک دوسرے فاضل پارسی مستشرق جناب شمس العلماء ڈاکٹر سر جیون جی جمشید جی مودی پی ایچ ڈی، ال ال ڈی، سی آئی ای کے ٹی، کا ایک مقدمہ ثبت ہے جس میں مقدمہ نگار نے اپنے انکسار کے باوجود ادبیاتِ ایران پر فاضلانہ نظر ڈالی ہے، اور فاضل مترجم نے شعر العجم کے حصہ کے ترجمہ میں رباعیاتِ خیام کا انگریزی ترجمہ بھی اپنے ذوق و شوق سے خود کیا ہے، جو سلیس اور شگفتہ ہے، اور یوں تو پوری کتاب کی زبان نہایت شستہ سلیس اور عام فہم ہے، ہم جناب بھاجی والا کو اس مفید خدمت پر دلی مبارکباد دیتے ہیں،

کیفیۃ العارفین و نسبۃ العاشقین (فارسی) مرتبہ و مصححہ جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ گیا، حجم مجموعی ۸۰۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ:- خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ، محلہ رام ساگر گیا،

حضرت سید شاہ عطا حسین صاحب منعمیؒ (۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۱ھ) دورِ آخر میں صوبہ بہار کے برگزیدہ بزرگوں میں گذرے ہیں، موصوف اپنے حینِ حیات میں اپنا فیضِ عام جاری کئے رہے، اور صوبہ بہار کے جنوبی ضلاع خصوصیت سے اس سرچشمہ سے فیضیاب ہوئے، اور موصوف کی وفات کے بعد بھی ان کی تصنیفات لوگوں کی روحانی تسکین کا ذریعہ ہیں، اور سلسلۂ فیض جاری ہے، موصوف کی تقریباً تیس سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں ہیں جنہیں سے بعض ان کی زندگی میں شائع ہو چکی تھیں، لیکن ان کا بیشتر حصہ قلمی صورت میں ان کی خانقاہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے مسرت ہے کہ اس خانقاہ کے رکن سجادہ نشین جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب منعمی نے ان قلمی کتابوں کی اشاعت کا تہیہ کیا ہے، اور اسی سلسلہ کی پہلی کڑی زیرِ نظر کتاب کیفیۃ العارفین و نسبۃ العاشقین ہے جو سلسلہ ابو العلائیہ کے اکابر مشائخ و خلفا کی مرتب سوانح عمریوں پر مشتمل ہے، اور اس میں حضرت مخدوم ابو العلاء رحمۃ اللہ (۹۹۰ھ تا ۱۰۶۱ھ) کے عہد سے مصنف کے زمانہ تک کے بزرگوں کے مختصر حالات، روحانی جذب و شوق، بیعت اور مقام دفن وغیرہ کی مرتب تصریحات ہیں، مصنف کے زمانہ کے مشائخ و خلفا میں زیادہ تر صوبہ بہار کے بزرگوں

کا تذکرہ آیا ہے، کتاب کے مرتب و مصحح جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب نے کتاب میں جا بجا خود بھی حواشی لکھے ہیں، جن سے ان اسلاف کے اخلاف کا تذکرہ بھی منضبط ہو گیا ہے، نیز موصوف نے کتاب کے آخر میں ایک اردو ضمیمہ بھی لگا دیا ہے، جس میں پہلے مصنف کے حالات زندگی، پھر ان کے خلفاء و مسترشدین کے حالات و تراجم ہیں، اور اسی ذیل میں خانقاہ داناپور و گیا کے تاریخی حالات بھی ضمناً آ گئے ہیں، اور کتاب کی ابتداء میں مرتب کا ایک دیباچہ ہے جس میں مصنف اور تصنیف دونوں کا سرسری تعارف کرایا گیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سے اپنے عہد کے بہت سے ایسے اکابر کے حالات منظر عام پر آ گئے، جو ابھی تک نگاہوں سے اوجھل تھے، اور جو ہندوستان کے پچھلے دور کی تاریخی تحقیقوں میں ماخذ بن سکتے ہیں، اسلئے مرتب موصوف نہ صرف تصوف کے حلقہ سے بلکہ علمی حلقوں کیجانب سے بھی شکریہ کے مستحق ہیں، ضرورت ہے کہ موصوف مصنفؒ کی دیگر قلمی کتابوں کو بھی وقف عام فرما کر علم و تصوّف دونوں کی خدمت انجام دیں،

مثنوی یادِ اسلام، از جناب منشی شاہ محمد ممتاز علی صاحب آہ، امیٹھوی، حجم ۷۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۱۰/ پتہ:- مولوی محمد ساجد صاحب، مغل پور، فیض آباد،

جناب آہ امیٹھوی، امیر مینائی مرحوم کے وہ تلمیذ رشید ہیں جنکو وہ اپنے نومشق شاگردوں کی غزلوں کی اصلاح کے لیے منتخب کرتے تھے، اردو کے مشہور لغت امیر اللغات کی ترتیب و تدوین میں بھی اپنے استاذ کے دست راست تھے، لیکن رامپور سے قطع تعلق کے بعد خلوت نشین ہو گئے تھے اور اب ایک زمانہ بعید کے بعد اس مثنوی یادِ اسلام کے ذریعہ پھر شریک بزم ہوئے ہیں، یہ مثنوی حالی کی مثنوی کے طرز پر لکھی ہے جس سے عروج و زوالِ اسلام دونوں کا مرقع سامنے آجاتا ہے، اس مثنوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں اسلام کو محض قرآن مجید ہی کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، ابتداً حمد و صفاتِ الٰہی کا ذکر ہے، پھر صنعت و خلقت سے صانع و خالق کے وجود کا ذکر کر کے خالق باری تعالیٰ کا تصور پیش کیا ہے، اس کے بعد توحید تخلیق آدم، ضرورت رسالت، نبوت محمدی، سیرت نبوی، فضائل اسلام اور کارنامہائے اسلام کا تذکرہ ہے، پھر یہیں سے گریز ہے اور دور حاضر کے مسلمانوں کا حالِ زار آتا ہے، اور دراصل یہیں سے یہ مثنوی مسدس حالی سے بھی جدا ہوتی ہے کہ حالی نے اپنے زمانہ کے حالات کے اعتبار سے علماء کا ماتم کیا ہے، آہ نے اپنے دور کے مغرب پسند مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا ہے، اور پھر اصلاح حال کی دعوت دی ہے، مثنوی کا طرز بیان مؤثر اور دلنشین ہے، ضرورت ہے کہ اس کی عام اشاعت ہو کہ اسکا مطالعہ عام و خاص دونوں طبقوں میں دلچسپی سے کیا جا سکتا ہے، "ر"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدما کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور دکنی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور انکے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ، از مولانا سید عبد الحی صاحب مرحوم

مکاتیب شبلی، مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکتے ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم، قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۱۲ ار، ضخامت حصہ اول ۴۰۰ صفحے دوم ۲۰۰ صفحے

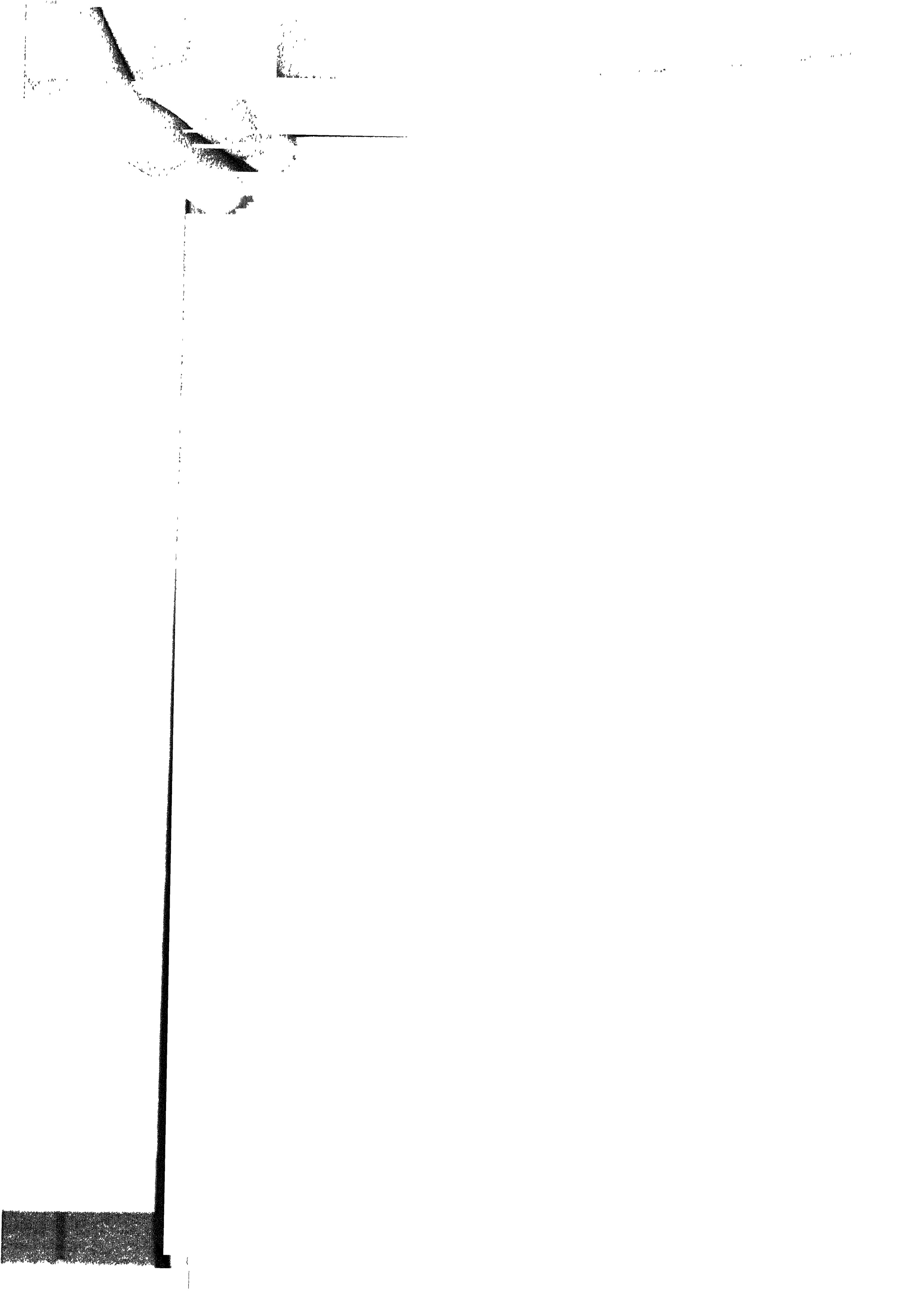
موازنۂ انیس و دبیر، اردو کے مشہور یگانہ شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت سے روپیہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پولیٹکل عہد بعہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت [illegible]

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاء پرداز مہدی حسن مرحوم (افادی الاقتصادی) کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، [illegible] ٹکٹ بھیجکر طلب کریں،

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپکر شائع کیا)



سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایۂ فخر اس کے رسول کے احوال پاک اور کلمات طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہے، اردو میں اس وقت بالاتفاق سب سے کامل تر اور صحیح تر سیرۃ نبوی ہیں وہ کتاب ہے جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد للہ،

اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہوچکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم، ضخامت ۵۶۱ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ سے رو للعہ، تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۱۳ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عـــہ، طبع دوم، تقطیع خورد، ضخامت ۴۲۸ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ صہ سے ہہ

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازاں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جنکے حوالے قرآن مجید حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، طبع تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ سے، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۷۹۲ صفحے قیمت باختلاف کاغذ

ایضاً جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ بحث، ضخامت ۷۰۰ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ عـــہ سے ـــہ، تقطیع کلان،

ملنے کا پتہ:-

منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

جلد ۳۲ | ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

اخبار پڑھنے والے دوستون کو معلوم ہوگا کہ آجکل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے احاطہ مین طلبہ اور مدرسین کے لیے ایک مسجد زیر تعمیر ہے، اور ہمارے مہتمم دار المصنفین مولنا مسعود علی صاحب ندوی رکن ندوۃ العلماء نے اسکی تعمیر کا کام اپنے ذمہ لیا ہے، اور اسی تقریب سے وہ دو تین مہینون سے لکھنؤ مین مقیم ہین، موصوف کا کام نہ صرف مسجد کو اپنی نگرانی مین بنوانا ہے، بلکہ اس تعمیر کے لیے سرمایہ فراہم کرنا بھی ہے، خوشی کی بات ہے کہ ان کو حسب دستور سابق دونون کامون مین کامیابی ہورہی ہے، مسجد کا طول ترسٹھ ۶۳ فٹ ہے، اور محرابون تک عمارت پہنچ چکی ہے، مسجد کے نقشہ مین کسی قدر جدت بھی روا رکھی گئی ہے، جس سے مسجد ہوادار اور خوش منظر بھی ہوگی، دائین بائین اور قبلہ رخ بمبئی کی مسجدون کی طرح دروازے اور کھڑکیان رکھی گئی ہین، اور گنبدون کے بجاے چھت کا خیال ہے،

تعمیر مسجد مین امداد سے مسلمانون کو فطرۃً جو شغف ہے وہ بیان کا محتاج نہین، اور نہ معارف کے ناظرین کو اس کے ثواب کی آیتین اور حدیثین سنانی ہین، صرف ان کو یاد دلانا اور متوجہ کرنا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے پرجوش اور فرض شناس ناظرین اپنے سے خود اور اپنے خاندان کے افراد اور اپنے شہر کے نیک عمل مسلمانون سے تحریک کرین، اور جو کچھ جمع ہو اسکو ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ سے بھیجدین،

آجکل مولنا مسعود علی صاحب ندوی کے قیام کی وجہ سے دار العلوم کے مختلف صیغون مین اصلاح اور ترقی نظر آرہی ہے، اور امید ہے کہ ان کے "ڈکٹیٹر شپ" مین دار العلوم کو ہر قسم کے فوائد میسر ہونگے، ضرورت اسکی ہے کہ ہمارے طلبہ اور مدرسین بھی اپنے فرائض کو محسوس کرین، یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ طلبہ آجکل مسجد اور مدرسہ کے کام مین پوری دلچسپی لے رہے ہین، اور سمجھ رہے ہین کہ کسی درسگاہ کی اصلی اہمیت بلند عمارات اور وسیع سامان نہین، بلکہ خود طلبہ ہین،

دارالعلوم کے فارغ شدہ طلبہ بھی آجکل کے ہاتھوں میں دین و ملت کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں، چنانچہ مولانا عبد الحفیظ صاحب ندوی خطیب جامع مسجد بمبئی کے خطبات پسند کیے جا رہے ہیں، کلکتہ میں مولانا ظفر احمد صاحب ندوی ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ نے انگریزی میں اسلام کے اصول و ماخذ پر ایک محققانہ کتاب لکھی ہے جس میں اسلامی عقائد و تصوف کے [illegible] بتائے ہیں، اور ان مستشرقین کی تردید کی ہے جنھوں نے اسلام پر دوسرے مذاہب کی خوشہ چینی کا الزام لگایا ہے، اور ان کی غلطیاں دکھائی ہیں، ایک مدت سے ندوی عالم مولوی معین الدین صاحب نگرامی ندوی نے لکھنؤ سے **اصلاح** کے نام سے ایک ماہوار تبلیغی و اصلاحی رسالہ جاری کیا ہے جس کے تین پرچے نکل چکے ہیں، تین روپیہ سال اس کی قیمت ہے، اس رسالہ کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، اور معاشرتی اصلاح ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان اس کی خریداری کی طرف توجہ کریں،

آجکل کے اسلامی اخبارات میں باہمی ذاتی مناقشوں کی ایک بدترین تصویر نظر آ رہی ہے، کہ ان کے صفحات کو غور سے دیکھے بغیر پڑھنا مشکل ہے، ایک دوسرے پر الزام تراشی، اور حریف کو ہر طرح بدنام کرنے کیلئے مشتبہ الفاظ، دو معنی جملے اور دوسرے ناپاک و حقارت آمیز تلمیحات بے محابا استعمال کیے جا رہے ہیں اور مزید تعجب یہ ہے کہ ان چھینٹوں سے مقدس عبا ؤں کے دامن بھی پاک نہیں، [illegible] ہند جدید اور خلافت باہم دست و گریباں ہیں، مدینہ اور الجمعیۃ ایک طرف [illegible] دوسری طرف ہیں، ہمارا دیس، [illegible] ایک جانب، اور نقیب دوسری سمت، باہم اس طرح نبرد آزما ہیں، کہ متانت اور سنجیدگی تو آنکھیں بند کر لینی پڑتی ہیں جب ہمارے معلمین اخلاق کے یہ اخلاق ہیں، تو عام مسلمانوں کا کیا شکوہ؟

ان خانہ جنگیوں کا آغاز گو اختلاف رائے سے ہوا، مگر اب وہ قومیت کی [illegible] ذاتی [illegible] کی شکل اختیار کر رہی ہیں جن میں ہر فریق اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لیے [illegible] کے پیدا کرنے میں [illegible] موجودہ جدید طرز تحریر کا ہر اسلوب ایک مستقل حربہ کی صورت میں [illegible] مشتبہ [illegible] تلمیحات، بے نام تحریریں، یہ چیزیں معرض اشاعت میں آ رہی ہیں، [illegible] قومیت [illegible]

یہ منظر کس قدر دردناک ہے،

مسلمانون کا سیاسی انتشار اب کچھ چھپا راز نہین، ہم نے پہلے مسلم لیگ بنائی، پھر خلافت قائم کی، پھر جمعیت کھڑی کی، بعد ازین مسلم کانفرنس کو پیدا کیا، پھر جماعت احرار میدان مین آئی، اور ان مین سے ہر ایک کو مسلمانون کی سیاسی نمایندگی کا دعوٰی ہے، اور ہر ایک پوری قوم کی زبانِ ناطق بننے کی مدعی ہے، ایسی حالت مین مسلمانون کا کوئی پروگرام اب تک نہ قابلِ عمل ہوسکا ہے، اور نہ آیندہ ہوگا، اس سے پہلے کہ مسلمانون کو اصلاح کی دعوت دی جائے، ضرورت ہے کہ ان انجمنون کی شکست وریخت کیجائے، ان مین سے بعض کو دفن کردیا جائے، بعضون کے مقاصد بدل دیئے جائین، اور صرف ایک سیاسی انجمن قائم رکھی جائے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ احرار اور معتدلین دو گروہون مین منقسم ہوکر، دو سیاسی مجلسین بنالین، لیکن یہ تو نہ ہو کہ دو جمعیۃ العلمائین، ایک شہر مین، بلکہ ایک ہی محلہ مین قائم ہوکر "جمعیۃ علمائے ہند" کہلائین، اور اصلی کو نقلی سے تمیز کرنا مشکل ہوجائے، حالانکہ شعراء کے تخلص کی طرح ابھی نئی انجمنون کے لیے نامون کی کمی نہین،

ملکی حالات کے انقلاب کے سبب سے ضرورت ہے کہ ہم اپنے حالات پر پھر ایک نظر ڈالین اور گذشتہ تعصبات کو چھوڑ کر فکر وعمل کی وحدت کی نئی کوشش کرین، اور اس ذمہ داری کو محسوس کرین جو پوری قوم کی گمراہی اور غلط روی سے ہمارے رہبرون کے سر پر عائد ہوگی، ذاتی کدو کاوش، اور پرانی مخالفتون اور رایون کے اختلافات کو اگر اب بھی مسلمانون نے دفن نہین کیا، تو وہ نہ ملک کے کام آسکین گے، اور نہ حکومت ہی کی خوشنودی کی وہ "دولت" پاسکین گے، جس کے لئے ہمارے بہت سے افراد بہت بیتاب ہین، سلطنتین دوستی کا پیمان صرف اس طاقت اور قوت سے باندھتی ہین جو ان کو نفع یا نقصان پہنچاسکے، مختلف الآراء، کمزور دل، اور ناتوان جماعت کس برتے پر کسی کو اپنے ساتھ عہد وپیمان باندھنے پر مجبور کرسکتی ہے،

مقالات

مسلمانون کی آیندہ تعلیم

مسلمانون کی آیندہ تعلیم کے عنوان سے اڈیٹر معارف نے ۱۱ اپریل [illegible]ء کی شب کو جامعۂ ملیہ دہلی کے یونین مین ایک مبسوط مقالہ پڑھا تھا جسکو رسالہ جامعہ نے اپنے مئی اور جون کے نمبرون مین شائع کیا ہے اب ہم اس مقالہ کو [illegible] کی تعمیم اور صحیح خیالات کی اشاعت کی غرض سے معارف مین شائع کرتے ہین

اڈیٹر

دوستان و عزیزان جامعہ! آج سے آدھی صدی پہلے مولینا شبلی مرحوم نے علی گڈہ ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک جلسے مین مسلمانون کی گذشتہ تعلیم پر ایک مضمون پڑھا تھا، جو نہایت مقبول ہوا تھا، اب آدھی صدی کے بعد ضرورت ہے کہ مسلمانون کی آیندہ تعلیم کے مسئلے پر غور کیا جائے،

اسی زمانہ مین سر سید مرحوم نے مسلمانون کے انحطاط کا سبب اور اس کا علاج مسلمانون کے [illegible] سے پوچھا تھا، بہت سے صاحبون نے اس کا سبب جہالت اور اس کا علاج تعلیم جدید کو قرار دیا تھا، چنانچہ نصف صدی تک ہم نے اس فیصلے پر آنکھ بند کر کے عمل کیا، [illegible] اب نصف صدی کے بعد ہم کو اس سوال کی ضرورت ہے کہ ہم کو کس قسم کی جدید تعلیم چاہیے، [illegible] منٹ کیلئے بھی اس پر غور نہین کیا ہے کہ کیسی تعلیم؟

ترک موالات کی پچھلی تحریک بہترین موقع تھا جبکہ مسلمانون [illegible]

ان کو اس کا فیصلہ ضروری ہو گیا، ورنہ ہلاکت کا عمیق غار اُن کے پاؤن کے نیچے تھا،

اب یہ کوئی چھپا راز نہین کہ تعلیم کے مسئلے پچاس برس پہلے کے مقابلے مین اب بالکل اور نظر سے دیکھے جاتے ہین، پہلے جدید تعلیم کی ضرورت کا سب سے بڑا سبب سرکاری نوکریان تھین، اور یہ یقین تھا، کہ سرکاری نوکریون کا دروازہ اسی کنجی سے کھلے گا لیکن اب یہ مسئلہ اس صورت کے بجائے اس صورت مین ہے، کہ نئی تعلیم کی ضرورت اس لئے ہے کہ "پیٹ" کا سوال اسی سے حل ہو گا پچاس برس کے بعد مولانا حالی کا یہ طعنہ واقعے کی شکل مین ہمارے سامنے آگیا، :-

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر   وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر،

مسلمانون مین جدید تعلیم کی اوسط ہر سال آگے بڑھ رہی ہے آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ ۱۸۸۲ء مین علی گڑھ سے مولینا شبلی نے اپنے وطن کے دوستون کو یہ مبارکباد بھیجی تھی، کہ

"اب کی پٹنہ محمڈن اسکول سے جو خاص مسلمانون کے ہاتھ مین ہے، آٹھ لڑکے انٹرنس مین پاس ہوئے جنمین پانچ مسلمان ہین"   (مکاتیب اول ۱۸۸ طبع دوم)

اور اب یہ حال ہے کہ ہر سال انٹرنس اور میٹرک کیا اس سے وہ چند گریجوٹ ہو رہے ہین، تاہم اب کیا مسلمانون کا انحطاط کم ہو گیا، اور وہ اب ترقی کر رہے ہین، ؟ مولینا شبلی مرحوم جب مولویون کے مدرسون کو چھوڑ کر علی گڈھ کالج آئے تھے، تو وہان کے طلبہ کو دیکھ کر حسب ذیل فقرے لکھے تھے، :-

یہان آکر میرے خیالات مضبوط ہو گئے، معلوم ہوا کہ انگریزی خوان فرقہ نہایت مہمل فرقہ ہے، مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام نہین، یہان ان چیزون کا ذکر نہین آتا، بس خالی نوتہ بیون کی تماشا گاہ ہے، ہمارے شہر کے نوخیز لڑکے مجھ کو بی اے کی نسبت یہ خیال دلاتے تھے، کہ وہ مذہبی باتون کو تمامتر ضعیف ثابت کر دین گے، لاحول ولا، وہ غریب تو زمین کی حرکت بھی سمجھ نہین سکتے،

سید صاحب (سر سید) نے کئی مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان کے تمام انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانون مین ایک بھی ایسا نہین، جو کسی مجمع مین کچھ کہہ سکے یا لکھ سکے، صرف تین شخصون کو مستثنیٰ کرتے تھے، وہ فرماتے ہین کہ انگریزی ان کے

دماغوں میں کچھ تبدیلی نہیں پیدا کرتی ہے،

یہ خط ۱۸۹۳ء کا ہے، جس کو اب پورے پچاس برس ہوئے، کیا تھوڑے تغیر کے ساتھ مسلمانوں کی جدید تعلیمی کیفیت یہی نہیں ہے، ؟ اصل یہ ہے کہ ہم نے جب جدید تعلیم کی اشاعت کا کام شروع کیا تو یہ سمجھے کہ فقط اے بی سی ڈی ہمارے کامیابیوں کے خزانے کی وہ کنجی ہے، جو کبھی الف لیلہ کے علی بابا کو ہاتھ آگئی تھی،

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، ہم کو تعلیم کی حقیقت پر ایک لمحہ غور کرنا چاہیئے،

تعلیم | تعلیم کے لفظی معنی سکھانے کے ہیں، اور ہماری زبان میں اس کے معنی سیکھنے سکھانے کے لیتے ہیں، اور اس سے مراد پڑھنے اور لکھنے کا فن سیکھنا ہے، اور آج کل اس کے معنی اس بھی زیادہ محدود ہیں یعنی انگریزی زبان میں لکھنے اور پڑھنے کو ہم تعلیم کہتے ہیں، ہم نے اب تک بار بار جب تعلیم کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس سے مراد وہ سرکاری تعلیم ہی ہے، جو عام یونیورسٹیوں کے ماتحت دی جاتی ہے، دوسرے معنوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا وہ فن یا پیشہ جو سرکاری نظام کے ماتحت سکھایا جاتا ہے،

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیئے، کہ کسی زبان کے چند حروف کو لکھنا اور اُن کو پڑھ لینا اسی طرح کا ایک ہنر یا پیشہ ہے، جسطرح نجاری، لوہاری، معماری، اور دنیا کے دوسرے پیشے ہیں، اگر کوئی اس حرف شناسی کے ہنر یا پیشے سے ناواقف ہے، تو وہ اسی طرح مورد الزام ہو سکتا ہے جسطرح اس بات پر کہ وہ نجاری یا لوہاری یا معماری کا کام کیوں نہیں جانتا کہ موجودہ عہد سے پہلے کبھی کسی قوم کی ترقی اور تنزل کے مسئلے میں یہ چیز فیصلہ کن تھی کہ ان میں فی صدی کتنے لوگ لکھنے اور پڑھنے کا پیشہ جانتے ہیں کیا جب عربوں نے رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دیکر تاج و تخت پر قبضہ کیا، وہ اپنی فی صدی تعلیم میں اپنے حریفوں سے بڑھ کر تھے جو عرب ان قومیوں کو شکست دی تھی، اور جب انہوں نے اندلس میں اسپینیوں نے اور عراق اور خراسان میں تاتاریوں نے شکست دی، تو وہ فی صدی تعلیم میں ان اسپینیوں، اور تاتاریوں سے کم تھے،

خود ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک طرف سکھوں نے اور دوسری طرف مرہٹوں نے دبا کر اُن کے نقشِ حکومت

کو درہم برہم کر دیا، تو سکھ اور مرہٹے اس وقت مسلمانون سے فی صدی تعلیم مین بڑھکر تھے، ؟

عزیز و! یہ "فی صدی" کا لفظ بھی ان منترون مین ہے جنکو یورپ کے سیاسی ساحرون اور جادوگرون نے اپنی محکوم دنیا مین پھونک رکھا ہے، اور اب ہم اس سے اتنے مسحور ہوگئے ہین، کہ ہر چیز کو اسی جادو کی ترازو سے تول کر جانچتے اور مانتے ہین، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قوم کی قوت اور طاقت اس کی کمیت اور تعداد مین نہین، بلکہ اس کی کیفیت مین ہے، اگر کہین صرف تعداد کی کثرت قوت کی مرادف ہوتی، تو وہ ۵۰ ہزار انگریز ۳۵ کروڑ ہندوستانیون پر حکومت نہ کر سکتے اور نہ چار کروڑ جاپانی چالیس کروڑ چینیون کو ہر قدم پر شکست دیتے چلے جاتے،

قوم کی ترقی کا راز

ان واقعات سے جو مشاہدات ہین، یہ راز خود بخود فاش ہوجاتا ہے، کہ قوم کی ترقی کا راز فی صدی کا جادو نہین، بلکہ اس قوم کی قومیت کی معنوی روح اور ذہنی قوت مین ہے، اس کیلئے سب سے پہلی چیز یہ ہے، کہ قوم کے سامنے اس کی زندگی کا کوئی متفقہ اور متحدہ مقصد ہو، اس کے افراد اپنے ذاتی اور شخصی اغراض زندگی کے ساتھ ساتھ من حیث المجموع ایک مشترک مقصود زندگی رکھتے ہون جس کے حصول مین اس کا ہر چھوٹا بڑا، امیر غریب، عورت مرد، غرض، اس قوم کا ہر فرد پوری طرح مصروف و منہمک ہو، اور اسی کی دھن مین اس کا جینا مرنا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، سب کچھ ہو اور ہر فرد کو یہ متحدہ مقصد اتنا عزیز ہو، کہ جب کبھی اسکے سامنے اُسکے ذاتی اور شخصی مقاصد اسکے مشترکہ قومی مقصد سے متصادم ہون، تو بے تامل وہ اپنے تمام ذاتی مقاصد اور شخصی فوائد یہان تک کہ خود اپنے وجود کو بھی اس پر نثار کر دے،

اٹھارہوین صدی کے ہندوستان کی تاریخ مین جو واقعات پیش آئے، ان کی تحلیل کیجئے، تو اس راز سے خود بخود پردہ اٹھ جائے گا، کہ ارکاٹ، سرنگاپٹم، پلاسی، بکسر، لکھنؤ اور دلی مین مٹھی بھر انگریز ہندوستانی ریاستون اور سلطنتون کو اس آسانی سے کیونکر توڑ پھوڑ کر رکھدیتے تھے، ایک طرف ایک متفقہ مقصد متحد قوت اور منظم طاقت تھی، اور دوسری طرف منتشر افراد اور پراگندہ اشخاص تھے جنمین سے ہر ایک کا مقصود الگ اور مطلب جدا تھا، کہین اگر کوئی خاندان حکمران تھا، تو اس کے مختلف افراد بھی اس ریاست کی گدی اور مسند کے لئے باہم نبرد آزما تھے، آرکاٹ اور بنگال کی نوابیون مین کیا یہی پیش نہین آیا، حیدر علی، اور ٹیپو جنھون نے اپنے سامنے ایک مضبوط مقصد رکھا تھا، دیکھئے کہ یہ ذہنی مضبوطی

اُن کی جسمانی اور فوجی مضبوطی کی صورت میں کس حیرت تک ڈھل گئی تھی [illegible] وقت تک اس کی ذہنی وحدت کی قوت میں کمزوری نہیں آئی جب تک اس کے خاندان اور [illegible] میں وحدت کی جگہ شخصی مقاصد اور ذاتی منافع کی کثرت نہ آگئی، مذہب کی اصطلاح میں اسی ذہنی وحدتِ مقصد کا نام **ایمان** ہے جس کے بغیر کسی عمل کو اعتبار کا درجہ نہیں مل سکتا،

اخلاق اور کیرکٹر کی مضبوطی جس کے بغیر کسی قوم کی معنوی زندگی کا وجود ہی نہیں ہو سکتا بہت کچھ اسی مقصدِ عزیز کی گراں بہا متاع کی حفاظت بقا، ترقی، اور استواری کی خاطر وجود میں آتی ہے، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، دلیری بہادری، اور موت سے بے خوفی، اسی طلسم کے روحانی اسرار ہیں، یہ حقیقت میں وہ جرس ہے جس کی آواز پر قوموں کے قافلے اپنے سفر کرتے ہیں، اور کامیابی کی منزل کا پتہ لگاتے ہیں،

سوال یہ ہے کہ ہماری قوم کا اس دنیا میں کوئی بھی متحدہ مقصد ہے؟ اگر نہیں ہے تو وہ قوم نہیں بلکہ جانوروں کا گلہ اور حیوانوں کا جھنڈ ہے،

غور سے دیکھئے اسی ملک میں ہندو قوم آباد ہے، اس پر انقلابات کے بیسیوں دور گذر چکے ہیں صدیوں کی حیرانی و سرگردانی کے بعد اس نے اب اپنی زندگی کا ایک مقصد قرار دے لیا ہے۔ اُن کے چھوٹے سے لیکر بڑے تک نوکری پیشے سے لیکر آزادی طلب تک غریبوں سے لے کر دولتمند مہاجنوں تک محکوموں سے لیکر اُن کے رئیسوں اور راجاؤں تک، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُن کے کانگریسیوں سے لیکر خوشامدیوں تک ہر ایک نے اپنے سامنے کم از کم ایک متحدہ مقصد رکھ لیا ہے، اور وہ مخالفت کی ہر قوت کو ٹھکرا کر، اور ہر [illegible] اور مانع کی دیوار کو مٹا کر ہندوؤں کو واحد قوم بنانا، اور اس کے تمام پچھلے خصوصیات کے ساتھ اس کو اس ملک میں مستقل وجود بخشنا ہے اس قوم کی ہر کوشش ہر راہ سے اسی ایک منزلِ مقصود پر آکر ختم ہوتی ہے، اس کے اہل سیاست کی کوشش یہ ہے کہ اس کو سیاسی خود مختاری اور اس ملک پر حکومت کی پوری ذمہ داری بخشیں، اہل تعلیم اس کو تعلیمی ذریعے سے [illegible] حاصل کرنے کیلئے اس کے علم و فن کے پیمانے کو اونچا کر رہے ہیں، مصلح معاشرت کے کارفرما اس کو معاشرتی و تمدنی طریقوں سے آگے بڑھا رہے ہیں، اہل دین اس کی دینی وحدت کی دھن میں ہیں، اہل علم اس کے [illegible] کا خزانہ بھر رہے ہیں، اہل ادب

کے لئے ایک واحد زبان کی تخلیق میں مصروف ہیں، انتہا یہ ہے کہ اس کے مجبور قیدی بھی ذاتوں کی تفریق کے خلاف
ل وحدت کیلئے پس دیوار لڑ رہے ہیں، الغرض "قومی وحدت" کی تشکیل کی جتنی صورتیں اور تدبیریں ہیں، قوم کے
ت کارکن اور کار فرما اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کی تکمیل میں مصروف ہیں، اور اُن میں سے
ب یہ جانتا ہے، کہ دوسرا بھی دوسری راہ سے وہیں جا رہا ہے جہاں وہ خود جانا چاہتا ہے، اسلئے راہ رو اور راہبر باہم
ت وگریبان نہیں،

الغرض قوم کی زندگی کے لئے سب سے پہلے چیز "وحدتِ مقصد" کا وجود ہے، یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے ارد
ر قوم کے تمام افراد کے اعمال چکر کھاتے ہیں، حکمران اپنی حکومت کے تخت پر، واعظ اپنے منبر پر، سپاہی اپنے میدان
ہل پیشہ اپنے بازار میں، عالم اپنی درسگاہ میں، صناع اپنی کارگاہ میں، اخبار نویس اپنے دفتر میں، یہاں تک کہ
برم اور ڈاکو بھی اپنی کمین گاہ میں اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ اسی ایک مقصد کیلئے جیتے اور مرتے ہیں،

پہلا مقصد ... دگی کی تبلیغ

تعلیم کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہئے، کہ وہ قوم کے افراد میں اس کے واحد مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کا فرض انجام دے، قوم کے ہر فرد میں بچپن سے اس مقصد کی صحت کا یقین اور اسکی رفعت اور بلندی کی تقدیس اور اسکے
ہ اور بقا کی خاطر ہر آزمایش اور امتحان میں پڑنے کی غیر متزلزل جرأت پیدا کرے،

ہم کو پہلے سوچنا چاہئے کہ اول مسلمانوں کے سامنے اور خصوصًا ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے اُن کی
ی کا کوئی مقصد ہے بھی، اگر ہے تو ہندوستان کے اس سرے سے لیکر اس سرے تک کوئی درسگاہ اپنے سامنے
ب العین رکھتی ہے،

ہمارا پچھلا نظامِ تعلیم کتنا ہی بُرا سہی لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے سامنے ایک مقصد تھا، اور وہ مذہب
ت اور اس کے زیر سایہ علوم و فنون کی تحصیل اس مقصد کا اثر یہ تھا، کہ تعلیم ہمارے نظامِ زندگی میں ایک دنیوی
بلکہ ایک مذہبی فریضہ تھا، یہاں تک کہ کتابیں اور کتابوں کے اوراق بھی ہمارے نزدیک مقدس اور ادب
زام کے قابل تھے، ہمارے اندر مذہب کی شیفتگی اور عقیدت تھی، اور اوسکی خدمت کیلئے ہر علم و فن کو سیکھتے تھے،

اور پڑھتے تھے، ہم نے فلسفہ یونان سے اور ریاضیات ہندوستان سے سیکھا، اور اسی طرح دوسرے عقلی علوم بھی دوسری غیر مسلم قوموں سے لئے، مگر غور سے دیکھئے، کہ ہمارے اسلاف نے ان میں پوری اصلاح و ترمیم کرکے ان کو اپنے نصاب درس میں اس طرح رکھا کہ وہ آج تمامتر اسلامی علوم معلوم ہوتے ہیں، ارسطو، اور افلاطون کا فلسفہ جو کہتے ہیں کہ دہریت سکھاتا ہے، جب وہ ہماری مشرقی درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے، تو پہلے اعوذ باللہ اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر شروع کیا جاتا ہے، خدا کا نام آتا ہے، تو نیچر اور فطرت کے بے حس اور بے جذباتی ناموں سے اس کی تعبیر نہیں ہوتی، بلکہ واجب تعالیٰ، باری تعالیٰ اور مبدء فیاض کے فلسفیانہ لیکن باادب ناموں سے اس کی تعبیر کیجاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ فلسفہ پڑھنے کے باوجود مشرقی درسگاہوں کے طلبہ میں بے دینی یا مذہبی بے حسی پیدا نہیں ہوتی،

جب ہمارا فلسفی مصنف اپنے فلسفے کا آغاز کرے گا، تو قرآن پاک کی اس آیت کی تعلیم کو اپنی غرض بتائے گا کہ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (جس کو حکمت دی گئی، اسکو بڑی نیکی دی گئی) جب ہیئت و فلکیات کا درس دیگا، تو تمہید میں ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا اور لتعلموا عدد السنین والحساب اور فلکیات کی دوسری مناسب آیتوں کو پہلے پیش کریگا جغرافیے کی کتاب لکھے گا تو کہے گا کہ یہ سیروا فی الارض کی تفسیر ہے، علم طب پڑھائے گا تو شفاء للناس اور العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان کو دیباچہ میں ذکر کرے گا، فلکیات کی ایک کتاب کا مصنف امام غزالی کے اس فقرے کو طغرائے فخر بنا کر سجائے گا کہ ومن لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ، (اور جس نے ہیئت اور علم تشریح کو نہیں جانا تو وہ خدا کی معرفت میں نامرد ہے) غرض جس علم و فن کو بھی ہماری کتابی تعلیم ہمارے سامنے رکھتی تھی اس کو اپنے مقصد میں رنگ کر پیش کرتی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا، کہ ہر عقلی علم و فن اور ہر دنیاوی صنعت و ہنر بھی مذہب و دین و مذہب کے پیکر میں جلوہ گر ہوتا تھا، ہمارے اساتذہ آج کل کے محض دکاندار اور دنیاوی پیشہ ور کی حیثیت نہیں، بلکہ وارث پیغمبر، نائب رسول اور روحانی باپ کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے ہر شاگرد ان کی بات کی کوشش کرتا تھا کہ وہ ان کے رنگ میں رنگ کر ظاہر ہو، اور استاد بھی آج کل کی طرح اپنے کو روز روز درس کا مزدور نہ سمجھ کر، ایک ہاتھ سے لیتے اور دوسرے

ہاتھ سے دینے کی نیوتی، اور مزدوری کا پیشہ نہین سمجھتے تھے، بلکہ ایک مقدس کام اور دینی فریضہ اس لئے اس راہ مین ان سے وہ وہ ایثار اور قربانی کے مظاہر و مناظر پیش ہوتے تھے جنکو آجکل لوگ مشکل سے باور کر سکتے ہین،

آج کل کی تعلیمی تاریخ مین یہ کوئی انوکھی بات نہین کہ چند روپیون کی خاطر استاد اس کالج سے اُس کالج اور اس یونیورسٹی سے اُس یونیورسٹی مین دوڑے پھرتے ہین، اور صرف بڑی تنخواہ کو اپنی عزت کا ذریعہ جانتے ہین، اور ہمہ وقت پانچ پانچ دس دس روپیون کی خاطر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہین،

لیکن ہماری پچھلی تعلیمی تاریخ مین یہ واقعے بداخلاقی اور دون ہمتی کی مثال سمجھے جاتے تھے، اول تو تعلیم پر اجرت اور معاوضہ لینے ہی کو وہ تقویٰ اور دیانت کے خلاف سمجھتے تھے، اور پھر لیتے بھی تھے، تو وجہ کفاف سے آگے نہین بڑھتے تھے، وہ بڑے بڑے علما، جن کے نامون کی عزت ہمارے دلون مین ہے، اونھون نے دس دس اور پندرہ پندرہ روپیون پر اپنی زندگی بسر کردی ہے، اور لطف یہ کہ وہ اپنے اس ایثار کو ایثار کہہ کر لوگون پر اپنے احسان کا بار بھی نہین رکھتے تھے،

تعلیم کے لئے وطن سے باہر نکلنا، اور خصوصًا بیرونی ملکون مین جانا آج ہمارے لئے تعجب انگیز سمجھا جاتا ہے، لیکن ایک وہ زمانہ بھی گذر چکا ہے، جب ہماری نگاہون کے سامنے زندگی کا مقصد اور حیات کا نصب العین تھا، تو علم کی طلب مین نہ تو خشکی کی مسافت اور نہ تری کی ہولناکی ہماری ہمتون کو پست اور ہمارے ارادون کو کمزور کرتی تھی، محدثین نے ایک ایک حدیث کی خاطر مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک کی سرزمین کو چھان ڈالا تھا، بخارا کا یتیم محمد بن اسمٰعیل بخاری اپنی بیوہ مان کے زیر سایہ ترکستان سے عرب جاتا ہے اور واپسی مین عراق، ایران اور خراسان کے ایک ایک مشہور شیخ کی درسگاہ کو چھان ڈالتا ہے، مصر کے طالب علم خراسان آتے ہین، خراسان کے مصر جاتے ہین، اسپین اور سسلی سے چلکر عراق و مصر و شام و عرب آتے ہین، اور مصر و شام سے اسپین جاتے ہین، بیت المقدس کے ایک عالم طاہر المتوفی ۵۰۷ھ نے علم کی طلب مین بغداد، مکہ، مدینہ، تنیس، دمشق، حلب، جزیرہ، اصفہان، نیشاپور، ہراۃ، جرجان، آمد، استرآباد، بوشنج، بصری، دینور، ری، سرخس، شیراز، قزوین، کوفہ، موصل، مرو، نہاوند، ہمدان، واسط، اسدآباد، اسفراین، آمل، اہواز، بسطام، خسروباد وغیرہ شہرون کی خاک چھانی، جغرافیے مین دیکھئے، یہ شہر افغانستان کے شہر ہرات سے لیکر ترکستان، خراسان

ایران، عراق اور شام تک پھیلے ہوئے ہیں،

محمد بن مفرج اموی اندلسی کی راہ طلب میں یورپ، افریقہ اور ایشیا، تین براعظموں کے شہر داخل ہیں، اسپین کا شہر قرطبہ، افریقہ کا شہر مصر اور ایشیا کے شہر دمشق، صنعاء، اور زبید (یمن) ان کے تعلیمی مقامات ہیں، یہ اندلسی پیدا تو یورپ کے شہر سرقسطہ (سراگوزہ) میں ہوئے لیکن اندلس سے لیکر خراسان تک کچھ گردی کی، ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ بن ابی حبیب اندلسی علم اور وزارت کے خانوادے سے تھے، وہ اسپین سے فارغ ہوکر اسکندریہ اور مصر آئے، پھر مکہ گئے، پھر عراق میں داخل ہوئے، اور بغداد میں مقیم رہے، پھر خراسان کی راہ لی اور نیشاپور اور بلخ میں قیام کیا، پیدا اسپین کی خاک میں ہوئے، اور ۵۴۸ھ میں افغانستان کے شہر ہرات میں پیوند زمین ہوئے، حسین بن احمد پیدا قرطبہ میں ہوئے اور ۴۵۶ھ میں یمن کی سرزمین میں دفن ہوئے،

تاج الدین سرخسی ۵۲۴ھ میں پیدا خراسان کے شہر سرخس میں ہوئے، نشو ونما شام میں ہوئی اور وفات ۵۹۴ھ میں اندلس میں پائی، نحو کے مشہور امام ابو علی قالی پیدا عراق کے شہر دیار بکر میں ہوئے، تعلیم و تعلم کی خاطر ملکوں کی سیر کرتے، بغداد اور موصل سے چل کر اسپین میں جاکر دم لیا، اور ۳۵۶ھ میں قرطبہ میں وفات پائی، ابن المقری اصفہان کے محدث تھے، انھوں نے اصفہان، بغداد، موصل، حران، عسقلان، کوفہ، تستر، مکہ، بیت المقدس، دمشق، صیدا، بیروت، عکہ، رملہ، واسطہ، عسکر مکرم، حمص، رقہ، اور مصر تک چار مرتبہ آمد و رفت کی، کہتے ہیں کہ ابن فضالہ کی ایک تصنیف کے نسخے کی خاطر ستر مرحلے سفر کے طے کئے، اور اونکی حالت یہ تھی، کہ اگر کسی نان پز کے سامنے ایک روٹی کے عوض نسخہ اسکو پیش کیا جاتا تو وہ اوسکو قبول نہ کرتا۔

حماسہ کے مشہور شارح تبریزی کا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ وہ پیٹھ پر کتابوں کا تھیلا لادے جب پیدل اپنے وطن سے ابو العلاء معری کی خدمت میں شام پہنچے ہیں، تو پسینے سے کتابوں کی یہ حالت تھی، کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا،

آج یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں میں دنیا کے گوشے گوشے کے طالب علموں کو دیکھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں

لیکن اگر پچھلے عہد کی دکھانیوالی دوربینین ہوتین، تو آپ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، دمشق، صنعا، قاہرہ، بغداد، بخارا، ہراۃ، اور نیشاپور، مین ان سے بھی زیادہ حیرت انگیز منظر دیکھ سکتے،

مین اس عہد کی صرف دو درسگاہون کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، ایک کوفہ مین حضرت امام ابوحنیفہ رح کی درسگاہ، اور دوسری مدینہ منورہ مین امام مالک کی، امام ابوحنیفہ کے حلقۂ تعلیم مین مکہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استراباد، ہمدان، نہاوند، ری، قومس، دامغان، ترمذ، ہراۃ، نہستار، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ اور حمص کے طلبہ شریک تھے، ذرا نقشے مین ان شہرون کے بعد مسافت پر نظر ڈال لیجئے،

امام مالک کی درسگاہ مدینہ منورہ مین ہے، حالت یہ ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے موجین اٹھتی ہین، اور یثرب کی پہاڑیون سے آکر ٹکراتی ہین، عرب کے شہرون مین مکہ معظمہ، صنعا، عدن، طائف، یمامہ، ہجر، حضرموت، زبید، فدک، شام کے شہرون مین سے ایلہ، دمشق، عسفان، خلاط، مصیصہ، بیروت، حمص، طرسوس، رملہ، نصیبین، حلب، بیت المقدس، اردن، صور، اور انطاکیہ، اور عراق، کے شہرون مین سے بغداد، بصرۃ، کوفہ، حران، موصل، جزیرہ، واسط، انبار، رقہ، رما، اور ممالک عجم مین سے جرجان، کرمان، ہمدان، رے، طالقان، نیشاپور، طبرستان، طوس، مدائن، قزوین، قومستان، چغان، آمد، کردستان، دینور، سیستان، ہراۃ، بخارا، سمرقند، خوارزم (خیوا) مرو، سرخس، ترمذ، بلخ، نسا، مشرق ہوچکا، اب مغرب کی طرف چلیئے، مصر کے شہرون مین سے قاہرہ، اسکندریہ، فیوم، اسغان، تنیس، اور شمالی افریقہ اور اسپین کے شہرون مین سے، افریقیہ، تونس، قیروان، برقہ، طرابلس، مراکش، طلیطلہ، بسطلہ، باجہ، قرطبہ، سرقسطہ اور اٹلی کی سسلی، اور ایشیائے کوچک کے سمرنا (ازمیر) سے طالب العلم آ اور جا رہے تھے،

ان واقعات کو سنتے وقت یہ بھی ذہن مین رہے، کہ اس وقت دنیا مین نہ آج کی طرح ریلین تھین جنھون نے ایک شہر کو دوسرے شہر سے ملا دیا ہے، اور نہ دُخانی جہازات تھے جنھون نے ایک ملک کو دوسرے ملک سے جوڑ دیا ہے، اور جو برسون کے سفر کو ہفتون مین اور مہینون کے راستون کو دنون مین اور دنون کی مسافت کو

گھنٹوں میں طے کرتے ہیں اور وہاں نہ ڈاک و تار کے یہ انتظامات تھے، جو گھر بار اور اہل وطن کی خبریں دمبدم پہنچاتے رہتے ہیں، اور نہ یہ ہوٹل اور مسافر خانے تھے، جو مسافروں کو گھروں سے زیادہ آرام پہنچاتے ہیں، اور نہ کوک کمپنی کا وجود تھا، جو ریل سے پہاڑ تک کا انتظام آپ کیلئے شہر شہر کرتی پھرتی ہے،

لیکن ایک لمحہ ٹھہریئے یہ گذشتہ عہد کی داستان کہن استخوان فروشی کے لئے آپ کو نہیں سنائی گئی ہے بلکہ اس سوال کے جواب کے لئے کہ وہ کون سا جذبہ تھا جو ان طالب علموں کو اس زمانے میں اس طرح کوچہ بکوچہ شہر بشہر اور ملک بملک لئے پھرتا تھا، کہ نہ ان کو پہاڑ روکتے تھے، نہ جنگل ڈراتے تھے، نہ دریا عائق ہوتے تھے، پھر وہ کیا جوش و خروش تھا جو ان کو اس راہ طلب میں اس طرح بے چین اور مضطرب رکھتا تھا۔

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

عزیزو! وہ صرف ان کا وہ مقصد زندگی اور نصب العین تھا جس کو دین کا ولولہ اور مذہب کا جوش کہتے ہیں، یہ ان کی زندگی کی روح تھی، اور ان کی حیات کا مقصد ان کے قبضے میں یہی کا وہ خزانہ تھا جس سے ان کی تعلیم تمدن تجارت صنعت سلطنت حکومت فتوحات، غرض ایک بامراد قوم کے وہ تمام کارنامے جو زندگی کے مختلف شعبوں سے عبارت ہیں چل رہے ہیں۔

اس سے دوسرے درجے پر جو جذبہ ہے وہ سیاست ہے، اگر اسلام میں دین خود سیاست ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ سیاست کا جذبہ کار اس میں دین کے تحت ہے، ایک ہندو کے ہاتھ دولت خواہ وہ کالے ہوں یا گورے ایشیائی ہوں یا یوروپی سب کے سب سلطنت میں برابر کے حصہ دار ہیں، اسلام میں صلح و جنگ اور فتوحات کی ترقی تجارت کی گیری، اور قوموں کو غلام بنانے کی نیت سے نہیں بلکہ ... [illegible] ... قومیت ... رنگ و روپ کی مختلف برادریوں کی جگہ ہم خیالی کی ایک برادری قائم ہوتی ... [illegible] ... تفرقوں کو قومیت کی بنیاد قرار دیتی ہے جو کبھی ... درست نہیں ... بلکہ ... ذہنیت کو قرار دیتا ہے جس کو سوچنے اور سمجھنے کے بعد ... بدل سکتا ہے

توحید اسلام کی وہ روح ہے، جس نے دین کے علاوہ سیاست کا کام بھی انجام دیا، اور کم ازکم بارہ سو برس تک اُس نے ہر میدان مین اسلام کے علم کو بلند رکھا ہے، اسلام کا ہر سپاہی تن تنہا تلوار ہاتھ مین لے کر نکلتا تھا، اور چند روز مین نو مسلمون کی ایک جماعت اپنے ساتھ لیکر دنیا کے کسی نہ کسی گوشے مین اپنی سلطنت کھڑی کر لیتا تھا، افریقہ مین، بحری جزیرون مین اور مختلف ملکون کے دور دراز گوشون مین اس طرز سیاست نے بڑی بڑی ریاستین، اور حکومتین کھڑی کر دین، اسطرح غلامون کو اسلام کی آزادی سے مالامال کرکے ان کو شمشیر زنی، کشور کشائی، اور تخت نشینی کا اہل بنا دیا، مصر مین غلامون کی سلطنت صدیون تک اسی طرح چلتی رہی ہے، اسپین اور مراکش کے فاتح بھی بربری نو مسلم ہین، جنھون نے بارہا شمالی افریقہ مین حکومتین کین،

وہ کون سا جذبہ تھا جو نو مسلم ترکون، تاتاریون، اور مغلون کو ایک علم کے زیر سایہ منظم کرکے چین کی دیوارون سے لیکر قسطنطنیہ کے سواحل تک کے ملکون پر ان کو بارہا حکمران بناتا رہا، سبکتگین ایک معمولی ترک غلام سپہ سالاری تک پہنچا، اور پھر غزنی مین بیٹھ کر وہ خاندان پیدا کرتا ہے، جو ہندوستان پر سو سال تک چھایا رہتا ہے، غور کے نو مسلم جو محمود ہی کے مسلمان بنائے ہوئے ہین، وہ اٹھتے ہین، اور آندھی کی طرح غزنی سے لیکر بحر ہند تک پر قابض ہو جاتے ہین،

ان مثالون سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مین یہ دکھاؤن کہ اسلام نے کیون کر دین ہونیکے ساتھ سیاست کا فرض انجام دیا، دوسرے لفظون مین یون کہنا چاہیے کہ اسلام کا جذبۂ دین بجائے خود اس قدر پرزور اور قوی ہے کہ اس کو اپنی زندگی کے لئے کسی الگ سیاسی قوت کا سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین پڑتی ہے،

عشق خود راہ است وہم خود منزل است

باین ہمہ اس حقیقت سے تغافل نہین برتا جاسکتا کہ یورپ نے دو سو برس سے مشرقی قومون اور اسلامی ملکون مین جو فشار برپا کر رکھا ہے، اس کے لئے یہ لازمی ہو گیا ہے، کہ ایک ملک کی بسنے والی تمام قومین اور جماعتین باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملکر اس طرح دوش بدوش کھڑی ہون کہ حریف ہماری صفون کو چیر کر درہم برہم نہ کر سکے، اس کیلئے ضرورت ہے کہ اسلامیت اور وطنیت کو ٹکرانے کے بجائے اسی طرح ان مین تطبیق دی جائے، جس طرح ہم عقل و

نقل اور معقول و منقول کو تطبیق دیتے ہیں غلط فہمی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلامیت اور وطنیت باہم ایسے حریف ہیں جن میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی، اسلامیت کے حامی ہر چیز میں مسلمانوں کی علٰحدگی کے خواہاں ہیں اور وطن کی دوسری قوموں سے مل کر متحدہ محاذ کے بجائے محاذ کو تقسیم کر کے اس کی حفاظت اور مدافعت کے فرائض کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف وطنیت کے طرفدار اس تفریق و امتیاز کے لئے مذہب کو ذمہ دار سمجھ کر اسلامیت کے جذبات سے تبری کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں، پہلے کا نتیجہ اگر وطن کی خدمت سے قصور ہے، تو دوسرے کا نتیجہ مذہب سے بیزاری ہے اور یہ دونوں نتیجے ہم کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لیجا رہے ہیں حالانکہ جس طرح عقل و نقل کی تطبیق ممکن ہے، ایسے ہی دین اور وطن کی تطبیق بھی ممکن ہے، ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور جمعیۃ العلماء کے نظریۂ سیاست نے اس امکان کو واقعے کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، کیا ۱۹۲۰ء کا خلافتی اس عہد کے کانگریسی سے کسی حیثیت میں پست تھا؟ اور موجودہ عہد تحریک میں جمعیۃ علماء ہند نے وطن کی کانگریسی خدمت گذاروں سے کس بات میں کمی کی، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ جمعیۃ علماء سرتاپا مذہبی جماعت ہے، اور باایں ہمہ وطنی خدمات میں خالص وطن پرستوں سے کسی درجہ کم رتبہ نہیں۔

میرے نزدیک جس طرح **ندوۃ العلماء** کی درسگاہ عقل و نقل کی تطبیق ہے **جامعہ ملیہ** اسلامیت اور وطنیت کی تطبیق ہے اور اسی لئے یہ دونوں درسگاہیں مسلمانوں کی آیندہ تعمیر میں بہت بڑا اثر رکھیں گی۔

میرے نزدیک جب تک ہندوستان کے مسلمان اسلامیت اور وطنیت کی کشمکشوں کا بہترین فیصلہ نہ کریں گے اس ملک میں ان کا مستقبل حد درجہ خطرناک رہے گا۔

ہندوستان میں اسلام اور وطنیت کی مصالحت اور تطبیق

ان تمام ملکوں میں جہاں مسلمانوں کو تعدادی کثرت حاصل نہیں ہے ان کے دینی اور وطنی فرائض میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ خالص مذہبی اور قومی امور و مسائل میں اپنی وطنی حکومت کے زیر سایہ خود مختاری حاصل کر کے ملک کے سیاسی و انتظامی امور و مسائل میں اپنے دوسرے ہموطنوں کے ساتھ شرکت کی جائے، مختلف صوبوں میں ان کا حال مختلف ہو سکتا ہے، ان کے اپنے مذہبی و تمدنی مسائل میں جن سے قومیت عبارت ہے ان کی وطنی حکومت ان کو اپنے زیر سایہ خود مختاری عطا کرے، اگر یہ [illegible]

انتظام و مسائل مین وہ دیگر فرزندان وطن کے دوش بدوش ایک متحدہ نظام کا جزو ہو کر اپنی تعدادی حیثیت کے مطابق اشتراک عمل کرین، موجودہ سیاسی اصطلاح مین ہم یون کہہ سکتے ہین، کہ ایک طرف مسلمان اپنے لئے بلا شرکت غیرے کلچرل "آٹانومی" حاصل کرین، اور دوسری طرف عام ملکی سیاسیات مین وہ اپنے ہم وطنون کے ساتھ شریک رہ کر اپنی آبادی کے مطابق حقوق اور نمایندگی پر قناعت کرین، اس طرح مسلمانون کی ایک امتیازی قومی حیثیت بھی قائم ہوجاتی ہے اور دوسری طرف ان پر وطنی اتحاد کے توڑنے کا الزام بھی قائم نہین ہوتا، جن مذہبی و قومی اغراض و مصالح کی حفاظت کی خاطر وہ نمایندگی اور انتخاب نمایندگی کی علٰحدگی کا مطالبہ کرتے ہین، وہ بجائے خود علٰحدہ نمایندگی سے طے ہونگے، اور پھر دوسری طرف عام سیاسیات مین ان کو دوسرون سے نہ کوئی رعایت چاہنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ استحقاق سے زیادہ مطالبے کی بھیک مانگنے کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اور نہ لوگون کو عام ملکی معاملات و سیاسیات مین ان کی مخصوص قومی معاملات مین علٰحدگی کی بنا پر ملکی تفرقے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے،

اس طرح مسلمانون کی دو مجلسین ہون گی، ایک خالص اسلامی جو ان کے خالص اسلامی امور و معاملات کا فیصلہ کرے گی، اور دوسری مخلوط مجلس خواہ وہ مخلوط ہی انتخاب سے ہو جو عام ملکی مسائل کا تصفیہ کرے گی،

ہم نے جہانتک ان مسائل پر غور کیا ہے، ہم کو اس سے زیادہ بہتر حل اس مشکل مسئلے کا نظر نہین آتا۔ یقیناً کسی ایسے نظام کے جزئیات کو طے کرنے اور اس کو بنا کر کھڑا کرنے مین جو پہلے سے ملک مین رائج نہ ہو، ایک اجنبیت محسوس ہوتی ہے، مگر جس طرح ہر نئی اصلاحات کے ہر نظام کو بالآخر طے کرکے عمل مین لاتے ہین، اسی طرح اس پر ہم عمل کر سکتے ہین،

اس مختصر تشریح سے یہ ظاہر ہوگا، کہ ہندوستان مین ہماری قومی زندگی کے حسب ذیل مقاصد ہین،

۱۔ پیغام اسلام کی تعمیل، حفاظت اور بقا،

۲۔ اس ملک کیلئے ایک عام جمہوری نظام حکومت کا قیام،

۳۔ اس عام ملکی جمہوریہ کے ماتحت خالص اسلامی کلچرل "آٹانومی" کا قیام،

یہ وہ مقاصد ثلاثہ ہیں جن کو ہم اپنی قومی زندگی کی روح عمل قرار دے سکتے ہیں ان کے لئے جد وجہد اشاعت تبلیغ اور بالآخر کامیابی اور کامیابی کے بعد ان کی حفاظت و بقا ہماری قومی زندگی کا مستقل پروگرام ہو سکتا ہے۔

شاید اس موقع پر مجھ سے اپنے موضوع سے ہٹنے کی بازپرس کی جائے لیکن اگر میری تقریر کا پچھلا حصہ حاضرین کے ذہن نشین ہے تو یقیناً وہ میری طرف سے اس بازپرس کا جواب دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم کے بچوں کو انکی زندگی کے قومی مقاصد کی تلقین اور تفہیم کرے، اور ان کے اندر ان مقاصد کی یقینیت کی روح پیدا کر کے ان کو سراپا عمل بنائے۔ دنیا میں آج جہاں کہیں کوئی قومی حکومت ہے، اسی اساس تعلیم پر ان کی قومی عمارت کی بنیاد قائم ہے۔ انگلستان میں جس طرح آکسفورڈ اور کیمبرج انگریزوں کے تعلیمی مرکز ہیں، اسی طرح ان کے نظری سیاسیات کے مرکز بھی ہیں۔ وزیر اعظم سے لیکر معمولی رکن پارلیمنٹ تک ان درسگاہوں کے احاطوں میں آکر اپنی سیاسیات کے نظریوں کو بیان کرتا اور وہاں کے طالب علموں کو آئندہ کی سیاسی ذمہ داری کیلئے تیار کرتا رہتا ہے۔

اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ موجودہ نظام حکومت نے ہندوستان پر سب سے بڑا ظلم کیا کیا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کا سب سے بڑا ظلم اس ملک کے بچوں کی بے مقصد تعلیم ہے جس نے پوری قوم کی زندگی کو بے مقصد بنا دیا ہے۔ اور دنیا میں ایک ایسی قوم کی تخلیق کی ہے جسکی زندگی کی کوئی غایت نہیں ہے۔

سبب کھلا ہوا ہے، انگریزی حکومت نے اس ملک کی تعلیم کو قومی تعلیم و تربیت کی نظر سے نہیں بلکہ سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا، اس کو ضرورت ہوئی کہ مسلمانوں کی اور دوسری قوموں کی اس اتفاقی زندگی پر موت طاری کر دی جائے جس سے قومی و مذہبی عصبیت پیدا ہوتی ہے اور اس کے لئے ضروری ہوا کہ اس تعلیم کو ہر قسم کی مذہبی اور قومی تعلیم کی چاشنی سے خالی کر دیا جائے۔

دوسری بات حکومت کو اپنی سلطنت کے چلانے کیلئے جس ذہنیت و سپاہیوں کی ضرورت تھی جو اس کے دفتروں کے دفتری کاروبار کو سنبھال سکیں اس لئے ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس میں کوئی زندگی نہ تھی اور صرف اتنی ہی بات وہ چیزیں سکھا دی جاتی ہیں جن کی ضرورت آئندہ دفتر کے کلرک ہونے کیلئے پیش آسکتی ہیں

اسکول تک مین ہم کو کیا سکھایا جاتا ہے، ایک ایسی بدیسی زبان جسکے ذریعے سے ہم اپنے افسرون سے گفتگو کرسکین اوران کیلئے انکی زبان مین اون کے لئے مواد مہیا کرکے رکھ سکین، اور جغرافیہ جس مین زیادہ تر ہم یہ جانین، کہ وہ دنیا کے کون کون سے بر اعظم جزیرے اور ٹاپو ہین، جہان وہ علم لہراتا ہے جس کا آفتاب دنیا سے کبھی نہین ڈوبتا، اور تاریخ جس مین ہم کو یہ سکھایا جاتا ہے، کہ ہندوستان کی موجودہ قومون نے کیونکر ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے تاکہ اس ملک کی قومی تفریق کا ناسور کبھی بھرنے نہ پائے،

ہندوستان کی تاریخ کا وہ حصہ جسمین ہندوستان کی انگریزی شہنشاہی کے بنانے والے لارڈون کا ذکر ہوتا ہے پڑھکر بے انتہا ہنسی آتی ہے، ہر لارڈ نے اس ملک کی اصلاح کی خاطر جو تکلیفین اوٹھائی ہین، اور جو انتظامات کئے ہین ان کا ذکر ہوتا ہے، پھر وہ رخصت ہوکر چپ جاتا ہے، اور دوسرا آتا ہے، تو پھر انھین مناقب کی تکرار ہوتی ہے، اس لغو طریقۂ نصاب کا جس قدر جلد ہندوستان سے خاتمہ کیا جاسکے، اسی قدر بہتر ہے اور اس کے بجائے ہم کو وہ نصاب اختیار کرنا چاہئے جس سے ہمارے قومی مقاصد کے جذبات کی پرورش اور تکمیل ہو، اور قوم کو زندہ قوم، سرگرم عمل قوم اور بامقصد قوم بنائے،

ہم نے ہزارون اور لاکھون کے صرف سے ملک مین جابجا اسلامی اسکول، اسلامی کالج، بلکہ اسلامی یونیورسٹی قائم کی ہے، لیکن اس سوال کا کوئی جواب ہے، کہ قومی نقطۂ نظر سے اس قسم کے اسلامی اسکول، اسلامی کالج اور اسلامی یونیورسٹی کس قدر مفید ثابت ہوئے ہین، اور بے مقصد تعلیم کے سوا ان سے کیا فائدہ پہنچا ہے، بجز اس کے کہ ان کے قیام سے چند مسلمان ماسٹرون اور پروفیسرون کی پرورش ہوتی ہے، اور کچھ مسلمان طالب علمون کو کلاس مین جگہین مل جاتی ہین، مگر ان کو اس نظر سے اگر دیکھا جائے کہ یہ قوم کے ذاتی سرمایہ سے سرکاری نظام تعلیم کی اشاعت کا فرض انجام دیتا ہے، تو یہ بالکل لاحاصل معلوم ہوتے ہین، کہ ان قومی سرمایے سے جو اسکول اور کالج قائم ہوتے ہین، وہ قومی نتائج کے لحاظ سے سرکاری مدارس سے کس حال مین بہتر ہین، ؟ اسی لئے میرے نزدیک سرکاری نظام تعلیم کی مجبورانہ پیروی کی حالت مین کہین بہتر یہ ہے، کہ ہم اس سرمایہ کو طلبہ کے وظائف دینے اور شہرون مین صرف اسلامی دارالاقامے قائم کرنے مین صرف کرین کہ ان اسلامی اسکولون اور کالجون سے جو فائدہ پہنچنا ممکن ہے،

وہ درسگاہ کی حیثیت سے نہیں، بلکہ دارالاشاعت کی حیثیت سے ہو،

بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ سے کہنا یہ ہے کہ بے مقصد تعلیم سے قومی ترقی اور ملت کی زندگی کی توقع رکھنا پنجاہ سالہ تجربہ کو جھٹلانا ہے، اور اس تعلیم نے صرف نوشت و خواند کے ہنر کی تعلیم و اشاعت کے لحاظ سے خواہ کسی قدر فائدہ پہنچایا ہو، مگر قوم کی زندگی اور ملت کی سربلندی میں اس سے فائدے کے بجائے روز افزوں نقصان پہنچ رہے، مذہبی مقصدِ زندگی سے تغافل کا نتیجہ یہ ہے، کہ وہ حرف لایعنی جن کا زبان پر لانا بھی پہلے مشکل تھا، اب وہ بے طلاوہ کئے جا رہے ہیں، اور قومی تخیل سے بے پروائی کا نتیجہ یہ ہے، کہ قومیت کا شیرازہ بکھر رہا ہے، اور خیالات و اعتقادات کی وحدت کی گرفت جس سے وحدتِ قومیت عبارت ہے، ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے، اور ایک ایسی قوم پیدا ہو رہی ہے جو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے حکمران قوم کے افراد کی صرف نقل ہے،

مسلم یونیورسٹی کیلئے ۱۹۱۱ء میں جس وقت ملک میں جوش و خروش برپا تھا، مولانا شبلی مرحوم نے ندوہ کے جلسہ میں اپنی وہ فارسی نظم پڑھی تھی، جس کا ایک مصرع یہ ہے :-

کہ این سر رشتۂ تعلیم ما در دستِ ما باشد

لسان العصر اکبر مرحوم نے فوراً اس کی برجستہ جوابی نظم کہی تھی جس کے ایک مصرع کے آخری الفاظ یہ تھے "مگر دستِ شما دستِ شما باشد" لوگوں نے شاید اس کو صرف شاعرانہ سوال و جواب پر محمول کیا ہو، مگر بیس برس کے بعد معلوم ہو گیا کہ لسان العصر نے جو شبہ ظاہر کیا تھا، وہ شبہ نہیں حقیقت تھا، اس طول بحث اور درد دلی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اب یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ ان کو پہلے قومی نقطۂ نظر سے اپنی زندگی کا مقصد معین کرنا چاہیے، اور اس پر اپنی تعلیمی عمارت کی بنیاد قائم کرنی چاہیے، ان کی درسگاہیں صرف نوشت و خواند کا حرفہ اور پیشہ سکھانے کیلئے نہ ہوں، بلکہ زندہ قوم کے افراد کی تخلیق اور آفرینش کے لئے ہوں،

اسی لئے مسلمانوں کی آیندہ تعلیم کیلئے ضروری ہے، کہ ایسی درسگاہیں قائم کی جائیں جن کا یہ مقصد ہو، اور ان کا سر رشتہ واقعی مسلمانوں کے حقیقی ہاتھوں میں ہو، مسلمانوں نے اس کا سبب پایا ہے کہ جب تک حکومت کی گرفت

نے ہندوستان پر یہ ظلم کبھی نہین کیا کہ یہان کے کڑورون دماغون کی تربیت اپنے سیاسی ہاتھون مین لے کر ان کو مذہبی وقومی جذبات سے یکسر خالی کر دین، اب ضرورت ہے کہ مسلمان اس نظامِ تعلیم سے علانیہ بغاوت کرین اور ایسی درسگاہون کی بنیاد قائم کرین، جو ان کو ان کی زندگی کا مقصد بتائین، اور ان پر ان کی حیاتِ ملی کے اسرار کھولین،

ایک زمانہ تھا کہ جب سرکاری نوکری ہی مسلمانون کی زندگی کا تنہا مقصد تھی، اس وقت ملک کی عربی درسگاہون پر پھبتی کہی جاتی تھی، کہ یہ اپاہجون کے پیدا کرنے کی کلین ہین، اس طعن کو قبول کر لینے کے بعد بھی ہم یہ دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہین، کہ وہ بظاہر خواہ کسی قدر پست و مبتذل حالت مین ہون، تاہم وہ بامقصد ہین، اور اپنے مقصد پر ان کو ناز ہے اور زمانے نے بتا دیا کہ زمانے کی بے التفاتیون اور بے توجہیون کے باوجود وہ زندگی رکھتی ہین، اور آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ آج کل کے ایک بڑے سرگرم کانگرسی نے مجھ سے یہ کھلا ہوا اعتراف کیا کہ موجودہ قومی مقاصد کے سمجھنے مین اور ان پر عمل کرنے مین آزاد عربی مدارس کے تعلیم یافتہ علماء انگریزی اسکولون اور کالجون کے طلبہ سے بڑھکر ثابت ہوئے، اس کا سبب بالکل کھلا ہوا ہے کہ آزاد عربی مدارس کی تعلیم کا مقصد سرکاری نوکری اور سرکاری اعزاز کی تلاش نہین، جو ہمارے ہر قومی حوصلے کو پست کر دیتی ہے،

مسلمانون کی علحدہ تعلیم	اوپر کے معروضات اگر ذہن نشین ہون تو اس حقیقت کے تسلیم کرنے مین عذر نہ ہونا چاہیئے، کہ مسلمانون کی بامقصد تعلیم کیلئے یہ نہایت ہی ضروری ہے، کہ ان کی قومی درسگاہین، بالکل الگ ہون

جہان ان کو خاص اُن کے مذہبی و قومی مقاصد کی بنا پر تعلیم دی جائے، ہمارے بہت سے مسلمان دوستون کی یہ خواہش ہے کہ سرکاری کونسلون مین اُن کی نشستین معین ہون اور نشستون کا انتخاب مخلوط نہ ہوتا کہ مسلمانون کی مستقل ہستی قائم رہے، میرا خیال ہے کہ سرکاری نشستون مین عدم مخلوط انتخاب سے کہین زیادہ ضروری یہ ہے، کہ ان کی تعلیم و تربیت مخلوط نہ ہوتا کہ ان کی علحدہ قومی ہستی فنا نہ ہو جائے، اور ان کے قومی مقصد کی مستقل زندگی برباد نہ ہو جائے،

اسی اصول کی بنا پر مسلمانون کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ نہایت غور و فکر کے قابل ہے مسلمان ملک کی دوسری قومون کی طرح میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ٹیکس ادا کرتے ہین لیکن آپ دیکھین گے، کہ وہ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ

کی تعلیم سے بہت کم فائدہ اُٹھاتے ہیں، اکثر میونسپل و تحصیلی سکول تقریباً ہندو سکول ہیں، جہاں کی تعلیم ہندی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور کیا اپنے جذبات کے لحاظ سے تمام تر ہندوانہ، مذہبی تعلیم و تہذیب اسلامی اور جذبات ملی سے اکثر عاری ہیں، ایسی حالت میں مسلمان طلبہ کا ان میں کم ہونا قدرتی بات ہے،

یہ تو ان مدارس کا سلبی پہلو ہے، ایجابی پہلو یہ ہے کہ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ابتدائی مکاتب دیہاتی و شہری ہندو بچوں کی ابتدائی تعلیم کے تمام تر کفیل ہیں، مگر مسلمان ان مدارس و مکاتب سے بجا طور پر احتراز کرکے نہ خود اپنی طرف سے نہ حکومت کی طرف سے ابتدائی مکاتب کا اتنا وسیع سلسلہ اپنے قبضے میں رکھتے ہیں، ایسی حالت میں دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ابتدائی تعلیم میں کم ہونا بالکل کھلی بات ہے، یوپی میں سرکاری اسلامی مکاتب کی اسکیم بھی اس لئے ناکام ہے، کہ اُن کیلئے بھی اُن کے سررشتہ کا خاص لازمی نصاب قبول کرنا ضروری ہے جو ہمارے غرض کے مطابق نہیں،

مکتبی تعلیم کا نظام پورا ملک ابتدائی اسلامی مکاتب کے متحدہ نظام کے سلسلے سے بالکل محروم ہے، بجز شخصی یا جماعت کے چندوں سے کہیں کہیں بعض مکتب ہیں جن میں سے ہر ایک انفرادی طریق تعلیم اور الگ نصاب پر جاری ہے، اور جو ہر قسم کی ترقی کی اسکیم سے محروم ہیں، پورے ملک میں چھوٹے بچوں کا ایک بھی معیاری مکتب نہیں جو چھوٹے بچوں کی مکتبی تعلیم و تربیت کا نمونہ پیش کرے، جامعہ ملیہ کے کارفرما دوستوں اور ندوۃ العلماء کے ارکان کے سامنے میں نے اس ضروری تجویز کو بار بار پیش کیا ہے، مجھے خوشی ہے کہ جامعہ کے کارفرما ادھر توجہ کررہے ہیں، اور ان کے حلقے میں اس قسم کے معیاری مکتب کے بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے، گورکھپور میں انجمن اجرائے مکاتب کے نام سے ایک مجلس نے چند سال سے کام شروع کیا ہے، اس وقت تک چھتیس مکتب ضلع میں قائم کئے ہیں، اسی قسم کے اجرائے مکاتب کی ہر ضلع میں ضرورت ہے، جب تک یہ نظام ابتدائی مکتبی تعلیم ہو، اور ہمارا حق پہنچتا ہے کہ ہم میونسپلیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں سے اپنے مکتبی مصارف کے لئے امداد کا مطالبہ کریں، جب ابھی ہندوستان کے نظم و حکومت کا آسمان و زمین بدل رہا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کا پورا انتظام اس طریقے سے پیش کیا جائے، جس کا مطالبہ مسلمان اپنے مستقل قومی و مذہبی امور و معاملات کے سلسلے میں کررہے ہیں،

میری اس گذارش سے اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہے کہ قومی تعلیم کے سلسلے میں مسلمانوں کے نمونہ کی تعلیم گاہ سے

سے بہت زیادہ ضروری غیر مخلوط تعلیم کا مطالبہ ہے خصوصاً جب وہ وقت آئے گا، کہ ملک مین جبری تعلیم کا نفاذ ہو، اس وقت مسلمانون کیلئے علیحدہ مستقل نظام تعلیم کی ضرورت آج سے زیادہ عیان ہو جائے گی،

ضرورت ہو کہ بچون کی ابتدائی تعلیم پر پوری توجہ کی جائے اور اس کیلئے ٹرینڈ معلم تیار کئے جائین، اور بچون کے نفسیات سے باخبر اہل قلم ان کی استعداد کے مطابق ایسا تدریجی نصاب بنائین، جو سادہ سے سادہ سہل سے سہل ہو، حمایت اسلام لاہور" کا نصاب بہت کچھ مقبول ہو، مگر افسوس ہو کہ اس مین الفاظ کے استعمال مین بے احتیاطی برتی گئی ہو، مثلاً دینیات کی پہلی ہی کتاب مین محتاج، پیغمبر وغیرہ الفاظ جو پانچ پانچ حرفون سے مرکب ہین، استعمال کیے گئے ہین، کیا بچہ آسانی سے ان کا تلفظ کر سکتا ہے، نصاب کے الفاظ چھوٹے چھوٹے آسان اور سہل ہون، ان کی کتاب اس احتیاط سے چھاپی جائے، کہ ہر نقطہ اور شوشہ اس طرح اپنی جگہ پر لکھا ہو کہ بچے کو اشتباہ نہ ہو،

ابتدائی تعلیم مین دو اور مشکلین حل کرنی ہین، قرآن پاک کے پڑھانے کے آسان طریقے کی تلاش تاکہ قرآن پاک جلد سے جلد ختم ہو سکے، لوگ قرآن پاک پڑھانے کیلئے پہلے قواعد بغدادی یا یسرنا القرآن وغیرہ پڑھاتے ہین، اور اسی سے تعلیم کا آغاز کرتے ہین، میرے خیال مین یہ طریقہ غلط ہو، میرا تجربہ یہ ہے، کہ پہلے بچے کو اردو پڑھائی جائے اور جب اردو دان ہو جائے، تو اردو عبارت عربی خط مین چند روز پڑھائی جائے اس کے بعد قرآن پاک شروع کرا دیا جائے، اس سے کم از کم ایک سال کا وقت بچ جاتا ہو، لیکن ضرورت ہو کہ بچون کیلئے ایسے قرآن چھاپے جائین جنہین خط کی ملکہ ہر حرف کی اور نقطے اور شوشے کی پوری احتیاط کتابت مین کی جائے تاکہ حروف اور نقطے بچون کی نظرون مین مشتبہ نہ ہونے پائین، اور ہر حرف کی صرف ایک ہی شکل پورے قرآن کی کتابت مین اختیار کی جائے تاکہ اختلاف صور بچون کا ذہن اس حرف کے پہچاننے مین مشوش نہ کر دے،

پھر اس پر بھی غور کرنا ہے، کہ ہندوستانی زبان کے مفرد اور مرکب حروف اور الفاظ کے پڑھنے کی آسان سے آسان صورت کیا ہو سکتی ہے، افسوس ہو کہ انجمن ترقی اردو کے سوا اور کسی نے اس طرف توجہ نہین کی ہو، بچون کیلئے جو نصاب بنایا جائے اس مین شروع سے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ان کی مذہبی

اور قومی روح کی تربیت کرنے والی نئی تعلیم کا سب سے مقصد [illegible]

قصے ہمارے بچوں کیلئے وہ غذا ہے فاسد ہے جو جزو بدن نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دماغی ہاضمے کو بھی سے خراب

کر ڈالتی ہے، اور ہم نے بار بار کہا ہے کہ یہ مقصد تعلیم قومی زندگی اور ملی حیات کیلئے ایک ذرہ کا آمد نہیں،

ہم ترکوں کو ملحد کہنے کے عادی ہیں لیکن بہرحال انھوں نے اتنا تو بے یقین کیسا تھ سمجھ لیا ہے کہ [illegible]

رہنمائی تو با مقصد قوم ہو کر زندہ رہنا ہے، چنانچہ اسی لئے انھوں نے اپنے سیاسی انقلاب کے ساتھ تعلیمی انقلاب کو ضروری سمجھا ہے

امریکہ کے ایک مشنری رسالہ "مسلم ورلڈ" نے ترکی ابتدائی تعلیم کی ریڈروں سے ایک سبق نقل کیا ہے، جو درج ذیل ہے

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے جنھوں نے ہم کو اسلام کی تعلیم دی ہم اللہ

تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات اور ہم کو پیدا کیا قدرت والا ہے

ہم پورے طور سے یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے، یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے......

بچو! تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور ان کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ

پیغمبر صلعم اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہیں، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہیں، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی

کرتا جائے گا، اور ہمیشہ دشمنوں پر فتحیاب ہوگا، جب وقت ترک کا نام لیا جاتا ہے، میرا سینہ فخر سے پھول

جاتا ہے، اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو میری قوم اور میرے ملک

کے لئے مفید ہیں، جو میرے محبوب ملک کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان سے مجھے مطلق محبت نہیں"

اوپر کے اس ابتدائی سبق پر غور کیجئے کہ ترک رہبروں نے تعلیمی حقیقت کو کس طرح [illegible]

اور دین و وطن کے دوگونہ جذبات کو باہم کس طرح ایک دوسرے سے [illegible]

جو قوموں کی ایک منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے،

باقی

تاریخِ وفات نظامی گنجوی

سنہ ۵۳۶ یِ سنہ ۵۹۹

ازجناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی ،

اختلافِ سنین | فارسی شعرار کے حالات مین عام طور پر سنین و تواریخ بلحاظ صحت مشتبہ اور بسا اوقات مختلف پائی جاتی ہین، لیکن جیسا شدید اختلاف نظامی کی تاریخِ وفات مین ہے، شاید ہی کسی شاعر یا مصنف کی نسبت پایا گیا ہو، اس کی وجہ زیادہ تر یہی معلوم ہوتی ہے، کہ نظامی کی مثنویان جن سے ان کی تاریخِ وفات پر استناد کیا جاتا ہے، اغلاط و تصحیفات سے لبریز ہین، چنانچہ ان مثنویون کی تواریخ تصنیف متعدد نسخون مین آپس مین ایک دوسری سے اس قدر مختلف ہین کہ ان سے صحیح سنین و تواریخ کا معلوم کرنا بہت دشوار امر ہے، یہی سبب ہے، کہ تمام تذکرہ نویس نظامی کی تاریخِ وفات پر متفق نہیں ہین،

نظامی کا تذکرہ لکھنے والون مین سب سے قدیم محمد عوفی صاحب لباب الالباب ہی، مگر اوس نے سوائے چند مبہم مدحیہ سطور اور چند غزلیات نظامی کے اور کچھ نہیں لکھا، اس کے بعد قدیم ماخذ مین مولانا جامی ہین، جنھون نے بہارستان اور نفحات الانس مین نظامی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے، اونھون نے آخر الذکر کتاب مین اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۲ھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ نظامی کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے متجاوز تھی[1]،

اون کے علاوہ اور کئی مورخین اور تذکرہ نویسون نے نظامی کی تاریخِ وفات کا ذکر کیا ہے، جن کو ہم

[1] نفحات الانس ص۴۴۴، مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۵ء

ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

مشرقی مصنفین کی دی ہوئی تاریخیں

(۱) مشہور جغرافیہ نویس قزوینی نے گنجہ کا ذکر کرتے ہوئے نظامی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے اور تاریخ وفات تقریباً سنہ ۵۹۰ھ بتائی ہے۔[1]

(۲) دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ نظامی نے طغرل بن ارسلان کے عہد (۵۷۱ھ۔ ۵۹۰ھ) میں وفات پائی، اور ۵۷۶ھ تاریخ وفات بیان کی ہے۔[2]

(۳) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مختلف مقامات پر مختلف تاریخیں لکھی ہیں:۔

۵۷۶ھ۔ ۵۹۶ھ۔ ۵۹۷ھ۔ ۵۹۹ھ[3]

(۴) ملا عبد النبی نے میخانہ میں ۸۴ برس کی عمر میں ۵۹۲ھ میں نظامی کی وفات بیان کی ہے[4] جو یقیناً غلط ہے جیسا کہ خود اس کتاب کے مدون کا خیال ہے۔[5]

(۵) لطف علی آذر نے (بقول ریو[6]) ۵۷۰ھ لکھی ہے، مگر بمبئی والے نسخہ میں یہ سنہ نہیں پایا جاتا۔ [illegible] بعد اس میں سے تاریخ محذوف ہے۔[7]

(۶) تاریخ حبیب السیر میں صرف اتمام سکندر نامہ کی تاریخ بقول جامی بیان کی گئی ہے لیکن حاشیہ پر محمد تقی تستری نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے جس میں اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۲ھ بتا کر تذکرہ [illegible] صبح صادق کے حوالہ سے نظامی کا اس تاریخ کے بعد پانچ سال [illegible] ثابت کیا ہے۔ [illegible] تاریخ وفات بتائی ہے۔[8]

(۷) تاریخ جہان آرا میں (بقول ریو[9]) ۵۹۲ھ ہے۔

[1] آثار البلاد القزوینی [illegible] [2] تذکرۃ دولت شاہ [illegible] لکھا ہے۔ دیکھو [illegible] [3] کشف الظنون جلد اول [illegible] جلد دوم [illegible] [4] میخانہ [illegible]
[5] فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم [illegible] [6] آتشکدہ طبع بمبئی [illegible] [7] [illegible] [8] [illegible] جلد دوم [illegible] [9] فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم [illegible]

(۸) مخبر الواصلین میں گنجوی گل جنت" مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۵۹۲ھ برآمد ہوتی ہے، طامس ولیم بیل[۱]

اور مولینا آزاد[۲] نے اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۷ھ نقل کرکے اس تاریخ کی تغلیط کی ہے،

(۹) تقی کاشی صاحب صبح صادق نے (بقول اسپرنگر[۳]) ۶۰۶ھ لکھی ہے،

(۱۰) ہدایت قلی نے اپنے تذکرہ[۴] میں ۵۷۶ھ (غالباً دولتشاہ کے تتبع میں) لکھی ہے،

مستشرقین یورپ کی دی ہوئی تاریخیں، ان مشرقی مآخذ، نیز اپنی ذاتی تحقیقات کی بنا پر مستشرقین یورپ نے مندرجۂ ذیل سنین لکھے ہیں:-

۱- مُہل (دیباچہ شاہنامہ صـ۲۷)
۲- وان ہیمر (تاریخ ادب فارسی)
۳- ارڈمین فلوگل (تاریخ ادب فارسی)
} ۵۷۶ھ

۴- سر گور اوسلی (SIR GOURO USLEY) ۵۹۷ھ[۵]

۵- ڈاکٹر باخر، (DR. WILHELM BACHER) ۵۹۹ھ[۶]

۶- ڈاکٹر ریو، (DR. RIEU) ۵۹۹ھ-۶۰۹ھ[۷]

۷- ڈاکٹر ایتھے، (HER MAM ETHE) ۵۹۹ھ[۸]

---

[۱] مفتاح التواریخ [۲] نگارستان فارس صـ۶۴، [۳] اودھ کٹیلاگ صـ۱۷ [۴] مجمع الفصحا، جلد اول ص ۶۳۷، طبع ایران [۵] ترجمہ سکندر نامہ از ولبرفورس کلارک (دیباچہ) [۶] (BIOGRAPHICAL NOTICES OF PERSIAN POETS P. 48 (1846)) [۷] باخر نے نظامی کے سوانح اور تصانیف پر ایک محققانہ رسالہ جرمن زبان میں لکھا ہے، جس کا نام (NISAMISLEBEUUNDWERKE) ہے، اور ۱۸۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ رابنس نے اپنی کتاب (PERSIAN POETRY FOR ENGLISH READERS) میں شامل کیا ہے جو ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی ہے، دیکھو کتاب مذکور صـ۱۰۹ تا صـ۱۱۳۔ [۸] فہرست مخطوطات جلد دوم صـ۵۶۵ [۹] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صـ۵۲۱،

۸- ڈاکٹر مودی (J.J. MODI) ۱۹۳۳ء[۱]

۹- پروفیسر براؤن (E.G. BROWNE) ۱۹۲۶ء[۲]

ان سب میں جرمنی کے مستشرق باخر نے خود نظامی کی مثنویات کے بعض اشعار کی بنا پر ان کی تاریخِ وفات سے متعلق ایک نظریہ قایم کیا ہے جس کی اکثر مستشرقین نے تائید کی ہے. یہ نظریہ اپنی تفصیلات کے اعتبار سے قابلِ غور ہے، اور ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں،

باخر کا نظریہ (الف) نظامی نے لیلی مجنون کی تاریخِ تصنیف ۵۸۴ھ بیان کی ہے، جیسا کہ اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے:-

بر جلوہ این عروس آزاد | آباد تر آن کہ گوید آباد
کاراستہ شد بہ بہترین حال | در سلخ رجب بہ ثی دفی دال
تاریخ عیان کہ داشت باخود | ہشتاد و چہار بعد پانصد

اس مثنوی کے اختتام کے وقت نظامی کی عمر (۴۹) انچاس برس کی تھی، جیسا کہ اسی مثنوی کے سبب تالیف میں فرماتے ہیں:-

مجموعۂ ہفت سبع خواندی | یا ہفت سبع سال راندی

اور:-

زان ہفت سحرگہی کہ راندم | مجموعۂ ہفت سبع خواندم

---

[۱] شمس العلما ڈاکٹر جمشید جی مودی بمبئی کے مشہور و معروف پارسی مستشرق اور پارسی دینیات و مجوسیت کے بڑے محقق مرد تھے جنھوں نے گذشتہ ماہ اپریل میں انتقال کیا. مسٹر ... کے یک قلمی نسخۂ مکتوبہ ... سے ... نظامی کی تاریخ وفات پر ایک مضمون رائل ایشیاٹک سوسائٹی شعبۂ بمبئی کے جلسے میں پڑھا تھا، جو ... کے جرنل میں شائع ہوا تھا.

[۲] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم صفحہ ۴۰۲.

ا ب اگر ۵۸۴ھ سے ان کی عمر کے ۴۹ سال وضع کئے جائین، تو ۵۳۵ھ ان کا سالِ ولادت ہوتا ہی،

(ب) خمسۂ نظامی کے کسی جامع یا حاشیہ نویس نے جس نے بعد مین ان کی تدوین و ترتیب کی ہوگی، سکندر نامہ کے آخر مین نظامی کی وفات کے متعلق اشعارِ ذیل اضافہ کر دئے ہین،

نظامی چو این داستان شد تمام — بعزمِ شدن تیز برداشت گام،

نبس روز گاری بر این بر گذشت — کہ تاریخ عمرش ورق در نوشت

فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال — کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال"

ان اشعار کے مطابق نظامی نے سکندر نامہ کے اتمام کے بعد ہی وفات پائی ہے۔ اور اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال (یا ½ ۶۳ س) کی تھی، لہذا اگر ۵۸۴ھ مین ان کی عمر ۴۹ سال کی ہو تو لازمی ہے کہ پندرہ سال کے بعد (۴۹ + ۱۵ = ۶۴، ۵۸۴ھ + ۱۵ = ۵۹۹ھ) جب کہ اونھون نے انتقال کیا، ۵۹۹ھ تاریخِ وفات ہونی چاہئے،

نظریۂ مذکورۂ بالا سے معلوم ہوگا کہ باخر نے خود مصنف کی سند پر نہین، بلکہ اس مدون یا جامعِ خمسہ کے قول پر اسکی بنیاد رکھی ہے جس نے نظامی کی عمر ½ ۶۳ بتائی ہی،

باخر کا خیال ہے کہ نظامی نے سکندر نامہ کی تاریخ تصنیف نہین بیان کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"سکندر نامہ کی تاریخِ تصنیف کا تعین ہنوز باقی ہے، جسکو نظامی نے براہِ راست نہین بیان کیا"[1]

لیکن یہ امر تعجب خیز ہی کہ باوجودیکہ سکندر نامہ کے دونون حصون (شرف نامہ و اقبال نامہ، یا بری و بحری) مین سنینِ تصنیف ۵۹۷ھ اور ۵۹۹ھ علی الترتیب دئے گئے ہین، باخر کو یا تو سکندر نامہ کے وہ مخطوطے نہین ملے جنمین یہ سنین موجود ہین، یا اس نے اون کو صحیح نہین تسلیم کیا،

باخر کے تمام نظریہ کی بنیاد لیلی مجنون کے اشعار مندرجۂ بالا ہین، لیکن یہ سمجھ مین نہین آتا کہ "ہفت سبع خواندن" کے معنی سات کو سات سے ضرب دینے کے کیسے ہوگئے،؟ فارسی کے کسی معتبر لغت یا فرہنگ مین اس کے

[1] دیکھو راہنن کی کتاب ص ۱۱۳

یعنی نہیں پائے جاتے۔ تعجب ہے کہ باخر کی کورانہ تقلید میں تمام مستشرقین حتی کہ ریو اور بیدون جیسے محققین بھی اس کو ان معنوں میں صحیح سمجھتے ہیں۔ ہفت سُبع سے مراد قرآن کریم کی سات منزلیں یا حصے ہیں جو قاریوں نے قرأت کی سہولت کی غرض سے مقرر کئے ہیں تاکہ ایک ہفتہ میں پڑھا جا سکے۔ سعدی نے بھی ایک شعر میں ہفت سُبع خواندن کا ذکر کیا ہے:-

اگر خود ہفت سُبع از بر بخوانی

چو آشفتی الف با تا ندانی [1]

بہر حال اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر باخر نے جو نظریہ قائم کیا ہے گو نتیجہ کے لحاظ سے وہ صحیح ہو مگر تفصیلات کے لحاظ سے غلط ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ریو کے قول سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کافی مواد کی وجہ سے باخر کے نتائج کی تفصیل غلطی سے پاک نہیں ہے [2]

تاریخ وفات معلوم کرنے کا صحیح اور مکمل طریقہ

ہمارے خیال میں نظامی کی تاریخ وفات معلوم کرنے کا بہترین و مکمل طریقہ یہ ہے کہ مثنویوں کی تاریخ تصنیف، ان کی عمر کی نسبت اشارات، ان کے معاصر دوستوں اور ان فرمانرواؤں کے سنین حکومت جن کے نام پر یہ مثنویاں معنون ہوئی ہیں ان سب میں صحیح طور پر مطابقت دے کر تاریخ وفات معلوم کی جائے تاکہ بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ چنانچہ مندرجہ ذیل طریقے سے نظامی کی تاریخ وفات کے متعلق ہم ایک صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں:-

(الف) تاریخ ولادت:-

۱- مثنوی شیریں خسرو [illegible] تمام ہوئی [illegible] کے مطابق [illegible]:-

گذشت از پانصد و ہفتاد و شش سال [3]

نزد بر خط خوبان کس چنین خال

[1] غیاث [illegible]

اگرچہ طغرل بن ارسلان سلجوقی (۵۷۳ھ - ۵۹۰ھ) کی مدح محمد جہان پہلوان اتابک کی وفات (۵۸۲ھ) کا ذکر، قزل ارسلان کے قتل (۵۸۷ھ) کا واقعہ اور ابوبکر نصر الدین اتابک (۵۸۷ھ - ۶۰۷ھ) کی وفات، اتنی چیزیں اس مثنوی میں پائی جاتی ہیں، لیکن ان سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے، کہ نظامی نے اسی کتاب کو طغرل کے بعد قزل کے نام، اور اسکی وفات کے بعد نصرۃ الدین کے نام سے، جو فرمانروایانِ وقت تھے، منسوب کیا تھا، اور اس لئے یہ مدحیہ اشعار بعد کو اضافے کئے گئے ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ۵۷۲ھ سے شروع ہو کر ۵۷۶ھ میں پوری ہو چکی تھی، جیسا کہ خود نظامی نے تصریح کی ہے،

۲- اس مثنوی میں وہ اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، :-

ببین این ہفت سالہ قرۃ العین

مقام خویشتن در قاب قوسین

جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے صاحبزادہ کی عمر اس وقت سات سال کی تھی،

سببِ نظم کتاب میں نظامی نے اپنے ایک دوست کی زبانی اپنی عمر چالیس سال کی بتائی ہے، :-

پس از پنجاہ چلہ در چہل سال

مزن پنجہ برین حرف ورق مال

اسی طرح معلوم ہوا کہ ۵۷۶ھ میں نظامی کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی، اب اگر اس سنہ میں سے ان کی عمر کے چالیس برس کی تفریق کی جائے، تو ان کا سال ولادت ۵۳۶ھ ہوگا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱) دو نسخوں (موجودہ برٹش میوزیم) میں ہفتاد و یک، ہفتاد و دو، اور ہفتاد و نہ تک سنین پائے جاتے ہیں، لیکن ان میں قدیم ترین نسخہ، مکتوبہ ۷۰۰ھ کے ورق ۱۸ ہفتاد و شش ۵۷۶ھ ہی لکھا ہوا ہے، یہی سن مخطوطات نمبر ۲۵۹۰ (مکتوبہ ۸۴۶ھ) نمبر ۲۷۲۰ اور دیگر قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح طہران کے مطبوعہ اڈیشن میں بھی ہفتاد و شش موجود ہے، (دیکھو فہرست ریو جلد دوم ص ۵۶۶) بمبی کے پرنس آف ویلز میوزیم میں خمسہ نظامی کا ایک مخطوطہ مکتوبہ ۱۰۹۹ھ موجود ہے، اس میں بھی ہفتاد و شش ہی لکھا ہوا ہے،

(ب) تاریخ وفات:-

۱- مثنوی لیلیٰ مجنون ۵۸۴ھ میں لکھی گئی، جیسا کہ اس کے تاریخی حروف اور سال اتمام سے صاف ظاہر ہے:-

کاراستہ شد بہ بہترین حال ، در سلخ رجب بہ تا و فا و دال ،

تاریخ عیان کہ داشت با خود ہشتاد و چہار بعد پانصد ،

اس مثنوی کی تصنیف کے وقت ان کے صاحبزادہ کی عمر ۱۴ سال کی تھی، چنانچہ اس کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:-

ای چاردہ سالہ قرۃ العین بالغ نظر علوم کونین ،

اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، کہ مثنوی شیرین خسرو کی تصنیف کے وقت یعنی ۵۷۶ھ میں ان کے صاحبزادہ کی عمر سات سال کی تھی، اور ان کی عمر چالیس سال کی، اس طرح لیلیٰ مجنون خسرو شیرین سے سات سال کے بعد لکھی گئی، یا یوں کہو کہ ۵۸۴ھ میں ختم ہوئی، لہذا اس حساب سے نظامی کی عمر اس سنہ میں ۴۸ سال کی ہونی چاہیے،

۲- لیلیٰ مجنون کے ۳ سال بعد یعنی ۵۸۷ھ میں سکندرنامہ یا شرفنامہ کا آغاز ہوتا ہے، اس کا زمانہ تصنیف ۵۸۷ھ سے ۵۹۹ھ تک ہے، جیسا کہ اپنے صاحبزادہ کی عمر ۱۷ سال کی جو ۵۸۷ھ ہی میں ہو سکتی ہے بتا کر کہتے ہیں:-

وزین ہفدہ شخص آوریدن بدست

شدہ ہفدہ سالہ بدینسان کہ ہست[1]

اسی میں وہ اپنی عمر پچاس برس کی بتاتے ہیں:-

چو تاریخ پنجہ در آمد بسال دگرگونہ شد بر شتابندہ حال ،

۱؎ سکندرنامہ در شرفنامہ ص ۵۸ بمبئی ۱۳۳۰ھ

یعنی ۵۹۷ھ میں نظامی کی عمر پچاس سال کی تھی، اس مثنوی کی تاریخ اتمام ۵۹۷ھ اشعار ذیل سے معلوم ہوتی ہے :-

بگفتم من این نامہ را در جہان کہ تا دور آخر بود در جہان

بتاریخ پانصد نود ہفت سال چہارم محرّم بوقت زوال[1]

۲- سکندر نامہ کا دوسرا حصہ یا اقبال نامہ ۵۹۹ھ میں اتمام کو پہنچا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں :-

جہان بردہم روز بود از ایار،

نود نہ گذشتہ ز پانصد شمار[2]

اس طرح ۵۹۷ھ سے لیکر ۵۹۹ھ تک سکندر نامہ (ہر دو حصہ) کی تکمیل ہوتی ہے اور اسی اثنا (غالباً ۵۹۹ھ) میں وہ اپنی عمر ۶۰ برس کی بتاتے ہیں :-

---

[1] آغا احمد علی (ہفت آسمان صفحہ ۲۹) کو ان اشعار کی صحت میں کلام ہے، کیونکہ یہ اشعار سکندر نامہ جلد اول کے کسی نسخہ میں اُن کی نظر سے نہیں گذرے، علاوہ ازین ان کے نزدیک ابیات کی رکاکت اور قافیہ کی تکرار اس کے موید ہیں، کہ یہ اشعار نظامی کے نہیں ہو سکتے، لیکن آغا صاحب کی یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی، خمسۂ نظامی کی کثرتِ اغلاط و تصحیفات پر نظر کرتے ہوئے بہت ممکن معلوم ہوتا ہے، کہ کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے ان اشعار کی صورت مسخ ہوگئی ہو، مگر اس میں شک نہیں ہے کہ ان اشعار سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے، تو یہ مصرعہ تاریخی ایک سے زیادہ قلمی اور مطبوعہ نسخون میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر ریو نے لکھا ہے، (جلد دوم صفحہ ۵۶۹) کہ برٹش میوزیم کے مخطوطات ۱۰۹۰ھ، ۱۱۱۷ھ اور ۱۲۲۷ھ میں یہ تاریخ موجود ہے، ڈاکٹر مودی نے بھی اپنے مضمون میں جو نسخہ مکتوبہ ۱۰۱۲ھ کا ذکر کیا ہے، اس میں بھی یہ اشعار باختلاف بعض الفاظ پائے جاتے ہیں، اسی طرح بمبئی کے دو مطبوعہ نسخون (۱۲۶۵ھ اور ۱۳۲۸ھ) میں بھی یہی اشعار موجود ہیں، پھر قرائن بھی اسی تاریخ کے موید ہیں، لہذا حصہ اوّل کا سنہ تصنیف ۵۹۷ھ صحیح معلوم ہوتا ہے، [2] سکندر نامہ بحری مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر، مطبوعہ کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۱۹۱ خمسۂ نظامی کے ایک نسخہ مکتوبہ ۹۳۶ھ موجودہ برٹش میوزیم (فہرست ریو جلد ۲ صفحہ ۵۷۰) میں بھی یہی تاریخ موجود ہے،

بشصت آمد اندازهٔ سال من

نگشت از خود اندازهٔ حال من[۱]

اس حساب سے ۵۹۹ھ میں سکندر نامہ ختم ہوا۔ اس وقت انکی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال کی ہوتی ہے

۴۴- اب ان اشعار کو لیجیے جو کسی نے سکندر نامہ بحری یا اقبال نامہ کے آخر میں انجام روزگار نظامی کے عنوان سے الحاق کر دیے ہیں، ان اشعار کا لکھنے والا غالباً جامع اوراق یا کاتب ہوگا، جو معلوم ہوتا ہے کہ نظامی کے دم واپسیں کے وقت حاضر تھا، اور جس کو نظامی کی عمر کا بھی صحیح علم تھا،

ممکن ہے کہ وہ نظامی کا کوئی قریبی عزیز یا دوست ہو بہرحال یہ اشعار قدیم ترین نسخوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور حسب ذیل ہیں:-

نظامی چو این داستان شد تمام — بعزم شدن تیز برداشت گام

نبس روزگاری بر این برگذشت — که تاریخ عمرش ورق در نوشت

فزون بود شش مه ز شصت و سه سال — که بر عزم ره بر دهل زد دوال

چو حال حکیمان پیشینه گفت — حکیمان بخفتند و او نیز خفت

رفیقان خود را بگاه رحیل — گه از ره خبر داد و گه از دلیل

بخندید و گفتا که آمرزگار — بآمرزشم کرد امیدوار

ز ما رحمت خویش دارید دور — شما وین سرای و دلشاد و سور

درین گفتگو بود خوابش ربود — تو گفتی که بیداریش خود نبود

اشعار مرقومہ بالا سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں دو قرین قیاس ہیں ایک یہ کہ داستان سکندر نامہ ختم ہونیکے بعد بہت ہی قلیل عرصہ میں نظامی نے وفات پائی، دوسری یہ کہ انتقال کے وقت عمر [illegible]

---

۱ سکندر نامہ بحری [illegible] طبع بمبئی مرتبہ [illegible]

کی تھی، لہٰذا اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے، کہ ۵۹۹ھ میں نظامی ۶۲½ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور کہ ۵۹۹ھ میں یعنی اتمام سکندر نامہ کے ساتھ ہی ان کا بھی خاتمہ بالخیر ہوگیا، جیسا کہ ریو، ایتھے، باخر، اور براؤن کا خیال ہے، یا کم از کم یہ کہ وہ ۵۹۹ھ تک زندہ تھے؛

پروفیسر شیرانی کی تحقیق | اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پروفیسر محمود خان شیرانی ۶۰۶ھ تک نظامی کا زندہ رہنا بتاتے ہیں، چنانچہ اپنی "تنقید شعر العجم" میں فرماتے ہیں:۔

"نظامی کی وفات کا حادثہ اقبال نامہ کے اختتام کے بعد تصور کرنا چاہئے"۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، لیکن آگے چل کر سکندر نامہ کی مختلف اشاعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کی آخری اشاعت اتابک نصرۃ الدین ابوبکر کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، اور ۶۰۶ھ میں اوکی وفات کے بعد نظامی اسی کتاب کو نورالدین ارسلان شاہ کے نام سے منسوب کرتے ہیں"[۱]

غالباً شیرانی صاحب کو مندرجۂ ذیل اشعار پر سے دھوکا ہوا ہوگا، جو سکندر نامہ بحری کے بعض قلمی نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اور جن کو ڈاکٹر ریو[۲] نے بھی نقل کیا ہے:—

طرفدار موصل بمردانگی، قدرخوان شاہان بفرزانگی،
سرسرفرازان گردن کشان، ملک عزالدین قاہر نشان
بطغرائے دولت چو طغرل نگین ابوالفتح مسعود بن نورالدین

آخری شعر میں مسعود بن نورالدین کا نام ہے، لیکن ان اشعار میں بھی شیرانی صاحب کے خیال کے مطابق نورالدین ارسلان نہیں، بلکہ اس کے بیٹے مسعود کا نام ہے، اور چونکہ "قاہر" کا لقب بھی موجود ہے، اس بنا پر ڈاکٹر ریو کو بھی مغالطہ ہوگیا کہ یہ الملک القاہر عزالدین مسعود ثانی بن نورالدین ارسلان ہے، چنانچہ خمسۂ نظامی کے ایک مخطوطہ

۱۔ رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۰ ۲۔ فہرست جلد ۲ صفحہ ۵۶۹،

۵۹۹ھ میں اقبال نامہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریو رقمطراز ہے:-

شروع میں ملک قاہر عزالدین مسعود بن نورالدین والی موصل کے نام پر انتساب ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:-

طرفدار موصل بمردانگی

الملک القاہر آخر رجب ۶۰۷ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا (کامل ابن اثیر ج ۱۲ ص [illegible]) اگر یہ انتساب واقعی نظامی کا لکھا ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوگا کہ نظامی اس تاریخ کے بعد تک بھی زندہ رہے ہیں، اور آخر میں بھی ملک عزالدین مسعود کی مدح پائی جاتی ہے[1]

لیکن اس سے پیشتر ریو خود ہی لکھ چکا ہے کہ

نظامی کی وفات کے متعلق اس تمہید (بنام عزالدین مسعود) سے شبہ پیدا ہوتا ہے، مگر یہ تمہید بہت سے قدیم مخطوطات نیز مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر شبہ انگیز امر تو یہ ہے، کہ بغور معائنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سوائے نام کے یہ مدح تمام تر سکندرنامہ حصہ اول سے (جو ملک نصرۃ الدین کے نام پر معنون ہے) نقل کر دی گئی ہے[2]

عزالدین بن قطب الدین مودود اپنے بھائی سیف الدین غازی کی وفات کے بعد ۵۷۶ھ میں موصل کا فرمانروا ہوا اور شعبان ۵۸۹ھ میں رحلت کر گیا، (دیکھو ابن خلکان اور کامل ابن اثیر ج [illegible] ص [illegible])

ڈاکٹر باخر کا خیال ہے، کہ یہ تتمہ سکندرنامہ کی کسی [illegible] اشاعت کا [illegible] حوالے جس میں نظامی کے صاحبزادہ کی عمر [illegible] سال بتائی گئی ہے:- ت

شدہ [illegible]

ڈاکٹر باخر نے قیاس کیا ہے کہ چونکہ لیلی مجنون کی تصنیف ۵۸۴ھ کے وقت نظامی کے بیٹے کی عمر ۱۴ سال کی تھی اس لئے یہ تتمہ اس کے تین سال کے بعد یعنی ۵۸۷ھ میں لکھا گیا ہوگا[3]

---

[1] ضمیمہ فہرست مخطوطات ریو ص [illegible] [2] فہرست مخطوطات جلد [illegible] ص [illegible]

بہرکیف اگر یہ تمہید صحیح ہو تو بھی یہاں عزالدین مسعود سے مراد ہوتا نہیں، بلکہ داوا ہے، جیسا کہ آخری مصر

مین اوس کی کنیت ابوالفتح اس پر صریحاً دلالت کررہی ہے، اس لئے باخرز کا یہ خیال صحیح ہے، کہ سکندر نامہ کی اگلی

اشاعت اسی کے نام سے منسوب کی گئی ہو، پروفیسر براؤن کے قول سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے:-

"سکندر نامہ پہلے عزالدین مسعود (اول) اتابک موصل کے نام معنون کیا گیا، اور بعد مین نظر ثانی کے

بعد اوس کی دوسری اشاعت نصرۃ الدین ابوبکر بشکین کے نام منسوب کی گئی، جو اپنے چچا قزل ارسلان کے

بعد ۵۸۷ھ مین اتابک آذربائیجان کی حیثیت سے اُس کا جانشین ہوا"[۲]

مندرجہ بالا بیانات کی بنا پر پروفیسر شیرانی کے اس خیال کی کماحقہ تردید ہو جاتی ہے، کہ نظامی نے ۵۸۷ھ

کے بعد اسی کتاب کو نورالدین ارسلان کے نام سے منسوب کیا،

[۱] ابن خلکان جلد دوم ص۹۳، [۲] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص۴۰۲،

گجراتی زبان اور اوسکی تاریخ

(ماخوذ از تاریخ گجرات زیر ترتیب مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی)

ہندوستان میں جو دوسری ترقی یافتہ زبانیں ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اون کی تاریخ خصوصیت اور اونکے لٹریچر سے واقف ہوں، خصوصاً گجراتی اور سندھی ایسی زبانیں ہیں جن کا تعلق اردو سے بہت بڑا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ان زبانوں کی مختصر تاریخ اور لٹریچر سے اہل اردو کو مطلع کرتے رہیں، اور اس سلسلہ کا ہم گجراتی زبان کی تاریخ سے آغاز کرتے ہیں،

یہ مضمون مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی نے اپنی تاریخ گجرات کے لئے، ودیاپیٹھ احمد آباد کے ایک شاگرد سے انگریزی میں لکھوایا تھا، اور پھر انگریزی سے اوسکا اردو میں ترجمہ کرایا تھا۔

تمہید

تاریخ گجرات کے طالب علموں کے لئے اور اون کے لئے جو گجرات کے باشندوں کو اور اون کے عادات و رسوم اور خصوصیات کو جاننا چاہتے ہوں، گجراتی زبان کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے

ہر پرانی قوم کی تاریخ کی طرح گجرات کی قدیم تاریخ اور اوس کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے یہ بتانا بہت دشوار ہے، کہ ایام قدیم اور متوسط زمانوں میں گجرات میں کون سی زبان بولی جاتی تھی، اور کون سی قوم آباد تھی، جب آریہ ہندوستان کی طرف ہجرت کر کے آئے تو پہلے ہی وہ گجرات میں نہیں آئے، ایک بڑی مدت کے بعد

لہ وہ جنوب کی جانب پھیلے، بعد مین گجرات کی طرف، از منۂ متوسط مین بہت سی قومین مثل آریون کے گجرات پر حملہ آور ہوئین، ان مین سے خاص خاص قومین ہنس، گرجرز، (گوجر) عرب، پٹھان وغیرہ تھین، پارسیون نے بھی جو مسلمانون کے عہد مین ایران سے بھاگ کر آئے تھے[۱]، گجرات مین پناہ لی تھی، یہ تمام اجنبی قومین اور جماعتین رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی گئین، اور پنے رسوم اور تہذیب و تمدن کو گجراتی سوسائٹی مین بھی داخل کر دیا، اور گجراتی سوسائٹی نے اپنا بہت کچھ اثران پر ڈالا، اسطرح سے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے ملنے جلنے سے ایک جماعت کی خصوصیات کو دوسری جماعت نے اختیار کر لیا، یہ مختلف جماعتین ایک طریقہ پر متحد ہوگئین، ان کے طریقے اور رسوم مشترک ہوگئے، ان کا تمدن ایک ہوگیا، اور اون کی سوسائٹی متحد ہوگئی، اور اس طرح انکی تاریخ زبان اور لٹریچر سب نے باہم ملکر ترقی کی،

"اناریاز" کی زبان کو چھوڑ کر ایسا یقین کیا جاتا ہے، کہ صرف سنسکرت ہی تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان ہونی چاہئے، بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانین اس وقت کی سنسکرت کے ساتھ مل جل گئین، اور یہ تمام زبانین آپس مین ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئین، اس طرح سے ان زبانون مین سے ہر ایک زبان نے کچھ اپنا کھویا کچھ دوسری زبان سے لیا، اور جس کو جذب نہ کرسکے چھوڑ دیا، برہمنون اور اعلیٰ طبقہ کے لوگون کو خاص کر سنسکرت پڑھنے کا عام طور سے حق حاصل تھا، اور یہ تکلیف دہ امر ہے، کہ اسطرح دوسری جماعتون کا اس بڑے تمدن کی زبان کے ساتھ تصادم نہین ہوسکا، تعلیم اور تمدن کا فقدان، تلفظ کی دشواریان اور ادنیٰ جماعتون کی جہالت بعض وہ وجوہ ہین، جن سے سنسکرت عوام مین دخل نہ پاسکی، اور مستقل اور عام طور پر مقبولیت نہ حاصل کرسکی، تہذیب و تمدن کے طالب علم سنسکرت کا مطالعہ کرتے تھے، اور شایستہ سوسائٹی کی زبان بھی ایسے وقت مین سنسکرت تھی، جب کہ سوسائٹی کے بعض اشخاص ٹوٹی پھوٹی سنسکرت پراکرت بولتے تھے، اب سنسکرت نے اپنی ممتاز جگہ کو کھونا شروع کیا، ایسے موقع پر آریہ قوم کا قیام ہندوستان کے شمالی حصہ مین نہین معلوم ہوتا تھا، بلکہ وہ گجرات اور دیگر جنوبی صوبون مین چلے گئے تھے، آریون کے دور دراز صوبون مثل گجرات اور بنگال مین چلے جانے آمد و رفت کی

[۱] یہ قطعاً غلط ہے بلکہ ایرانی لوگ مسلمانون سے پہلے ملک گجرات مین تجارتی آمد و رفت رکھتے تھے مسلمانون کے ایران پر قابض ہوجانیکے بعد وہ تجارتی سلسلہ ٹوٹ گیا، تو وہ یہین رہ پڑے، (ابوظفر)

سو لیکن نہ ہونے مختلف آب و ہوا، اور ملکی اور غیر ملکی جماعتوں کے آپس میں ملنے جلنے سے نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت کی مختلف شاخیں نکل آئیں، پراکرت، پالی، مگدھی، اردھ مگدھی وغیرہ پراکرت کی مختلف شاخیں ہیں۔

علاوہ اس کے پراکرت خود خراب ہو گئی اور اس سے ایک اور زبان "اپبھرامش" پیدا ہوئی، "اپبھرامش" ازمنۂ متوسط میں گجرات کی زبان تھی، "سدھ راج جے سنگھ" کے زمانہ کے پنڈت ہیم چندر سوری نے "اپبھرامش" زبان کے قواعد اُس وقت لکھے تھے جب کہ ہندوستان کی دیگر صوبہ وار زبانوں میں کسی زبان کو یہ فخر حاصل نہ تھا، "اپبھرامش" میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ہر ایک صوبہ کو اپنی خاص زبان رکھنے کا فخر تھا، ہندی، ورلج، مارواڑی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی زبانیں وجود میں آئیں، مارواڑی زبان یا تو گجراتی زبان کی شاخ یا اس کی مختلف شکل یا ہندی اور گجراتی دونوں ملی ہوئی زبانیں ہیں، ان زبانوں میں بھی صوبہ وار زبان کی خصوصیات پائی جاتی تھیں ہر ایک زبان صاف اور مہذب ہونے لگی اس طرح سے ہماری موجودہ متمول گجراتی زبان جو قریباً ایک کروڑ انسانوں کی مادری زبان ہے وجود میں آئی۔

اس نے اپنی بعض اصلی خصوصیات کو قائم رکھا ہے، اور نئی خصوصیات اور دوسری زبانوں کی خاص خاص باتیں اُن سے وقتاً فوقتاً ملنے جلنے سے حاصل کر لی ہیں، سنسکرت گجراتی کا مخرج ہے، اور یہی وجہ ہے کہ گجراتی زبان سنسکرت زبان کی خصوصیات اور دیگر اوصاف سے پُر ہے، گجراتی کی لغت میں بہت سے سنسکرت کے الفاظ ہیں، اور یہ الفاظ دو قسم کے ہیں، ان میں سے بعض وہ الفاظ جو قسم اول سے تعلق رکھتے ہیں اپنی اصلی سنسکرت کی شکل ہی میں ہیں، اور باقی ماندہ الفاظ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں، گو علم لغت کے قواعد کی وجہ سے ان میں قدرے تبدیلی واقع ہو گئی ہے لیکن پھر بھی وہ الفاظ سنسکرت سے لئے گئے ہیں، جو الفاظ قسم اول سے تعلق رکھتے ہیں بہت ہیں اور ہم ان میں سے بعض الفاظ مثال کے طور پر ذیل میں دیتے ہیں، ان تمام الفاظ کا شمار کرنا [illegible] دشوار ہے، [illegible] ایک ڈکشنری کو تیار کرنا [illegible] میں سے بعض الفاظ جو عام طور پر داخل ہو گئے ہیں، انھیں منتخب کر کے [illegible] درج ذیل ہیں:

سنگیت، ودھا، بدھی، متی، شریر، تن، منش، پتر، پشو، پنچھی، شستر، شک، شنکا، سنکٹ، تپ، [illegible] ندی، لکشمی، پتنگ، مستک، تیرتھ، دھرم، ودوان، پنڈت، سرپ، مور، [illegible] شانت، [illegible] وغیرہ [illegible]

سے بہت سے الفاظ کو "مَن" یا کو "جا" مین بدل دیا گیا ہی، یُوان، جوان بن جاتا ہے، اور یتی جتی مین تبدیل ہو جاتی ہے،

علم اللغۃ کے قواعد کے مطابق بہت سے الفاظ مین تغیر و تبدل واقع ہوا ہے، سنسکرت سے اون کو پراکرت مین لیا گیا تھا، اور پراکرت سے اُنھین "اپابراہمنسٗ" مین داخل کیا گیا تھا، اور وہان سے انھین گجراتی مین شامل کر لیا گیا تھا، ان تمام الفاظ کو جنہین تبدیلیان واقع ہوئی تھین، اس مختصر مضمون مین شامل نہین کیا جاسکتا ہے لیکن ایک عام قاعدہ کا بیان کر دینا کافی ہوگا، جس سے یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے جس سنسکرت لفظ کے آخر مین "اک" واقع ہو، وہ پراکرت یا اپابراہمنسٗ مین "اُٹ" مین تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ گجراتی "او" مین تبدیل ہو جاتا ہے، مثلاً :-

سنسکرت،	پراکرت یا اپابراہمنسٗ،	گجراتی،
دنتک،	دنتٹ،	دنتو،
مرکٹک،	مکٹٹ،	ماکنو،
پرسترک،	پتھرٹ،	پتھرو،
کرپک،	کپیٹ	کانو
رسک،	رسٹ،	رسو،
بھارک،	بھارٹ	بھارو وغیرہ،

جس سنسکرت لفظ کے آخر مین "ک" واقع ہو، وہ گجراتی مین "آ" سے بدل جاتا ہی، مثلاً :-

سنسکرت،	پراکرت یا اپابراہمنسٗ،	گجراتی،
دنک	دنتو،	دان،
کرک،	کینٹو،	کان،
ہت، (؟)	ھتّو،	ہاتھ،
رسن (؟)	رسو،	رس،

اس طرح سے گجراتی لفظ کا مخرج عام طور پر سنسکرت میں ملتا ہے، اور گجراتی لغت کا زیادہ تر حصہ ایسے الفاظ کا ہوتا ہے، جو یا تو سنسکرت ہوتے ہین یا جو سنسکرت سے لئے جاتے ہین، اور جنہین علماء اللغۃ کے قواعد کے مطابق تبدیلیان ہوتی رہتی ہین، گجراتی زبان پر سنسکرت کا اثر بہت زیادہ ہے، اس سے ہم یہ دیکھ سکتے ہین کہ سنسکرت کا اثر گجراتی پر بہت مضبوط ہے، اور اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے، کہ گجراتی اور دیگر صوبہ وار زبانین اپنی اصلی زبان سنسکرت سے نکلی ہین، لیکن بوجہ زمانہ گذر جانے کے، اور غیر ملکی لوگون کے ساتھ بہت عرصہ تک میل جول رکھنے کے، اور غیر ملکی زبانون کو ان کی اصلی غیر تبدیل شدہ حالت مین جذب کرنے کی قابلیت نہ ہونے کے بہت سی تبدیلیان واقع ہوگئی ہین، اور نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ صوبہ وار بول چال کی دو زبانین بن گئی ہین،

دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھنے سے اور علم اللغۃ کے دوسرے عام قاعدہ کو لینے سے مذکورہ بالا حقیقت اور زیادہ صاف طور سے معلوم ہوتی ہے، کوئی زبان بغیر تبدیل ہوئے نہین رہ سکتی، ہر صوبہ مین کچھ نہ کچھ تبدیلیان ضرور ہوتی ہین، اور یہ تبدیلیان کچھ اس غیر معلوم طریقہ سے ہوتی رہتی ہین کہ وہ آسانی سے نظر نہین آسکتی ہین، مزید یہ کہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ ہوتی ہین کہ وہ شخص بھی جو جانتا ہے اور زبان کی تنقید کرتا رہتا ہے ان کی غیر معلوم رفتار پر تنقید کچھ بھی پیش نہین کریگا، اس طریقہ سے تمام صوبہ وار زبانین مثلاً گجراتی، بنگالی، ہندی، مرہٹی، وغیرہ سنسکرت سے مختلف اور علحدہ ہین، اور دوسری طرف سے نظر ڈالنے سے ہم کو مشترک ہونے کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے، گجراتی، بنگالی، ہندی، مرہٹی وغیرہ تمام خاص طور پر ایک دوسرے سے علحدہ ہین، ایک صوبہ کا باشندہ دوسرے صوبہ کی بات چیت یا زبان نہین سمجھ سکے گا، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ یا تو لغت یا کہ صوبون کی زبانون کے قواعد مین مشترک ضرور معلوم ہوتے ہین، یہ ایک صوبہ کے باشندے کو دوسرے صوبہ کی زبان کا مطالعہ کرنے مین بہت مدد دیتی ہے، ان قواعد کے مطابق زبانون کی تمام بنیادین خواہ وہ کتنی ہی مختلف اور جدا ہون، تمام ایک دوسرے سے ان حقیقتون پر وابستہ رہتی ہین

ان غیر معمولی حالات کے تحت زبانون کے [illegible] کا تعلق ہوتا ہے، گجراتی زبان سنسکرت کی بہت [illegible] نازک ہوگئی ہے، کیا ان کے حسن اور نزاکت کے ورثہ سے ان کی زبانین ہمیشہ محروم رہ سکتی ہین [illegible] گجراتی کا

سنسکرت کے ساتھ کیا رشتہ تھا، طول دینے کی ضرورت نہین ہے، اب ہم یہ دیکھین گے، کہ گجراتی زبان دوسری زبانون کی کہانتک زیر بار احسان ہے، ہندوستان کی اصلی زبان "دیشیا" کہلاتی تھی، اس زبان کے بعض الفاظ چند تبدیلیون کے بعد گجراتی مین داخل کرلئے گئے ہین، ان مین سے بعض یہ ہین، :-

گجراتی،	دیشیا،
کڈیو،	کڈالو،
کوئیل،	کوئیلا،
ڈونگرو،	ڈینگارو،
نیاچ،	پدن چا،
اوسری،	اوسریا،
اکھیون،	اوکھیا،
نکون،	منکاؤ،

ان کے علاوہ کھابو، شانہ، ڈالبھو، بامیان، نیستی، بھانڈے، ڈھانکے، کھانڈے، چابانی، ڈھیکون، وغیرہ تمام دیشیا الفاظ ہین،

گجراتی کا مرہٹی زبان کے ساتھ بھی رشتہ بہت قدیم ہے، مرہٹی زبان کا اثر قدرے گجرات کے قدیم ترین شاعر "نسیاح" مین بھی پایا جاتا ہے، کبھی کبھی وہ مرہٹی لفظ "چا" جو اسم جنس کے آخر مین واقع ہوتا ہے، بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس کی نظمون مین سے ایک نظم مین ہین چار یا پانچ سطرین خاص مرہٹی کی ملتی ہین، مسلمانون کی حکومت کے بعد مرہٹون نے گجرات پر کچھ وقت تک حکومت کی، اور اس سے مرہٹی کا اثر گجرات پر اور زیادہ ہو گیا، اس وقت بھی شہر بڑودہ کی تقریباً نصف آبادی مرہٹون اور دکنیون کی ہے،

کاٹھیاواڑ کے گجراتی بولنے والے، کاٹھی اور اہیر جب کبھی وہ ادب کے ساتھ کسی معزز خاتون سے مخاطب

ہوتے ہیں، تو وہ لفظ آئی کو جو ماں کے لئے مرہٹی لفظ ہے، بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ گجراتی شاعر پریمانند جس نے مرہٹوں کی حکومت کی ابتدا میں ترقی کی بعض وقت اپنی نظموں میں لفظ "ڈیں" استعمال کرتا تھا، جو خالص مرہٹی زبان کا لفظ تھا، ان کے سوا الفاظ مثل "آٹالیو" "تائی"، وغیرہ بہت زیادہ عام ہوگئے ہیں۔ گجراتی مرہٹی کی نسبت ہندی سے زیادہ صاف طور پر مناسبت رکھتی ہے، ہندی اور اردو کا گجراتی پر اتنا مضبوط قبضہ تھا کہ دیارام، پریمانند، نرسیتھ، اور میراں جیسے بڑے شاعر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، دیارام کا دیوان شاید ہندی میں گجراتی کے بہ نسبت زیادہ ہے،

ہندوستان بحیثیت مجموعی عدم تشدد کے مسلک پر کاربند ہے۔ اور گجرات زیادہ کاربند ہے، گجرات کی زبان بھی اس صوبہ کے لوگوں کی طرح نازک واقع ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ گجراتی زبان اس قدر نرم اور نازک ہے کہ اس زبان میں کوئی شخص غصہ کا اظہار کافی طور سے نہیں کر سکتا ہے، جب کبھی کسی گجراتی کو غصہ آتا ہے، تو وہ جان بوجھ کر یا بغیر جانے ہندی میں غصہ کا اظہار کرتا ہے، گجرات کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب کہ گجراتی میں نظم لکھنا ذلیل کام خیال کیا جاتا تھا، بہترین اعلیٰ تہذیب یافتہ شاعر وہ شخص ہوتا تھا، جو یا تو ہندی یا سنسکرت میں نظمیں لکھتا تھا، اس دھبہ کو گجرات کے بڑے شاعر پریمانند نے دور کر دیا، اور اس نے مادری زبان کی ترقی کے لئے مصمم ارادہ کر لیا، مگر وہ بھی ابتدا میں اس دھبہ سے بچ نہ سکا، ہندی کا تسلط گجراتی پر اس قدر تھا کہ اس زبان کا گجراتی پر اثر ہونا لازمی امر تھا، خود پریمانند نے ہندی لٹریچر کی نقل میں نظمیں لکھنے کا کام اپنے لڑکے اور اپنے خاص شاگرد وللبھ کے سپرد کر دیا، بعض "نارڈک لٹریچر" اور بڑی نظمیں نیم تاریخی لٹریچر کی ہندی کی نقل ہیں۔

گجرات کا صوبہ تجارتی میدان کے لئے مشہور ہے۔ ہندوستان تمام دنیا کی تجارت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ وہ دنیا کو اپنا مال و اسباب مہیا کرتا تھا۔ ہندوستان کا دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلق عام طور پر سمندر کے راستوں کے ذریعہ تھا۔ اور گجرات ان راستوں کی کڑی تھا، بھڑوچ، سورت اور کھمبایت گجرات کے خاص اور قدیم ترین بندرگاہ تھے، نہ صرف گجرات بلکہ ہندوستان کا تجارتی کاروبار انہیں بندرگاہوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا، قدیم ترین

غیر ملکی سوداگر جنھون نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنی شروع کی، وہ عرب تھے، ہندوستان اور عرب کے سوداگرون کے درمیان تجارتی رشتہ (مسیح سے پہلے) موجود تھا، اس لئے بعض عرب سوداگرون نے کھمبایت اور گجرات کے بندرگاہون پر سکونت اختیار کر لی، کھمبایت عربون کا خاص مرکز تھا، اور اس مین کوئی تعجب کی بات نہین ہے، کہ گجراتی زبان کا اثر ان پر ہوا، اور یہ اتصال مسلمانون کی حکومت کے بعد اور زیادہ مضبوط ہو گیا، ساتوین صدی عیسوی کے بعد مسلمان ہندوستان کے بہت سے مختلف حصون مین اور زیادہ بستے چلے گئے، پٹھان، مغل، ترک، عرب اور بہت سی دیگر مسلم قومین ہندوستان پر حملہ آور ہوئین، اس کا اثر گجرات پر ہوا، اور وہ اس اثر سے بچ نہین سکتا تھا، محمود غزنوی نے ہندو بادشاہ بھیمدیو (بھیم دیو) کے زمانہ مین گجرات پر حملہ کیا، لیکن وہان سکونت اختیار کرنے کے بجائے وہ سومناتھ دیو کے بڑے مندر کو لوٹ کر وہان سے چلا گیا، اس کے بعد شہاب الدین غوری نے "چھوٹے بھیمدیو" کے زمانہ مین گجرات کو لوٹنے کی حتی الامکان کوشش کی، لیکن گجرات کو دراصل علاؤالدین خلجی نے آخری ہندو بادشاہ کرندیو (کرن دیو) سے، بوجہ خانگی منافقات کے فتح کیا، اس وقت گجرات کی راجدھانی کو "انھل واڑا یا پاٹن" سے احمد آباد اساول (موجودہ اسادول) کے قریب منتقل کر دیا، اور اس کی بنیاد احمد شاہ نے ۱۴۱۲ء ۸۱۵ھ مین رکھی، اس وقت سے احمد آباد گجرات کی راجدھانی رہی ہے، محمود بیگڑا نے محمد آباد کی بنیاد ڈالی، اور جوناگڑھ اور چمپانیر کے قلعون کو فتح کیا، اب مسلمانون نے بغیر کسی رکاوٹ کے تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ پر حکومت کرنا شروع کر دی، یہ پہلے ہی سے بتا دیا گیا ہے، کہ سوسائٹی اپنا اثر لٹریچر پر ڈالتی ہے، لٹریری اور سیاسی تاریخین دونون مین کچھ نہ کچھ اشتراک ضرور ہے، ان دونون مین سے کوئی ایک دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہین رہ سکتا، مسلمانون نے مسلسل صدیون تک گجرات پر حکومت کی، اور اس وجہ سے آجکل کی انگریزی زبان کے اثر کی طرح فارسی اور عربی کا بہت کچھ اثر گجراتی پر ہوا، یہی وجہ ہے کہ گجراتی کی لغت مین فارسی اور عربی کے الفاظ پائے جاتے ہین، اور معمولی طالب علم کے لئے ان الفاظ مین جو بہت زیادہ عام ہو گئے ہین، فرق معلوم کرنا قدرے دشوار ہے، ان مین سے بعض الفاظ مخلوط نہین ہوئے ہین، اور دوسرے الفاظ نے "علم لغت" کے قواعد کے مطابق اپنی اصلی شکل ترک کر دی ہے، اور وہ گجراتی الفاظ بن گئے ہین، جیسا کہ ہم انھین آج پاتے ہین، ایسے فارسی اور عربی الفاظ مین سے چند الفاظ ہم ذیل مین ان کی اصلی اور مخلوط شکلون مین دیتے ہین،

مشکل، قوال، بیچ، نو، جیرین، عیب، غیرہ، [illegible]

باغ، بغیچہ، غلیچہ، ریزو، مادرن کی، کھاقوان، دیوانو، [illegible] خرشیو، تماشو، [illegible] کاکو، تکیو، شیشیو،

حصو، مخلو، ہمیتو، غریب، غلام، سال وغیرہ، یہ تمام الفاظ اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ گجراتی بولنے والے ان الفاظ کو روز

مرہ کی بات چیت میں بے دریغ استعمال کرتے ہیں، اور ان فارسی اور عربی الفاظ کو جو بول چال میں اور تحریر میں

میں بھی اتنے عام ہو گئے ہیں کہ ترک کر دینا قطعی بے سود اور عملاً ناممکن ہے، ایسی تباہ کن تجویز کا تصور

کرنا بھی محض مضحکہ انگیز ہے، مزید یہ کہ خود گجرات کے مسلمان بھی اپنے گھروں میں گجراتی بولتے ہیں، ان کی اردو

بہت ہی زیادہ خراب ہے، اور وہ ایک گجراتی اردو زبان بن گئی ہے، اس طرح سے گجرات کے ہندو اور مسلمان

دونوں قومیں ایک مشترکہ زبان بولنے لگی ہیں، اور انھوں نے بہت سے مشترکہ تمدنی رسوم و رواج اختیار کر لئے ہیں

اس اتحاد نے ان کی بہت سی قومی تنافرن کی پرورش کی ہے، ایرانی خصوصیات گجرات کی سوسائٹی اور زبان میں

پائی جاتی ہیں، ضمیر اتصالیہ کہ فارسی "کہ" سے لیا گیا ہے، قریباً تمام اصطلاحات جو گجرات کی عدالتوں اور کچہریوں میں استعمال

ہوتی ہیں، وہ یا تو عربی سے یا فارسی سے لی گئی ہیں،

یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب کوئی غیر ملکی قوم دوسری قوم پر حملہ کرتی ہے تو حملہ کرنے والی قوم نظم و نسق میں بہت سے اپنی ہی زبان کے الفاظ داخل کرتی ہے، یہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ پہلے پہل نئی حکومت کی نگرانی کا دارومدار محض اس کی فوج اور عدالتوں پر ہوتا ہے، وہ الفاظ بھی جو پہننے کے متعلق استعمال ہوتے ہیں وہ بھی یا تو فارسی سے لئے گئے ہیں یا عربی سے، اس زمانہ کی عدالتی زبان خالص اسلامی زبان تھی، اس کی ایک وجہ اوپر بتائی جا چکی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لباس جو [illegible] مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں جو ہندو وزیر یا عہدیدار [illegible] سے تعلق رکھتے تھے، ہندو [illegible] اس لئے وہ عدالتوں اور درباروں سے میل جول رکھتے تھے [illegible]

لکھنا پڑتی تھی، اور وہ اسکو سیکھتے تھے، اس سے دوسرے ہندؤون نے بھی فارسی سیکھنا شروع کردیا، اور اس غیرملکی زبان کے اتصال کا اثر ان کی مادری زبان کو مالدار بنانے مین فائدہ مند ثابت ہوا، ناگرون مین فارسی زبان مین گفتگو کرنا ایک فیشن تھا اور آج بھی ہم اُن ناگرون، اور کایستھون کو اس زبان سے خوب واقف پاتے ہین، یہ مسلمانون کی حکومت کا اثر تھا کہ بہت سے فارسی اور عربی کے الفاظ گجراتی زبان مین داخل کرلئے گئے تھے، اب ہم یہ دیکھین گے کہ دوسری کس قوم اور زبان نے گجراتی زبان پر اثر ڈالا ہے، ؟

انگریزون کے آنے سے پہلے فرانسیسی اور ڈچ ہندوستان مین تجارتی اغراض کیلئے بس چکے تھے، ڈچ زیادہ مدت تک نہ رہ سکے لیکن پرتگیز اور فرانسیسیون نے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات بہت مدت تک قائم رکھے، انھون نے اپنے تجارتی مرکز قائم کئے، "گووا" اور "دمن" اب تک پرتگیز کے قبضہ مین ہین، گجرات کا تجارتی تعلق ان لوگون کے ساتھ تھا، اور اس وجہ سے بہت سے تجارتی الفاظ پرتگیزی لئے گئے تھے، اُن مین سے حسب ذیل الفاظ ہین، آپوس (آم) پائری (آم) اناس، کافی، کاجو، اسکوپڑا، پڈری، بٹاٹا، ٹماٹا، تمباکو، انگریزی اجنیر (انجنیر) وغیرہ وغیرہ،

اس کے سوا گجراتی زبان نے بہت سے ملکون اور صوبون کی خصوصیات اختیار کرلی ہین، گلی ڈنڈا گجرات کا خاص کھیل ہے، اس کھیل کے اصطلاحات "ٹامل زبان" سے لئے گئے ہین، مثلاً وکات، لین، ٹلھ، نازو غیرہ، اپچی، کنری لفظ ہے، اس طرح سے ٹامل، کنڑی اور دیگر جنوبی وُور دراز ملکون کی زبانون سے بھی گجراتی زبان کے لغت نے بہت کچھ حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ بنگالی زبان کا بھی اثر گجراتی زبان پر ہورہا ہے، اگر کسی صوبہ کی زبان نے گجراتی زبان پر زیادہ اثر ڈالا ہے، تو وہ یقیناً بنگالی زبان ہی ہے، فی الحال بہت سے بنگالی زبان کے ناولون اور کھیلون کا ترجمہ گجراتی مین ہورہا ہے، کلکتہ کی تجارتی جماعت کا بہت بڑا حصہ گجرات کے لوگ ہین، گجرات مین بھی ہم بہت سے آدمیون کو بنگالی زبان کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتے ہین، گجراتی لفظ "مہاشئے" جو انگریزی لفظ "سر" کے برابر ہے، خالص بنگالی زبان کا لفظ ہے،

اب ہمین یہ دیکھنا ہے، کہ ہماری موجودہ کورٹ لینگویج (عدالتی زبان) یعنی انگریزی زبان کا گجراتی زبان پر

کہاں تک اثر ہوا ہے، انگریز ہندوستان پر ڈیڑھ صدی سے حکومت کر رہے ہیں، انگریزی تعلیم کے متعلق بعض قوانین ہندوستان میں ۱۸۳۳ء میں نافذ کئے گئے تھے، ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم دینے کی سکیم بنائی گئی تھی اور ان کو کلرک اور غلام بنانے کیلئے یونیورسٹی اور سکنڈری (ثانوی) تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دیا جانا تجویز کیا گیا تھا اور یہ طریقہ تمام تعلیم گاہوں میں اب تک جاری و ساری ہے، لارڈ میکالے نے جس نے انگریزی زبان کو تعلیمی ذریعہ قرار دینے کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کیا تھا، ابتدا ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس سکیم سے ہندوستانی ذہنیت میں اور خیالات میں تبدیل ہو جائیگی، اور فی الواقع حالت یہی ہے تعلیمی ذریعہ کے لئے حکمرانوں کی زبان کو مادری زبان پر ترجیح دی گئی ہے، اور اس طرح سے جبراً اسے ملکی زبان پر غالب کر دیا گیا ہے، اس طرح سے انگریزی کے بہت سے الفاظ بول چال تقریر، سائنس، تاریخ اور جغرافیہ کے گجراتی ڈکشنری میں داخل کر دیے گئے ہیں، سائنس کے قریب قریب تمام الفاظ انگریزی زبان سے لئے گئے ہیں یہی حالت انجینیرنگ کے متعلق الفاظ کی ہے، یہ اس لئے ہے کہ تمام سائنس مغرب ہی سے متعلق ہے ان موجودہ اختراعات کے لئے گجراتی زبان میں الفاظ نہیں ہیں اس سے ایک فائدہ یہ ہوا ہے، کہ ڈکشنری کے الفاظ میں اضافہ ہو گیا ہے میں ان میں سے بعض وہ الفاظ درج کرتا ہوں جو روزانہ استعمال ہوتے رہتے ہیں، مثلاً ٹیبل، کوٹ، پوسٹ آفس، پوسٹ کارڈ، کورٹ، جج، ماسٹر، ہیڈ ماسٹر، اسکول، کالج، اسٹیشن، ریلوے، ٹرین، کلاس، برج، پیپر، گلاس، مشین، بائیسکل، موٹرکار، انجن، انجنیئر، سیکریٹری، پوسٹ، گیٹ، انجن، یونیورسٹی، گیٹر، نیکٹائی، بل وغیرہ وغیرہ۔

رسم و رواج، آداب نیز پوشاک کے لئے بھی انگریزی الفاظ لئے گئے ہیں، ہمیں فوج، عدالت، محکمہ تعلیم اور مغربی تہذیب کی چیزوں کے لئے بھی انگریزی الفاظ [illegible] ہیں، ایک وقت وہ تھا کہ [illegible] بلکہ تمام ہندوستان میں انگریزی زبان مروج ہو چکی تھی، لیکن خوش قسمتی سے قومیت کے جذبہ نے [illegible] متذکرہ بالا حالت بہت تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے، اور [illegible] کے الفاظ بھی [illegible]

رہے ہین، اور لوگ جان بوجھکر یا بغیر جانے بوجھے اپنی ضروریات کے مطابق نئے الفاظ بنا لیتے ہین، گو یا نئی تحریک نے نئے نئے دو یا تین الفاظ کو باہم ملا کر نئے الفاظ یا پرانے الفاظ کو نیا جامہ پہنا کر بنا لئے ہین، چونکہ آج کل تحریک عدم تعاون خوب زور پر ہے، زبان اور لٹریچر بھی نئے قالب اختیار کر رہے ہین، گو پہلے لفظ کا پریشن (تعاون) تھا، اب نیا لفظ نان کوا پریشن (عدم تعاون) مروج ہوگیا ہے، اور سول ڈس او بیڈینس (تحریک سول نافرمانی) ستیا گرہ" خاص مفہوم رکھتا ہے، اور مزید برآن تحریک عدم تعاون نے زبان کو بہت کچھ بدل دیا ہے، پہلے الفاظ کو اہمیت دی جاتی تھی، اور اب اوسکی جگہ خیالات نے لے لی ہے، گجراتی زبان اب زور دار سادی ستھری خیالات سے مملو مضبوط، اور باا ثر ہو گئی ہے، الفاظ کی پہیلیان اب جا چکی ہین، گجراتی زبان شیرین زبان ہے، خیالات کی گہرائی اس زبان مین سنسکرت زبان سے لی گئی ہے، اس مین نہ تامل زبان کی سختی اور نہ مرہٹی زبان کی سنگد لی ہے، جسطرح گجرات مین چھوٹے سیر چھوٹے گھر، تنگ گلیان، چھوٹے پلاٹ، چھوٹے شہر، چھوٹی سڑکین ہین، اس طرح سے زبان بھی چھوٹی، نازک، معصوم، شیرین، حسین، مثل معصوم بچے کے ہے، دنیا نے گجراتی لٹریچر کو زنانہ لٹریچر اور زبان بنایا ہے، گو اس مین اس قدر حسن ہے، کہ جب کبھی کوئی غیر ملکی "گر" گربا پارٹی" کو دیکھتا ہے تو وہ درحقیقت گجرات کے حسن و نزاکت اور اسکی زبان سے ششدر و حیرت زدہ ہوجاتا ہے "گربا" ہندو خواتین، آشا مہینے کی پہلی نوراتون مین گجراتی زبان مین گاتی ہین، وہ ایک حلقہ بنا لیتی ہین، اور وہ گاتے ہوئے اپنے ہاتھون سے تالیان بجاتے ہوئے اور پاؤن کو زمین پر ٹیکتے ہوئے چکر لگاتی ہین،

گربا لٹریچر کی نوعیت گانے والا یا پڑھنے والا دیوی کی طاقتون، اس کے حسن، اُس کے لباس، اس کے زیور کی تعریف کرتا ہے، اور اسکی مہربانی کے لئے التجا کرتا ہے، گجرات کے اس نوعیت کا لٹریچر ناظرین کو بنگال مین بھی ملے گا، جہان متوسط زمانہ کے بنگالی لٹریچر (نظم) کے ہر شاعر نے ہمیشہ کالی کے تعریف کا راگ گایا ہے، کہ وہ ماتا ہے، محافظ ہے، اور کبھی کبھی تباہ کرنے والی بھی ہے، آسوین مہینے کے پہلے نودن خاص طور سے دیوی کی پوجا کے لئے مخصوص ہوتے ہین، اور اس زمانہ مین ان گربون کو بہت کثرت کے ساتھ کاٹھیاواڑ مین مرد اور گجرات مین عورتین

گاتی ہیں، ان عورتوں کا حلقہ بنا کر گھومنا اور تالیاں بجا بجا کر تال دینا اور نصف جسم کو جھکا جھکا کر ان گربوں کو رات کے وقت دیر تک گاتے رہنا بہت پیارا لگتا ہے، سورت، بڑودہ، احمد آباد و بمبئی جیسے مقامات میں ان عورتوں کا رقص مردوں کے رقص سے بہت زیادہ پر لطف ہوتا ہے، مرد تو محض کودتے اچھلتے اور چیختے رہتے ہیں، اور تالیاں بجاتے ہیں، جب دوسرے صوبہ کا آدمی ان عورتوں کو بے پردہ پورے ساز و سامان اور کمال آزادی کے ساتھ گجرات کے شہروں اور قصبہ کے گلی کوچوں میں گربا (جھومر) گاتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اس حسین منظر سے محو حیرت ہو جاتا ہے، گجرات کے گربوں میں خاص لٹریچر ہوتا ہے، گربوں کا نفس مضمون "دیوی ماتا" کی تعریف میں رنگ لاتا ہے ولبھ ڈھولا نے "بھاچارا" ماتا کی تعریف میں گربے لکھے ہیں، اس کے بعد اس مضمون کا بہترین شاعر دیارام تھا، اس نے اپنے گربوں میں رادھا اور کرشنا کے حسن و عشق کے قصے دکھائے تھے، یہ بہت زیادہ مقبول ہیں اور بہت سی عورتیں ان گربوں کو دل سے چاہتی ہیں، آج کل کے زمانہ میں نانالال، داس، اور گربا کا بہترین لکھنے والا ہے، اس نے دینی عشق میں جو اب تک گربوں کا مضمون ہوتا تھا دنیاوی عشق کا بھی اضافہ کر دیا ہے، گربے گجرات کی خصوصیات ہیں۔

گجراتی کی تقسیمات تمام گجرات میں گجراتی زبان ایک ہی طریقہ سے نہیں بولی جاتی ہے بلکہ مختلف مقامات کے لیے مختلف تلفظ مخصوص ہیں، گجراتی زبان تین خاص قسموں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

۱- **احمد آبادی** یعنی وہ گجراتی زبان جو خاص احمد آباد اور اسکے گرد نواح اور بمبئی میں بولی جاتی ہے، یہ ادبی زبان ہے جو ہر جگہ سمجھی جاتی ہے

۲- **کاٹھیاواڑی** گو یہ گجراتی بولی ہے مگر اسکے تلفظ کے طریقہ میں فرق ہے، کاٹھیاواڑ کے لوگ بلا تلفظ بہت وسیع لفظوں کے بجائے بولتے ہیں

۳- **کچھی** گو کچھ گجرات میں ہے، لیکن اس کی بولی گجراتی زبان سے بالکل جدا ہے، اس پر سندھی زبان کا زیادہ اثر پڑا ہے، احمد آبادی یا کاٹھیاواڑی کچھی زبان کو سمجھ نہ سکے گا، لیکن باوجود اس اختلاف کے تمام صوبوں کی تحریری زبان وہی ہے جو احمد آباد میں بولی جاتی ہے، لٹریچر بھی مشترک ہے، کچھی گجراتی زبان کی ایک شاخ ہے، اور ایک یہی بولی ہے جو صرف بولی جاتی ہے لیکن کبھی لکھی نہیں جاتی ہے، احمد آبادی کی ایک شاخ ہے وہ سورتی زبان ہے یعنی وہ زبان جو سورت میں بولی جاتی ہے اس میں "ش" "ہا" بولا جاتا ہے، جیسے شربت کے بجائے ہربت بولتے ہیں۔

خسرو باغ کے مقبرے

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی مؤلف "حیات جلیل" الہ آباد،

(۳)

مقبرۂ خسرو

پھاٹک پر چڑھائے اور جڑے ہوئے نعل نو وارد تماشائی کے لیے سب سے پہلے جاذبِ توجہ ہوتے ہین، یہ مرادین برآنے والوں کے حسنِ عقیدت کے نگینے ہین، ان کی تعداد اب بھی کافی ہے، ان میں ہر قسم اور ہر نمونہ کے حاضر ہین، بڑے بھی، چھوٹے بھی، گھوڑون کے بھی، بیلون کے بھی، حتی کہ جوتون کے بھی، ہندوستانی اور انگریزی دونون وضع کے، حال کے لگائے ہوئے نعلوں میں تازگی اور چمک بخوبی نمایاں ہے، اس فلزاتی (معدنی) نذر دینا یعنی آہنی نعلون سے منت پوری کرنے کی کوئی معقول اور جلد باور ہو جانے والی وجہ نہین بتائی جاتی، مختلف روایتین زبان زد ہیں، سب سے زیادہ مشہور و مقبول قصہ یہ ہے کہ مرزا خسرو کا گھوڑا نہایت عمدہ، اچھی نسل اور شریف ذات کا تھا، کسی نازک موقع پر اس نے کود کر جان بچائی اور دادِ رفاقت دی تھی، یہ صحیح ہو سکتا ہے، خسرو کے مقبرے کے سامنے یا اس کے دامن میں، جو ایک مسطح پست سا چبوترہ (کچھ کم ایک بالشت اونچا، چار گز دو فٹ لمبا، ساڑھے تین گز چوڑا) مع ایک مختصر نشانِ تعویذ کے بنا ہے، وہ اسی غازی مرد کی قبر بتائی جاتی ہے، مین اس روایت کو باور کرنے اور اس رسم اور اسکی اصلیت کو اس طرح ماننے سے معذور ہون، خادمون کی حاضر جوابی اور فضول گوئیوں کی شکایت ہمیشہ سے چلی آتی ہے، حتی کہ آج سے ایک صدی پیشتر مسٹر فرینچ بھی اسکو برداشت نہ کر سکے تھے، مین نے تو اس قسم کے نعل اکثر قلعون، پرانی عمارتون اور مشہور روضون پر دیکھے ہیں، ان کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ کواڑون کی

استواری واستحکام اور آہن پوش بنانے کے لیے لگائے گئے ہیں، ان کی خوش اندامی، وجاہت و متانت ہیبت [illegible] و انتخاب کی سب سے بڑی سند سمجھا جاتا ہے، فتح پور سیکری کی درگاہ کے بلند دروازہ[1] پر جسکو مسٹر فرنچ [illegible] تمام عالم کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جلالت و عظمت والا پھاٹک اور ایک عجیب و غریب چیز کہتا ہے[2]، پر سیکڑوں موٹے موٹے اور بھاری بھرکم نعل اسی خیال کے مؤید ہیں، یہی صاحب لکھتے ہیں[3] کہ قلعہ بھرت پور کے عجیب پھاٹکوں پر پیتل کے موٹے موٹے تختے جڑے ہوئے ہیں، ان پر بڑی بڑی کیلیں اور اسی دھات کے لٹو لگے ہیں[4]، میں نے بھی دیکھا ہے کہ دروازہ کی یہ شان اب تک قائم ہے، قلعہ آگرہ کے باہر بیرونی فصیل کے نیچے پھاٹک کے پچھم امر سنگھ دروازہ کے پاس بہادر راجپوت کے گھوڑے کی مورت بہتوں نے دیکھی ہوگی، اس شریف نژاد جانور کے متعلق واقعات اور اسکی جولانیوں کی داستانیں بہت سی زبانوں پر ہیں، کتابوں میں بھی، لیکن خسرو کے کسی خاص گھوڑے کا ذکر یا اسکا کوئی [illegible] نظر سے گذرا ہو یاد نہیں،

مولوی خدابخش خاں مرحوم کے ذخیرۂ نوادر یعنی پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں بادشاہوں اور شاہزادوں کی تصاویر کا ایک نایاب البم محفوظ ہے، اس مرقع میں خسرو کی شبیہ بھی ہے، وہ جوانی کی عمر اور اپنے زمانے کے چست [illegible] لباس میں اونچی ناک والا ایک چاق چوبند گھوڑے پر سوار ہے، ہاتھ پر کلائی کے قریب ایک شاہباز متمکن ہے، وہ توسن [illegible] فرضی و خیالی نہ ہو، تاہم اس کا وجود اور الٰہ آباد میں [illegible] تخیلات و موہومات سے خالی نہیں میں اپنی تحقیق و تفحص کے نتیجہ اور قرائن و قیاسات کو اس قبر نما چبوترہ کے حالات میں درج کرونگا، جسکا ذکر بھی آیا ہے،

اس قدیم رسم کے پرستار کچھ ہم ہی نہیں، ایشیا کے حدود سے نکل کر یورپ میں بھی [illegible] کی تاریخ حکومت ہند میں محمود غزنوی کے مقبرے کے دروازوں کا [illegible]

---

[1] مفتاح التواریخ صفحہ [illegible] [illegible]

اور بعض منشی موہن لعل کے حوالے سے لکھی ہیں، مفتاح التواریخ [illegible]

میں محمود غزنوی کے مقبرہ کا صندلی پھاٹک [illegible]

.... چنانچہ اس مضمون کا [illegible] انگریزی [illegible] صفحہ [illegible]

ذا ہلین پرانے اپنے اعلان میں اسکو بڑی اہمیت دی تھی، انگریزوں کی سعی تحقیق، کاوش اور دقتِ نظر مسلم ہے، مسٹر ولیو
سن نے دیکھا شبہ کیا، اور قوی وجوہ و دلائل کے ساتھ لندن ڈیلی نیوز کو لکھا کہ یہ پھاٹک تو سومناتھ والے ہو نہیں سکتے
فرگسن[1] نے خوردبین سے جانچ کی، تشخیص فرمایا کہ "صنوبری دیودار کی لکڑی ہے، حالانکہ تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ
ناتھ کے مندر کے کواڑ چوب صندل کے تھے، جنپر اعلیٰ درجہ کا نفیس کام تھا، جنکی بڑی شہرت تھی، جنکو محمود اپنی فتحمندی
اظہار کے لیے گجرات سے کابل لے گیا تھا جو اُسکی وفات کے بعد اُس کے مقبرہ میں لگا دیئے گئے تھے، بیشک یہ کواڑ
نئے نہیں ہیں، کہنگی اور دستبردِ زمانہ کے بہت سے بدیہی آثار ان پر نمودار ہیں، دِلے چور چور ہو گئے ہیں، بہت سا
ی کام ضائع ہو چکا ہے، بدنما بھدی مرمت لکڑی کی چھپڑیوں، ٹکڑوں اور لوہے سے کر دی گئی ہے (سب سے
لمہ یہ کہ) مشرق و مغرب کے اتصال کی عجیب و غریب کڑی یہاں بھی جلوہ فرما ہے، یعنی اُن پرانے کواڑوں پر گھوڑ
ل کثیر تعداد میں، کیلوں سے جڑے ہیں[2]"

یورپ کے ہنرمندوں نے کامل غور و فکر اور تجربہ کے بعد اپنی کثیر الاجتماع محفلوں اور درباروں کے لئے آمفی
لٹر اور کونسل ہال کے واسطے نعل کی شکل کی عمارتیں پسند و اختیار فرمائی ہیں، کیا اس انتخاب و قرارداد میں آپ
ۂ خسرو کی نعل والی رسم کی ذراسی بھی جھلک دیکھتے، یا اس سے کچھ دور کا لگاؤ تجویز فرماتے ہیں،

رسمی معذرت و عفو خواہی کی ضرورت نہیں، بعض شرق نواز شرفا کی خفیف سی غلط رائی و غلط آرائی سے
لاف و گریز پر بر خود غلط مقبول مجبور تھا، ورنہ ان فرزانگانِ فرنگ کی تحقیق پسندی اور علم دوستی کا کون ناحسان
شناس قائل نہ ہوگا، جو غیر ملک، غیر قوم، غیر زبان کی ایسی گران ارز خدمت فرما رہے ہیں، اپنے اوقاتِ عزیز کی ساعات
ست میں جتنا غور کرتا ہوں، ان کی کرامتِ نفس کمال عظمت و عزت میرے دل میں بڑھتی جاتی ہے،

---

[1] مسٹر ڈنکن فرماتے ہیں کہ جیمس فرگسن دنیا میں، عصر حاضرہ کا علم تعمیر و آثار کا سب سے بڑا ماہر اور مستند شخص تھا، اسکی "تاریخ تعمیر"
ذاب اور یادگار زمانہ ہے، دوسری کتاب "ہندوستانی اور مشرقی تعمیرات کی تاریخ" بیش بہا ہے ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا،
رہ ہینڈ بک، صفحہ ۱۰۷ - نوٹ) [2] فرینچ صاحب کا سفرنامہ، صفحہ ۱۲۹ نوٹ، آگرہ و نواح آگرہ)

سلطان خسرو کی وفات کا قطعۂ تاریخ روضہ کے اندر گنبد کے قریب حاشیہ کے دور میں تحریر ہے۔

آہ، افسوس آسمان را سیرت بیداد شد — آتشِ آہ کا بچوں نجم آمد در شد
زندگی زد خیمہ بیروں از دیارِ خرمی — دیدہ چوں بنیادِ عالم را خراب آباد شد
اہل را و باش اندا آگاہ از فلک کہ حادثِ او — ہر کجا زد شعلۂ خاکستر ش بر باد شد
گلبنے ہر جا کہ بینی برگ ریز اندر پے است — بلبلِ این باغ بودن مصلحت ناباد شد
گل عذارے را طراوت جیست کہ از خار مرگ — از پئے چاک قبا صد سوزن فولاد شد
چوں بہ لب رانم حدیثے را کہ می سوزد بہ آہ — مشکل است اما جہاں تا ہست ایں معتاد شد
آں گل رعنا کہ بود آرائے گلشن صد دریغ — عندلیبان را بہ رنگ و بوئے او دل شاد شد
چاک پیراہن شدہ از خارِ قضا در باغِ عمر — ہم زمیں بگریست ہم از آسمان فریاد شد
شد قبا بر قامتِ مردم قبا در ماتمش — شاہ خسرو در بہشت خلد چوں دلشاد شد
آں تنِ نازک کہ بر وے بود پیراہن گراں — در تہ خاکِ جفا افسوس مستعداد شد
شد غریقِ رحمتِ حق چوں ولیِ پاک بود — خاص درگاہِ خدا او شد مرید شاد شد
مسمی ارشد سالِ فوتش "فیضِ لائق" باز گو — صفۂ جنت ز جانِ پاک او آباد شد

(کتبہ سعادت سرہندی)

خسرو کا تذکرہ نویس حال، خسرو کے وہ چند تاریخ نگار یا اس کو حیات جاوید بخشنے والے شاہ کا بھی شکر گزار و منت پذیر ہے۔

ہائے شوقِ جستجو کو کیا کروں — سب پہ ہے قصہ ان کا ندارد بھی کیا

یہ تسلیم ہے کہ منشی کا نام شوق کے زمرہ میں پایا نہیں جاتا میں نے خود بہت سے مطبوعہ و مخطوطہ تذکروں میں تلاش کیا، نام ... چند وسیع مختصر تذکرہ ... وغیرہ ... تمیز کی کوشش ... وغیرہ

فرمائی، سعی ناشکور ثابت ہوئی، نواب والا جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، صدر یار جنگ بہادر اپنے ملاطفہ عالی میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"میں اول مرتبہ الہ آباد اس وقت حاضر ہوا تھا جبکہ مسلم بورڈنگ کا سنگ بنیاد مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم کے زیر اہتمام رکھا گیا تھا، اس موقع پر پہلی دفعہ خسرو باغ دیکھا، تاریخ پڑھی، نقل کی، اب تک محفوظ ہے، کبھی کبھی نظر بھی پڑ جاتی ہے، جب سے اب تک سلمی ارشد والا مصرع کھٹکتا ہی رہا"

گرامی نامہ کو پڑھکر مزید کاوش کی بے ڈھنگا ہی رہا، ایک شاہزادہ کی تاریخ فوت "فیض لائق" واقعۂ رحلت سے کیا مناسبت رکھتی ہے، میرا قاصر ذہن اس کے فہم سے عاجز ہے، پھر ارشد، بازگوکی کھیت، بھرتی ہی بھرتی ہے، اب "لفظ سلمی" سامنے آتا ہے، بفتح سین الکسر میم تخلص ہے تو یہ نسبت کس طرف ہے، کوئی مناسب معنی سَلم کے نظر سے نہیں گذرے، بکسر سین و میم ہے، تو البتہ سِلم بمعنی صلح یا اسلام کی طرف نسبت ہو سکتی ہے، بہرحال پیش نظر تذکرے اس تخلص سے خالی ہیں، ریاض الشعراء داغستانی، مخزن الغرائب، تذکرہ حسین دوست سنبھلی، مرأۃ الخیال، صبح گلشن دیکھے گئے، کسی میں یہ تخلص نہ پایا، اگر سلمٰی ہے تو کسی بی بی کا تخلص ہو سکتا ہے، کیا ضرورت ہے کہ جس کی تاریخ ایک معتوب شاہزادے کے مقبرے پر کندہ ہو جائے وہ بانام و نشان شاعر بھی ہو، قابل تذکرہ، رہا یورپین میدانِ سخن، وہ مجموعۂ خرافات ہے سوائے تخلص کے کوئی اور لفظ یہاں آ ہی نہیں سکتا،

میں ان جامع تذکروں کی فہرست میں شیخ محمد افضل سرخوش دہلوی کی مبسوط و مشہور تالیف کلمات الشعراء کو بھی داخل کرنا چاہتا ہوں جو ۱۰۹۵ھ میں شروع ہو کر ایک قرن ممتد کی مسلسل محنت و عرق ریزی سے بارہویں صدی کے عشرۂ دوم میں مکمل ہوا تھا، اس میں جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد کے تمام مستند شعرا کے حالات مندرج ہیں، سرخوش کا دعویٰ ہے[1]

داخل اہل سخن نیست بہ پیشِ دانا آنکہ نامش نہ بود در کلمات الشعرا

---

[1] خزانۂ عامرہ، صفحہ ۲۶۳ نولکشوری،

وہ بھی سلمی کو اس سخن کی صف میں جگہ نہیں دیتے، تذکرے لیتے ہیں یہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تذکروں ید بیضا
اور سرو آزاد میں جو فی الجملہ جامع ہر صنف کے شعراء کے حالات پر حاوی ہیں، اس کا ذکر نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ تاریخ
کی حیثیت سے ان کا پایہ اس وقت (۱۰۳۱ھ = ۱۶۲۲ء) میں رہا، اس کے بعد بھی چنداں بلند نہ رہا ہو، تاہم یہ بھی اعتراف حقیقت
ہوگا کہ ایک بادشاہزادہ کی موت کی تاریخ "فیض رائق" کسی طرح قابل داد نہیں ہو سکتی، لیکن دوسرا مصرع تاریخ بلکہ
پورا قطعہ، زبان کی لوچ، خیال کی برجستگی، بیان کے زور، حسرت و درد کا نقشہ اور دل کی چوٹ دکھانے کے اعتبار
سے کس سے کم ہے، جس نے ان کے عنفوان شباب میں باوجود نو مشقی و کمی مہارت ایک معتبر بادشاہ [illegible] بادشاہی عمارت
ایک عالی مرتبت سلطان کے مرقد پر جگہ پائی، واقعہ یہ ہے کہ سلمی نے ایک دوسری حیثیت سے شہرت و نمود حاصل کی تھی
صاحب مخبر الواصلین، سید محمد فاضل[2] ان بزرگ کا پورا نام و نشان دیا ہے، سلمی ہندی سرمست خاں اور سال وفات [illegible]
بتاتے ہیں[3]، یہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا، ظاہر ہے کہ خسرو کے مرنے کے وقت سلمی محض نوخیز جوان رہے ہوں گے
ساتھ ہی دلخستہ و جگر ریش، زمانہ کی سردی و گرمی سے کم آشنا، تلخی ناچشیدہ، دنیا سے دل ہٹا کے گوشہ نشین ہو گئے
ہونگے، زہد و ریاضت میں مشغول، اپنے قطعہ میں وہ دردبھری باتیں کہہ گئے ہیں جو سن رسیدہ باکمالوں کو بھی
نہیں سوجھتیں، وہ خدمت بجا لائے ہیں جس کی انجام دہی کی جرأت کسی صاحب اہل قلم کو نہیں ہو سکتی تھی، سید
فاضل کیسے مرتبہ شناس نے جب دنیا بھر کے مشائخ اور اہل اللہ کو یاد کیا اور ہر ایک کی وفات کی تاریخیں نکالیں تو
شہرت و نمود سے گریزاں و نفور انسان کے متعلق تین قطعے لکھے، سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، یہ شعر قابل دید ہے

(۱) سلمی ہندی کہ سخن سنج بود — رفت از دہر [illegible]

(۲) مست مے وحدت سلمی بود مست — [illegible]

---

[1] تاریخ جہانگیر از گلیڈون صفحہ [illegible] [2] [illegible]
[illegible] (۱۶۹۶ء) میں وفات پائی، یہ کتاب میں [illegible] تک [illegible] تاریخ وفات [illegible]
ص ۵۰، [3] صفحہ [illegible] مصنفہ [illegible]

(۳) چہ در دنیا و عقبےٰ جز خدا و مصطفےٰ ہرگز ندارد التجا و تکیہ بر کس سلمیٰ ہندی

(۴) بماہ صوم تاریخ وصال آں سخن آرا بگفتا ہاتف سِم بودہ خدا رس سلمی ہندی

پہلے اور چوتھے شعر کے پہلے مصرعوں کو میں نے کئی بار پڑھا، "سخن سنج" و "سخن آرا" سلمی کی شاعری کا درجہ مجھے نہایت ممتاز و رفیع نظر آتا ہے، ان کے صلاح و تقوی، بزرگی و مشیخت کیساتھ ان کا کمال و کلام بھی مسلم ہے، ملّا کا لقب اس دور میں اکابر علماء و فضلا کے لیے مخصوص تھا، کون تھے؟ کہاں کے تھے؟ یہ مراحل ہنوز جلبابِ خفا میں ہیں، قرینہ مقتضی ہے کہ بلادِ دکن کو ان کے توطن اور بود و باش کا شرف حاصل رہا ہوگا، اگر اطرافِ الٰہ آباد کے ہوتے تو ان کی شہرت و بلند نامی کا کچھ نہ کچھ نشان اب تک ضرور باقی رہتا[1]،

[1] فقیر ہیچمدان یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ خان سرمست کا یہ تخلص یا لقب نسبی امتیاز سے وابستہ تھا، یا انتسابی سے، نسب کا علو و تعلق فریدون کے پسر بزرگ سَلم تک پہنچتا ہے اور انتساب کی برتری و اعزاز صوفیہ صافیہ کے ایک مشہور اور پرانے خانوادے "سُلمی" تک جسکو غالباً صحابی جلیل حضرت سَلمان فارسی سے شرف اختصاص حاصل ہے، اس سلسلہ کے چند برگزیدہ شیوخ کے نام مولینا فریدالدین عطار کی لاجواب کتاب، اور درویش صفت صوفی مشرب پروفیسر نکلسن کے مایۂ ناز کارنامے "تذکرۃ الاولیا" (مطبوعہ لائیڈن، ہولانڈ سنہ ۱۹۰۵ میلادی) میں جابجا ملتے ہیں، (۱) عطار سلمی، ان میں متقدم الایام پائے جاتے ہیں، جنھوں نے بعض بعض باتیں عبداللہ مبارک کے حوالہ سے اور بعض خود ابراہیم ادہم سے نقل کی ہیں، (صفحہ ۹۶) (۲) احمد سَلمی، ذوالنون کے معاصر و معتقد تھے، (صفحہ ۱۲۱) (۳) عبداللہ سلمی نے وصیت کی تھی کہ میں جب مروں تو ابو حفص حداد کے پانوں پر میرا سر رکھدیا جائے، جنکا حضرت جنید بھی ادب کرتے تھے، (صفحہ ۳۳۱) ان صورتوں اور اعزازوں کے علاوہ جو نواب محتشم نے تحریر فرمائے ہیں، اس لفظ کی ایک صورت اور بھی ہوسکتی ہے "سُلمیٌ" ابو عبدالرحمن السُّلمی (ف ۴۱۲ھ و تمہید انگریزی ۱-۸) جس کی زندۂ جاوداں مثال موجود ہیں، مگر وزن شعر اس کو قبول نہیں کرتا،

متصوفین کے سوا عرب کے شاعروں میں بھی یہ نام و لقب اور اس لفظ (سَلم) کے بعض مشتقات و مصروفات و منسوبات بہت محبوب و رائج تھے، نامور کاتب عبداللہ بن مُسلم ابن قتیبہ کی "طبقات الشعراء" (مطبوعہ لیڈن، سنہ ۱۹۰۲ء) میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جیسے عُقبہ بن سَلم (صفحہ ۷۷۴) اور سعید بن سَلم (صفحہ ۵۳۱) وغیرہ، اشجع السلمی (۵۶۲) کے حالات واضح ہے کہ سلمیون کا خاندان برامکہ عجم کا قرابتدار تھا،

صحابہ (سیرۃ النبی ج ۳ ص ۲۵۰ و ۲۵۳) میں بھی حضرت عمرو عتبہ سلمی اور عتبہ بن عبد السلمی کے نام ملتے ہیں، نیز حجاج بن علاط السلمی کا (المستطرف جزء دوم صفحہ ۳۳۱)

شاہی کتابخانہ رامپور کے آلاتِ ہیئت

از

جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی نائب ناظم کتبخانہ شاہی رامپور

معارف کے گذشتہ نمبر میں لاہور کے فلکی آلات سازوں پر جو مضمون شائع ہوا ہے، اوسکی تقریب سے ریاست رامپور کے شاہی کتبخانہ میں ہیئت و فلکیات کے جو آلات اس وقت موجود ہیں ان پر ایک سرسری تبصرہ ناظرین معارف کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگا،

کتبخانہ مذکور میں اس وقت اس قسم کے نو مختلف آلات ہیں جن کا ذکر بترتیب ذیل میں کیا جاتا ہے،

ذیل

۱- اصطرلاب نمبر۱ | پیتل کا بنا ہوا ہے، علامات و حروف اصطلاحی و اسماء سب بخط کوفی ہیں ۶½ انچ کا قطر ہے ۲½ انچ قطر کا جوف میں خلا ہے، جسمیں ۸ باریک پرت اسی دھات کے تلے اوپر رکھے ہوئے ہیں، [illegible] دونو جانب نقوش و خطوط سے پُر ہیں، ان پرتوں کے اوپر ایک ہلالی شکل کا اور پرت ہے جس کے وسط میں بڑی شکل تراشی گئی ہے [illegible] کے نام کندہ ہیں، اور یہ گردش کر سکتے ہیں، وسط میں ایک سوراخ ہے جس میں ایک کیل پڑی ہوئی ہے [illegible] سرا موٹا ہے جس کے باعث یہ [illegible] نہیں گذر سکتی [illegible] دیا جائے، تو وہ قفل کا کام دیتا ہے،

پشت کے بالائی حصہ پر بخط کوفی صانع کا نام [illegible] منقوش ہیں -

صَنَعَهُ الشر [illegible] بدمشق سنة [illegible]

یہ تمام حروف غیر منقوط ہیں، چونکہ تاریخ بلحاظ حروف ابجد لکھی گئی ہے، اس لئے حساب کرنے سے ۶۱۵ھ

برآمد ہوتے ہیں،

۲- اصطرلاب نمبر۲- | پیتل کا بنا ہوا ہے، علامات و حروف اصطلاحی واسماء وغیرہ بخط نسخ کندہ ہیں، ۵ انچ کا قطر ہے جوف میں ۴¼ انچ قطر کا خلا ہے، جسمیں ۵ پرت پیتل ہی کے نیچے اوپر رکھے گئے ہیں، اور ہر دو جانب منقوش ہیں اس اصطرلاب کے بالائی ہلالی شکل کے پرت میں پھولدار جالی تراشی گئی ہے، پشت پر وسط میں بخط نسخ صانع کا نام اور تاریخ کتابت منقوش ہے، جس کے حروف گھومنے والے حصہ کو بے احتیاطی سے چکر دینے کے باعث کہین کہین سے محو ہو گئے ہیں، عبارت یہ ہے:-

عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قاسم[1] محمد بن ملا عیسی بن شیخ الهداد[2] فی ۱۰۷۴ھ

۳- کرہ افلاک خورد نمبر۱ | یہ کرہ مسی ہے، تمام علامات ہیئت اور تحریریں بخط کوفی کندہ ہیں، اس کرہ میں ستارون کے نام، اور اون کے مقامات ظاہر کئے گئے ہیں، ہر ستارہ کے جائے وقوع پر کرہ میں کسی دوسری سفید دھات کی باریک کیلین جڑ کر ہموار کر دی گئی ہیں، کرہ کو ایک مسی گھیرا محیط ہے، یہ گھیرا اسٹینڈ پر رکھا گیا ہے، اسٹینڈ کے چار پائے ہیں، کرہ کا قطر ۲ انچ کے قریب ہے، اور اسٹینڈ کی اونچائی ۲¾ انچ ہے،

کرہ پر ایک جانب ۵ سطرون پر بخط کوفی یہ عبارت کندہ ہے،

سطر نمبر۱ رسمت هذه الکواکب بعد زیادة اطوالهما.

سطر نمبر۲ رکا علی ما فی صور الی الحسن عبد الرحمن.

سطر نمبر۳ الکوفی سنه ضلل الهجرة وص ۵ ۰

سطر نمبر۴ الرحوده دغ ذل و.

---

[1] یہ نام غالباً قاسم محمد ہے، (عرشی) معارف:- قاسم محمد ہے۔ [2] یہ نام یا الهداد ہے، اور یا الهدی، (عرشی)

معارف:- الهداد صحیح ہے،

سطر نمبر ۵ الاسکندر.

دوسری جانب یہ عبارت ۳ سطرون مین منقوش ہے:-

سطر نمبر ۱ صنعه محمد بن جعفر

سطر نمبر ۲ بن عمر الاسطرلابی.

سطر نمبر ۳ الملقب بجلال.

یہ دونون تحریرین غیر منقوط ہین اور تاریخ حروف ابجد کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے، ہم نے ان عبارتون کو اس طرح پڑھا ہے، رسمت هذه الكواكب بعد زيادة اعوالهمارة على ما في صور ابي الحسين، عبدالرحمن الكوفي في سنة ثلد (۴۳۳ھ) الهجرية وص ه (۴۰۴) يزدجردية وخ ذ ل و (۱۶۳۴ھ) الاسكندرية.

صنعه محمد بن جعفر بن عمر الاصطرلابي الملقب بجلال

اسٹینڈ کی شکل یہ ہے:-

حصہ ب پر بخط نسخ یہ عبارت کندہ ہے:- صاحب سابق بوستانجی باشی [illegible] اس سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ کرہ ٹرکی مین بھی رہ چکا ہے،

۴- کرۂ افلاک متوسط نمبر ۲ | یہ کرہ پیتل کا بنا ہوا ہے اس مین ستارون کے نام ان کی مفروضہ شکل اور جائے وقوع وغیرہ بیان کئے گئے ہین، نام برجون کے بخط نستعلیق در حروف ابجدیہ بخط نسخ ہین ستارون کی جگہ نشان کے واسطے سفید نگینے جڑ دیئے گئے ہین [illegible]

[illegible]

[illegible]

ف معارف [illegible]

۵۔ کرۂ افلاک نمبر۴ کلان کرہ تانبے کا بنا ہوا ہے، اسمین ۱۲ برجون کے نام جاری و قورع اور اختلاف موسم وغیرہ کو ظاہر کیا گیا ہے، کرہ پر اسما وغیرہ بخط نستعلیق اور اسٹینڈ کے اوپر کے گھیرے پر بخط نسخ کندہ ہیں، اس کرہ کے چار پائے ہیں، جنکے نیچے کے سرے شیر کے پنجے نکے مشابہ ہیں، تاریخ کتابت اور صانع کا نام کندہ نہین ہے، لیکن اسٹینڈ کی شکل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ وین صدی عیسوی کی یورپ کی ساخت ہے، ممکن ہے کہ اسٹینڈ دوسرا ہو، کرہ کا قطر ۶ انچ کے قریب ہے، اور اسٹینڈ کی اونچائی $16\frac{1}{2}$ انچ ہے،

۶۔ کرۂ افلاک نمبر۵ یہ کرہ دفتی کا بنا ہوا ہے، سندھ کی ساخت ہے، اسمین اشکال و اسما اور مواقع نجوم ظاہر کئے گئے ہین، اسما بخط انگریزی ہین،

۷۔ ربع مجیب نمبر۱ پیتل کی ساخت ہے، ۲ انچ لمبائی اور ۲ انچ چوڑائی ہے، تاریخ صنعت ۱۲۷۳ھ بالائی گوشۂ راست پر بخط نسخ اور صانع کا نام عبدہٗ جمال الدین محمد صالح علی الحسینی عفی عنہ بالائی گوشۂ چپ پر بخط مذکور کندہ ہین، اس آلہ کے حروف اصطلاحی وغیرہ بخط نستعلیق کندہ کئے گئے ہین،

۸۔ ربع مجیب نمبر۲ یہ آلہ لکڑی کے پالش شدہ تختہ پر بنایا گیا ہے، پالش زرد اور تحریر سیاہ ہے، حروف بخط نستعلیق اور عبارت بزبان فارسی ہے، صانع کا نام مرزا افضل علی عامل ہے، تاریخ صنعت ندارد، ۵۰ سال سے اوس طرف کا معلوم ہوتا ہے،

۹۔ دوامی جنتری یہ آلہ پیتل کے ایک گول ٹکڑے پر بنایا گیا ہے، جس کا قطر ۱۴ انچ ہے، وسط مین $2\frac{1}{2}$ انچ قطر کا خلا ہے، جسمین ایک گول پرت رکھا ہے، یہ پرت گردش کرتا ہے، اس پرت کے وسط مین ایک تیسرا پرت ہے، پرت نمبر۱ پر انگریزی مہینون کے نام، نمبر۲ پر ہندوستانی دنون کے نام اور نمبر۳ پر تاریخین ظاہر کرنے والے اعداد ۱ سے لیکر ۳۱ تک اور ہندی اور انگریزی مہینون کے نام منقوش ہین،

پشت پر بروج دوازدہ کے اسمار اور کچھ نجومی اصطلاحات منقوش ہین، حروف و اسمار بخط نستعلیق کندہ ہین، شکم کے بالائی حصہ پر یہ عبارت کندہ ہے،

از عمل دہر محمد اختر ح نوجوتشی سمبت ۱۹۱۸

پشت کے بالائی حصہ پر یہ عبارت منقوش ہے:-

برائے نظر (نذر) خداوند نعمت حضور فیض گنجور مہاراجہ صاحب بہادر،

تلخیص و تبصرہ

اسلام کے قرونِ وسطیٰ مین ساہوکاری کی ابتدا

یہ مضمون جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے دو نمبرون (اپریل و جولائی ۱۹۲۳ء) مین شائع ہوا ہے، پہلے حصہ کی تلخیص معارف ماہ جولائی ۲۳ئہ مین گذر چکی ہی، دوسرے حصے کا خلاصہ سطور ذیل مین پیش کیا جاتا ہی،

جہابذۃ الحضرہ (COURT BANKERS) کی حیثیت سے یوسف بن فنیحاس اور ہارون بن عمران کا کاروبار خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل مدات پر مشتمل تھا،

۱۔ مالی کاروبار:۔ (الف) سرمایہ کا انتظام، (ب) سرمایہ کی ترسیل، (ج) سرمایہ کی فراہمی،

۲۔ تجارتی کاروبار،

(۱) الف:۔ سرمایہ کا انتظام | دسوین صدی کے عرب ماخذون سے معلوم ہوتا ہی، کہ اس زمانہ مین لوگون کو دولت جمع کرنیکی حرص بہت زیادہ تھی، ساتھ ہی ساتھ اس کے تلف ہو جانے کا خطرہ بھی بہت تھا، حکومت کے عہدہ دارون اور تاجرون کو اس بات کا اندیشہ رہتا تھا، کہ ان کی دولت حکومت کی طرف سے ضبط نہ کرلی جائے، اس خطرہ کی وجہ سے لوگ اپنے سرمایہ کو کسی محفوظ مقام پر رکھ دینا چاہتے تھے، چنانچہ اس کے لئے طرح طرح کی تدبیرین اختیار کرتے تھے، ہونیاندی کو زمین کے نیچے دفن کر دیتے تھے، کنوئین مین، حوضون مین، کھیتون، اور کپڑون مین چھپا دیتے تھے، بعض اوقات [illegible] دیتے تھے، غیر منقولہ جائدادون [illegible] کو وقت ضرورت کے لئے محفوظ [illegible]

اپنی دولت کو زمین میں دفن کرنے یا کسی اور جگہ چھپا کر رکھنے کے علاوہ لوگوں نے اُسے سربرآوردہ اشخاص، تجار اور پیشہ ور ساہوکاروں کے پاس رکھنا شروع کیا، یہ تدبیر بڑے بڑے عہدہ دار اور خلفاء کے وزیر اختیار کرتے تھے۔ اسی لئے عام لوگ بھی ان ساہوکاروں کو قابلِ اعتماد سمجھ کر اپنی دولت اُن کے پاس جمع کردیتے تھے، مقتدر کے زمانہ کے ہر وزیر کا دستور تھا، کہ وہ اپنا ایک خاص ساہوکار رکھتا تھا، اس امر کی احتیاط کی جاتی تھی، کہ جو سرمایہ ان ساہوکاروں کے پاس جمع کیا جائے، وہ اُن کے کھاتہ میں درج نہ ہو، چنانچہ وزیر ابن الفرات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ اوس نے پوشیدہ طور پر بڑی بڑی رقمیں تاجروں اور ساہوکاروں کے پاس جمع کی تھیں، اسی طرح ایک دوسرے عہدہ دار نے بھی حفاظت کے خیال سے دس ہزار دینار ایک ساہوکار کے پاس جمع کر دیے تھے لیکن اس رقم کو کھاتہ میں درج نہیں کرایا، وزیر حامد بن عباس نے بھی ایک لاکھ دینار شرح ابراہیم ابن یوحنا جہبذ کے پاس جمع کئے تھے، یوسف بن فینحاس اور ہارون بن عمران جہابذۃ الحضرۃ ہونے کی حیثیت سے خاص طور پر قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے، اور ان کے پاس اس قسم کے سرمایے جمع کئے جاتے تھے، ان سے کاروبار کرنے والے زیادہ تر وزرا، ہوتے تھے خصوصاً ابن الفرات کا کاروبار ان سے سب سے زیادہ تھا، چنانچہ اپنی معزولی کے بعد ابن الفرات کو اقبال کرنا پڑا کہ اوس نے مال المصادرہ کی رقم سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار ہارون بن عمران اور اس کے لڑکے کے پاس جمع کئے تھے،

(ب) سرمایہ کی ترسیل، یوسف اور ہارون نہ صرف دوسروں کا سرمایہ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے، بلکہ رقموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کا کام بھی کرتے تھے، اس زمانہ میں ہنڈی کا رواج شروع ہو گیا تھا، دسویں صدی عیسوی میں قرضہ صرف نقدی کی شکل میں نہیں، بلکہ چک کے ذریعہ سے بھی ادا کیا جاتا تھا، اس چک کو سفتجہ کہتے تھے، سفتجہ کا مقصد یہ تھا، کہ روپیہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک راستہ کے تمام خطرات سے محفوظ رہکر پہنچ جائے، چنانچہ ایک بار ایک شخص نے پانچ ہزار دینار کے سفتجہ کے ساتھ کسی دور دراز مقام کا سفر کیا، اور راوس کے ساتھ صرف ایک راہ نما اور دو ملازم تھے، صوبہ اہواز سے خلیفہ کی والدہ کے لئے تین ہزار

دینار کا بدیہ بھی سفتجہ کی شکل میں آیا تھا، جدید عرب ماخذون سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دنون سلطنت عباسیہ مین سفتجہ کا رواج عام تھا،

سفتجہ کے ذریعہ سے ترسیل زر کا طریقہ نہ صرف غیر سرکاری کاروبار مین رائج تھا، بلکہ اس سے حکومت کے مالیاتی نظام کو بھی مدد ملتی تھی، چنانچہ انھین کے ذریعہ سے سلطنت عباسیہ کے صوبون کا محصول بیت المال عامہ مین آتا تھا، ان ماخذون سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۹۱۶ء مین بغداد کے بیت المال سے فارس، اصفہان اور مشرقی صوبون سے اموال سفاتیج آتے تھے، علی بن عیسیٰ نے جو اُس وقت مصر و شام کا مہتمم مالیات تھا، ایک لاکھ سنتالیس ہزار دینار محصول سفتجہ ہی کے ذریعہ سے بغداد روانہ کیا تھا، اسی طرح صوبہ جات اہواز، فارس اور اصفہان کی زمینون کا لگان بھی بیت المال عامہ مین سفتجہ ہی کی شکل مین آتا تھا، سفتجہ کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے کا رواج اسقدر عام تھا، کہ مصنف مفاتیح العلوم اُن اصطلاحات کی شرح کرتے وقت جو حکومت عباسیہ مین رائج تھے، سفتجہ کیلئے صرف "معروفۃ" لکھکر خاموش ہوجاتا ہے،

(ج) سرمایہ کی فراہمی | چون جون خلیفہ اور سلطنت کیلئے روپیہ کی ضرورتین زیادہ ہوتی گئین، اس کی فراہمی کی جدید شکلین بھی اختیار کی جانے لگین، عامل متاجر خلیفہ کو ایک معین رقم ادا کرتا تھا، اس کے علاوہ وہ حکومت کو کچھ پیشگی بھی دیتا تھا، لیکن بعض قومون پر یہ رقمین ناکافی ثابت ہوتی تھین، اور دوسرے طریقے بھی اختیار کرنا پڑتے تھے، نئے محکمے اور جدید شعبے صرف مالی مقاصد کی بنا پر قائم کئے جاتے تھے، عہدے عموماً انھی لوگون کو دئے جاتے تھے، جو ان عہدون کے لئے سب سے زیادہ روپیے پیش کرتے تھے، شاہی زمینین فروخت کردی جاتی تھین، بعض لوگون کی جائدادین ضبط کرلی جاتی تھین، خلیفہ کے خزانۂ خاص مین جو کچھ ہوتا، نکال لیا جاتا، یہانتک کہ ناگہانی ضروریات کے لئے اُس مین کچھ باقی نہ رہتا،

غالبًا ایسے ہی وقتون مین ان یہودی ساہوکارون کی مدد سے حکومت کی مالیات کو مستحکم کرنیکی ضرورت محسوس کی گئی، ہارون بن عمران اور یوسف بن فنیحاس کے جو حالات عرب ماخذون مین دئے ہوئے ہین، اُن

بعلوم ہوتا ہے، کہ مقتدر کے زمانہ مین یہ دونون سلطنت کے خاص مہاجن تھے، سلطنت کیلئے روپیہ فراہم کرنا
ں اُن کا مخصوص کام تھا، یہ ساہوکار ضرورت کے وقت سلطنت کو قرضے دیتے تھے، تین قرضون کا خاص طور
ذکر ہے:-

۱- وزیر ابن الفرات نے اپنی پہلی وزارت کے زمانہ مین یوسف بن فنیحاس کو بلاکر قرضہ کا مطالبہ کیا،
ور یوسف کو اس کے اصرار سے ایک ماہ کیلئے قرضہ دینا پڑا،

۲- وزیر علی بن عیسیٰ نے ایک روز یوسف اور ہارون کو بلاکر کہا، کہ "ہر ماہ کے شروع مین پیدل سپاہ
کے مصارف کیلئے مجھے تیس ہزار دیناروں کی ضرورت ہوتی ہے، عموماً میرے پاس اتنی رقم مہینہ کے پہلے یا دوسرے روز
موجود نہین رہتی، لہذا مین چاہتا ہون کہ تم ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو ڈیڑھ لاکھ درہم قرضہ کے طور پر دیدیا کرو، یہ رقم مہینہ
کے اندر ہی تم کو اہواز کی مالگذاری سے مل جایا کرے گی، کیونکہ اہواز کے محاصل کا انتظام تمہارے ہی ہاتھ مین ہے،
ان محاصل کے علاوہ جو تمہارے لئے ایک مستقل ضمانت ہین، مین بیس ہزار دینار کا اضافہ مزید ضمانت کے طور پر ادا
کرتا ہون، جو ہر مہینہ حامد بن عباس سے واجب الادا ہین، یہ پہلی قسط کا معاوضہ ہو جائے گا" ان دونون ساہوکا رون
نے شروع مین تو انکار کیا، لیکن بالآخر اُنھین منظور کرنا ہی پڑا،

۳- وزیر علی بن عیسیٰ نے ۹۱۳ء مین بھی انھی ساہوکارون سے قرضہ لیا تھا، اس قرضہ کیلئے جو طریقہ
اختیار کیا گیا، وہ اس سے قبل سلطنت عباسیہ کے مالیات مین غالباً کبھی نہین برتا گیا تھا، جب وزیر علی بن عیسیٰ
کو مطالبات کی ادائی کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی، تو اوس نے تجار سے دس ہزار دینار قرض لئے اور اس قرضہ
کی ضمانت سفتجہ سے کی، جو صوبون سے آئے تھے لیکن جو اُس وقت تک واجب الادا نہ ہوئے تھے، اس قرضہ پر اوس نے
ڈیڑھ نقرئی دانق فی دینار سود دینا منظور کیا، جس سے ایک مہینہ مین ڈھائی ہزار درہم ہو جاتے تھے، یہ اقرار نامہ
یوسف بن فنیحاس، ہارون بن عمران، اور اون کے جانشینون کے ساتھ سولہ سال کی مدت کے لئے کیا گیا،
اس اقرار نامہ مین جواب سے ایک ہزار برس پہلے ہوا تھا، زمانہ حال کی ساہوکاری کے تقریباً تمام اجزاء پائے

جاتے ہین، اُن مین سے خاص حسب ذیل ہین :-

۱- حکومت کی طرف سے قرضہ کی گفتگو،

۲- سود کی ادائی،

۳- سفتجہ کو ضمانت کے طور پر دینا،

۴- حکومت کا ایک یہودی بنک سے قرضہ کا معاملہ کرنا،

(۲) تجارتی کاروبار | ان جہابذۃ الحضرۃ کے مالی کاروبار پر نظر ڈالتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ حکومت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اُن کے پاس روپیہ کہان سے آتا تھا، کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سفتجہ کو بھنا کر وہ نقد روپیہ حاصل کر لیتے تھے، پھر بھی اس قدر کثیر نقد سرمایہ کا اُن کے پاس ہر وقت موجود رہنا تعجب سے خالی نہین، آخر اُن کی دولت کے ذرائع کیا تھے، ؟

اُن کی آمدنی کا سب سے پہلا ذریعہ تو یہ تھا کہ جو رقمین حکومت کے عہدہ دار اور وزرا اُن کے پاس جمع کرتے تھے، اُن کو وہ سرمایہ کے طور پر استعمال کر کے فائدہ حاصل کرتے تھے، دوسرا ذریعہ تجارت تھا، یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ یوسف اور ہارونؔ تجارؔ کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے، ان ماخذون مین اُن کا ذکر اکثر اسی نام سے آیا ہے، تجارؔ اور جہابذۃؔ کے نامون کے فرق سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دونون یہودی تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے، اگرچہ عرب ماخذون مین صرف اُن کے مالی کاروبار کا ذکر ہے، بہرحال یہ خیال کہ وہ تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے محض تجار اور جہابذۃ کے فرق پر مبنی نہین ہے، بلکہ اس کے لئے تاریخی وجوہ بھی موجود ہین، تمام قرون وسطیٰ مین مالی اور تجارتی کاروبار ہمیشہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، مالی کاروبار دراصل تجارتی کاروبار کی ایک ارتقائی شکل ہے، اور قرون وسطیٰ کی تاریخ مین اسکی بہتیری مثالین پائی جاتی ہین، کہ مالیات کی ابتدا تجارت ہی سے ہوئی،

لیکن ایک عرب تاریخی ماخذ سے جو ابھی حال مین شایع ہوا ہے، اور جس سے ان یہودی ساہوکارون

کی حیثیت پر بہت صاف روشنی پڑتی ہے، یہ معلوم ہوتا ہی کہ روپیہ کی فراہمی کیلئے ان کا دار و مدار صرف اپنے ذاتی سرمایہ دوسرون کی امانت اور اپنے کاروبار کے منافعہ پر نہ تھا، التنوخی کی نشوار المحاضرہ جلد ثانی مین اس اقرارنامہ کے سلسلہ مین جو علی بن عیسیٰ نے ان ساہوکارون کے ساتھ قرضہ کیلئے کیا تھا حسب ذیل بیان موجود ہی:۔

کیونکہ وہ مرتے دم تک اپنے عہدون سے برطرف نہین کئے گئے، وہ عبید اللہ بن یحییٰ الخاقانی کے زمانہ مین مقرر کئے گئے تھے، تجار کی نظرون مین جہبذ کے عہدہ کی جاہ برقرار رکھنے کے خیال سے سلطان اُن کو علٰحدہ کرنا نہین چاہتا تھا، تاکہ تجار ضرورت کے وقت جہبذ کے ذریعہ سے روپیہ قرض دے سکین، اگر کوئی جہبذ نکال دیا جاتا، اور دوسرا اسکی جگہ مقرر کر دیا جاتا جس کے ساتھ تاجرون کو اوس وقت تک لین دین کا تعلق نہ ہوتا، تو خلیفہ کا کاروبار معطل ہو جاتا۔"

اس بیان سے معلوم ہوتا ہی، کہ خلیفہ کے نزدیک ان یہودی ساہوکارون کی کیسی عزت اور کیا اعتماد تھا، اور وہ دربار کیلئے کسقدر ضروری تھے خلیفہ نے اپنے پچیس ۲۵ سال کے دورِ حکومت مین پندرہ مرتبہ وزیرون کو تبدیل کیا لیکن ان ساہوکارون کو ایک مرتبہ بھی برطرف نہین کیا، اور اُن کو تاحیات برقرار رکھا، اس بیان سے ایک بات اور بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہی، وہ یہ کہ یوسف اور ہارون اپنے وقت کے دوسرے مالدار تاجرون کے اعتماد پر بھروسہ کر سکتے تھے، دربار مین اُن کی مخصوص حیثیت کا راز یہ تھا، کہ وہ اپنے عہدہ، اپنی شہرت، اپنے اعتماد و عزت، اور تجارتی حلقون مین اپنے گوناگون تعلقات کی بنا پر وہ رقمین حاصل کر سکتے تھے، جو حکومت اور دربار خلافت کی ضروریات کیلئے درکار ہوتین،

بہرحال مذکورۂ بالا بیانات سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ دسوین صدی کی ابتدا مین تاجرون اور ساہوکارون کی ایک باقاعدہ اور مرتب جماعت موجود تھی، جس کا مرکز بغداد تھا، اس جماعت کے سردار یوسف ابن فنحاس، اور ہارون بن عمران تھے، یہ دونون جہابذۃ الحضرہ تھے، اور بغداد، اہواز اور سلطنت کے دوسرے صوبون کے مالدار تاجرون سے گہرے کاروباری تعلقات رکھتے تھے، یہ سب مل کر خلافت عباسیہ کی ایک اہم معاشیاتی خدمت انجام دیتے تھے، اور بار بار حکومت کی شدید مالی ضروریات کو پورا کرکے اونھون نے اس کو تباہی سے بچانے مین مدد دی،

"ع ز"

یورپین عورتون کی مشرقی سیاحتین اور انکی یادداشتین

عنوان بالا سے الہلال مصر مین ایک مضمون آیا ہے، اس کی تلخیص دلچسپی کیلئے درج ذیل ہے،

اوّل اوّل ایک اسپینی لیڈی سلویا (SYLVIA) نے چوتھی صدی عیسوی کے اخیر مین فلسطین کا تعجب انگیز سفر کیا اور اپنے مشاہدات کی ایک یادداشت مرتب کی، جسکو ایک اسپینی راہب نے ساتوین صدی کے اخیر مین شائع کیا، اس کے ایک مدت کے بعد ۱۸۸۵ء مین ایک اور پادری نے اوسکی اشاعت کی، یہ لیڈی ایک راہبہ تھی اسلئے اوس نے گرجون، اور مذہبی رسمون اور مشرقیون کے اخلاق وعادات پر نہایت صداقت کے ساتھ لکھا ہے کہ اور یہ پہلی یورپین عورت ہے جس نے مشرق پر قلم اوٹھایا ہے،

اس کے بعد پانچوین صدی سے بارھوین صدی تک کسی یورپین لیڈی کے علمی سفر کا تذکرہ نہین ملتا، لیکن بارھوین صدی کے وسط مین ایک اٹالین عالم عراق مین علمی تحقیقات کیلئے گیا، اور چند دنون بغداد مین قیام کیا، یہان اسکی ملاقات ایک اٹالین لیڈی سے ہوئی، جو بعد کو اس کی بیوی بن گئی، اور یہی لیڈی ہے جس نے مشرق کے اطراف وجوانب کا سفر کیا، اور مشرقی قومون مین رہ کر اون کی زبان اور اخلاق ومعاشرت کا طرز سیکھا، اور ان دونون میان بیوی کے سفر نے یورپین علماء کے سامنے تحقیقات کے نئے نئے دروازے کھول دئے، اور جس طرح قدیسہ سلویا نے مشرق کے متعلق سب سے پہلے مذہبی حیثیت سے لکھا تھا، اوسی طرح اس لیڈی نے سب سے پہلے مشرق کے متعلق علمی اور تاریخی حیثیت سے لکھا،

اس کے بعد ہم درمیان کا زمانہ چھوڑکر اون لیڈیون کا ذکر کرنا چاہتے ہین جنھون نے انیسوین صدی عیسوی مین مشرق کا سفر کیا، اور اس سفر کے متعلق علمی آثار چھوڑے،

ان لیڈیون مین مستشرق بلنٹ (BLUNT) کی بیوی سب سے زیادہ نمایان شخصیت رکھتی ہے، جس نے ۱۸۷۸ء مین اپنے شوہر کے ساتھ صحرائے نجد کا سب سے پہلے سفر کیا، اور وہابیون کے مذہب

اوراخلاق کے متعلق یورپین اخبارات مین مضامین لکھے اوراس موضوع پرایک عمدہ کتاب اپنی یادگار چھوڑی،

اسی زمانے مین ایک فرنچ لیڈی ڈیولافاے (DIEULA FOY) نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ عرب کے شمالی حصہ کا سفر کیا، اوراپنے شوہر کے حکم سے مشرق کی قدیم وجدید زبانین سیکھین،

ایک اور لیڈی الکزنڈرڈیوڈنیل (ALEXANDRA DAVID NEEL) نے بلاد تبت کا سفراس وضع کے ساتھ کیا کہ اس کے جسم پر پھٹے پُرانے کپڑے اور ہاتھ مین ایک درخت کی ٹہنی تھی، جس پر ٹیک لگاکر وہ دردر کی دریوزہ گری کرتی پھرتی تھی، اور گھرون کے اندر داخل ہوجاتی تھی، اس طریقہ سے اوس نے بلاد تبت مین ۱۴ سال بسر کرکے وہان کے باشندون کی زبانین سیکھین، اوران کی تاریخ اور مذاہب ورسم ورواج کا مطالعہ کرنے کے بعد اس ملک کے متعلق ایک نہایت جامع کتاب لکھی، ایک اوراٹالین لیڈی نے پورے پانچ سال بلاد اناطولیہ مین بسر کئے، اوراپنی یادداشت مین اس ملک کے متعلق نہایت وسیع معلومات درج کین،

مشہور فرنچ عالم رنیان کی بہن کا نام بھی اس سلسلے مین خاص اہمیت رکھتا ہے، جس نے گذشتہ صدی مین ارض مقدس کا سفر کیا، اور مشرقی روح، مشرقی خصائل، اور مشرقی ذہانت کے متعلق نہایت بلیغ انداز مین لکھا،

اس کے بعد بیسوین صدی عیسوی مین جنگ عظیم سے پہلے اور جنگ عظیم کے بعد بہت سی یورپین لیڈیون نے مشرق کا سفر کیا، لیکن ان کے مقاصد سفر مین سخت اختلاف تھا، جن لیڈیون نے جنگ عظیم سے پیشتر مشرق کا سفر کیا، ان کا مقصد خالص علمی اورادبی تھا، اوراس مین مذہب اور سیاست کی آمیزش نہین تھی، لیکن جنگ عظیم کے بعد سیاست ہرچیز مین داخل ہوگئی، اس لئے اس جنگ کے بعد جن یورپین لیڈیون نے اخبار نویسون کے ساتھ مشرق کا سفر کیا، اونھون نے سب سے پہلے سیاسی اغراض پر قلم اوٹھایا، اور بغض وتعصب سے کام لیکر ان چیزون کو چھپایا، جن کا اظہار سیاسی مصلحت کے خلاف تھا، اوران چیزون کو نمایان کیا، جن کے اخفا مین کوئی سیاسی مصلحت پوشیدہ نہ تھی، چنانچہ ان لیڈیون مین میڈم جولیٹ آدم، مائرم ہاری، دی سان بوان، روزنیا فورس، اور رباوش بخیرمس میو وغیرہ ہین، جنھون نے مشرق کے متعلق بہت کچھ لکھا، لیکن ان مین سے اکثر کی تصنیفات محض سیاسی مصالح کا آئینہ ہین،

"ع"

اخبارِ علمیہ

چہرے کی ساخت

ڈاکٹر ڈسفاسس (پیرس) نے تیس سال کے ذاتی تجربہ اور صدیوں کی شہادتوں پر غور کرنے کے بعد انسانی چہرے کی ساخت کے متعلق بعض دلچسپ معلومات حاصل کئے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ مستطیل اور مثلث شکل کے چہرے انسان کی سرداری اور عظمت کی علامت ہیں، ایک اوسط درجہ کا مستطیل چہرہ مستقل تعمیری اور مردانہ قوت ارادی کو ظاہر کرتا ہے جو ایک قائد یا سردار میں پائی جاتی ہے، زمانہ حال میں پاسٹر (مشہور فرانسیسی سائنس دان) جوفرے (جنگ عظیم کا ایک برطانوی جنرل) اور فوش (جنگ عظیم کا مشہور فرانسیسی سپہ سالار) کے چہرے اسی قسم کے تھے، ایسا چہرہ عموماً سیاسی قائدوں لائق فوجی افسروں اور صنعت وحرفت کے بڑے بڑے ماہروں کا ہوتا ہے، بہترین انسانوں میں بھی اسی قسم کا چہرہ پایا جاتا ہے، زمانہ قدیم کے آرٹسٹ جوپیٹر (قدیم رومن مذہب کا سب سے بڑا خدا) کا چہرہ اسی شکل کا دکھاتے ہیں مسیحی آرٹسٹ بھی (نعوذباللہ) خدا کے چہرے کو ایسا ہی پیش کرتے ہیں، ہر زمانہ کے مصوروں اور صناعوں کو اس شکل کے چہرے کی عظمت پر اتفاق رہا ہے، مثلث شکل کا چہرہ دماغی قوت کی زیادتی کا پتہ دیتا ہے، ایسے چہرے بیشتر مفکرین کے ساتھ مخصوص ہیں، ممتاز مدبرین کے چہرے بھی عموماً اسی شکل کے ہوتے ہیں، سینٹ اغسطس، اور رچلو (مشہور فرانسیسی وزیر اعظم) کے چہرے اسی شکل کے تھے، بیضاوی شکل کے چہرے جن کے اوپر کا حصہ کسی قدر زیادہ چوڑا ہوتا ہے اعلیٰ دماغی قوت کو ظاہر کرتے ہیں، ان سے ان اشخاص کے غرور اور غیر معمولی حوصلہ کا پتہ بھی معلوم ہوتا ہے، فنیپ اسٹروزی (سولھویں صدی کا ایک فرانسیسی جنرل) اور لینن (انقلاب روس کا بانی) جو اپنے مظالم اور شقاوت میں مشہور ہیں، اسی شکل کا چہرہ رکھتے تھے، الزبتھ (ملکہ انگلستان) کا چہرہ بھی ایسا ہی تھا، وہ غیر معمولی ذہین تھی، سولہ سال

کی عمر مین فرانسیسی، اطالوی، لاطینی، اور یونانی، زبانون مین بات کر سکتی تھی، وہ نہایت تند مزاج اور حد سے زیادہ مغرور تھی، وہ معاف کرنا جانتی ہی نہ تھی، اپنے سیاسی مخالفین کو نہایت دردناک سزائین دیتی تھی، بالکل بیضاوی شکل کے چہرے زیادہ تر عورتون مین پائے جاتے ہین، یہ عموماً طبیعت کی نرمی اور مروت کو ظاہر کرتے ہین، جو چہرے زیادہ بیضاوی ہوتے ہین، اُن سے اعصاب کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، مسدس شکل کے چہرے سے جسمانی قوت اور کام کرنے کی اہلیت ظاہر ہوتی ہے، ایسے چہرے بعض ایسی نسلون مین پائے جاتے ہین، جو فطری زندگی بسر کرتے ہین، لیکن یہ تمام مذکورۂ بالا علامتین محض علامتین ہین، اور ڈاکٹر ڈسفاسس کو اعتراف ہے کہ یہ کوئی معیار نہین ہے،

مکان کو گرم رکھنے کا ایک نیا طریقہ،

اب تک مکان اور دوسری عمارتون کے گرم رکھنے کا جو طریقہ رائج تھا، اوس سے بالکل مختلف اور کہین زیادہ آسان طریقہ ڈاکٹر جیب (امریکہ) نے معلوم کیا ہے، ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ انسان کے جسم سے جو حرارت نکلتی ہے اس مین سے قریب ۴۴ فی صدی دیوارون مین داخل ہو جاتی ہے، (قریب (۲۰) فی صدی بخارات کی شکل مین نکل جاتی ہے، اور باقی مکان کی ہوا مین مل جاتی ہے، معمولی حالت مین انسان کے جسم سے اتنی حرارت خارج ہوتی ہے، کہ اوس سے ایک گھنٹہ مین قریب تین پائنٹ (قریب ڈیڑھ سیر) پانی اُبل سکتا ہے، یہ حرارت عموماً ۹½ ڈگری پر رہتی ہے، جب اس حرارت کے اخراج مین کمی واقع ہوتی ہے، تو ہم گرمی محسوس کرتے ہین، اور جب ضرورت سے زیادہ زیادتی ہو جاتی ہے، تو ہمین سردی معلوم ہونے لگتی ہے، انسانی جسم کو آرام اُسی وقت ملتا ہے، جب یہ حرارت نہ بہت زیادہ مقدار مین نکلے، اور نہ بہت کم،

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ سردی کی حالت مین گرم ہوا مین رہنے سے جسم کو زیادہ آرام ملتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی خارجی حرارت کی ضرورت نہین ہے، جو حرارت اوس کے اندر موجود ہے، وہ اس کے لئے کافی ہے، اوس کو سردی سے محفوظ رکھنے کے معنی یہ ہین، کہ اس حرارت کو

باہر نکلنے سے روک دیا جائے، اگر مکان کی دیواریں اور چھت گرم کر دی جائیں، تو حرارت کا وہ معتد بہ حصہ جو جسم سے نکل کر عام حالات میں دیواروں اور چھتوں میں داخل ہو جاتا ہے، جسم کے اندر ہی محفوظ رہے گا، اور سردی کو دفع کرنے کیلئے ہوا کو گرم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی، ڈاکٹر حبیب نے اسی اصول کے ماتحت دیواروں کو حسب خواہش گرم کر دینے کا ایک جدید طریقہ دریافت کیا ہے، وہ دیواروں میں پتلی پتلی نلکیاں لگا کر انھیں بجلی یا بھاپ کے ذریعہ سے گرم کر دیتے ہیں، اس تدبیر سے مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کرنے یا ہوا کو گرم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور تازہ ہوا ہر وقت اندر آسکتی ہے،

ایک جدید برقی ایجاد

دوسری طرف اسی امریکہ میں ایک جدید برقی مشین ایجاد ہوئی ہے، اس کے ذریعہ سے ہوا کی سردی و گرمی حسب خواہش کم و بیش کی جاسکتی ہے، امریکہ کی یہ جدید برقی ایجاد ہندوستان کے گرم میدانی خطہ میں بھی زندگی کو ایام گرما میں اتنا ہی خوشگوار بنا سکتی ہے، جتنا کہ سرد مقام پر ممکن ہے، اس برقی مشین سے ہر اُس مکان میں کام لے سکتے ہیں، جس میں برقی قوت کا خزانہ ہے، یا وہ برقی صندوق موجود ہے جس میں پھلوں اور کھانے کی دوسری چیزوں کو تازہ اور سرد رکھتے ہیں، اس ایجاد سے امریکہ نے حسب خواہش گرمی اور سردی پیدا کر لینے پر قدرت حاصل کر لی ہے، چنانچہ نیویارک کے اُنیس عظیم الشان برقی کارخانے کثیر تعداد میں یہ مشینیں تیار کر رہے ہیں، تاکہ امریکہ کے تین کروڑ گھروں کے لئے گرمی و سردی کا مسئلہ حل ہو جائے، ان مشینوں کی تیاری پر بند رہ کروڑ پونڈ صرف ہوں گے، لیکن خیال ہے کہ ایک سال کے اندر اس مشین کی قیمت اتنی کم ہو جائے گی کہ ہر وہ شخص جو مذکورہ بالا برقی صندوق خرید سکتا ہے، اوس کو بہ سہولت رکھ سکے گا، اس مشین کا تجربہ اول اول امریکہ کے ایک سینما گھر میں کیا گیا، جس کی عمارت کا اندرونی حصہ بہ نسبت دوسرے حصوں کے دفعۃً بقدر (۲۰) درجہ زیادہ سرد ہو گیا، اور سارے عمارت تماشائیوں سے بھر گئی،

کرۂ ارض کا رنگ

پروفیسر وی، ایم، سلائیفر نے حال مین رائل اسٹرانامیکل سوسائٹی لندن کے ایک جلسہ مین بیان کیا ہی کہ اگر ہم
رۂ ارض کو آسمان کی بلندی سے دیکھین تو یہ ایک نیلگون سیارہ معلوم ہوگا، پروفیسر موصوف نے اس دعوی کے ثبوت مین
ا عکس کی تصویر پیش کی ہی، جو زمین ماہتاب پر ڈالتی ہی، اس تصویر مین زمین کا وہ نیلگون رنگ قائم ہی جو ماہتاب کے آئینہ مین اترا آیا ہے
سیارہ پلوٹو (PLUTO) کا رنگ جو حال مین رصدخانہ لاول مین دریافت کیا گیا ہے سُرخی
ل ہے،

خودکشی کا پہاڑ

چند مہینون سے جاپان مین خودکشی کی ایک عجیب رو پیدا ہو گئی ہے جسمین نوجوان مرد اور عورتین سرعت کیساتھ
ی جانین تلف کر رہی ہین، ٹوکیو سے پچاس میل جنوب مغرب کی جانب جزیرہ اوشیما پر ایک کوہ آتش فشان مہارا نامی ہی
ی کو اُن نوجوانون نے اپنا مدفن قرار دیا ہے، گذشتہ فروری مین سب سے پہلے ایک مدرسہ کی لڑکی وہان جا کر مہارا کے
ہانہ مین کود پڑی، اُسکے بعد تین مہینے بھی گذرنے نہین پائے تھے، کہ بچپن نوجوانون نے اسی طرح جان دیدی، اُنکے علاوہ
ب سو پچاس ۱۵۰ بجبر اس ارادہ سے باز رکھے گئے، ایک روز سہ پہر کے وقت چھ نوجوان مردون نے اسی طریقہ سے خودکشی کر لی، پہاڑ کے
ہانہ پر جو سپاہی نگرانی کیلئے مامور ہی، اُس نے لندن ڈیلی میل کے نمایندہ سے بیان کیا کہ ہر روز کم سے کم دو آدمی ضرور دہانہ مین کودنے کی
دشش کرتے ہین،

نہ جلنے والے کپڑے

کبھی کبھی پہننے کے کپڑون مین بھی آگ لگ جاتی ہی، اور خیمے وغیرہ تو گھرون اور چھپرون کی طرح اکثر جل جایا
کرتے ہین لیکن حال مین بعض ایسے سوتی کپڑون کے بننے کا طریقہ معلوم کیا گیا ہے، جن پر آگ کا کوئی اثر نہین
ہو سکتا، اس لئے خیمے وغیرہ اب جلنے سے محفوظ رہ سکتے ہین،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مرادآبادی،

ذیل کی سادہ غزل جسمین شاعر نے ہمارے بزرگون کی پرانی بولی مین اظہار مدعا کیا ہے، کس درجہ پُراثر ہی، ضرورت ہی، کہ پُرانے متروکات مین جو الفاظ اور محاورے عمدہ اور شیرین ہین، اون کو پھر سے رواج دیا جائے،

"اڈیٹر"

کیا بتائین عشقِ ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے
یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہی،

جب نہین تم، تو تصوّر بھی تمھارا کیا ضرور
اوس سے بھی کہدو کہ یہ تکلیف کیون فرمائے ہی

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش آجائے ہی،

کس طرف جاؤن، کدھر دیکھون کسے آواز دون
اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہی،

تازیانہ

از

جناب اسد ملتانی بی اے

مارچ کے "معارف" مین شاعر کا "ترانہ شعراء" شائع ہوا تھا، جس مین شعراء کے خصائص کے بیان مین فخریہ پہلو خود بخود نمایان ہوگیا تھا، اس خودستائی کے کفارہ کے طور پر شاعر مذکور نے یہ نظم بعنوان "تازیانہ"

لکھی ہو، امید ہے کہ "ترانہ" کے بدست اس "تازیانہ" سے ہوش مین آجائین گے،

"اڈیٹر"

کب تک اے غافل یہ بے حاصل خیال آرائیان ‌ ‌ ‌ ایک گوشے مین پڑے رہ کر فلک پیمائیان
اُڑ کے پہنچے رفعتِ گردون پہ اربابِ عمل ‌ ‌ ‌ اپنے بستر ہی پہ تو لیتا رہا انگڑائیان
اپنے ہم جنسون کی صحبت سے ہمیشہ اجتناب ‌ ‌ ‌ اور نجومِ آسمان سے انجمن آرائیان
اک خیال و خواب کی دنیا مین ہے رات دن ‌ ‌ ‌ عالمِ ہستی کے ہنگامون سے بے پروائیان
رفتہ رفتہ کر کے زائل قوّتِ سعیِ عمل ‌ ‌ ‌ تجھ کو لے ڈوبین نہ تیری فکر کی گہرائیان
کب تلک؟ باغِ تصور کا تماشا کب تلک؟ ‌ ‌ ‌ کھول آنکھ اور دیکھ فطرت کی چمن آرائیان
کیون حقیقت کے سمندر کو سمجھتا ہے سراب؟ ‌ ‌ ‌ اے ترے دم سے فروغِ دینِ سوفسطائیان
تجرباتِ زندگی پر جب نہین ان کی بنا ‌ ‌ ‌ سر بسر اوہامِ باطل ہین تری دانائیان
تیری نظرون مین نہ ہو جب تک فضائے کائنات ‌ ‌ ‌ کیا کھُلین تجھ پر خود اپنی ذات کی پہنائیان
تا کہ تیرا دیدۂ باطن کرے کسبِ ضیا، ‌ ‌ ‌ دیکھ چشمِ ظاہری سے حُسن کی رعنائیان
آہ تو نے حلقۂ الفاظ تک محدود کین، ‌ ‌ ‌ حُسن کی دارائیان اور عشق کی گیرائیان

اے کہ تُو دُنیا مین ہے تفسیرِ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ،
عاقبت مین بھی تجھے حاصل نہ ہون رسوائیان

بیانِ اثر

از

جناب محمد علی خان صاحب اثر رامپوری،

بارشِ نورِ مسلسل جلوہ گاہِ دل مین ہے، ‌ ‌ ‌ کوئی مہوش آج مہمان اس لٹی منزل مین ہے

فطرتِ انسان پرستارِ تجلی کیون نہ ہو، بادۂ عشقِ ازل مینائے آب و گل مین ہے،
بیخودی مین امتیازِ وحشت و منزل تک نہین کاروان کا کاروان بھٹکا ہوا منزل مین ہے،
دیکھتے جاؤ تم انجامِ وفا کو آنکھ سے، بھر چکی ہین تیلیان، کچھ جان ابھی بسمل مین ہے،
بزمِ عالم مین نہین گر صاحبِ محفل کا نور کس کا رعبِ حسن طاری اس بھری محفل مین ہے
کر رہی ہے شمع تفسیرِ رموزِ زندگی ایک جارہ کردہ ہر ساعت نئی منزل مین ہے،
کشتیٔ طوفان زدہ اور بحرِ الفت بے کنار طالبِ ساحل عبث امیدِ لاحاصل مین ہے،
نعمتین دونون جہان کی عشق مین سب چھن گئین اک تری تصویر باقی ہے، جو میرے دل مین ہے،

خود فراموشی ہی دے گی، اے اثر ان کو جواب
پوچھتے ہین مجھ سے وہ اب کیا تمنا دل مین ہے،

سخنِ تاثیر

از

پروفیسر تاثیر، ایم اے لاہور،

حُسن کے رازِ نہان شرحِ بیان تک پہنچے آنکھ سے دل مین گئے دل سے زبان تک پہنچے
دل نے آنکھون سے کہی آنکھون نے اُس سے کہدی بات چل نکلی ہے، اب دیکھین کہان تک پہنچے
عشق پہلے ہی قدم پر ہے یقین سے واصل انتہا عقل کی یہ ہے، کہ گمان تک پہنچے،
کعبہ و دیر مین تو لوگ ہین، آتے جاتے وہ نہ لوٹے جو درِ پیرِ مغان تک پہنچے،

آنکھ سے آنکھ کہے دل سے ہون دل کی باتین
وائے وہ عرضِ تمنا جو زبان تک پہنچے،

مطبوعات جدیدہ

ہندی شاعری از جناب ڈاکٹر اعظم کریوی، حجم ۲۰۲ صفحے، لکھائی چھپائی ٹائپ کی، کاغذ عمدہ،

قیمت ۶/، پتہ:- ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد،

کتاب مذکور ایک دیباچہ اور دو بابوں مین تقسیم ہی، دیباچہ مین "مسلمان اور ہندی شاعری" اور "ہندی اور اردو زبان" پر اظہار خیال ہے، پھر پہلے باب مین بھاشا زبان کی ابتدا، دکھا کر تلسی داس اور ان کی رامائن کے چند ترجے دئے ہین، اور دوسرے باب مین ہندی زبان کے گیارہ بارہ شعراء کا سرسری تذکرہ ہے جنمین پانچ چھ باکمال مسلمان ہندی شعراء کے نام بھی ہین، اس کے بعد ہندی شاعری کا انتخاب چند عنوانون "فلسفۂ زندگی دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی" "حسن و عشق" "فلسفہ اخلاق و حسن معاشرت"، "مذمت اہل دنیا" اور "تصوف، معرفت و حقیقت" مین درج کیا ہے، لیکن ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تالیف سے نہ ہندی شاعری کا صحیح تخیل سامنے آتا ہے، نہ اس کے خصوصیات نگاہ مین آتے ہین، اور کتاب کی ترتیب بھی صحیح مذاق پر نہین ہے، اگر یہ کتاب ہندی شعراء کے تذکرہ مین نہین ہی، اس لئے بھاشا زبان کی تاریخ اور شعراء کے سوانح حیات مین جامعیت موجود نہین، تو ہندی شاعری پر تو نقد و نظر کی ضرورت تھی، اگرچہ مصنف نے چوپایون اور دوہون پر اظہار خیال بھی کیا ہے لیکن بجز بے معنی توصیفی الفاظ کے ان مین کوئی چیز موجود نہین خصوصًا ان کی تقریبًا ہر ہر چوپائی پر کوئی نہ کوئی بے معنی توصیفی فقرہ موجود ہے، جیسے سبحان اللہ کیا دلآویز تشبیہہ ہے، کیا دلکش ہی، وغیرہ، اگر ہر چوپائی اور دوہے کی تعریف و توصیف کرنے کے بجا ہی اون کی لطافتون کو آشکارا کیا جاتا، خیالات مین جو جدت ہوتی، طرز تعبیر مین جو شیرینی اور مٹھاس ہوتی، اون سب کو نمایان کیا جاتا، تو زیادہ مناسب تھا، ہندی شاعری مین ہجر و فراق کی ستائی ہوئی دکھیاری کی بڑی پُر درد کہانیان اور جذبات ہین، ہندی شاعری سے اس حصہ کو نکال لینے کے معنی اوسکی روح کو

کھینچ لیا ہی لیکن اس کتاب مین بجز بعض جگہ ضمنی تذکرہ کے اسکی تصویر کہین نہین کھینچی گئی، ہمارے نقطۂ نظر سے "منتخبات ہندی کلام" جو اس سے پہلے شائع ہو چکی تھی، وہ بھی اگرچہ نقائص سے خالی نہین جس کا تذکرہ ان صفحات مین آچکا ہے تاہم وہ ہندی شاعری کی بڑی حد تک صحیح ترجمان ہی اس موضوع پر یہ موخر الذکر تصنیف اگر اوس سے بلند پایہ نہ ہوتی تو اسے ہم پایہ تو ہونا تھا، پھر بھی ہندی شاعری سے اس وقت تک اُردو دان طبقہ بڑی حد تک نامانوس رہا ہے، اس لئے اوس کے متعلق اردو رسم خط مین جو کچھ بھی ملجائے، بسا غنیمت ہے ہم جناب ڈاکٹر اعظم کریوی کو مشورہ دین گے، کہ وہ چونکہ ایک اچھے ہندی دان ہین، اور اردو کے بھی صاحب قلم ہین، اگر وہ اس قسم کی تصنیف کے بجائے کسی ایک دور کے ہندی شعراء کا تذکرہ اور منتخب کلام مرتب کرین، یا کسی ایک ہندی شاعر کو اردو مین مکمل طور پر پیش کرین، تو وہ ایک مفید خدمت انجام دین گے، اور ایسے کام اردو زبان کے ایسے ہی اہل قلم انجام دیسکتے ہین،

تاریخ عجیب از جناب شیر محمد صاحب کاکوروی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحے، قیمت ۴ر ایس ایچ شیر محمد مشین سا دیرزہ مرچنٹ، نظیر آباد لکھنؤ،

کہا جاتا ہی کہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضنے کبھی سر کے بال تراشے تھے، اسی مناسبت سے حلاقون کی برادری مین حضرت موصوف کا نام گرامی بطور استاذ لیا جاتا ہے، زیر نظر رسالہ اسی تقریب سے موصوف کے مختصر سوانح حیات مین ہی جس مین حجامت کے پیشہ اوس کے لوازم، قیود، شرائط وغیرہ کا تذکرہ بھی آیا ہے، رسالہ کی ترتیب کا مقصود اس انتساب سے اس پیشہ کی وقعت وعزت بڑھانا ہے، اور مسلمانون مین اس پیشہ ور کو جس حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس کو دور کرکے اسلامی مساوات کو پیش کرنا ہے،

سرمایۂ صحت، از جناب حکیم حافظ یوسف حسن خان صاحب سوری، حجم ۱۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۴ر مؤلف سے بہار شریف ضلع پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

اس رسالہ میں چھوٹے بچوں کو حفظان صحت کے اصول، امراض، اور ان سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، رسالہ کی زبان کسی قدر اور آسان ہوتی تو مناسب تھا،

ہدایۃ الوریٰ فی تشریح الربوٰ، از مولٰنا محمد نقی صاحب صدر مدرس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں، ضلع ناسک (بمبئی) حجم ۲۶ صفحے، قیمت ۲ر پتہ:۔ انجمن اصلاح المسلمین مالیگاؤں ضلع ناسک (بمبئی)

اس رسالہ میں سود کی حرمت کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور آخر میں دکھایا ہے کہ ہندوستان دارالحرب کی تعریف میں داخل نہیں، اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سودی لین دین جائز نہیں، سب سے آخر میں سودخواری کی وعیدیں نقل کیگئی ہیں،

پانصد دُرِ نادر، از جناب محمد حسین خانصاحب بی اے، ناشر جناب سید حمید خان بستی نو جالندھر، چھوٹی تقطیع کے ۱۰۰ صفحے، قیمت درج نہین،

یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس مین مختلف صحابہؓ، صوفیہؒ، اور اکابر اسلام کے ایسے پانچ سو مقولے جمع کئے گئے ہین، جو حکمت و موعظت مین ہین، رسالہ کی ترتیب ابواب یا عنوان پر نہین ہے، مقولے ہر قائل کے نام کے نیچے درج کر دئے گئے ہین،

دلیل القاری علیٰ کلام الباری (عربی) از مولوی ابوالوفار صاحب، محمود حیدر آبادی، ۸۰ صفحے، قیمت باعتبار کاغذ ۸ر ۱۲ر پتہ:۔ معتمد مجلس احیاء العلوم، حیدر آباد، دکن،

یہ رسالہ علم تجوید و قرأت مین ہے، جسمین مختصر طور پر اس کے اصول و قواعد بیان ہوئے ہین،

اربعین عندلیب از مولوی عبدالوہاب صاحب، عندلیب، ۱۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ، دفتر الواعظ شاہ علی بنڈہ، حیدر آباد دکن،

"اربعین عندلیب" چالیس حدیثون اور اون کے منظوم ترجمون پر مشتمل ہے، رسالہ کے سرورق پر "امتحان و ابتلا، صبر و رضا، انس و محبت" کا عنوان درج ہے، لیکن رسالہ مین مندرجہ احادیث ان سے مختلف موضوع طلب علم، صدق و صفا، اور حسن اخلاق وغیرہ پر ہین، شاید رسالہ کا سرورق بدل گیا ہو،

"س"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۴ صفحے قیمت [illegible]

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت [illegible]

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور انکے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۵۰ صفحے قیمت [illegible] از مولنا سید عبدالحی صاحب مرحوم

مکاتیب شبلی، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جسمیں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم، قیمت جلد اول [illegible] جلد دوم [illegible] ضخامت حصہ اول ۳۴۹ صفحے، دوم ۲۶۱ صفحے،

موازنہ انیس و دبیر، اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت [illegible] روپے،

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے قیمت [illegible]

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت [illegible] ضخامت ۲۵۰ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی جسمیں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ [illegible] انداز میں بیان کی گئی ہے، [illegible] کے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں،

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

...یخ صقلیہ جلد اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو
...ک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و
...کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے دنیا
...مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا
...ں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور
...تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہو
...سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر
...ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی کی وجہ...
...پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد
...دون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و
...صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی
...دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۲۶ صفحے کاغذ اور
...ی چھپائی اعلیٰ، قیمت: للعہ

...ض القرآن حصہ اول۔ عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد،
...سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ
...طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات
...یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ
...تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے طبع دوم
...ت ۳۲۴ صفحے، قیمت ؏

...حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر
...ان میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم لوط، بنو اسمٰعیل
اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ
اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث،
ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت ؏، طبع دوم،

رقعات عالمگیر، اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات
جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک معززین کے نام لکھے
گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم ادب
سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف
ہوتا ہے ضخامت ۲۰۵ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص
ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت للعہ

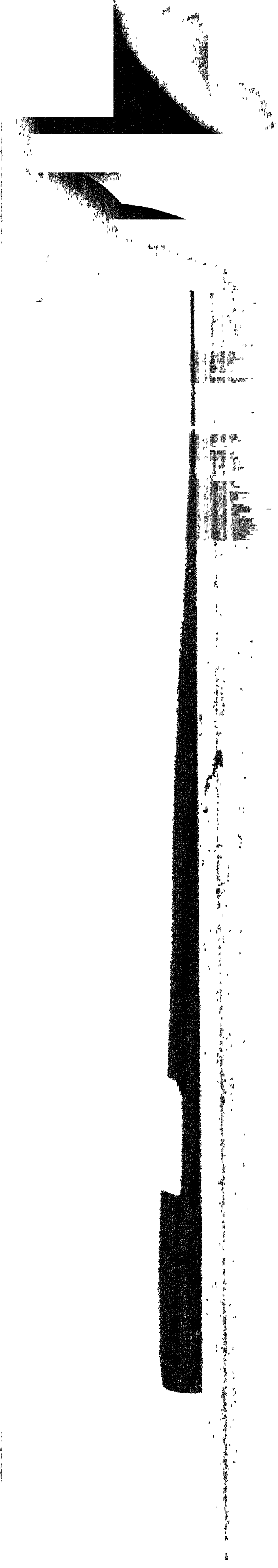
مقدمہ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف
حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا
اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا
کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص
خود عالمگیر کے انشا، اور اسکی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت
سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط
و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہے، لکھائی چھپائی
کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۲۸۰ صفحے، قیمت ؏

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع
الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور
ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی
ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

(مطبوعہ معارف پریس میں محمد اویس وارثی نے چھاپکر شائع کیا)



سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایۂ فخر اس کے رسول کے احوالِ پاک اور کلماتِ طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہے، اردو میں اس وقت بالاتفاق سب سے کامل اور جامع سیرۃ نبوی یہی دو کتاب ہے جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد للہ،

اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصۂ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فنِ سیرۃ و تاریخِ عرب قبل بعثت، طبع دوم ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]، تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصۂ دوم، از سنہ ۸ھ تا سنہ ۱۱ھ جس میں اقامتِ امن، تاسیسِ خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظاماتِ مذہبی، تکمیلِ شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت قسم اعلیٰ [illegible]، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

سیرۃ النبی حصۂ سوم، جس کے مقدمہ میں نفسِ معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علمِ کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اسکے بعد خصائصِ نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزولِ ملائکہ، عالمِ رؤیا، معراج اور شرحِ صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازاں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشاراتِ نبویہ ہیں جو صحفِ سابقہ میں موجود ہیں، اور جنکے حوالے قرآن مجید و حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائصِ محمدی کا باب، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible] ہے، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

ایضاً جلد چہارم، منصبِ نبوت کی تشریح قبلِ اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبحِ سعادت کا طلوع، تبلیغِ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ بحث، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]، تقطیع کلان،

ملنے کا پتہ:-

منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

جلد ۳۲ | ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

دار المصنفین سے امسال تین کتابین چھپکر شائع ہونگی، ایک خیام جسمین خیام کے سوانح اور تصنیفات پر نا
تبصرہ ہے، اور آخر مین اُس کے چھ فلسفیانہ عربی اور فارسی رسالون اور رباعیات کے ایک مستند نسخہ کا ضمیمہ ہے ضخامت
سے کچھ زائد ہوگی، دوسری کتاب **سیر الصحابہ** کی ساتوین جلد ہوگی، اور اسی پر اس وسیع سلسلہ کا خاتمہ ہوگا، اور تیس
کتاب **افکارِ عصریہ** ہوگی جسمین موجودہ سائنس کے تمام شعبون کے نظریاتی مسائل سہل اور آسان اور دلچسپ
مین لکھے گئے ہین، یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ کی گئی، اور اس خیال سے شائع کیجارہی ہے کہ عربی مدرسون کے نصاب
داخل ہوسکے، اور عربی خوان طلبہ کو سائنس کے جدید نظریون سے آگاہی ہوسکے،

خوشی کی بات ہو کہ حجاز (مکہ معظمہ) مین "مطبعہ سلفیہ" کے نام سے ایک علمی مطبع قائم ہوا ہے، اور اس کے ذریعہ سے
عربی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، ازرقی نے جو امام مالک کے ہمعصر ہین، مکہ کی تاریخ لکھی تھی، جو گو یورپ مین چھ
چکی تھی، مگر مدت سے اسکے نسخے مفقود تھے، مطبع مذکور نے اس کے دوبارہ چھاپنے کا اہتمام کیا ہے، حجاز کے مکاتب کے لیے
العربیہ کے نام سے چند ریڈرین چھاپی گئی ہین، اور بعض دوسرے رسالے بھی وہان چھاپے گئے ہین،

اس سلسلہ مین سب سے اہم خبر یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے امام مالک کی موطا کی جو دو شرحین
(عربی مین) اور مصفّی (فارسی مین) لکھی تھین، اور جو ہندوستان مین کئی دفعہ چھپ چکی ہین، مگر اس طرح کہ عربی شرح فارسی
شرح کے حاشیہ پر، اب عربی شرح مسوّی مستقل طور سے متن مین چھاپی گئی ہے، شروع مین مولنا عبد الوہاب دہلوی مقیم
کے قلم سے حضرت شاہ صاحب کے حالات وسوانح لکھے گئے ہین اور مصفّی کے شروع مین شارح نے جو مفید مقدمہ فارسی

لکھا تھا، اس کا عربی ترجمہ شامل کیا گیا ہے، کہیں کہیں مولنا عبید اللہ صاحب سندھی سابق ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے قلم سے مزید حواشی درج ہین، خوبصورت ٹائپ اور مفید حواشی و ضمیمون کیساتھ اس کتاب کی اشاعت بہترین خدمت ہی، کتاب عہ ۱۲/ کی قیمت مین شرف الدین کتبی واولادہ کے مکتبہ واقع بھنڈی بازار بمبئی سے ملیگی،

چونکہ اس کتاب کی اشاعت کے ذمہ دار ہندوستان کے علما ہین، اس لئے ان کی خدمت مین یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ اگر وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دیگر فارسی تصانیف کو عربی جامہ پہنا کر شائع کرین تو ہندوستان کی نیکنامی ایک طرف، اس سے زیادہ یہ کہ شاہ صاحب کے علوم سے دنیائے اسلام فیضیاب ہوگی، اور یہ اسلام کی ایک مہتم بالشان خدمت ہوگی، شاہ صاحب کی فارسی شرح مصفّیٰ در حقیقت ایک مجتہدانہ تصنیف ہے، اس کا ترجمہ بیحد مفید ہوگا، شاہ صاحب کی ازالۃ الخفا نصف عربی اور نصف فارسی مین ہے، اگر یہ کل عربی مین ترجمہ ہوکر کئی جلدون مین شائع ہو تو بڑی خیر و برکت کی چیز ہوگی، شاہ صاحب کی فوز الکبیر فی علم التفسیر کا فارسی متن اکثر ملتا ہی، اور اب عربی مدرسون مین اکثر زیر درس ہی، مگر اسکا فارسی متن عربی طالبعلمون کیلئے دقت طلب ہی، اس کا ایک عربی متن بھی ہی جو ۱۲۹۵ھ مین آج سے ستاون برس پہلے مکہ معظمہ مین، مجد فیروزآبادی کی سفر السعادۃ (عربی) کے حاشیہ پر چھپا تھا، اور آخر مین فتح الخبیر شامل تھی، اب اگر مطبعہ سلفیہ ان دونون رسالون کا یہ عربی متن مستقل طور سے چھاپے تو علوم قرآن کی تفہیم و اشاعت کی راہ مین عظیم الشان خدمت ہوگی،

عین اسوقت جب یہ سطرین زیر تحریر تھین، مکہ معظمہ مین دار الحدیث کے قیام کی خوشخبری موصول ہوئی، حرم محترم مین حدیث و قرآن پاک کا درس ہمیشہ سے جاری تھا، اور اس فیض کے سرچشمہ سے پوری دنیائے اسلام سیراب ہوتی تھی، جنگ عظیم کے بعد سے حجاز مین فتنون کا جو سیلاب آیا وہ تمام پچھلی روایات کو بہا کر لے گیا، موجودہ حکومت سرمایہ کی کمی کے باوجود ان روایات کو دوبارہ بہتر صورت مین قائم کرنے کے لیے مقدور بھر کوشان رہتی ہی، حرم محترم کے ہر قسم کے مصارف کا بار وقاف و عطایا و خیرات کی صورت مین کل عالم اسلام اٹھا رہا تھا، اب اس عہد مین اسلامی سلطنتین کچھ تو برباد ہوگئین، اکثر پر عیسائیون نے قبضہ کر لیا، اور جو باقی

ہین، یہان فاسد قومیت و وطنیت کا وہ زور ہے کہ بین الاسلامی تعلقات کا خاتمہ ہوگیا، اب حرم محترم کے مصارف کی ذمہ داری خاص حجاز کی مفلس حکومت اور یا حاجیون کی جیبون پر ہے، اور ان دونون کا سرمایہ حرمین کے ضروری مصارف کا بار اٹھانے کے ناقابل ہے، یہ صورتِ حال مسلمانانِ عالم کے غور کے لائق ہے،

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، اصل مین یہ کہنا ہے کہ مکہ معظمہ مین حدیث و قرآن پاک کے درس کا انتظام اس حکومت موجودہ کے عہد مین دوبارہ قائم ہو رہا ہے، اور دار الحدیث کے پرانے نام سے ایک نئی درسگاہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ سے قائم کیگئی ہے، جسمین علوم حدیث و تفسیر کا باقاعدہ درس جاری ہوگا، صحاح ستہ کا دورہ محدثینِ سلف کے قاعدہ کے مطابق ہوگا، اور عربی زبان و ادب کی تعلیم بھی ضمناً ہوگی، تعلیم کی کوئی فیس نہ ہوگی، اور کتابین وغیرہ طلبہ کو مفت ملینگی، بلکہ بعض مستحق طالب علمون کو وظیفے دیئے جائینگے، طریق تعلیم مین محدثین کے پرانے طریق املار کو زندہ کیا جائیگا، اور طلبہ کو بحث و تحقیق، اور تقریر و املا کی مشق کرائی جائے گی، اس کے مہتمم حرم کے امام عبد الظاہر ابو السمح، خزانچی عبد اللہ دہلوی، اور ارکان شیخ محمد نصیف، محمد عبد الرزاق حمزہ، عبید اللہ دہلوی، (سندھی؟) عبد الوہاب دہلوی، محمد کامل کردی، محمد راضی، محمد نور فطانی محمد سیاد منتخب ہوئے ہین،

ضرورت ہے کہ حساس دل مسلمان ادھر توجہ فرمائین، اور وہ کام جن کے انجام دینے سے آج سلطنتین اغماض کر رہی ہین، ان کو غریب اپنی جھولیون سے انجام دین، ان مفید کامون کے انجام دینے مین حجاز کے مسلک اور سیاست کی الجھنین مسلمانون کو اپنے فرض سے باز نہ رکھین، کہ حرمین کی خدمات کا فرض سیاسیات اور فرقہ داریون سے بلند تر اور اعلیٰ تر ہے، دار الحدیث کے خزانچی عبد اللہ دہلوی صاحب ہین، اور غالباً علی جان صاحب مرحوم کی کوٹھی واقع دہلی کے ذریعہ ہندوستان سے امدادین بھیجی جاسکتی ہین،

تاریخ خطیب پر مولانا شروانی صاحب کا تبصرہ علٰحدہ رسالہ کی صورت مین چھپ رہا ہے، اس لئے اس کو ضمیمہ کے طور پر آخر مین شائع کیا جا رہا ہے،

مقالات

مسلمانون کی آیندہ تعلیم

(۲)

اخلاق کی تعمیر تعلیم کا دوسرا حقیقی مقصد اخلاق کی تعمیر ہے، مذہب اور فلسفہ دونون نے اسکو اصولاً مان لیا ہے، کہ انسان بہت سی باتون مین مجبور ہونے کے باوجود اپنے ارادے اور نیت کی آزادی بہرحال رکھتا ہے، اور یہی آزادی اوسکی ذمہ داریون کی بنیاد ہے،

غریب کشمکش جبر و اختیار مین ہے،

لیکن انسانون کے علاوہ دوسری مخلوقات اس کشمکش کے اختیار سے بھی محروم ہین، اور ان مین سے ہر ایک یا تو اپنی جبلت یا اپنی فطرت کے ہاتھون مجبور محض ہین، اور ان لوازم، خصائص اور اثرات کی بجاآوری پر مضطر ہین جن کے لئے اون کی خلقت ہوئی، آفتاب سے نور ہی ظاہر ہوگا، گلاب سے خوشبو ہی نکلے گی، اور سنکھیا سے موت ہی صادر ہوگی، مگر انسان سے نور اور تاریکی، خوشبو، اور بدبو، حیات اور ممات دونون صادر ہو سکتی ہین، اس کے اخلاق اور خصائل تربیت پذیر ہین، اور اسی لئے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہے،

دوسرے لفظون مین یہ کہیے کہ کائنات کی ہر مخلوق فطرۃً اسی کام کے کرنے پر مجبور ہے، جس کے لئے اس کے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے، لیکن انسان تھوڑا اختیار پا کر فعل اور ترک فعل کے درمیان ترجیح کا حق رکھتا ہے، اس لئے ضرورت اسکی پیدا ہوتی ہے، کہ وہ پہلے ان اغراض کو سمجھے جن کے لئے اس کی خلقت ہوئی ہے، اور پھر اون کی اغرض کے مطابق

کام کو پوری مستعدی اور دیانت داری سے انجام دے، خلقت کے صحیح اغراض کے سمجھنے کا نام "تعلیم" ہے، اور ان کے مطابق عمل کرنے کا نام "تربیت" ہے، اور ان تربیتی اعمال کا نام "اخلاق" ہے، تعلیم کی بڑی غرض و غایت یہی ہے کہ ان اخلاق کی صحیح تعمیر کی جائے تاکہ وہ فرائض بخوبی ادا ہون جن کیلئے وہ اس دنیا مین آیا یا بھیجا گیا ہے،

ہماری موجودہ تعلیم جس طرح بے مقصد ہے، اُسی طرح یہ تمام تر بے اخلاق بھی ہے، ملک مین مسلمانون کی ایک درسگاہ بھی ایسی نہین ہے، جس نے اخلاق کی تعمیر اور تربیت کی اہمیت کو سمجھا ہو، اور جس نے اپنی زندگی کا مقصد "با اخلاق انسان" کا پیدا کرنا قرار دیا ہو، اسی لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی عزت ہماری نگاہون مین ایک خاص حیثیت رکھتی ہے، کہ نئی تعلیم کی درسگاہون مین یہ پہلی درسگاہ ہے، جس نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس کی تکمیل کے لئے کوشان ہے،

عموماً اخلاق کے معنی ہماری زبان مین نہایت محدود ہین، اخلاق کے لفظ سے ہمارا مقصود یہی محدود معنی نہین بلکہ اُن سے کہین بڑھ کر وسیع ہے، اخلاق سے مقصود انسان کی قوت نفسی کی ایسی تربیت اور مشق ہے، جس سے وہ اپنے شخصی، انسانی اور قومی فرائض کے ادا کرنے کی پوری استعداد اور صلاحیت پیدا کرلے، درس گاہ کا اہم فرض یہ ہے کہ اپنے احاطے کے اندر ایسی فضا اور ماحول پیدا کرے، جو دنیا کی فاسد اور مسموم آب و ہوا سے محفوظ ہو کر صالح اور صحیح اور طاقت ور آب و ہوا کی جگہ ہو، اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اخلاقی حیثیت سے درسگاہ ایک قسم کا سینی ٹوریم یعنی دار الصحت ہو، جہان فاسد جراثیم ہلاک ہو کر بیمار صحیح و تندرست ہو جاتا ہے،

ہمارے گھرون کی اخلاقی و مزاجی کیفیت جس درجہ خراب اور فاسد ہے، اسی نسبت سے اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہماری درسگاہون کا ماحول زیادہ صالح، صحیح، اور طاقت بخش ہو تاکہ گھرون کی مسموم فضا سے علحدہ ہو کر رفتہ رفتہ ان افراد کی تخلیق ہو، جو صحیح شخصی، انسانی اور قومی اخلاق و خصائل کے حامل ہون اور اس طرح ایک دن وہ آئے، کہ پوری قوم کی قوم ان اخلاق و فضائل سے متصف اور مزین ہو جائے،

۱۔ **سادگی اور صفائی**:۔ ہماری درس گاہون کا فرض ہے، کہ وہ اپنے بچون کو سادہ لیکن صاف ستھرا رہنے کی اہمیت ذہن نشین کرین، ، صاف ستھرا رہنے کی معنی بیش قیمت کپڑے، اعلیٰ درجے کے مکان، اور قیمتی فرنیچر اور سامان

کے نہین ہین، افسوس ہی، کہ اکثر مسلمانون بچون نے اس کے یہی معنی سمجھے ہین، اس کے دو برے نتیجے کھلے طور سے ہمارے بچون مین پیدا ہین، ایک یہ کہ وہ اپنی اندرونی صفائی کے بدلے ظاہری ٹیپ ٹاپ پر زیادہ زور دیتے ہین، اور اس بنا پر ان کی تعلیمی زندگی نہایت گران ہے، اور وہ اپنے والدین کے لئے سراسر کونت بنے ہوئے ہین، دوسرے خود طالب العلم بھی اپنے حوصلے کے مطابق اپنی آمدنی نہ پانے سے ملول وغمگین رہتے ہین جس کا اثر ان کی طبیعت کی تیزی اور ذکاوت پر بہت برا پڑتا ہے، اور ان کا جو وقت اپنے تعلیمی مسائل اور مباحث کی یاد اور حل مین صرف ہوتا وہ اُن کے بناؤ سنگار مین، اور جو نہین ہی، اس کے حصول کی فکر اور ناکامی کے غم مین بسر ہوتا ہی؛

ہمارے طالب علمون کی زندگی سادہ لیکن صاف ستھری ہونی چاہئے، ان کو شروع ہی سے یہ بتانا چاہئے، کہ تمھاری عزت تمھارے بیش قیمت کپڑون اور اعلی سامان سے نہین، بلکہ تمھارے بیش قیمت علم اور اعلی اخلاق سے ہی، طالب علمون کے اندر بڑائی اور مسابقت کا معیار ظاہری نمایش اور آرایش کا سامان نہ ہو بلکہ اندرونی لیاقت اور قابلیت کا جوہر ہو؛

مسلمان طالب علمون کو جو مسرف اور نمایش پسند قوم کے افراد ہین خصوصیت کے ساتھ یہ بات جتانی چاہئے، کہ اب وہ وقت نہین کہ ہم اپنے اسلاف کے بقیہ متمولانہ اثرات کی پیروی مین وہ گران نمایشی زندگی اختیار کرین، جو ہم کو اپنے والدین سے ورثہ مین مل رہی ہی، کیونکہ وہ دولت ختم ہو چکی، اور وہ تمول اب سراب ہی؛ اس لئے اس کے نمایشی فخر وغرور کے اسباب کو بھی اب ختم ہو جانا چاہئے، ورنہ یہ تعلیم ہمارے افلاس مین روز بروز اضافہ کرتی جائے گی، اور قوم کی حالت بر روز بد سے بدتر ہوتی جائیگی، اسکی مثالین آج بہت سے خاندانون مین ملین گی، کہ نئی تعلیم کی اس غلط تربیت نے ان خاندانون کی مالی حالت کو کتنا نقصان پہنچایا ہی؛

دنیا کے دوسرے ملکون سے بہت بڑھ کر ہندوستان کے مسلمانون کو اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہی، کہ وہ ایسی قوم کے دوش بدوش چلنے پر مجبور ہین، جو روزمرہ کی زندگی مین حد درجہ کفایت شعار اور سادہ واقع ہوئی ہے؛ اس لئے اس کے ذاتی اور قومی مصارف ہمارے مقابلے مین بہت کم ہین، بنا برین اس کے پاس ہمارے مقابلے مین دولت کی فراوانی ہی؛ اور نتیجہ یہ ہے کہ جس خرچ مین ہم اپنے ایک بچے کو تعلیم دلا سکتے ہین، ہمسایہ قوم اپنے چند

برت کر دکھائین، جہاد جہدٌ سے مشتق ہے جس کے معنی محنت اور تکلیف کے ہین، حق کی راہ مین ہم جو تکلیف اوٹھائین، وہ ہمارا جہادؔ ہے، دنیا کی زندگی سکون پر نہین دائمی حرکت پر قائم ہے، غلط فہمی سے ہم یہ سمجھے ہین، کہ ہم جس قدر سکون پائین گے، اسی قدر آرام اوٹھائین گے، پچھلے عہد کے ایک عجمی شاعر نے کہا تھا:-

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را   دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن و مردن

لیکن حقیقت مین یہ زوال پذیر قوم کا فلسفہ ہے، راحت کے اس عجمی تخیل کے بالمقابل فصیح عرب کہتا ہے:-

فی الحرکۃ برکۃ، جس طرح بھوک کے بعد غذا کا اصلی لطف ملتا ہے، اور جو آنکھین بیدار رہی ہین، وہی خواب کی لذّت سے آشنا ہوتی ہین، اسی طرح محنت و مشقت کے بغیر آرام وراحت کا وجود ہی نہین ہوسکتا جبتک ہماری پیشانی سے محنت کا پسینہ ہمارے پاؤن پر نہ ٹپکے گا، جو روٹی ہمارے ہاتھ آئیگی، وہ ہمارے احساس کے ذائقہ کو بھی تسکین نہین دے گی، سُست امیرون کی پر لطف غذائین ہی وہ جراثیم ہین، جو اُن کی بیماریون کو پیدا کرتے ہین، ایک محنتی مزدور چونکہ پوری بھوک اور معدے کی پوری خواہش پر کھاتا ہے، اس لئے ہر وہ کھانا جو اس کو وقت پر مل جاتا ہے، وہ اس کی قوت کا سرمایہ اور اوسکی صحت کا خزانہ ہوتا ہے،

مسلمانون کو بچپن سے محنت کا عادی ہونا چاہئے، ان کی طالب علمانہ زندگی مین یہ عادت ایسی پختہ ہوجانی چاہئے کہ وہ تمام عمر کے لئے اس دولت کو اپنے قبضہ مین کرلین، تعلیم، امتحان کی تیاری، ورزش، سفر اور تعلیم کی فراغت کے بعد جس شاہراہ زندگی کو بھی اختیار کیا جائے، وہ نوکری ہو، تجارت ہو، صنعت ہو، ہر ایک مین یہی جوہر ان کا بہترین رفیق زندگی ہوسکتا ہے، پچھلی دولت مندی کا خمار اب تک مسلمانون پر چھایا ہوا ہے، ہماری درس گاہون کا بہترین فرض یہی ہے کہ وہ مسلمان طالب علمون کے یہ ذہن نشین کردین، کہ اب تمھاری زندگی صرف تمھاری محنت جفاکشی اور جانفشانی پر موقوف ہے، یہ دنیا ایک تلاطم خیز سمندر ہے، جس سے نکل کر ساحل تک سلامتی پہنچنا صرف تمھارے ہی ہاتھ پاؤن چلانے پر موقوف ہے،

کون نہین جانتا کہ اس عرصۂ کائنات مین زندگیون کا ایک معرکہ برپا ہے اور ہر ایک مخلوق اپنے جینے اور بڑھنے

کیلئے ہاتھ پاؤن مار رہی ہے، قومین اس دوڑ مین مصروف ہین، افراد اس مسابقت مین سرگرم ہین، وہی زندہ اور جیتا رہیگا جو اپنی محنت اور کوشش سے اس بازی کو جیتے گا، اور جس نے ہاتھ پاؤن ڈال دئے، اور نرم بستر کا جویا ہوا، دنیا اس کو مردہ سمجھ کر ایک گوشے مین ڈال دے گی، اور افراد اور قومین اس کو روندتی ہوئی آگے بڑھ جائین گی، زندگی کا فلسفہ صرف جدوجہد، محنت اور سخت کوشی ہے، بھوک کی برداشت شکم سیری کا سامان ہے، اور موت کی تلاش زندگی کا سرچشمہ ہے، فاقتل ثم احیی ثم اقتل فاحیی ثم اقتل فاحیی،

یہ جو کچھ کہا گیا شاعری نہین روزمرہ کی حقیقت ہے، طالب علمون کو اپنے روزانہ کے ورزشی کھیلون مین کیا یہ راز ہر شام کو علانیہ معلوم نہین ہوتا، کہ وہی لڑکا جیتتا اور وہی فریق کامیاب ہوتا ہے، جو جس قدر اس دن زیادہ محنتی اور زیادہ جفاکش تھا، یہ پوری دنیا ایک بڑے ورزشی کھیل سے بڑھ کر نہین، اس میدان مین بھی اسی کی جیت ہے جو زیادہ محنتی اور زیادہ جفاکش ہے، اکامیابی کی راحت انھین کے لئے ہے، جو اپنے کاروبار مین محنت اور جدوجہد کی تکلیف اوٹھاتے ہین،

تمام قومون مین سب سے زیادہ کامیاب، سب سے زیادہ خوش قسمت، اور سب سے زیادہ قابل رشک وہ قوم سمجھی جاتی ہے، جس کے ہاتھون مین دوسری قومون کی سلطنت کی باگ ہو، لیکن کیا تاریخ کے اوراق نے اس حقیقت کو آپ پر منکشف نہین کیا کہ یہ کامیابی، یہ خوش قسمتی، اور یہ قابل رشک ہونے کی صلاحیت انکو کتنی محنت، کتنی جفاکشی اور کتنی پے درپے جسمانی تکلیفون اور اذیتون کی برداشت کے بعد حاصل ہوئی ہے، محمود نے سترہ حملون مین پنجاب پر قبضہ کیا، شہاب الدین غوری نے ایک شکست کے بعد پورے سال بھر اپنے شکست کے وقت کے پہنے ہوئے کپڑون کو تبدیل نہین کیا، بابر نے کامل پندرہ برس پہاڑون سے سر ٹکرایا، مین نے ان فقرون کو ہمیشہ کہا ہے، اور پھر کہتا ہون کہ بدو کی سختیون کو جھیلے بغیر قیصر و کسری کے تخت سلطنت کی خواہش حماقت ہے، جس کو لال قلعے مین شاہجہان کے تخت طاؤس پر جلوس کی ہوس ہو، اس کو پہلے بابر کی طرح خشک پہاڑیون مین سر مارنا چاہیئے، کوہ کنی کے بغیر "جوی شیر" کا خواب دیکھنا دیوانگی ہے،

آج یورپ کی قومین دنیا کے طول و عرض مین سلطنت کا تخت بچھا کے کوس لمن الملک بجا رہی ہین، لیکن اپنے سپاہیون کے کتنے خون، اپنی دولت کے کتنے صرف اور اپنی محنت و جانفشانی کے کتنے مظاہرے کے بعد یہ سعادت ان کو نصیب ہوئی ہو آج تجارتون صنعتون، اور کاریگریون کی زندگی ہے، یہ زندگی کتنی زندگیون کی قربانیون کے بعد حاصل ہوئی ہے، کروڑون مزدور کان کنی مین لگے ہین، لاکھون آلات کے بنانے اور چلانے مین مصروف ہین، لاکھون دن رات دوڑ دھوپ اور محنت اور تگا پو مین مصروف ہین تب جا کر ان کی قوم کے سر پر سلطنت کا تاج ہو، اور ان کے خزانون مین معدنیات، تجارت اور صنعت و حرفت کی دولت ہو،

بابر سے لے کر عالمگیر اوّل تک اور پھر بہادر شاہ اول سے لیکر بہادر شاہ ثانی آخری مغل بادشاہ دہلی تک کی زندگیون پر غور و فکر کی نظر ڈالئے، کیا تین سو برس کی یہ تاریخ یہ حقیقت نہین بتاتی کہ جنھون نے تکلیف کی زحمت اوٹھائی، اونھون نے تخت سلطنت پر آرام کیا، اور جنھون نے آرام کی خواہش کی اونھون نے عمر بھر زحمتون اور تکلیفون مین بسر کی،

الغرض مسلمان طالب علمون کو اب یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ محنت اور جفاکشی ہی کی عادت وہ چیز ہے جو ان کی تعلیمی اور عملی دونون زندگیون مین ان کو کامیاب بنا سکتی ہے، جہان قومی سلطنتین اور قومی تعلیم گاہین ہین، وہان کے نظام تعلیم پر ذرا غور کرنے سے یہ نکتہ حل ہو سکتا ہے، کہ ان کے نصاب تعلیم مین جو اہمیت کتابون کو حاصل ہو، اس سے کم اہمیت ان کے جسمانی کھیلون اور مختلف ورزشون کو حاصل نہین ہے، میدانی کھیلون کے علاوہ پہاڑون پر چڑھنا، دریاؤن مین کشتی چلانا، دھوپ مین دوڑنا، ہواؤن مین اڑنا، وہ کون سی جانفشانی ہے جس کی مشق یہ قومین اپنے حکمران بننے والے افراد کو نہین کراتین، انگلستان کی بہترین درسگاہون کے دیکھنے کا موقع ملا ہے، اور یہ نظر آیا ہے کہ ان ورزشی کھیلون کی اہمیت وہان تعلیم کے برابر ہی برابر ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہان کی عام تعلیم گاہین بھی تقریباً نیم فوجی ہین، اسی سے ہندوستان کی تعلیم کا یہ نقص کہ وہ تمامتر نظری رہتی ہے عملی نہین وہان دور ہو جاتا ہے، مسلمانون کو اگر آیندہ ہندوستان کی سلطنت مین حصہ لینا ہو، تو ان کو یہ نکتہ فراموش نہ ہونا چاہئے کہ آیندہ ان کو صرف نظری نہین بلکہ عملی قوم

بنا چاہئے، اور یہ اخلاقی تربیت کے بغیر ممکن نہیں،

۳۔ **خود اعتمادی**، مسلمانون کی اخلاقی تعمیر کا نہایت اہم عنصر اپنے افراد کے اندر خود اعتمادی کا جوہر پیدا کرنا ہے، جس کے بغیر نہ کوئی شخص کامیاب ہوسکتا ہے، اور نہ کوئی قوم خود اعتمادی سے مقصود اپنے اندر فیصلے کی قوت سے مستحکم عزم پیدا کرنا، اور پھر اس عزم کے مطابق خدا کے بعد خود اپنی ذات پر بھروسہ کرکے کام کو شروع کر دینا اور اس کو کامیابی تک پہنچانا ہے، قرآن پاک نے اس نکتے کو صرف دو لفظون مین ادا کیا ہے، اذا عزمت فتوکل علی اللہ، (جب عزم کرے تو پھر خدا پر بھروسہ کر) اس سے پہلے مشورے کا حکم ہے، مشورے کے بعد جو فیصلہ ہو جائے، اس پر مستحکم عزم کی تاکید ہے، پھر اس عزم کے مطابق اس کو کر گذرنا، اور اس کی کامیابی کے لئے خدا کی توحید اور نصرت پر بھروسہ رکھنا،

مسلمانون کا یہی جوہر تھا جس سے متصف ہو کر ایک غریب مسافر ہمت کی کمر باندھکر تن تنہا کھڑا ہوتا تھا، اور بحر و بر، دشت و جبل کو طے کرکے مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو چلا جاتا تھا، ایک یتیم طالب العلم گھر سے یکہ و تنہا نکلتا تھا، اور سالہا سال تک ملک ملک کی خاک چھان کر ایک ایک شہر مین علم و فن کے ماہرین وقت کی صحبتون اور درس گاہون سے فیض پا کر اپنے وطن کو لوٹتا تھا، ذرّہ ہو کر نمودار ہوتا اور پھر آفتاب بن کر چمکتا تھا، ایک باہمت سوداگر اکیلا اپنا ساز و سامان لیکر کبھی سندباد بحری اور کبھی سندباد بری بن کر نکلتا، اور دولت کے جہاز اور کاروان سے لدا پھندا عراق، شام، اسکندریہ اور اسپین کی بندرگاہون مین اترتا، ایک معمولی سپاہی اپنی تلوار لیکر نکلتا اور روئے زمین کی فضا کو چیر کر کہین نہ کہین اپنے لئے ایک حکومت و ریاست کھڑی کر لیتا،

مسلمانون کا یہ جوہر اٹھارہوین صدی کے ہندوستان مین ان سے کھو گیا، سُن کر حیرت ہوگی، کہ وہ بابر جس نے پندرہ برس کے سن مین تخت پر بیٹھ کر اور پھر بارہ ہزار کی فوج سے ہندوستان کو فتح کر ڈالا، اس کی اولاد جب لال قلعے سے بھیڑ کی طرح نکلی ہے، تو اوس کو یہ بھی معلوم نہ تھا، کہ کس طرح اپنے ہاتھون سے اپنی روزی کا سامان کیا جا سکتا ہے،

والدین اپنے بچوّن کے ساتھ اپنی بہترین محبت یہ سمجھتے ہین کہ اس کو تنہا کوئی کام کرنے نہ دین، تنہا راستے مین نہ چلین، راتون کو اکیلے گھر سے باہر نہ نکلین، کمرون مین رات کو تنہا سونے نہ پائین، ایک بڑے عالم باپ کو مین نے دیکھا کہ اپنے جوان بیٹے کو کالج کی تعلیم کے لئے لکھنؤ اس لئے نہین جانے دیتے تھے کہ یہ کالج مین پڑھنے جانیوالا بچہ کہین آتے جاتے راستے مین موٹرون سے کچل نہ جائے، امیر مسلمانون کے گھرون مین یہ بات دولتمندی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، کہ انائین اور کھلائیان جوان جوان لڑکون سے بھی علیحدہ نہ ہونے پائین، ہم نے اٹھارہ انیس سال کے ایسے نواب زادون کے واقعے سُنے ہین، جن کو اس وقت تک نیند نہین آتی تھی، جب تک ان کی آنا بی بی ان کو ٹانگ پر سُلاتی نہ ہون، آپنے ایسے نواب زادون اور امیرزادون کو دیکھا ہوگا، جو کسی درسگاہ کے دارالاقامے مین جب داخل ہوتے ہین، تو اُن کے ساتھ اُن کو ناگہانی اتفاقات سے بچانیکے لئے اسٹاف کا اسٹاف ہوتا ہی

غریب مسلمانون تک مین یہ بات عموماً دیکھی جاتی ہے، کہ وہ اپنے بچون کو خود تنہا اپنے کام کی ذمہ داری اوٹھانے کی زحمت دینے پر بہت کم رضامند ہوتے ہین، یہی سبب ہے کہ ہمارے بچے عزم اور ارادہ کے کچے، ہمت کے بودے اور استقلال کے کمزور ہوتے ہین، اور اس لئے تعلیم کے زمانہ کے اندر اندر بھی وہ اتالیق اور ٹیوٹر کے سہارے کے بغیر نہین چل سکتے، اور تعلیم کے بعد بھی اپنے بل بوتے پر کھڑے نہین ہو سکتے، الغرض وہ بچپن مین انا اور کھلائی کے، تعلیم مین اتالیق اور ٹیوٹر کے، اور ملازمت مین سعی، سفارش کے محتاج ہوتے ہین، زندگی کے ہر مرحلے مین ہر قدم پر ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہی، کہ وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر چلین، ایسی قوم کے افراد کیا حکومت کی بلند چوٹی پر چڑھنے کی ہمت کر سکتے ہین،

کیا اسلامی ہندوستان کی تاریخ ہمارے سامنے نہین، اُن کی ترقی کا عہد وہ تھا، جب بادشاہ کے زیر سایہ [illegible] ہو کر ملک کا انتظام کرتے تھے، اور ان کی تنزلی کا زمانہ جب آیا، تو یہ شہزادے اپنے اپنے میرون کے سہارے [illegible] تخت پر بیٹھنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان میرون نے ان کو ہٹا کر تخت سے دور پھینک دیا، اور بالآخر تخت اور تخت نشین دونو کا خاتمہ ہوگیا،

یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے افراد مین آج یہ جوہر ان کی انھین درس گاہون مین پیدا ہوتا ہے، کہ وہ اسی کا

یہ نتیجہ ہوتا ہے، کہ جس پرزے کو جہان لگا دیجئے وہین وہ کام دینے لگتا ہے، ایک فرنچ مصنف نے اینگلوسیکسن قوم کی ترقی کے راز پر فرنچ مین ایک کتاب لکھی ہے، جس کا ترجمہ عربی مین "سر تقدم الانکلیز السکسیونیین"، کے نام سے ہوا ہے، اس مین زیادہ زور اسی بات پر دیا گیا ہے، کہ انگریز قوم کی ترقی کا بڑا راز یہی خود اعتمادی کا جوہر ہے، ایک اور فرنچ نے، "بیسوین صدی کا امیل" کے نام سے خطوط کی صورت مین ایک کتاب لکھی ہے، اسمین بھی بڑی خوبی سے یہ دکھایا گیا ہے، کہ ماں کی گود سے لیکر کالج کی اعلیٰ تعلیم تک لڑکون مین جس وصف کے پیدا کرنے کی کوشش کیجائے، وہ خود اعتمادی ہے، ایک انگریز سپہ سالار کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ ہم نے انگلستان کے فٹ بال کے میدانون مین خود اعتمادی اور ثبات و استقلال کا جو جوہر اپنے اندر پیدا کیا تھا، وہی نپولین کے مقابلے مین ہمارے کام آیا،

مسلمان ہندوستان مین جس تعدادی اقلیت مین ہین، اس کی تلافی صرف ان کی اخلاقی قوت اور عملی طاقت سے ہو سکتی ہے، اس لئے ہماری درس گاہون کو اس ملک کے مسلمانون کو آیندہ زندگی بخشنے کے لئے ضرورت ہے، کہ وہ اپنے طالب علمون مین یہ قوت اور یہ طاقت پیدا کرین، تاکہ وہ اپنے استحقاق سے اس ملک مین زندہ رہ سکین، اور اس مملکت کے نظامِ حکومت کے قیام اور استواری مین کسی طرح ان سے حکومتِ وقت کو بے نیازی نہ ہو سکے،

اساتذہ | ہماری درسگاہون مین جس چیز کی طرف سب سے کم توجہ کی جاتی ہے، وہ استادون کے انتخاب کا مسئلہ ہے، قومی درسگاہون مین اس انتخاب کا معیار یہ ہے، جو کم تنخواہ لے، اور سرکاری درس گاہون مین یہ کہ جو سب سے اونچی کاغذ کی سند رکھے، اور "یورپین کوالفکیشن" تو وہ منتر ہے، جس سے ہر تعلیمی بھوت بآسانی بھاگ جاتا ہے، ہندوستان کا کیسا ہی تجربہ کار سے تجربہ کار، ماہر سے ماہر اور محقق سے محقق ہو مگر اگر اس کے پاس یورپ کی کسی درس گاہ کے دو لفظ نہ ہون، تو اس کے مقابلے مین بیرونی تعلیم کا ہر ناتجربہ کار اور نوآموز ترجیح پائے گا، ہماری بڑی سے بڑی یونیورسٹی، آج انگریز، فرنچ اور جرمن استادون کے نامون کے جادو مین گرفتار ہے، اور اس کو منہ مانگی تنخواہ دینے مین حاتمانہ فیاضی کیلئے تیار ہے،

اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہم نے اپنی تعلیم کا کوئی نصب العین مقرر نہین کیا ہے، بلکہ خود قوم نے بھی اپنی زندگی

کا کوئی مقصد قرار نہین دیا ہو، اس لئے استادون کے انتخاب کا معیار صرف یہ رہ گیا ہے، کہ اعلی سند کا کاغذ اور سات سمندر پار کے حکمران اقوام کی گوری شخصیت، انتہا یہ ہو، کہ عربی فارسی اور تصوف کے پڑھانے کیلئے بھی ہم اپنی قوم کے کسی فرد پر اعتبار کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہین، جبتک پروفیسر مارگولیتھ، پروفیسر براؤن، ڈاکٹر آرنلڈ اور ڈاکٹر راس کے دستخطون کا کاغذ اس کے پاس نہین،

ہم نے اس سے پہلے مسلمانون کے تعلیمی مقاصد کا جو خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا ہو، اگر وہ ذہن نشین ہے تو آپ اسکا فیصلہ کرنے مین ایک ذرہ بھی تامل نہ فرمائین گے، کہ استادون کے انتخاب کا معیار کاغذی سند سے بڑھ کر ان کی شخصیت مین ان مقاصد کا وجود ہے جن پر اس تعلیم گاہ کی بنیاد قائم ہے، اگر آپ کسی ایسی دو درس گاہون کا باہم موازنہ کرین جنمین سے ایک ایسے اوستادون کا اسٹاف رکھتی ہے، جو اعلی کاغذی سندون کے تو مالک ہین، مگر ان مقاصد سے سر تا سر خالی ہین، اور دوسری گو اعلی کاغذی سندون کے لحاظ سے کم درجہ ہے، مگر اس کے اوستاد اپنے اندر وہ جوہر رکھتے ہین، جو اس کے تعلیمی مقاصد کا حقیقی عنصر ہین تو یقیناً علمی حیثیت سے دوسری پہلی سے کہین زیادہ مفید ہو گی، کیا ہماری نئی اسلامی درس گاہین استادون کے انتخاب کے وقت یہ معیار اپنے سامنے رکھتی ہین کہ ان مین سے کون زیادہ مسلمان، کون زیادہ راستباز، کون زیادہ مخلص، کون زیادہ محنتی، کون زیادہ جفاکش اور کون حقیقت مین مسلمانون کے تعلیمی نصب العین کے پورا مطابق ہو، ؟ کیا کسی غیر قوم کے استاد سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دوسری قوم کے حقیقی تعلیمی نصب العین کے مطابق اپنے کو بنائے گا، اور خود اس کا نمونہ بن کر طلبہ کے سامنے آئے گا، ؟ ایسے استادون کے زیر تعلیم و تربیت جنمین سے ہر ایک کا قبلۂ مقصود صرف دوسری قوم کی ظاہری نقالی ہو، اور جن کا حوصلہ صرف سوٹ، کوٹھی، فرنیچر اور موٹر تک محدود ہو، ایسے لڑکون کے پیدا ہونے کا خواب دیکھنا جو مسلمان ہون قوم پرور ہون، سادہ ہون، جفاکش ہون، اور مسابقت اقوام کی دوڑ مین اپنی برتری دکھا سکین، کہان تک حق بجانب ہے، یہ ویسا ہی ہو، جیسے کوئی احمق کاشتکار اپنے کھیتون مین جو بو کر گیہون کاٹنے کی امید رکھے اور اس سے بے خبر ہو، کہ ع

گندم از گندم بروید جو ز جو

اسلامی اور وطنی نصب العین کا جو خاکہ مسلمانون کے سامنے پیش کیا جائے، اور جس کو مسلمان اپنا قومی مقصد اور زندگی کا مطلوب بنالین، وہی درحقیقت استادون کے انتخاب کا معیار ہے،

بوریا باف گرچہ بافندہ است، نہ برندش بہ بارگاہ حریر،

ہماری پچاش برس کی تعلیمی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے، کہ ہم نے پہلے تو اپنا کوئی تعلیمی مقصد متعین نہین کیا، اور نہ اس مقصد کے مطابق اپنے استادون کا انتخاب کیا، مثال دیتا ہون، ہم نے عربی پڑھانے کیلئے یورپ کے ایک بہترین مستشرق کو بلوایا، وہ عربی فیلالوجی اور یورپین عربی مطبوعات ومخطوطات کی پوری فہرست ہمارے بچّون کو رٹا سکتا ہے، مگر قرآن پاک کا وہ شغف اور تاریخ اسلام کا وہ ذوق قومی ہم کو کیونکر عطا کرسکتا ہے، جو نہ صرف یہ کہ اس کو نصیب نہین، بلکہ وہ اس سے منحرف ہے،

ہماری اکثر درس گاہون کے اُستاد صرف پیشہ ور معلم ہین جنھون نے اس پیشے کو صرف اس لئے اختیار کیا ہے کہ یہ بھی معیشت کا ایک ذریعہ ہے، ورنہ درحقیقت وہ ہمارے قومی مقاصد تعلیمی نصب العین اور اسلامی ذوق سے سراسر محروم ہین، اور پھر ان سے ہم یہ احمقانہ توقع رکھتے ہین، کہ وہ آیندہ ہمارے بچون کو ہمارے قومی مقاصد تعلیمی نصب العین اور اسلامی ذوق سے بہرہ ور کردین گے،

جامعہ ملیہ کو مین مبارکباد دیتا ہون، کہ اوس نے اپنے استادون کے انتخاب مین اس نکتے کو پیش نظر رکھا ہے اوس نے انتخاب کا معیار اعلیٰ کاغذی سند کو نہین، بلکہ اپنے تعلیمی مقاصد کو رکھا ہے، فرض کیجئے کہ اگر اس درس گاہ مین ایک نہایت اعلیٰ قسم کے ایسے اُستاد کو لاکر رکھ دیا جائے، جو گو یورپین اسناد کا بڑا پوٹ اپنے قبضے مین رکھتا ہو، مگر اوس کے تمام تر حالات وخیالات اور نشر وتعلیم ان مقاصد کے خلاف ہون جن پر اس درس گاہ کی بنیاد ہے، تو کیا ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب اس کو جامعہ بدر کرنے مین ایک لمحے کیلئے بھی اس کے فضل وکمال کے ان کاغذی دستاویزات کا پاس کرین گے پھر کیا ہے کہ ہماری درس گاہون کے معلم اپنے وجود، اپنی تعلیم اور اپنے فیض صحبت سے علانیہ ہمارے قومی مقاصد کی تضحیک، ہمارے مذہبی خیالات کی توہین، اور ہمارے وطنی اغراض کی تلبیس کرتے ہین، اور پھر صرف اس لئے یہ گوارا کر

جاتا ہو، کہ ان کے پاس کاغذی دستاویزات کا اچھا ذخیرہ موجود ہے،

جوہرِ طینتِ آدم زخمیرِ دگر است   تو توقع زگلِ کوزہ گران می داری،

ارکانِ جامعہ سے بھی ایک بات کا برملا اظہار کر دینا ہے کہ ہم نے اب تک جامعہ ملیہ کو اسلامیت اور وطنیت جدید اور قدیم دونوں کی لطیف و معتدل آمیزش کا نتیجہ سمجھا ہے، اس لئے اساتذہ کے انتخاب میں صرف "اخلاص و ایثار" کی سند اتنی زبردست نہیں کہ اس کے لئے اسلامیت کی نفی کر دیں، یا وطنیت سے انحراف پسند کریں، اگر وطنی اغراض کے مخالف کو اس جامعہ میں معلم نہیں باقی رہنا چاہئے، تو اسلامی اغراض کے مخالف کیلئے رواداری کیوں برتی جائے، اگر کوئی درسگاہ اس قسم کی رواداری برتتی ہے، تو درحقیقت وہ اپنے مقاصد کی جڑ پر آپ کلہاڑی مارتی ہے، بہرحال اس بات کے اظہار میں ہم کو کوئی پس و پیش نہیں کہ ہماری یہ نوعمر درسگاہ اس اصول کو بہت کچھ اپنے سامنے رکھتی ہے، اور دعا ہے کہ اس کے کارکنوں کو اپنے مبدا کی سختی پر مزید استقامت نصیب ہو،

علوم ہم کو اپنی درسگاہوں میں کن علوم کو پڑھنا اور پڑھانا چاہئے؛ یہ وہ سوال ہے، جس پر اب تک مسلمانوں نے کیا بلکہ ہندوستانیوں نے بھی غور نہیں کیا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہم ڈیڑھ سو برس سے جس تعلیمی شکنجے میں گرفتار ہیں، اس سے مجبور رہ کر ہم اس پر غور کر بھی نہیں سکتے، ہندوستان میں نئی تعلیم جن اسباب سے پھیلائی گئی ہے، ان کو بیان کرنے میں برطانی مدبرین نے کبھی پس و پیش نہیں کیا ہو،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہو کہ ہندوستانیوں کے دلوں سے اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب کی عصبیت مٹ جائے، اس کے لئے اس کی ضرورت تھی، کہ نصاب تعلیم کو ہر مذہبی اسپرٹ سے خالی رکھا جائے، یہاں تک کہ اس میں خدا کا نام بھی نہ آنے پائے،

۲۔ بنگال کی ابتدائی مثالوں سے انگریزوں کو یہ دھوکا ہوا، کہ یہ نئی تعلیم عیسائیت کی اشاعت میں معین ہو گی، اسی لئے گورنمنٹ کی طرف سے مشنری اسکولوں کی پوری حوصلہ افزائی ہوئی، اور ان میں انجیل کی تعلیم داخل کی گئی،

۲۔ انگریزون کو اپنی حکومت کی تنظیم مین ایسے ماتحتون کی ضرورت تھی، جو اُن کے دفترون کے لئے کچے مواد اور مسالون کو ان کے مطالعۂ تجویز اور فیصلے کے لئے مرتب کرسکین، اور ان کو ان کی زبان مین معاملے کی صورتِ حال کو سمجھا سکین،

ان وجوہ سے جدید درسگاہون کو پہلے تو مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے یکسر خالی رکھا گیا، پھر ان مین صرف انھین علوم کو داخل کیا گیا، جو اس قسم کے ادنیٰ تعلیم یافتون کو ان کے لئے مہیا کرسکے، ایسے محرّرون، کلرکون اور ماتحت افسرون کو سب سے پہلے تو انگریزی جاننا چاہئے، تاکہ وہ ان کی زبان مین سلطنت کے معاملات اور کاغذات کو پیش کرسکین، پھر ان کو حساب جاننا چاہئے کہ ان کے دفاتر کے حساب وکتاب کو درست رکھ سکین، چنانچہ جو نئی تعلیم ہندوستان مین جاری کی گئی، اُس کی اصلی بنیاد یہی دو چیزین ہین، انگریزی اور حساب، اوس کے ساتھ تیسری چیز جغرافیہ ہے جس سے مقصود صرف اس قطعۂ ارض کا علم ہے، جہان سے آفتاب کبھی نہین ڈوبتا، اور اوس سے اوس سلطنت کی وسعت اور عظمت کے ساتھ اس کے مختلف ٹکڑون کا جوڑ بھی معلوم ہو، چوتھی چیز تاریخ ہے جس کا مقصد اس ملک کی قومون کے باہمی دشمنانہ تعلقات کی یاد کو ان کے دلون مین تازہ رکھنا اور انگریزون نے جیسا کہ وہ کہتے ہین، اس ملک مین جو منظم، عادل اور متمدن حکومت قائم کرکے اہلِ ملک پر جو احسان کیا ہے، اس کو بار بار دہراتے رہنا ہے، چنانچہ حکومت اپنے اس مقصد مین کامیاب ہوئی، اور اوس نے ہندو مسلمانون کے درمیان بغض وعداوت کی وہ آگ بھڑکا دی جو ہماری بہترین کوششون کے باوجود اب تک نہ بجھ سکی،

اعلیٰ تعلیم کے دو حصے ہین، فنون یعنی آرٹس اور علوم یعنی سائنس، یہ دونون حصے حد درجہ ناقص ہین، آرٹس مین فنون کی تعلیم دی جاتی ہے، اون کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ سلطنت کے لئے ماتحت افسر حاصل ہون، ابھی حال مین پٹنہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر کورٹنی ٹیرل نے پٹنہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد مین جو خطبہ پڑھا، اس مین انھون نے یہ بالکل بجا کہا ہے:۔

"بی، اے یعنی بیچلر آف آرٹس، کس قدر مغالطہ آمیز فقرہ ہے، وہ کون سا آرٹ ہے، جس مین ایک

بی،اے مہارت حاصل کرتا ہے"

لے دے کر ایک تاریخ، دوسری انگریزی اور تیسری پولیٹیکل اکانمی جس کی مناسبت قانون خوانی اور وکالت کے خیال سے ہے، اور پھر نظری فلسفہ علوم مین ایک عجیب ندرت یہ رکھی گئی ہے کہ "نظریات" کو اہمیت دی جائے، اور "عملیات" سے پہلو تہی کی جائے، ہماری ایک بڑی درس گاہ مین سائنس کالج کی سب سے بڑی اہمیت علم حیوانات کی تعلیم ہے، حالانکہ ہم ابھی علم انسان سے بھی آشنا نہین، حیوانات کے خصائص اور زوجی فرائض کے علم سے بہتر ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم یہ جانین کہ ان مین سے کس کا چمڑا ہم کس طرح کام مین لا سکتے ہین،

غرض ان بے عمل اور نظری علوم کی تعلیم سے ممکن ہے، کہ موجودہ حکام تعلیم کا یہ مقصد ہو کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنی زندگی گذارنے کے لئے حکومت وقت کے دست نگر رہین، تاہم یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ جیسے جیسے یہ تعلیم بڑھتی جاتی ہے، لکھے پڑھے اپاہجوں کی تعداد بھی روز افزون ہے، اور چونکہ ہندوستان مین بے کارون کے لئے کام مہیا کرنا حکومت کا فرض نہین، اسلئے اس کو اپنے طریق تعلیم مین تغیر کی ضرورت بھی محسوس نہین ہوتی،

حکومت کی ابتدائی تعلیمی پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہندوستان مین اور خصوصاً مسلمانون مین تعلیم کی ضرورت صرف نوکری کے حصول کے لئے ہے، اور اب انقلابات نے ہماری آنکھون سے یہ پردہ اوٹھادیا ہے، کہ یونیورسٹیون کی یہ تعلیم نوکریون کے حصول مین بھی اب کارآمد نہین رہی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ آخر پھر اسی تعلیم کے پیچھے اب تک دوڑے چلے جانا کہان تک صحیح ہے، اگر اس تعلیم سے سرکاری نوکریون کا سہارا بھی ہو، تو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ سرکاری نوکریاں قومی افلاس کے دور کرنے کا علاج نہین ہین، وہ علوم و فنون جو حصول دولت کے اصلی ذرایع ہین، ان کی تعلیم ہمارے نظام تعلیمات سے قطعاً خارج ہے، عملی کیمسٹری، آلات سازی اور صنائع و حرفت کی تعلیم جن پر قومی روزی کا دار و مدار ہے، ہمارے تعلیمی دائرے سے تمامتر باہر ہے، کہ اگر ان کی تعلیم ہوتی ہو، تو پھر ہندوستان مین انگلستان کی مصنوعات کا بازار باقی نہ رہے، ڈاکٹری ہم کو یہان سکھائی جاتی ہے، مگر دوا سازی نہین کہ اگر ایسا ہو تو پھر دواؤن کی قیمت مین ہندوستان اپنا سرمایہ انگلستان کو دینے پر مجبور کیون ہو،

اسکول کی پوری تعلیم مین سائنس کی تعلیم برائے نام ہی چھوئی جاتی ہے، جغرافیہ طبیعی، حفظان صحت اور طبیعیات کی دوسری چھوٹی چھوٹی باتون کے سوا ان کو اور کچھ بتایا نہین جاتا، اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی لکھنے اور بولنے اور حساب جوڑنے کے سوا کچھ اور ان کو نہین آتا، کالجون کی اعلیٰ تعلیم مین انھیں خاکون کو اور زیادہ ابھار دیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ ان مسائل پر پوری طاقت سے گفتگو کرنے کیلیئے مین اپنے مین اہلیت نہین پاتا، اس لئے تفصیلات کو اپنے سے زیادہ لائق اشخاص کے سپرد کرکے صرف چند سرسری اشارون پر اکتفا کرتا ہون،

۱۔ سب سے پہلے یہ کہ کیا یہ غیر مذہبی اور غیر قومی تعلیم آیندہ جاری رہنا چاہیئے؟ کیا ایسا نصاب تعلیم آپ کیلیے زہر نہین جو مذہب، اخلاق اور قومی تخیل کی روح سے یکسر خالی ہو؟

۲۔ کیا نفس انگریزی زبان کا یہ معیار تعلیم کہ ہر ہندوستانی خالص انگریزون کی طرح اس زبان مین لکھ پڑھ سکے، اب بھی باقی رہنا چاہیئے؟ یا اس قدر جاننا کافی ہے جس سے اس کے ذریعہ گفتگو، کاروبار اور حصول علم ممکن ہو،

۳۔ علوم مین ان سائنسون کو جگہ دی جائے جن سے ہم کو عملی فائدہ پہنچے اور وہ ہمارے علم کے ساتھ ہماری دولت کو بھی بڑھا سکین،

ہمارے بچون کو یہ پڑھایا جاتا ہے، کہ گھڑی سے وقت کیون کر پہچانین، ٹکٹ لے کر ریل پر کیون کر بیٹھین اور ایک موٹر کا عام استعمال کیون کر کرین، تار لکھ کر بابو کے ذریعہ تار کیونکر بھیجین، لیکن یہ نہین پڑھایا جاتا، کہ ہم گھڑی کیون کر بنائین، لوہے کو مٹی سے کیسے نکالین، پھر لوہے کو کیسے صاف کرین، پھر کیون کر ریل کی پٹریان اور گاڑیان اور پہیئے اور انجن بنائین، موٹر کے ٹکڑون اور ان ٹکڑون کو کیسے بنا کر جوڑین، اسی مثال پر دوسری باتون کو قیاس کیجئے،

ہم اب تک پوری تیزی کے ساتھ اسکول کی تعلیم کے بعد کالج کی تعلیم کی طرف دوڑتے چلے گئے ہین، اور سمجھتے رہے ہین، کہ بس اس کے بعد ہم کامیابی کی منزل کو پہنچ گئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کالج کی گران قیمت تعلیم

مین ہم اپنے بچّون پرجس قدر صرف کرتے ہین، اکثرایسا ہورہا ہے، کہان لڑکون کواس تعلیم کے بعد اتنی رقم بھی ماہوار ملنی مشکل ہو،
ہمارے لڑکے بی اے تک ایک بنی ہوئی شاہراہ پر پوری امنگ اور دلولون کے ساتھ دوڑتے چلے جاتے ہین، اوران
کوایسا معلوم ہوتا ہے، کہاس سڑک کے خاتمے پران کواپنی منزل کا پتہ مل جائے گا، مگروہ جب وہان پہنچتے ہین، تو دفعۃً
منزلِ مقصود کی رفیع عمارت کے بجائے ایک عمیق غاران کو نظر آتا ہے، اوروہ ٹھٹک کرکھڑے ہوجاتے ہین، اوراب
سوچتے ہین، :۔

گذری جو گذرنی تھی اب چاہئے کیا کرنا

غورکرتے ہین توسرکاری نوکری کے سوااپنے اندر اورکسی کام کی صلاحیت نہین پاتے، اس سے مایوس ہوکر
بعض لوگ تو ذرا اکتراکر پھرآگے دوڑنا شروع کر دیتے ہین یعنی ایم اے کی تیاری مین لگ جاتے ہین، اوربعض
قانون یاد کرتے ہین، یا ٹرننگ کی فکرکرتے ہین لیکن اب ٹرننگ کا دروازہ بھی بند ہورہا ہے، اورقانون کے میدان مین
و بھیڑبھاڑ ہے اوس سے کون بے خبر ہے،

ان واقعات نے یہ غورکرنے کا موقع دیا ہے جن کوعلم علم کے لئے حاصل کرنا ہے، آیا اون کے لئے اس طریقۂ
علیم مین علوم کی تحصیل کا سامان ہے اورجن کوعلم کمائی کے لئے حاصل کرنا ہے، کیا انھون نے اس موجودہ طریقۂ تعلیم مین
ی شکم سیری کا بھی کوئی فن سیکھا ہے؟

اب اس مسئلے مین ذرا بھی شک کی گنجائش نہین، کہان چند لوگون کے سوا جو علم کی واقعی تحصیل چاہتے ہین، یا
ی اورتعلیمی پیشے مین زندگی گذارنا چاہتے ہین، بقیہ افراد کوصرف اسکول کی تعلیم پرقناعت کرنی چاہئے، اوراعلیٰ تعلیم کو
ریب نہ کھانا چاہئے، اس تعلیم کے بعد اون کوکسی صنعت وحرفت، تجارت یا اوردوسرے ذرائع معاش کی طرف
جہ کرنی چاہئے، اعلیٰ تعلیم مین صرف اونھی کوجانا چاہئے جو واقعی علم کے شیدا ہون، اورتحقیق وتکمیل کے طالب ہون
س مین شک نہین، کہ موجودہ حکومت نے اس اعلیٰ تعلیم کواپنے چند ملبند عہدون کے لئے انتخاب کا معیار مقرر کردیا ہے
ادعہدین کا لالچ قوم کی قوم کواس کی طرف کھینچ رہا ہے، مگرغورکے قابل بات ہے کہ یہ چند عہدے جو ہرصوبے مین

دس بیس سے زیادہ نہین وہ ہزارون اور لاکھون مسلمانون کو نہین مل سکتے، جب چند سال کی دفتر گردی کے بعد بالآخر وہین لوٹ کر آنا ہی، تو پہلے ہی سے وہین جانے کی تیاری کیون نہ کیجائے،؟

ہمارے یہان تعلیم کی ایسی بندھی ہوئی اور محدود صورت ابتک ہی، کہ خواہ لڑکے مین مناسبت ہو، یا نہ ہو، اور ان علوم سے اون کو وابستگی ہو یا نہ ہو، بہرحال وہ ان کو پڑھنا ہے، اور ان مین ان کو کامیاب ہونا ہے، ورنہ آیندہ وہ کسی لائن مین بھی گھس نہین سکتے، اس مجبورانہ طریق تعلیم نے ہمارے طلبہ کی ذہانتون کا اور والدین کے سرمایے کا بے دریغ خون کیا ہے، آخر قوم کی یہ ذہنی خودکشی اور مالی فضول خرچی کب تک جاری رہے گی، اور کیا اب بھی وقت نہین آیا، کہ اس موجودہ تعلیمی نظام کے خلاف ہم اپنے لئے آپ ایک منظم تعلیم کی بنیاد ڈال کر عملاً بغاوت کا اظہار کرین اور ان علوم کو چھوڑین، جن کا انتہائی مقصد عمدہ انگریزی سیکھنا ہو، اور ان علوم کو اختیار کرین، جن سے قومی تربیت کے بعد حصول زر کا طریقہ سیکھا جائے،

ہم نے اس تعلیم کے متعلق کچھ نہین کہا ہی، جس کا مقصد علم کا حصول ہے، کہ اس کیلئے سب سے پہلی شرط پیٹ کے سوال سے آزادی ہے، ہم نے ابتک یہ چاہا ہے کہ علم اور پیٹ دونون مقصدون کو ایک تعلیم کے اندر جمع کر دین، اور یہ ناممکن ہی، پیٹ کی تعلیم سے علم کی آسودگی حاصل نہین ہوسکتی، یہی سبب ہے کہ ہم نے مسلمانو نمین اس نئی تعلیم کے ذریعے سے کوئی بڑا فلاسفر، کوئی بڑا مصنف، کوئی بڑا محقق، کوئی بڑا مورّخ، کوئی بڑا سائنٹسٹ، کوئی بڑا موجد، کوئی بڑا کیمسٹ، کوئی بڑا اسٹرانومر، کوئی بڑا میتھمیٹیشین پیدا نہین کیا، اور اگر اتفاقاً پیدا ہو بھی گیا تو اس نے علمی زندگی نہین پائی، کیونکہ علم کی صبر آزما اور سنگلاخ راہ سے کمال کی منزل تک پہنچنے کے بجائے جھوٹی پالٹیکس اور سرکاری نوکری کے ذریعہ فخر و شہرت اور نام و نمود پیدا کرنے کا راستہ ان کو زیادہ آسان نظر آتا ہے اور علم کا تقاضا ہی، کہ علم کے سوا اوس کے طالب کا کوئی اور مقصود نہ ہو،

تعلیم کی زبان سب سے آخری بات تعلیم کی زبان کا مسئلہ ہے، مین نے ابھی مسلم یونیورسٹی کے خطبے مین اس پر اپنے مفصل خیالات ظاہر کئے ہین، جن کے دُہرانے کی حاجت یہان نہین، اب وقت آگیا ہے، کہ ہم اس بدیسی زبان کی گرفت سے

جو ۱۳۳۵ھ مین ہم پر مسلط کی گئی آزادی حاصل کرین، یہ نکتہ بھلایا نہ جائے کہ ہم نے بدیسی زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کی مخالفت کی ہے، نئے علوم اور کسی قوم کی علمی و ادبی زبان سیکھنے کی نہین، علوم و فنون خواہ کتنے ہی نئے ہون، اور کسی قوم سے اون کو نسبت ہو، وہ کسی خاص زبان کے اندر محدود نہین، مسلمانون نے ہندوستان، ایران اور یونان کے سب علوم و فنون سیکھے مگر اس طرح نہین کہ اونھون نے اپنی تعلیم کی زبان ہندی یا ایرانی یا یونانی کر دی ہو، بلکہ یہ کیا کہ ان تمام زبانون کے علوم و فنون کو خود اپنی زبان مین منتقل کیا، یا دوسرون سے منتقل کرایا، اور اس اپنی زبان کے ذریعے لوگون کو ان علوم و فنون کی تعلیم دی، آج اگر یورپ ہی کی تقلید کمال کی دلیل ہے، تو کیا کسی پست سے پست یورپین قوم کی مثال دی جا سکتی ہے جس نے اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسری اعلیٰ قومون کی زبانون کو علوم و فنون کی عام تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہو، کل بیت الحکمۃ نے بغداد مین جو کچھ کیا وہ کیا ہے، جو دار الترجمہ عثمانیہ مین آج نہین ہو سکتا، جاپان نے انگریزی اور فرنچ کے ذریعے اپنے ہان تعلیم نہین پھیلائی، اور نہ آج ترک تک باین ہمہ جدت پسندی جرمن اور فرنچ کو تعلیم کا ذریعہ بنا رہے ہین، کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھتے ہین، کہ زبان کو قومیت کی تخلیق مین کیا اہمیت حاصل ہے،

۱۹۲۰ء مین فرانس جب شام کو امیر فیصل سے چھین کر اس پر قبضہ کر رہا تھا، تو اوس وقت اتفاق سے مین فرانس کے شہر ویشی مین تھا، فرنچ اخبارات شام پر اپنے قبضے کے جو وجوہ بتا رہے تھے، ان مین سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ "یہ وہ ملک ہے، جہان فرنچ زبان کے تین سو اسکول ہین" یہی وہ اسکول ہے، جہان شامی بچون کے دلون مین فرانس کی محبت کا بیج بویا گیا، یہ بیج بڑھا، اور آج ایک تناور فرنچ حکومت کے سایہ دار درخت کی صورت مین شام مین موجود ہے،

جامعہ کی چاردیواری مین اس اہمیت مین استدلال تو کم کرنے کی ضرورت نہین، جو قومون کی تکوین و تخلیق مین زبانون کو حاصل ہے، مذہب کے بعد وہ زبان ہی ہے، جو پوری قوم کو ایک متحد قوم بناتی ہے، وہ زبان جو کسی قوم مین ذریعۂ تعلیم نہ ہو کبھی سرسبز نہین ہو سکتی یہی سبب ہے کہ جہان تک نئے تعلیم یافتہ افراد کا تعلق ہے، ہماری زبانون کو بہت کم امداد ملی ہے، وہ تعلیمی زبان نہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کے خزانون

سے محروم ہے. اور نئے علوم بدیسی زبان کے ایک ایسے پنجرے مین بند ہین، جہان تک رسائی بے اس کے ممکن نہین کہ پہلے ہم اس بدیسی زبان مین سالہا سال تک مہارت حاصل کرلین، پھر بھی ہمارے بچے ان علوم کی تہ تک بآسانی اس وقت تک نہین پہنچ سکتے، جب تک ان علوم کے سمجھنے سے پہلے وہ اس زبان کی مشکل کو حل نہ کرلین، مثال یہ ہے کہ آپ ان کو الجبرا یا حساب کا کوئی مسئلہ حل کرنے کو انگریزی زبان مین سوال دیتے ہین، بچے کو پہلی مشکل یہ ہے کہ وہ اس سوال کی زبان کو سمجھے، پھر علم کی مشکل کو حل کرے، پھر بھی وہ اس کو اس آسانی سے نہین سمجھ سکتا جس آسانی سے وہ اپنی مادری زبان مین سمجھ سکتا ہے، اور سمجھ لینے کے بعد بھی اس کو مادری زبان مین دہرانے پر تو یقیناً قدرت نہین رکھتا، کہ اس کے لئے اس کو پہلے مناسب الفاظ اور مصطلحات کے پیدا کرنے کی مشکل درپیش رہتی ہے ؛؛

ہندوستان مین مسلمان نہ صرف یہ کہ مادری زبان مین علم کی تحصیل سے معذور ہین، بلکہ یہ کہنا چاہئے، کہ وہ سرے سے مادری زبان سے محروم ہین، ہندوستان زبانون کا دنگل ہے، صوبہ دار زبانون کو چھوڑ کر اردو ہندی کا ایک مستقل دنگل اس ملک مین قائم ہے، ہمارے وطنی بھائیون نے اُس اہمیت کو پوری طرح محسوس کرکے جو زبان کو قوم کے وجود مین حاصل ہے، یہ عزم کرلیا ہے کہ وہ ہندی کو پوری مادری نہ سہی تو علمی وادبی زبان تو ضرور ہی بنا لین گے، لیکن مسلمان اب تک اس عزم اور فیصلے سے غافل ہین، اور ابھی تک انگریزی ہی بولنے، لکھنے اور پڑھنے کو کمال کا معیار جان رہے ہین، اور دوسری قوم سے مستعار مانگی ہوئی دولت پر فخر کرنا حماقت نہین سمجھ رہے ہین، اگر ہندوستان کو ایک قوم بننا ہے، تو یہان کی زبان کو بھی ایک ہندوستانی زبان بننا ہے، اور یہ وہی زبان ہوگی، جس کو ہندو مسلمان کی ملی جلی طاقت نے ایک ہزار برس کے میل جول سے اس ملک مین پیدا کیا ہے،

اب تک ہم اس ساحرانہ فریب نظر مین پھنسے تھے، کہ ان نئے علوم کی تعلیم بدیسی زبان کے سوا ہندوستان کی مادری زبان مین ہو ہی نہین سکتی، مگر یہ سحراب ٹوٹ رہا ہے، اور سرکار نظام کی بہادرانہ پیش قدمی نے

اس جال کے ایک ایک تار پود کو الگ الگ کر دیا ہے، اور ثابت کر دیا ہی کہ یہ علوم کسی خاص زبان کے پابند نہین، شراب کو جس پیالے مین بھی پیو وہ شراب ہے، اور تلوار کو جس غلاف مین بھی رکھو، وہ تلوار ہے، سوال ظرف کا نہین مظروف کا ہے،

مسلمانو! اٹھو اور ایک نئے تعلیمی نظام کی بنیاد رکھو، دنیا کا انتظار نہ کرو، وقت ہی کہ تم آگے بڑھو، دنیا خود تمھارے پیچھے آئے گی،

ہم کو اس کا احساس ہے، کہ آج کی گفتگو مین کچھ دل خراش باتین بھی ہین، مگر سنجیدگی سے غور اس پر کرنا ہی کہ یہ سچّی باتین ہین، یا نہین، اگر ہین تو زخمون پر کب تک اس ڈر سے نشتر نہ لگایا جائے کہ اس سے بیمارون کو تکلیف ہوگی،

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین،

نفسیاتِ حکیم ناصرِ خسرو

از

پروفیسر معتضد ولی الرحمن، ایم، اے، استاذ نفسیات، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

(۱)

جس وقت سے انسان نے اپنی حیاتِ ذہنی مین دلچسپی لینا شروع کی ہی، اس وقت سے اس مطالعہ نے دوراستے
ـیار کئے ہین، ایک مابعد الطبیعیاتی اور دوسرا علمی (سائنٹفک) ان مین سے پہلا طریق تفکر دراصل انسان کی مذہبی ضروریات
ـت جاودانی کی خواہش وامید، اور حیات جسمانی کے بعد حیاتِ روحانی پر اعتقاد کا نتیجہ تھا، ذہن کے اس مطالعہ کا نام عقلی
ـیات رکھا گیا، دوسرا طریقہ انسان کی عقلی فطرت کا نتیجہ تھا، اس مطالعۂ ذہنی نے بالآخر وہ صورت اختیار کی، جس کو
ـ عرصے سے تجربی نفسیات[1] کہا جارہا ہے، ان دونون طریقون کی مزید توضیح یہ کہکر بھی کی جاسکتی ہی، کہ عقلی نفسیات[2] روح
ـاہیت، اور اس کے مبدا و معاد پر بحث کرتی ہے، اس طرح یہ فلسفے کی ایک شاخ ہی، فلسفے مین منجملہ اور مسائل کے مسئلہ
ـت پر بھی غور کیا جاتا ہی، فلسفے کی جس شاخ مین یہ بحث ہوتی ہے، اس کو مابعد الطبیعیات کہتے ہین، اب چونکہ روح
ـر فی الواقع موجود ہے) تمام حقائق مین سب اہم ترین ہے، لہٰذا عقلی نفسیات (روح جس کا موضوع بحث ہے) مابعد
ـبیعیات کی بڑی شاخون مین سے ہی، اس کے مقابلے مین تجربی نفسیات واقعاتِ حیاتِ ذہنی (جس صورت مین یہ ہمارے
ـے مین آتے ہین) پر بحث کرتی ہی، یہ روح کی حقیقی و باطنی ماہیت یا اس کے وجود کے مسئلے سے تعلق نہین رکھتی، بلکہ ان
ـب کو فرض کر لیتی ہے، دوسرے الفاظ مین روح اس کا اصولِ موضوعہ[3] ہے مختصراً یون کہنا چاہئے، کہ ان دونون مین فرق

---

[1] Empirical Psychology [2] Rational Psychology
[3] Postulate

یہ ہے، کہ عقلی نفسیات تو اس سوال کا جواب ہے، کہ "روح کیا ہے"؟ اور تجربی نفسیات اس سوال کا کہ "ذہن کیا اور کس طرح کام کرتا ہے"؟ اپنے اس امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے تجربی نفسیات "روح" کے لفظ کو ترک کر کے "ذہن"، "ذات" یا "شعور" کے الفاظ اختیار کرتی ہے، چنانچہ اس کے موافقین فخراً اور مخالفین طنزاً اس کو "نفسیات بلا روح" کہتے ہیں،

مندرجۂ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ تجربی نفسیات سے مراد وہ مطالعۂ ذہن ہے، جو حیات ذہنی کے واقعات کے مشاہدے پر مبنی ہوتا ہے، نہ وہ جو عام مابعد الطبیعیاتی تخیلات سے مستنبط کیا جاتا ہے، اب چونکہ واقعات مشاہدہ اس کا نقطۂ آغاز ہیں، لہذا یہ مطالعہ علمی (سائنٹفک) ہوتا ہے نہ کہ فلسفیانہ،

حیات ذہنی کے مطالعہ کے تجربی طریقے افلاطون و ارسطو کے وقت سے مستعمل ہیں، ان دونوں کی تصانیف میں ذہنی مظاہر کے متعلق قیمتی بیانات ملتے ہیں، ان دونوں نے ذہن کی تحلیل کی ہے، اور نفسی اعمال کے مراتب و مدارج متعین کئے ہیں لیکن تجربی نفسیات پر سب سے پہلا باقاعدہ رسالہ ارسطو نے لکھا، ازمنۂ وسطیٰ میں بھی یہ دلچسپی باقی رہی، اگرچہ یہ مابعد الطبیعیاتی نفسیات کے زیر اثر رہی، واقعہ یہ ہے، کہ یہ خصوصیت یونانی، ازمنۂ وسطیٰ اور زمانۂ حال کی نفسیات کے بڑے حصے میں پائی جاتی ہے، زمانۂ حال کی تجربی نفسیات کا آغاز کہنا چاہئے، کہ جان لاک سے[1] ہوا، اس کے ہاتھوں میں اگرچہ فلسفہ پر غالب آئی لیکن پھر بھی اس کی نفسیات اس کے فلسفیانہ عقاید ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ تجربی نفسیات کو اصلی اور آخری آزادی انیسویں صدی کے ربع آخر میں جا کر حاصل ہوئی[2]

(۲)

مسلمانوں میں بڑے بڑے جید فلاسفہ گزرے ہیں، کہ جنھوں نے ارسطو کے فلسفے کی تشریح میں اپنے اجتہاد

---

[1] جان لاک John Locke، [illegible] اگست [illegible] میں پیدا ہوا، اور [illegible] اکتوبر [illegible] میں انتقال کیا، ایک معنی میں یہ پہلا فلسفی تھا جس نے ماہیت علم کی تحقیق کی طرف توجہ کی جو تحقیق اس نے شروع کی اس کا خاتمہ [illegible] کانٹ پر ہوا،

[2] مزید تفصیل کے لیے دیکھو، Foundation of Psychology از J. S. Moore باب [illegible]، اور Contemporary Psychology (Villa) باب [illegible]

فکر کا ثبوت دیا ہے، اصل میں تو وہ ارسطو کے شارح تھے، لیکن اس شرح میں اونھوں نے وہ وہ نکات پیدا کئے اور وہ وہ باتیں نکالیں، کہ بعض بعض صورتوں میں ماتن سے بھی آگے بڑھ گئے[۵۱]، تاہم اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے فلسفۂ مشائیت کو سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے بعض ایسے مصنفات کو، جو دراصل ارسطو کی نہ تھیں، ارسطو کی سمجھا، اور یہ سمجھ کر ان کو اپنی شرح کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ بعض بعض فلاسفہ، مثلاً فارابی، و ابن سینا نے دیدہ و دانستہ یہ کیا کہ بعض بعض مسائل خود گھڑ کر ان کو ارسطو کی طرف منسوب کر دیا، اس جعل سازی کے مختلف وجوہ ہیں، کہ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مولوی محمد یونس فرنگی محلی کا خیال بالکل صحیح ہے، کہ اونھوں نے "اکثر مسلمان فلاسفہ و متکلمین کو دھوکے میں ڈالا، اور انھیں کی تصنیفات کی بدولت بعض ایسے مسائل بھی ارسطو کی جانب منسوب کر دئے گئے، جن کا نام و نشان بھی ارسطو کی کتابوں میں نہیں ملتا"[۵۲] پھر ایسا بھی ہوا ہے کہ افلاطون اور ارسطو چونکہ فلسفے میں اُن کے خدا تھے[۵۳]، لہذا اونھوں نے یہ گوارا نہ کیا، کہ ان کے آپس میں کسی قسم کا تضاد پایا جائے، اس تضاد کو رفع کرنے کیلئے اونھوں نے تمام زور تخیل خرچ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس شرح "جانبداری" کی وجہ سے متن کا حلیہ بگڑ گیا، حاشا کہ اس سے فلسفہ یا فلاسفۂ اسلام کی تنقیص مقصود نہیں، اپنا اپنا طریق فکر ہے، اگر ان کو محض شارح ہی سمجھ لیا جائے، تب بھی ان کی عظمت میں کوئی شبہ نہیں، مثل مشہور ہے کہ، "یک من نقل را دہ من عقل باید" کچھ جوہر تو ان میں تھا، کہ یہ شارح بنے اور ایسے شارح بنے، کہ

---

۵۱ (Renan مصنفہ Averroes el l'Averroisme) ترجمہ انگریزی ص۵۳، ۵۲ ابن رشد ص۲۹۵ سلسلۂ دار المصنفین تفصیل کے لئے دیکھو ص۲۹۴، ص۳۰۳، ۵۳ چنانچہ فارابی نے اپنا رسالہ الجمع بین رأیی الحکیمین افلاطون الالٰہی وارسطوطالیس ان الفاظ میں شروع کیا ہے:۔ وکان ھذان الحکیمان ھما مبدعان للفلسفۃ ومنشئان لاوائلھا واصولھا ومتممان لاواخرھا وفروعھا وعلیھما المعول فی قلیلھا وکثیرھا والیھما المرجع فی یسیرھا وخطیرھا وما یصدر عنھما فی کل فن انما ہو الاصل المعتمد علیہ لخلوہ من الشوائب والکدر ... "پھر تھوڑی ہی دور آگے چلکر کہتا ہے"... ھذین الحکیمین النھما المنظور الیھما الامامان فی ھذہ الصناعۃ۔ "جیسا کہ رسالے کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے، اسمیں فارابی نے افلاطون اور ارسطو کو متحد الخیال ثابت کرنیکی کوشش کی ہے جس میں وہ ہمارے نزدیک بالکل ناکام رہا ہے،

یونانی فلسفے کو ابدالآباد تک زندہ رکھے گئے۔[1]

لیکن باایں ہمہ عظمت واجتہاد تقریباً تمام فلاسفۂ اسلام اپنی نفسیاتی تعلیمات میں ارسطو سے آگے نہ بڑھ سکے، ان تمام فلاسفہ میں سے ابن سینا غالباً اکیلا فلسفی ہے، جس نے اپنے نفسیاتی عقاید کو باقاعدہ طور پر مرتب رسالوں کی شکل میں بیان کیا ہے،[2] لکھنے کو دیگر فلاسفہ نے بھی نفس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، لیکن یہ سب "عقلی نفسیات" ہے، "تجربی نفسیات" نہیں، ابن سینا کی خصوصیت یہ ہے، کہ اوس نے ماہیتِ نفس پر نہیں، بلکہ اعمال واحوالِ نفس پر بحث کی ہے، لیکن اوس نے جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا ہے، اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہم ارسطو کی کتاب کا اردو ترجمہ پڑھ رہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اُس نے تجربی نفسیات کی حد تک کوئی نئی بات بیان نہیں کی، اس خصوص میں ہمارے نزدیک حجتِ خراسانی حکیم ناصر خسرو ان سب پر فائق ہے، یہ خیال رہے کہ اس وقت مابعد الطبیعیات کا ذکر نہیں، ذکر نفسیات، اور بالخصوص تجربی نفسیات کا ہے، اوراق آئندہ میں ہم حکیم ناصر خسرو کے نفسیاتی عقائد کی توضیح کریں گے، اس کے مطالعہ سے قارئین بطور خود ہمارے بیان کی تصدیق یا تکذیب کرسکیں گے،

(۳)

نفسِ مضمون کی طرف رجوع کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ بطور تعارف حکیم ناصر خسرو کے سوانحِ حیات[3]

---

[1] اس ضمن میں پروفیسر ویبر کا یہ فقرہ بہت پر معنی ہے، کہ (-Al is more learned Than original)

دیکھو تاریخ فلسفہ، انگریزی ترجمہ ص ۲۱۰ حاشیہ نمبر ۲ [2] ابن سینا کے نفسیاتی عقائد کے لئے دیکھو:- (Z.D.M.G) بابت ۱۸۷۵ء اس میں ڈاکٹر لانڈوئر (Landauer) نے اس کا ایک رسالہ معہ جرمن ترجمہ کے شائع کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب النجاۃ، کتاب الشفاء، اور شہرستانی کی ملل والنحل (مطبوعہ یورپ ص ۴۱۲، ۴۲۹،) سے تمام مفصل عقائد معلوم ہو سکتے ہیں، ہم آج کل "نفسیات ابن سینا" پر ایک مبسوط رسالہ بزبانِ انگریزی تالیف کرا رہے ہیں، جو عنقریب شائع ہوگا؛ [3] حیات ناصر خسرو کے لئے دیکھو:- تاریخ ادبیات ایران مصنفہ براؤن جلد دوم ص ۲۱۸ ومابعد، ریو (Riew) کی (Catalogue of The Pro. Mss. in Br. Museum)

مختصراً بیان کردئے جائیں،

ابومعین الدین ناصر خسرو، یا بقول بعض ابومعین ناصر بن خسرو[1]، القبادیانی المروزی جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، قصبہ قبادیان[2] کا رہنے والا تھا، لیکن پروفیسر آتہ کا قول ہے کہ اس کا وطن بلخ تھا،[3] دلیل اس دعوی کی اس نے یہ پیش کی ہے، کہ وہ بلخ میں سکونت پذیر رہا، پھر بقول ڈاکٹر براؤن، مشہور "غلط نویس" دولت شاہ کے نزدیک اس کا وطن اصفہان تھا،[4] لیکن سفرنامہ کے شروع ہی میں ناصر خسرو خود اپنے آپ کو "قبادیانی" کہتا ہے،[5] اس کے علاوہ ایک رباعی میں وہ اپنے خراسانی الاصل ہونے کو صاف طور پر بیان کرتا ہے،:-

گرچہ مرا اصل خراسانی است — از پس پیری و مہی و سری،
دوستی عترت و خانۂ رسول — کرد مرا یمگی و مازندری؛

(بقیہ حاشیہ ص۴) پروفیسر اتہ (The Grundriss der Iranischen Philologie) کی یا محمود غنی زادہ کا مقدمہ سفرنامہ مطبوعہ کاویانی، مندرجۂ بالا خاکہ اسی مقدمہ سے ماخوذ ہے، اور غنی زادہ کے نام سے تمام حوالے اسی مقدمہ کے ہیں، [1] غنی زادہ ص ج [2] بقول غنی زادہ "قبادیان قصبہ ایست درحوالی مروشاہجہان (یا مرو کلان، دیکھو "جغرافیہ خلافت مشرقی" مصنفہ لی اسٹرینج، مترجمہ محمد جمیل الرحمن صاحب شائع کردہ جامعہ عثمانیہ ص۱۱۹) از توابع خراسان" (صفحہ) لیکن پروفیسر براؤن کے نزدیک "یہ ترمذ اور جیحون کے قریب ایک شہر اور چھاونی کا نام ہے" (ادبیات ایران، جلد دوم ص۲۲۱، حاشیہ) لی اسٹرینج لکھتا ہے "شہر قبادیان اس دریا کے کنارے آباد ہے، جو دریائے وخشاب کے مغرب میں سب سے پہلے دریائے جیحون میں گرا ہے،" (ایضاً ص ۴۸۲) اس طرح یہ ترمذ کے قریب مشرق کی طرف واقع ہے، لی اسٹرینج کا بیان براؤن کے بیان کے مطابق ہے، لیکن غنی زادہ کا بیان بھی غلط نہیں، دقت صرف یہ ہے، کہ مروشاہجہان ترمذ سے اور آگے مغرب کیطرف واقع ہے، لہذا قبادیان کو ترمذ کے قریب کہنا مروشاہجہان کے قریب کہنے کی نسبت زیادہ قرین صداقت ہے، [3] غنی زادہ ص ج، بحوالہ (Grundriss des Iranischen Philologie ص۲۸۵)

[4] ادبیات ایران ص۲۲۵، [5] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی ص۱

لہٰذا پروفیسر اتہ اور دولت شاہ دونوں کے بیانات بداہتہً غلط ہیں، یہ ۳۹۴ھ مطابق ۱۰۰۳-۴ء میں پیدا ہوا، اس کے تحصیلِ علم کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں[1] زاد المسافرین کے مطالعہ سے اتنا البتہ معلوم ہوتا ہے، کہ اوس کو فلسفے کا بہت شوق تھا، اور فلاسفۂ یونان، خصوصاً سقراط، افلاطون، اور ارسطو کی اکثر کتابیں اس کے مطالعے میں رہتی تھیں، اسی ضمن میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بو علی سینا[2] کی صحبت سے بھی مستفید ہوا تھا، لیکن یہ محقق نہیں، سفرنامہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ مکہ کی طرف سفر کرنے سے قبل وہ سلیمان جغر بیگ داؤد بن میکائیل (جو ایران میں سلطنت سلاجقہ کے مؤسس طغرل بیگ کا بھائی تھا) کے زمانہ میں خراسان میں دیوانی کی کسی خدمت پر مامور تھا، اور شہر کے عمائد میں اس کا شمار ہوتا تھا،[3] اس کے اکثر اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت عیش و عشرت اور عزت و احترام کی زندگی بسر کرتا تھا،

اس کا اپنا قول[4] ہے، کہ ۴۳۷ھ میں جوزجان میں اوس نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص اسکو شراب پینے سے (جس کا وہ بہت عادی تھا)، منع کر رہا ہے، ایسی چیز کا شوق دلا رہا ہے، جس سے ہوش و خرد میں ترقی ہو، اور مکہ کی طرف سفر کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد اس نے ہاتھ منہ دھویا، اور جامع مسجد جا کر نماز پڑھی،

---

[1] واقعہ یہ ہے کہ ناصر خسرو کی شخصیت مختلف افسانوں سے اس طرح ڈھکی ہوئی ہے، کہ اوس کے اصلی سوانح کو معلوم کرنا بہت دشوار ہے، ان تمام افسانوں کا ماخذ بقول ڈاکٹر براؤن، ناصر خسرو کی وہ جعلی خود نگاشتہ سوانح عمری ہے، جو اسکے دیوان مطبوعہ تبریز کا مقدمہ ہے، (ادبیات ایران، جلد دوم صفحہ ۲۱۸) ان ہی افسانوں میں سے ایک دلچسپ افسانہ القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد میں یمگان کے ذکر میں بیان کیا ہے، اس میں ناصر خسرو کو بلخ کا بادشاہ بتایا گیا ہے، جسکو اس کی رعایا نے باہر نکال دیا تھا، لہٰذا اوس نے یمگان میں جا کر پناہ لی یمگان پہنچ کر اوس نے نہایت حیرت انگیز حمام، باغات اور طلسمی بت بنوائے، یہ بت اس قسم کے تھے، کہ جو کوئی طرف دیکھتا تھا اسکی عقل جاتی رہتی تھی قزوینی کا بیان ہے کہ یہ حمام اسکے وقت تک موجود تھا، چنانچہ اوس نے سکو بنفس نفیس دیکھا تھا،

[2] ابو علی حسین بن عبد اللہ ایران اور مسلمانوں کا مشہور فلسفی ۳۷۰ھ میں پیدا ہوا، اور ۴۲۸ھ میں انتقال کیا۔ [3] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی صفحہ ۲

[4] ایضاً صفحہ ۳ اسی خواب کے بعد اوس نے اپنے آپ کو حکیم کہنا اور لکھنا شروع کیا، کیونکہ خواب میں اسکو متنبہ کیا گیا تھا کہ جو شخص بے ہوشی و بے خودی پیدا کرنے والی اشیاء کا استعمال نہیں کرتا بلکہ ہوش و خرد کو بڑھانے کی تدبیر کرتا ہے، وہ اسکو صحیح معنوں میں حکیم سمجھنا چاہیے، وہ بھی خواب کے بعد چونکہ شراب سے تائب ہو چکا تھا، لہٰذا اس تنبیہ کے مطابق وہ بھی صحیح معنوں میں حکیم بن گیا تھا۔

اور شراب ترک کرنے میں حضرت باری تعالیٰ سے مدد چاہی" اس کے بعد جمعرات کے دن ۶ جمادی الاخری ۴۳۷ھ کو راہِ سفر اختیار کی سب سے پہلے وہ مرو گیا، اپنے عہدے سے مستعفی ہوا، اور ۲۳ شعبان ۴۳۷ھ کو مرو سے روانہ ہو کر ۱۱ شوال کو نیشاپور پہنچا، یہاں اکیس روز قیام کر کے دوسری ذی القعدہ کو پھر روانہ ہوا، اور سمنان، ری، اور قزوین سے ہوتا ہوا، آذربائیجان آیا، اور تبریز میں قطران شاعر سے ملاقات کی، یہاں سے براہ مرند و خوی، شہروان پہنچا، اور وہاں سے براہ اخلاط، بطلیس میافارقین آمد، حران، اور سروج شامات میں وارد ہوا، اور ابھی ابوالعلا معری[1] زندہ تھا، کہ معرۃ النعمان میں داخل ہوا، لیکن ابوالعلاء سے ملاقات نہ کی، اوس نے اپنے سفرنامہ میں ابوالعلاء کا ذکر خوب پر لطف پیرایے میں کیا ہے، - لکھا ہے:-

"در آن (یعنی معرۃ النعمان) مردے بود کہ ابوالعلاء معری می گفتند، نابینا بود و رئیس شہر او بود، نعمتی بسیار داشت، و بندگان و کارگران فراوان و خود ہمہ شہر او را چون بندگان بودند و خود طریق زہد پیش گرفتہ بود، گلیمے پوشیدہ و در خانہ نشستہ نیم من نان جوین راتبہ کردہ کہ جز ان ہیچ نخورد، و من این معنی شنیدم، کہ در سرائے باز نہادہ است و نواب و ملازمان او کار شہر میسازند، مگر بکلیات کہ رجوع باو کنند، و وے نعمت خویش از ہیچ کس دریغ نہ دارد و خود صائم الدہر و قائم اللیل باشد و بہیچ شغل دنیا مشغول نہ شود، و این مرد در شعر و ادب بدرجہ است کہ افاضل شام و مغرب و عراق، مقر اند کہ درین عصر کسے بپایہ او نبودہ است، و نیست، و کتابے ساختہ آن را الفصول و الغایات نام نہادہ، و سخنہا آوردہ است مرموز و مثلہا بالفاظ فصیح و عجیب کہ مردم بر ان واقف نمی شوند، مگر بر بعضی اندک، و ان کسے نیز کہ بروے خوانند، چنانکہ او را تہمت کردند کہ تو این کتاب را بمعارضہ قرآن کردی، و پیوستہ زیادت از دویست کس ز اطراف آمدہ باشند و پیش او ادب و شعر خوانند و شنیدم کہ او را زیادت از صد ہزار بیت شعر باشد، کسی از وے پرسید کہ ایزد تبارک و تعالیٰ این ہمہ مال و نعمت ترا دادہ است، چہ سبب است، کہ مردم را می دہی و خویشتن نمی خوری جواب داد کہ مرا بیش ازین نیست کہ می خورم، و چون من آنجا رسیدم این مرد ہنوز زندہ بود"[2]

[1] ابوالعلا احمد بن عبداللہ المعری مشہور و معروف عالم ہے، ۳۶۳ھ میں پیدا ہوا، اور ۴۴۹ھ میں انتقال کیا، [2] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی ص ۱۵-۱۶

معرۃ النعمان سے نکل کر طرابلس وصیدا ہوتا ہوا فلسطین پہونچا، اور ۵ رمضان ۴۳۹ھ کو وارد بیت المقدس ہوا، دو ماہ بعد مکہ گیا، اور حج سے فارغ ہو کر پھر بیت المقدس لوٹ آیا، یہاں سے چاہتا تھا، کہ دریا کے راستے سے مصر جائے، لیکن ہوا مخالف تھی، لہذا مجبوراً خشکی کے راستے تونس سے ہوتا ہوا مصر پہنچا، یہاں خلیفہ فاطمی المستنصر باللہ بر سر حکومت تھا، مصر کے شکوہ و عظمت اور خلیفہ کے دبدبہ و احتشام سے بہت مرعوب ہوا، اسی وقت اور یہیں یہ فرقۂ اسماعیلیہ میں داخل ہوا، اور عہد کیا کہ ایران جا کر اس کی تبلیغ کریگا،

غرہ ذی القعدہ ۴۳۹ھ کو دوسری مرتبہ بعزم زیارت مکہ مصر سے روانہ ہوا، اور مدینہ کی زیارت سے مشرف ہوا، ۱۸ ذی الحجہ کو مکہ پہنچا، لیکن چونکہ وہاں قحط پھیلا ہوا تھا، لہذا وہاں توقف نہ کیا، بلکہ فوراً ہی مصر واپس چلا آیا، اگلے سال یعنی ۴۴۰ھ میں پھر چونکہ قحط تھا، اور خلیفہ نے حاجیوں کو بھیجنا مناسب نہ سمجھا، لہذا قاضی عبد اللہ (جو خلیفہ فاطمی کی طرف سے غلاف کعبہ کا حامل تھا،) کے ساتھ اس کو تیسری مرتبہ مکہ جانا پڑا، اس سال بھی یہ فوراً ہی مصر واپس آگیا، اگلے سال ۴۴۱ھ میں اوس نے حج نہ کیا، بلکہ ۱۴ ذی الحجہ کو مصر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہکر ماہ جمادی الاخری چوتھی مرتبہ مکہ پہنچا، اس مرتبہ قریب چھ ماہ یہاں مقیم رہا، اور ۴۴۲ھ میں آخری حج کر کے مختلف مقامات سے ہوتا ہوا، ۲۰ شعبان ۴۴۳ھ کو بصرہ میں آیا، دو ماہ یہاں قیام کر کے پھر اسی طرح سیاحت کرتا ہوا، ۲۰ صفر ۴۴۴ھ کو اصفہان میں وارد ہوا، بیس دن یہاں ٹھہرا، اور پھر اور شہروں کی سیر کرتا ہوا، ۲۶ جمادی الاخری ۴۴۴ھ کو اپنے بھائی ابو سعید کے ہمراہ بلخ پہنچا، اور اپنے دوسرے بھائی ابو الفتح عبد الجلیل سے آملا، اس طرح اوس نے پورے سات سال سیر و سیاحت میں بسر کئے،[1]

---

[1] یہاں اس نظریے کی طرف اشارہ کرنا نامناسب نہ ہوگا، جس کو ڈاکٹر ریو (Rieu) جیسے فاضل نے پیش کیا ہے، اور جس کو پرتش (Pertsch) اور فگنن (Fagnan) کی تائید حاصل ہے، اس کے مطابق ناصر خسرو دو تھے، ور ان دونوں کی کنیت ابو معین تھی، ان میں سے ایک شاعر فلسفی اور ساحر تھا اور دوسرا سیاح لیکن شفر (Schefer) اور ان کی تحقیق کی روشنی میں یہ نظریہ (بقیہ حاشیہ ص ۲۶۲ پر)

اس ہفت سالہ سیر و سیاحت مین، بقول غنی زادہ، ناصر خسرو نے "فوق العادۃ" تکالیف اوٹھائین، چنانچہ اکثر
وس نے "بے آب و علف" بیابانون مین "اعراب بادیہ نشین" کے درمیان نہایت خطرے مین زندگی بسر کی ہے،
یک مرتبہ تو اوس کو فلج نام ایک مقام پر چار ماہ قیام کرنا پڑا، یہ مقام ایک بیابان کے وسط مین اس طرح
اقع تھا کہ چارون طرف "دو دو فرسنگ تک آبادی کا نام نہ تھا، اس تمام مدت مین اوس نے کھجورین کھا کھا کر اپنی زندگی کے
ن پورے کئے، پھر اس کو ایسے راستے طے کرنے پڑے ہین، کہ جہان کے باشندے سالون پانی کی شکل تک نہین دیکھتے،
ی ہیئت، غریبی و مفلسی مین وہ بصرہ پہنچا، بصرہ پہنچنے کے وقت جو حالت اس کی تھی، اوس کو اوس نے اپنے سفرنامہ مین بڑے
یے سے بیان کیا ہے[1]

ان تمام تکالیف و مصائب اور تنگی و ترشی کا اثر ناصر خسرو پر یہ ہوا کہ اس کے مزاج مین انتہا درجے کی غریبی پیدا
گئی، اوس نے تمام دنیا سے قطع تعلق کیا اور بقیہ عمر مذہبی مجادلات کے لئے وقف کر دی، اسی زمانہ مین وہ مصر کے خلفائے
طمیہ کا "داعی و مبلغ آتشین" رہا، لیکن عجیب بات یہ ہے، کہ اوس نے اپنی کسی تصنیف مین بھی اپنے آپ کو "اسماعیلی"
مین کہا[2]، بلکہ ہر جگہ "فاطمی، حجت مستنصری، حجت خراسانی یا محض حجت" کہتا ہے، اوس کے دیوان مین اکثر اشعار اس
، تائید مین ہین،

لیکن مصر سے واپسی کے بعد جن خیالات کی تبلیغ ناصر خسرو نے کی وہ "عقائد طائفہ اہل سنت" کے منافی تھے
س کے علاوہ امرائے خراسان بھی، کم از کم ظاہراً، خلفائے بغداد کی متابعت کرتے تھے، اور اپنے آپ کو "مولی
امیر المومنین" کہتے تھے، لہذا ناصر خسرو کی یہ تبلیغ کسی کو بھی خوش نہ آئی، پھر اُن کو یہ بھی اندیشہ ہوا،
کہ کہین ایسا نہ ہو، کہ اس طرح مصر کے خلفائے فاطمیہ کا اثر و نفوذ یہان زیادہ ہو جائے، نتیجہ

بقیہ حاشیہ ص ۲) قابل قبول نہین (تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ ادبیات ایران، جلد دوم ص ۲۲۴ و ۲۲۵) [1] سفرنامہ ص ۱۲۹،

[2] غالباً یہی وجہ ہے، کہ ڈاکٹر رحمان زاد المسافرین کے مقدمہ مین یہ فقرہ لکھ گئے، کہ "وے اینکہ او از طائفہ شیعہ اسماعیلیہ و مبلغین آنہا بودہ
یا نہ یکے از مشکلات است کہ حلش چندان آسان نیست" ص ج،

اس سب کا یہی ہونا چاہئے تھا، کہ ناصر خسرو اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور رہوا، یعنی اوس کو جلاوطن کیا گیا، چنانچہ خود لکھتا ہے :۔

"........ جہال امت کہ ما را بدین خوانند و بر ما غلبہ کردند واز مسکن وشہر خویش ما را براندند[۵] ....."

ایک خیال یہ ہے کہ یہ سب کچھ خلیفہ بغداد کے حکم سے ہوا، چنانچہ اس کے بعض اشعار مین بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، علامہ غنی زادہ کی تحقیق یہ ہے، اور اس طرف فضلائے فرنگی مین سے کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ خراسان سے جلاوطن ہوجانیکے بعد وہ مدت تک مازندران مین رہا[۶]،

ناصر خسرو کی تاریخ وفات کے متعلق اختلاف آرا ہے، اس کے متعلق جو افسانے زبان زد عوام ہین، ان کے مطابق اس کی عمر ۱۴۰ سال کی ہوئی، اور مرنے کے بعد جنون نے اسکو دفن کیا[۷]، لیکن تقویم التواریخ کے مطابق اس نے ۴۸۱ھ مین انتقال کیا، علامہ غنی زادہ اس سے بھی متفق نہین،

اس کے مصنفات مین سے جن کتابون کے نام ہم تک پہنچے ہین، وہ حسب ذیل ہین :۔ سفرنامہ، روشنائی نامہ، سعادت نامہ، زادالمسافرین، دیوان اشعار، وجہ دین، بستان العقول، خوان اخوان، دلیل المتحیرین، ان کے علاوہ بعض تذکرہ نویسون نے منطق اور بقول صاحب آتشکدہ فلسفہ کی کتاب اکسیر اعظم، سحر اور علم فوق العادۃ کی کتاب قانون اعظم، فقہ کی کتاب المستوفی، علم یونان کی ایک کتاب دستور اعظم، ایک رسالہ کنز الحقائق، اور ملاحدۂ باطنیہ کے نقطۂ نظر سے ایک تفسیر القرآن کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن آج تک ان مین سے کوئی بھی ہمارے ہاتھ نہین لگی، معلومہ مصنفات مین سفرنامہ، روشنائی نامہ، سعادتنامہ اور زادالمسافرین کو مطبع کاویانی جرمنی نے شائع کیا ہے،

اس تعارف کے بعد اب ہم اپنے نفس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہین، ناصر خسرو نے اپنے فلسفیانہ عقائد کو زادالمسافرین مین بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ہم نے بھی اس کے نفسیاتی عقائد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی سے ماخوذ ہے، کتاب باعتبار حجم اس کی تمام مصنفات مین سے سب سے بڑی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ بلحاظ مضمون بھی وہ اسکو

۵ زادالمسافرین مطبوعہ کاویانی ۱۳۴۱، ص ۴۲ ۶ تاریخ ادبیات ایران مصنفہ براؤن جلد دوم ص ۲۳۱،

سب پر فائق سمجھتا تھا، چنانچہ اس کے متعلق لکھتا ہے[۱]:-

زتصنیفاتِ من زادالمسافر، کہ معقولات را اصل ست وقانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند ثنا خواند مرا خاکِ فلاطون

یہ کتاب اوس نے ۴۵۳ھ[۲] مین خلیفہ فاطمی المستنصر باللہ کے نام سے تصنیف کیا ہی[۳] مقصود اس تصنیف کا خود مصنف کے الفاظ مین یہ ہی:-

"...... پیش از آنکہ بقوے رسیم کہ مقصود ما از تالیف این کتاب آنست و آن مقصود بیان است از آنکہ نفس چرا بر مثال مسافر است، اندرین عالم واز کجا ہمی آید وکجا ہمی شود، او اندرین سفر زاد او چیست[۴]"

اس کو برادر معظم ڈاکٹر محمد بذل الرحمٰن ایم اے پی ایچ ڈی (کینٹب) حال پرنسپل اسمٰعیل کالج اندھیری (بمبی) کی تصحیح وتحشیہ کے بعد مطبع کاویانی برلین نے ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء مین شائع کیا، اوراقِ آیندہ کی تدوین کے وقت یہی نسخہ راقم کے پیش نظر رہا ہی،

(۴)

زاد المسافرین مین حکیم ناصر خسرو نے اپنے نفسیاتی عقاید کو یکجا اور مسلسل طور پر بیان نہین کیا، اس کے مضامین کی ترتیب اس کی فلسفیانہ تعلیم کے مطابق ہی، لہذا جو خاکہ اس نے اپنے ذہن مین اپنے فلسفہ کا قائم کیا ہی، اس کے مطابق جوابات جہان موزون معلوم ہوئی، بیان کردی گئی ہی، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کتاب مین تسلسل اور مضامین ومباحث مین منطقی تعاقب تو پیدا ہو گیا، لیکن کسی خاص مبحث کے متعلق اس کے خیالات کو دریافت کرنے کیلئے تمام کتاب کی ورق گردانی لازمی ہو گئی، لیکن چونکہ دماغ سلجھا ہوا، عقیدہ پختہ اور خیالات مین منطقی ربط ہے، لہذا کتاب کے مختلف صفحات سے بلا خیال تقدیم وتاخیر جو کچھ بھی یکجا جمع کر لیا جائے، اسمین نہ تو تضاد پایا جاتا ہی، نہ خیالات کے تسلسل مین انقطاع، اس کی نفسیاتی

---

[۱] دیوان مطبوعۂ طہران ص ۳۳۸ [۲] زاد المسافرین، ص ۲۸۰، [۳] ایضاً مقدمہ ص ح، [۴] ایضاً ص ۳۱۴، اسی مناسبت نے اس نے اس کا نام زاد المسافرین رکھا ہی،

تعلیمات کے لئے بھی ہم کو یہی کرنا پڑا ہے، کہ مختلف مقامات سے اس کے خیالات کو منتزع کرکے اُن کو ترتیب دیا ہے، اور ایک خاص سلسلے میں ان کو بیان کیا ہے، لہذا یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اوراقِ آیندہ میں مضامین و مباحث کا جو سلسلہ ہم نے قائم کیا ہے، وہ اصل کتاب سے بالکل مختلف ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے، کہ ہمارے نزدیک ہمارے اختیار کردہ سلسلے سے اس کے نفسیاتی عقائد سہولت کے ساتھ اور واضح طور پر ذہن نشین ہوتے ہیں، اور مصنف کے اجتہادِ فکر کا سب زیادہ بین ثبوت مہیا کرتے ہیں، ہم سب سے پہلے ماہیتِ نفس کو لیتے ہیں،

حکیم ناصر خسرو نے نفس کی تعریف اس طرح کی ہے، کہ یہ ایک جوہر ہے کہ جسمیں حرکت مطلق ہوتی ہے، جو بذاتِ خود زندہ ہے، صورتوں کا مکان ہے، دانش پذیر ہے، جسم کی فنا کے بعد بھی بذاتِ خود قائم رہتا ہے، "خداوند علیم ہے اور جسم نہیں[1] اسکا کوئی مکان نہیں[2] اور اسکا علم ہمکو بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ اسکے افعال کے ظہور کی وساطت سے ہوتا ہے[3]

اپنی اس تعریف کو اوس نے ماہیتِ نفس کے متعلق مروجہ نظریہ کا ابطال کرکے ثابت کیا ہے، ماہیتِ نفس کے متعلق مروجہ نظریہ[4] یہ تھا کہ نفس کوئی ایسی چیز نہیں، جو بذاتِ خود قائم ہو، یہ دراصل اعتدالِ مزاج کا دوسرا نام ہے، اسی اعتدال کی وجہ سے جسمِ حیوانی زندہ ہے، اور اسی کی بدولت اس سے افعال صادر ہوتے ہیں، ثبوت اس نظریہ کا یہ دیا جاتا ہے، کہ جب دیوانگی، بیماری، یا مستی، کی وجہ سے اعتدال باقی نہیں رہتا، تو تمام افعال ناقص ہو جاتے ہیں، اور جانی اور پہچانی ہوئی چیزوں کو نہ وہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے، اس کا مطلب صریحاً یہی ہے، کہ چونکہ اعتدال کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے علم و عمل دونوں بگڑ جاتے ہیں، لہذا ان دونوں میں ربطِ علیت ہے، اس کے علاوہ جب ہم کو یہ معلوم ہے کہ اعتدال میں ذرا سے فتور ہی سے علم و عمل دونوں میں کچھ نہ کچھ فتور واقع ہو جاتا ہے، تو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ جب جسم میں انحلال واقع ہوگا، اور

---

[1] زادالمسافرین ص ۱۴۱، ص ۴۲-۴۳ [illegible]

فلسفی کا نظریہ ہے، صرف اتنا لکھا ہے، کہ گروہے از ضعفائے خلق کہ رنج آموختنِ علم نتوانستند کشیدن، و لطائف مر المعورت خویش نتوانستند کردن، گفتند..... ص ۵۸

معارف۔ یہ اطبائے طبِ یونانی کا نظریہ ہے،

یہ مٹی ہو جائے گا تو علم و عمل دونوں کلیتہً مفقود ہو جائیں گے۔اس طرح ثابت ہوا، کہ حیوانات کا علم و عمل اعتدالِ مزاج کا نتیجہ ہے اور اعتدال کے ختم ہوتے ہی ان دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اسی کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے، کہ جسم کے فنا ہو جانے کے ساتھ ہی نفس بھی فنا ہو جاتا ہے، بالفاظ دگر نفس قائم بذاتِ خود نہیں، بلکہ اپنے قیام کے لئے جسم کا محتاج ہے۔[1]

اس نظریہ میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتدالِ مزاج کسے کہتے ہیں، ؟ ظاہر ہے کہ اس کی تعریف سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی، کہ ایک جسم کے اجزاء مرکبہ علی السویہ ہوں، جسم چونکہ آب و باد و خاک و آتش سے مرکب ہے، لہٰذا اس تعریف کے مطابق اعتدال اس وقت قائم ہوگا، جب یہ چاروں ایک دوسرے کے برابر ہوں، اور کوئی بھی کسی سے کم نہ ہو، اب چونکہ تمام حیوانات بشمول انسان میں علم و عمل ہوتا ہے، لہٰذا ان سب کے اجسام میں اعتدال کا ہونا ضروری ہے یعنی لازمی ہے، کہ ان سب میں یہ چاروں عناصر ایک دوسرے کے برابر ہوں، اگر یہی صورت ہے، تو ہونا یہ چاہئے تھا، کہ ان سب کا مزاج بالکل ایک ہی سا ہو، اور اس لئے ان سب کا علم و عمل بھی ایک ہی نہج پر ہو، لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ نہ تو ان سب کا مزاج ایک ہی سا ہوتا ہے، اور نہ ان کا علم و عمل ہی ایک نہج پر ہوتا ہے، انسانوں ہی میں کسی کے مزاج میں گرمی و خشکی کا غلبہ ہوتا ہے، اور کسی کے مزاج میں سردی و تری کا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے، کہ مزاج کا یہ اختلاف ان ہی عناصر کی کمی و بیشی کا نتیجہ ہوتا ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ انسانوں کے مزاج میں اعتدال نہیں پایا جاتا، یہی حال اعلیٰ اور ادنےٰ درجے کے حیوانات کا ہے، چنانچہ بعض حیوانات برف میں پیدا ہوتے ہیں اور بعض آگ میں بعض ہوا میں زندہ رہتے ہیں، اور پانی میں مر جاتے ہیں اور بالعکس بعض پانی میں زندہ رہتے ہیں، اور ہوا میں مر جاتے ہیں، وقس علیٰ ہذا یعنی ان کے اجسام میں بھی اعتدالِ عناصر نہیں ہوتا، نظریہ زیرِ تنقید کے مطابق اعتدال ہی ان کو زندہ رکھنے والا ہے، اور وہ اسی اعتدال پر ان کا علم و عمل موقوف ہوتا ہے، اور یہ اعتدال، جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا ہے، غیر موجود ہے، لہٰذا یہ حیوانات نہ تو زندہ رہنے چاہئیں، اور نہ ان میں علم و عمل ہونا چاہئے لیکن باوجود اس

---

[1] زاد المسافرین صفحہ ۵۹۔

عدمِ اعتدال کے زندہ بھی رہتے ہیں، اور ان میں علم وعمل بھی ہوتا ہے، نتیجہ بداہتہً یہ ہے کہ ان کو زندہ رکھنے، اور ان میں علم وعمل پیدا کرنے کیلئے اعتدالِ مزاج کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اجسام چونکہ نفس کی وجہ سے ذی حیات بنتے ہیں، اور اسی سے ان میں علم وعمل پیدا ہوتا ہے، لہذا نفس اعتدالِ مزاج کا ہم معنیٰ نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اعتدالِ مزاج حیوانات کو زندہ رکھنے والا ہے، اور یہ ہر حیوان میں پایا جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ اعتدالِ مزاج عرض ہوگا، نہ کہ جوہر، اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو صورتِ حال یہ ہوئی کہ عرض جوہر کو زندہ رکھنے والا ہے، اور حرکت دینے والا ہے، اگر ایسا ہے، تو عرض جوہر ہے، اور جوہر عرض، لیکن یہ غلط اور محال ہے، لہذا ثابت ہوا کہ نفس اعتدالِ طبائع نہیں[1]،

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے، کہ اس نظریے کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا ہے، کہ جب دیوانگی، بیماری یا مستی کی وجہ سے اعتدال میں فساد واقع ہوتا ہے، تو علم ناقص ہو جاتا ہے، لیکن اس ثبوت کو پیش کرتے وقت یہ واقعہ نظر انداز کر دیا گیا ہے، کہ صحت وہوش کے عود کر آنے سے جب اعتدال دوبارہ قائم ہو جاتا ہے، تو غائب شدہ علم بھی عود کر آتا ہے، اور ناقص علم کا نقص رفع ہو جاتا ہے، اب اگر ہم اعتدال کو نفس کا ہم معنی، اور اس لئے "خداوند علم" فرض کر لیں، تو پھر صحت وہوش کے عود کر آنے کے وقت صورتِ حال کچھ ایسی ہوگی:- اعتدال خراب ہو جانے کا مطلب یہ ہے، کہ طبائعِ حیوانی کے عناصر میں سے بعض فاسد ہو گئے ہیں، لہذا جو عناصر کہ صحیح وسالم رہے، وہ اس اعتدال کے بگڑ جانے کی وجہ سے بے علم ہو گئے، صحت وہوش کے عود کر آنے سے اعتدال دوبارہ قائم ہو جانے کا مطلب صرف اسی قدر ہو سکتا ہے، کہ فاسد عناصر کی جگہ نئے عناصر پیدا ہو گئے، یہ نئے عناصر ان عناصر کے علم سے بداہتہً بے خبر ہیں، جو فاسد ہو گئے تھے، اس سے صاف طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے، کہ پہلے اعتدال کے وقت جو علم موجود تھا، وہ نئے اعتدال کے وقت نہ ہونا چاہئے، لیکن ہمارا تجربہ ومشاہدہ اس کے خلاف ہے، یعنی بیمار شخص اپنی بیماری سے صحت پانے کے بعد اپنے گذشتہ علم کو بجنسہٖ پا لیتا ہے، یہی حالت دیوانہ ومست کی ہوتی ہے، ان تمام باتوں کو پیشِ نظر رکھنے سے ظاہر ہے، کہ ہم اعتدال کو نفس نہیں کہہ سکتے

[1] زاد المسافرین ص ۵۹، ۶۰

ت اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں، کہ اعتدال نفس کا ایک خادم ہے، اور یہ تمام علم اعتدال میں نہیں، بلکہ نفس میں تھا، اور یہی نفس
نول و مصنوع کی تمام لطیف صورتوں کا معدن ہے، اس لحاظ سے اعتدال کے بگڑ جانے سے علم کا ناقص یا غائب ہو جانا،
ر اعتدال کے دوبارہ قائم ہو جانے سے علم کا عود کر آنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ہمارا کوئی خادم بیمار ہو جاتا ہے، تو جو کام کہ اس کے
ویض ہے، وہ ناقص یا ختم ہو جاتا ہے اور اس خادم کے تندرست ہو جانے کے بعد وہ خاص کام پھر ٹھیک ٹھیک ہونے
تا ہے، یہ امر تو ثابت شدہ ہے، کہ نفس اپنے معلومات کو کسی وجہ سے گم کر دینے کے بعد دوبارہ حاصل کر لیتا ہے یہی امر
ں حقیقت پر دال ہے کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے ذاتِ نفس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اگر یہ خلل واقع ہوتا تو
م شدہ علم ہمیشہ کیلئے تباہ ہو جاتا، اب بیماری ایک درجے کی موت ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ موت سے بھی نفس کا علم تباہ
نہیں ہوتا یعنی یہ کہ نفس میں کوئی فساد نہیں ہوتا، اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ فسادِ جسم سے ذاتِ نفس میں کوئی
نقصان پیدا نہیں ہوتا نفس بذاتِ خود قائم ہے، اور اعتدال کا ہم معنی نہیں [1]

پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے، کہ جسم حیوان میں برابر تحلیل جاری رہتی ہے، اسی وجہ سے سیری کے بعد بھوک لگتی ہے پس
ایک ایسی چیز کہ جس کے اجزا برابر کم ہوتے رہیں، کس طرح معتدل رہ سکتی ہے، لیکن دہری کہتا ہے کہ جو اعتدال جسم حیوانی
میں ہوتا ہے، وہ ہمیشہ تحلیل ہی سے پیدا ہوتا ہے، اب اگر ایسا ہے، تو لازم آتا ہے کہ کبھی تو حیوان میں زندگی کم ہو، اور کبھی
زیادہ اور یہ محال ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ بھوک کے وقت جو حالت انسان کی ہوتی ہے، وہ اس حالت سے مختلف
ہوتی ہے، جو سیری کے وقت اس کی ہوتی ہے، اب اگر حالتِ سیری حالتِ اعتدال ہے، تو حالتِ گرسنگی لازماً حالتِ
عدمِ اعتدال ہوگی، اب چونکہ اعتدال ہی سے حیوانات کی زندگی قائم رہتی ہے، لہٰذا بحالتِ سیری تو ان میں زندگی ہوگی
اور بحالتِ گرسنگی عدمِ زندگی یعنی بھوک کی حالت میں وہ حیوان مردہ ہوگا، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ حیوان بھوک کی حالت
میں زندہ رہتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نفس اعتدالِ طبائع کا دوسرا نام نہیں [2]

اسی سلسلے میں ایک نکتہ اور پیدا ہوتا ہے، اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اعتدالِ طبائع ہی نفس ہے، تو ایک سوال

---

[1] زاد المسافرین ص۹۰، ۹۱، [2] ایضاً ص۹۱، ۹۲

یہ پیدا ہوتا ہے، کہ آخر وہ کون سی چیز ہے کہ جو اجزائے طبائع کو اس طرح برابر کر دیتی ہے کہ وہ معتدل ہو جاتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے کل سے بھی جُدا نہیں ہوتے؟ جواباً اگر کہا جائے کہ یہ اجزائے طبائع خود بخود جُدا ہو جاتے ہیں، اور پھر خود بخود ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں، تو پھر ہونا یہ چاہیئے کہ تمام طبائع فی الجملہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں، کیونکہ یہ تمام اجزاء کلیات میں سے ہیں، اور کل جسم خود اپنے اجزاء کے سوا اور کیا ہے،؟ لیکن فی الواقع ہوتا یہ ہے کہ کل طبائع میں سے بعض اجزاء تو مل جاتے ہیں، اور بعض بدستور جُدا رہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اجزاء کو ملانے والی کوئی اور قوت ہے توضیح اس کی یوں کی جاسکتی ہے، کہ سب جانتے ہیں کہ آدمی کی صورت نطفہ ہی میں بن جاتی ہے، اور نطفہ مفعول ہے، اب ہر مفعول کیلئے اس کی اپنی ذات کے علاوہ کسی اور ذاتِ فاعل کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ یہ محال ہے، کہ ایک ہی ذات خود اپنی ہی فاعل ہو اس وجہ سے کہ اس طرح جو چیز کہ زمانہ آیندہ میں آنے والی ہے، وہ اپنے وجود سے قبل موجود ہو جاتی ہے یعنی ایک ہی چیز موجود بھی ہو جاتی ہے اور معدوم بھی، جو بداہتہً محال ہے، پس واجب ہے کہ نطفہ میں ایک ایسی قوت ہے، جو ذاتِ نطفہ کے ہر جزو کی نگہداشت کرے، اسکو ایک خاص صورت دے، اور ایک موزوں مقام میں اسکو جگہ دے کہ اس کے لائق غذا مہیا کرے، اور اس طرح اس کو زندہ رکھے، دوسرے الفاظ میں یہ قوت جسم نہ ہوگی، بلکہ اس جسم (نطفہ) کی نگہبان اور صورت گر ہوگی، اس دعوی پر دلیل یہ لائی جاسکتی ہے، کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نطفہ بذاتِ خود اپنی ذات کا صورت گر ہے، کیونکہ یہ ایک ہی جوہر کے اجزاء سے مرکب ہے، اور ان میں سے کوئی بھی جزو اس قابل نہیں کہ دوسرے باقیماندہ اجزاء کی صورت گری کر سکے، پھر یہ بھی روا نہیں کہ اس کے تمام اجزاء خود اپنی ذات کے لئے فاعل بھی ہوں اور منفعل بھی، کیونکہ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے، یہ محال ہے، ماحصل اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ تمام کا تمام نطفہ مفعول اور صورت پذیر ہے، اسی سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، کہ نطفہ میں کوئی ایسی چیز لازمی ہے، جو اس کے لئے فاعل اور صورت گر ہے اور اسی سے یہ بھی لازم آتا ہے، کہ یہ چیز جسم نہ ہوگی، کیونکہ اگر یہ جسم ہے تو یہ اسی نطفہ کا ایک جزو ہے، اور اس لئے مفعول ہے اس طرح آخری نتیجہ یہ ہے کہ نطفہ میں جو صورت گر ہے، وہ جسم تو نہیں لیکن جوہر ضرور ہے، کیونکہ عرض جسم میں کوئی صورت پیدا ہو نہیں کر سکتا، اس وجہ سے کہ عرض قائم بالذات نہیں ہوتا، اور جو چیز کہ قائم بالذات نہیں اس کا کوئی فعل نہیں ہوتا

لیکن جو چیز کہ نطفہ کو صورت دیتی ہے اس کا فعل ہوتا ہے، لہذا یہ عرض نہیں، اور چونکہ یہ عرض نہیں لہذا یہ لازماً جوہر ہے۔ اگر مندرجۂ بالا بیانات سے معترض کو تشفی نہ ہوتی ہو یعنی اوس کو شبہ ہو کہ انسان یا دیگر حیوانات کے نطفہ میں ایک جوہر ایسا ہوتا ہے جو اس نطفہ کو صورت دیتا ہے، اوسکی نگہداشت کرتا ہے، اسکی غذا مہیا کرتا ہے، اور اس کو زندہ رکھتا ہے، تو اوس کو چاہیے کہ نباتات کے بیجوں اور اُن کی جڑوں پر غور کرے، کیونکہ ان میں بھی اسی قسم کی قوت ہوتی ہے، اور اُن میں یہ قوت ایک جوہر ہے جو اُس جسم کو صورت دیتا ہے جس کے ساتھ وہ پیوست ہے۔[۱]

اس طرح یہ ثابت ہوا کہ حیوانات کے نطفہ میں یا نباتات کے بیجوں اور اُن کی جڑوں میں ایک جوہر ہوتا ہے، اسی جوہر کو ہم نفس کہتے ہیں۔ یہ جوہر یعنی نفس ابداعی ہوتا ہے۔[۲] اب جو چیز کہ ابداعی ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز کا جزو نہیں ہوتی، وراس کی قوت بھی متناہی نہیں ہوتی، اس کا ثبوت بھی نطفہ اور بیجوں پر غور کرنے سے ملتا ہے، ان دونوں میں یہ قوت بے نہایت ہوتی ہے، چنانچہ گندم کے ایک دانہ سے اتنی گندم پیدا ہوتی ہے، کہ اوس سے زمین اور آسمان پُر ہو سکتے ہیں، اور اس تمام گندم کے ہر دانے میں وہی قوت ہوتی ہے، جو اس پہلے دانے میں تھی، جس سے کہ یہ سب گندم پیدا ہوئی، اب اگر نفس اعتدال ہے اور اعتدال نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد، نہ تر ہوتا ہے، نہ خشک نہ گران ہوتا ہے نہ سبک، ظاہر ہے، کہ جانوروں میں اعتدال نہیں ہوتا، کیونکہ ان سب کا حال جُدا جُدا ہے، لہذا اُن میں نفس بھی نہیں ہوتا، اور اگر ان میں نفس نہیں ہوتا، تو ان میں یہ جوہر ابداعی بھی نہیں ہوتا لیکن یہ سب خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو ان میں توالد و تناسل بھی نہ ہوتا،[۳]

اس نظریۂ اعتدال میں اس پر بھی غور نہیں کیا گیا کہ اگر جانوروں کے طبائع متکافی الاجزاء ہوتے، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ

---

۱ زادالمسافرین ص ۲۴۲، ۲۴۳ ۔ ۲ دیکھو ص ۲۹۵ جہاں ناصر خسرو نے تفصیل کے ساتھ نفس کے جوہر ابداعی ہونے کو ثابت کیا ہے لیکن عجیب بات ہے، کہ اس صفحہ پر جو بحث ناصر خسرو نے نفس کے جوہر ابداعی ہونے کے متعلق کی ہے، اس میں نفس مطلق (تعریف کیلئے دیکھو ص ۲۲۹) نہیں، بلکہ نفس ناطقہ کو جوہر ابداعی کہا ہے، حالانکہ اوپر جو بحث ماہیت نفس کے متعلق ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ صرف نفس ناطقہ نہیں بلکہ نفس مطلق جوہر ابداعی ہے۔ ۳ ایضاً ص ۲۴۲ ،

وہ نہ زمین پر ہوتے، نہ آسمان پر، اُن کو نہ تو خاک پر قرار آنا چاہیئے تھا، نہ پانی میں، نہ آگ میں، نہ ہوا میں، کیونکہ ان عناصر میں سے ہر ایک کی طبیعت اعتدال کے منافی ہے، لیکن خود ہمارا یہ حال ہے کہ ہم خاک پر رہتے ہیں، اس کا مطلب ہر تیجی یہ ہے کہ ہم میں اجزائے خاکی کا غلبہ ہے یعنی ہم میں اعتدال نہیں، پھر اگر جانوروں کے طبائع متکافی الاجزا ہوتے تو اُن میں سے بخارات بھی خارج نہ ہونے چاہیئے تھے، کیونکہ بخارات صرف اس وقت پیدا ہوتے ہیں، جب پانی پر آگ کا غلبہ ہو جاتا ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے، کہ اُن کے مزاج میں گرمی تری پر غالب ہے، اس حالت میں ان میں اعتدال کس طرح قائم رہ سکتا ہے، اسی طرح اگر نفس اعتدال ہے، تو اور جانوروں کے طبائع متکافی الاجزا ہیں، تو پھر حیوانات محض چھونے سے گرم کیوں ہو جاتے ہیں، ؟ کیا وجہ ہے کہ زمین تو ان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اور ہوا، آگ اور پانی اُن کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے، ؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں بادی اور آتشی اجزاء تو کم ہیں اور آبی اور خاکی اجزاء زیادہ ؟ اگر یہ صحیح ہے، اور یقیناً صحیح ہے، تو یہ معتدل اور ان کے طبائع کے اجزاء متکافی کس طرح ہو سکتے ہیں، ؟ لہذا معلوم ہوا کہ نفس اعتدال نہیں، ان تمام باتوں کے علاوہ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر نفس اعتدال ہے، اور ہر جانور، بشمول انسان، کی طبیعت معتدل ہے، تو حالت یہ ہے کہ انسان تو بات کرنے والا اور عقلمند ہے لیکن دوسرے جانوروں میں بات کرنے کی قابلیت ہے اور نہ ان میں عقل ہے، اگر نفس اعتدال ہوتا، تو ہر جانور میں بلا امتیاز یہ صفات پائی جانی چاہیئے تھیں، اب اگر بات کرنے والے اور عقلمند جانور (انسان) کی طبیعت کو معتدل کہا جائے تو ظاہر ہے کہ بے سخن اور بے عقل حیوان کی طبیعت معتدل نہیں ہو سکتی، لیکن حالت یہ ہے کہ معتدل اور غیر معتدل دونوں طبیعت والے جانور زندہ ہیں، لہذا ظاہر ہے کہ ان کو زندہ رکھنے والا اعتدال نہیں، بلکہ کوئی اور چیز ہے یہی کوئی اور چیز نفس ہے[1]

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم حیوانی میں کوئی مخصوص جگہ ایسی نہیں، جسے طبیعت کا ظرف یا مستقر کہا جا سکے، یہ اس کے تمام جسم میں پراگندہ ہوتی ہے، کسی جگہ گرمی زیادہ ہوتی ہے، مثلاً دل میں کہ معدنِ حرارت جسمانی ہے، کسی

---

[1] زاد المسافرین ص ۶۵، ۶۶

جگہ سردی کا غلبہ ہوتا ہے، مثلاً انگلیوں کے سروں پر جہاں سردی کی وجہ سے ناخن سخت ہو گئے ہیں، کسی جگہ تری غالب ہوتی ہے، مثلاً معدے میں جہاں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے کسی جگہ خشکی کی زیادتی ہے، مثلاً ہڈیوں میں اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس جسم کی ترکیب اس قدر متفاوت ہو اور جس کے طبائع کے اجزا اس قدر مختلف و متفرق ہوں، اس کو معتدل کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے، پھر چونکہ تمام جسم حیوانی میں یہ طبائع پیدا ہوتے ہیں، اور تحلیل کی وجہ سے یہ مٹ بھی جاتے ہیں لہذا ظاہر ہے کہ کوئی چیز ہونی چاہئے، جو ان طبائع کی ترکیب و تقسیم کرے، خود طبائع کا ایک جزو تقسیم کرنے کا اتنا ہی کم اہل ہے جتنا کہ اس تقسیم کو قبول کرنے کا، اس کے علاوہ یہ بھی محال ہے، کہ قاسم و مقسوم ایک ہی جوہر سے ہوں، اگر کہا جائے کہ گرمی وہ چیز ہے، جو ان طبائع کو تمام جسم میں تقسیم کرتی ہے، تو سوال ہوتا ہے کہ گرمی کو کون سی چیز تقسیم کرتی ہے، ؟ وقس علیٰ ہذا، مختصر یہ کہ اس طرح پھر لازم آتا ہے، کہ ایک ہی جسم یا ذات، فاعل بھی ہو، اور مفعول بھی، اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، کہ یہ محال ہے نتیجہ یہ کہ کوئی چیز ہے، جو ان طبائع کو تقسیم و ترکیب کرتی ہے، اور یہ چیز طبائع کے علاوہ کوئی اور جوہر ہے، اس وجہ سے کہ جسم کے اندر طبائع تو مفعول ہے، لہذا کسی وقت ہو سکتا ہے، کہ یہ جوہر جسم سے خارج ہو جائے، اور اس طرح یہ طبائع پراگندہ ہو جائیں[1]،

یہاں تک جو گفتگو نفس کے متعلق ہوئی ہے، اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہوگا، کہ نفس اعتدالِ طبائع نہیں، اب ثبوت طلب امر یہ ہے کہ زندگی ہمارے اجسام کے لئے عرضی ہے، عرضی وہ چیز ہوتی ہے، جو کبھی تو ایک چیز میں موجود ہو، اور کبھی نہ ہو، اب ہمارے جسم کبھی تو زندہ ہوتے ہیں، اور کبھی زندہ نہیں ہوتے، لہذا ہماری تعریف کے مطابق اجسام کی زندگی عرضی ہے، پھر کسی چیز کے عرضی یعنی ایسی چیز سے پیدا ہوتے ہیں، کہ وہ معنی اس دوسری چیز میں جوہری ہوں، چنانچہ جب ٹھنڈا لوہا آگ میں رکھا جاتا ہے، تو گرم ہو جاتا ہے، اب گرمی آگ کیلئے جوہری ہے، جب لوہا آگ میں ڈالا جاتا ہے، تو اس میں یہ عرضی گرمی پیدا ہو جاتی ہے، جو آگ کے لئے جوہری ہے، بعینہٖ یہی حال ہمارے اجسام کا ہے، جب ہمارے اجسام زندہ ہوتے ہیں، تو اُن میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے، جس کیلئے زندگی جوہری ہے، اسی چیز کی جوہری زندگی سے ہمارے

---

[1] زاد المسافرین ص ۸۰، ۸۱

اجسام اپنی عرضی زندگی اخذ کرتے ہیں، ہم اسی چیز کو جس کے لئے زندگی جوہری ہے، نفس کہتے ہیں، اس طرح ہم کو ایک ایسی چیز مل جاتی ہے، جو نہ صرف بذاتِ خود زندہ ہے، بلکہ جو ایک جوہر کو زندگی بخشنے والی بھی ہے، اسی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ چیز جوہر ہے نہ کہ عرض، پھر ہم نے دیکھا کہ جس چیز کیلئے زندگی عرضی ہے، وہ تو فانی ہے، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس چیز کیلئے زندگی جوہری ہے، وہ غیر فانی ہے، یہ بھی اس سے قبل[1] واضح کیا جاچکا ہے کہ جسم میں حرکتِ قسری[2] کے سوا اور کوئی حرکت نہیں ہوتی، اور یہ حرکت کسی ایسی چیز سے پیدا ہوتی ہے، جو بذاتِ خود متحرک بالارادہ[3] ہے، لہذا معلوم ہوا کہ جسم کی حرکتِ قسری نفس سے پیدا ہوتی ہے جس کی حرکت ارادی[4] ہے، اس کے علاوہ زندہ جوہر متحرک ہوا کرتا ہے، اور نفس چونکہ زندہ ہے، لہذا لازم آیا کہ حرکتِ مطلق صرف اُس نفس کیلئے ہے، جس کیلئے زندگی جوہری ہے[5]

انسان "صورتہائے نطقی و کتابتی و صنعتی" کو اُن کے مخصوص ہیولیٰ پر پیدا کرتا ہے، محسوس صورتوں کو قوتِ متخیلہ کے ذریعہ اس ہیولیٰ سے منتزع کر کے قوتِ حافظہ میں محفوظ کرتا ہے، اور معلومہ صورتوں کو اپنے نفس میں اس طرح جگہ دیتا ہے، کہ ایک معلومہ صورت اور کسی دوسری معلومہ صورت میں خلط ملط نہیں ہوتا، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ نفس مجرد صورتوں کا مستقر و مکان ہے، اس قول کی توضیح اس طرح بھی ہوسکتی ہے، کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھتا ہے، تو اس کو پہچانتا نہیں، اس وجہ سے کہ اس کی قوتِ متخیلہ نے اس صورت کو اس کے ہیولیٰ سے مجرد نہ کیا تھا، اور اس لئے اس کے حافظے نے اس کو محفوظ نہ کیا تھا، لیکن جب وہ اس کو دوبارہ دیکھتا ہے، تو اس کو پہچان لیتا ہے، اس سبب سے کہ پہلے تجربے کے بعد اس نے اس کی مجرد صورت کو محفوظ کرلیا تھا، دوسرے تجربے کی مجرد صورت کو چونکہ وہ پہلے تجربے کی مجرد صورت کے مشابہ پاتا ہے، لہذا وہ کہتا ہے، کہ "یہ وہی چیز ہے" اسکو وہ شناخت کہتا ہے، دوسرے الفاظ

---

[1] دیکھو زاد المسافرین ص ۲۵ [2] یعنی وہ حرکت جو اندر مطبوعات آید، و مر آن را بر خلاف طبع آن بجنبند چون حرکت سنگ که ما او را سوے ہوا بر اندازیم تا بقہر سوے ہوا بر شود و بطبع فرو آید، (ایضاً ص ۳۹، ۴۰) [3] حرکت قسری را پدید آرندہ حیوانست که متحرک است، بحرکت ارادی (ایضاً ص ۴۲) [4] اما حرکت ارادی مر حرکت جانوران را گفتند که ایشان بحرکات مختلف متحرک اند، (ایضاً ص ۴۴) [5] ایضاً ص ۷۶

ہین نفس حواس کی وساطت سے معلومہ صورتون کو قبول کرتا ہے، اس بنا پر کہا جاسکتا ہے، کہ نفس "صور تہائے علمی" کے لئے ہیولیٰ ہے بعینہ اس طرح جیسے جسم "صور تہائے صناعی" کیلئے ہیولیٰ ہے، پھر جسم مختلف صورتین قبول کرتا ہے، چنانچہ باقی، آگ، ہوا، خاک افلاک، کواکب وغیرہ، جسم ہی کی مختلف صورتین ہین، لیکن جسم کی یہ مختلف صورتین بغیر حرکت کے پیدا نہین ہوتین، اور اس سے قبل واضح کیا جاچکا ہے کہ جسم مین بذات خود کوئی حرکت نہین ہوتی، لہذا ظاہر ہے کہ جسم کو حرکت دینے والی ایک ایسی چیز ہے جسمین بذات خود حرکت ہوتی ہے، یہ بھی دکھایا جاچکا ہے کہ نفس ہی ایسی چیز ہے جسمین حرکت ذاتی ہوتی ہے، اور یہ حرکت ارادی ہوتی ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ نفس جسم کو صورت دیتا ہے یعنی نفس خداوند صنعت" ہے، پھر چونکہ جسم مین حرکت نہین ہوتی، اور نفس معدن حرکت ہے، لہذا ثابت ہوا کہ نفس جسم نہین[1]،

اس تمام لمبی چوڑی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم مین ایک جوہر ہے، جو بذات خود زندہ ہے، اور مرنے والا نہین جس کی حرکت ذاتی ہے، جو مجرد صورتون کا مکان ہے، "خداوند صنعت" ہے، "دانش پذیر" ہے جسم کی فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے، اور جسم نہین، اسی جوہر کو ہم نفس کہتے ہین[2]،

(باقی)

---

[1] زاد المسافرین ص ۶۹، ۷۰، [2] ایضاً ص ۷۱،

نفسیات ترغیب

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز، یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کرسکتے ہین، اور اس کو ترغیب اور شوق دلاسکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اس لئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین، اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے. ضخامت ۲۱۱ صفحے، قیمت عہ

گجراتی زبان اور اوس کی تاریخ

(ماخوذ از تاریخ گجرات زیر ترتیب مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی)

(۲)

زبانِ گجراتی کے قواعد

زبان اور قواعد ایک دوسرے سے جدا نہین کئے جاسکتے ہین، گرامر (قواعد) زبان کی کنجی ہے، اس مختصر مضمون مین ہم گجراتی زبان اور گجراتی لٹریچر کا ذکر کررہے ہین، اور اگر ہم اس کی گرامر کے متعلق کچھ لکھین تو بیجا نہ ہوگا۔ ابتدا مین گجراتی زبان کی کوئی گرامر نہ تھی، بہت پُرانے زمانہ مین "سدھراج" جے سنگھ کے زمانہ مین ہیمچند نے گرامر لکھی تھی لیکن وہ پُرانی گجراتی زبان، یا اپابرہنست کے لئے تھی، اس کا موجودہ گرامر سے بہت کم تعلق ہے، گجرات مین ہم توسیع تعلیم کیلئے پادریون یعنی (مشنریون) کے ممنون ہین، پُرانی کتابون کو جمع کرنا، اور اُن کی طباعت و اشاعت یہ سب اُونھین لوگون کے محنت و مشقت کا نتیجہ ہے، گجراتی زبان کی سب سے پہلی گرامر بھی ایک انگریز مشنری کی محنت کا نتیجہ ہے، گجراتی ابجد کے حروف سنسکرت زبان سے لئے گئے ہین، پہلے حروف پر لکیر کھینچی جاتی تھی، جیسا کہ "دیوناگری" مین کرتے ہین، مثلاً "آ گائے کالی چھے، (یہ گائے کالی ہے)" الفاظ بھی جدا جدا نہین لکھے جاتے تھے، لکیر کھینچنے کی عادت رفتہ رفتہ غائب ہوتی گئی لیکن بنیون کی اب تک یہ عادت ہے کہ وہ تجارتی حروف اور بہی کھاتون مین لکیر کھینچتے ہین،

گجراتی ابجد کے حرفِ علت اور صحیح حسب ذیل ہین، الفاظ،

اَ، آ، اِ، اِی، اُ، اُو، اے، اَے، او، اَو، اَم، اَہ،

حروفِ صحیح،

ک، کھ، گ، گھ، انگ۔ + چ، چھ، ج، جھ، نا + ٹا، ٹھ، ڈ، ڈھ، انا، ت، تھ۔ د، دھ، ن، ان + پ، پھ، ب، بھ، ...

یا، را، لا، وا، سا، کھا، شا، ہا، چھتر بگیان،

حروفِ علت" دو قسم کے ہین، طویل اور مختصر، اے، ائی، اُو، اَو، ام، اہ، مختصر حروفِ علت ہین اور باقی طویل ہین،

گجراتی زبان کی شاعری،

گجراتی مین شاعری کا بھی بڑا حصہ ہے، اور پندرہوین صدی عیسوی سے لیکر آج تک بہت سے گجراتی کے شاعر پیدا ہوے ہین،

گجراتی کے قدیم شاعرون کے نام نرسینھ، میران اور بھالان ہین،

نرسینھ کے "سرنگر" کے بعض مقامات قابلِ اعتراض ہین، اور میران کی نظمین زیادہ تر اخلاقی ہین،

میران اور نرسینھ کا ایک اور ہمعصر بھالان نامی تھا، یہ گو اتنا مشہور نہ تھا، جتنا کہ وہ دونون تھے، تاہم وہ بڑا عالم تھا، ایسے زمانہ مین جب کہ ہندوستان کے کسی صوبہ کی زبان کو سنسکرت تصانیف کے ترجمہ کا فخر حاصل نہ تھا، بھالان نے سنسکرت کے مشہور و معروف، اومان، بانا، بھاٹ کی کادمبری، کا ترجمہ گجراتی نظم مین کیا تھا، اس مین کوئی شک نہین کہ سنسکرت نثر کا ترجمہ گجراتی نظم مین کرنا، بہت دشوار کام تھا، بھالان کی تصانیف بہت ہین،

اس عہد کے چند اور شاعر بھی ہین، مثلاً بھیما، (سنہ ۱۴۸۴ء) اور پدمنابھا، وغیرہ، پدمنابھا نے ایک تاریخی نظم لکھی ہے جسے "کھاندے پربھاندھا" کہتے ہین، اور گجراتی لٹریچر مین بہت بے نظیر ہے، یہ تصنیف حال ہی مین دستیاب ہوئی ہے، اور شائع کردی گئی ہے، اس مین علاء الدین خلجی کا گجرات پر حملہ کرنا، کھانادکا اوس کو اپنے ملک مین سے گذرنے دینے سے انکار کرنا، اور اوس کے بعد جنگ کا ہونا، کھانادکے لڑکے ویرام اور شہزادی کے عشق کی ابتدا، اور فوجون کے کوچ کرنے کی تفصیلات، شہر کا فتح ہونا، مسلمان عورتون کا اپنی شکست پر آہ وزاری کرنا، شہزادی فیروزہ کی ناکامی، یہ تمام واقعات تفصیل وار اور پُرجوش طریقہ پر بیان کئے گئے ہین، زبان "بھالان" سے زیادہ پُرانی معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تصنیف مقبول ہونے سے اس کی اصلی شکل ایک دوسرے سے بیان کرنے مین گم نہ ہونے پائی، یہ تصنیف حال ہی مین دستیاب ہوئی ہے[1]،

[1] اس مین واقعات سب فرضی ہین، ابو ظفر،

سولھوین صدی کا زمانہ مقابلۃً ایسا زمانہ ہے جسمین کوئی لٹریری تصنیف نہ تھی، سولھوین صدی گجراتی لٹریچر مین ضعیف ترین اور بدترین زمانہ ہے، لیکن اس کے بعد سترہوین صدی کا زمانہ گجراتی کی تاریخ مین بہترین زمانہ سمجھا گیا ہے۔ فلاسفر آکھو لا، پریمانند۔ . . . . اور شراس "قصہ گو جیسے بڑے شاعرون نے اسی صدی مین ترقی کی ہے،

"آکھو احمدآباد کے ایک مالدار سُنار (زرگر) نے سوسائٹی سے تنگ آکر اپنی تمام زندگی اصلی "گرو" کی جستجو کیلیے وقف کردی، جب کبھی اور جہان کہین وہ سادھوون کی جماعتون مین گیا، اوس نے اوس کو ذلیل ترین حالت مین پایا، اور اوسے کوئی اصلی "گرو" نہ مل سکا، اس کی جو کچھ آرزو تھی، وہ یہ تھی، کہ اوسے ایسا نیک اوستاد ہاتھ لگے، جو اوسے صحیح راستہ دکھائے، اور وہ اسی تلاش مین روانہ ہوا، بنارس اور الہ آباد کی جاترا کو جاتے ہوئے راستہ مین اوس نے جے پور مین گوکل ناتھ کے یہان قیام کیا، جو وشنو کے وبھ چاریا مندر کے سردار تھے، چونکہ مالدار تھا، اوس کی آؤبھگت (خاطر تواضع) خوب ہوئی، لیکن یہ عالم بزرگ نقلی بادشاہون سے دھوکا نہین کھا سکتا تھا، اُس کی روحانی خواہشین تشنہ لب تھین، وہ وشنو نقطۂ نظر کے سادھوؤن سے واقف تھا، اوسے ایک قابل گرو کے نہ ملنے سے مایوسی ہوئی، ایک دفعہ بنارس کے قریب ایک جھونپڑی مین اوس نے ایک سنیاسی کو صرف ایک ہی طالب علم کو ویدانتا فلاسفی کے اصول بیان کرتے ہوئے سنا، ایک ایسے پوتر (مقدس) شہر مین جہان چھوٹے سے چھوٹا گرو بھی ایک سو چیلے جمع کر سکتا ہے، یہ بہت ہی غیر معمولی واقعہ تھا، "آکھو" تعلیم کے وقت جھونپڑی کی پتلی دیوارون کے پیچھے چھپ کر اُس کے لکچر (وعظ) کو بہت توجہ کے ساتھ سننے لگا، اس طرح سے کئی دن گذرگئے، اس کے شاگرد کا یہ معمول تھا، کہ پڑھنے والے کے الفاظ کا جواب "گُن گُن" کر یا سر ہلا کر دیدیا کرے، اور اور اس طرح سے اس کی ہمت افزائی ہو، اور اوسے یہ بتایا جائے کہ اوس کا شاگرد بیدار ہے، اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اوسے وہ سُن اور سمجھ رہا ہے، اوسکی تمام کوششون کے باوجود یہ خاص سامع روز سو جایا کرتا تھا، اور چونکہ یہ ضروری تھا کہ پڑھنے والے کی دلچسپی کو قائم رکھا جائے، "آکھو" دیوار کے پیچھے سے اوس کا جواب دیدیا کرتا تھا، اس حرکت نے گرو کو چوکنا کر دیا، اور تلاش کرنے پر اوس نے دیکھا کہ "آکھا" ہے، اُس سے اس عجیب حرکت کی وجہ دریافت کی گئی، اور

اوس نے جو کچھ واقعہ تھا، بیان کیا، اور درخواست کی کہ اوسے شاگرد بنا لیا جائے، اپنی اس خواہش کے ثبوت مین اوس نے وہ تمام کتھا (قصہ) کہہ سنایا، جو اوس نے گذشتہ بارہ مہینون تک سنا تھا، سوامی کو اس کا یقین ہو گیا، کہ اوس سے اوس کو عقیدت بہت ہے، اوس نے اوس کو اپنا چیلہ بنا لیا، آکھا نے ویدانتک فلاسفی پر ملکہ حاصل کر لیا، احمد آباد واپس لوٹتے وقت وہ اپنے پُرانے گرو، گوکل ناتھ سے جو ایک متمول وشنو مہاراج تھا، ملنے گیا، اس ملاقات سے اُس کا مقصد یہ دیکھنا تھا، کہ اب جب کہ وہ دنیاوی دولت سے جدا ہو چکا ہے، اور صرف تعلیم ہی کی دولت اوس کے پاس تھی، اوس کی آؤ بھگت کیسے ہوتی ہے، اُس کا خیر مقدم پہلے جیسا نہین کیا گیا، اور مہاراج نے تو اوسے پہچانا تک بھی نہین کہ وہ آکھا ہے، آکھا اس سے بہت ہی برہم ہوا اور اوس نے حسب ذیل نظم لکھی،

"مین نے گوکل ناتھ کو اپنا گرو بنایا، اور یہ ایسا تھا جیسے پُرانے بیل پر لگام لگانا، جو کھاتا ضرور ہے لیکن اس آنکس کا جواب نہین دیتا ہے جو اوسے لگایا جاتا ہے، گرو تمھاری دولت کو تم سے لے لیتا ہے، مگر تمھارے قلب کی بےچینی و بیقراری کا کوئی علاج نہین کرتا ہے، ایسے گرو سے کیا نیکی کا کام ہو سکتا ہے"۔

وہ اس دنیا کی مکاری اور فریب سے تنگ آگیا تھا، اوس نے اس دنیا کو حقیقی ہستی کی تلاش کرنے کیلئے ترک کر دیا، اوس نے بہت سے پاٹھ لکھے ہین جن مین اوس نے دنیا اور اوس کے طریقون کے متعلق بہت سے مفید سبق سکھائے ہین، اوس نے ویدانتک فلاسفی کے اصولون کو نظم کرنے کی کوشش کی جو دراصل ایک بہت مشکل کام تھا، اس کے مضمون کو نظم کرنے سے مشکل سے اوس کے طرز ادا مین کوئی دلفریبی پیدا ہوئی ہو، اوس کی زبان تو شستہ ہے نہ فصیح اس کی زبان مین نزاکت و لطافت نہین ہے، اوسے زبان سے کوئی خاص انس نہین ہے، وہ نہین چاہتا تھا، کہ اُسے کوئی شاعر کہے، ۱۶۳۶ء اور ۱۷۳۳ء مین بڑودہ مین گجراتی کا ایک اور فدائی گذرا ہے، گجرات کی زبان اور لٹریچر کو گمنامی کی دلدل سے نکالنے والا دراصل وہی ہے، "نرسنہہ" کی طرح یہ بھی چودہ یا پندرہ سال کی عمر تک اَن پڑھ تھا، اسکا نام پریمانند تھا، ابتدا مین پریمانند اپنے مضامین کو ہندی زبان مین لکھتا تھا، ہندی اوس وقت کے زمانہ کے عالمون اور تہذیب یافتہ لوگون کی مانی ہوئی زبان تھی، اس کے گرو رامچرن نے اوسے اپنی مادری زبان گجراتی مین نظمین لکھنے

کی ہدایت کی، یہ اوسے بہت ناگوار گذرا، اور اس وقت اوس نے یہ عہد کرلیا، کہ جب تک وہ گجراتی زبان "چار ٹکے کی زبان" کے دھبے کو اپنی مادری زبان کے سر سے مٹا نہ دیگا، اور اوس کو ترقی نہ دے لیگا، سر پر پگڑی نہ رکھے گا، ان ایام مین برہمنون کے لئے پگڑی سر پر نہ رکھنا بہت بدتہذیبی تھی، پریمانند کو اپنی زبان کو ترقی دینے کا عشق ہوگیا تھا، اوس نے اپنے اس عہد پر ہرحالت مین پابند رہنے کا مصمم ارادہ کرلیا، جو کام پریمانند نے گجراتی لٹریچر کے لئے کیا، وہ آج تک بہت قیمتی اور بے نظیر ہے، اوس نے ایک ادبی مجلس قائم کی، اور خود اس کا صدر بنا، اس مجلس کے ہر ایک ممبر کے ذمہ خاص کام تھا، ہندوستان کی ہر ایک زبان کی خصوصیات کو شامل کرنے کیلئے اوس نے ملکی زبانون کے مطالعہ کا کام اپنے جماعت کے چیدہ چیدہ ماہرون کے سپرد کیا، چند عورتین بھی جو ہمدردی کا مادہ رکھتی تھین، اس مجلس کی ممبر تھین،

ان کام کرنے والون مین سے چھ اشخاص اپنا نام کرگئے ہین، ان مین سے ایک خود شاعر کا لڑکا دیرولبھ تھا، باپ اور بیٹے دونون کو اپنی مادری زبان کو ترقی دینے کا بہت ہی عشق تھا، ولبھ اپنے باپ کو اپنا گرو سمجھتا تھا، اور اپنی تصانیف کی افتتاحیہ نظمون مین شکریہ مین اس کا نام درج کرتا تھا، وہ اپنے اور گرو کی مدح سرائی اس قدر کرتا تھا، کہ وہ اوس کو نہ صرف ایک بڑا بلکہ افضل ترین شاعر کہتا تھا، "ولبھ" کے سپرد ہندی زبان کی خوبیون کو شامل کرنے کا کام تھا،

اس کے شاگردون مین سے دوسرا شاگرد "منشور" تھا، جو سنسکرت زبانون کے مطالعہ کرنے اور اس کی خصوصیات کو گجراتی زبان مین شامل کرنے مین مصروف تھا، اوس نے بعض سنسکرت تصانیف کا ترجمہ کیا ہے، مثلاً "اکھا" پریمانند بھی نہین چاہتا تھا، کہ لوگ اسے شاعر کہین، اوس نے اپنی نظمون مین کبھی اپنے کو شاعر نہین لکھا ہے، وہ اپنے کو سادہ طور پر صرف بھٹ پریمانند کہتا تھا، کہا گیا ہے کہ پریمانند نے اپنی آخری عمر مین (بھگوت گیتا) کا (دسوان باب) وساما اسکندہ کے ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا، چونکہ اوسے یہ اندیشہ تھا کہ اس کے قوا روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہین، وہ یہ کام ناتمام رہے گا، اس لئے اوس نے اپنے چار بہت زیادہ ترقی یافتہ شاگردون کو بلا کر باقی حصہ کے ترجمہ کرنے کا کام ان کے سپرد کیا، ان کا متحان لیا گیا، تمام شاگردون نے اپنے اپنے ترجمے شاعر کو پیش کئے، لیکن ترجمہ کے آخر مین، ان مین سے ہر ایک نے سوائے "سندر" کے اپنے تئین شاعر لکھا، کیونکہ اس وقت کے نظم لکھنے والون کی ہمیشہ یہی عادت تھی، "سندر" کے حق مین فیصلہ ہوا، گو کہ اس کا ترجمہ بہت

کم درجہ کا تھا، اس کے مشہور و معروف اوستاد کی دمِ مرگ وصیت ترجمہ کی تکمیل کا کام اس کے سپرد کیا گیا، اُن ایام مین جیسا کہ
آج بھی ہے، لیکن اتنی اچھی حالت مین نہین، پُرانے پڑھنے والون کی جماعت تھی، جو "گاگریا بھٹ" یا "مان بھٹ" کہلاتی تھی، یہ پڑھنے
والے برہمن ہوتے ہین، جو پڑھتے وقت تال دینے کے لئے ایک تنگ گلے کے تانبے کو جسے "گاگر" یا "مان" کہتے ہین، بجاتے ہین،
ایسی کتھا یا بیان شرحون اور مثالون کے ساتھ سادہ اور دلچسپ زبان مین بڑے مجمع کے سامنے گلیون مین پڑھا جاتا ہے،
عوام پران کتھاؤن کا اثر بہت ہوتا تھا، ان پڑھ عوام کو پُران کی تعلیم اسی طرح دیجاتی تھی، "مہابھارت" اور "راماین" کا جو کچھ
تھوڑا بہت علم عوام کو ہے، وہ مان بھٹ ہی کی شخصیت کا نتیجہ ہے، پریمانند، خود "مان بھٹ" تھا، وہ کتھا کے لئے نظمین لکھتا تھا،
اور بڑے مجمع کے روبرو انھین پڑھتا تھا، وہ مہابھارت اور بھگوت سے مضامین انتخاب کر کے خود اپنے آکھیان
یا کتھا نظم کرتا تھا، "رانایا گوا، آرکھا، ہرن، نالاکھین" وغیرہ اس کی بعض اس قسم کی تصانیف ہین، جن کے مضامین پُران کے کتھا
مین سے انتخاب کئے گئے ہین، اس کی تمام تصانیف مین سے "نالاکھیان" بہت زیادہ مقبول عام تصنیف ہے، نہ صرف یہی کہ
وہ مقبول عام ہے، بلکہ گجراتی شاعری کی تصانیف مین سے بہترین تصنیف ہے، چیتر مہینے مین "اوکھاہرن" کے پڑھنے کی آوازین
اگر ہر ایک گھر مین نہین تو قریب قریب ہر ایک قصبہ اور گاؤن مین سنائی دیتی ہین، مختلف مقامات، سوسائٹی کے رسوم
و رواج، حرکت کرنے والی اور غیر حرکت کرنے والی دونون چیزون کی تصویر لفظون مین کھینچنا، اور مردون اور
عورتون کے کیرکٹر کی تشریح کرنے کے متعلق پریمانند کے جو بیانات ہین، وہ تمام تشبیہات اور استعارون سے جڑے
ہوے اور "النکار" (بدائع) سے پُر ہین، اس مین اس کا کوئی ثانی نہین ہوا اور وہ گجراتی زبان پر مستقل طور پر حکمرانی کرتا
ہے، پریمانند کی زبان نہایت ہی شیرین اور نازک ہے، اب تک کوئی شخص اس کی طرز تحریر کی نقل اُتارنے مین کامیاب
نہین ہوا ہے، اوس نے خدا کی حمد اور بہت سے بزرگون کی تعریف مین نظمین لکھی ہین، اوس نے نرسنگھ کی زندگی کے
متعلق بہت کچھ لکھا ہے، پریمانند بہترین شاعرون مین سے اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے،

"سامل بھٹ" جو پریمانند کا حریف اور ہمعصر تھا، ونگنگر کا (جسے اب گومتی پور کہتے ہین) جو احمدآباد کے قرب
وجوار مین ہے، باشندہ تھا، بحیثیت شاعر کے وہ پریمانند کے مقابلے مین دوسرے درجہ کا شاعر ہے، یہ دونون شاعر

ایک دوسرے کے بڑے حریف تھے، پریمانند کی یہ عادت تھی، کہ وہ پُرانے "پرانون" سے مضامین انتخاب کرتا تھا، اور ساؔمل نے
خود اپنی خیالی قصّون کو نظم کیا تھا، ان دونون شاعرون کے درمیان ادبی بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے، پریمانند خود تو ان
مین حصہ نہ لیتا تھا، مگر اس کے لڑکے ولبھ کو ان سے بہت دلچسپی تھی، ساؔمل ہی نے گجراتی زلٹریچر مین قصہ نویسی کا طریقہ جاری
کیا ہے، یہ بیجا نہ ہوگا، اگر ہم اوسے گجرات کا سونٹ (SUFET) کہین، قصے ناول کے پیش خیمہ ہوتے ہین، ساؔمل
کے مضمون کی خواتین کا کیرکٹر، نازک، عالمانہ اور ظریفانہ ہے، ساؔمل کے قصون مین رقاصہ عورتون کا بہت کچھ حصہ ہے، وہ
مذہبی جماعتون کے درمیان کوئی فرق نہین سمجھتا ہے، اور سوسائٹی کے آپس کے رشتون کی پرواہ نہین کرتا ہے، لیکن وہ اس
قابل ہے، کہ اخلاقی قواعد کی سختی کے ساتھ پابندی کرے، ایک بنیا بغیر روک ٹوک کے کسی رقاصہ سے شادی کر سکتا ہے، اور
اوس پر بھی اس کے کیرکٹر اور چال چلن مین کوئی دھبہ نہین آتا، وہ اپنی چارون بیویون کا مساویانہ طور پر خیال رکھتا ہے، اور
وہ اس کی خدمت بہت ہی اچھی طرح کرتی ہین، چار بیویان آپس مین ایک دوسرے کو بہن خیال کرتی ہین، وہ مردون کی طرح
بہادر اور نڈر ہوتی ہین، عورتون کے کیرکٹر مین مردون کی اصلی فطرت دکھائی گئی ہے، ساؔمل کی عورتین گو جوان ہین مگر بوڑھون
کی سی عقل رکھتی ہین، اس کے مرد اور عورتون کے ویسے ہی جذبات ہوتے ہین، جب کہ وہ ایک دوسرے کے عاشق ہوتے
ہین، اور اون کے عشق کا انجام یہ ہوتا ہے، کہ اُن کی شادی ہوجاتی ہے، اور وہ جب شادی کرتے ہین، تو یا تو محض ذوق
کے خاطر یا حُسن یا سچے عشق کی وجہ سے ایسا کرتے ہین، لیکن وہ اکثر والدین کی مرضی کے خلاف ایسا کرتے ہین، "نگدوستی"
"پدماوتی" "نند بتریسی" "سنہاسن بتریسی"، یہ اسکی بعض بہت مقبول کتابین ہین، اس کی زبان سادہ ہے، لیکن بہت ہی پُر اثر ہے
اوس نے گجراتی زبان پر گہرا نقش چھوڑا ہے، اس کے "چھپّون" (ایسی نظم جسمین چھ مصرعہ ہوتے ہین) نے اوس کی یادگار
ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا ہے، اوس کی طرز تحریر خود اوس کی طرز تحریر ہوتی ہے، وس کی زبان سادہ، سے سادہ...
عادات کے متعلق سادہ کہانیان وہی سچا شاعر ہے، جو سادہ زبان مین تعلیم دے سکتا ہے، ایک ... نام [illegible]
نام "ساؔمل" کا مُربّی تھا،

اوس صدی کے چھوٹے چھوٹے شاعرون کی تعداد اس قدر تھی، کہ اُن کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا، محمد ...

صدی کی ابتدار مین ایک شاعر گذرا ہے جس کا نام "ولبھ بھٹ" تھا اور جو "بہادیوی" کا فدائی تھا، اوس نے "سُبھی چار ابہا" کے نام سے بہت سے گربے لکھے ہین، وہ پڑھا لکھا نہ تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "بہا دیوی" اس کے پُر خلوص عقیدت سے اس قدر خوش ہوئی، کہ اُس دیوی نے اپنی دیوی شکتی سے اُسے علم کی نعمت سے سرفراز کر دیا، اُس صدی مین کوئی مشہور و معروف شاعر نہین ہوا ہے،

"بھوجا بھگتا" ایک بھگت شاعر تھا، جو انیسوین صدی مین گذرا ہے، اس کا جنم پٹے دار یا کُنبی گھر مین ہوا ہے، جو علم سے بے بہرہ تھا، وہ بھگت تھا، اوس نے بہت سے صوفیانہ بھجن لکھے ہین، اوس نے اپنے زمانہ کے تمدنی رسم و رواج پر بہت ہی سختی سے نکتہ چینی کی ہے، سائل کے چیلے پریتم داس کے باڑے "نرسنگھ" کے صبح کے ترانے (بھاتیان) اور بھوج کے بھجن یہ سب بہت شہرت رکھتے ہین، اوس نے تجرد اور مکر کی کو بہت ہی بیدردی کے ساتھ بدنام کیا ہے، اوس کی زبان شہریون کی طرح شایستہ نہین ہے لیکن پرخلوص ضرور ہے، وہ نہ تو پڑھا لکھا تھا، نہ شایستہ مُہذب تھا،

ایک اور شاعر گردھار ہے، وہ ۱۷۸۶ء مین پیدا ہوا، اور ۱۸۵۲ء مین مر گیا، رامائن کو گجراتی زبان مین لکھنے والا وہی ایک مقبول شخص مانا جاتا ہے، اور اوس کی اس گجراتی زبان مین رامائن کو بہت سے لوگ پڑھتے ہین،

سجانند سوامی نے جو جماعت گجرات اور کاٹھیاواڑ مین قائم کی، اور (جو دراصل اجودھیا سے آئی تھی) گو وہ بہت پرانی جماعت ہے، لیکن دونون صوبون مین اس کے بہت زیادہ پیرو ہو گئے تھے، سجانند کے عقیدے کے اس صدی مین ہمین بہت لوگ ملتے ہین، اور ادن مین دو اشخاص برہمانند اور نشکو لانند بہترین لوگون مین سے ہین، برہمانند کی قوالی کو آج بھی لوگ بہت ذوق و شوق کے ساتھ گاتے ہین،

(باقی)

ایک یورپین اہل قلم کی ہرزہ سرائی

خالدؓ و لیلیٰ کا مفروضہ افسانۂ عشق

از مولینا شاہ معین الدین احمد صاحب رفیق دارالمصنفین ،

یورپین اہل قلم کا یہ نہایت قدیم اور خوشگوار مشغلہ ہے کہ جب وہ اسلامی تاریخ پر قلم اوٹھاتے ہیں ، تو ان کی بایک بین نظر عموماً اونھیں بے سروپا افسانوں اور مشتبہ واقعات پر پڑتی ہے جنھیں تھوڑی سی حاشیہ آرائی اور رد و بدل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہو ، اس خوشگوار مشغلہ کے ماتحت حال میں ایک اہل قلم مسٹر گریہم لوئیس نے جو مشرقیات پر ایک سلسلہ مضامین ارقام فرما رہے ہیں ، ۲۷ ؍ اگست ۱۹۳۳ء کے السٹرٹیڈ ویکلی آف انڈیا میں ایک مختصر مضمون کے ساتھ اسلام کے فاتح اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کی فرضی معشوقہ لیلیٰ کا ایک مرقع دیا ہے ،

اس مرقع میں حضرت خالدؓ ایک نہایت آراستہ و پیراستہ کمرہ میں جو اپنی سجاوٹ کے اعتبار سے کسی مشرقی بادشاہ کا ایوان نشاط معلوم ہوتا ہے ایک مکلف کوچ پر تشریف فرما ہیں ، پیرون کے نیچے ایک نفیس پا انداز ہے ، کمرہ کے دروازون پر نہایت مکلف پردے اور چھت میں قندیلیں آویزان ہیں ، بخورات کا دھواں کمرہ کی فضا ، کو معطر کر رہا ہے ، پاس ہی ایک وعدہ علی شاہی پیچوان لگا ہوا ہے ، اور ایک منقش میز پر فواکہات اور (غالبًا) شراب کی صراحی اور بلوری جام قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں ، اور خالد کے بالمقابل ان کی معشوقہ نیم استادہ ہے ، اور دونون ایک دوسرے کو مست و مخمور نگاہون سے دیکھ رہے ہیں .

اس مرقع کے نیچے ایک طویل نوٹ یا مختصر مضمون کی شکل میں اس مرقع کی تشریح ہے ، جس کا خلاصہ آگے آتا ہے ، میں مسٹر گریہم کی اس خوش مذاقی کی داد دیتا ہون کہ اونھون نے ایک خشک اور جنگجو عرب سردار کو جو تہذیب و معاشرت کی نفاستون کا کیا ذکر ان کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے ، اور جس کی ساری زندگی میدان جنگ کے خانہ بدوشی میں گذری ایک آراستہ و پیراستہ کمرہ میں جو اپنی سجاوٹ اور سامان آرائش کے لحاظ سے جہانگیر کی بزم نشاط معلوم ہوتا ہے ، بٹھا دیا ، صرف

اسی پر بس نہین کیا، بلکہ ایک ہیجوان بھی جس کا اس زمانہ مین وجود بھی نہ تھا، محض لطف مجلس کے لئے تازہ کرکے لگادیا، اگر خالد کے بجائے اونھون نے ہندوستان کے مغل فرمانرواؤن یا بغداد کے عباسی خلفاء مین سے کسی کو مرقع مین دکھایا ہوتا تو کھپ بھی جاتا، خالد کو اس رنگ مین دکھانا ایسا ہی ہے، جیسے مسیح کو کسی حواری کو ہوائی جہاز مین بٹھاکر پیرس کی سیر کرادینا،

بہرحال اس کے نیچے جو تشریحی مضمون دیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے "کہ ایک مسلمان مالک بن نویرہ خالد بن ولید کے ساتھ شریک جنگ ہے، پھر آپس مین بگڑ جاتی ہے، اور دونون اپنی اپنی جماعت بناکر ایک دوسرے سے لڑ جاتے ہین، خالد مالک کو شکست دیکر مع اسکی حسین وجمیل بیوی لیلیٰ کے گرفتار کرکے قید کردیتے ہین، لیلیٰ شوہر کی رہائی کی سفارش لیکر خالد کے خیمہ مین گئی ہے، خالد اسکے حسن وجمال کو دیکھکر مسحور ہوجاتے ہین، اور مالک کو قتل کرکے لیلیٰ کے ساتھ شادی کرلیتے ہین، اور اس فریفتگی کے نتیجہ مین عکبرا کے معرکہ مین شکست کھاجاتے ہین

اس افسانہ کو تقویت دینے کیلئے ایک اور افسانہ شامل کیا جاتا ہے، کہ لیلیٰ کی اسیری کے زمانہ مین ایک بدو سردار موجہ بھی اس کا شریک قید ہے، بدو اس کے چھڑانے کو آتے ہین، اور لیلیٰ کو قتل کرڈالنا چاہتے ہین، لیکن موجہ لیلیٰ کے تیر عشق کا نشانہ بن چکا ہے، اس لئے بدؤون کو روک دیتا ہے، اور لیلیٰ کی شمع جمال سے نظر افروزی کے لئے قید کو رہائی پر ترجیح دیتا ہے، رفتہ رفتہ لیلیٰ کے حسن وجمال کا شہرہ دور دور تک پھیل جاتا ہے، اور اوس کے حسن وجمال پر عبدالرحمٰن (ابن ابی بکر) فریفتہ ہوجاتے ہین، اور اسے حاصل کرکے اس مین اتنا محو ہوتے ہین، کہ اپنی تمام بیویون سے رُخ پھیر لیتے ہین، اور لیلیٰ کو گھر کی ملکہ بنا دیتے ہین، لیکن لیلیٰ اپنے مقتول شوہر کی یاد مین روز بروز نڈھال ہوتی جاتی ہے، اور اس کا سارا حسن وجمال رخصت ہوجاتا ہے، اس وقت عبدالرحمٰن کا طرز عمل اس کے ساتھ بدلجاتا ہے، اور اس کے ساتھ بے اعتنائی شروع کردیتے ہین، اور لیلیٰ اپنے گھر لوٹ جاتی ہے، اور بقیہ زندگی گوشۂ عزلت مین بسر کرتی ہے،

اس فرضی افسانہ سے حسب ذیل نتائج مضمون نگار کے پیش نظر ہین،

(۱) تاریخ اسلام کا نامور سپہ سالار اور فاتح اعظم جو رسول اللہ صلعم کا صحابی ہے، اپنے ایک شریک جنگ سے لڑجاتے (۲) اور اوس کی بیوی کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوکر شوہر کو قتل کرکے بیوی سے شادی کرلیتا ہے، (۳) اور ایک عورت کے حسن وجمال مین اپنے منصبی فرائض کو بھول جاتا ہے، اور عکبرا کے معرکہ مین اسے شکست ہوتی ہے، (۴) پھر ایک دوسرے صحابی

عبدالرحمٰن خالد کے رقیب بنتے ہیں، اور لیلیٰ پر قبضہ کر لیتے ہیں، (۵) لیکن ان کا عشق لیلیٰ کے ظاہری حسن وجمال پر تھا، اس لئے جب اوس کے حسن پر زوال آتا ہے، تو عبدالرحمٰن کا عشق بھی زائل ہو جاتا ہے، اور لیلیٰ ان کی بے اعتنائی سے دل شکستہ ہو کر بقیہ زندگی عزلت میں بسر کرتی ہے، اس طرح ایک حسین عورت کی زندگی دو مسلمانوں کی بوالہوسی سے برباد ہو جاتی ہے۔

لیکن اوپر کے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے، بعض تو بالکل بے بنیاد ہیں، بعض میں کسی قدر واقعیت ہے لیکن انہیں مسخ کر کے بہت بدنما بنا دیا گیا ہے، بعض غلط مقدمات قائم کر کے اس سے غلط نتائج نکالے گئے ہیں، اور بعض مختلف واقعات کو محض بدنما بنانے کیلئے باہم ملا دیا گیا ہے، اب ان سب کی حقیقت ملاحظہ ہو،

مالک بن نویرہ جس پر اس افسانہ کی ساری عمارت کھڑی کیجاتی ہے، درحقیقت مقتول ہونے کے وقت مسلمان ہی نہ تھا، اور اگر تھا بھی تو خالد کے علم و یقین میں نہ تھا، اسکی تاریخ یہ ہے، کہ وہ بنی حنظلہ کے سرداروں میں تھا، آنحضرت صلعم کے آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوا، آپ نے اس کے رتبہ اور اعزاز کو برقرار رکھنے کیلئے بنی حنظلہ کا محصل زکوٰۃ و صدقات مقرر فرما دیا، اور وہ اپنے قبیلہ سے صدقات اور زکواۃ وصول کر کے مدینہ بھیجتا تھا، (اصابہ ج ۵ ص ۳۶)

اس کے قبولِ اسلام کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مالک ان مسلمانوں میں نہ تھا، جو اسلام کے ضعف اور غربت کے زمانہ میں اسلام لائے تھے، بلکہ اوس کا شمار مؤلفۃ القلوب یعنی ان مسلمانوں میں تھا، جو اوس زمانہ میں مسلمان ہوئے، جب بغیر اسلام قبول کئے ہوئے کوئی چارہ کار باقی نہ رہ گیا تھا جیسا کہ خود اس نے ایک موقع پر جسکا ذکر آگے آئیگا اُس نے اپنی تاخیرِ اسلام کا اعتراف کیا ہے،

قبولِ اسلام کے بعد چند دنوں تک مالک بن نویرہ بنی حنظلہ کے صدقات بھیجتا رہا، آنحضرت صلعم کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کی مسند نشینی کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اوٹھا، اور مرتد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اوس وقت مالک بن نویرہ نے بھی زکوٰۃ بھیجنی بند کر دی، بظاہر نظر یہ سوال ہوتا ہے کہ اوس نے تنہا زکوٰۃ بند کی تھی، لیکن اسلام پر تو قائم رہا ہوگا، لیکن وہ اس کی کوئی صورت نہیں، اسلام کے ہر رکن کا انکار اسلام کا انکار ہے، اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ اور مرتدین میں کوئی فرق نہیں کیا اور دونوں کے خلاف یکساں جہاد کیا، لیکن مالک کے متعلق حافظ ابن حجر نے یہ تصریح لکھا ہے، کہ اوس نے نہ زکوٰۃ وصول کرنی بند کر دی اور اپنے قبیلہ والوں سے صاف صاف کہدیا کہ مجھکو زکواۃ وصول کرنے سے کوئی تعلق نہیں، تم جانو تمہارا کام جانے، اور جس قدر وصول شدہ

رقم اوس کے پاس جمع تھی، وہ اپنے قبیلہ مین واپس کردی، اوران اشعار مین اپنے ارتداد کا اظہار کیا،

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف ولا ناظر فیما یجیٔ من الغد

پس مین نے اپنے قبیلہ والون سے کہا کہ تم بلا خوف وخطر اور بلا کل کو سوچے ہوئے اپنا مال واپس لے لو،

فان قام بالدین المحوق قائم اطعنا وقلنا الدین دین محمد،

اگر کل کوئی اس چھاڑ دینے والی دین کو لیکر پھر کھڑا ہوا، تو ہم مطیع ہو جائین گے اور دین محمدی کی صداقت کا اقرار کر لین گے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تنہا منکر زکوٰۃ ہی نہ تھا، بلکہ اسلام سے بھی برگشتہ ہوگیا تھا (دیکھو اصابہ ابن حجر جلد ۵ ص۳۶)

مالک نے ارتداد پر بھی اکتفا نہین کی، بلکہ فتنہ ارتداد کے سلسلہ مین جب عرب کے بعض حصون مین مدعیان نبوت اُٹھے، اور ایک خام عقل اور خیرہ سر عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعوی کیا، اور قبیلہ بنی ہذیل نے اس کا ساتھ دیا، اوس وقت مالک بھی سجاح کی دعوت پر اس کے ساتھ ہوگیا، (طبری ص۱۹۱۱) سجاح نے مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے شادی بھی کر لی تھی لیکن اسکے ساتھ نبھ نہ سکی، ایک عورت اتنے بڑے دعوی کو کہانتک نباہ سکتی تھی، اس لئے چند ہی دنون کے بعد وہ یہ تماشہ ختم کرکے اپنے قبیلہ مین لوٹ گئی، اس وقت مالک کو اپنے کئے پر بڑی پشیمانی ہوئی، اور وہ سخت گھبرایا (طبری ص۱۹۱۱) اسکے بعد مورخین کے بیانات مختلف ہو جاتے ہین بعض مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ مالک اسی حالت مین مارا گیا، چنانچہ مورخ بلاذری لکھتا ہے کہ خالد بن ولید جو فتنہ ارتداد کے استیصال پر مامور تھے، بہت سے قبائل کو مطیع بناتے ہوئے، بطاح اور بعوضہ بنی حنظلہ کی آبادیون مین پہنچے، اوران سے لڑکر ان کی جماعت منتشر کی، اور مالک بن نویرہ مارا گیا، پھر مالک بن نویرہ کا تعارف کراتے ہین، کہ وہ رسول اللہ صلعم کی جانب سے بنی حنظلہ کے صدقات کا عامل تھا، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد اوس نے کام چھوڑ دیا، اور بنی حنظلہ سے کہا تم جانو تمھارا کام جانے اس روایت کے بعد دوسری روایت یہ لکھتے ہین کہ خالد کو بطاح اور بعوضہ مین کوئی نہین ملا، اس لئے مرتدین کی تلاش مین اونھون نے تھوڑی تھوڑی فوج ادھر ادھر بھیجدی ایک دستہ ضرار بن ازور کی ماتحتی مین بھیجا، یہ دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھ ایک جماعت کو گرفتار کرکے لایا، خالد نے اونھین قتل کرا دیا، (بلاذری ص۱۰۵)

اوپر کا بیان بلاذری کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک حالت ارتداد یا کم از کم انکار زکوٰۃ کے سلسلہ مین مارا گیا،

دوسری روایت طبری کی ہے، اوس کے مطابق مالک سجاح کی واپسی کے بعد پشیمان ہو کر پھر مسلمان ہوگیا، لیکن جن اسباب کی بنا پر اور جن حالات میں دوبارہ وہ اسلام لایا وہ طبری ہی کے الفاظ میں سنو، وہ لکھتے ہیں، کہ سجاح کی واپسی کے بعد جب مالک بن نویرہ کا کھیل بگڑ گیا، اس وقت مالک نے اپنے قبیلہ کو یہ کہکر منتشر کر دیا کہ ہم کو جب شروع میں اسلام کی دعوت دی گئی اوس وقت بھی ہم نے اس کے قبول کرنے میں تاخیر کی، اور اس تاخیر سے ہم نے کوئی فلاح نہیں پائی، میں نے اس پر غور کیا، مجھے نظر آرہا ہے کہ مسلمانوں کے حالات بغیر سیاست برتتے ہوئے ان کے موافق ہو جائیں گے، اور جب بغیر سیاست برتتے ہوئے کسی قوم کے حالات اس کے موافق ہوتے جا رہے ہوں، تو ان کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے، اس لئے تم لوگ منتشر ہو جاؤ، اور اس امر (مذہب اسلام) میں داخل ہو جاؤ، (طبری ص ۱۹۲۴)

طبری اور ابن اثیر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ مالک اپنی ناکامی کے بعد بھی برضا و رغبت اور تائب ہو کر اسلام نہیں لایا تھا، بلکہ جب اوس نے دیکھا کہ مسلمان فتنۂ ارتداد کے دبانے میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں، اور اس پر اڑے رہنا ہلاکت ہے، تو وہ ع کافر نتوان گشتن ناچار مسلمان شو کے اصول پر مسلمان ہوگیا،

بہرحال مالک کے دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں بروایت طبری اس کے مقتول ہونے کا واقعہ یہ ہے، کہ جب خالد بن ولید فزارہ، غطفان اور اسد، طے وغیرہ کے قبائل سے نپٹتے ہوئے بطیحہ جہاں مالک کا قبیلہ آباد تھا پہنچے، دو وقت مالک ان سب کو منتشر کر چکا تھا، خالد نے یہاں پہنچکر مختلف سمتوں میں فوجی دستے پھیلا دئے اور ہدایت کر دی، کہ جو لوگ اسلام نہ لائیں، اونھیں گرفتار کر لیا جائے، اور جو مزاحمت کرے اوسے قتل کر دیا جائے، حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت تھی، کہ اسلامی فوجیں جہاں منزل کریں، وہاں پہلے اذان دیں، اگر مرتد قبائل سے اوس کے جواب میں اذان کی آواز آئے تو مسلمان ہاتھ روک لیں اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کر دیں، جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان سے زکوٰۃ مانگی جائے اگر وہ زکوٰۃ ادا کر دیں تو ان کا اسلام صحیح سمجھا جائے، ورنہ ان سے جنگ کی جائے؛

بطائح میں اسلامی فوجیں منتشر ہونے کے بعد ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھ چند بنی ثعلبہ کو گرفتار کر کے خالد کے پاس لایا، لیکن ان قیدیوں کے اسلام کے بارہ میں لوگوں کی شہادت مختلف تھی ابو قتادہ انصاری کی شہادت تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہیں، اور اونھوں نے اذان دیکر نماز پڑھی ہے، لیکن دوسری شہادتیں اوس کے خلاف تھیں، رات کا وقت تھا، سخت

اس اختلاف کا فیصلہ خالد نے صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا، اور جو لوگ گرفتار ہو کر آئے تھے، وہ قید کر دئے گئے رات کو ٹھنڈک زیادہ تھی، خالد نے قیدیوں کو سردی سے بچانے کیلئے فوج میں منادی کرادی کہ ادفئوا اسراکم یعنی اپنے اپنے قیدیوں کو گرم کرو، دفٔ کے معنی گرمی پہنچانے کے ہیں، اور بعض قبیلوں کی لغت میں دفٔ قتل کے استعارہ میں بھی استعمال ہوتا تھا، اس لئے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، کہ قتل کرنے کی منادی ہے، اس غلط فہمی میں مالک اور ان کے چند ساتھی قتل کر دیئے گئے، خالد شور سن کر خیمہ سے باہر نکلے تو انھیں اس غلط فہمی کا علم ہوا، اس وقت بجز حسرت و افسوس کے اور کیا کر سکتے تھے، چنانچہ یہ کہکر خاموش ہو گئے کہ قضائے الٰہی کو کوئی نہیں روک سکتا، (طبری ص ۱۹۲۴، ۱۹۲۵)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مورخین مالک کے دوبارہ اسلام لانے کے بھی قائل ہیں، وہ بھی اس کے غلط فہمی میں مارے جانے کے معترف ہیں، اس لئے عورت کو وجہ قتل قرار دینا قطعاً صحیح نہیں ہے، کسی مورخ یا ارباب سیر نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بعض بڑے بڑے محدثین اور ارباب سیر پہلی یعنی حالت ارتداد میں مارے جانے کے قائل ہیں، حافظ ابن عبدالبر کا بھی یہی فیصلہ ہے، اسی لئے اونھوں نے اپنی کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں مالک کے حالات نہیں لکھے ہیں، مالک کے بھائی متمم کے حالات میں ضمناً صرف اسقدر لکھدیا ہے، کہ اوس کے بھائی مالک کے حالت اسلام اور ارتداد میں مارے جانے کے بارہ میں اختلاف ہے، لیکن وہ خود حالت ارتداد ہی میں مارے جانے کے قائل ہیں، ورنہ مالک کے حالات ضرور لکھتے، جن جن ارباب سیر نے اس کے حالات لکھے ہیں، اونھوں نے موافق اور مخالف دونوں قسم کی روایتیں جمع کر دی ہیں، اس سے کم از کم مالک کا اسلام مختلف فیہ ضرور ثابت ہوتا ہے،

اب رہ گیا مالک کی بیوی کے ساتھ شادی کرنے کا سوال تو یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ان کا یہ فعل نہ صرف یہ کہ قابل مذمت نہیں ہے بلکہ لائق ستایش ہے، اگر مالک کے حالت ارتداد میں مارے جانے کی روایت تسلیم کر لی جائے، تو ظاہر ہے کہ حضرت خالدؓ کا مقصد اس شادی سے یہ تھا، کہ اس خاندان کو اسلام پر مضبوط کیا جائے اور مالک کے اثرات بد کا ازالہ کیا جائے اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ خالد ہی نے کیوں شادی کی کسی اور مسلمان کے ساتھ کیوں نہ کر دی، تو اوسے مالک کی بیوی کے رتبہ پر غور کرنا چاہیئے، مالک بنی حنظلہ کا سردار تھا، اس لئے اس کی بیوی کے لئے سردار ہی سے رشتہ موزوں تھا، جس کا اسلام نے ہمیشہ

لحاظ رکھا اس لیے خالد نے اُسے اپنے حبالۂ عقد میں لینا مناسب سمجھا بہرحال ان تاریخی حقائق نے خالد کے حسن و عشق کے افسانہ کو بالکل باطل کر دیا

غالباً اس حسن و عشق کی کہانی کی بنیاد مرقسطہ کے ایک مسلمان مصنف ثابت بن عاصم کی کتاب الدلائل پر قائم کی گئی ہے جس کو چوتھی صدی ہجری میں اندلس میں مرتب کیا گیا تھا، اور جس کا مرتب شرابی تھا (معجم البلدان ذکر سرقسطہ) حافظ ابن حجر نے اس حکایت کو تردید کے لئے اپنی کتاب اصابہ میں نقل کیا ہے، اور اس کا بے بنیاد ہونا ظاہر کیا ہے، وہ حکایت یہ ہے کہ ثابت کہتے ہیں کہ جب خالد نے مالک کی حسین و جمیل بیوی کو دیکھا تو مالک نے بیوی سے کہا کہ تو نے مجھے مار ڈالا یعنی میں تیری وجہ سے قتل کیا جاؤں گا، یہ روایت نقل کر کے حافظ ابن حجر اس کے متعلق اپنی رائے لکھتے ہیں کہ خالد نے کسی عورت کی وجہ سے مالک کو قتل نہیں کیا تھا، یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ مالک کے سوء ظن کے بعد اس کے قتل کا واقعہ پیش آگیا، (اصابہ جلد ۵ ص ۳۷)

اور اگر اس حکایت کی روایتی حیثیت معلوم ہو جانے کے بعد کسی کو اس کی صداقت پر اصرار ہو، تو بھی خالد پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اسلئے کہ مالک نے ایک سوء ظن کا اظہار کیا تھا اتفاق سے مالک کے قتل کا واقعہ پیش آگیا اس سے حقیقۃً خالد کی بدنیتی کہاں سے ثابت ہوتی ہے

درحقیقت اس واقعہ کو بدنما بنانے میں مالک کے بھائی متمم کے دلدوز مرثیوں کو بڑا دخل ہے، متمم کو مالک کے ساتھ بڑی محبت تھی اس کی موت نے متمم کو دیوانہ بنا دیا تھا، اور اس عالم دیوانگی میں اوس نے مالک کے ایسے دردانگیز مرثیے لکھے کہ سننے والے بیقرار ہو جاتے تھے اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ کے محبوب بھائی حضرت زیدؓ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا شدید قلق تھا، اس اشتراکِ غم کی وجہ سے حضرت عمرؓ متمم کے مرثیوں سے بہت متاثر ہوئے،

ایک مرتبہ متمم حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے اوس کی دردانگیز حالت دیکھ کر فرمایا، تم کو بھی اپنے بھائی کی موت کا کس قدر شدید قلق ہے، مالک نے کہا، مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے، مالک کے غم میں جب سے وہ اشکبار ہوئی ہے آج تک آنسو نہیں تھمے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ غم والم کی آخری حد ہے، کوئی مرنے والے کا اتنا غم نہیں کرتا اگر میں بھی شاعر ہوتا تو زید کا مرثیہ کہتا، متمم نے کہا کہ امیر المومنین اگر میرا بھائی بھی یمامہ کی جنگ میں شہید ہوا ہوتا، تو میں کبھی نہ روتا، اوس کی اس تعزیت پر حضرت عمرؓ کو بڑی تسلی ہوئی، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۷۵) متمم کے ان دلدوز مرثیوں نے حضرت عمرؓ کو اتنا متاثر کیا، کہ مالک کی بیوی کے ساتھ خالد کے عقد کا معاملہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوا، آپ نے رفعِ شر کے خیال

سے خالد کو اس کے علیحدہ کرنے کا حکم دیا، یہ اصل واقعہ ہے جس کو آب و رنگ دے کر کیا سے کیا بنا دیا گیا ہے، بدؤون کے سردار موجہ کے عشق کا افسانہ بھی فرضی ہے، اور محض خالد کے افسانہ کو تقویت دینے کے لئے گڑھا گیا ہے، عکبرا کی جنگ کی شکست بھی بے بنیاد ہے، فتح و شکست کا سوال الگ رہا، اس نام کی سرے سے کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی، جن شاذ لڑائیون مین خالد کو عارضی شکست بھی ہوئی، وہ کسی عورت کی وجہ سے نہین بلکہ فطری تھی جہان انھون نے بہت سے میدان سر کئے، ایک آدھ مین شکست بھی کھا گئے،

اس مضمون کا دوسرا ٹکڑا کہ مالک کی بیوی کے حسن و جمال کا شہرہ اتنا بڑھا کہ مدینہ مین عبدالرحمٰن بن ابی بکر اس پر فریفتہ ہوگئے، وغیرہ وغیرہ اس شکل مین جو مضمون نگار نے لکھی ہے، بالکل غلط ہے، لیلیٰ نامی ایک عورت سے عبدالرحمٰن کی محبت کا واقعہ حکایات عرب مین ضرور ملتا ہے، لیکن اولاً وہ چندان قابل وثوق نہین ہے، اس لئے کہ یہ واقعہ زبیر بن بکار کی زبانی مروی ہے، (استیعاب ج ۲ ص ۴۰۵ و اصابہ جلد ۴ ص ۱۶۸) زبیر بن بکار جاہلیت اور عرب کے اخبار و ایام و حکایات اور کہانیون کے مصنف ہین[1]، وہ کوئی مستند مورخ، یا ثقہ محدث نہین ہین، ان کی روایات زیادہ تر ایام و انساب عرب کے متعلق ہین، محدثین مین اون کا کوئی پایہ نہین، وہ واقدی اور مدائنی اور کلبی سے کچھ اونچے ہین، اونکے بیان مین بہت سی منکر روایتین بھی شامل ہوجاتی تھین، (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۱۳) ایسی حالت مین عبدالرحمٰن اور لیلیٰ کی محبت کی روایت پر پورا اعتماد نہین کیا جا سکتا، تاہم اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے، تب بھی دونون واقعون یعنی جو مضمون نگار نے لکھا ہے، اور جو زبیر کے افسانہ مین ہے کوئی مناسبت نہین، عبدالرحمٰن کو جس لیلیٰ سے محبت تھی، وہ مالک کی بیوی نہ تھی، بلکہ ایک دوسری عورت تھی، معلوم نہین مضمون نگار نے مالک کی بیوی کا نام لیلیٰ کہان سے لکھا ہے، اس کا نام لیلیٰ کسی تاریخ مین نہین ملتا، طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے ام تمیم لکھا ہے، اور اس کے باپ کا نام منہال تھا، اور عبدالرحمٰن کو جس عورت کے ساتھ محبت بیان کی جاتی ہے، اوس کا نام لیلیٰ اور اس کے باپ کا نام جودی تھا، دونون کے وطن بھی مختلف ہین، منہال کا وطن بطیحہ عراق تھا، اور جودی دمشق کا ایک عرب غسانی سردار تھا، ان دونون کو ایک لکھنا، انتہا درجہ کی خیانت اور بد دیانتی ہے،

بہر حال عبدالرحمٰن اور لیلیٰ کی محبت کے واقعہ کی صحت کی صورت مین اس کا واقعہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن تجارت کے سلسلہ مین شام آیا جایا کرتے تھے، اسی زمانہ مین ان کی نظر لیلیٰ پر پڑ گئی، لیلیٰ بہت حسین و جمیل عورت تھی، عبدالرحمٰن کو اوس سے

[1] زبیر بن بکار کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب، ابن ندیم اور ابن خلکان و یاقوت در معجم الادباء،

محبت ہوگئی. ان کی محبت حضرت عمرؓ کو بھی معلوم تھی، اس لئے جب شام پر فوجکشی ہوئی، تو آپ نے ہدایت کردی کہ اگر لیلیٰ بنت جودی ہاتھ آئے تو عبدالرحمٰن کے حوالہ کردی جائے چنانچہ جب دمشق فتح ہوا تو لیلیٰ عبدالرحمٰن کو دیدی گئی، متقدمین زبیر نے صرف اسی حد تک یہ واقعہ لکھا ہے، (دیکھو استیعاب ج ۲ ص ۴۰۵) اور اس مین کوئی بدنمائی نہین ہے،

اس کے بعد جس قدر زمانہ گذرتا گیا اس واقعہ کے آب ورنگ مین اضافہ ہوتا گیا چنانچہ اصابہ مین اس کی یہ شکل ہوگئی، کہ لیلیٰ بنت جودی کے حاصل ہونے کے بعد عبدالرحمٰن کو اس کے ساتھ اتنی شیفتگی بڑھی، کہ اوس کو اپنی دوسری بیویون پر ترجیح دینے لگے، حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمٰن کو اس پر ملامت کی، لیکن اونھون نے کوئی توجہ نہین کی، پھر کچھ دنون کے بعد عبدالرحمٰن کا طرز عمل لیلیٰ کے ساتھ بدل گیا، اور اوس پر زیادتی کرنے لگے، لیلیٰ نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی، اونھون نے عبدالرحمٰن سے کہا تم نے دونون حالتون مین افراط وتفریط سے کام لیا، (اصابہ ج ۴ ص ۱۷۶)

ابن اثیر جزری اس پر اور اتنا اضافہ کرتے ہین، کہ جب لیلیٰ نے حضرت عائشہؓ سے عبدالرحمٰن کی بدسلوکی کی شکایت کی، تو اونھون نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم نے لیلیٰ کے ساتھ محبت اور نفرت دونون مین افراط اور تفریط سے کام لیا، یا تم اوس کے ساتھ منصفانہ سلوک کرو، ورنہ اوس کو اس کے گھر پہنچا دو، عبدالرحمٰن نے لیلیٰ کو اس کے گھر پہنچا دیا، (اسدالغابہ جلد ۳ ص ۳۰۶)

بہرحال تین کتابون مین یہ واقعہ تین طریقون سے ملتا ہے، اور ان مین جو اقدم ہے، اس مین صرف محبت کا ذکر ہے، باقی محبت مین افراط وتفریط اور اوس کے بعد لیلیٰ سے بے اعتنائی، اور اس کے گھر پہنچانے وغیرہ کا کوئی ذکر نہین ہے، اس لئے یہ سب متاخرین کی حاشیہ آرائی معلوم ہوتی ہے، بہرحال اگر ان مین سے پہلا صحیح مانا جائے، جو تقدم زمانی کے اعتبار سے یقیناً سب مین زیادہ مستند ہے، تب تو کوئی اعتراض کی گنجائش ہی نہین رہ جاتی، عبدالرحمٰن کو ایک عورت سے محبت ہوئی، اور اوس کے ساتھ اُنھون نے شادی کرلی، اس مین کوئی مذہبی یا اخلاقی قباحت نہین ہے، اور اگر آخری روایت بھی صحیح مان لی جائے، تب بھی عبدالرحمٰن پر کوئی مذہبی الزام عائد نہین ہوتا، ان کو ایک عورت سے محبت تھی، اس کے ساتھ اونھون نے شادی کرلی، لیکن پھر کسی سبب سے نبھ نہ سکی، اور پہلی محبت باقی نہ رہی اور اپنی بہن کے کہنے سے لیلیٰ کو اس کے گھر پہنچا دیا،

تلخیص و تبصرہ

برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس

برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس ۶ ستمبر ۱۹۳۳ء کو لیسسٹر (انگلستان) میں منعقد ہوا، اس کے صدر سر فریڈرک ہاپکنس (Sir Frederick Hopkins) تھے، اس اجلاس کی متعدد نشستیں ہوئیں جنمیں مختلف ماہرین سائنس نے اپنے جدید خیالات اور نظریے پیش کئے، اس اجلاس میں تقریباً بیس ہزار سائنس دانوں نے شرکت کی، اس اجلاس کی مختصر روداد، اور خطبوں کے مختصر خلاصے اسٹیٹس مین میں آئے ہیں، جنھیں ذیل میں ملخص پیش کیا جاتا ہے،

صاحب صدر نے اپنے خطبہ کے آخری حصہ میں علم الحیوان (Biology) کی اہمیت پر زور دیا اور بتایا کہ بہبود انسانی سے اس کا کیا تعلق ہے، اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا، کہ آج کل جو کتابیں سائنس پر شائع ہوتی رہتی ہیں، اُن میں سے اکثر و بیشتر میں علم الحیوان کا یا تو ذکر ہی نہیں آتا، یا اگر آتا بھی ہے، تو محض نام کیلئے اس علم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے صدر موصوف نے فرمایا :-

سر والٹر فلیچر نے جنکی وفات سے قوم گذشتہ سال ایک روشن خیال صاحب فکر سے محروم ہو گئی ہے اپنے اس قول سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ ہم ادمی حدتک امن و ترقی حاصل کر سکتے ہیں جس حدتک فن مملکت کے طریقوں میں علم الحیوان کی حقیقت کی رہنمائی اختیار کریں، فن مملکت اور علم الحیوان کا باہمی تعلق اکثر سامعین کے لئے ایک نئی چیز تھا، چند سال ہوئے کیمبرج کے فلسفی ڈاکٹر براڈ (Broad) نے سائنس کی غیر مساوی ترقی پر افسوس کا اظہار کیا تھا، یعنی غیر نامیاتی (Inorganic) نیچر پر تو ہمیں بہت کچھ قابو حاصل

ہو گیا ہے، لیکن علم الحیوان اور نفسیات سے ہم نسبتہً بے خبر ہیں، بہر حال ضرورت ہے، کہ فرد اور مملکت دونوں کی رہنمائی کیلئے علم الحیوان کی حقیقت پر آج بھی زور دیا جائے، اپنے پر مغز اور بلیغ خطبۂ صدارت میں سر الفرڈ ایونگ نے خاص طور پر زور دیکر ہمیں یہ بتایا تھا، کہ انسان کے ہاتھ میں نیچر کی حکومت دیدی گئی ہے، قبل اس کے کہ وہ اپنی ذات پر حکومت کرنا معلوم کرے، اسمیں جو خطرات شامل ہیں، موصوف نے ہمیں اُن سے متنبہ کر دیا تھا، اور اس میں جو صداقت موجود ہے، اس سے وہ حضرات ناواقف نہیں ہیں جنکی کوششوں سے انسان نیچر پر روز بروز زیادہ قدرت حاصل کرتا جاتا ہے۔

انجمن کے اجلاس کی ایک دوسری نشست میں جس میں بیس ہزار سائنس دان موجود تھے، ایک ماہر سائنس مسٹر دفٹن (A.F. Dufton) نے اس دلچسپ نظریہ کا اعلان کیا، کہ جو لوگ اپنے والد کے سن کہولت میں پیدا ہوتے ہیں، اون کی استعداد بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے، موصوف نے اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کیا کہ جن والدین کی عمریں (۴۵) سال سے زیادہ تھیں شہرت کے اعتبار سے اُن کے بچوں کا تناسب دوسرے بچوں کے مقابلہ میں دُگنا تھا، اسی طرح ۶۰ سال سے زیادہ عمر والوں کے بچوں کا تناسب لیاقت اور شہرت کے لحاظ سے دس گنا، اور (۷۰) سال سے زیادہ عمر والوں کے بچوں کا پچاس گنا تھا، اس نظریہ کی جانچ کی غرض سے مسٹر دفٹن نے رائل سوسائٹی، اور پارلیمنٹ کے ممبروں، اور مدارس نسوان کی اُستانیوں کو خطوط لکھے تھے، ان سب کے جوابات کا خلاصہ یہی تھا، کہ ممتاز اشخاص کا بڑا حصہ انھی لوگوں پر مشتمل ہے، جن کے والد اُن کی پیدایش کے وقت پختہ عمر کو پہنچ چکے تھے، چنانچہ اس نظریہ کی تصدیق میں موصوف نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی مثال پیش کی اور بتایا کہ آپ کی پیدایش کیوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۰۰) سال اور حضرت سائرہ کی (۹۰) سال تھی،

اسی طرح ڈاکٹر ہنری کیمبل Dr. H. Campbell نے اپنے خطبہ میں تعدد ازدواج کے مسئلہ پر سائنس کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی، اور فرمایا کہ سرداروں میں جو لوگ سب سے زیادہ شجاع اور ذہین ہوتے تھے، وہی سب سے زیادہ شادیاں کرتے تھے، اور اپنے بعد سب سے زیادہ اولاد چھوڑ جاتے تھے، موجودہ تہذیب میں تعدد ازدواج کو قائم کرنے میں دقتیں ضرور ہیں، لیکن بہتر اولاد پیدا کرنے کے نقطۂ نظر سے اسکی حمایت میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے

بڑے آدمیون کی بہت زیادہ لڑکیان شادی نہین کرتین، اور ممتاز اشخاص کی بہت بڑی تعداد لاولد مرجاتی ہے، کچھ عرصہ سے لوگون کے قوائے ذہنی مین انحطاط نمایان ہورہا ہے، جسکی وجہ یہ ہے، کہ جو لوگ دماغی حیثیت سے بلند ہین اُن مین اوسط پیدایش کم ہوتا جاتا ہی، اور جن کے قوائے ذہنی اعلی نہین ہین، اُن مین بڑھتا جاتا ہی، ڈاکٹر ہرسٹ (HURST) نے اس رائے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ذہین خاندانون مین اوسط پیدایش کی روز افزون تخفیف کے باعث موجودہ تہذیب خطرہ مین ہے، موصوف کی رائے ہے، کہ حکومت کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہیے،، اور ایسے خاندانون کیلئے وظیفے مقرر کردینے چاہئین، تاکہ جو ذہین بچے پیدا ہون، والدین اونکی پرورش کی طرف سے مطمئن ہوجائین،

"ع ز"

عہدِ حکومتِ ایوبیہ کی دو علاماتِ قبر

پہلی صدی ہجری مین قبرون پر علامتین سنگ مرمر وغیرہ کی لمبی لمبی تختیون کی صورت مین قائم کی جاتی تھین، اسی لئے آج بھی ان کو لوحِ مزار کہا جاتا ہی، چنانچہ اس قسم کے چار ہزار لوحِ مزار دار الآثارِ عربیہ مین موجود ہین جن مین ایک قدیم ترین لوحِ مزار ۳۱ھ کی اور دوسری ۱۷۱ھ کی ہے، چالیس لوحِ مزار دوسری صدی کے اخیر کی ہین، جن کی تاریخین ۱۷۱ھ، ۱۸۰ھ، ۱۹۰ھ سے لیکر سلطنتِ فاطمیہ کے آخری زمانہ یعنی ۵۶۷ھ تک ختم ہوتی ہین، اسی طرح اس دار الآثار مین بہ ترتیب ہر سنہ کی ایک یا اس سے زیادہ لوحِ مزار ہے، جن سے خط کوفی کی ترقی کی تاریخ معلوم ہوسکتی ہی،

لیکن سلطنتِ فاطمیہ کے زمانہ مین لوح کے بجائے سنگ مرمر کے ستونون کا رواج ہوا، جن پر تحریرین یا تو کھودی جاتی تھین، یا ابھرے ہوئے حروف مین لکھ دی جاتی تھین، چنانچہ دار الآثار عربیہ مین اس قسم کی قدیم ترین علامتِ قبر احمد بن علی بن حسن الہواری کی ہے جس کی تاریخ ۵۰۹ھ ہے، اس کے بعد اگرچہ لمبی لمبی تختیون کا رواج کلیتہً موقوف نہین ہوا، تاہم سلطنتِ ایوبیہ اور اوس کے بعد سلطنتِ ممالیک مین ستونون نے بہت زیادہ رواج پایا، اور اس قسم کے دو ستون جون ۱۹۳۳ء مین زمین کے اندر سے کھود کر نکالے گئے ہین، جن مین پہلا ستون ڈیڑھ اور بیس سینٹیمیٹر بلند ہے، اور اوس کا قطر تیس سینٹیمیٹر کا ہے، اور اوس کے ایک طرف ۱۳ سطرون مین خط نسخ ایوبی

مین یہ عبارت منقوش ہے:-

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۲) کل من علیہا فان ویبقا (کذا) (۳) وجہ ربک ذوالجلال،

(۴) والاکرام ھذا قبر (۵) المعتز بشبابہ الموخوذ (کذا) (۶) من بین اھلہ واترابہ الحسن (۷) الصورۃ

الحسن السیرۃ (۸) الحسن السریرۃ الامیر الاجل (۹) زین الدین ابن الامیر المجاھد المرابط (۱۰) الحاج

الی بیت اللہ حسام الدین (۱۱) الحاجب لولو توفی یوم الاحد (۱۲) ثالث عشر صفر سنہ ثمان تسعین (۱۳) و خمس

مائۃ رحمہ اللہ ورحم من ترحم علیہ۔

دوسری طرف خطِ کوفی شجر کے ابھرے ہوئے حروف میں ایک سطر میں یہ عبارت منقوش ہے، "الدائم

الباقی اللہ" اس کے نیچے ایک ہار کے وسط میں ایک طاق لٹکا ہوا ہے، جس کے نیچے اسی قسم کے خط میں یہ عبارت ہے "الملک للہ"

دوسرے ستون کی بلندی ایک میٹر اور اسی سینٹی میٹر کی ہے، اور اس کا قطر ۲۰ سینٹی میٹر ہے، اور اوس کے ایک طرف

خطِ نسخ ایوبی کے ابھرے ہوئے حروف میں ۱۷ سطروں کی یہ عبارت ہے:-

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۲) للہ العزۃ والبقاء وله (۳) ما ذرا وما برا وعلی خلقہ (۴) کتب

الفناء وفی رسول (۵) اللہ اسوۃ وعزاء، فمن کان (۶) یرجوا (کذا) لقاء ربہ فلیعمل (۷) عملا صالحا و

لا یشرک (۸) بعبادۃ ربہ احدا، ھذا (۹) قبر الفقیر الی رحمۃ ربہ (۱۰) الزکی عبد الوھاب (۱۱) ابن

عبد الکریم بن محمد (۱۲) بن الشحیوت، (؟) الدمشقی (۱۳) توفی ثالث ربیع الآخر (۱۴) سنہ ست وستمائۃ

(۱۵) رحم اللہ من قراہ (۱۶) ودعا لہ بالرحمہ (۱۷) والمغفرۃ لجمیع المسلمین۔

دوسری طرف ابھرے ہوئے خطِ کوفی میں دو سطروں میں یہ عبارت ہے:-

(۱) نعم المسکن (۲) لمن احسن۔

ان دونوں کے نیچے ایک کھدا ہوا طاق ہے، جس کے نیچے خطِ ایوبی میں یہ آیت کھدی ہوئی ہے۔

"کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ

فقد فاز وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور،

پہلے ستون کی تاریخ ۵۹۵ھ اور دوسری کی ۶۰۶ھ ہے، اس لئے یہ دونون سلطنتِ ایوبیہ کے زمانے کے ہین

اور بطورِ علامتِ قبر کے قائم کئے گئے ہین،

ان مین پہلے ستونون پر فنی اور تاریخی دونون حیثیون سے بحث کیجا سکتی ہے، فنی حیثیت سے اس ستون مین دو قسم کی تحریرین ہین، ایک طرف تو نقاش نے تاریخی عبارت خطِ نسخ ایوّبی مین لکھی ہے، اور دوسری طرف کو کوفی تحریر سے ترتیب دیا ہے، جسکی وجہ یہ ہے، کہ سلطنتِ فاطمیہ کے زمانے مین خط کوفی نے بڑی اہمیّت حاصل کرلی تھی لیکن جب ایوّبیون نے اون پر غلبہ پایا، تو سلطان صلاح الدین نے شیعیت کو مٹا کر صرف احیائے سُنت ہی نہین کیا، بلکہ اون کے طرزِ حکومت مین بھی بہت سی تبدیلیان کین، اور اوس کا اثر فنونِ لطیفہ تک پہنچا، اور خط کوفی مشجر خط نسخ ایوبی کی شکل مین بدل گیا،

لیکن اس ستون مین یہ دونون خط استعمال کئے گئے ہین، معمولی تحریرین تو خط نسخ ایوبی کا استعمال کیا گیا ہے اور زیب و زینت کا کام خطِ کوفی سے لیا گیا ہے،

تاریخی حیثیت سے اس ستون پر جو عبارت جنائزیہ اور تعظیمی القاب منقوش ہین، اون پر حسبِ ذیل نظر ڈالی جاسکتی ہے پہلی صدی کی علاماتِ قبر پر اس قسم کی جو عبارتین منقوش ہوتی تھین، اون سے توحید، رسالت، جنّت و دوزخ اور حشر و نشر وغیرہ کی تصدیق کا اظہار ہوتا تھا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا، کہ متوفی مسلمان ہے، اور شریعت کے تمام اصول و عقائد کو مانتا ہے، لیکن جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام عام طور پر پھیل گیا، تو یہ طرزِ عبارت بدل گیا، اور اس قسم کی عبارتین منقوش ہونے لگین، جو متوفی کی مدح و ثنا، اور تعظیمی القاب پر بھی مشتمل ہوتی تھین، اور اون سے متوفی کے اعزہ و اقارب کو تسلی حاصل ہوتی تھی، سب سے پہلی علامتِ قبر جن پر اس قسم کے تسلی بخش الفاظ موجود ہین، دار الآثار عربیہ مین ۲۷۹ھ کی موجود ہے،

اگر متوفی بچپن یا جوانی مین انتقال کرتا تھا، تو علامتِ قبر پر ایسی عبارتین منقوش کی جاتی تھین جن سے اوس کے

بچپن یا جوانی کا اظہار ہوتا تھا، مثلاً اللھم ان فلاناً توفی طفلاً علی فطرۃ الاسلام وھذا قبر نعش بیشیٰ بہ، اس کے بعد بچی اور اسکے والد کی مدح وثنا ہوتی تھی اور خوش قسمتی سے اس علامتِ قبر میں تعظیمی القاب ایسے شخص کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، جو تاریخی حیثیت سے بالکل گمنام ہے، البتہ اس کا باپ لولو حاجب ایک تاریخی حیثیت رکھنے والا آدمی ہے، اور مقریزی نے اوس کا تذکرہ کیا ہے، اور اوس کے حالات لکھے ہیں،

دوسری علامت قبر پر بھی جو عبارت منقوش ہے، وہ خطِ نسخ ایوبی میں ہے، اور اس خط کی امتیازی خصوصیتیں اوس سے صاف طور پر نمایاں ہیں، اور اوس کی عبارت جنائزیہ سے متوفی کی شانِ تقشف ظاہر ہوتی ہے، مثلاً الفقیر الی رحمۃ ربہ یا رحم اللہ من قرأہ دعا بالرحمۃ وغیرہ فقروں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ متوفی ایک زاہد ومتورع شخص تھا، اگرچہ تاریخوں میں اوس کا تذکرہ نہیں ملتا، اور اوسکی شہرت وگمنامی کا حال معلوم نہیں ہوتا،

قرآن مجید کی جو آیتیں اس پر منقوش ہیں، اون سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اون سے عمل صالح اور زہد وتقشف اختیار کرنیکی ترغیب ہوتی ہے، مثلاً فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً وکل نفس ذائقۃ الموت وغیرہ آیتیں ایک مناسبتِ خاص سے انتخاب کیگئی ہیں، اور وہ مناسبت متوفی کی ذات سے تعلق رکھتی ہے، غالباً وہ صوفیہ میں سے ہونگے،

ع۔۔

چند الفاظ کی اصلیت

لفظ دیپ کے مشتقات

دفتر، دبیر، دوات، دبستان، دیوان،

دفتر، دبیر، دوات، دبستان اور دیوان عربی، فارسی، ترکی، اور دوسری مشرقی زبانوں میں۔ بلکہ دبستان کو چھوڑ کر بقیہ الفاظ ہماری زبان میں بھی مستعمل ہیں، ابتک ان لفظوں کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان میں ہر لفظ الگ مادہ سے مشتق ہے، اور یہ خود مستقل کر عربی میں یہ تمام الفاظ یقیناً فارسی سے آئے ہیں، مگر خود فارسی میں بھی انکی ٹھیک اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تھا، قدیم فارسی زبان کی تحقیقات و علم لغت (فیلالوجی) نے جو ترقی کی ہے، اوس سلسلہ میں ان الفاظ کی اصلیت کا بھی پتہ چلایا گیا ہے، فارسی رسالہ ایرانشہر کے سال دوم شمارہ ۸ میں اس پر ایک تحریر چند سال پہلے شائع ہوئی تھی، اوس کی تلخیص درج ذیل ہے،:۔

فارسی قدیم میں جو شاہانِ ہخامنشی کے زمانہ میں رائج تھی، "دیپ" کے معنی لکھنے اور خط کھینچنے کے تھے اور یہ لفظ سنسکرت کے لیپ اور لیپی کا مرادف تھا، جن کے یہی معنی ہیں، داریوش (دارا) کے کتبون میں اوسکو "دیپیس" لکھا ہی، جس سے کتبون کے خطوط مراد لئے گئے ہیں (اگرچہ یہ خطوط، خطِ میخی (مسماری) میں ہیں، جو لکھے نہیں گئے، بلکہ کھود دیے گئے ہیں، لیکن چونکہ اوس زمانہ میں دستور تھا، کہ خطوط کھود کر ان میں سونے کا پانی یا رنگ بھر دیتے تھے، اور اس طرح گویا خطوط کو دوبارہ لکھ دیتے تھے، اس لئے "دیپیس" کا لفظ خط اور نوشتہ کے معنی کیلئے مناسب تھا، جو داریوش نے استعمال کیا،

اب دیکھو "دیپ" سے کتنے الفاظ مشتق ہوتے ہیں،

۱- دفتر، یہ لفظ عربی نہیں بلکہ فارسی ہے، اور اسی "دیپ" سے نکلا ہے، قدیم یونانی مورخون نے اسکو "دیپترا" اور "دفترا" لکھا ہی، کتزیاس ایک یونانی مؤرخ جو ۴۱۵ ق م میں گرفتار ہوکر ایران آیا، اور سترہ سال تک ایرانی دربار میں طبیب رہا تھا، اوس نے تاریخ ایران میں (جس کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا ہے،) لکھا ہی، کہ ایرانی سلطنت کے سالنامون کو "دفترا" کہتے ہیں، مشہور یونانی مؤرخ ہیرودوٹ نے بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ مغربی ایشیا میں کتاب اور خط کے معنی میں استعمال ہوتا تھا،

۲- دبیر- (لکھنے والا) ابتداءً اوس شخص کو کہتے تھے، جو لکھنے سے آشنا ہوتا تھا، کیونکہ قدیم زمانہ میں لکھنا بہت عام نہ تھا، بعد میں جب لکھنے کا زیادہ رواج ہوا تو دبیر اوس کو کہنے لگے جو لکھنے کے علاوہ مضمون آفرینی پر بھی قادر ہو، (یعنی منشی) اور "دبیرستان" کے معنی "مکتب" کے ہیں، (مکتب کا مطلب وہ جگہ ہے، جہان لکھنا سکھایا جاتا ہو،)

۳- دوات (لکھنے کا سامان) یہ غور کرنے کی بات ہی کہ عثمانی ترک دوات کو "دِویت" لکھتے اور پڑھتے ہیں، جو اصل لفظ (دیپ) سے بہت قریب ہے،

۴- دبستان (مکتب) بعض ناواقف سمجھتے ہیں کہ دبستان، ادبستان یا ادیبستان کا مخفف ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہی، دبستان اوس جگہ کو کہتے ہیں، جہان لکھنا سکھایا جاتا ہو، اور اس طرح یہ "مکتب" کا مرادف ہی،

یہ نکتہ خیال میں رہنا چاہیئے کہ قدیم زمانہ میں مدارس میں صرف لکھنا اور پڑھنا تبلایا جاتا تھا، کتاب نہیں ہوتی تھی، جس سے درس دیا جاتا، کیونکہ علوم بھی مدون و مرتب نہ تھے، اس لئے اگر کوئی شخص نوشت و خواند سے آشنا ہو جاتا، صاحب ہنر و صنعت سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بعض قومون میں ابتدائی مدارس کا ایسا نام موجود ہے، جس سے صرف لکھنے کے معنی ظاہر ہوتے ہیں،

۵۔ دیوان یعنی وہ جگہ جہاں تحریریں اور اوراق محفوظ رہتے ہوں، بالفاظِ دیگر "دفترخانہ" شاہانِ ساسانی کے زمانہ میں حکومت کے دفترخانہ کو دیوان کہتے تھے، کیونکہ خراج، مالیات اور صادرات حکومت کے تمام دفاتر یہیں محفوظ رہتے تھے، بعد میں خود اون دفاتر اور اوراق کو دیوان کہا گیا، پھر اشعار کے مجموعہ کا یہی نام رکھا گیا، عربوں نے اس لفظ کو ایرانیوں سے لیکر مختلف مشتقات پیدا کئے، مثلاً دواوین اور تدوین، پھر لاطینی قوموں نے اوس کو عربوں سے لیکر دوآن (Douane) کرلیا، جو فرانسیسی میں آج بھی ادارۂ کسٹم (چونگی کے محکمہ) پر اطلاق ہوتا ہے، پہلوی میں یہ لفظ "دیوان" (ادیوان) اور ارمنی میں اتیآن ہے، فخری نے آداب السلطانیہ میں عربوں کے ایرانیوں سے دفترداری کے سیکھنے کا تذکرہ کیا ہے، (اس کے بعد فخری کی عبارت کا فارسی ترجمہ ہے اور حاشیہ پر فتوح البلدان بلاذری کے مطالعہ کی بھی سفارش کی گئی ہے)

حضرت عمرؓ کے عہد میں ان دفاتر کے ادارہ یعنی محاسبات خارج و صادر (آمد و خرچ کے حسابات) کو دیوان کہتے تھے، جو آج کل کی وزارت مالیہ کا قائم مقام تھا، (شاید اسی بناپر) عثمانی ترک بھی قدیم زمانہ میں وزیر مال یا مستوفی کو "دفتر دار" کہتے تھے، بعد میں جب خلافت مبدل بہ سلطنت ہوگئی اور ہر محکمہ وسیع پیمانہ پر قائم کیا گیا، تو سلطنت کے ہر ادارہ کیلئے ایک دیوان کی بنیاد رکھی گئی، مثلاً دیوان رسائل، دیوان کتابت، دیوان فوج، دیوان برید وغیرہ جو آج کل کے وزارت خانوں کی ابتدائی شکلیں تھیں، ان دائروں کا صدر صاحب دیوان کہلاتا تھا، اس طرح لفظ "دیوان" اپنے تنگ معنی (دفترخانہ) سے نکلکر حکومت کے دائرہ و محکمہ تک وسیع ہوگیا، عثمانی ترکوں نے قلم کے معنی میں اسی قسم کی تبدیلی کی ہے، پہلے دفترخانہ کو "قلم اوطہ سی" یعنی قلم و تحریر کا کمرہ کہتے تھے، کبھی کبھی اطاق کا لفظ حذف ہوجاتا، اور صرف قلم، دفترخانہ اور ادارہ کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، آج بھی کہتے ہیں از قلم می آیم، بقلم می میروم، فلاں در قلم مستخدم است،

"س ع"

معارف بھی لفظ **دیوان** ہے، جس کے معنی پہلے تحریروں اور یادداشتوں کے بحفاظت رکھنے کا مقام تھا، جس کو آج دفتر اور آفس کہتے ہیں، ہماری زبان میں اس کے معنی اوس صاحب منصب کے ہوگئے ہیں، جو سرکاری، مالی کاغذات و حسابی تحریروں کا ذمہ دار ہوتا ہے، یعنی جسکے متعلق مالیات کا حساب کتاب ہوتا ہے، آجکل کی اصطلاح میں اوسکو وزیر مال کہہ سکتے ہیں اور اسی ترقی کرکے بعض ہندی ریاستوں میں دیوان کے معنی مطلق وزیر کے ہوگئے ہیں، غور کیجئے کہ الفاظ کس طرح اپنا قالب اور چولا بدلا کرتے ہیں۔

اخبار علمیہ

ترکی کی نئی یونیورسٹی

مانچسٹر گارجین کا نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ لکھتا ہے کہ یکم اگست ۱۹۳۳ء کو استنبول کی ہفتاد سالہ یونیورسٹی جو دارالفنون کے نام سے مشہور تھی، توڑ دی گئی، اور اُس کی جگہ ایک نئی یونیورسٹی قائم کی جارہی ہے، پہلے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ نئی یونیورسٹی انگورا مین قائم کی جائے لیکن بعد مین طے پایا کہ وہان ایک دوسری یونیورسٹی قائم کی جائے گی، فی الحال قسطنطنیہ کے قدیم جامعہ کو توڑ کر اوسے از سر نو جدید اصولون پر قائم کر دیا جائے، چنانچہ اس جدید یونیورسٹی کو جدید اصولون پر قائم کرنے کی خدمت ایک سوئیس پروفیسر کو تفویض ہوئی ہے، جو اپنا کام تین سال مین انجام دین گے، اس یونیورسٹی کا مقصد نوجوان ترکون کے لئے دنیا کے جدید علوم وفنون کے تمام فوائد مہیا کر دینا ہے، اسمین چار شعبے اور آٹھ صیغے رکھے گئے ہین، وہ چارون شعبے لٹریچر، سائنس، قانون اور طب کے ہین، اور صیغے حسب ذیل تقسیم پر مشتمل ہین،

۱- انقلاب ترکی، (۲) معاشیات وعمرانیات قومی، (۳) جغرافیہ، (۴) ترکیات، (۵) نفسیات، (۶) علم کیمیا (۷) برقی علم حیل (۸) اسلامیات،

دینیات کا صیغہ جو قدیم یونیورسٹی مین تھا توڑ دیا گیا ہے، اور اوسکی جگہ اوس سے وسیع تر اسلامیات کا صیغہ قائم کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ غیر ملکی زبانون کا بھی ایک صیغہ ہے، اور جامعہ کے طلبہ کے لئے کم سے کم دو غیر زبانون مین جو آج کل رائج ہین، دستگاہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، تقریبًا پچاس غیر ملکی پروفیسر مقرر کئے گئے ہین، انگریزی اور جرمن زبان پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جائے گا، اور غیر ملکی زبانون کی تعلیم ثانوی مدارس مین بھی جاری کیجائے گی،

ان ترمیمات کی بنا پر قدیم یونیورسٹی کے جو پروفیسر کثیر تعداد میں علٰحدہ کر دئے گئے ہیں، ان سے مترجمین کی ایک جماعت قائم کیجا رہی ہے، یہ لوگ تمام دنیا کے علوم و فنون کی اعلیٰ تصانیف اور یورپ کے جدید علوم کی بہترین درسی کتابوں کا ترجمہ جدید کی زبان میں کرینگے؛

نسلِ انسانی کی قدامت

مسٹر آرتھر اسمتھ ووڈ ورتھ، مشہور انگریز ماہر انسانیات، نے حال میں بین الاقوامی انجمن ارضیات، واشنگٹن کے سامنے بیان کیا ہے، کہ جنوبی مشرقی افریقہ کے علاقہ ٹنگانائیکا (Yanganyika) میں ڈاکٹر لیکی نے چند ما قبل تاریخ انسانی ہڈیوں کے جو ٹکڑے پائے ہیں، اُن سے صرف اسی قدر نہیں معلوم ہوتا، کہ نسلِ انسانی کی موجودہ قسم بہت قدیم ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کی جائے پیدایش افریقہ ہی میں ہے، موصوف کی رائے ہے کہ نسلِ انسانی کی عمر دس لاکھ سال نہیں، بلکہ دو کرور سال ہے، یہ دونوں رائیں اُن خیالات کے خلاف ہیں جو اب تک اس مسئلہ میں قائم تھے، اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا، کہ نسلِ انسانی کو انسانی یا نصفِ انسانی حالت میں آئے ہوئے تقریباً دس لاکھ برس ہوئے، ٹنگانائیکا کی انسانی ہڈیوں کی قدامت کا تعین بعض جانوروں کی ہڈیوں کی قدامت سے کیا جاتا ہے، یہ جانور اب ناپید ہیں، لیکن اون کی ہڈیاں انسانی ہڈیوں سے ملتی جلتی ہیں، سر آرتھر کے نظریہ کی تائید ایک اور نظریہ سے بھی ہوتی ہے، جو ڈاکٹر [illegible] کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، قدیم نظریات کے رو سے انسان کی آفرینش یورپ یا ایشیا میں ہوئی ہے، ایک دوسرے سائنس دان گریگری میسن، ماہر اثریات پنسلوینیا یونیورسٹی میوزیم (امریکہ) نے ایک بالکل مختلف نظریہ پیش کیا ہے، اون کو اس امر کی شہادت مل رہی ہے، کہ نسلِ انسانی کی ابتدا یورپ، ایشیا، افریقہ میں نہیں، بلکہ امریکہ میں ہوئی، انسانی شکل کے بندر جو ہانڈوراس (وسطی امریکہ) میں پائے جاتے ہیں، اور تارسیس (Yarsius) نامی ایک جانور کی ہڈیاں، جو ویومنگ (شمالی امریکہ) میں پائی گئی ہیں، یہ دونوں پروفیسر میسن کے خیال میں انسان سے ملتے جلتے ہیں، اور ممکن ہے کہ انسانی ارتقا کی ابتدائی کڑیاں ہوں، پروفیسر موصوف ان بندروں کے مطالعہ کے لئے وسطی امریکہ گئے ہوئے ہیں،

زحل پر نیا داغ

بحری رصدخانہ واشنگٹن کے نوجوان ہیئت دان مسٹر جان ویلیس (John Willis) نے اب سے دو ماہ قبل سیارہ زحل کے خطِ استوا پر ایک بڑا سفید داغ دریافت کیا ہے، یہ داغ تقریباً بیس ہزار میل لمبا اور بارہ ہزار میل چوڑا ہے، اگرچہ یہ داغ ہمارے کرۂ ارض سے بہت زیادہ بڑا ہے، لیکن زحل کی وسعت کے لحاظ سے جس کے خط استوا کا طول پچھتر ہزار میل ہے، یہ وسیع خطہ زحل کی زردی مائل سطح پر محض ایک بڑے سفید دھبہ کی طرح معلوم ہوتا ہے، اس داغ کی دریافت کا فخر اوّل اوّل ایک برطانوی شخص ول ہے (Will Hay) نامی کو ہوا تھا، لیکن اس تحقیق کی شہرت اُسی وقت ہوئی جب ویلیس نے بحری رصدخانہ واشنگٹن مین اُسے بطور خود دریافت کرکے تمام دنیا مین اس کا اعلان کیا،

سالمہ کی مقدار

انگریز ماہر طبیعیات مسٹر ایسٹن (Aston) نے سالمہ (Molecules) کی کثرت مقدار کے متعلق تخمینہ کیا ہے، کہ اگر ایک گلاس پانی کے سالمون پر کوئی ایسا نشان بنا دیا جائے، جس سے وہ پہچانے جا سکین اور یہ پانی سمندر مین ڈال دیا جائے، تو اس کے سالمے بالآخر کرۂ ارض کے تمام آبی حصون مین برابر برابر پھیل جائین گے، اور پھر اگر کسی مقام سے ایک گلاس پانی نکالا جائے، تو اُس مین اُن نشان شدہ سالمون مین سے دو ہزار سے زیادہ سالمے موجود ملین گے

لکڑی کی شکر

پروفیسر ایرک ہیگ لنڈ (Prof. Erik. Haeggland) نے حال مین حکومت سویڈن کے سامنے لکڑی سے شکر پیدا کرنے کی ایک تجویز پیش کی ہے، جسمین بیان کیا ہے، کہ ۱۵ لاکھ ٹن خشک لکڑی سے دس لاکھ ٹن شکر ہائڈروکلورک ایسڈ (نمک کا تیزاب) کے ذریعہ سے تیار ہو سکتی ہے، لیکن یہ شکر انسانون کی

غذا مین استعمال نہین کی جا سکتی، پروفیسر مذکور کی تجویز ہے، کہ ایک ایسے چوپایون کو کھلا سکتے ہین، اور الکحل خمیر (YEAB) اور موٹر کا تیل بنانے مین استعمال کر سکتے ہین،

غیر مرئی تار

نازک برقی سامان کی حفاظت کیلئے پلاٹینم کا ایک ایسا باریک تار بنایا گیا ہو جس کی دبازت انسانی بال کی دبازت کا تیسوان حصہ ہو، ایک انچ کی وسعت مین ایسے (۱۳۳۰۰) تار ایک دوسرے سے ملا کر رکھے جا سکتے ہین، ایک پونڈ پلاٹینم مین (۲۵۱۰۰۰۰) فٹ لمبا تار تیار ہو جائے گا، یعنی اوسکا طول کرۂ ارض کے نصف قطر سے بقدر (۱۰۵۰ء۴) میل زیادہ ہوگا

بیخوابی کا علاج،

جرمنی کے ایک طبیب ڈاکٹر مارلوتھ نے اپنے ملک والون کے لئے بیخوابی کے علاج کیلئے کچھ ہدایتین شائع کی ہین؛ جو ہر ملک کیلئے مفید ثابت ہونگی، یہ ہدایتین بیخوابی کے مستقل مریضون کے لئے نہین ہین، بلکہ صرف اُن کے لئے ہین جنھین خارجی اثرات کے باعث نیند نہین آتی، ڈاکٹر موصوف نے حسب ذیل دفعات مین اس شکایت کے اسباب اور اسکو رفع کرنیکے طریقے بتائے ہین،: مثلاً شور و غل کی آوازون سے دور رہنا، سونے سے پہلے زیادہ نہ کھانا، سوتے وقت دلچسپ قصّون کو نہ پڑھنا، کھیل تماشون سے قوت متخیلہ کو برانگیختگی سے بچانا، فکر، رنج، غصہ یا دوسرے تردّدات سے پرہیز کرنا وغیرہ اسی طرح وہ کہتا ہے، بیخوابی کا بہترین علاج یہ ہے کہ زندگی خوش اوقات طریقہ پر بسر کیجائے، یا اگر کتاب بہت زیادہ دلچسپ نہ ہو تو شب مین نیند لانے کیلئے اُسوقت تک پڑھی جائے، جب تک آنکھین تھک کر نیند نہ ہونے لگین، شام کو کافی ورزش کر لینے سے بھی شب مین نیند اچھی آتی ہے، اور نیند لانیکا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بستر پر لیٹ کر اپنے بدن کو بالکل ڈھیلا کرے، اور آنکھ بند کر کے یہ خیال کرے کہ نیند آ رہی ہے، دوسری طرف فرانس کے ایک طبیب نے بیخوابی کی شکایت رکھنے والون کیلئے ایک مختلف علاج پیش کیا ہے، اس کا خیال ہے کہ سوتے وقت اگر سر شمال کی جانب اور پیر جنوب کی طرف رکھا جائے، تو نیند بہت اچھی آتی ہے سبب یہ ہے کہ مقناطیسی رو شمال سے جنوب کی طرف بہتی ہے، اور اس طرح سونے مین آسانی اور آزادی کے ساتھ جسم کے اندر ہو کر گذر جائیگی، جس سے سکون اور آرام ملیگا، پیرس کے ایک اخبار کا بیان ہے کہ اس نظریہ کی اشاعت کے بعد عام طور پر لوگون نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے اور اس سے فائدہ محسوس کر رہے ہین؛

"ع ز"

ادبیات

مسجد نبوی میں نماز تہجد

(از حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی)

وہ شہر پاک مدینہ، وہ پچھلی رات کا وقت
وہ زخمۂ دل مسلم، بلال کی آواز،

کسی کا صدق سے وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ
ہر ایک قال سے ظاہر وہ حال کی آواز،

وہ رات، شرح گلیم سیاہ مُزَّمِّل
وہ نور اس میں سراجاً مُنیراً کی تفسیر،

سیاہ پردۂ گردوں پہ دست قدرت نے
قلم سے نور کے کھینچی ہے نور کی تصویر،

یقین ہے دل کو کہ اب بالیقین دیکھتے ہیں،
نظر ذرا سی جھک پر ہے کان آہٹ پر،

اُدھر، وہ لب کا اشارہ کہ میری بات سنو
جھک کے حسن کا کہنا، "ادھر بھی ایک نظر"

وہ پاک جائے محل وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ کا
وہ وقت خاص، تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

نظر کے سامنے، مامور وَرَتِّلِ الْقُرْآن
دعا وہ صدق سے مصداق اَقْوَمُ قِیْلًا

یہیں تو کھلتے ہیں، اسرار سورۂ الحمد
خدا کی حمد، محمد کے ساتھ ہوتی ہے،

یہاں نماز تہجد، ہمیشہ ہوتی ہے،
مخاطب فَتَہَجَّدْ[1] کے ساتھ ہوتی ہے،

آہ رسا

(از جناب حفیظ ہوشیارپوری بی، اے)

راز سربستہ محبت کے زباں تک پہنچے،
بات بڑھ کر یہ خدا جانے کہاں تک پہنچے،

کیا تصرف ہے ترے حسن کا اللہ! اللہ!
جلوے آنکھوں سے اتر کر دل و جاں تک پہنچے،

---

[1] فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

تیری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا، سرحدِ عقل سے گذرے تو یہاں تک پہنچے،

حیرتِ عشق مری حُسن کا آئینہ ہے، دیکھنے والے کہاں سے ہیں کہاں تک پہنچے،

کھل گیا آج نگاہیں ہیں نگاہیں اپنی جلوے ہی جلوے نظر آئے جہاں تک پہنچے،

آہ! وہ حرفِ تمنا کہ نہ لب تک آئے، ہائے وہ بات کہ رک رک کے زباں تک پہنچے،

کس کا دل ہے کہ سُنے قصۂ فرقت میرا کون ہے جو مرے اندوہِ نہاں تک پہنچے،

خلش انگیز تھا، کیا کیا تری مژگاں کا خیال ٹوٹ کر دل میں یہ نشتر رگِ جاں تک پہنچے،

نہ پتہ سنگِ نشاں کا نہ خبر رہبر کی،! جستجو میں تری دیوانے یہاں تک پہنچے،

نہ غبارِ رہِ منزل ہے، نہ آوازِ جرس، کون مجھ رہرو گم کردہ نشاں تک پہنچے،

صاف تو یوں ہے یہ دردِ محبت کی حفیظؔ، حُسن کا راز ہو، اور میری زباں تک پہنچے،

اسرارِ توحید

از مولوی حکیم امداد حسین صاحب توحید ندوی منشی فاضل، او، ٹی ہیڈ اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول سیالکوٹ

(۱)
کہتے ہیں مجھے خموش رہتا ہوں میں، چپ چاپ سبو بدوش رہتا ہوں میں،
دل دور تلاش میں نکل جاتا ہے، پھر منتظرِ سروش رہتا ہوں میں،

(۲)
موجیں اٹھتی ہیں، دل میں طغیانی ہے، یا رب میرا اس پاس پر فانی ہے،
آہوں میں اثر عطا ہو، گھلا دوں میں، دنیا دیکھے یہ شعلہ افشانی ہے،

(۳)
اسلام سے درگذر نہیں ہونے کا، تم لاکھ بچو مفر نہیں ہونے کا،
ہے پیش اسمبلی میں قانونِ طلاق، فطرت سے اگر مگر نہیں ہونے کا،

(۴)
آؤ کریں مل کے آشنا کی باتیں، کچھ دل کی ہوں کچھ ہوں دلربا کی باتیں،
سنتا رہتا ہوں اُن کو مل جاتا ہے کرتے رہتے ہیں جو خدا کی باتیں،

مطبوعات جدیدہ

اسلامی عقائد اور اون کے ماخذ، (بزبان انگریزی) از پروفیسر سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے، اسلامیہ کالج کلکتہ، حجم ۱۶۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، خوشخط ٹائپ مین، قیمت مجلد للعہ، پتہ:- جناب سید ظہیر الدین، بی، اے، نمبر ۴ سید اسمٰعیل لین کلکتہ،

یہ رسالہ انگریزی زبان مین "مسلم تھاٹس اینڈ اٹس سورس" کے نام سے ہی، اس مین اسلام کے مختلف فرقون اور مسلکون، معتزلہ اور اشاعرہ، صوفیہ، اور فلاسفہ کے عقائد اور خیالات محققانہ اور سلیس انداز مین بیان کئے گئے ہین، نیز دلائل سے اون مستشرقین کی تردید کی گئی ہی جنھون نے اسلام اور اسلامی فرقون پر دوسرے مذاہب اور دوسرے غیر مسلم گروہون کے عقائد کی خوشہ چینی کا الزام لگایا ہی، امید ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی انگریزی تعلیم یافتہ جماعت کے سنجیدہ علمی حلقون مین وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی، کتاب کی قیمت کسی قدر کم رکھی جاتی تو مناسب تھا،

چہار مقالہ (فارسی) تالیف نظامی عروضی، ناشر رام نراین لال، کٹرا روڈ، الہ آباد، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی خوشخط ٹائپ مین، قیمت مجلد عہ،

نظامی عروضی کی چہار مقالہ، محمد بن عبد الوہاب قزوینی کے وسیع وطویل حواشی کے ساتھ ۱۹۰۹ء مین ایک ضخیم جلد مین گب میموریل کی جانب سے شائع ہوئی تھی، لیکن قیمت کی زیادتی اور نسخہ کے بآسانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے طلبہ کو اس کے عام بازاری نسخون سے کام لینا پڑتا تھا، مولوی محمد رفیع صاحب (فاضل دیوبند) شکریہ کے مستحق ہین، کہ قزوینی کے شایع کردہ نسخے مین سے محض اصل متن کو ایک مختصر کتابی شکل مین چھپوانے کا اہتمام کیا، اب وہی نسخہ سستے دام مین دستیاب ہوسکتا ہے، مولوی صاحب موصوف نے قزوینی کے تعلیقات مین سے اختلاف نسخ کے حصّہ کو اس مین شامل کرلیا ہی، اور ابتدا

مین دو صفحون کا دیباچہ لکھا ہی جسمین نظامی کے سوانح حیات اور چہار مقالہ کا سرسری تعارف ہی،

موازنہ ہلال و صلیب

، مولفہ جناب محمد عبد السمیع خان صاحب، نکہت، شاہجہان پوری، بی اے

حجم چھوٹی تقطیع کے ۲۰۷ صفحے، قیمت :- عہ، مولف سے بتوسط اسسٹنٹ سکریٹری انجمن اسلام ہارنبائی روڈ، فورٹ نمبر ا بمبئی سے طلب کرین،

موازنہ ہلال و صلیب" ہمارے نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنی رجحانات مین خوشگوار تبدیلی پیدا ہونیکے آثار کے طور پر دیکھی جاسکتی ہی، اس رسالہ مین نوجوان مؤلف نے اسلامی تمدن اور یورپ پر اوس کے اثرات کو دلپذیر انداز مین پیش کیا ہے، اور اس سے مقصود یورپ کی موجودہ خیرہ کن تمدنی ترقیون سے مبہوت مسلمانون کو بیدار کرتا ہے کہ آج یورپ مین علم و فن کے جو چکا چوندھ پیدا کردینے والے مناظر ہمین دکھائی دے رہے ہین، وہ ہماری ہی تعمیر کی ہوئی عمارت پر مزید نقش و نگار ہین، مؤلف نے اوس کو عیسائی دنیا کے ممتاز مورخین، لیبان، میکیب ارنلڈ، جوزف ہیل اور اسکاٹ وغیرہ کی تالیفات سامنے رکھکر مرتب کیا ہے، اور اون کی شہادتون سے اسلامی تمدن کے برکات دکھائے ہین، کتاب آٹھ دس ابواب مین ہی جنمین تقریباً اسلامی مدنیت کے اکثر شعبون کا اجمالی خاکہ سامنے آگیا ہی،

افسانۂ نواب جمیل الشان

، از جناب عبد الرؤف صاحب عباسی ڈپٹی حق لکھنوی حجم ۹۰ صفحے،

قیمت عہ، پتہ :- منیجر جدید برقی پریس اشتیاق منزل نمبر ۳۴ ہیوٹ روڈ لکھنؤ،

"نواب جمیل الشان" لکھنؤ کے ایک وثیقہ دار نواب ہین، نوابی کے کارخانے بگڑ چکے ہین، لیکن ابھی تک تمام عیش و نشاط کے اوسی طرح دلدادہ ہین، مصاحبین کا جھرمٹ بھی رہتا ہے، پیری مین عشق کی سوجھتی ہی، لکھنؤ کی ایک طوائف کے گرویدہ ہوتے ہین، بدایون کے ایک "سرکار" رئیس سے مقابلہ ہوتا ہی، اسی ضمن مین نواب صاحب کے ایک [illegible] نواب بنیاد حسین سے تعارف ہوتا ہی، یہ بڑے داؤ پیچ کے آدمی نکلتے ہین [illegible] اور سازشون کے عجیب عجیب واقعات سامنے آتے ہین جنمین لکھنؤ کی [illegible] ذہانت کے دلچسپ مناظر بھی ہین [illegible] بوالہوسی و ہوسناکی کے نتائج بد سامنے آتے ہین، وہی طوائف [illegible] نصیحت دیتی ہی [illegible] آپ چالاک ہوجاتا ہی [illegible]

واقعات پر مبنی ہو، انداز بیان ایسا دلچسپ ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے، اس افسانہ پر مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی نے شروع مین دو تین صفحون مین دیباچہ لکھا ہے،

کیمیا گر اور دوسرے افسانے از جناب محمد مجیب صاحب بی اے آکسن حجم ۱۵۵ صفحے قیمت درج نہین، پتہ: منیجر صاحب جامعہ ملیہ بک ڈپو، قرول باغ، دہلی،

جناب محمد مجیب صاحب نے اپنے اون افسانون کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً رسالون مین شائع ہوتے رہے ہین "کیمیا گر اور دوسرے افسانے" کے نام سے مرتب کیا ہے، ان مختلف افسانون مین معاشرتی زندگی کے کسی نہ کسی ایک خاص پہلو یا معاشرتی زندگی کے کسی ایک اصلاحی خیال کو کسی ایک مرتب واقعہ کی شکل مین پیش کیا ہے، اور یہی ان افسانون کی نمایان خصوصیت ہے، یون عمومی دلچسپی کے لحاظ سے بعض افسانے اچھے خاصے دلچسپ اور سبق آموز ہین، لیکن کہین کہین پر محض اپنے اصلاحی خیالات سمجھانے کیلئے فسانہ مین اونکو اس اصرار اور تکرار کے ساتھ موضوع گفتگو بنایا ہے، کہ جمالیاتی پہلو غائب ہونیکے علاوہ شاید نظریاتی عنوان بحث بھی گم ہو کر رہ گیا ہے،

تاریخ الاسلام کا پہلا نمبر از جناب مولوی سید محمد میان صاحب دیوبندی، ناشر منیجر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، ضلع سہارنپور، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب، قیمت درج نہین،

مؤلف نے مختصراً اسلامی تاریخ پر رسائل کا ایک سلسلہ طلبہ کیلئے لکھنا شروع کیا ہے، اوس کا یہ پہلا حصہ ہے، اس مین آنحضرت صلعم کی ہجرت تک کے واقعات بیان کئے گئے ہین، رسالہ درسی کتاب کے طور پر مکالمہ کی شکل مین قلمبند کیا گیا ہے، پھر ہر سبق کا خلاصہ چند سطرون مین دیدیا گیا ہے، رسالہ بچون کیلئے مفید ہوگا،

کلید عربی و کلید قرأت } (پہلا حصہ) مولفہ مولوی قاری خلیل احمد صاحب لکھنوی (فاضل دینیات) حجم بہ ترتیب چھوٹی تقطیع کے ۳۹ و ۴۵ صفحے قیمت ہر ایک ۳ ؍ پتہ:- بشری بکڈپو نمبر ۳۱، کتاب خانہ اسٹریٹ، ماونٹ روڈ مدراس،

مولوی قاری خلیل احمد صاحب نے عربی زبان کے سکھانے کیلئے انگریزی ریڈرون کے طرز پر "کلید عربی" کے نام سے اس کے چند حصے لکھے ہین، جن مین کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، اسمین جملون کے ذریعہ سے عربی بنانے اور صرف و نحو کے مسائل مستحضر کرنیکی کوشش کیگئی ہے، اس پہلے حصہ مین ثلاثی مجرد صحیح کو استعمال کرایا گیا ہے، اور آخر مین نحو و صرف کے چند قواعد اور گردانین درج ہین،

کلید قرأت فن تجوید مین ہے، اس مین اولاً قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے اور فن تجوید کے حاصل کرنیکی ضرورت دکھائی گئی ہے، پھر اس فن کے عمومی قواعد سلیس انداز مین سمجھا کر بیان کئے گئے ہین،

"س"

ضمیمہ

تاریخ خطیب بغدادی

ابوحنیفہ النعمان بن ثابت

گذشتہ سے پیوستہ

از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی

النعمان[1] بن ثابت، ابوحنیفہ تیمی امام صاحب الرای، فقیہ اہل عراق، انس بن مالک رض کو دیکھا، عطا بن ابی رباح
نافع مولی ابن عمر، حماد بن ابی سلیمان، ہشام بن عروہ، علقمہ بن مرثد وغیرہم سے سماعت حدیث کی، عبداللہ بن المبارک
وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، ابویوسف القاضی، محمد بن حسن وغیرہم نے اُنسے روایت کی، نسب کی بابتہ منجملہ دیگر مختلف
روایتون کے امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کی روایت ہے کہ ہم ابنائے فارس سے ہین، غلامی نے کبھی ہم کو مس نہین
کیا (اہل البیت ادری بما فی البیت، شروانی)

ولادت ۸۰ھ، حلیہ میانہ قد، خوشرو، خوش لباس، عطر کا استعمال بکثرت کرتے کہ مکان سے برآمد ہونے پر فضا
معطر ہو جاتی، نیک صحبت، بڑے کرم کرنے والے، اپنے بھائیون کے دلی غمخوار، خوش بیانی مین فائق شیرین زبان ہمت بلند

---

[1] واضح ہو کہ خطیب بغدادی نے امام صاحب کے حال مین پورے سو صفحے لکھے ہین مضمون ذیل مین مذاق حال کے مناسب مضامین قبس
کر کے لکھے گئے ہین (شروانی) [2] دیکھو اسکی تائید مین تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی جلد اول، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی جز دہم، مرآۃ
الجنان امام یافعی ج ا امام یافعی چار صحابہ کرام کی روایت کے قائل ہین، (شروانی)

علم | فقہ خاصکر سیکھی، حماد بن ابی سلیمان کے حلقۂ درس مین ان کے سوا کوئی اور استاد کے سامنے نہ بیٹھتا، دس برس انکی صحبت مین رہے، ایک موقع پر اپنی جگہ ان کو بٹھا کر حماد باہر گئے، یہ لوگون کے سوالون کا جواب دیتے رہے، ایسے مسئلے بھی آئے جو استاد سے نہ سُنے تھے، استاد کی واپسی پر مسائل مذکور خدمت مین پیش کئے جو ساٹھ تھے، استاد نے چالیس سے اتفاق کیا، بیس سے اختلاف، شاگرد نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہونگا، چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے، کل زمانۂ رفاقت اٹھارہ برس تھا، استاد کے بیٹے اسمٰعیل کہتے ہین کہ ایک بار والد سفر مین گئے اور کچھ دن باہر رہے، واپسی پر مین نے پوچھا، ابا جان! آپ کو سب سے زیادہ کس کے دیکھنے کا شوق تھا (ان کا خیال تھا کہین گے بیٹے کے دیکھنے کا) کہا ابوحنیفہ کے دیکھنے کا، اگر یہ ہوسکتا کہ مین کبھی نگاہ ان کے چہرہ سے نہ اٹھاؤن تو یہی کرتا،

محمد بن فضیل عابد بلخی نے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ مین امیرالمومنین خلیفہ منصور کے پاس گیا تو پوچھا تم نے علم کس سے حاصل کیا، مین نے کہا حماد سے انھون نے ابراہیم (نخعی) سے انھون نے عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن العباس سے منصور نے سنکر کہا خوب خوب، ابوحنیفہ تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا، وہ سب کے سب طیبین وطاہرین تھے، سب پر اللہ کی درود،

دوسری روایت مین ہے کہ خلیفہ منصور سے عیسٰی بن موسٰی نے کہا کہ یہ (ابوحنیفہ) آج دنیا کے عالم ہین، پوچھا نعمان! علم کس سے حاصل کیا، جواب دیا، اصحاب عمر سے عمر کا، اصحاب علی سے علی کا، اصحاب عبداللہ سے عبداللہ کا، اور ابن عباس کے زمانہ مین اُن سے بڑھکر عالم روئے زمین پر نہ تھا،

اعمش نے ایکبار ابویوسف سے پوچھا تمہارے رفیق ابوحنیفہ نے عبداللہ کا قول "عتق الامۃ طلاقہا" کیون ترک کیا، جوابدیا کہ اس حدیث کی بناء پر جو آپنے بواسطۂ ابراہیم و اسود عائشہ سے روایت کی ہے کہ بریرہ جب آزاد کی گئین تو ان کو اختیار دیا گیا، اعمش یہ سنکر تعجب مین رہ گئے اور کہا ابوحنیفہ بہت زیرک ہین، ان اباحنیفۃ لفطن،

عبادت و ورع | عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین نے کوفہ پہنچکر پوچھا کہ کوفہ والون مین سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگون نے کہا ابوحنیفہ، ان کا یہ بھی قول ہے کہ مین نے ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی پارسا نہین دیکھا، ما رأیت احدا

ورع من ابی حنیفۃ۔ تیسرا قول ہے کہ مین نے کسی کو ابوحنیفہ سے زیادہ پارسا نہین پایا، حالانکہ درّرون سے مال
. دولت سے اُن کی آزمایش کیگئی (اپنے زمانہ مین امام صاحب کے سب سے زیادہ عابد و پارسا ہونے کی تائید مین اور
ھی متعدد قول خطیب نے نقل کئے ہین) سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ ہمارے وقت مین کوئی آدمی مکہ مین ابوحنیفہ سے
زیادہ نماز پڑھنے والا نہین آیا، اُن کا یہ بھی قول ہے کہ وہ نماز اول وقت ادا کرتے تھے، ابو مطیع کا قول ہے کہ مین قیام
ہ کے زمانے مین رات کی جس ساعت مین طواف کو گیا ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کو طواف مین مصروف پایا، ابو عاصم کا
ول ہے کہ کثرتِ نماز کی وجہ سے ابوحنیفہ کو لوگ میخ (وتد) کہنے لگے تھے،

شب بیداری و قرآن خوانی | یحیی بن ایوب الزاہد کا قول ہے کہ کان ابوحنیفۃ لا ینام اللیل، ابوحنیفہ شب بیدار
تھے، اسد بن عمر کا قول ہے کہ ابوحنیفہ شب کی نماز مین ایک رکعت مین پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، ان کے گریہ وزاری
کی آواز سنکر پڑوسیون کو رحم آنے لگتا تھا، ان کا یہ بھی قول ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ انھون نے جس مقام
پر وفات پائی وہان سات ہزار کلام مجید ختم کئے تھے، ابو الجویریہ کا قول ہے کہ صحبتُ حماد بن ابی سلیمان ومحارب
بن دثار وعلقمۃ بن مرثد وعون بن عبد اللہ وصحبتُ ابا حنیفۃ فما کان فی القوم رجل
حسن لیلا من ابی حنیفۃ، لقد صحبت اشہرا فما منہا لیلۃ وضع فیہا جنبہ۔ مین حماد بن ابی
سلیمان، محارب بن دثار، علقمہ بن مرثد اور عون بن عبد اللہ کی صحبت مین بیٹھا ہون اور ابوحنیفہ کی صحبت مین بھی رہا ہون
مین نے اس جماعت مین کسی کو ابوحنیفہ سے بہتر شب گذار نہین پایا، مین مہینون ان کی صحبت مین رہا، اس تمام زمانے
مین ایک رات بھی پہلو لگاتے نہین دیکھا، مسعر بن کدام کا قول ہے کہ مین ایک رات مسجد مین داخل ہوا، تو کسی کے قرآن
پڑھنے کی آواز کان مین آئی جس کی شیرینی دل مین اتر گئی، جب ایک منزل ختم ہوئی تو مجھکو خیال ہوا کہ اب رکوع
کرین گے، انھون نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا، نصف ختم کیا، اسی طرح پڑھتے رہے کہ کلام مجید ایک رکعت مین ختم ہوگیا،
مین نے دیکھا تو وہ ابوحنیفہ تھے، خارجہ بن مصعب کہتے ہین کہ خانہ کعبہ مین چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے، عثمان
بن عفان، تمیم داری، سعید بن جبیر اور ابوحنیفہ، زائدہ کہتے ہین کہ ایک رات مین نے ابوحنیفہ کے ساتھ عشا کی نماز مسجد

آدمی نماز پڑھ کر چلے گئے، ابو حنیفہ کو معلوم نہ ہوا کہ مین مسجد مین ہون، حالانکہ تنہائی مین ایک مسئلہ مین اُن سے پوچھنا چاہتا تھا، انھون نے کھڑے ہو کر نماز مین قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، مین انتظار مین کھڑا سنتا رہا کہ فارغ ہون تو مسئلہ پوچھون، پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے (فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ) تو اس کو بار بار پڑھنا شروع کیا، اسی آیت کی تکرار مین صبح ہو گئی، یہانتک کہ مؤذن نے فجر کی اذان دیدی، یزید بن الکمیت جو برگزیدہ لوگون مین سے ہین (وکان من خیار الناس) کہتے ہین، کہ ابو حنیفہ کے دل مین اللہ تعالیٰ کا خوف شدید تھا، ایک رات امام نے عشا کی نماز مین سورۂ اذا زلزلت پڑھی، ابو حنیفہ جماعت مین تھے، جب نماز ختم کر کے آدمی چلے گئے، تو مین نے دیکھا کہ ابو حنیفہ فکر مین غرق بیٹھے ہین، تنفس جاری ہے، مین نے دل مین کہا چپکے سے اٹھ چلو ان کے شغل مین خلل انداز نہ ہو، چنانچہ قندیل روشن چھوڑ کر مین چلا آیا، اس مین تیل تھوڑا تھا، طلوع فجر کے وقت جب مین مسجد مین پھر آیا تو مین نے دیکھا کہ ابو حنیفہ اپنی داڑھی پکڑے کھڑے ہین، اور کہہ رہے ہین، یا من یجزی بمثقال ذرۃ خیر خیرا و یا من یجزی بمثقال ذرۃ شر شرا، اجر النعمان عبدک من النار و ما یقرب منہا من السوء و ادخلہ فی سعۃ رحمتک، اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے اور اے ذرہ بھر برائی کا بدلہ دینے والے اپنے بندہ نعمان کو آگ سے اور اسکے لگ بھگ عذاب سے بچائیو، اور اپنی رحمت کی فضا مین داخل کیجیو، مین نے اذان دی، آکر دیکھا تو قندیل روشن تھی اور وہ کھڑے ہوئے تھے، مجھکو دیکھکر کہا کیا قندیل لینا چاہتے ہو، مین نے کہا صبح کی اذان دے چکا، کہا جو دیکھا ہے اس کو چھپانا، یہ کہکر صبح کی سنتین پڑھین اور بیٹھ گئے، مین نے تکبیر کہی تو جماعت مین شریک ہوئے، ہمارے ساتھ صبح کی نماز اول شب کے وضو سے پڑھی، القاسم بن معین کا بیان ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ نے نماز مین یہ آیت پڑھی (بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر) بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے، اور قیامت بڑی آفت اور بہت تلخ ہے، تمام رات اس کو دہراتے رہے، اور شکستہ دلی سے روتے رہے،

عبادت شب اور کلام کی تلاوت کے متعلق خطیب نے اور بھی بہت سی روایتین لکھی ہین، نمونہ کے لئے

اوپر کے بیان کافی ہین، یہ بھی خیال ہے کہ ہم پست ہمت مردہ دل ان کو اپنے حال پر قیاس کر کے مبالغہ اور بے اصل تصور نہ کر بیٹھین،

قیس بن ربیع کا قول ہے کہ ابوحنیفہ پرہیزگار، فقیہ محمود خلائق تھے، جو اُن کے پاس پہنچ جاتا اس کے ساتھ بہت سا سلوک کرتے، بھائیون کے ساتھ بکثرت احسان کرتے، انھی کا قول ہے کہ ابوحنیفہ مال تجارت بغداد بھیجتے، اس کی قیمت کا مال کوفہ منگواتے، سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لئے ضرورت کی چیزین خریدتے خوراک اور لباس غرض جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اس سے جو روپیہ بچتا وہ نقد جملہ سامان کیساتھ یہ کہکر ان کے پاس بھیجتے کہ "اس کو خرچ کرو اور سوائے اللہ کے کسی کی تعریف نہ کرو اس لیے کہ مین نے اپنے مال مین سے تم کو کچھ نہین دیا، یہ اللہ کا تمھارے معاملے مین مجھ پر فضل ہے، کہ تمھاری قسمت کا نفع ہوا، یہ وہ فیض ہے جو اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے تم کو پہنچاتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ بخشے اس مین دوسرے کی قوت کا کیا دخل ہو سکتا ہے" ابو یوسف کا قول ہے کہ ابوحنیفہ ہر سائل کی حاجت پوری کرتے تھے، ابوحنیفہ دربار کے عطیون سے ہمیشہ بچتے رہے، خلیفہ منصور نے ان کو بدفعات تیس ہزار درہم دیے، انکار مین برہمی کا اندیشہ تھا، کہا امیرالمومنین مین بغداد مین غریب الوطن ہون، اجازت دیجئے کہ خزانہ شاہی مین یہ رقم میرے نام سے جمع ہوتی رہے، منصور نے منظور کیا وفات تک یہ رقم خزانے مین رہی، بعد وفات جب منصور نے یہ حال سنا اور یہ بھی سنا کہ امام صاحب کی حفاظت مین لوگون کے پچاس ہزار درہم امانت کے تھے جو بعد وفات بجنسہ واپس دیئے گئے، تو اس نے کہا ابوحنیفہ میرے ساتھ چال چل گئے، امانت داری مسلم تھی، وکیع کا قول ہے. کان واللہ ابوحنیفۃ عظیم الامانۃ وکان اللہ فی قلبہ جلیلا وکبیرا، واللہ ابوحنیفہ بڑے امین تھے، اللہ کی جلالت و کبریائی ان کے دل مین بھری ہوئی تھی، ان کا یہ بھی قول ہے کہ جب ابوحنیفہ اپنے بال بچون کیلئے کپڑے بناتے تو ان کی قیمت کے برابر صدقہ کر دیتے، اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اسکی قیمت کی برابر شیوخ علما کے لئے لباس تیار کرتے جب کھانا سامنے آتا تو اول اپنی خوراک کی مقدار سے دونا نکال کر کسی محتاج کو دیدیتے، صفائی معاملہ اس واقعہ سے معلوم ہوگی، ایک بار ایک

کے تھانون مین سے ایک تھان مین نقص تھا، اپنے شریک حفص کو ہدایت کی کہ جب یہ تھان بیچو تو اس کا عیب جتا دینا
وہ بھول گئے، سارے تھان بک گئے، یہ بھی یاد نہ رہا کہ عیب والا تھان کسکے ہاتھ فروخت کیا، ان کو معلوم ہوا تو سارے
تھانون کی قیمت خیرات کردی، خود حفص کے بیٹے علی نے یہ روایت کی ہے، ابن صہیب کا قول ہے کہ ابوحنیفہ اکثر یہ
شعار پڑھا کرتے تھے،

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم — وسیبہ واسع یرجی وینتظر
انتم یکدر ما تعطون منکم — واللہ یعطی بلا من ولا کدر

عرش کے مالک کی بخشش تمھاری بخشش سے بہتر ہے، اور اس کا جود بہت وسیع ہے کہ سب اس کے امیدوار
منتظر ہین، تمھاری بخشش کو تمھارا احسان جتانا مکدر کردیتا ہے، اللہ تعالی کی عطا مین نہ احسان رکھنا ہی نہ کدورت،

ور عقل، زیرکی اور باریک نظری

یہ عنوان خطیب نے مستقل قائم کیا ہے، عبداللہ بن مبارک نے سفیان ثوری سے کہا کہ اے
ابوعبداللہ! ابوحنیفہ غیبت سے کسی قدر دور بھاگتے ہین، مین نے کبھی ان کو کسی کی غیبت کرتے
ہین سنا، سنکر کہا، واللہ ابوحنیفہ کی عقل اس سے بڑھکر ہے، کہ وہ اپنی نیکیون پر ایسی بلا مسلط کرین جو ان کو
اکر دے، علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر ابوحنیفہ کی عقل روئے زمین کے آدھے آدمیون کی عقل سے تولی
ئے تو اس کا پلہ بھاری رہیگا، خارجہ بن مصعب نے ایک موقع پر ابوحنیفہ کے ذکر کے سلسلے مین کہا کہ مین نے
ہزار علما دیکھے ہین ان مین تین یا چار عاقل پائے، ان مین سے ایک ابوحنیفہ ہین، یزید بن ہارون کا قول ہے
ین نے بہت آدمی دیکھے کسی کو ابوحنیفہ سے زیادہ عاقل، زیادہ فاضل اور زیادہ پارسا نہین پایا، محمد بن عبداللہ
اری کا قول ہے کہ ابوحنیفہ کی عقل ان کے کلام، ارادہ، نقل و حرکت سے عیان ہوتی تھی، کان ابوحنیفۃ
بین عقلہ من منطقہ ومشیتہ ومدخلہ ومخرجہ،

ایک بار ابوحنیفہ خلیفہ منصور کے پاس گئے، حاجب ربیع نے (جسکو ان سے مخالفت تھی) کہا ابوحنیفہ
نر ہین جو خلیفہ کے دادا عبداللہ بن عباس کی مخالفت کرتے ہین، ان کا قول تھا کہ قسم کھا کر انسان اگر ایکدن

یاد دو ون کے بعد استثنار کردے تو جائز ہے، یہ کہتے ہین کہ نہین وہی استثنا، جائز ہوگا جو قسم کے ساتھ ساتھ کیا جاوے، ابوحنیفہ نے کہا، امیرالمومنین! ربیع کا خیال فاسد یہ ہے کہ آپکی فوج پر آپکی بعیت کی پابندی نہین، اس لئے کہ وہ آپ کے سامنے عہد کرتے ہین، گھر جاکر اس سے استثنار کرلیتے ہین، لہذا بعیت کا حلف باطل ہوجاتا ہے، منصور یہ سنکر ہنس پڑا اور کہا دیکھو ربیع! ابوحنیفہ کے منھ مت لگ، باہر نکل کر ربیع نے شکایت کی کہ تم نے تو میرا خون ہی بہایا تھا، ابوحنیفہ نے کہا تم نے میرے قتل کا سامان کیا تھا، مین نے تم کو بھی بچا لیا، اور اپنی جان بھی بچائی، عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ ابوحنیفہ کی رکاب تھامے ہوے کھڑے تھے، واللہ ہم نے کوئی انسان نہین دیکھا کہ جو فقہ مین تم سے زیادہ بالغ النظر ہو یا زیادہ صابر ہو یا زیادہ حاضر جواب ہو تم اپنے وقت کے مسلم پیشوا ہو، تم پر جو اعتراض کرتے ہین وہ حاسد ہین،

حق پر استقامت سہل بن مزاحم کا قول ہے کہ دنیا ابوحنیفہ کے قدمون پر گری، انھون نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اس کے لینے پر کوڑون کے ذریعہ سے مجبور کئے گئے، مگر قبول نہ کیا، دو مرتبہ ابوحنیفہ نے حق کی حفاظت پر جسمانی تکلیفین برداشت کین، اول مرتبہ بنو امیہ کے زمانے مین، جب ابن ہبیرہ عامل کوفہ نے کوفہ کی قضا کا عہدہ قبول کرنے پر ان سے اصرار کیا، انکار پر تو کوڑے لگوائے، بالآخر چھوڑ دیا، ہر روز دس کوڑے مارے گئے، ایکدن کوڑے لگنے کے دوران مین روئے، چھوٹنے کے بعد رونے کا سبب کسی نے پوچھا تو کہا کہ مجھ کو اپنی والدہ کے صدمہ کا خیال آیا جو کوڑون سے زیادہ ایذا رسان تھا، اس پر رو دیا، احمد بن حنبل اپنی مصیبت کے بعد جب ابوحنیفہ کی مصیبت کا ذکر کرتے روتے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے، دوسری مرتبہ خلیفہ منصور نے اسی عہدہ کے قبول کے لئے بغداد بلایا، اور اصرار کیا، ابوحنیفہ انکار کرتے رہے، خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ کرنا ہوگا، انھون نے انکار پر قسم کھائی، یہ بھی کہہ رہے حاجب ربیع نے موقع پاکر کہا کہ ابوحنیفہ امیرالمومنین بار بار قسم کھاتے ہین، پھر بھی تم انکار کئے جاتے ہو، جواب دیا، امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ دیدینا مجھ سے زیادہ آسان ہے، بالآخر منصور نے قید کا حکم دیدیا، دوران قید مین ایکدن بلاکر پھر فرمایش کی، انھون نے کہا" اصلح اللہ امیرالمومنین ما انا اصلح للقضاء، خدا امیرالمومنین کا

بھلا کرے، مین عہدۂ قضا کی صلاحیت نہین رکھتا، منصور نے کہا تم جھوٹے ہو، جواب دیا خود امیر المومنین نے میری
تصدیق کردی، کہ مجھ کو جھوٹا کہا، اگر مین فی الواقع جھوٹا ہون تو عہدۂ قضا کے قابل نہین، اور اگر سچا ہون تو
مین کہہ چکا کہ مجھ مین یہ صلاحیت نہین، منصور نے یہ سنکر پھر قید خانہ بھیجدیا، اسی قید خانہ مین چھ دن علیل رہکر
سنہ ۱۵۰ھ مین وفات پائی، ستر برس کی عمر تھی، ابن جریج نے خبر وفات سنکر انا للہ پڑھی، اور کہا اتی علم ذہب
بسا علم اُٹھ گیا،

مناقب ابوحنیفہ | اس کا بھی مستقل باب ہے،

حدیث:۔ "لا تقوم الساعۃ حتی یظہر العلم" کی تفسیر مین حسن بن سلیمان نے کہا ہے کہ وہ
علم ابوحنیفہ کا علم ہے، اور وہ شرح جو انھون نے احادیث کی کی ہے، خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالی
کا علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ نے صحابہ کو پہنچایا، صحابہ نے تابعین کو، تابعین کے بعد ابوحنیفہ اور اُن کے
اصحاب کو ملا اس پر کوئی خوش ہو یا ناراض،

ابن معینہ کا قول ہے کہ میری آنکھ نے ابوحنیفہ کا مثل نہین دیکھا،

ایک موقع پر عبداللہ بن مبارک نے کہا ابوحنیفہ اللہ کی ایک نشانی تھے، کسی نے کہا خیر کی یا شر کی
خاموش، شر کے واسطے غایۃ اور خیر کے واسطے آیۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ کہکر یہ آیت پڑھی "وجعلنا
ابن مریم وامہ آیۃ" ابن مبارک کا یہ قول بھی ہے، کوئی مجلس ابوحنیفہ سے زیادہ باوقار نہ تھی، اُنکی
مجلس ان فقہا کی تھی، نیک طریقہ، خوبصورت، خوش لباس تھے، ہم ایک روز جامع مسجد مین تھے، ایک سانپ
ابوحنیفہ کی گود مین آپڑا، لوگ ڈر کر بھاگ گئے، ان کو مین نے دیکھا کہ بدستور بیٹھے رہے، سانپ کو جھٹککر پھینکدیا
ان کا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ نے میری مدد ابوحنیفہ اور سفیان کے ذریعے سے نہ کی ہوتی تو مین عام آدمیون
کی طرح ہوتا، لولا ان اللہ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسایر الناس، عبداللہ بن مسعود
کے پڑوتے قاسم سے کسی نے کہا کہ کیا تم ابوحنیفہ کے تلامذہ مین داخل ہونا پسند کرتے ہو، جواب دیا ان کی محفل سے

زیادہ فیض رسان کوئی مجلس نہین ہے، چلو تم بھی چلکر دیکھ لو، چنانچہ وہ شخص ان کے ساتھ گیا، مجلس مین بیٹھا تو وہین کا ہو رہا اور کہا مین نے اس سے بہتر صحبت نہین پائی،

عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین اوزاعی سے ملنے شام گیا، بیروت مین اُن سے ملاقات ہوئی، مجھ سے کہا کہ اے خراسانی کوفہ مین یہ کون بدعتی پیدا ہوا ہے، یہ سنکر مین مکان پر آیا، ابوحنیفہ کی کتابین نکالین اور ان مین سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے، اس مین تین دن لگ گئے، تیسرے روز ان کے پاس پھر گیا، وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے، امام بھی، میرے ہاتھ مین کتاب دیکھکر کہا یہ کیا ہے، مین نے ہاتھ بڑھا کر حوالہ کر دی، انھون نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی جسپر لکھا تھا، قال النعمان، اذان کہکر کھڑے کھڑے پہلا حصہ پڑھ لیا، پڑھکر کتاب آستین مین رکھ لی، پھر تکبیر کہکر نماز پڑھی، نماز پڑھکر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی، دیکھکر کہا یہ نعمان بن ثابت کون ہین، مین نے کہا ایک شیخ ہین جنسے عراق مین ملاقات ہوئی تھی، کہا بڑی شان کے شیخ ہین، جاؤ اور اُن سے بہت سا فیض حاصل کرو، مین نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہین جنسے مجھکو آپ نے روکا تھا، مسعر بن کدام کا قول ہے، کوفے مین صرف دو آدمیون پر مجھکو حسد ہے ابوحنیفہ پر اُن کے فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر اُن کے زہد کی وجہ سے، ابراہیم سے روایت ہے، کہ ایک بار ہم مسعر بن کدام کے پاس بیٹھے تھے کہ ابوحنیفہ وہان سے گذرے، تھوڑی دیر ٹھہر کر مسعر کو سلام کیا، اور چلے گئے، کسی نے کہا ابوحنیفہ کس قدر جھگڑالو ہین، یہ سنکر مسعر سنبھلکر بیٹھ گئے، اور کہا سمجھکر بات کرو، مین نے ابوحنیفہ کو جس کسی سے بحث کرتے دیکھا اونہی کو غالب پایا، اسرائیل کا قول ہے کہ نعمان اچھے آدمی تھے، اُن سے زیادہ کسی کو وہ حدیثین یاد نہ تھین جنمین فقہ ہے، نہ ان سے زیادہ کسی نے کاوش کی تھی، نہ اُن سے زیادہ حدیث کی فقہ کا کوئی جاننے والا تھا، انھون نے حدیثین حماد سے یاد کی تھین، اور خوب یاد کی تھین، اسی لئے خلفاو امرا، وزرا نے ان کی عزت کی، جو شخص مین ان سے بحث کرتا اس کی جان مشکل مین پڑ جاتی، مسعر کا قول تھا کہ جو کوئی اپنے اور اللہ کے درمیان ابوحنیفہ کو واسطہ کریگا، مجھکو امید ہے کہ اس کو خوف نہ ہوگا، اور اُس نے احتیاط کا حق ادا کر دیا ہوگا، عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ہم معمر کے پاس تھے کہ ابن المبارک پہنچے، ان کے آنے پر معمر نے کہا، مین کسی شخص کو نہین جانتا جو فقہ پر ابوحنیفہ

سے زیادہ معرفت کے ساتھ کلام کر سکے، یا اُن سے زیادہ قیاس پر اور لوگون کے لئے فقہ کی راہین کھولنے پر قادر ہو، نہ مین نے ان سے زیادہ کسی کو اسپر خائف پایا کہ اللہ کے دین مین کوئی بات بے تحقیق داخل کرین، ابو جعفر کا قول ہے کہ مین نے ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ اور پارسا کسی کو نہین دیکھا فضیل بن عیاض کا قول ہے، ابو حنیفہ مرد فقیہ تھے، فقہ مین معروف پارسائی مین مشہور، بڑے دولتمند، ہر صادر و وارد کے ساتھ بہت سلوک کرنے والے، شب و روز صبر کے ساتھ تعلیم مین مصروف رہتے، رات اچھی گذارنے والے، خاموشی پسند، کم سخن، جب کوئی مسئلہ حلال یا حرام کا پیش آتا تو کلام کرتے، اور ہدایت کا حق ادا کر دیتے، سلطانی مال سے بھاگنے والے، ابن صباح نے ابن مکرم کی حدیث پر فضیل بن عیاض کا یہ قول اور زیادہ کیا ہے، جس وقت کوئی مسئلہ اُن کے سامنے آتا تو اس کے باب مین اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے، اگرچہ وہ صحابہ یا تابعین کی حدیث ہوتی ورنہ قیاس کرتے اور بہت اچھا قیاس کرتے، ابو یوسف کا قول ہے، مین نے حدیث کے معنی یا حدیث کے فقہی نکات جاننے والا ابو حنیفہ سے زیادہ نہین دیکھا، ان کا یہ بھی قول ہے کہ مین نے جس مسئلہ مین ابو حنیفہ سے مخالفت کی اور پھر غور کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب آخرت کی نجات کے واسطے زیادہ کارآمد تھا، مین اکثر حدیث کی جانب جھکتا حال یہ تھا کہ وہ حدیث صحیح مین مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے، ان کا یہ بھی قول تھا کہ مین ابو حنیفہ کے لئے اپنے باپ سے پہلے دعا کرتا ہون، حماد بن زید کا قول ہے کہ مین نے حج کا ارادہ کیا، اور ایوب کے پاس رخصت ہونے گیا، انھون نے کہا، مین نے سنا ہے کہ اہل کوفہ کے فقیہ مرد صالح یعنی ابو حنیفہ، اس سال حج کو آئین گے، جب ان سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا، ابو بکر بن عیاش کا قول ہے کہ سفیان کے بھائی عمر بن سعید کا انتقال ہوا تو سفیان کے پاس ہم تعزیت کے لیے گئے، مجلس آدمیون سے بھری ہوئی تھی، عبد اللہ بن ادریس بھی وہان تھے، اسی عرصے مین ابو حنیفہ مع اپنی جماعت کے وہان پہنچے، سفیان نے ان کو دیکھا تو اپنی جگہ خالی کی، کھڑے ہو کر ان سے معانقہ کیا، اپنی جگہ اُن کو بٹھایا، خود سامنے بیٹھے، یہ دیکھکر مجھ کو سخت غصہ آیا، ابن ادریس نے مجھ سے کہا، کمبخت دیکھتا نہین، ہم یہانتک بیٹھے رہے کہ آدمی متفرق ہو گئے، اب مین نے سفیان سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ آج آپنے ایک ایسا کام کیا جو مجھکو برا معلوم ہوا، نیز ہمارے دوسرے ساتھیون کو، پوچھا کیا بات، مین نے کہا، آپکے

پاس ابوحنیفہ آئے ان کے لئے آپ کھڑے ہوئے اپنی جگہ بٹھایا، ان کے ادب مین مبالغہ کیا یہ ہم لوگون کو ناپسند ہوا، کہا تم کو یہ کیون ناپسند ہوا، وہ علم مین ذی مرتبہ شخص ہین، اگر مین اُن کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے سن و سال کے لیئے اٹھتا، اور اگر ان کے سن و سال کے لیے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کے واسطے اٹھتا. اگر فقہ کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کے واسطے اٹھتا، راوی کا بیان ہے کہ انھون نے مجھکو ایسا ساکت کیا کہ جواب نہ بن آیا، ابومطیع کا قول ہے کہ مین نے کسی محدث کو سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ نہین دیکھا، ابوحنیفہ ان سے بھی زیادہ فقیہ تھے، یزید بن ہارون نے اس سوال کے جواب مین کہ دونون مین کون زیادہ فقیہ ہے، کہا سفیان ثوری حفظ حدیث مین بڑھے ہوئے ہین، ابوحنیفہ فقہ مین، ایسا ہی ایک قول ابوعاصم نبیل کا ہے،

ابن المبارک کا قول ہے کہ اگر حدیث معلوم ہو اور رائے کی ضرورت ہو تو مالک، سفیان، اور ابوحنیفہ کی رائے ماننی چاہئے، ابوحنیفہ کی نظر زیرکی مین ان سے بہتر اور باریک تر ہے، فقہ مین زیادہ گہری جاتی ہے، اور وہ ان تینون مین زیادہ فقیہ ہین، ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرای فرای مالک وسفیان وابی حنیفۃ وابو حنیفۃ احسنہم وادقہم فطنۃ واغوصہم علی الفقہ وھو افقہ الثلاثۃ،

محمد بن بشر کا قول ہے کہ مین ابوحنیفہ اور سفیان ثوری دونون کے پاس جاتا تھا، جب ابوحنیفہ کے پاس جاتا پوچھتے کہان سے آئے، سفیان کا نام سنکر کہتے، تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر آج علقمہ و اسود زندہ ہوتے تو سفیان کے محتاج ہوتے، جب سفیان سوال کے جواب مین سنتے کہ ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہون، تو کہتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ہے، عبداللہ بن داؤد الخریبی کا قول ہے کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ نماز کے بعد ابوحنیفہ کے حق مین اس حفاظت کے صلے مین جو انھون نے سنت و فقہ کی کی ہے، دعائے خیر کرین، نضر بن شمیل کا قول ہے کہ لوگ علم فقہ سے غافل تھے، ابوحنیفہ کی عقدہ کشائی تشریح و تلخیص نے چونکا دیا، یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ مین نے یحیی القطان کو کہتے سنا، ہم اللہ کا نام لے کر جھوٹ نہ بولینگے ہم ابوحنیفہ کی رائے مین سے اکثر چیزین اختیار کر لیتے ہین، یہ بھی ان کا قول یحیی بن معین نے نقل کیا ہے کہ ہم

خدا کا نام لیکر جھوٹ نہ بولین گے، ابوحنیفہ سے بہتر رائے ہم نے کسی کی نہین پائی، اور ہم نے ان کے اکثر اقوال اختیار کر لیے ہین، یحییٰ بن معین کہتے ہین، کہ یحییٰ بن سعید (قطان) فتوی مین کوفیون کے قول کی جانب جاتے تھے، اور کوفیون کے اقوال مین سے ابوحنیفہ کا قول لیتے تھے، اور اُن کے معاصرون مین سے ان کی رائے کا اتباع کرتے تھے، امام شافعی کے حسب ذیل اقوال فقہ حنفی کے متعلق نقل کئے ہین،

الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ — لوگ فقہ مین ابوحنیفہ کے محتاج ہین،

ما رأیت افقہ من ابی حنیفۃ — مین نے ابوحنیفہ سے بڑھکر فقیہ نہین دیکھا،

جو شخص فقہ مین متبحر ہونے کا ارادہ کرے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے،

کان ابو حنیفہ ممن وفق لہ الفقہ — ابوحنیفہ ان لوگون مین سے تھے جنکو فقہ مین حق کے ساتھ موافقت بخشی گئی ہے،

جو شخص فقہ سیکھنا چاہے اسکو ابوحنیفہ اور ان کے شاگردون کا دامن پکڑنا چاہئے، اس لئے کہ سارے انسان فقہ مین ابوحنیفہ کے محتاج ہین،

یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ میرے نزدیک قرأت حمزہ کی قرأت ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی فقہ ہے، سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ میرا گمان یہ تھا کہ دو چیزین کوفے کے پل کے اودھر نہ جائینگی، مگر وہ آفاق پر چھا گئین، حمزہ کی قرأت، اور ابوحنیفہ کی رائے، جعفر بن الربیع کا قول ہے، پانچ سال مین ابوحنیفہ کے پاس رہا اُن سے زیادہ خاموش آدمی مین نے نہین دیکھا، جب کوئی مسئلہ پیش آتا اس وقت کھلتے اور سیل دریا کی طرح روان ہوتے حکم بن ہشام الثقفی سے کسی نے ابوحنیفہ کی نسبت رائے پوچھی تو انھون نے کہا، ابوحنیفہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے سے نہین نکالتے تھے جب تک کہ وہ خود اسی دروازہ سے نہ نکل جائے، جس سے وہ داخل ہوا تھا، وہ بہت بڑے امین تھے، ہمارے سلطان نے چاہا کہ اُن کو خزانے کی کنجیان سپرد کردے، نہ ماننے کی صورت مین دُرون کی دھمکی دی، انھون نے انسانی عذاب کو بمقابلہ اللہ کے عذاب کے پسند کیا، ابن مزاحم کا قول ہے، ابوحنیفہ اکثر یہ کہا کرتے

تھے، اللهم من ضاق بنا صدرہ فان قلبی بنا قد اتسعت له، بار الٰہا جو لوگ ہماری طرف سے تنگدل ہیں، ہمارے دل ان کے لئے کشادہ ہیں" حسن بن زیاد اللولوی کا قول ہے، میں نے ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہمارا قول رائے ہے، اور وہ ہماری قدرت کی بہترین صورت ہے، جو اس سے بہتر بیان کرے وہ ہم سے زیادہ باصواب ہے۔

وکیع کا قول ہے کہ ایک روز میں ابو حنیفہ کے پاس گیا تو وہ سر جھکائے ہوئے غور کر رہے تھے، مجھ کو دیکھکر کہا کہاں سے آئے، میں نے کہا، شریک کے پاس سے، یہ سنکر سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھے،

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم　　　قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدوا

فدام لی ولھم مابی ومابھم　　　ومات اکثرنا غیظاً بما یجد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں انکو ملامت نہیں کرنے کا، مجھ سے پہلے بھی انسانوں میں سے اہل فضل پر حسد کیا گیا ہے، وہ اپنے حال پر قائم رہیں، میں اپنے حال پر، ہم میں سے اکثر حالات پر غصہ کھا کر مر گئے ہیں، یہ بیان کرکے وکیع نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ شریک کی طرف سے کوئی بات ابو حنیفہ کے کان تک پہنچی تھی،

ایک اور قول جو اس موقع کے مناسب ہے ہم تاریخ خطیب کے ایک دوسرے مقام سے (امام ابو یوسف کے حالات میں سے) یہاں نقل کرتے ہیں،

ایک روز وکیع کی مجلس میں کسی نے کہا ابو حنیفہ نے خطا کی، وکیع نے کہا ابو حنیفہ کس طرح خطا کر سکتے ہیں حالانکہ ابو یوسف و زفر جیسے صاحب قیاس، اور یحیی بن زائدہ اور حفص بن غیاث اور حبان اور مندل جیسے حافظان حدیث اور القاسم بن معن سا لغت اور ادب کا جاننے والا، اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و پارسا ان کے ساتھ ہیں جس کے ایسے ہمنشین ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا اگر کبھی غلطی کر جائے اس کے جلیس رد کر دینگے۔

جرح | ۴۴ صفحات پر مناقب بیان کرنے کے بعد خطیب نے وہ اقوال لکھے ہیں جو امام صاحب کے مذمت کے ہیں، ان اقوال کو نقل کرنے سے پہلے خطیب نے یہ تمہید بیان کی ہے:

والمحفوظ عند نقلة الحدیث عن ھؤلاء الائمة المذکورین منھم فی ابی حنیفة خلاف

ذلك وكلامهم فيه كثير لامور شنيعة حفظت عليه يتعلق بعضها باصول الديانا
و بعضها بالفروع نحن ذاكروها بمشية الله ومعتذرون على من وقف عليها وكره
سماعها بان ابا حنيفة عندنا مع جلالة قدره اسوة غيره من العلماء الذين دونا ذكرهم
فی هذا الكتاب واوردنا اخبارهم وحكينا اقوال الناس فيهم على تباينها والله الموفق للصواب
"ناقلانِ حدیث کے یہاں ائمۂ مذکورین کے ایسے اقوال بھی ابوحنیفہ کے متعلق محفوظ ہین جو بیانِ بالا کے خلاف ہین، اور انھون نے ان کی بابتہ کلام بہت کیا ہے، اس کلام کے باعث وہ امور شنیعہ ہین جو ان کے متعلق محفوظ ہین ان مین سے بعض تو اصول دین کے متعلق ہین، بعض فروع کے متعلق، ہم انشاء اللہ ان کا ذکر کرینگے، جو لوگ اسکو سنکر ناپسند کرین ان سے ہم معذرت کرتے ہین کہ ہم ابوحنیفہ کی جلالتِ قدر کے قائل ہین تاہم ان کو اس بارہ مین دوسرے علمار کی طرح سمجھتے ہین کہ ان کے خلاف جو باتین بیان کی گئی ہین، ان کو بھی ہم بیان کر دین، جیسا کہ ہم نے دوسرے علماکے ذکر مین کیا ہے،

اس تمہید کے بعد اقوال خلاف بیان کئے گئے ہین جو ۵ صفحات پر پھیلے ہوئے ہین،

یہ امور شنیعہ جیسا کہ خود خطیب نے بیان کیا ہے بعض تو ان مین سے عقائد کے متعلق ہین، بعض فروع کے متعلق عقائد کے متعلق حسب ذیل اقوال ہین،

یہودی، مشرک، زندیق، دہری، صاحب ہوا، اُن سے کفر سے دوبار توبہ کرائی گئی، مرجیہ، جہمی، خلق قرآن کے قائل، اصحاب ابوحنیفہ کا شبہ بالنصاری ہونا،

فروع کے متعلق حسب ذیل اقوال ہین،

خروج علی السلطان، تقیہ کرنا، زنا کا حلال کر دینا، ربوٰ کا حلال کر دینا، خون ریزی حلال کر دی، سنن کی کساد بازاری کی، علیٰ ہذا القیاس،

یہ واضح رہے کہ جرحین سب کی سب غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہین، اُن کے راویون کی عدالت کی توثیق

خطیب نے نہین کی ہے، یہ دونون امر اصولاً لازم ہین،

مناسب ہوگا، کہ امام صاحب پر جو جرحین کیگئی ہین اس موقع پر ایک تحقیقی نظر اُن پر ڈالی جائے، بحث کے دو پہلو ہو سکتے ہین، نقلی و عقلی، نقلی بحث یہ ہے کہ خود خطیب ان جرحون کی ذمہ داری لینے پر تیار نہین، چنانچہ انکے نقل کرنے سے پہلے جو تمہید لکھی ہے وہ اس کی شاہد ہے، جرحین نقل کرنے کی معذرت یہ کی ہے کہ چونکہ وہ روایت کیگئی ہین اور تمام علما کے متعلق وہ موافق و مخالف امور کی نقل کرتے آئے ہین، اسلئے ان اقوال کو بھی نقل کرتے ہین، اسکے ساتھ امام صاحب کی جلالتِ قدر کو مانتے ہین، ظاہر ہے کہ اگر مذکورۂ بالا جرحون مین سے فروع یا عقائد کے متعلق ایک جرح بھی ان کے نزدیک ثابت ہوتی تو جلالتِ قدر درکنار امام صاحب کی قدر بھی ان کے دل مین نہ ہونی چاہئے تھی، اس کے علاوہ جرحین نقل کرنے کے ساتھ ساتھ جابجا ان کے تردیدی اقوال بھی نقل کرتے جاتے ہین، حالانکہ جرح مین تعدیل کے ذکر کا موقع نہ تھا کہ باب تعدیل و مناقب ختم ہوچکا تھا، مثلاً خلق قرآن کے عقیدہ کے روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے، لم یصح عندنا ان ابا حنیفۃ کان یقول القرآن مخلوق، ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہین کہ ابو حنیفہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے، [illegible] جوزجانی اور معلی بن منصور کا قول نقل کیا ہے "یقولان ما تکلم ابو حنیفۃ ولا ابو یوسف [illegible] محمد ولا احد من اصحابھم فی القرآن وانما تکلم بشر المریسی و ابن ابی داؤد [illegible] اصحاب ابی حنیفۃ- ان دونون کا قول تھا کہ نہ ابو حنیفہ نے نہ ابو یوسف نے [illegible] ان مین سے قرآن مین کلام کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ بشر مریسی اور ابن ابی داؤد نے [illegible] کو بدنام، خود امام صاحب کا ایک قول نقل کیا ہے، ایک بار عبد اللہ بن مبارک ابو حنیفہ کے پاس [illegible] پوچھا کہ تم لوگون مین یہ کیا چرچا ہو رہا ہے، جواب دیا ایک شخص جہم نامی کا پیدا ہے، پوچھا کیا کہتا ہے [illegible] قرآن مخلوق، انھون نے سنکر یہ آیت پڑھی، کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا، جنت اور نار کے غیر موجود ہونے کی جرح نقل کر کے خطیب کہتے ہین کہ قول [illegible]

ابو مطیع اس کا قائل تھا، ابو حنیفہ نہ تھے، امام احمد بن حنبل کی طرف جو جرح امام صاحب کے کذاب ہونے کی منسوب ہے، اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا کہ آیا ابو حنیفہ ثقہ ہین، قال نعم ثقۃ ثقۃ، کہا ہان ثقہ ثقہ ہین، دوسرا قول اُن کا یہ نقل کیا ہے، کان ابو حنیفۃ ثقۃ لا یحدث بالحدیث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ، ابو حنیفہ ثقہ تھے، وہی حدیث روایت کرتے جو ان کو بخوبی یاد ہوتی اور جو بخوبی یاد نہ ہوتی، اسکو روایت نہ کرتے، ان مراتب پر غور کرنے کے بعد صرف یہی راے قائم ہو سکتی ہے کہ خطیب نے مخالف اقوال نقل کرنے مین اپنا مورخانہ فرض ادا کیا ہے، خود اُن کے وہ قائل نہ تھے، یا یہ کہئے کہ وہ خود ان کی رائے نہ تھی،

اس کے بعد ہم اصول حدیث کی مستند کتابون سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہین۔ کتاب[1] المغنی للشیخ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو، جو جرح بالا کا جواب شافی ہے، یہ واضح رہے کہ یہ نیز بعد کے آنے والے جوابات کسی حنفی کے لکھے ہوے نہین ہین، سب غیر حنفیون کے ہین، ترجمہ ملاحظہ ہو،

"امام ابو حنیفہ کی طرف ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہین جنسے ان کی شان بالاتر ہے، وہ اقوال خلق قرآن، قدر، ارجا، وغیرہ ہین، ہم کو ضرورت نہین کہ ان اقوال کے منسوب کرنے والون کے نام لین، یہ ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ کا دامن ان سے پاک تھا، اللہ تعالیٰ کا ان کو ایسی شریعت کا دینا جو سارے آفاق مین پھیل گئی، اور جسنے روئے زمین کو ڈھک لیا، اور ان کے مذہب و فقہ کا قبول عام ان کی پاکدامنی کی دلیل ہے، اگر اسمین اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا، نصف[2] یا اس کے قریب اسلام ان کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا، یہان تک کہ ہمارے زمانے تک جسکو ساڑھے چار سو برس ہو چکے،

[1] شیخ موصوف نے یہی عبارت مجمع البحار کے خاتمے مین بھی نقل کی ہے،

[2] ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح مین اپنے زمانے کے (یعنی گیارھوین صدی کے) حنفیون کا اندازہ بر بنا ر آبادی روم اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے کل اہل اسلام مین دو ثلث ہونے کا کیا ہے، اور یہ قرین قیاس ہے، (دیکھو کتاب مذکور کا میرے یہان کا قلمی نسخہ ورق ۱۳ صفحہ دوم)

(معلوم ہوتا ہے کہ کاپی نویس نے تسعمائۃ کو اربعمائہ کردیا ہے) ان کے فقہ کے مطابق اللہ کی عبادت ہورہی ہے، اور اُن کی رائے پر عمل ہورہا ہے، اس مین اسکی صحت کی اوّل درجے کی دلیل ہے، اور ابوجعفر طحاوی نے (جو ان کے مذہب کے سب سے زیادہ اخذ کرنے والون مین ہین) ایک کتاب مسمّی بہ عقیدہ ابوحنیفہ لکھی ہے، یہی عقیدہ اہل سنت کا ہے، (خاکسار ترجمہ دانی کہتا ہے کہ عقائد نسفی بھی اس کی تائید مین پیش کیجا سکتی ہے، جو آج عقائد کی مدار علیہ کتاب ہے) اس مین کوئی عقیدہ ان عقیدون مین سے موجود نہین جو ابوحنیفہ کی طرف منسوب کئے گئے ہین، طحاوی نے اس کا سبب بھی لکھا ہے کہ کیون وہ قول اُن کی طرف منسوب کئے گئے، ہم کو ان کے ذکر کرنے کی اسلئے حاجت نہین کہ ابوحنیفہ کی شان کا آدمی اور ان کا مرتبہ جو اسلام مین ہے اس کا محتاج نہین کہ انکی طرف سے کوئی معذرت کیجائے۔ (المغنی صفہ ۳۱ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، حاشیہ تقریب التہذیب)

خیالِ بالا کی تائید خود خطیب نے بھی کی ہے، وہ اپنی اصولِ حدیث کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ مین جرح کے قاعدہ کے تحت امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری سے شروع کرکے یحییٰ بن معین تک ایک طبقہ قائم کرتے ہین، اس کے بعد لکھتے ہین، " اور جو اصحاب بلندیِ ذکر، استقامتِ حال، اور صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم مین اصحابِ بالا کی مثل ہون اُن کی عدالت کی بابتہ سوال نہین کیا جاسکتا" اسی سلسلے مین یہ روایت لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحٰق بن راہویہ کی بابتہ سوال کیا گیا تو جواب مین کہا کہ کیا اسحٰق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جاسکتا ہے، ایسا ہی ایک قول یحییٰ بن معین کا ابوعبید کے بارہ مین روایت کیا ہے، (دیکھو الکفایہ فی علم الروایہ صفہ ۱۱۳ و ۱۴۴، میرے کتبخانے کا قلمی نسخہ) کتاب مذکور مین خطیب نے یہ روایت کرکے کہ جرح وہی مقبول ہوگی جو مشرح ہو لکھا ہے کہ یہی قول ہمارے نزدیک صحیح ہے، اور یہی مذہب حفاظ حدیث مین امامون کا ہے، یہ لکھکر امام بخاری و امام مسلم وغیرہما کے احتجاج کی مثالین دی ہین (دیکھو الکفایہ صفہ ۱۰۸) اب اس قاعدے کی کسوٹی پر اگر ان جرحون کو آپ کسین گے جو خطیب نے تاریخ مین امام اعظم کے متعلق غیر مشرح نقل کی ہین تو صاف عیان ہوجائیگا کہ وہ خود ان کے نزدیک قابلِ قبول نہین، اسلئے کہ جب اس طبقے کی عدالت سوال سے بالاتر ہے جس مین اسحٰق بن

راہویہ ہین توامام صاحب کی عدالت تو اس سے بڑھا بالاتر ہے، جب اسحٰق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہین کیا جاسکتا ہے تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع ہے،

شیخ الاسلام سبکی نے کتاب طبقات الشافعیہ مین ایک لطیف بحث جرح وتعدیل کے متعلق لکھی ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے، "جرح وتعدیل کا ایک ضروری ونافع قاعدہ. . . . . ہمارے نزدیک قول صواب یہ ہے کہ جس کی امامت وعدالت ثابت ہو اور جسکی تعدیل وتزکیہ کرنے والے بہت ہون، جرح کرنے والے نادر اور اس بات کا قرینہ ہو کہ سبب جرح تعصب مذہبی وغیرہ ہے، تو ہم جرح کی طرف التفات نہ کرین گے، تعدیل کو مان لین گے، ورنہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے اور ہم جرح کو تعدیل پر علی الاطلاق مقدم کرنا شروع کر دین تو کوئی امام ائمۂ دین مین سے اسکی زد سے نہ بچیگا، اس لئے کوئی امام نہین جس پر طعن کرنے والون نے طعن نہ کیا ہو اور اسکی وجہ سے ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہون، عبد البر کہتے ہین، صحیح اس معاملے مین یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت اور علم مین اسکی امامت اور علم کی جانب توجہ ثابت ہو اس کے متعلق ہم کسی کے قول کیجانب التفات نہ کرین گے، مگر اُس صورت مین کہ صاف عادلانہ جرح قانون شہادت کے مطابق مستند ہو، ان کا استدلال یہ ہے کہ سلف مین بعض کا کلام بعض پر رہا ہے بعض حالتون مین وہ تعصب یا حسد پر مبنی ہے، بعض صورتون مین تاویل واختلاف اجتہاد اسکا باعث ہوا ہے، حالانکہ جس کی نسبت کلام کیا جاتا ہے وہ اس سے پاک ہوتا ہے، انتہا یہ ہے کہ تاویل واجتہاد کی بنیاد پر ایک نے دوسرے پر تلوار چلوادی ہے،

اس کے بعد ابن عبد البر نے معاصرین کی جماعت کے ایک دوسرے کی نسبت کلام کرنے کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسکی طرف التفات نہ کیا جائے، اسی بحث مین یحییٰ بن معین کی جرح کا ذکر آتا ہے جو امام شافعی پر ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن معین کے لیے ناپسندیدہ اور عیب تھا، اسی سلسلے مین یحییٰ بن معین کے متعلق امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے " هو لا یعرف الشافعی ولا یعرف بالقول الشافعی ومن جهل شیئا عاداه " وہ نہ شافعی کو جانتے ہین اور نہ شافعی کے کلام کو سمجھتے ہین، اور قاعدہ ہے کہ انسان جو نہین سمجھتا اس کا دشمن ہو جاتا ہے

آگے جاکر لکھتے ہین کہ کسی نے ابن المبارک سے کہا کہ فلان شخص ابوحنیفہ پر اعتراض کرتا ہے، انھون نے یہ شعر پڑھا،

حسدوا ان رأوک فضلک اللہ بما فضلت بہ النجباء

لوگون نے یہ دیکھکر تجھ سے حسد کیا کہ اللہ نے تجھ پر وہ نوازش کی جو شرفا پر ہوتی ہے،

اور یہ وہ اصول ہے جس پر تمام علما کا اجماع ہے، چنانچہ ان کا قول ہے کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو مقبول نہ ہوگی، شیخ الاسلام سید المتاخرین تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الاقتراح مین لکھا ہے کہ اعراض المسلمین حفرۃ من حفر النار وقف علی شفیرھا طائفتان من الناس، المحدثون والحکام، مسلمانون کی عزتین جہنم کے گڑھون مین سے ایک گڑھا ہین جس کے کنارہ پر دو گروہ کھڑے ہوئے ہین، ایک محدثین دوسرے حکام، ہمارے پاس دو اصول ہین جنکو ہم پکڑے رہین گے، جب تک کہ ان کے خلاف قطعی یقین نہ ہوجائے، ایک اصول اس امام مجروح کی عدالت ہے جس کی عظمت قائم ہوچکی ہے، دوسرا اصول جارح کی عدالت جو جرح کرتا ہے، لہذا ایسے امام کی جرح کی جانب توجہ نہ کیجائیگی نہ اس جرح سے وہ مجروح کیا جائے گا، اس قاعدہ کو یاد رکھو کہ بہت ضروری قاعدہ ہے" انتہی طبقات الشافعیہ خلاصۃً۔ جزاول (مطبوعہ مصر مطبع الحسینیہ) ص۱۸۸-۱۸۹۔

امام سبکی کے آخر الذکر قاعدے کی تائید امام نووی نے بھی اپنے رسالۂ اصول حدیث التقریب کی نوع الثالث والعشرین مین کی ہے، حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے "جکی عدالت اہل نقل یا ان کی امثال اہل علم مین مشہور ہو اس کے ثقہ اور امین ہونے کی تعریف عام ہو تو اس کی عدالت پر کسی کی شہادت کی ضرورت نہین، یہی مذہب صحیح شافعی کا ہے اور اسی پر فن اصول فقہ مین اعتماد ہے، ابوبکر خطیب نے یہی قول اہل حدیث کا نقل کیا ہے، اور ایسے بزرگون کی مثال مین مالک، شعبہ، سفیانین، اوزاعی، لیث، ابن المبارک، وکیع، احمد بن حنبل، یحیی بن معین، و مثالہم کے نام لئے ہین، صرف ان لوگون کی عدالت سے سوال کیا جائیگا جنکا حال مخفی ہو، . . . . رہی جرح وہ صرف ایسی مقبول ہوگی جو مشرح ہو اور طالبین کے لیے اس کا سبب بیان کیا گیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مین مختلف الخیال ہین، کہ کون سی بات جارح ہے اور کونسی نہین، ان مین سے کوئی کسی ایسی وجہ کی بنیاد پر جرح کردیتا ہے

جس کا وہ معتقد ہوتا ہے، حالانکہ فی الواقع وہ وجہ جرح نہین ہوتی، پس لازم ہے کہ سبب جرح بیان کیا جائے، تاکہ دیکھا جا سکے کہ آیا وہ جرح ہے بھی یا نہین، یہ کھلا ہوا اصول فقہ اور اصول فقہ مین مسلم ہے،

خطیب نے کہا ہے کہ یہی مذہب حفاظ حدیث مین اماموں کا ہے، جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہما ہین، اسی لئے بخاری نے ایسی ایک جماعت سے روایت کی ہے جس پر ان سے قبل جرح ہو چکی تھی، مثلاً عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی عمل مسلم و ابوداؤد کا ہے، انتہی (مقدمہ ابن صلاح نوع ۲۳)

اصول مذکورۂ بالا کی بنیاد پر ائمۂ رجال نے اپنی کتابون مین امام اعظم کے متعلق جرح کو غیر مقبول قرار دیکر اس کا نقل کرنا بالکل متروک کر دیا ہے، چنانچہ ذیل کے مستند ائمۂ رجال کی کتابین اسکی شاہد ہین،

۱۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین امام اعظم کے صرف حالات و مناقب لکھے ہین، جرح ایک بھی نہین لکھی، جو مختصر مناقب موضوع کتاب کے مطابق لکھ سکے ان کو لکھکر کہتے ہین کہ مین نے امام اعظم کے مناقب مین ایک کتاب جداگانہ لکھی ہے،

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب مین جرح نقل نہین کی، حالات و مناقب لکھنے کے بعد ختم کلام اس دعا پر کیا ہے، مناقب ابی حنیفۃ کثیرۃ جدًا فرضی اللہ عنہ واسکنہ الفردوس آمین ۔" امام ابوحنیفہ کے مناقب بہت کثرت سے ہین، ان کی جزا مین اللہ ان سے راضی ہو اور فردوس مین اُن کو مقام بخشے، آمین "

۳۔ امام ممدوح نے تقریب التہذیب مین بھی کوئی جرح نقل نہین کی،

۴۔ حافظ صفی الدین خزرجی نے خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال مین صرف مناقب لکھے ہین، جرح کا ذکر نہین امام صاحب کو امام العراق و فقیہ الامہ کے لقب سے یاد کیا ہے، واضح ہو کہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال کے مطالب چار کتابون کے مطالب ہین، خود خلاصہ، تذہیب امام ذہبی، تہذیب الکمال امام ابوالحجاج المزی، اور الکمال فی اسماء الرجال امام عبدالغنی المقدسی ۔ اس طرح یہ مسلک جرح و تعدیل کے چار اماموں کا متفقہ مسلک ہے،

کتاب الکمال کی بابت حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب کے خطبے میں لکھتے ہیں: کتاب الکمال فی اسماء الرجال ...... من اجل المصنفات فی معرفة حملة الآثار وضعًا واعظم المعونات فی بصائر ذوی الالباب وقعًا، خطبے کے آخر میں مؤلف الکمال کی بابت لکھا ہے، ھو واللہ العدیم النظیر المطلع النحریر۔ تہذیب الاسماء واللغات میں امام نووی نے سات صفحے امام صاحب کے حالات میں لکھے ہیں جنکا اکثر حصہ تاریخ خطیب بغدادی سے ماخوذ ہے، صرف مناقب لکھے ہیں، جرح کا ایک لفظ نقل نہیں کیا، مرآة الجنان میں امام یافعی شافعی نے امام صاحب کے حالات میں جرح نہیں لکھی، حالانکہ تاریخ خطیب کے حوالے متعدد دیئے ہیں، اس سے صاف واضح ہے کہ خطیب کی منقولہ جرح ان کی نظر میں ثابت نہ تھی، فقیہ ابن العماد الحنبلی نے اپنی کتاب شذرات الذہب میں صرف حالات و مناقب لکھے ہیں، جرح نقل نہیں کی،

خلاصہ - مذکورۂ بالا مستند پندرہ کتابوں کے، (جنمیں سے پانچ اصول حدیث کی ہیں، اور دس رجال کی) بیان سے صاف واضح ہے کہ جن اماموں کی عدالت اور جلالتِ مرتبہ اہل علم و اہل نقل کے نزدیک ثابت ہے ان کے مقابلے میں کوئی جرح مقبول و مسموع نہیں، ایسے ائمہ کا جو طبقہ مثالاً پیش کیا گیا ہے وہ امام مالک سے لے کر امام اسحٰق بن راہویہ تک ممتد ہے، اصولِ حدیث کے فیصلے کا ماخذ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، حافظ ابن عبدالبر، و شیخ الاسلام ابن دقیق العید کے اقوال ہیں، یہ بھی تصریح ہے کہ یہی مذہب و مسلک فن اصول فقہ میں معتمد اور اہل حدیث و حفاظِ حدیث کا مقبولِ عام [illegible] ہے، اسی اصول کے اثر سے متاخرین ائمۂ رجال نے امام اعظم کے متعلق جرح کا ذکر اپنی کتابوں میں بالکل ترک کر دیا

غالباً اس قدر بحث نقلی پہلو کے اثبات کے لیے کافی ہے، نقلی بحث کے بعد عقلی و درایتی بحث ملاحظہ ہو

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے متعلق خطیب بغدادی نے جس قدر جرحیں نقل کی ہیں ان کا مآلِ کار خود ان کے قول کے مطابق صرف دو پہلو ہیں، اصول دین کے متعلق یا فروع کے متعلق، ان جرحوں کا وزن و اثر آپ نقلی بحث میں پڑھ چکے ہیں، امام صاحب کے جو حالات و واقعات زندگی حسبِ ذیل ترتیب

ہین ان کی نسبت کسی کی جرح نقل ہی نہین کی، لہذا وہ واقعات وحالات بجاے خود قائم ہین،

کسی تاریخی ہستی کی نسبت رائے قائم کرنے کی مضبوط ترین بنیاد اس کے واقعات وحالات ہو سکتے ہین، اسی اصول پر ہم یہان بحث کرتے ہین،

امام صاحب کے جو حالات خطیب نے لکھے ہین، ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاصرین مین بہت سے اوصاف کے لحاظ سے فائق تھے، سب سے بڑا شرف اُن کی تابعیت تھی، اس کے بعد ان کی وہ عقل وفہم تھی جو قدرت نے ان مین مہماتِ دین حل کرنے اور نکاتِ شریعت سمجھنے کی ودیعت رکھی تھی، دیکھو خطیب نے انکی "وفورِ عقل، تیز فہمی و باریک نظری" کے بیان کے لیے جداگانہ باب قائم کیا ہے، علی بن عاصم کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل نصف اہل دنیا کی عقل سے تولی جائے تو انہی کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ ابو مصعب ایک ہزار عالمون سے مل کر یہ فیصلہ کرتے ہین کہ ان مین جو تین یا چار عاقل تھے ان مین ایک ابو حنیفہ تھے، یزید بن ہارون بہت سے انسانون کو دیکھنے کے بعد کہتے ہین کہ مین نے ابو حنیفہ سے زیادہ عاقل کوئی نہین پایا، اوپر تم سن چکے کہ امام اعمش نے انکی تیز نظری کا اعتراف کیا تھا، ان کے کاروبار تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا، اس سلسلہ مین ان کی امانت، حوصلہ، حسنِ معاملہ، تدبیر، وغیرہ اوصاف تاجرانہ کی تصدیق واقعات کرتے ہین، "حسن معاملہ" کا باب مستقل خطیب نے قائم کیا ہے، خشیتِ الٰہی ثابت ہے، اپنے زمانہ مین سب سے زیادہ پارسا اور عابد ہونا ان کا مسلم ہے، حسنِ معاشرت، پاکیزہ صحبت، جود وسخاوت، بلند نظری، اولو العزمی، مخلوق کی ہمدردی وغمخواری، اظہارِ حق مین جرأت، سلطانی عطایا سے بے نیازی، علم وعلما، کی بے غرضانہ خدمت عظیم، اور اس خدمت کی بدولت اپنے استاد امام وقت حماد بن ابی سلیمان کی نظر مین اولاد سے زیادہ عزیز ہونا، یہ وہ اوصاف ہین جنمین کسی نے کلام نہین کیا، انہی اوصاف کے اجتماع نے ان کو معاصرین کے طبقے مین بہت بلند کر دیا تھا، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ وہ محسود الخلائق تھے، اور یہ ان کی محسودیت اس درجے پر پہنچگئی تھی کہ ان کے حالات مین اس کا ذکر نمایان و مستقل ہے، قیس بن الربیع ان کے ذکر مین کہتے ہین، کان ابو حنیفۃ رجلا ورعا فقیھا محسودًا،

ابو حنیفہ مرد پارسا فقیہ و محسود تھے، تم حضرت ابن المبارک کا پڑھا ہوا شعر امام سبکی کے بیان مین پڑھ چکے جس مین معترض کے اعتراض کا منشا حسد ظاہر فرمایا ہے، خود امام صاحب نے جو شعر پڑھے تھے وہ شاہد ہین کہ ان کے پاکیزہ قلب مین حاسدین کے حسد کا صدمہ تھا، حسن بن عمارہ کا قول ہے کہ لوگ ابو حنیفہ کی نسبت جو کلام کرتے ہین، ان کا منشا حسد ہے، تفقہ مین ان کی فضیلت مسلم تھی، حضرت عبد اللہ بن المبارک نے حسن بن عمارہ کا وہ قول نقل فرمایا ہے، جو وہ امام صاحب کی رکاب تھامے ہوئے کھڑے تھے، اس مین یہ بھی تھا کہ تم سے زیادہ بلیغ کلام فقہ مین کسی نے نہین کہا، امام شافعی کے اقوال اس بارہ مین آپ پڑھ چکے، امام محمد بن حسن کے حالات مین امام احمد بن حنبل کا اعتراف پڑھ چکے، کہ دقت نظر امام محمد سے حاصل کی،

ان اوصاف کا دوگونہ اثر ہوا، امام صاحب کی احکام شرعیہ کی تحقیق اور ان کا اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالاتر ثابت ہوا، فہم کی نارسائی باعث ہوئی اختلاف کا، اختلاف نے جرح کا رنگ اختیار کیا، یہی پر مبنی ہے، وہ جرح جو اہل حق نے امام صاحب کے متعلق اصول دین و فروع کی بنیاد پر کی ہے، تم اوپر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ پڑھ چکے کہ اختلاف اجتہاد جس جرح کا منشا ہو وہ جرح نامقبول ہے، امام احمد بن حنبل نے فیصلہ فرما دیا " ومن جھل شیئًا عاداہ "

دوسرا اثر حسد کے رنگ مین نمایان ہوا، اصول حدیث نے دوسرا فیصلہ یہ صادر کیا کہ جو جرح حسد کے اثر سے ہو وہ بھی غیر مسموع ہے،

نظر کو بلند تر کیجئے کہ کیا امت مرحومہ کا سواد اعظم (جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ثلث اہل اسلام کیا گیا ہے) ایک یہودی زندیق یا مشرک کے تابع ہو گئی اور اپنی دنیا و آخرت کو اس کے دامن سے باندھ دیا اگر معاذ اللہ ایسا ہوا تو خود اسلام کے اثر پر کلام کرنا ہوگا،

کوئی فہم سلیم جو نارسائی یا حسد سے مکدر نہ ہو کبھی باور نہ کریگی کہ ہزارہا علمائے ربانی اس ڈیڑھ ہزار برس کے زمانے مین امت مرحومہ مین اس تعلیم کے اثر سے پہلے جو ایک ایسے شخص کے دل و دماغ سے نکلی جس کے

اوصاف جارحین نے بیان کئے ہین، ہمارا قلم بار بار ان کے اعادہ سے تحاشی کرتا ہے، علماء ربانی سے بڑھکر گروہ گروہ اولیائے کرام تعلیم بالا پر عمل کر کے مراتب قرب پر فائز ہوئے، ولایت کے دو بڑے سلسلون چشتی اور نقشبندی کے اکابر مذہب حنفی کے پیرو تھے،

سب سے بالاتر یہ بحث ہے کہ امام محمد سے لیکر علامہ ابن عابدین تک فقہا کی ہزارون کتابین فروع حنفی مین اور امام طحاوی، امام نسفی وغیرہما کی تصانیف عقائد مین حاضر ہین، ان کی بنیاد پر ثابت کیا جائے کہ جو عقائد و مسائل مجروحہ امام صاحب کی جانب منسوب کئے گئے ہین وہ کہان ہین، آج کرڑورون حنفی مختلف ممالک مین موجود ہین ان مین سے کوئی خلق قرآن، ارجاء وغیرہ عقائد یا حلت زنا وغیرہ مسائل فروعی کا قائل ہے؟ جواب یہی ہے کہ ایک بھی نہین، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنیاد جرح یا غلط فہمی ہے یا حسد اور ان دونون بنیادون پر جو عمارت قائم ہوگی ظاہر ہے وہ قائم و دیرپا نہین رہ سکتی تھی، چنانچہ یہی ہوا، سوء فہم اور حسد کے غبار کے چھٹ جانے کے بعد اصول حدیث وعلم رجال دونون نے بالاتفاق ان جرحون کے بے اصل اور غیر مقبول ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا،

موقع ہے کہ اس سلسلے مین فقہ حنفی کی تاریخی حقیقت سے بھی بحث کیجائے، آپ نے اوپر خلف بن ایوب کا قول پڑھا کہ اللہ تعالی سے علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، حضرت سید المرسلین سے صحابۂ کرام کو، صحابۂ کرام سے تابعین کو، تابعین سے امام ابو حنیفہ کو،

حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین عن رب العالمین مین اس کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے، اس کے مطالب خلاصۃً لکھے جاتے ہین،

"علماے امت دو قسم مین منحصر ہین، ایک حفاظ حدیث ..... جنھون نے دین کے خزانون کی حفاظت کی اور اس کے چشمون کو تکدر و تغیر سے پاک صاف رکھا، انھی کی کوششون کا اثر تھا کہ جن لوگون کی طرف اللہ پاک کی جانب سے بہتری بڑھی وہ پاک چشمون پر وارد ہوئے ..... دوسری قسم فقہاے اسلام ہین جنکے اقوال پر مخلوق مین فتوی کا دارومدار ہے، یہ گروہ استنباط احکام کے ساتھ مخصوص ہے، انھون نے قو

حلال وحرام کے انضباط کا اہتمام کیا، وہ زمین پر آسمانوں کے تارون کی شان ہین کہ ان کی وجہ سے تاریکی مین بھٹکنے وا
ہدایت پاتے ہین، کھانے پینے سے بھی زیادہ انسان اُن کے محتاج ہین، اور اُن کی اطاعت نص کے روسے ماں باپ سے
بھی زیادہ فرض ہے، ایک روایت مین اولی الامر سے مراد علماء ہین، دوسری مین امرا، سب سے اول سید المرسلین نے
تبلیغ کے منصب شریف کو ادا کیا، آپ کے بعد صحابہ نے، اس بارہ مین بعض صحابہ مکثر تھے بعض متوسط، بعض مقل، صحابہ
مین سے جن کے فتوی محفوظ ہین وہ ایک سو کچھ اوپر تیس تھے، ان مین مرد اور بی بی دونون شامل ہین، انہین سے جن کے
فتوے کثیر ہین وہ (حضرات) عمرؓ بن خطاب، علی بنؓ ابی طالب، عبد اللہ بنؓ مسعود، عائشہ امؓ المومنین، زید بنؓ ثابت،
عبد اللہؓ بن عباسؓ، اور عبد اللہ بن عمرؓ ہین، ان مین سے ہر ایک کے فتوون سے ایک ضخیم جلد مرتب ہو سکتی ہے.

مسروق کا قول ہے کہ مین صحابہ کی صحبت مین رہا، ان کا علم چھ کو پہنچا علیؓ عبد اللہ، عمر، زید بن ثابت، ابو درداؓ
اُبی ابن کعب (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان چھ کا علم دو کو پہنچا، علی و عبد اللہؓ،

یہ بھی مسروق کا قول ہے کہ صحابہ کی مثال پانی کے تالابون کی ہے، ایک ایسا تالاب ہے جس سے ایک
سوار سیراب ہو، ایک ایسا جس سے دس سوار سیراب ہون، ایک ایسا جس سے روے زمین کے آدمی سیراب ہو جائین
عبد اللہ (بن مسعود) انھی مین سے ہین، جن چار سے قرآن حاصل کرنے کا ارشاد نبوی ہوا اون مین
م عبد کا نام اوّل لیا، اعمش نے ابراہیم سے یہ روایت نقل کی ہے، کہ جب کسی معاملے مین (حضرت) عمرؓ و عبد اللہؓ جمع
و جاتے تھے تو وہ اوسکی برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، اگر دونون مین اختلاف ہوتا تو عبد اللہؓ کے قول کو زیادہ پسند کرتے
ں لئے کہ وہ زیادہ باریک بین تھے، لانہ کان الطف،

ابن مسعودؓ کے متعلق (حضرت عمر کا) قول ہے، کنیف مُلاءِ علما - علم سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہے
و موسیٰ کا قول ہے کہ عبد اللہ کی ایک مجلس مین بیٹھنا ایک سال کے عمل سے زیادہ میرے نفس مین تاثیر کرتا ہے

امام نووی التقریب اصول حدیث مین لکھتے ہین، صحابہ کا علم چھ پر منتہی ہوا عمرؓ علیؓ۔ اُبیؓ۔ زید بن ثابت۔ ابو الدرداءؓ۔ ابن مسعود،
کے بعد ان چھ کا علم علی و عبد اللہ پر منتہی ہوا، (دیکھو التقریب النوع ۲۴)

...... علی بن ابی طالب علیہ السلام کے احکام و فتادی پہلے مگر خدا شیعون کو..... کرے انھون نے ان کا بہت سا علم ان پر جھوٹ باندھکر فاسد کر دیا، اس لیے صحیح روایتون مین ان کی وہی حدیث یا فتوی معتبر خیال کرتے ہین جو اہلبیت یا اصحابِ عبد اللہ بن مسعود کے ذریعہ سے پہنچا ہے، خود حضرت کو اس کا شکوہ تھا کہ اُن کے علم کے حامل نہین ملا قال ان ھٰہنا علما لو اصبت له الحملة یہان بڑا علم ہے اگر لینے والے اس تک پہنچین[1]، محمد بن جریر طبری کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب مین سے ایک بھی ایسا نہ ہوا جس نے ان کے فتاوی اور مذاہب فی الفقہ لکھے ہون سوائے ابن مسعود کے، وہ اپنا قول اور مذہب قول عمرؓ کے مقابلے مین ترک کر دیتے تھے، ان کی مخالفت کسی مسائے مین نہین کرتے تھے، دین اور مذہب امت مین اصحابِ عبد اللہ بن مسعودؓ، اصحابِ زید بن ثابت، اصحابِ عبد اللہ بن عمرؓ اور اصحابِ عبد اللہ ابن عباسؓ سے پھیلا، انہی چارؓ کے اصحاب سے سارے آدمیون کو علم پہنچا ہے، صحابہ کے بعد انکے تلامذہ.... کوفہ مین علقمہ بن قیس النخعی، اسود، عمرو ابن شرحبیل، مسروق الہمدانی، قاضی شریح ... تھے، یہ سب کے سب اصحابِ علیؓ و عبد اللہ بن مسعود ہین، اور اکابر تابعین سے ہین، اکابر صحابہ کی موجودگی مین فتوی دیتے تھے اور وہ اسکو جائز رکھتے تھے،

اس طبقے کے بعد ابراہیم نخعی و عامر الشعبی و سعید بن جبیر.... ہوئے ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان المعتمر، سلیمان الاعمش اور مسعر بن کدام، ان کے بعد محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی، ..... سفیان ثوری، اور ابو حنیفہ ہوئے...... ان کے بعد حفص بن غیاث، وکیع بن الجراح اور اصحابِ ابو حنیفہ مثل ابو یوسف القاضی، زفر بن ہذیل، حماد بن ابو حنیفہ، حسن بن زیاد القاضی اور محمد بن حسن قاضی رقہ ہوئے؛ (انتہی اعلام الموقعین خلاصۃً)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ مین یہ بحث لکھی ہے، حافظ ابن قیم اور شاہ صاحب کی بحث مین تفصیل اور اجمال کا فرق ہے،

---

[1] اس قول کی تائید امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم مین کی ہے، لکھا ہے کہ المغیرہ ان روایتون مین سے جو حضرت علیؓ سے کیجاتین صرف وہ روایت قبول کرتے جو اصحاب عبد اللہ بن مسعود کی سند سے ہوتی، یہ بھی لکھا ہے کہ اصحاب علی نے ان کا علم فاسد کر دیا (دیکھو مقدمہ صحیح مسلم حاشیہ قسطلانی ج اصفحہ ۱۱۲)

اقوالِ بالا کی بنیاد پر فقہ حنفی کا سلسلہ حسب ذیل بصورت شجرہ قائم کیا جا سکتا ہے،

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

علقمہ — اسود النخعی — عمرو بن شرحبیل — مسروق الہمدانی — قاضی شریح

ابراہیم النخعی

حماد بن ابی سلیمان

ابو حنیفہ

ابو یوسف قاضی — محمد بن حسن القاضی — زفر بن ہذیل — حسن بن زیاد اللؤلؤی القاضی — حماد بن ابی حنیفہ

فقہ حنفی پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ رجالِ فقہ موصوف کے حالات مختصراً بیان کر دیے جائیں، جسے ان حضرات کا مرتبہ علمی و عملی معلوم ہو سکے،

یہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ فقہ کے مرجع کل آنحضرتؐ کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ[1] کنیت ابو عبد الرحمٰن، قدیم الاسلام، اُن سے پہلے صرف پانچ حضرات اسلام لا چکے تھے، اسلام لانے کے وقت عمر کا تخمینہ بیس سال کے قریب ہوتا ہے، مشرف باسلام ہونے کے وقت ہی تعلیم قرآن کی التجا پیش کی، ارشاد ہوا انک لغلام معلم، بے شک وشبہہ تم نوجوان معلم ہو، ستر سورتیں خود ذات اقدس سے حفظ کیں، پہلے شخص ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کی طرف سے کفار قریش کو قرآن مجید (سورۂ الرحمٰن) حرم میں سنایا، سخت زحمت اٹھائی، کفار منہ پر ضربیں مارتے تھے اور یہ سورۂ الرحمٰن سنائے جاتے تھے، کسی نے اس اذیت پر اظہار افسوس کیا تو فرمایا کہو تو پھر سنا دوں، اب کفار سے زیادہ کوئی میری نظر میں ناچیز نہیں، یہ گویا پہلا سبق معلمی کا تھا،

اسلام سے مشرف ہونے کے بعد بھی حضرت سرورِ کائناتؐ نے انکو اپنی خدمت سے مخصوص کر لیا تھا، اذن عام تھا کہ پردہ اٹھا کر خدمت میں چلے آئیں، راز کی باتیں بھی سنیں، مگر جب کہ روک دیئے جائیں، باہر تشریف آوری کے

[1] ان حالات کا ماخذ طبقات ابن سعد، تاریخ الخطیب، اسد الغابہ، الاستیعاب، الاصابہ، عمدۃ المؤلفین، اور نزہۃ الاذہان فی الاسامی والاخبار ہیں، (شروانی)

وقت نعلین مبارک پہناتے، عصا لیکر داہنی جانب آگے چلتے، مجلس کے قریب پہنچکر نعلین مبارک اتار کر بغل مین

رکھ لیتے، عصا پیش کرتے، مراجعت کے وقت بھی یہی عمل ہوتا، واپسی پر اول حجرہ مین داخل ہوتے، وضو کے وقت

مسواک پیش کرتے صحابۂ کرام مین صاحب النعلین والسواک والسواد اُن کا لقب تھا، یعنی نعلین مبارک، مسواک

اور راز کے محافظ، سفر مین بستر مبارک، طہارت کا پانی، مسواک، نعلین مبارک ان کی تحویل مین رہتین، حضرت

ابو موسیٰ اشعریؓ جب یمن سے مدینہ طیبہ پہنچے ہین، تو کثرت باریابی دیکھکر حضرت ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ کو اہلبیت

سمجھے، دو بار ہجرت کی، ایک بار حبشہ کو دوبارہ مدینہ منورہ کو، تمام غزوون مین شریک ہوئے، بدر مین ابوجہل

کا سر خود اس کی تلوار سے کاٹا، جو صلے مین عطا ہوئی، ضعیف الجثہ تھے ایک موقعہ پر ان کی باریک پنڈلیان

دیکھکر صحابۂ کرام ہنس پڑے، تو آپ نے فرمایا عبداللہ قیامت کے دن میزان مین احد سے بھی زیادہ بھاری

ہونگے، دوسری روایت مین ہے کہ عبداللہ کا ایک پانون اُحد سے زیادہ بھاری ہوگا، جنت کی بشارت پائی

سنہ ۳۲ھ مین مدینہ منورہ مین وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، بقیع مین دفن ہوئے

حضرت ابو درداؓ نے خبر وفات سنکر کہا، ماترک خلفہ مثلہ اپنا مثل نہین چھوڑ گئے، عمر کچھ اوپر ساٹھ برس کی ہوئی

لباس عمدہ سپید پہنتے تھے، عطر بہت لگاتے، رات مین عطر کی خوشبو سے پہچان لئے جاتے، دولتمند تھے،

نوے ہزار درہم ترکے مین چھوڑے، بیس ہزار درہم خزانۂ خلافت مین جمع تھے، وہ بھی ورثا کو ملے،

حضرت سرور عالم اُن سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے، حیات مبارک کے سال آخر مین جب حضرت

جبرئیل نے رمضان مین دوبار کلام مجید آپ کو سنایا تو یہ بھی حاضر تھے، اسطرح اخیر نسخ و تبدیل سے آگاہی کا موقع

ملا۔ ارشاد نبوی ہے، کہ جس کو یہ محبوب ہو کہ قرآن اسی طراوت و تازگی سے پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسکو

چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرأت سے پڑھے، ارشاد ہے وتمسکوا بعھد ابن ام عبد، ابن مسعودؓ کی ہدایت

اور حکم کو مضبوط پکڑے رہو، جن چار صاحبون سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا گیا ان مین اول ان کا نام لیا، باقی تین

صاحب یہ ہین، (حضرت) معاذ بن جبلؓ، اُبی بن کعبؓ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حافظ قرآن تھے صحابۂ کرام مین

ان کا اقرب الی اللہ وسیلہ ہوتا، اور اقربہم زلفی (سب سے زیادہ اللہ سے قریب) ہونا مسلم تھا ہیئت عادت، سیرت اور طریقے مین اور شان و وقار مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اسیطرح علقمہ حضرت ابن مسعودؓ سے مشابہ تھے

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین حضرت عمارؓ بن یاسر کو امیر کوفہ اور ان کو وزیر و معلم بنا کر بھیجا۔ اہل کوفہ کو اس موقع پر لکھا، مین ان دو صاحبون کو بھیجتا ہون جو نجباء صحابہ سے ہین، اور اہل بدر سے ہین ان کی اقتدا اور اطاعت کرو اور حکم مانو، عبداللہ بن مسعودؓ کو مین نے قسم ہے رب کی اپنے اوپر ایثار کر کے تمھارے پاس بھیجا ہے، ان کی نسبت حضرت عمرؓ کا قول ہے، کُنیف ملاءِ علمًا۔ ایک تھیلا ہین علم سے بھرے ہوئے یہ قول تین بار مکرر فرمایا، حضرت علیؓ کا قول ہے "قرأ القرآن فاحل حلاله وحرم حرامه فقيه الدين عالم السنة"۔ ابن مسعود نے قرآن پڑھکر جو اس مین حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اسکو حرام دین کے فقیہ ہین، سنت کے عالم، امام شعبی کا قول ہے، ماکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افقہ من صاحبنا عبد اللہ بن مسعود، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین ہمارے استاد عبد اللہ بن مسعودؓ سے بڑھکر کوئی فقیہ نہ تھا،

روایت حدیث بہت کم کرتے تھے، الفاظ حدیث مین سخت احتیاط کرتے تھے جس وقت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے نکلتا کانپ اٹھتے، فرماتے تھے لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ، علم کثرت روایت کو نہین کہتے بلکہ علم خدا سے ڈرنے کو کہتے ہین، عمرو بن میمون کا قول ہے کہ مین ایک برس عبد اللہ بن مسعود کے پاس رہا، ایک دن بھی انھون نے رسول اللہ سے حدیث روایت نہین کی، نہ یہ کہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صرف ایک بار حدیث بیان کی اور ان کی زبان پر لفظ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوا، بیقرار ہوگئے، مین نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا، الفاظ بالا کہکر یہ الفاظ کہے، انشاء اللہ اما فوق ذاک و اما قریب من ذاک او دون ذاک انشاء اللہ یا اس سے بڑھکر یا اس کے قریب یا اس سے کم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے حدیث سنی۔ حضرات ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ نے منجملہ دیگر صحابہ کے ان سے حدیث سنی، تابعین مین علقمہ، اسود، مسروق، ابو وائل شقیق، شریح وغیرہ نے

حالات بالا پر ایک نظر | حضرت ابن مسعودؓ کے حسب ذیل اوصاف نمایان ہین، قدیم الاسلام ہونا، ابتدا سے انتہا تک ذات اقدس سے قرب تام اور شرف خدمت معتمد و محرم اسرار ہونا، وفور علم و شان معلمی و خوبی تعلیم، حافظ و اعلم بکتاب اللہ ہونا، علم و فقہ و سنت مین فوقیت اور تفقہ مین باریک نظری، قرب الٰہی و وسیلہ الی اللہ ہونے مین امتیاز، ہیئت ظاہری سیرت اور طریقے مین اور شان و وقار مین سب سے زیادہ آپ سے مشابہ ہونا، آنحضرتؐ کا ارشاد تمسکوا بعھد ابن ام عبد ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوط پکڑے رہو، حضرت عمرؓ کا ان کے علم و تفقہ پر اعتماد کلی، اہل کوفہ کو ان کی اقتدا و اطاعت اور ان کے حکم ماننے کا امر، حضرت علیؓ کی ان کے علم کتاب و فقہ و سنت کی توثیق، فقہ مین باریک نظری، روایت حدیث کی تقلیل اور حفاظت الفاظ مین احتیاط،

یہ تم سن چکے کہ تمام صحابۂ کرام کے علم کے حامل چھ حضرات تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین، یہ بھی سن چکے ہو کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا علم حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردون کے پاس رہا، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے ان سے حدیث سنی، مسروق کا قول پڑھ چکے کہ چھ کا علم دو کو پہنچا، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کو، یہ بھی سن چکے کہ حضرت علیؓ کا علم وہی محفوظ رہا جو اہل بیت اطہار کے سینون مین رہا یا حضرت ابن مسعودؓ کے، نتیجہ ظاہر ہے کہ علم صحابہ کے مرجع اخیر اور خزینہ دار حضرت ابن مسعودؓ تھے، رضی اللہ عنہ،

اس خلاصۂ حالات سے حضرت ابن مسعودؓ کے وجود کی عظمت علم و تعلیم کی جلالت ثابت ہوتی ہے، اسی کا اثر تھا جو خطیب نے لکھا ہے کہ فبث عبد اللہ فیھم علما کثیرا وفقہ منھم جما غفیرا، عبد اللہ نے اہل کوفہ مین علم بکثرت پھیلایا، اور گروہ کثیر کو فقیہ بنا دیا، حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردون کی بابتہ حافظ ابن قیمؒ کا قول پڑھ چکے کہ اکابر تابعین سے تھے، اور اکابر صحابہ کی موجودگی مین فتوی دیتے تھے جس کو وہ حضرات جائز رکھتے،

علقمہ بن قیس | نخعی ہین، التابعی الکبیر الجلیل الفقیہ البارع، بڑی شان کے جلیل القدر تابعی فقہی عقل و دانش مین فائق، کان من الربانیین، علماے ربانی مین سے تھے، اجمعوا علی جلالتہ وعظم محلہ

دونوں عَلَمٌ وجیل طریقتہ، ان کی جلالتِ شان، عالی قدری اور خوبی طریقہ پر اجماع ہے، ابراہیم النخعی کا قول ہے کان علقمۃ یشبہ بابن مسعود، علقمہ ابن مسعود سے مشابہ تھے (تہذیب الاسماء نووی)

دیکھو عہد اسلام کی سیر حاصلی، ان کے دو بھتیجے، اسود اور عبد الرحمٰن بلند مرتبہ تابعی ہیں، اور ایک نواسہ ابراہیم نخعی، ایک گھر میں چار عالی قدر تابعی!

مسروق الہمدانی | اتفقوا علی جلالتہ وتوثیقہ وامامتہ، ان کی جلالت، امامت اور ثقہ ہونے پر اجماع ہے، حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ سے ملاقات کی، امام شعبی کے استاد ہیں (۰۰۰۰۰)

اسود النخعی | تابعی فقیہ امام صالح، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو دیکھا، حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ و حضرت عائشہؓ وغیرہم سے روایت کی، اتفقوا علی توثیقہ وجلالتہ - ان کے ثقہ ہونے اور جلالت پر اتفاق ہے، اسّی حج اور عمرے علٰحدہ علٰحدہ کئے، (〃 〃 〃)

عمرو بن شرحبیل | الہمدانی، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اُن سے روایت کی، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کی، (خلاصہ تذہیب) ثقہ عابد تھے (تقریب التہذیب)

شریح القاضی | زمانۂ نبوت پایا، حضوری سے مشرف نہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے ان کو قاضی کوفہ مقرر کیا، وہاں ساٹھ برس تک قاضی رہے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا انت اقضی العرب تم عربوں میں قضا میں فائق ہو، ان کی روایتوں کے حجت ہونے اور اُن کے ثقہ ہونے اور دین وفضل پر اور ذکاوت پر اتفاق ہے، نیز ان کے سب سے زیادہ عالم قضا ہونے پر (تہذیب الاسماء)

ابراہیم النخعی | تابعی جلیل القدر، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں باریاب ہوئے، ان کے ثقہ ہونے، جلالت شان اور فقہ میں فائق ہونے پر اتفاق ہے، شعبی نے اُن کی وفات کے وقت فرمایا ماترک احداً اعلم منہ وافقہ، انھوں نے اپنے آپ سے زیادہ عالم اور فقیہ نہیں چھوڑا، اعمش کا قول ہے، کان النخعی صیرفی الحدیث، نخعی حدیث کے نقاد تھے، (〃 〃 〃)

حماد بن ابی سلیمان	اشعری کوفی ہیں، ابو اسمٰعیل کنیت، حضرت انس اور ابن المسیب اور ابراہیم سے روایت کی اور ان سے ..... ابو حنیفہ اور شعبہ نے، ثقہ امام مجتہد سخی و جواد تھے، ابو اسحٰق کا قول ہے کہ وہ شعبی سے فقہ میں فائق تھے (الکاشف للذہبی)

فقہ حنفی پر ایک نظر،

(۱) بیان بالا سے واضح ہو چکا کہ جس علم صحابۂ کرام کے مرجع آخر و خزینہ دار حضرت ابن مسعودؓ تھے، وہ تابعین کبار کو پہنچا، ان سے ابراہیم نخعی کو، ان سے حماد بن ابی سلیمان کو، ان سے امام ابو حنیفہ کو، ان سے ابو یوسف و محمد بن حسن وغیرہما تلامذہ کو، یہی وہ علم تھا جس کی تدوین و ترویج کا اہتمام اکابر صحابۂ کرام نے اہتمام کتاب اللہ کے بعد اس زمانے میں کیا جبکہ روایت حدیث قلیل تھی، بلکہ روکی جاتی تھی، خلفائے راشدین کا دور اسی کے اہتمام میں صرف ہو گیا، امام اعظم اور انکے تلامذہ کی کوششوں نے اس علم دین کو مدون و مرتب کر کے ایک ایسا آئین شریعت ملک و ملت کے سامنے رکھدیا جو حق و ہدایت کی قوت سے دنیائے اسلام کی عبادات و معاملات کی ضرورتوں اور حاجتوں کو روا کرتے اور دنیائے اسلام میں پھیلنے کے لیے تیار اور آمادہ تھا، اس علم کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ چار پشت تک تابعین کے سینوں میں رہنے کے بعد امت کو ملا، اس کا نتیجہ بدیہی یہ ہے کہ امام اعظم کا علم صحابۂ کرام کے علم کا مجموعہ ہے اور وہ فقہ حنفی ہی

(۲) مذہب اسلام روئے زمین کے انسانوں کے لیے آخری دین الٰہی ہے، اس کا اعلان ہے کہ اللہ اور اسکے رسول غالب رہیں گے، یہ بھی اس کا اعلان ہے کہ وہ تمام ادیان پر حق و ہدایت کی قوت سے غالب رہیگا، اور یہ بھی کہ حزب اللہ کا طرۂ امتیاز غلبہ ہے،

اسلام کے فرق باطلہ کے باطل ہونے کی بڑی دلیل اسمیں ہے کہ وہ کبھی دیرپا غلبہ روئے زمین پر نپا سکے، ان کا کارنامہ یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح انھوں نے اپنے وجود کو قائم رکھا، مثال کے لیے دیکھو فرقۂ باطنیہ کی تاریخ،

مذاہب حقہ میں سب سے زیادہ غلبہ مذہب حنفی کو ابتدا سے آج تک حاصل رہا ہے، مورخین و محدثین اس کے شیوع کو زمین پر چھا جانے سے تعبیر کرتے ہیں، امام سفیان بن عیینہ کا قول تمنے پڑھا ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے آفاق میں پہنچگئی وقد بلغ الآفاق، خطیب نے امام ابو یوسف کے حالات میں لکھا ہے، وبث علم ابی حنیفۃ فی اقطار الارض

انھون نے ابوحنیفہ کا علم زمین کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک پہنچادیا،

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ شیخ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار نے المغنی مین فقہ حنفی کا وصف سارے آفاق مین پھیلنا اور روئے زمین کو ڈھک لینا لکھا ہے، ان کے الفاظ ہین " العلم المنتشر فی الآفاق وعلم طبق الارض ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مذہب وفقہ حنفی مین اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب اسلام اُس کے تقلید کے جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوجاتا، ملا علی قاری نے دوثلث اہل اسلام کا گیارہوین صدی ہجری مین حنفی ہونا لکھا ہے۔

اس کی قوت ظہور اور خوبی تدوین وکمال ترتیب کا اندازہ اس سے کرو کہ امام اعظم کی وفات کے ٹھیک [۱۶] سولہ برس بعد خلیفہ بغداد ہادی کے عہد مین امام ابویوسف ۱۶۶ھ مین قاضی مقرر ہوتے ہین، وہ قوت ان کے علم مین ہے کہ عہد اسلام مین اول مرتبہ قاضی القضاۃ کی طیلسان ان کے وجود پر راست آتی ہے، اور فقہ حنفی روئے زمین پر کارفرما بنجاتی ہے، ہارون الرشید کی خلافت کے شایان قاضی القضاۃ اول امام ابویوسف ہی ٹھہرے، خلافت عباسیہ کے بعد جتنی ایسی قوتین برسرکار آئین جنکی قوت اور غلبہ کو بین الاقوام اور بین الممالک مرتبہ حاصل ہوا وہ قریبًا سب کے سب حنفی تھین، مثلاً آل سلجوق، آل عثمان، عالمگیری ہندوستان بجائے خود ایک برّ اعظم تھا، یاد تازہ کرو حافظ ابن قیم کے اس بیان کی کہ مسروق کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا علم وہ خلیج ہے کہ اگر اس پر روئے زمین کے تشنہ کام وارد ہوجائین تو سیراب ہوسکین، ملاؤ اس کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کا کشف کہ نظر کشفی مین دوسرے مذاہب حیاض وجداول کی شکل مین منکشف ہوتے ہین، مذہب حنفی بشکل دریائے زخار جو عرش سے گر رہا ہے، دوسرے مذاہب حقہ عمومًا یا ملک سے مخصوص رہے یا نسل سے، بین الاقوامی مرتبہ کمتر پا سکے،

اسلام کی قوت وحقانیت کی کھلی ہوئی دلیل اس مین ہے کہ اس کے احکام مین مختلف ممالک ومختلف نسلہائے انسانی کی ضرورتون کا لحاظ پایا جاتا ہے، اور ان کے حامل مذاہب حقہ ہین، اگر کبھی یہ بحث لکھی جائے کہ مذاہب اربعہ مختلف ممالک اور مختلف نسلون مین کس مناسبت سے پھیلے تو علم نفسیات کا دلچسپ باب ہوگا،

دیکھو تابعین وتبع تابعین کے دور مین ہزارہا نہین تو سینکڑون صاحب مذہب امام ومجتہد تھے، جنکے

مذاہب پھیلے، اور مضمحل ہو گئے، بالآخر متبوع چار ہی رہے،

ان مین بھی جو شیوع وغلبہ مذہب حنفی کو رہا ظاہر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین غلبہ وظہور کی جو قوت و برق حق پژوہی کی مدد سے تھی اس کا وافر حصہ مذہب حنفی مین ودیعت تھا، اور یہی وہ خفی سر الٰہی ہے جس کو شیخ طاہر پٹنی مذہب حنفی کی کامیابی وغلبہ کا سبب بتاتے ہین، ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، عام طور پر مذہب حنفی اور مذہب مالکی کی کامیابی کا سہرا امام ابویوسف اور امام یحییٰ بن یحییٰ المصمودی کے سر باندھا جاتا ہے کہ ان کا وجود نہ ہوتا تو شیوع حاصل نہ ہوتا، یہ صحیح ہے کہ یہ دونون امام ان دونون مذہبون کے شیوع ورواج کا زبردست ذریعہ بنے، لیکن یہ صحیح نہین کہ ان کے شیوع اور ترویج کی علت تامہ وہ دونون ہین، اس پر غور کرنا چاہیئے کہ تعلیم سے شاگرد پیدا ہوتے ہین، تصانیف پیدا ہوتی ہین نہ یہ کہ استاد کی تعلیم کی خوبی شاگرد پیدا کرتا ہے، شخصی کوششون سے فروغ ورواج تعلیم ضرور ہوتا ہے مگر عالمگیر غلبہ وظہور جو صدیون تک قائم وباقی رہے وہ خود اس تعلیم کی اندرونی قوت واثر ہی سے ہوسکتا ہے، بالآخر کامل شاگردون کا وجود بھی تو قوت وخوبی تعلیم کا منت کش ہے، امام ابویوسف اور امام یحییٰ بھی مذہب حنفی ومالکی کی قوت کا ثبوت ہین[1]۔

نتیجۂ واقعات بالا یہ ہے کہ محدثین کرام کی شہادت وتوثیق کے بموجب امام ابوحنیفہ کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علم تھا جو تیئیس ۲۳ برس کی ضمنیت تام اور قرب خاص مین مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست حاصل کیا گیا، اور جو بالآخر تمام صحابۂ کرام کے علم کا مجموعہ بنا، اور چار پشت تک تابعین کبار وکرام کے سینون سے گذر کر امام اعظم کے تلامذۂ رشید کو پہنچا اور انھون نے عالم اسلام کو پہنچایا، اور جو آخر تک فقہاے عظام کی کوششون سے ایک عالم کے واسطے سرمایۂ اعمال حسنہ بنا ہوا ہے، اور چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اقرب الی اللہ وسیلۃً تھے لہذا خالق اکبر جل جلالہٗ کی بارگاہ مین اس کے عاجز بندون کے لیے وسیلۂ عظمیٰ ہی، فالحمد للہ علیٰ ذالک،

(باقی)

[1] خاکسار اس حصۂ مضمون وحصۂ جرح کی نگارش مین مفتی سید عبداللطیف صاحب استاد جامعۂ عثمانیہ کے مشورہ کا دل سے ممنون ہے اگر وہ مشورہ نہ ہوتا تو حق یہ ہے کہ حق بحث اس جامعیت سے ادا نہ ہوتا، شروانی،

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول: جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت للعہ

حصہ دوم: جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۴۸ صفحے، قیمت للعہ

گل رعنا: ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اور یہاں کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ از مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم

مکاتیب شبلی: مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی مباحث ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم، قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۱۲/ ضخامت حصہ اول ۳۰۴ صفحے، دوم ۲۶۱ صفحے

موازنۂ انیس و دبیر: اردو کے شعراء میں انیس کی شاعری پر تبصرہ، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اس فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت سے روپیہ۔

کلیات شبلی اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجموعوں میں چھپے تھے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچھلے دس سال کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت ۸/

افادات مہدی: ملک کے نامور انشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحے

سرگذشت ادب ترکی: جس میں ترکی ادب کی مختصر [illegible] انداز میں بیان کی گئی ہے، [illegible] ٹکٹ بھیجکر طلب کریں۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ نومبر ۱۹۲۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا علمی ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب بڑا سرمایۂ فخر اس کے رسول کے حالِ پاک اور کلمات طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہے، اردو میں اس وقت باتفاق سب کا طرز اور بہتر سیرۃ نبوی جس کو ناز ہے جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد للہ۔ اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہوچکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں۔

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]، تقطیع خورد [illegible]

سیرۃ النبی حصہ دوم، از سنہ [illegible] تا سنہ [illegible]، جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے، طبع اول تقطیع کلان ضخامت [illegible] صفحے قیمت قسم اعلیٰ [illegible]، طبع دوم، تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اسکے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے پھر روایات و معجزات ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں، جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جنکے حوالے قرآن مجید و حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب، طبع اول تقطیع کلان ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

ایضاً جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ بحث، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible]، تقطیع کلان۔

ملنے کا پتہ:

منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ۔

جلد ۳۲	ماہ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۳ء	عدد ۵

مضامین

شذرات

ناظرین یہ سنکر خوش ہونگے کہ اعلیحضرت فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہٗ کی سرکارِ عالی مقدار نے دار المصنفین کو یہ اعزاز بخشا ہی کہ اسکو اپنی ضرورت کے لیے فقہ حنفی کے روسے ایک ضابطۂ جنایات قتل و قصاص کی ترتیب و تدوین کا حکم دیا ہی، چنانچہ حکمِ والا کی تعمیل کیگئی، اور سابق دولتِ عثمانیہ کی مجلۃ الاحکام کی طرح، یہ قانونِ جنایات بھی دفعہ وار مستند کتبِ فقہ حنفی کے حوالوں سے مرتب کیا گیا ہی، اب عنقریب اُسکا مسودہ صاف ہوکر سرکارِ عالی کے ملاحظہ مین پیش ہوگا، اور اس کے بعد شاید منتخب مجلس علمار کے سپرد ہو، کہ وہ اس پر نظرِ ثانی کرے،

اعلیحضرت نادرخان شاہ افغانستان کے عہد مین جو تعلیمی و علمی ترقیان افغانستان مین روز افزون ہیں، اب ان کی ترتیب و تنظیم کی تجویز زیرِ غور ہے، اور ایک کابل یونیورسٹی کی تکمیل عمل مین آرہی ہو، اور ساتھ ہی تراجم و تالیفات کے دائرے بھی وجود مین آرہے ہین، اور غالباً انھین امور مین مشورہ کی غرض سے ہندوستان سے چند اصحاب کو دار السلطنت آنے کی دعوت افغانستان کی حکومت کی طرف سے دی گئی ہے،

یہ تعلیمی و علمی دعوت ڈاکٹر سر اقبال، نواب سر راس مسعود وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، اور اڈیٹر معارف کو موصول ہوئی ہو، خدا کرے کہ اس علمی وفد سے اس دولتِ خداداد کی جسکا خداداد ہونا کئی دفعہ تاریخ مین ثابت ہوچکا ہے، کوئی مفید خدمت انجام پاسکے، اور جس طرح اس کا ملک خداداد ہے، اسکا علم و تمدن بھی خداداد ثابت ہوسکے،

یہ عجیب اتفاق ہے کہ راقم کی بعض اہم تصنیفات اس وقت شائع ہوئین، جب وہ ہندوستان سے باہر تھا

سیرۃ عائشہؓ جب ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تو لندن میں تھا، سیرۃ النبیؐ کی دوسری جلد جب شائع ہوئی، تب بھی لندن میں تھا، چنانچہ اس کا مقدمہ بھی وہیں بیٹھکر لکھا گیا ہے، سیرۃ النبیؐ کی تیسری جلد جب چھپی ہے تو مؤلف سلطان ابن سعود اور شریف علی کے مابین جنگ کے زمانہ میں جدہ میں تھا، اور اسکا مقدمہ وہیں سے لکھکر ہندوستان بھیجا گیا، اب جب **خیام** کی اشاعت کی باری آرہی ہے تو پھر جلاوطنی کے سامان ہیں، کیا حسنِ اتفاق کے سوا ان دو واقعوں میں کوئی منطقی ربط و لزوم بھی ہے؟



آجکل بعض جماعتوں نے مسئلۂ قضا کی تحریک و اشاعت کی کوششیں از سر نو کی ہیں، یہ حسنِ اقدام مبارک ہے، لیکن اس سے پہلے کہ اس کیلئے قدم اٹھایا جائے ضرورت اسکی ہے کہ مسلمان مجالس اور انجمنوں کے اتحاد و تعاون کی طرف قدم اٹھایا جائے، حکومت صرف قومی قوت کو مانتی ہے، اور قوم میں قوت صرف اتحاد سے پیدا ہو سکتی ہے، ڈر ہے کہ اتنی اہم و ضروری تحریک بھی ہمارے اختلافاتِ باہمی کے نذر نہ ہو جائے



جہانتک اس تحریک کی تاریخ کا تعلق ہے یہ سب سے پہلے ۱۹۱۹ء میں معارف کے صفحات میں [illegible] کے وقت پیش کی گئی اور اسکے بعد جمعیۃ العلماء کے خطبۂ صدارت کلکتہ اور جمعیۃ العلماء کی تجاویز اور معارف کے شذرات میں بار بار پیش کیجاتی رہی، یوپی گورنمنٹ نے ۱۹۲۱ء میں (سر) جسٹس سلیمان کی صدارت میں بعض مسلمان ارکان کونسل اور بعض علماء کی مجلس اس غرض سے قائم کی تھی کہ نکاح و طلاق کے درج رجسٹر ہونے کے امکان پر غور کیا جائے، اس مجلس نے متعدد نشستوں میں اس کام کو انجام دیا، اور صوبہ کے [illegible] کی شہادتیں قلمبند کیگئیں، اس کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر شفاعت احمد خان بھی تھے، علماء میں مولنا کفایت اللہ صاحب، مولنا قطب الدین عبدالوالی صاحب، مولنا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، اور یہ خاکسار اور بعض دوسرے اصحاب بھی تھے، اس سلسلہ میں کمیٹی کے ممبروں میں کچھ اختلافات تھے جنکی بنا پر ہم میں سے بعض اصحاب نے اپنا اختلافی نوٹ الگ پیش کیا تھا۔



اختلافی نوٹ کی تحریر کی خدمت خاکسار کو سپرد ہوئی تھی، اور مولنا کفایت اللہ صاحب، مولنا قطب الدین عبدالوالی صاحب اور چودھری رشید الدین صاحب رئیس بارہ بنکی نے اسکی تائید فرمائی تھی، اس اختلافی نوٹ میں مسئلۂ قضا کی اہمیت و ضرورت کو

اس کے قیام کی تدابیر پر مدلل بحث تھی، یہ تحریر رپورٹ مین شامل ہو کر گورنمنٹ مین پیش ہوئی، مگر تعجب ہے کہ پھر ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ نے اور نہ کونسل نے اپنی اس تحریک و تجویز کی خبر لی، ممکن ہوا تو آیندہ معارف مین ہم اس تحریر کو پیش کرنے کی کوشش کرینگے، تاکہ مسئلہ مذکور کے اکثر پہلو سامنے آجائین،

فلسطین مین ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی تحریک سال دو سال سے چل رہی ہے، اور سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین جو فلسطین کے اسلامی جسم کا دماغ اور روح ہین، وہ اس تجویز کو عمل مین لانے کیلئے پوری طرح منہمک ہین، اور کئی مہینون سے ہندوستان کا دورہ فرما رہے ہین، موصوف سے ہکو موتمر اسلامی مکہ معظمہ کے زمانہ سے ذاتی تعارف حاصل ہے، اور انکے اخلاص اور درد ملت مین ذرہ برابر بھی شک نہین، لیکن انکی خدمت مین صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہندوستان مین انگریزی سلطنت کے استیلاء کے بعد مسلمانون کو ایک اسلامی یونیورسٹی کے تخیل مین ہر ملکی ضرورت اور سیاسی تغیر سے الگ کھکر تعلیم کے وادی تیہ مین چالیس برس تک سرگردان رکھا گیا، کہین تاریخ کا اعادہ اسی طرح بنی اسرائیل کے بدلہ مسلمانان فلسطین کو تو (جو اب ہماری ہی طرح انگریزی تحت و اقتدار مین ہین) ہر طرف سے موڑ کر اس وادی مین نہین لے چل رہا ہے، فتنبہ،

مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے گذشتہ اجلاس مین ایک تجویز یہ بھی پیش ہوئی تھی کہ اس یونیورسٹی کے کالجون مین لڑکون اور لڑکیون کی مخلوط تعلیم کی اجازت دیجائے، وائس چانسلر صاحب کی تحریک سے یہ تجویز علمی مجلس کے سپرد کردیگئی ہے کہ وہ اسکا مناسب فیصلہ کرے، وہ فیصلہ کیا ہوگا؟ اس کی خبر نہین،

اس موقع پر یہ گذارش بیجانہ ہوگی کہ ہم اپنے طور و طریق اور طرز تمدن کو خیرباد کہکر جن قومون کی ریس کرنا چاہتے ہین، پہلے انھین سے پوچھنا چاہئے کہ آیا وہ اسکو اپنے تمدن کے حق مین زندگی سمجھ رہی ہین یا موت، بہرحال جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا، تاہم ہماری چیخ پکار اگر سنگدل کو رحمدل نہین بنا سکتی ہے، تب بھی جبتک جسم مین زندگی ہے، چوٹ لگنے پر دل سے آہ! تو ایکدفعہ نکل ہی جائیگی،

خوشی کی بات ہے کہ مسلم یونیورسٹی نے اردو امتحانات اور ڈگریون کے مسئلہ مین ایک قدم آگے بڑھایا ہے، ایکدن یہ حقیقت بھی تسلیم کرلیجائے گی کہ اردو زبان بھی دوسری زبانون کی طرح یہ حق رکھتی ہے کہ اسکو بھی اعلیٰ معیاری امتحانون مین جگہ دیجائے

مقالات

قاضی ابو یوسف،

بسلسلۂ تبصرۂ تاریخ خطیب بغدادی،

یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف القاضی شاگرد ابو حنیفہ، نسب یہ ہے، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بجیر بن المعاویۃ الانصاری (حضرت) سعدؓ صحابی ہیں، اون کی ماں حبتہ صحابیہ، سعد احد کے دن (حضرت) رافع بن خدیجؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملاحظہ میں پیش ہوئے، کم سنی کی وجہ سے بھرتی نہیں ہوئے

تحصیل علم ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، گھر مفلس تھا، حدیث اور فقہ کی تحصیل کا شوق تھا، حدیث کی روایت منجملہ دیگر مشائخ کے یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان الاعمش، ہشام بن عروہ، عطاء بن السائب، لیث بن سعد سے کی۔ محمد بن حسن، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہم نے اُن سے روایت کی، بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

ایک روز ابو حنیفہ کی محفل میں بیٹھے تھے کہ انکے والد وہاں پہنچے بیٹے کو ساتھ ہو لئے، باپ نے کہا کہ ابو حنیفہ کے قدم بقدم مت رکھو، ان کو تو پکی پکائی ملتی ہے تمہیں پیٹ پالنے کی ضرورت ہے، انھوں نے یہ سنکر طلب علم میں کمی کردی، ان کا بیان ہے کہ ابو حنیفہ نے میری جستجو کی، بیٹھ رہنے کے بعد پہلی بار میں ان کے پاس پہنچا تو پوچھا آنا کیوں چھوڑ دیا

ہشام بن عروہ، ابو اسحٰق شیبانی، عطاء بن السائب اور انکے طبقے سے سماع حدیث کیا، اکبر شیوخ حصین بن عبد الرحمٰن ہیں، ان سے محمد بن حسن، احمد بن حنبل، بشر بن الولید، یحییٰ بن معین اور بہت لوگوں نے سماعت حدیث کی۔

یحییٰ بن معین کا قول ہے، ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنت تھے، (امام) احمد کا قول ہے ابو یوسف حدیث میں صاحب انصاف تھے، ذہبی کا قول ہے کہ میں نے ابو یوسف اور محمد بن حسن کے حالات علیحدہ کتابوں میں لکھے ہیں، تذکرۃ الحفاظ للذہبی،

مین نے کہا کہ پیٹ کی فکر اور باپ کی فرمانبرداری کی وجہ سے، یہ کہکر مین بیٹھ گیا، آدمی چلے گئے، تو ایک تھیلی مجھ کو دی اور
کہا اس کو خرچ کرو، جب ختم ہو جائے تو اطلاع کرنا، پڑھنا مت چھوڑو، مین نے دیکھا تو سَو درم تھے اب مین نے پابندی
سے پڑھنا شروع کیا، چند روز کے بعد سَو درم اور عنایت ہوئے، حالانکہ مین نے اشارۃً بھی ختم ہونے کا ذکر نہین
کیا تھا، اسی طرح بے طلب عنایت ہوتی رہی، یہانتک کہ مین آسودہ حال ہو گیا، ایک روایت کے موجب
باپ نے چھوٹا چھوڑا تھا، ماں درس سے اٹھا لی جاتی تھین ایک روز ابو حنیفہ نے اون سے کہا، نیک بخت!
جا، یہ علم سیکھ کر فالودہ روغن پستہ کے ساتھ کھائے گا، یہ سنکر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئین، جب قاضی القضاۃ ہو گئے تو ایک
بار خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا، خلیفہ نے اون سے کہا، یہ کھاؤ، یہ روز روز نہین تیار ہوتا ہے
پوچھا، امیر المومنین کیا ہے، کہا فالودہ اور روغن پستہ، یہ سُنکر ابو یوسف ہنس پڑے، خلیفہ نے پوچھا، کیون ہنسے، کہا
بخیر، امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ زندہ وسلامت رکھے، ہارون الرشید نے اصرار کیا تو اونھون نے واقعہ بالا بیان کیا
سنکر خلیفہ کو حیرت ہوئی اور کہا علم دین ودنیا مین عزت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحمت فرمائے وہ عقل کی آنکھون
سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھون سے نظر نہین آتا،

امام اعظم کی صحبت مین

سترہ برس تک ابو حنیفہ کی صحبت مین حاضر رہے ایک بار اس زمانہ مین سخت بیمار ہو گئے، امام صاحب
نے آکر دیکھا تو واپسی مین اُن کے دروازے پر متفکر کھڑے ہو گئے، کسی نے سبب پوچھا، تو کہا
یہ جوان مر گیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اوٹھ جائے گا،

ابو یوسف کا قول ہے کہ دنیا مین کوئی چیز مجھکو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب نہ تھی، ابو حنیفہ
سے بڑھکر فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی مین نے نہین دیکھا،

خطیب کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کے شاگردون مین دو شاگرد سب سے زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف اور زفر، عمار کا
قول ہے کہ ابو حنیفہ کے شاگردون مین ابو یوسف کی مثال نہ تھی، اگر وہ نہوتے تو نہ کوئی ابو حنیفہ کو جانتا، نہ ابن ابی
لیلیٰ کو، وہی تھے جنھون نے ان کا علم پھیلایا، اور اون کے اقوال کو دور دور پہنچایا، طلحہ کا قول ہے، ابو یوسف کی شا

مشہور علم و فضل بلند تھا، ابوحنیفہ کے شاگرد تھے، فقہ مین اپنے معاصرین مین سب سے بڑھکر، اون سے بڑھکر اون کے زمانے مین کوئی نہ تھا، علم و حکمت و ریاست و قدر مین انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، وہ پہلے شخص ہین جنھون نے ابوحنیفہ کا علم زمین کے کنارون تک پہنچا دیا، اصول فقہ کی کتابین لکھین، مسائل کا نشر املا کے ذریعے سے کیا،

ایک بار اعمش نے اون سے ایک مسئلہ دریافت کیا، جواب سنکر کہا، یہ کہان سے کہتے ہو، کہا فلان حدیث سے جو آپ سے روایت کی ہے، اعمش نے ہنسکر کہا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے، کہ تمھارے باپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی، معنی اوس کے آج معلوم ہوئے،

امام مزنی سے کسی نے اہل عراق کی بابت پوچھا، ابوحنیفہ کی بابت کہا "سیدہم" اون کے سردار، ابویوسف کی بابت کہا اتبعھم للحدیث ان مین سب سے زیادہ حدیث کے پیرو، محمد بن حسن سب سے زیادہ مسائل اخذ کرنے والے، زفر سب سے زیادہ قیاس مین تیز،

ہلال بن یحیی کا قول ہے، کہ ابویوسف تفسیر، مغازی، ایام عرب کے حافظ تھے، فقہ ان کے علوم مین اقل علوم تھی،

ایک بار ابوحنیفہ کے سامنے ابویوسف اور زفر نے کسی مسئلے پر بحث کی، ظہر تک جاری رہی، اور ایک دوسرے کی دلیل کو رد کرتا رہا، ظہر کے وقت ابوحنیفہ نے زفر کی ران پر ہاتھ مار کر کہا، جس شہر مین ابویوسف ہون، وہان کی ریاست کی ہوس مت کرو،

ایک بار ابوحنیفہ نے اپنے شاگردون کی بابت کہا، یہ چھتیس مرد ہین، اون مین سے اٹھارہ عہدہ قضاء کی اہلیت رکھتے ہین، چھ فتوی دینے کی، دو ایسے ہین جو قاضیون کو پڑھا سکتے ہین، یہ کہکر ابویوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا،

ایک بار ابوحنیفہ (جو فراست مین ممتاز تھے،) نے داؤد طائی سے کہا کہ تم عبادت کے ہو رہو گے، ابویوسف سے کہا، تم دنیا کی طرف مائل ہوگے، اسی طرح زفر وغیرہ کی نسبت رائے ظاہر کی، جو کہا تھا واقعات نے وہی ثابت کیا،

لطیفہ:۔ ایک شخص ابویوسف کی صحبت مین خاموش بیٹھے رہتے تھے ایک بار اونھون نے کہا تم بولتے کیون نہین کہا بہت اچھا، روزہ کب افطار کرنا چاہیے، کہا جب آفتاب غروب ہو، بولے، اگر آفتاب آدھی رات تک غائب نہو تو یہ سنکر ابویوسف ہنس پڑے، اور کہا تمھارا خاموش رہنا ہی اچھا تھا، تمھاری زبان کھلوا کر مین نے خطا کی،

عہدۂ قضا | خلیفہ ہادی نے ۱۶۶ھ مین بغداد کا قاضی مقرر کیا، ہارون الرشید نے اپنی خلافت مین بحال رکھا اسلام مین وہ اوّل شخص ہین، جو قاضی القضاۃ ہوئے، سترہ برس تک قاضی القضاۃ رہے،

اُن کے قاضی ہونے کے عہد مین ایک بار امیرالمومنین ہادی کے ایک باغ پر کسی نے اُن کی عدالت مین دعویٰ کیا، بظاہر خلیفہ کا پہلو زبردست تھا، مگر واقعہ اوس کے خلاف تھا، امیرالمومنین نے کسی موقع پر اُن سے پوچھا، کہ تم نے فلان باغ کے معاملے مین کیا کیا، جواب دیا، مدّعی کی درخواست یہ ہے، کہ امیرالمومنین کی حلفیہ شہادت اس پر لیجائے کہ اون کے گواہون کا بیان سچا ہے، ہادی نے پوچھا کیا اون کی یہ درخواست واجبی ہے، جواب دیا کہ ابن ابی لیلی کے فیصلے کے مطابق صحیح ہے، خلیفہ نے کہا اس صورت مین باغ مدّعی کو دلا دو، یہ ابویوسف کی ایک تدبیر تھی،

وفات | ۵ ربیع الاوّل یا ربیع الآخر باختلاف قولین ۱۸۲ھ مین انتقال کیا، انتقال کے وقت انھتّر برس کی عمر تھی،

وفات کے وقت کہا، کاش مین اوس فقر کی حالت مین مرتا، جو شروع مین تھی، اور قضا کے کام مین نہ پھنستا، خدا کا شکر ہے اور اسکی یہ نعمت ہے کہ مین نے قصداً کسی پر ظلم نہین کیا، اور نہ ایک فریق معاملے کی، دوسرے کے مقابلے مین پروا کی، خواہ وہ بادشاہ تھا یا بازاری، وفات کے وقت یہ قول بھی منقول ہے، بارالہا! تو خوب جانتا ہے، کہ مین نے کسی فیصلے مین جو تیرے بندون کے درمیان کیا خودرائی سے کام نہین لیا، تیری کتاب اور تیرے رسول کی سنت کی پیروی کی کوشش کی، جہان مجھکو اشکال پیش آیا، ابوحنیفہ کو اپنے اور تیرے درمیان

لہ ابن عبدالبر کا قول ہے، میرے علم مین کوئی ایسا قاضی سوائے ابویوسف کے نہین، جس کا حکم مشرق سے مغرب تک سارے آفاق مین رواں رہا ہو، شذرات الذہب لابن عماد الحنبلیؒ،

مین واسطہ کیا، اور واللہ وہ میرے نزدیک اون لوگون مین سے تھے، جو تیرے حکم کو پہچانتے تھے، اور کبھی جانکر حق کے دائرے سے نہین نکلتے تھے، یہ بھی موت کے وقت ان کی زبان پر تھا، بارالٰہا! تو جانتا ہے کہ مین نے جانکر حرام نہین کیا اور نہ جانکر کوئی درم حرام کا کھایا،

اون کی علالت کے دوران مین معروف کرخی نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ مین نے سُنا ہے، ابو یوسف زیادہ علیل ہین، تم اون کی وفات کی خبر مجھکو دینا، راوی کا بیان ہے کہ مین دار الرقیق کے دروازہ پر پہنچا، تو ابو یوسف کا جنازہ نکل رہا تھا، دل مین کہا کہ اب معروف کرخی کو خبر کرنے جاتا ہون تو نماز جنازہ نہ ملیگی، چنانچہ نماز مین شریک ہو کر اون کے پاس پہنچا اور خبر وفات سنائی، اون کو سخت صدمہ ہوا، بار بار انا للہ پڑھتے تھے، مین نے کہا یا ابا محفوظ! آپ کو نماز جنازہ مین شریک نہ ہونے کا اس قدر صدمہ کیون ہے، کہا مین نے خواب مین دیکھا کہ مین جنت مین داخل ہوا ہون دیکھتا ہون کہ ایک محل تیار ہوا ہے، اس کا بالائی حصہ مکمل ہو چکا، پردے آویزان کر دیے گئے، غرض ہر طرح پورا ہو چکا، مین نے پوچھا یہ کس کے لئے تیار ہوا ہے، لوگون نے کہا ابو یوسف کے واسطے، مین نے کہا یہ مرتبہ اونھون نے کیونکر پایا، جواب ملا اچھی تعلیم دینے اور اوس کے شوق کے صلے مین اور لوگون نے جو اذیت پہنچائی اوس کے صلے مین،

شجاع بن مخلد کا قول ہے کہ ہم ابو یوسف کے جنازے مین شریک ہوئے، عباد بن العوام بھی ہمارے ساتھ تھے، مین نے اون کو یہ کہتے سُنا، کہ اہل اسلام کو چاہئے کہ ابو یوسف کی وفات پر ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کرین،[1]

---

[1] خلیفہ ہارون الرشید جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے نماز جنازہ خود انھون نے پڑھائی، مقبرہ قریش مین ام جعفر زبیدہ کی قبر کے پاس دفن کیا، محمد بن جعفر کا قول ہے، ابو یوسف کی شان مشہور فضل ظاہر تھا، اپنے زمانے مین سب سے زیادہ فقیہ تھے ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، علم، حلم، ریاست، قدر و جلالت مین انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، طبری نے لکھا ہے ابو یوسف جواد اور سخی تھے [illegible] کا قول ہے، ان کی حدیث لکھی جائے انتہی، ابن مدینی کا قول ہے کہ اکثر علماء ابو یوسف کی فضیلت و عظمت کے قائل تھے، ابن عبد البر کا قول ہے ابو یوسف فقیہ عالم حافظ تھے کثیر الحدیث تھے، شذرات الذہب ابن عماد الحنبلی ج۔

وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس ابو حنیفہ کی صحبت مین رہا، سترہ برس دنیا کے کام مین رہ چکا، میرا گمان ہے کہ

اب میری موت قریب ہے، اس قول کے چند مہینے کے بعد وفات پائی،

ان کے بیٹے یوسف غربی بغداد کے قاضی تھے،

مناقب و جرح — ابن کامل کا قول ہی، کہ یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، اور علی مدینی اون کے ثقہ فی النقل ہونے پر متفق ہین یحییٰ بن معین کا قول ہے، کہ ابو یوسف اصحاب حدیث کی جانب مائل تھے، اور اون کو دوست رکھتے تھے اور مین نے اون سے حدیثین لکھی ہین، امام احمد بن حنبل کا قول ہے، کہ حدیث مین میرے پہلے استاد ابو یوسف ہین، اون کے بعد مین نے اون اور سے حدیث لکھی، ابن مدینی کا قول ہے، کہ ابو یوسف صدوق تھے،

خطیب بغدادی نے اپنا مورخانہ فرض امام ابو یوسف کے حالات مین بھی جرح کے متعلق ادا کیا ہی، اور متواتر روایتین جرح کی نقل کی ہین، اسی کے ساتھ اثنائے بیان مین بعض جرحون کا جواب بھی دیا ہے، جرح سب کی سب غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہین، مواد جرح وہی ہے، جو امام اعظم اور امام محمدؒ کی نسبت جرحون کا ہے، یعنی مرجی ہونا وغیر ذالک، مذکور الصدر کے دونون امامون کے ذکر مین اس پر جو بحث مجمل و مفصل ہو چکی وہی یہان بھی کی جا سکتی ہے، اعادہ تحصیل حاصل، یا لا حاصل، متاخرین ائمۂ رجال نے امام ابو یوسف کے متعلق بھی جرح متروک کر دی ہے، صرف مناقب و تعدیل لکھی ہے،

مثلاً دیکھو تذکرۃ الحفاظ امام ذہبیؒ، اور شذرات الذہب ابن عماد الحنبلی رح،

متقدمین مین سے امام ابن قتیبہ نے معارف مین نہ امام اعظم پر جرح کی ہے اور نہ ابو یوسف پر، حالانکہ دوسرے رجال پر جرح کرتے ہین،

نفسیاتِ حکیم ناصر خسرو

(۲)

از

پروفیسر مقصد ولی الرحمٰن ایم اے، استاد نفسیات جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

(۵)

یہ نفس جس کی تعریف کی کوشش ادھر کی گئی ہے، تین مدارج مین پایا جاتا ہے، اوّل نفس نباتی دوم نفس حیوانی، اور سوم نفس ناطقہ[1]، نفس نباتی مین غذا حاصل کرنے، اپنی نسل کی افزائش کرنے، اور اپنے ہی طرح کے بچے پیدا کرنے کی قوتین ودیعت کی گئی ہین، بلکہ کہنا چاہیے کہ ان ہی تین قوتون کے مجموعے کو نفس نباتی کہتے ہین، نفس حیوانی حیوانات مین ہوتا ہے، اس مین محسوسات کے اخذ کرنے، صورتون کا تخیل کرنے، اور خود اپنے اختیار سے حرکت کرنے کی قوتین ہوتی ہین، ان تینون قوتون کے مجموعے کو نفس حیوانی کہا جاتا ہے، نفس ناطقہ کی وجہ سے جسم انسانی مین نطق، تدبیر، تمیز وغیرہ کی قوتین پیدا ہوتی ہین، یہ قوتین انسان کیلئے مخصوص ہین، ان کے مجموعے کو نفس ناطقہ کہتے ہین۔ ان نفوس مین سے ہر ایک نفس مین تولید بالمثل کی قوت ہوتی ہے، اس کے علاوہ آخری نفوس مین اپنی مخصوص قوتون کے علاوہ ماقبل کے نفس کی قوتین بھی ہوتی ہین، چنانچہ نفس حیوانی مین محسوسات کو اخذ کرنے وغیرہ کی قوتون کے علاوہ نفس نباتی کی بھی تمام قوتین ہوتی ہین، اسی طرح نفس ناطقہ مین اپنی مخصوص قوتون کے علاوہ نفس حیوانی کی تمام قوتین بھی ہوتی ہین یعنی یہ کہ نفس ناطقہ نفس کی تمام امکانی قوتون کا حامل ہوتا ہے [illegible]

---

[1] ان کو حکیم ناصر خسرو نے علی الترتیب نامی حسی اور ناطقہ بھی کہا ہے، دیکھو [illegible] زاد المسافرین ص [illegible]۔

جو مزاج کہ گرمی، سردی، خشکی و تری کی وجہ سے اجسامِ انسانی میں پیدا ہوتا ہے، وہ نفس نباتی کے لئے بمنزلۂ بنیاد
دہیولیٰ کے ہے، اور تمام قوائے نباتی یعنی غذا کا حاصل کرنا، افزائش نسل، اور تولید بالمثل، اجرامِ فلکی کی تاثیر کا نتیجہ ہیں،
ثبوت اس کا یہ ہے کہ یہ قوتیں، جو اس مزاج میں ہوتی ہیں، کلیات یعنی "ارکانِ چہارگانہ" میں موجود نہیں، لہذا یہ کلیات
سے نہیں، بلکہ کسی اور چیز سے حاصل ہوتی ہیں، اب اجرامِ علوی کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز نہیں کہ جس کے آثار اور جس کی
قوتیں ان طبائع "کلیات" تک پہنچتی ہوں، اور جن کا رخ ان کی طرف ہو، یہی اجرام ہیں، جو اجسام سفلی کو محیط ہیں، اور جو
اپنی قوتوں کو نیچے کی طرف ان تک ایصال کرتے رہتے ہیں، چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے، کہ سورج کی شعاعیں اور گرمی
زمین تک پہنچتی ہے، ان ہی اجرامِ علوی کی حرکت کا ثبات مذکورۂ بالا تین قوائے نباتی کے ہم معنی ہے، اور خود یہ حرکت
غیر محسوس اور جسم کو حرکت دینے والی ہے، لہذا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان تین قوتوں کا وجود اجرامِ علوی اور اجرامِ سفلی
میں ان اجرامِ علوی کی حرکات کا نتیجہ ہے، اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر کلیاتِ طبائع اس تاثیر کو قبول کر لیتے، تو تمام طبائع نباتی
ہو جاتے، کیونکہ اگر ایک چیز "الف" کا ایک جزو، دوسری چیز "ب" کے ایک جزو کو قبول کر لیتا ہے، تو کل چیز الف کل
چیز "ب" کو قبول کر لیتی ہے، لیکن معترض نے شاید اس بات پر غور نہیں کیا کہ احاطۂ افلاک اور اجرامِ علوی دونوں
"معدنِ لطائف" ہیں، اور اجرامِ سفلی پر ان کا اثر ہوتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان میں کوئی ایسی قوت ہو، جو ان تمام
اجسام تک پہنچے، نہ ایسی جو بعض تک تو پہنچے اور بعض تک نہ پہنچے، "مدبر حکیم" اور "صانع علیم" نے ان اجسام کو "مکانہائے
معلوم" میں ایک خاص ترتیب سے مرتب کیا ہے، اور ان ہی کی وساطت سے ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ
ملایا ہے، اجرامِ علوی سے آنے والے اثرات اُس مزاج کی تلاش کرتے ہیں، جو عدل سے حاصل ہوا ہے، اور مزاج کی قابلیت
قبول کے مطابق اس کے ساتھ پیوست ہو جاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ اس مزاج کے بعض حصوں کے ساتھ تو یہ اثرات
پیوست ہوں، اور بعض کے ساتھ نہ ہوں، کیونکہ اگر یہ اثرات ایک جزو کے ساتھ پیوست ہوں، اور دوسرے کے
ساتھ نہ ہوں، تو جب یہ اجزا ایک ترکیب میں جمع ہوتے ہیں، تو مقدم الذکر جزو مؤخر الذکر جزو پر ظلم کرتا ہے، اور یہ
صانع حکیم کے عدل کے منافی ہے، پھر اگر کسی مزاج کے اجزائے طبائع متکافی نہیں ہوتے، تو روح (جو غایت الٰہی

کا اثر ہے،) اس کے ساتھ پیوست نہیں ہوتی، کیونکہ یہ روا نہیں کہ "عدل واثر وعنایتِ الہیٰ" سے کوئی چیز ان طبایع کے ساتھ پیوست ہونے کے لئے مرکزِ عالم کی طرف آئے، اور ایک چیز دوسری کے مقابلے میں زیادہ حصہ حاصل کرے اور اسکو حاصل کرنے میں ایک دوسری پر ستم کرے، اس کے علاوہ جب کسی مزاج کے اجزائے طبایع متکافی نہیں ہوتے، تو قوی ضعیف پر ستم کرتا ہے، لہذا اس ستم کی وجہ سے "عنایتِ الہیٰ" اس کے ساتھ پیوست نہیں ہوتی، لہذا ثابت ہوا کہ مزاجِ طبایع (جو انسان کے جسم کے لئے بنایا گیا ہے) کے اندر روحِ نباتی اجرامِ علوی سے آتی ہے، اور یہی مزاج اس روح کیلئے بمنزلہ بنیاد وہیولیٰ کے ہے[1]، یہ بھی دکھایا جاچکا ہے کہ جب مزاج معتدل نہیں ہوتا، تو روح اس کے ساتھ کیوں پیوست نہیں ہوتی، روحِ نباتی[2]، جس کو یہ تینوں قوتیں حاصل ہیں، اس مزاج کو ہیکلِ مردم کے بنانے کے لئے پیدا کرتی ہے، اور یہی روحِ نباتی روحِ حیوانی کے لئے بمنزلۂ بنیاد وہیولیٰ کے ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روحِ حیوانی میں بھی روحِ نباتی کے ذریعہ اجرامِ علوی کی تاثیر سے یہ خاص مزاج پیدا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ روحِ نباتی روحِ حیوانی میں حس، خیال، اور خود اپنی مرضی کے مطابق حرکت کا باعث ہوتی، اور روحِ حسی کہلاتی ہے[3]۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مزاج میں روحِ حیوانی کے پیدا ہو جانے کے بعد یہ روحِ حیوانی روحِ ناطقہ کیلئے موزوں بنتی ہے، یا نہیں، اور یہ کہ اس مزاج میں روحِ ناطقہ کی پیدائش بھی اجرامِ فلکی کی تاثیر سے ہوتی ہے یا نہیں، پھر ایک اور دریافت طلب امر یہ بھی ہے، کہ ایک ایسے مزاج میں جو ہیکلِ مردم کی اصل ہے، ان تینوں ارواح میں سے ہر ایک ایک خاص نسبت میں پائی جاتی ہے۔ یا ہیکلِ مردم میں روحِ ناطقہ کے پیدا ہونے کا حال روحِ نباتی اور روحِ حیوانی کے پیدا ہونے کے حال سے مختلف ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ روحِ نباتی اور روحِ حیوانی، دونوں غذا حاصل کرنے، اپنی افزایش کرنے، اور خود اپنے مثل کو پیدا کرنے کے لحاظ سے تو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ روحِ حیوانی میں حرکت انتقالی ہوتی ہے، یہ اپنے دشمن کو بھی تو

[1] حکیم ناصر خسرو کا یہ تمام استدلال صاف نہیں۔ [2] آیندہ ہر جگہ خیال رکھنا چاہیے کہ ناصر خسرو کے ہاں لفظ روح اور نفس مترادفات ہیں، لہذا کہیں وہ لفظ روح استعمال کرتا ہے اور کہیں نفس۔ [3] زاد المسافرین [illegible]

اور اپنی غذا سے لذت حاصل کرتی ہے، روحِ نباتی میں یہ باتیں نہیں ہوتیں[1]

اوپر کے بیان سے یہ خیال پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کہ روحِ نباتی اور روحِ حیوانی میں ایک فرق اور بھی ہے جس کو ہم نے فراموش کر دیا ہے یعنی یہ کہ حیوان تناسل و توالد کے لئے مخالف جنس کے فرد کا محتاج ہوتا ہے اور نباتات میں یہ بات نہیں ہوتی، لیکن یہ خیال غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ نباتات کی یہ خصوصیت حیوانات کے مقابلے میں "استوار تر اور درست تر" ہوتی ہے، چنانچہ دانوں میں سے بعض نر ہوتے ہیں، اور بعض مادہ، درخت صرف اسی وقت پیدا ہوتے جب نر و مادہ ملتے ہیں، پھر اگر ایک خاص نر اور ایک خاص مادہ کو ملا یا جائے، اور اس کے بعد پھر ان کو الگ الگ کرکے دوسری مادہ یا دوسرے نر کے ساتھ ملا دیا جائے، تو کوئی درخت پیدا نہیں ہوتا، یعنی یہ کہ نباتات کی حالت یہ ہے کہ کوئی دانہ اپنے جفت کو نہیں بدلتا، اگر یہ بدل دیا جاتا ہے، تو کوئی درخت پیدا ہی نہیں ہوتا، برخلاف اس کے حیوانات کا حال یہ ہے، کہ ان کا نر ایک مادہ کو چھوڑ کر دوسری سے ملاپ پیدا کرتا ہے، اور پھر بھی توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اسی واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحِ نباتی کی قوت سے جو خاصیت جفت پکڑنے کی دانوں میں ہوتی ہے، وہ اس خاصیت کے مقابلے میں مستقل تر ہوتی ہے، جو روحِ حسی کی وجہ سے حیوانات میں ہوا کرتی ہے[2]

لیکن روحِ حیوانی اور روحِ ناطقہ میں فرق یہ ہے کہ روحِ ناطقہ خود اپنے جسم کی مشارکت کے بغیر حرکت کر سکتی ہے اور روحِ حیوانی میں مشارکت جسم کے بغیر کوئی حرکت نہیں ہو سکتی، چنانچہ حیوانات تناسل کی غرض سے طلب جفت میں پھرتے ہیں، اپنے دشمنوں سے بھاگتے ہیں، مختلف مقامات میں اپنی غذا تلاش کرتے ہیں وغیرہ اس کے مقابلے میں نفس ناطقہ میں ان تمام حرکات کے علاوہ وہ حرکات بھی ہوتی ہیں جن میں جسم کی مشارکت کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ نفس اپنے طبیعی قوا کی مخالفت کرتا ہے، مثلاً یہ اپنی قوتِ شہوانی کو دباتا ہے، اپنے غصے کو روکتا ہے، اپنی بھوک کو مارتا ہے، اور دیگر اخلاق ناپسندیدہ سے باز رہتا ہے، اس طرح اوس کے قوائے طبیعی حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھتے، پھر بعض اوقات یہ جسم سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ قیاسی مقدمات قائم کرتا ہے، اون سے نتائج

---

[1] زاد المسافرین ص ۲۹۳، ۲۹۴، [2] ایضاً ص ۲۹۴، ص ۲۹۵،

برآمد کرتا ہے اور ان نتائج کو نئے قیاسات کے مقدمات بناتا ہے اسکا مطلب ہوجاتا ہے کہ نفسِ ناطقہ فاعل بھی ہے اور منفعل بھی اور سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے

جواباً کہا جا سکتا ہے کہ نفسِ ناطقہ فاعل تو اس لحاظ سے ہے کہ یہ بدیہیاتِ عقل سے مقدمات وضع کرتا ہے چنانچہ یہ کہتا ہے کہ ہر جسم مکان گیر ہوتا ہے، اور ہر مکان گیر حرکت پذیر ہوتا ہے، ان دونوں مقدمات سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے، کہ کوئی جسم حرکت دینے والا نہیں ہو سکتا، یعنی یہ کہ جسم کو حرکت دینے والی چیز مکان گیر نہیں ہو سکتی، اور چونکہ یہ مکان گیر نہیں لہٰذا یہ جسم نہیں، اس طرح اس فعل میں یہ خود اپنا مفعول بن جاتا ہے، اتنی ہی مختصر گفتگو سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر چند نفسِ نباتی و نفسِ حیوانی حرکت دینے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن ان کا حرکت دینا ویسا نہیں، جیسا کہ جسم کا حرکت دینا ہے، اسی سے واضح ہوجاتا ہے کہ نفسِ ناطقہ میں یک قوت ایسی ہے کہ جس سے یہ جسم کو بھی حرکت دیتا ہے، اور خود اپنے آپ کو بھی یہ نفسِ حیوانی کو خشم، شہوت، حسد وغیرہ سے روکتا ہے ور یہی وہ قوتیں ہیں، جو نفسِ حیوانی کو حرکت دیتی ہیں،[1]

اب مقدماتِ قیاسی سے نتائج حاصل کرنے میں جو حرکت نفسِ ناطقہ خود اپنے آپ کو دیتا ہے وہ قوتِ عقل کے ذریعہ ہوتی ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ نفسِ ناطقہ کی قوتِ جنبانندہ بے نہایت ہوتی ہے، یہ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ آرام نہیں کرتا، اور اکتسابِ مقدمات اور استخراجِ نتائج میں ہمیشہ مصروف رہتا ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ اُن اعراض و حرکات کو قبول کرنے میں نہیں تھکتا، جو اس کے لائق ہیں، اسی قبول کرنے کو علم کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں اجسام اُن اعراض کو قبول کرنے میں تھک جاتے ہیں، جو اُن کے لائق ہیں چنانچہ اگر کوئی چیز سیاہ ہوتی ہے، تو پھر بعد میں وہ اور سیاہی کو قبول نہیں کرتی نفسِ ناطقہ کا حال یہ ہے کہ جس قدر زیادہ علم یہ حاصل کرلیتا ہے اسی قدر زیادہ قابل یہ اس نئے علم کو حاصل کرنے کے ہوجاتا ہے جو اب تک اس کو حاصل نہیں ہوا، اجسام کا حال یہ نہیں چنانچہ جب کوئی جسم سیاہی قبول کرلیتا ہے، تو مزید سیاہی کو کم قبول کرتا ہے، اور جتنی زیادہ سیاہی قبول کرتا جاتا ہے، اس کی قابلیتِ سیاہی پذیری اسی قدر کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک یہ قابلیت بالکل ختم ہوجاتی ہے، مختصر یہ کہ نفسِ ناطقہ کی قوت بے نہایت ہوتی ہے، یہ اپنی ذات کیلئے فاعل ہے

---

[1] زاد المسافرین ص۲۹۵، [2] ایضاً ص۲۹۶ زمانہ حال کی نفسیات اسی کو اس طرح بیان کرے گی کہ نفسِ ناطقہ احساسی تہیجات کو وصول بھی کرتا ہے اور استدلال بھی کرتا ہے، پہلی حالت میں یہ منفعل ہے، اور دوسری میں فاعل،

اور اوس کی ذات اوس کے لئے منفعل[۵۱]، اس کا حال روحِ نباتی، یا روحِ نمائی، اور روحِ حیوانی یا روحِ حسی سے مختلف ہے، حالانکہ یہی دونوں ارواح باعتبار وجود اس پر مقدم ہیں، اسی سے منتج ہوتا ہے، کہ ہیکل مردم میں اس کی پیدایش بھی ان دونوں کی پیدایش سے مختلف ہے[۵۲]

خلاصہ اس تمام طویل بحث کا یہ ہے کہ نفسِ نباتی نفسِ حیوانی اور نفسِ ناطقہ تینوں میں یہ بات مشترک ہے، کہ ان کی پیدایش اور ابتدا مزاج جسدی کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتی، لیکن مقدم الذکر دو نفوس (طبقسی یعنصری) مزاج میں اجرام فلکی کی تاثیر سے پیدا ہوتے ہیں، اور نفسِ ناطقہ کی پیدایش اس سے مختلف ہوا کرتی ہے، چنانچہ "دینِ حق" (اسلام) کے حکما، اور متقدمین فلاسفہ میں سے وہ جن کو "متالہین" کہا جاتا ہے، دونوں اس پر متفق ہیں، کہ نفسِ ناطقہ الٰہی اور ابداعی جوہر ہے[۵۳]، اور صفاتِ الٰہی کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اسی کو بقائے ابدی ہے یعنی جسم کو فنا کے بعد بھی یہ بذاتِ خود قائم رہتا ہے[۵۴]، اس کے برخلاف

---

[۵۱] ناصر خسرو کی اصل عبارت یہ ہے:- ...... "وفاعل است مرذاتِ خویش را، و ذاتِ او مر او را منفعل است" (ص۲۹۵) یہ جملہ ابہام انگیز ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ناصر خسرو کے نزدیک نفسِ ناطقہ بحیثیت فاعل اور نفسِ ناطقہ بحیثیت منفعل، یا خود اس کے الفاظ میں اوس کی ذات دو علیحدہ علیحدہ اور قائم بالذات چیزیں ہیں۔ اصلیت یہ نہیں، ناصر خسرو کے نزدیک نفسِ ناطقہ ایک ہی ہے، یہی فاعل بھی ہے، اور منفعل بھی یعنی فعل و انفعال اس کے دو شئون ہیں، اس کو ہم چند سطریں قبل ہی واضح کر چکے ہیں، زمانۂ حال کے فلاسفہ و ماہرین نفسیات بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ کانٹ ذات فاعل کو "خالص ایغو" (Pure ego) اور ذاتِ منفعل کو "تجربی ذات" (Empirical self) کہتا ہے، ولیم جمیس ان کو علی الترتیب ذات بحیثیتِ عالم (Knower) اور بحیثیتِ معلوم (Known) یا مختصراً علی الترتیب محض "میں" ("The I") اور "مجھ" ("The me") کے نام سے موسوم کرتا ہے، انی زمانہ یہ عقیدہ بہت سے نئے مسائل کی تخلیق کا باعث ہوا ہے، [۵۲] زاد المسافرین ص ۲۹۶، ۲۹۷، [۵۳] دیکھو حاشیہ ص ۴۲

[۵۴] حکیم ناصر خسرو شاید بھول گئے، کہ وہ ص۵۴ اور ص۵۵ پر نفسِ مطلق، نہ کہ نفسِ ناطقہ کے متعلق کہہ آئے ہیں، کہ "آن جوہر بذاتِ خویش زندہ است، (ص۵۴) اور "پس ظاہر کردیم کہ اندر ما گوہریست کہ بذاتِ خویش زندہ است، ...... و پس از فنائے جسد باقی ست" (ص۵۵) اصل یہ ہے کہ ماہیتِ نفس کی تمام بحث میں اونھوں نے نفس (یا روح) کے ان تین مدارج کو پیش نہیں رکھا ہے، ماہیتِ نفس کے متعلق اونھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے، اس میں نفس سے اُن کی مراد غالباً "نفسِ ناطقہ" ہے، لیکن بحث کے دوران میں انھوں نے

مقدم الذکر دونوں روحوں کا ثبات و وجود کالبد کے ثبات و وجود پر موقوف ہے اور کالبد کا ثبات و وجود اجرام فلکی کی تاثیر سے ہے[1]

(۶)

نفس ناطقہ میں دو بڑی بڑی قوتیں ہوتی ہیں، ایک قوتِ علم اور دوسری قوتِ عمل، قوتِ علم کا پہلا کام اس اعتقاد کے ساتھ چیزوں کا تصور کرنا ہے، کہ یہ چیزیں ایسی ہی ہیں، افضل ترین عمل جو نفس کو اس قوت سے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ توحید پر اس کا اعتقاد مبنی بر صدق و یقین ہو، قوتِ عمل کا پہلا کام یہ ہے، کہ اس چیز کے طلب کی آرزومند ہو، جو اس کے جوہر میں مرکوز ہے، اور یہ طلب بقائے ابدی کی خاطر ہو، جس نفس میں دونوں قوتیں اور یہ دونوں فعل نہیں ہوتے وہ نفس بہیمی ہوتا ہے، اور جو نفس کہ دونوں کاموں سے نہیں تھکتا، وہ نفس فرشتگی ہوتا ہے، اس لحاظ سے نفس و جسم کا اتحاد اسی وجہ سے ہے کہ یہ دونوں قوتیں فعلیت میں آجائیں، چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ جسم نفس کیلئے ایک عمدہ سواری ہے جس کے ذریعہ وہ (نفس) منزل قوت سے دیار فعل کی طرف آتا ہے[2]

(۷)

اوپر نفس کی دو بڑی بڑی قوتوں کا ذکر ہوا ہے ایک قوت علمی اور دوسری قوت عملی ان میں سے قوت علمی میں حواس کی وساطت سے فعلیت ہوتی ہے، یہ حواس پھر دو قسموں کے ہوتے ہیں، اول حواس ظاہری، اور دوم حواس باطنی، بالفاظ دیگر یہی دو قسموں کے حواس ہمارے ہر قسم کے علم کے ذرایع ہیں، اوراق آیندہ میں انھی حواس پر علٰحدہ علٰحدہ بحث ہوگی پہلے ہم حواس ظاہری کو لیتے ہیں،

حواس ظاہری پانچ ہوتے ہیں، لامسہ، ذائقہ، سامعہ، شامہ، اور باصرہ[3] یہ نفس کے گویا پانچ جسمانی آلات ہیں جن سے

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۳۶) نفس نباتی اور نفس حیوانی کو بھی شامل کر لیا ہے، اسی سے بعض جگہ خلط مبحث پیدا ہو گیا ہے، چنانچہ صہ ۵ پر نفس کے متعلق کہا ہے، کہ "آن جوہر بذات خویش زندہ است" اور صہ ۲ پر اندرما کے الفاظ اضافہ کر کے نفس کو نفس ناطقہ کے ہم معنی کر دیا، پھر ادھر جو کچھ بھی کہا ہے، وہ صراحۃً نفس ناطقہ سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ نفس مطلق سے، [1] دلائل قرآن ص ۲۷-۲۹ [2] ایضاً ص ۲۳-۲۴

[3] حکیم ناصر خسرو کی ادبی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں، بجہاں امکان عربی الفاظ سے اجتناب

کہ وہ چیزون کا علم حاصل کرتا ہی، ان حواس مین سے بعض دوسرون کے مقابلے مین شریف تر ہوتے ہین، اوران کا یہ شرف اس منفعت اور مضرت کے مطابق ہوتا ہے جس کو یہ حواس پیدا کرتے ہین، اس لحاظ سے جس جس مین منفعت زیادہ ہو، وہ شریف تر ہے، لیکن بے سخن حیوانات مین یہ شرف ذرا مختلف اصول پر ہوتا ہی،

ان حواس مین سے حاسۂ لمس عام ترین ہی، اس وجہ سے بھی کہ یہ تمام حیوانات مین ہوتا ہے، اوراس لحاظ سے بھی کہ لمس کی قابلیت اس کے تمام جسم مین ہوتی ہی، حیوان کیلئے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو درد و رنج اس کیلئے مہلک ہوتا ہی، اسکو اس حاسہ سے معلوم کرکے اس سے پرہیز کرتا ہے، پھر مجامعت کی لذت کے سبب سے اپنے جوڑے کو اسی حاسہ کی مدد سے تلاش کرتا ہے تاکہ اپنی نوع کو فنا ہونے سے محفوظ کرے، اسی طرح حاسۂ ذوق مین حیوان کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اسی کی وجہ سے اپنی غذا کی طرف رغبت کرتا ہی، بے سخن حیوانات مین حاسۂ لمس حاسۂ ذوق کے مقابلے مین افضل ہوتا ہی، اسی وجہ سے کہ ان مین حاسۂ ذوق ضعیف ہوتا ہے، اوراس سے اوسکو لذت بھی کم حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ غذا کی طرف جوان کو رغبت ہوتی ہی، وہ بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے، نہ اس وجہ سے کہ وہ خوش ذائقہ اور بدذائقہ غذا مین تمیز کرتے ہین، چنانچہ پرندے عام طور پر دانون کو بغیر توڑے کھاتے ہین، لہذا وہ ان کے ذائقے کو محسوس ہی نہین کرسکتے، اس کے مقابلے مین لمس سے وہ درد و رنج سے اجتناب کرتے ہین، اپنے جوڑے کو حاصل کرتے ہین، اوراپنی نوع کی نگہداشت کرتے ہین، حاسۂ سمع مین حیوانات کے لئے بہت کم منفعت ہوتی ہے، دلیل اسکی یہ ہے، کہ اکثر حیوانات مین یہ حاسہ ہوتا ہی نہین، چنانچہ سانپ، مچھلی، چیونٹی، چوہا، مکھی، اور بعض پرندے اس سے محروم ہوتے ہین[1] اس محرومی کے باوجود ان کی پیدایش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۳) کرتے ہین، چنانچہ زادالمسافرین مین اونھون نے کثرت وتعدد کیلئے بسیاری، موجد یا خالق کیلئے باشانندہ، صاعد کیلئے برشوندہ، ماہیت کیلئے چہ چیزی، علت کیلئے چرائی، عرض، طول، عمق اور ارتفاع کیلئے علی الترتیب پہنا، درازا، ژرفا اور بالا، قوت ارادہ کیلئے خواست وغیرہ استعمال کئے ہین، اپنے اسی میلان کے زیر اثر اونھون نے ان حواس ظاہری کے عربی نامون کی بجائے فارسی نام وضع کئے ہین، چنانچہ وہ لامسہ کو بسایندہ، ذائقہ کو چشندہ، سامعہ کو شنوندہ، شامہ کو بویندہ اور باصرہ کو نگرندہ کہتے ہین، ڈاکٹر رحمن نے کتاب کے آخر مین ان الفاظ کا ایک مختصر فرہنگ شامل کیا ہی، [1] یہ بیان ذرا مشکوک ہی، چنانچہ مشہور بات ہو کہ سانپ کے کان بہت تیز ہوتے ہین، اسی طرح چوہے مین بھی سماعت کا نہ ہونا بہت مشکوک ہے،

اور زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، حالانکہ یہی کمال حیوان ہے، حاسۂ شامہ کا فائدہ یہ ہے، کہ بے سخن حیوان اسی کے ذریعے مفید و مضر غذا میں تمیز کرتا ہے، چنانچہ جو سبزہ کہ ان کے لئے زہر ہے، اور چوپائی کہ ان کے لئے شوروار ہے، اس سے وہ اسی قوت کی مدد سے پرہیز کرتے ہیں، ان حیوانات میں یہ حاسہ اکثر دیگر حواس پر فضیلت رکھتا ہے، چنانچہ شکاری کتا جھاڑیوں اور کھیتوں میں اسی کی مدد سے زندہ پرندہ کا پتہ لگاتا ہے، اور چیونٹی بڑی سے دانے کے مقام کو معلوم کرکے اوس کو اپنے سوراخ میں لے آتی ہے، حاسۂ باصرہ حیوانات کے لئے بہت زیادہ سودمند اور نفع بخش ہے، یہ اسی کی مدد سے اپنے دشمن اور دوست میں مدد کرتے ہیں، اس کے علاوہ اسی سے وہ مرغوب غذا کو طلب کرتے، اور ضرر رسان اور مہلک مقامات سے دور بھاگتے ہیں

لیکن نفس ناطقہ کے لئے حاسۂ سامعہ باقی تمام حواس پر افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو دیگر نفوس پر جو فضیلت حاصل ہے، وہ صرف اس بنا پر ہے کہ یہ علم پذیر ہے، جس نفس کو حاسۂ سامعہ نہیں ہوتا، اس کو نہ تو بولنا آتا ہے، نہ وہ علوم ریاضی یا دیگر علوم حاصل کرسکتا ہے، یہاں تک کہا جاسکتا ہے، کہ جو شخص گنگ ہو، وہ درجہ مردمی سے ساقط ہے، نفس ناطقہ کے لئے حاسۂ شامہ سب حواس سے کمتر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص میں یہ حاسہ نہیں، اس کو سب سے بڑا نقصان یہ پہنچتا ہے، کہ وہ خوشبوؤں کو حاصل نہیں کرسکتا، لیکن اس کی تلافی اس طرح ہوجاتی ہے، کہ وہ بدبوؤں سے بھی محفوظ رہتا ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ نفس ناطقہ کے لئے جو حاسہ شریف ترین ہے، یعنی حاسۂ سامعہ وہ بے سخن حیوانات میں خسیس ترین ہے، اور جو اس کیلئے خسیس ترین ہے، یعنی حاسۂ شامہ، وہ حیوانات کیلئے شریف ترین ہے، انسان میں قوتِ ذائقہ بہت لطیف اور قوی ہوتی ہے، اسی سے وہ چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے، اور بھوک کی لذت، یا تکلیف، کے علاوہ وہ لذتیں حاصل کرتا ہے، کہ بے سخن حیوانات کو میسر نہیں آتیں، حواس لامسہ اور باصرہ کے اعتبار سے انسان اور حیوانات میں کوئی فرق نہیں، دونوں ان حواس کی وجہ سے اپنے آپ کو گرمی اور سردی کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں، جنسی کھانے کی لذت حاصل کرتے ہیں، تاکہ ان کی نوع تلف نہ ہوجائے، اپنے دشمن سے دور بھاگتے ہیں، اور مہلک مقامات سے کنارہ کرتے ہیں، بر ایں ہمہ جو مخصوص منافع کہ نفس ناطقہ کو حواس سے حاصل ہیں، اور جن تک حیوانات کی رسائی نہیں اُن میں سے ایک علم ہے۔ اسی علم کی وجہ سے وہ حیوانات پر فضیلت رکھتا ہے

بے علم انسان تو گائے بیل کی مانند ہوتا ہے، اور باعلم فرشتوں کا ہم مرتبہ ہوتا ہے، بے علم انسان کے نفس تک یہ علم دو راستوں سے پہنچتا ہے، ایک قول اور دوسرا کتابت،[1] قول سے استفادہ ممکن ہوتا ہے سامعہ کی وجہ سے، اور کتابت سے باصرہ کی مدد سے، یعنی اگر سماعت نہ ہو، تو قول کو سُن نہیں سکتے، اور اگر بصارت نہ ہو تو تحریر کو پڑھنا ناممکن ہے، ان دو حواس کے ذریعے علم حاصل کرنے کے بعد انسان گائے بیل کے درجے سے ترقی کرنے کے بعد فرشتہ بن جا سکتا ہے، اسی واسطے کہا جا سکتا ہے، کہ انسان کے لئے یہ دونوں حواس باقی ماندہ حواس کی بہ نسبت افضل ہیں، پھر ان دونوں میں سے سامعہ باصرہ کے مقابلے میں بھی شریف تر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مادرزاد اندھا ہو، لیکن اس کی قوتِ سماعت درست ہو تو وہ سن کر ہی بہت علم حاصل کر سکتا ہے، اگرچہ وہ شکلوں اور رنگوں کا تصور نہیں کر سکتا، اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص مادرزاد بہرا ہے، تو اسے بولنا ہی نہیں آتا، نہ وہ کوئی علم حاصل کر سکتا ہے، حالانکہ اس کی قوتِ بصارت میں کوئی فتور نہیں، اس کو ایسا پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے، جس میں وہ اشاروں سے کام چلا سکے، مختصر یہ کہ جس طرح نفسِ نامیہ (نباتی) کا کمال یہ ہے کہ وہ نمو پذیر ہو، اسی طرح نفسِ ناطقہ کا کمال یہ ہے کہ وہ علم پذیر ہو، اور نفسِ ناطقہ کا یہ کمال بغیر ان دو حواس کے حاصل نہیں ہو سکتا، اسی بنا پر ان دونوں حواس کو دیگر حواس کے مقابلے میں شریف تر مانا گیا ہے، جو فائدے کہ انسان کو ان دو حواس سے حاصل ہوتے ہیں، ان سے بے سخن حیوان محروم رہتا ہے، یہ نفسِ ناطقہ کیلئے مخصوص ہوتے ہیں، پھر یہ شخص درجۂ علوم پر پہنچتا ہے، تو ان فوائد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ ناطقہ کے یہ دونوں حواس زیادہ تر پذیر ہوتے ہیں،[2]

(۸)

جن حواسِ ظاہری کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان سے انسان صرف محسوسات کا علم حاصل کر سکتا ہے، معقولات کو حاصل کرنے کیلئے اس کو حواسِ باطنی کی ضرورت ہوتی ہے، کسی قول کی محض آواز یا کسی تحریر کی شکل و صورت تو محسوسات میں سے ہے، اور اس آواز اور اس تحریر کے معنی معقولات میں سے، لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے،

---

[1] زادالمسافرین ص۱۲، ۱۶، [2] ایضاً ص۱۶-۲۲

کہ جو کچھ بھی حواس باطنی سے حاصل ہوتا ہے، وہ بالضرورت حواس ظاہری کے راستے سے گذر چکا ہوتا ہے[1] چنانچہ مادرزاد اندھا شخ
رنگوں اور شکلوں، اور مادر زاد بہرا شخص آوازوں اور لحنوں کا تخیل کر سکتا ہے، نہ ان پر فکر کر سکتا ہے، حواس ظاہری کی طرح حوا
باطنی بھی پانچ ہیں، تخیل، وہم، حفظ، فکر، اور ذکر، یعنی یاد کرنا، سطور آیندہ میں انہی پر بحث ہوگی،

حواس باطنی میں سے وہم گویا حرکت فکر ہے، یا عقل کی سب سے پہلی حرکت ہے، اس کے پس پشت حس ہوتی ہے، بعض
چیزوں میں حس نہیں ہوتی، اس میں وہم بھی نہیں ہوتا، لیکن حس کے مقابلے میں وہم زیادہ خطا پذیر ہوتا ہے، چنانچہ انسان اکثر ز
چیزوں کو سودمند سمجھتا ہے، اور بالعکس سودمند چیزوں کو زیانکار، وہم اور حس میں فرق یہ ہے، کہ حس کی فعلیت بیداری میں
ہے، اور وہم کی بیداری اور خواب دونوں میں، اس کے علاوہ حس سے حاضر اشیاء کا علم ہو سکتا ہے لیکن وہم سے حاضر اور غائ
اشیاء معلوم کی جا سکتی ہیں، حیوان میں وہم کا وہی درجہ ہوتا ہے، جو انسان میں عقل کا ہوا کرتا ہے، لیکن وہم کا اثر عقل کے
کی نسبت کمتر درجہ ہوا کرتا ہے، انسان کی قصدی حرکات فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں اور وہم نفس بہیمی کی حرکت ہے[2]، اس کی تعریف
کہ یہ قوت ہے جس سے ہوا کی وساطت سے اشیاء دریافت کی جاتی ہیں، یا یہ کہ یہ وہ قوت ہے، جو محسوسات کے اثر کو قبول کرتی ہے
اس کے مقابلے میں قوت تخیلہ یا تخیل وہ قوت ہے، جو محسوسات کی صورت کو اُن کے ہیولیٰ سے مجرد کرکے ان کی نگہداشت

[1] کتاب زاد المسافرین کا جو قلمی نسخہ کیمبرج میں ہے، اس پر حاشیہ اور شرح بھی ہے، اس موقع پر حاشیہ نویس اور شارح کا ف
بہت بصیرت افروز ہے،:— ..... "تخیل در چیزے مے تواند کرد کہ اول از حواس ظاہر یافتہ باشد، وہمچنین تفکر و توہم واندر چیزے
بحواس ظاہر نیافتہ باشد، از راہ حواس باطن نمی تواند دانست، واگر کسی گوید کہ چیزے را تخیل و توہم کند، کہ بحواس ظاہر نیافتہ باشد، مثل
آدم دو سرو دریائے زیبق وامثال این گوئیم کہ چون آدم، و سر را، ہر دو را دیدہ و ہمچنین دریا و زیبق را تفصیل و ترکیب کن
کار متفرقہ است، و این کار ہا کنند" (ص ۴۸ و ص ۴۹) زمانہ حال کے ماہرین نفسیات بھی اپنی اپنی کتابوں میں تخیل کی بحث میں
گویا اسی فارسی عبارت کا ترجمہ کر دیتے ہیں، چنانچہ دیکھو نفسیات مصنفہ پروفیسر تخیل ص ۲۰۳، [2] لیکن چند سطر میں قبل
ہی کہا گیا ہے، کہ "وہم نخستین حرکت عقل است" (ص ۲۳) اور عقل نفس ناطقہ کے لئے مخصوص ہے، لیکن اب یہاں وہم کو نفس بہیمی کی حرکت
کہا جا رہا ہے، جو عقل سے معرا ہوتا ہے، اس تضاد کا کیا حل ہے؟

کرتی ہے، یہ قوت دماغ کے سامنے کے حصہ مین ہوتی ہے[1] قوتِ متخیلہ ان صورتون کو مجرد کرکے ان کو قوتِ حافظہ[2] کے سپرد کرتی ہے، یہ بھی ایک حسِ باطنی ہے، اور یہ موخر دماغ مین ہوتی ہے، ایک اور حسِ باطنی ذاکرہ ہے، جو ان محفوظ صورتون کو حفظ مین سے واپس نکالتی ہے، قوتِ حافظہ اور قوتِ ذاکرہ مین سے مقدم قوتِ حافظہ ہوتی ہے، کیونکہ جب تک کہ کوئی چیز حفظ نہ کی جائے، اس وقت تک اس کا احیار، یا تذکرہ ممکن نہین ہوسکتا، جب قوتِ متخیلہ "صورتہائے شخصی، یا صورتہائے قولی، یا صورتہائے کتابی" مین سے ایک صورت کو اس کے ہیولی سے مجرد کرتی ہے، اور قوتِ حافظہ کے سپرد کرتی ہے، تو قوتِ حافظہ اس صورت کی نگہداشت کرتی ہے، پھر جو صورت کہ قوتِ متخیلہ اس کے بعد اسکے سپرد کرتی ہے، قوتِ حافظہ اس کا مقابلہ پہلے کی صورت کے ساتھ کرتی ہے، جب یہ ان دونون کو ایک دوسرے کے مشابہ پاتی ہے، تو اوس کو وہی صورت سمجھتی ہے اور جب یہ صورتین ایک دوسری سے نہین ملتین، تو جان لیتی ہے کہ یہ دو ہین،

ان تمام حواسِ باطنی کے وظائف کو حکیم ناصر خسرو نے ایک لطیف تشبیہ کی صورت مین بیان کیا ہے، کہتے ہین کہ قوتِ متخیلہ جو صورتون کو اُن کے ہیولی سے مجرد کرتی ہے، گویا ایک لکھنے والا شخص ہے، جو "صورتِ قول" کو اس کے ہیولی یعنی ہوا اور آواز، اور "صورتِ نوشتہ" کو اس کے ہیولی یعنی سیاہی وکاغذ و حروف وغیرہ سے مجرد کرکے اس صورت بے ہیولی کو قوتِ حافظہ کے اندر لکھتا ہے، دوسرے الفاظ مین جو کچھ انسان کے حافظے مین ہوتا ہے، وہ نفسانی کتابت ہے، جس کو نفس قوتِ متخیلہ کے قلم سے حافظے کے کاغذ پر لکھتا ہے، چنانچہ ہم جانتے ہین جب ہم کسی تحریر، یا قول کو حفظ کرتے ہین، تو حروف والفاظ

---

[1] شارح کا خیال ہے کہ:- "مراد از قوتِ متخیلہ حس مشترک است کہ مرجعِ محسوسات را کہ ہمہ حواسِ ظاہر دریابند دریابد و آن صورتہا را بجزا نہ خیال سپارد، نہ قوتِ متخیلہ کہ جمہور آن را غیر حس مشترک دانند و کار او ترکیب و تحلیل صور است و مکان آن را کہ در مقدم دماغ گفتہ نیز موید ہمین است" (صفحہ ۴۹) [2] شارح کے نزدیک:- "مراد از قوتِ حافظہ درین جا قوتِ خیال است، کہ حافظ و نگاہدارندۂ صورت است، نہ قوتِ حافظہ کہ مصطلح قوم است کہ آن حافظ و نگاہدارندۂ معانی جزئی است، کہ واہمہ ادراک نمود، پس قوتِ حافظہ بمعنی لغوی است نہ اصطلاحی، اما تعیین مکان این قوت کہ حافظ صورت است موخر دماغ کردن درست است، مگر گوئیم کہ موخر بطنِ اول دماغ باشد" (صفحہ ۴۹)

تو غائب ہو جاتے ہیں، اور وہ صورتِ مجرد باقی رہ جاتی ہے، جس کو قوّتِ متخیلہ نے منتزع کرکے قوّتِ حافظہ کے سپرد کیا ہے۔ قوّتِ ذاکرہ گویا ایک شخص ہے، جو اس کتابتِ نفسانی کو پڑھتا ہے، چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ قوّتِ ذاکرہ جب چاہتی ہے اُن نوشتوں کو پڑھ لیتی ہے، جو حفظ ہیں، اور خود وہ نوشتے اپنے اپنے حال پر باقی رہتے ہیں، اس کتابت کا حال عام جسمانی کتابت کا نہ کہ ان کو خواہ کتنا ہی پڑھا یا سنا جائے، ان کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے، کہ نفس قوّتِ ذاکرہ کی مدد سے اُس "نوشتہ نفسانی" کو پڑھ سکتا ہے، جس کو قوّتِ متخیلہ نے حافظہ کے کاغذ پر لکھا ہے، اور اس پڑھنے آواز اور حروف شنودنی کو ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، چنانچہ اگر ہم کوئی شعر حفظ کر لیں، تو پھر بعد میں باآوازِ بلند پڑھے بغیر اس کا اعادہ کر سکتے ہیں،

مندرجۂ بالا تشبیہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ جس طرح نفس کی ظاہری کتابت و کتابۃ ہوتی ہے، اسی طرح باطنی کتابت و کتابۃ بھی ہوتی ہے، اور جس طرح اس کی ظاہری گفتاری و گفتہ ہوتا ہے، اسی طرح باطنی گفتاری و گفتہ ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ ظاہری جو کچھ ہے، وہ "ہیولیات مصورہ" ہے، اور باطنی جو کچھ ہے، وہ "صورتِ بے ہیولیٰ" لہٰذا ضروری ہے کہ ان مجرد صورتوں کو حاصل کرنے والی قوّتیں لطیف ہوں، یہ قوّتیں حواسِ باطن ہیں، باوجود اس کے کہ محسوسات مدرکۂ بکثرت ہیں، لیکن پھر بھی یہ حواسِ باطن ان سب کیلئے تنگ نہیں، ان تمام "صورتہائے ہیولانی" کا نمایندہ مشاعرِ جسم میں یہی حواسِ ظاہری ہیں، ان حواس کی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ دو چیزوں کو بیک وقت اور بیک جا حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ ایک ایک کے پاتے ہیں، محسوسات ان کے اندر پہنچ کر ایک دوسرے کی مزاحمت کرتے ہیں، اور ان کے لئے ان حواس کے اندر جگہ تنگ ہو جاتی ہے، چنانچہ ایک ہی مقام پر دو حرف نہیں لکھے جا سکتے، اس کے مقابلے میں کتابتِ نفسانی میں بہت سے مختلف صور جگہ پاتے ہیں، اور ان کے آپس میں نہ مزاحمت ہوتی ہے، نہ اُن کے لئے جگہ کی تنگی ہوتی ہے[1]

---

[1] زاد المسافرین ص۱۲-۱۲۶ حکیم ناصر خسرو نے اپنی مثنوی روشنائی نامہ (مطبوعہ کاویانی ص۹) میں حواسِ ظاہری و باطنی و ردّ نگہ وظائف کو بہت خوبی اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، کہتے ہیں:-

ترا زین خان شش سورہ گزر شد، | درین خان خانہ تو پنج در شد،

خلاصہ یہ کہ قدرت نے اشیائے عالم کو دریافت کرنے کیلئے دو آلات بنائے ہیں، ان میں سے ایک تو حواس ظاہری ہیں جن سے محسوسات ومشاہدات دریافت کئے جاتے ہیں، اور دوسرے حواس باطنی ہیں جن سے نامحدود و نامتناہی چیزیں دریافت کی جاتی ہیں، اب چونکہ انسان اپنے حواس ظاہری سے تمام متناہیات وجسمانیات کو دریافت اوران کے تمام منافع وفوائد کو حاصل کرلیتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ وہ حواس باطنی سے نامتناہیات کو دریافت اور قبول، اور اون کے تمام فوائد کلی کو حاصل کرے کہ اسی کا نام عقل ہے، ہمارے اس دعویٰ کی، کہ انسان نے اپنے حواس ظاہرے تمام اون فوائد ولذات ومنافع کو حاصل کرلیا ہے، جو اس دنیا میں موجود ہیں، اور اب کوئی چیز ایسی نہیں رہی جس کو اوس نے چھوڑ دیا ہو، یا جو اس سے پوشیدہ رہی ہو، دلیل یہ ہے کہ زمانہ دراز گذر گیا، اور اب تک کوئی نئی چیز ایسی پیدا نہیں ہوئی کہ انسان پہلے ہی سے اوس سے واقف نہ ہو[۵۱]

(بقیہ حاشیہ ۳۴۴)

کشادہ ہر درے در بوستانے	زہر درا اندر آید کاروانے،
اگرچہ اندرین خانہ غریبی،	ازین بر پنج دریا بانصیبی،
یکے چشمت کو بیند عجائب،	شود زین دیدنی رائے تو صائب،
دگر گوشت کہ شہر او کلامست،	دلت را زان معانی بس تمامست،
دگر بینی کہ بوئے گل پذیرد،،	دماغ ودل زبویش ذوق گیرد
زذوق ولمس نعمت ہست بہرہ،	چو نرمی یا درشتی دست بہرہ
حواس ظاہر اند این پنج باطن،	بود پنج دگر اے یار محسن ؛
خیال و وہم فہم وحفظ دیگر،	کہ حس مشترک خوانیش بر سر،
خطا بینند بازاین پنج گانہ ؛	توانی راست بین شان کرد یانہ
ریاضت کش مراد وراست بین کن،	پس آنگاہے گمانت را یقین کن،
چو اینہا راست بین گشتند از آن پس	ترا سرمایہ این اندر جہان بس،
کشادہ گردد آنگہ چشم بینش،	ببینی آن ورائے آفرینش ؛

۵۱ یہ دلیل بہت ہی عجیب وغریب ہے، اس کو تسلیم کرلینے سے کیا انسان (نعوذ باللہ) عالم الغیب والشہادہ نہیں بن جاتا؟

اب رہا یہ دعویٰ کہ انسان حواس باطنی سے نامتناہیات پر اطلاع پاتا ہے، سو اس کی دلیل یہ ہے، کہ حواس باطنی کی قوت بھی نامتناہی ہے، چونکہ متناہی قوت والے حواس یعنی حواس ظاہری سے موجوداتِ متناہی سے واقفیت ہوتی ہے، لہذا ظاہر ہے کہ نامتناہی قوت والے حواس یعنی حواس باطنی، موجوداتِ نامتناہی کا علم مہیا کرینگے خصوصاً اس لئے بھی کہ نامتناہیات کی اصل یعنی عقل بھی انسان کو عنایت ہوئی ہے، اس پر معترض کہہ سکتا ہے، کہ جب انسان نامتناہی پر مطلع ہوجاتا ہو، تو یہ نامتناہی اس کے لئے متناہی بن جاتا ہے، چنانچہ اگر یہ صحیح ہے کہ آسمان اپنی اس وسعت کے باوجود آنکھ کے تل میں سما سکتا ہے، اور اس قدر مختلف و متلون صورتیں قوتِ متخیلہ میں جو کاسہ سر کے اندر ہے، جگہ پا سکتی ہیں، تو یہ بھی صحیح ہے کہ نامتناہیات اپنی بے نہایتی کے باوصف نامتناہی قوتوں کو متناہی کر دیں، لیکن ہمارے اس قول کی تائید کہ انسان اپنے حواس باطنی سے روحانیات کے کلیاتِ نامتناہی سے مطلع ہوجاتا ہے، حواس ظاہری کے ضائع نہ ہونے سے ہوتی ہے، اس کے علاوہ جب انسان حواس ظاہری سے تمام فوائد جسمانیات کو حاصل کر لیتا ہے، تو ضروری ہے کہ وہ حواس باطنی سے "تمام فوائد عقلانی" کو حاصل کرے، اور پھر بھی یہ نامتناہی قوتیں ضائع نہ ہوں، بعینہٖ جس طرح جیسے کہ متناہی قوتیں ضائع نہیں ہوتیں۔[1] (باقی)

سیر الصحابہ حصہ ششم

جس میں بہ ترتیب چار ائمہ ہستیوں حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح، اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، اخلاقی، اور سیاسی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت ۳۰۷ صفحے، قیمت ہے/

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۴) لیکن شارح کا خیال ہے کہ "اگر کسے گوید کہ بسیار چیزہا در زمانہائے نزدیک نہ ظاہر شدہ است کہ پیش از ین ظاہر نبودست، این حکم چگونہ راست باشد؟ گوئیم کہ بعض چیزہا کہ بر بعض مردم بعض اقالیم ظاہر شدہ آن نیست کہ بعض مردم اقالیم دیگر ندانستہ اند، بلکہ بر آنہا ظاہر .... (یہاں ایک لفظ کرم خوردہ ہے، صحیح کو معلوم نہ ہوسکا کہ کیا ہے) نہ پیش مردم اقالیم دیگر بعد از مدتے رسیدہ، پس چیزے نبودہ کہ بر مردم ظاہر نشدہ است" (صفحہ ۵۰۵ و ۵۰۶ زاد المسافرین ص ۲۲۹-۲۳۰)

فردوسی کا بزمیہ کلام

از

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی

عجم کا نامور شاعر فردوسی اپنی غیر فانی رزمیہ نظم شاہنامہ کے ذریعہ شہرت دوام حاصل کر چکا ہے، اس لئے اس شاہکار کے بعد کسی دوسرے کلام کو اس سے منسوب کرنے کی حاجت باقی نہیں رہتی، لیکن مورخین اور تذکرہ نویسوں نے شاہنامہ اور مثنوی یوسف زلیخا کے علاوہ بھی فردوسی کے بزمیہ کلام از قسم قصائد و غزلیات، قطعات، رباعیات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور بعض نے متفرق اشعار بھی نقل کئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ ایران کا یہ مایۂ ناز رزمیہ نویس بزمیہ شاعری پر بھی قدرت رکھتا تھا، اگرچہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ فردوسی نے کوئی دیوان مرتب کیا ہو، دولت شاہ کے اس بیان سے کہ

"شاعری پیشہ ساختہ، قطعہ و قصائد می گفت از خاص و عام وجہ معاش بدو می رسید[1]"

معلوم ہوتا ہے کہ شاہنامہ لکھنے سے پیشتر فردوسی بھی اور پیشہ ور شاعروں کی طرح قصائد و غزلیات لکھکر معاش حاصل کرتا ہوگا، لیکن نظامی عروضی کا بیان ہے، کہ فردوسی کا پیشہ زمینداری تھا جس کی آمدنی سے وہ کسب معاش کرتا تھا[2] اسلئے ظاہر ہے، کہ معیشت کے لئے وہ کسی کا محتاج نہ تھا، اسی طرح جو اشعار قصائد وغیرہ کے ملتے ہیں، اُن سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ اوس نے مدح گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہو، بہرحال اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فردوسی نے قصائد و غزلیات وغیرہ لکھے تھے، جن کا بہت سا حصہ برباد ہو گیا، اور بالفعل نایاب ہے،

[1] تذکرہ دولت شاہ ص۱۱ طبع بمبئی، [2] چہار مقالہ ص۴۸ طبع ایران شہر برلن،

خود فردوسی اپنی مثنوی یوسف وزلیخا میں[1] جو اس کی آخر عمر کی تصنیف ہی، اپنے عاشقانہ اشعار و غزلیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:-

بسے نامۂ دوستان گفتہ ام ،الخ

ہمیدون بسی راندہ ام گفتگوے ‌ ‌ ‌ زخوبان شکرلب ماہروی،

لیکن صاحب مرأة الخیال کے نزدیک شاہنامہ کے سوا فردوسی کا اور کلام نہیں ہی[2] اس پر تنقید کرتے ہوئے مولنا آزاد فرماتے ہیں:-

"تذکرۂ مرأة الخیال میں جو لکھا ہے کہ سوائے شاہنامہ کے کوئی اور نظم اوس کی نہیں یہ غلط ہی کیونکہ قصۂ حضرت یوسف راقم نے بچشم خود دیکھا ہی، ××× دو قطعہ جو تاریخ ہفت اقلیم میں دیکھے گئے اہل اخلاق کیلئے تحفۂ دلکش ہیں[3]"

اس کے بعد آزاد نے ہفت اقلیم کے حوالہ سے تین قطعے اور ایک رباعی نقل کئے ہیں،

حمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے، کہ شاہنامہ کے علاوہ فردوسی کے عمدہ اشعار ہیں، اور ایک غزل کے چار شعر نقل کئے ہیں،[4]

لطف علی آذر نے بھی فردوسی کے اشعار نقل کئے ہیں، اور لکھا ہو کہ

"چند بیتے از قصائد و قطعات و رباعیات کہ در بعضے کتب متفرقہ بنظر رسید، منتخب و نوشتہ شد[5]"

رضا قلی ہدایت نے بھی لکھا ہی، کہ مثنویات کے علاوہ فردوسی کے قصائد اور غزلیات بھی تھیں، جو باقی نہیں رہیں[6] اور متفرق اشعار نقل کئے ہیں،

فردوسی کے بزمیہ کلام (قصائد و غزلیات وغیرہ) پر یورپین مستشرقین ڈاکٹر ایتھے (ETHE) نے ایک

---

[1] چند سال ہوئے پروفیسر شیرانی نے رسالہ اردو میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں مثنوی یوسف زلیخا کو فردوسی سے منسوب کرنے کی وجوہ پر مفصل بحث کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی، کہ یہ مثنوی فردوسی کی تصنیف سے نہیں ہی۔ [2] مرأة الخیال ص ۲۲ بمبئی [3] نگارستان فارس ص ۲۲، ص ۲۱ [4] تاریخ گزیدہ ص ۸۲۲ طبع عکسی لندن۔ [5] آتش کدہ: [6] مجمع الفصحا جلد اول ص ۳۸۲

مضمون بعنوان FIRDUSI ALS LYRIKER لکھا تھا، جو میونخ (جرمنی) کے رسالہ SITZ-UNGSBERICHTE - (جلد ۲ ۱۸۷۲ء ص ۲۷۵ - ص ۳۰۴ اور جلد ۳ ۱۸۷۳ء ص ۴۲۳، ص ۴۵۳) مین شائع ہوا تھا پروفیسر براؤن نے اس مضمون کا حوالہ اپنی کتاب مین دیا ہی[1] اصل مضمون جرمن زبان مین اور بالفعل نایاب ہے صرف اس قدر معلوم ہو سکا، کہ ایتھے نے اپنے مضمون مین جن کتابون کا حوالہ دیا ہی وہ حسب ذیل ہین:-

۱- مجموعۂ اشعار شعرائے متقدمین یعنی ایک سو ستر شعرا کے اشعار جو زیادہ تر فردوسی کے پیش رو اور اس کے معاصر شعرا، کے کلام کے انتخاب پر مشتمل ہی، اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین موجود ہی،

۲- مخزن الغرائب، تذکرۂ شعرا، فارسی قلمی،

۳- مخزن الغرائب، اسی نام کا ایک اور رسالہ،

۴- لباب الالباب عوفی،

۵- آتشکدۂ آذر،

۶- ہفت اقلیم امین رازی،

۷- ریاض الشعرا، والہ داغستانی،

۸- لب لباب،

۹- خلاصۃ الافکار،

۱۰- تبخانہ،

۱۱- منتخب التواریخ بدایونی،

مندرجۂ بالا کتابون مین فردوسی کے جو اشعار منقول ہین، ان کو ایتھے نے یکجا جمع کر دیا ہی، جن مین ایک قصیدہ ۵۴ شعر کا، تین غزلین، چھ رباعیان تین قطعے اور دو[2] قصیدے اور ہین، لیکن ایتھے کے منقولہ بعض قطعے اصلی نہین ہین۔

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد ۲ ص ۱۳۱ کا نوٹ، نمبر ۱،

جیسا کہ اون کی سست بندش اور بے ربطی سے پایا جاتا ہی؛ اسی بنا پر ایک ایرانی محقق نے یہ اعتراض کیا ہی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی مدح مین جو اشعار ہین، وہ تمامتر متوسطین اور متاخرین کی تصنیف سے ہین۔[1]

آیتھے کی کتب مرجوعہ مین اکثر قلمی کتابین ہین، جو عسیر الحصول ہین، اس لئے اس کی بیان کردہ تین مطبوعہ کتابون لباب الالباب، آتشکدہ، اور منتخب التواریخ کے علاوہ بعض دیگر کتبِ تذکرہ کی مدد سے ہم ذیل مین فردوسی کے اشعار نقل کرتے ہین،

۱۔ لباب الالباب عوفی، (جلد دوم ص۳۳ طبع لندن)

بسے رنج دیدم بسے گفتہ خواندم ... زگفتار تازی و از پہلوانی،
بچندین ہنر شصت و دو سال بردم ... کہ گوشہ برم زاشکار و نہانی،
بجز حسرت و جز وبالِ گناہان، ... ندارم کنون از جوانی نشانی،
بیاد جوانی کنون مویہ آرم، ... بدین بیت بو طاہر خسروانی،
جوانی من از کودکی یاد دارم، ... دریغ از جوانی دریغ از جوانی،

۲۔ تاریخ گزیدہ (ص۸۲۴) طبع عکسی لندن)

شبے در برت گر برآسودمی، ... سر فخر بر آسمان سودمی،
قلم در کفِ تیر بشکستمی، ... کلاہ از سر مہر بربودمی،
بقدر از نہم چرخ بگذشتمی، ... بپی فرق کیوان بفرسودمی،
بہ بیچارگان رحمت آوردمی، ... چو درماندگان پہ بخشودمی ؛

۳۔ ہفت اقلیم (نگارستان فارس ص۱۲۶، ص...)

فلک گر بزیر نقاب اندراست ... وگر زیر تیر عقاب اندراست

---

[1] مجلہ کاوہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ ص۳ طبع برلین،

مپندار کو از پئے کار تو، به بند خطا و ثواب اندراست

اگر بد کنی کیفر خود بری نه چشم زمانه بخواب اندراست

برایوانها نام بیژن هنوز، بزندان افراسیاب اندراست

بسے رنج دیدم بسے گفتہ خواندم الخ (مطابق تاریخ گزیده)

بیا بگوے که پرویز از زمانه چه برد بروبپرس که کسری ز روزگار چه خورد،

گر او گرفت ممالک بدیگران بگذاشت ور این نهاد خزائن بدیگران بسپرد،

تا چند نهی بر دل خود غصه و درد تا جمع کنی سیم سفید و زر زرد

زان پیش که گرد د نفس گرم تو سرد با دوست بخور که دشمنت خواهد خورد

۴۔ منتخب التواریخ (جلد اوّل ص۱ طبع کلکتہ)

خجسته درگه محمود زابلی دریاست چگونه دریا کا نرا کناره پیدا نیست،

شدم بدریا غوطه زدم ندیدم دُر گناه بخت من است این گناه دریا نیست

۵۔ آتشکده (ص۹۳، ص۹۷ طبع بمبئی)

سستت همی چشم تو و تیر بدست، بس کس که ز تیر چشم تو نجست،

گر پوشد عارضت زره عذرش هست کز تیر بترسد همه کس خاصه زمست

بیا بگوی که پرویز از زمانه چه خورد، الخ (مطابق هفت اقلیم)

بسی رنج دیدم الخ (مطابق مذکورهٔ بالا) صرف ۳ شعر،

تا چند نهی بر دل خود غصه و درد، الخ (مطابق هفت اقلیم)

دوش از سر لطف بنده پروردن خویش بنمودی طریق مردی کردن خویش

جرمم همه عفو کرد و دستم بگرفت خندان خندان فگند در گردن خویش

۶۔ مجمع الفصحا (جلد اوّل ص۳۸۳، ص۳۸۴ طبع ایران)

شہی کہ چون بدو انگشت در زخیبر کند   برآ مد ا ز پے اسلام صد ہزار انگشت
علیؑ عالی اعلیٰ کہ دستِ قدرتِ او   ہزار رہ زدہ در چشم روزگار انگشت

حکیم گفت کسے را کہ بخت والا نیست   بہیچ وجہ مرا و را زمانہ جویا نیست
برو مجاور دریا نشین مگر روزی،   بدستت افتد دری کجاش ہمتا نیست

خجستہ درگہ محمود زابلی دریاست الخ،   (مطابق منتخب التواریخ)

بیا بگوی کہ پرویز از زمانہ چہ خورد الخ،   (مطابق مذکورہ بالا)

دو چیز بر تو بے خطر بینم،   کانرا خطر است نزد ہر مہتر
دینار چو بر نہی بسر بر تاج،   در معرکہ جان چو بر نہی مغفر

اگر بدانش اندر زمانہ لقمان وار   سرای پردۂ عصمت بر آسمان زدۂ
وگر ز کتب فلاطون و ارسطاطالیس   ہر آنچہ ہست پسندیدہ پاک بستدۂ
اگر سپہبد سیصد ہزار شہر شوی   وگر برہمن ششصد ہزار بتکدۂ
بہ پیش ضربت مرگ این ہمہ ندارد سود   ہمی بباید رفتن چنانکہ آمدۂ

"در اظہار تاسف از جوانی و تضمین بیت ابو طاہر المتخلص بخسروانی[1]" (مطابق عوفی وغیرہ)

"از غزلیات اوست"

شبی در برت (مطابق گزیدہ وغیرہ)

اسمین ایک شعر زائد ہی، اور "درماندگان" کی بجائے "دلدادگان" ہے۔

جمال تو گر زان کہ من دارمی ؎   بجائے تو گر زان کہ من بودمی،

"در حضور سلطان محمود بر حسب امر بجہت دمیدن خط ایاز او بیاق گفتہ"

---

[1] ابو طاہر الطیب بن محمد الخسروانی طبیب، شعرائے آل سامان میں سے تھا۔ (لباب الالباب ج ۲ صفحہ

مستست ہمی چشم تو و تیر بدست	بس کس کہ ز تیر چشم مست تو بخست
گر پوشد عارضت زرہ عذرش ہست	کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ ز مست

غم در دل من در آمد و شاد برفت	باز آمد و رخت خویش بنہاد برفت
گفتم بہ تکلف کہ زمانی بنشین،	بنشست و کنون رفتنش از یاد برفت

تا چند ہمی بر دل خود غصہ و درد، الخ (مطابق ہفت اقلیم وغیرہ)

دوش از سر لطف بندہ پرور درون خویش، الخ (مطابق آتشکدہ)

) دیباچہ شاہنامہ (طبع بمبئی صفحہ و صفحہ)

فردوسی کے حالات کے ضمن مین لکھا ہے کہ ایک مجلس مین جب کہ تمام درباری شعرا حاضر تھے، سلطان محمود نے ایاز کے
ی تعریف مین رباعی کہنے کی فرمایش کی شعرانے فردوسی کی طرف اشارہ کیا، اوس نے فی البدیہہ کہا، :-

مست است بتا چشم تو و تیر بدست، الخ (مطابق مجمع الفصحا)

سلطان کو یہ رُباعی بہت پسند آئی اور اوس نے فردوسی کی بہت تعریف کی،

سلطان محمود کے وزیر احمد بن حسن میمندی، اور فردوسی مین مخالفت تھی، اس وجہ سے فردوسی کے احباب اسکو
ی ترغیب دیا کرتے تھے، کہ وہ اس کی مخالفت ترک کرکے اس کے ساتھ موافقت پیدا کرلے، مگر فردوسی
ا نہین کرتا تھا، اور کہتا تھا، :

ن بندہ کز مبادی فطرت نبودہ ام	مائل بمال ہرگز و طامع بجاہ نیز
وسی در بر وزیر چرا ملتفت شوم،	چون فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

ردوسی جب غزنین سے روانہ ہوا تھا، تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا، :-

بستہ بر گاہ محمود ... در یاست الخ

ی کتابون کے علاوہ بعض لغت کی کتابون مین بھی فردوسی کے اشعار ملتے ہین، جو سند مین لائے گئے ہین،

مثلاً :-

۱- فرہنگ شعوری :-

لغت "ترک" کی سند میں :-

بدو چگونہ و ھمسر کسو تی کہ از شرفش　　　کلاہ گوشۂ عرش است و ترک شب پوشم

لغت "ذوش" کی سند میں :-

بانگ کردست اے بت سیمین　　　ذوش خواندم تراکہ ہستی ذوش

لغت "گوش" کی سند میں :-

پاس می داشتم برائے وہوش　　　وز خطاب کسم نیامد گوش

۲- مجمع الفرس،

لغت "درغ" کی سند میں :-

دل برد مرا ونزد مردم شمروم (کذا)　　　گفتا کہ چہ سود است کہ درغ آب برد

لغت "غلاوش" کی سند میں :-

بر گرد گل سرخ تو خطی بکشیدی،　　　تا خلق جہانرا بجلاوش فگندی

مگر اسدی طوسی نے اس شعر کو رودکی سے منسوب کیا ہے، اور اس کو اس طرح لکھا ہے :-

گرد گل سرخ اندر خطی بکشیدی　　　تا خلق جہانرا بفگندی بجلاوش

۳- فرہنگ جہانگیری،

لغت "سکسک" کی سند میں :-

اسپے چنانکہ دانی زیراز میان زیر　　　درکاہی کہ داشت نہ سکسک نہ راہوار

لغت فرس ص۲۵۳ طبع جرمنی،

ان ماخذ کے علاوہ بھی اگر تحقیق کی جائے تو ممکن ہو کہ لغت کی کتابوں اور اشعار کی بیاضوں میں فردوسی کا اور کلام بھی حاصل ہو سکے،

یہ تمام اشعار جو اوپر نقل کئے گئے ہیں، بہت ممکن ہو کہ اُن میں بعض اشعار فردوسی کے نہ ہوں، لیکن اس میں شک نہیں ہو کہ اکثر حصہ اسی کی تصنیف سے ہے، اور اسی کے نام سے تذکروں میں منقول چلا آتا ہو، اب رہا یہ سوال کہ یہ اشعار فردوسی کے شایانِ شان ہیں یا نہیں؟ تو اس زمانہ کے طرزِ سخن کو دیکھتے ہوئے ہم فردوسی کے اس کلام کو معیارِ سخن سے گرا ہوا نہیں پاتے، اگرچہ بعض سخن فہموں کے نزدیک وہ اس قدر قیمت کا مستحق نہیں ہو، جیسا کہ فردوسی کے کلام کو ہونا چاہئے، چنانچہ پروفیسر براؤن بھی اس کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے، لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہو کہ جن شعراء نے کسی خاص صنفِ نظم میں کمال پیدا کیا ہو، ان کا دوسرا کلام وہ وقعت اور رتبہ حاصل نہیں کر سکا ہی وجہ ہے کہ نظامی گنجوی جو مثنویات کے امام مانے گئے ہیں، ان کی غزلیات و قصائد میں وہ رنگ پیدا نہ ہو سکا، جو مثنویات میں ان کا امتیازی وصف ہو، بہرحال ہمارے پاس اس وقت فارسی کے ایک قدیم اور نامور شاعر کے کلام کا کچھ حصہ جو اس نے شاہنامہ کے علاوہ لکھا تھا، موجود ہے، اور اصناف قصیدہ و غزل وغیرہ میں فردوسی کے طرزِ سخن اور اندازِ کلام کو ظاہر کر رہا ہے،

مقبرۂ شاہ بیگم

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی مولف "حیات جلیل" الہ آباد

خلوص و وفا کی پیکر، بے قرار اور دردمند دل والی بیگم آج اپنے شوہر جہانگیر کے قرب ظاہری سے محروم اور اس کی آخری آرام گاہ سے منزلوں دور ہے، وہ الہ آباد میں دفن ہے اور جہانگیر لاہور میں، مگر اس کی بے چین روح کو تسکین و تسلی ہے کہ خسرو باغ کی یہ ڈھائی گز زمین اس کی ابدی خواب و راحت کے لیے اس کے غمگسار سرتاج نے پسند کی تھی اسی کے نازبردار ہاتھوں سے سپرد خاک ہوئی، وہ جیسی نفیس مزاج، جمیل و خوبصورت تھی نصیبوں سے ویسی ہی حسین و دلکش قبر بھی پائی، یہ مقبرہ نہایت خوش قطع غیر معمولی طرز کا ہے ہندوؤں اور اندلسی مسلمانوں کے ملے جلے طریق تعمیر کا بہتر نمونہ، بیگم نے ایک ہندو راجہ کے گھر جنم لیا تھا، ایک مسلمان بادشاہ کے یہاں دم توڑا، اس لئے اسکا مدفن دونوں کی مخلوط و متحد یادگاروں کی نظیر ہے، اکبر کے عہد کا عروج تھا، اور جہانگیر کی ذاتی نگرانی اور توجہ ایسی چیز تیار ہو گئی جس کی مثال دوسری جگہ کم ملے گی تفصیل آگے آتی ہے،

سلاطین اسلام کے مختلف خاندانوں اور مختلف دوروں کے مختلف طرز تعمیر سے صاحبان فن و اہل نظر کو اطلاع و آگاہی ہے، اس لیے صراحت و تشریح کی ضرورت نہیں، اسقدر یاد دلا دینا کافی ہے[1] کہ اکبر جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ میں عربی تعمیرات کا اثر ختم ہو کر ہندوؤں اور ایرانیوں کا اثر قائم ہو گیا تھا، یا یوں کہئے کہ عربی طرز تعمیر کے بجاے ہندی طرز تعمیر غالب ہو کر جدید مغلیہ طرز تعمیر کی بنیاد پڑی تھی، جہانگیری طرز تعمیر میں جو مغلیہ طرز تعمیر کا وسطی یا دوسرا دور ہے، عربی اور ایرانی طرز کے ساتھ ہندوؤں اور بودھوں کا طرز تعمیر بھی نظر آتا ہے

[1] مرقع اکبرآباد، از مولوی سعید احمد مارہروی، صفحہ ۶

یہ مقبرہ اس اتحاد کی زندہ یادگار اور جہانگیری عمارات مین نقش اولین ہے،

یہ سنگین و خوشنما نازک عمارت باغ کے پچھم جانب خسرو باغ کا تیسرا[1] مقبرہ ہے مسٹر بیلی[2] کے حساب سے دوسرا اور زمانۂ تعمیر کے لحاظ سے پہلا،

باغ کے صدر جنوبی دروازہ سے دو سو اسی قدم کے فاصلہ پر بالکل سامنے یہ سہ منزلہ عمارت واقع ہے، اتفاق سے آجکل اس کے قریب ہی املی کے ایک پرانے درخت کی شاخین راستہ پر بڑھ آئی اور پھیل گئی ہین، جس سے نگاہ کو دفعۃً رک جانا پڑتا ہے لیکن اسکا سایہ سایۂ رحمت اور باعث راحت و فرحت ثابت ہوتا ہے، اور دو سرا ہی قدم یا دوسری ہی نظر ڈالنے پر مقبرہ کا سنگین چبوترہ، بلند کرسی، سطح زمین سے ملا ہوا دروازہ بلکہ عمارت کی ہر چیز گنبد مع کلس سامنے آجاتا ہے، پھاٹک سے یہان تک پہنچنے کے لئے فراخ و کشادہ سڑک موجود ہے جو تقریباً آدھے راستہ تک خوب پختہ، سواری لے جانے کے قابل بنی ہے، اس کے دونون جانب دلآویز و دلنشین سرسبز و شاداب پھولون کی کیاریاں، خوشنما جھاڑیاں اور جابجا بڑے بڑے گھنے درخت بھی ہین، بقیہ نصف راہ صرف پیادہ طے کرنا ہوتی ہے، کیونکہ گھومنے والون کے لیے پختہ سڑک یہان سے بائین کو گھوم جاتی ہے اور چند پتھر یہان سد راہ کھڑے کر دیئے گئے ہیں، مرنے والون کی عظمت منزلت اور قبرون کی حرمت، ادب و احتیاط کا اقتضا یہی تھا، یہ تجویز پرانی ہو یا حال کی اصلاح، ضرور قابل تحسین و اعتراف ہے،

اس مقبرہ اور اس کے حوالی کا ایک مکمل نقشہ صاف اور اچھا خفیف رنگین، امیر الدولہ گورنمنٹ لائبریری لکھنؤ میں موجود ہے، جس کے نیچے ذیل کی عبارت لکھی ہے،

Mausoleum of the Ranee wife of the Emperor Jah-
-angir near Allahabad Drawn and engraved by Thos
Daniell

---

[1] آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا جلد دوم یعنی، دی مانومینٹل انٹی کوئٹیز اینڈ انسکرپشنز، مؤلفہ ڈاکٹر اے فوہرر پی ایچ ڈی مطبوعہ سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۱۳ و پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک، مرتبہ ماڈرن ریویو آفس صفحہ ۵۳۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر الہ آباد جلد ہشتم مطبوعہ سنہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۳۰ و جدید سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۰۲، و تاریخ جہانگیر از پروفیسر بنی پرشاد، صفحہ ۱۳۱، [2] مفتاح التواریخ، صفحہ ۳۳۵،

یہ نقشہ نامور چابکدست نقاش و مصور طاس وانیال کی صناعی و ہنرمندی کا شاہکار ہے اور ڈیڑھ سو
پہلے کی نقشہ کشی و طباعت کا کارنامہ، پیمانہ بڑا ہے، قرینہ ہے کہ نظری ہوگا، لیکن اصل سے بالکل ملتا جلتا ہے
اصول پیمایش کے مطابق مانا جاتا ہے، مقبرہ کے پچھم پرانی دیوار اور کنوانؔ مع تماشائیوں اور تفریح کرنے والو
کے انبوہ کے اپنی پوری شان و سامان کیساتھ نظر آتا ہے، شہر و حوالی شہر کی مخلوق کا ایک جمع غفیر پانی لینے کے
ہر قسم کے برتن، پکھالین، اور جانور ہمراہ لے کر امنڈا آتا ہے،

موجودہ حالت مین بھی مقبرہ کا منظر اور اس کا گرد و پیش نہایت دل پسند و دلکش ہے، پچھم جانب وسیع
میدان ہے، لان (LAWN) ہین، پورب کو دو عمارتین ہین، پہلی اکی بڑی بیٹی سلطان النسا رشاہ بیگم
خوبصورت گنبد، دوسری اس کے لخت جگر سلطان خسرو کا مرقد، شمال مین روشین اور کیاریان ہین، اور خیا
دریا ہین، کچھ زیر زراعت زمین بھی ہے، سرسبز و لہلہاتے ہوئے قطعات ہین، دیوار بھی قائم ہے، کنوان بھی
ایک بڑی حد تک بے مصرف، حوض بھی ہین، مگر خشک، سرو کے پودے حال مین لگائے گئے ہین، تاڑ کے دو
پرانے درخت بھی باقی ہیں، معلوم نہیں کس کی رعایتِ ذوق ملحوظ رکھی گئی ہے، کچھ اور سدابہار درخت بھی ہیں
ترتیب و نگہداشت کے لحاظ سے بلکہ ہر حیثیت سے کوئی چیز کسی طرح انگشت نمائی کے قابل نہین، اور یون تو ع

کیسی ہی ٹھیک بات ہو حسن کو اختلاف ہے

یہ تعمیر چار فٹ کی بلند کرسی پر کی گئی ہے، عمارت کے سب سے نیچے درجہ کا ہر پہلو اکتالیس گز ہے، اوپر چڑھنے
کے لیے ایک ایک فٹ اونچی تین تین سیڑھیان ہین، یعنی آسایش و فراغت کے ساتھ پہنچ جانے کے لئے صدر
دروازہ کے دونون جانب ایک ایک چھوٹا سا زینہ موجود ہے، نیچے اوپر مقبرہ کی تینون منزلین جدا جدا نظر
آتی ہین، مگر یہ ایک ہی بنیاد یا دیوار پر قائم نہین ہین، بلکہ تینون طبقے یا مرتبے یکے بعد دیگرے بنے ہوئے ہین، مرتبہ اس عہد
کی دفتری و کتابی اصطلاح مین منزل کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا[۵۲]، یہ مرتبے مختلف انداز و جدا جدا عرض و طول

---

[۵] الہ آباد کی ہینڈ بک مرتبہ ماڈرن ریویو آفس مین بھی اس کا ذکر ہے، ص ۵۳، [۵] جہانگیر، معتمد خان

کے ہین، پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا چھوٹا، لمبائی چوڑائی اور بلندی مین کم ہوتا چلا گیا ہے، یہانتک کہ تیسری منزل کی وسعت بقدر مقدور اختصار کے ساتھ، نیز اسکی انتہائی بلندی، گنبد اور گنبد کے کلس پر پہنچکر ختم ہو جاتی ہے، فن ڈرائنگ کے ایک ماہر کا ارشاد ہے کہ مقبرہ کا فوٹو ایک مثلث نما چوکھٹے مین بڑی آسانی وخوبی سے آسکتا ہے۔

باہر سے دیوارین تمام وکمال سرخی مائل سنگ سفید کی ہین، کہین کہین زرد دھلّو پتھر بھی استعمال ہوا ہے۔ نیچے والے طبقہ (منزل) مین دیوارون کے باہر اٹھارہ فٹ چار انچ چوڑا چبوترہ ہے، اس چبوترہ مین تین سمت تو پانچ پانچ سنگین جالیان چار فٹ نو انچ لمبی ایک فٹ چوڑی لگی ہین، چوتھی طرف یعنی دکن کو سامنے کے رخ صرف دو جالیان ہین اور ان کے بیچ مین (صدر کا ایک) دروازہ، سب ملا کر سترہ جالیان ہوئین، یہ جالیان اصول فن پیمایش وتعمیر کے مطابق بنائی گئی ہین، اور روشنی کا اچھا کام دیتی ہین، یہ (داخلہ کا) دروازہ چبوترہ سے گذر کر یعنی چبوترہ کو کاٹتا ہوا بارہ فٹ نو انچ کے فاصلہ پر ملتا ہے، عمارت کے علو ورفعت اور اپنے اطراف وجوانب کی بلندی وشان کے لحاظ سے آجکل تنگ اور نیچا سمجھا جاتا ہے، مگر کیا کیا جائے کہ تین چار سو برس پیشتر یہی صورت پسند ورائج تھی، ہندوانہ تعمیرات مین یہ بات عام پائی جاتی ہے، موجودہ چوکھٹ اور کواڑون کی حالت اُن کی دیرینہ سالی وکہنگی کم ازکم کثرتِ استعمال پر دلالت کرتی ہے، تختے کمزور، نسبتہً پتلے، قدرے ناہموار اور ناپیوست سے ہو رہے ہین، بالائے دروازہ محراب کی بلندی اس کی چوڑائی کی مناسبت سے نہین، بلکہ کچھ زیادہ پائی جاتی ہے، اس محراب کے دونون طرف یعنی آمنے سامنے دوسری منزل کو جانے کے لیے غیر مسقف (کھلے ہوے) زینون کی دہری قطارین ہین۔

دیوارین پورا بوجھ اٹھا لینے کے قابل خوب مضبوط، موٹی موٹی، اینٹ اور چونے کی بنائی گئی ہین، تعمیر مین یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ منزلِ زیرین کے پہلے حصہ کی کھلی چھت دوسری منزل کے لیے چبوترہ کا کام دیتی ہے، اور دوسری منزل کی چھت تیسری یعنی سب سے اوپر والی منزل کے ساتھ کارآمد ہے، اندر کی تیسری دیوار پر دو منزلون کا بار تھا اس لیے وہ زیادہ مستحکم اور عریض ہے، پہلی دیوار صرف تین فٹ سات انچ ہے، دوسری چار فٹ ساڑھے چار انچ، اور تیسری پانچ فٹ نو انچ، دیوارون کا موٹاپا بقدر ضرورت بتدریج بڑھتا گیا ہے، اسی لیے بمقابلہ پہلے

حصے کی دیوار کے دوسرے اور تیسرے حصے کی دیوارین زیادہ چوڑی رکھی گئی ہین، چھت یہان دس فٹ اپنج بلند رہ جاتی ہے، اس (دوسری) منزل کی دیوارون مین ہر چہار طرف، ہر ضلع کے وسط مین ایک ایک کھ دروازہ ہے، ان دروازون مین چوکھٹ بازو نہین ہے، اسکی بغلی دیوارون مین نیچے اوپر دو دو آنکڑے آ کے لگے ہین، جنکی شکل یہ ہے، قیاس ہوتا ہے، کہ ان قلابون پر کبھی کواڑ رہے ہون گے، یا ا پائیزون پر کواڑ لگانے کا ارادہ رہا ہوگا، مگر تکمیل کی نوبت نہین پہنچی، ہر دروازے کے دونون محرابون کے دو دو نشان بھی ہین، یعنی ہر دیوار مین چار چار، دروازون کی بلندی طے کرنے کے بع دیوارون پر، ہر آٹھ محرابون کے اوپر آرایش و زیبایش کے لیے پتھر مین کھدے ہوئے معمولی نقش و نگار ہین، ایا ہر پھول کے گرد، ہر نقش کے ساتھ محرابون سے اوپر خوشنما سنگی حاشیہ نظر افروز ہے، نقشی کارنس کے نیچے پتھر ین بنے ہین، یہ کل جگہ خالی اور غیر مکمل سی نظر آتی ہے، حتی کہ دروازون کے خشتی پہلو چونے کے پلاسٹر سے بھی محروم اور پلاسٹر پر قلعی تو کسی جگہ نہین پائی جاتی، صورت حال شاہد ہے کہ شروع ہی سے اس طرف توجہ نہین ہوئی یا یہ کہ اس منزل کے نیچے شاہزادی دفن تھی اور اس کے اوپر نقلی تربت ہے، اس لیے اس درمیانی طبقہ کو سادہ چھوڑ دیا اور ان بالا و پست درجون کا احترام مدنظر رکھا گیا، حتی الوسع ہر نوع کی آرایش و تکلفات تعمیر سے در گ کیا گیا ہے، معمولی محرابین اور جدولین کافی سمجھی گئی ہین، دروازے بھی مستقل دروازون کی حیثیت کے نہین، بلکہ دیوارون مین مستطیل شگاف نکاس کے لیے ہین، یہ منزل منزل اسفل (نیچی والی) کی چھت یا اندرونی گنبد کے گرد کے اکہرے حصے پر اٹھائی گئی ہے،

تیسری منزل یا "مرتبہ سوم" نے پوری عمارت اور اس کے حسن کو انتہا پر پہنچا دیا ہے، یہ بارہ دری گو بھی مجلہ عروسی یا نیرنگ کمال و جمال ہے، یہ جگہ مربع ہے، ہر طرف تین تین در ہین، بیچ کا در زیادہ فراخ اور کشادہ ہے، باقی دونون دائین بائین کے اس سے کم چوڑے ہین، اوپر ایک خوشنما سبک قبہ ہے، بیگم کی نقلی یا مصنوعی قبر اسی مرمرین مجمر (کٹہرہ) کے اندر بنی ہے، اس سے ایک گز نیچے سنگ سرخ کی غلام گردش ہو

اوراس پر ہموار سطح چھت، غلام گردش کے اوپر پتھر کے صاف ستھرے تختے باہر نکال کر دھوپ اور بوچھار سے بچانے کے لیے چھجا بنا دیا ہے، مقبرہ کا یہ حصہ حسین سے حسین ہے، انگریز مہندسوں[1] (انجینیرون) نے قنوج کے مخدوم جہانیاں کی مسجد کو (جو عہدِ سلاطین شرقیہ کی یادگار ہے) پتھر پر نقاشی و دستکاری کے لحاظ سے نہایت خوب اور قابل تحسین بتایا اور لاجواب لکھا ہے، لیکن مین عرض کرونگا کہ مقبرۂ شاہ بیگم کے اس حصہ مین جیسا خوب اور باریک و نازک کام نقاشی اور بیل بوٹے کا کیا گیا ہے، مسجد کا کام اس کے مقابلہ مین کچھ زیادہ وقعت نہین رکھتا، شاید اسکی یہ وجہ معقول ہو کہ مسجد کی تعمیر اس مقبرہ سے دو ڈیڑھ سو برس پیشتر ہوئی تھی، اتنے زمانہ مین زمانہ بہت ترقی کر گیا تھا، اور مغلون کی سرپرستی اور دستگیری نے سنگ تراشی و نقاشی کے ہنر کو منتہاے کمال پر پہنچا دیا تھا؛ اس ایوان مین پہنچکر نظر واپس آنا نہین چاہتی، ع

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

قبر کا تابوت، لوح سرہانے، سنگ پائین، ہر چیز مرمر کی اپنی اپنی جگہ بے مثل ہے، تعویذ کے دونون پہلوؤن پر یہ رباعی جلی حروف مین پاکیزہ نستعلیق مین کندہ ہے، (بائین جانب، تابوت کے دلیے مین)

بیگم کہ زعصمت رخ رحمت آراست ❊ اقلیم عدم زنورِ عزت آراست

(داہنی طرف کے دلیے مین)

سبحان اللہ زہے کمال عفت ❊ کز حسنِ عمل چہرۂ جنت آراست

تعویذ پر حسب معمول قلمدان بنا ہے،

لوح مزار شاہزادی کے شایانِ شان، خوب بلند ہے، اس پر یہ کتبہ ہے،

اللہ اکبر

چون چرخ فلک زگردشِ خود آشفت ❊ در زیر زمین آئینۂ مہ بنہفت

---

[1] گزیٹر جدید ضلع فرخ آباد،

تاریخ وفات شاہ بیگم جستم   از غیب ملک بخلد شد بیگم گفت (سنہ ۱۰۱۲ھ)

کاتبہ عبداللہ[1] مشکین قلم، جہانگیر شاہی،

مسٹر بیل نے مفتاح التواریخ[2] مین "آئینہ مہ" کی جگہ "آئینہ خود" اور مسٹر بیوریج نے اپنے مقالہ[3] مین "آئینہ مہر" لکھا ہے، مسٹر ڈیوہرسٹ نے اپنی تحریر[4] مین تصحیح فرمادی ہے، بیل صاحب نے پہلی رباعی مین "عزت" کی جگہ "غیرت" لکھا تھا، شاید چھاپے کی غلطی ہو،

بازآمد، ان پتھرون پر نہایت خوبصورت نستعلیق حروف کندہ ہین، ہر مصرع کے گرد نفیس بیلین اور گلکاریان ہین، یہ حروف اس قدر باقاعدہ، سڈول، دبیز اور باہر کو ابھرے ہوئے ہین، کہ آجکل کے موٹے موٹے انگریزی حروف جو پتیل وغیرہ کی چادرون پر ڈھالے جاتے ہین، ان کے آگے ہیچ معلوم ہوتے ہین، مرمرین ظرف اور نستعلیق حرف، ع

عروس جمیل ولباس حریر،

پتھر کے پھولون پر کوئی روغن سرخی مائل پھرا ہوا تھا جو رفتہ رفتہ ماند ہوتا جاتا ہے، سنگ بالین ایک بلند بالا تختہ مرمر کا لمبا چوڑا اور خوب موٹا ہے، خوبصورت دلفریب تراشا گیا ہے، اس پر نہایت عمدہ کام ہے، پائین قبر

---

[1] میر عبداللہ مشکین قلم دولت جہانگیری کے نامور کاتب و خوشنویس تھے، قلعہ الہ آباد مین اشوک کے مشہور سنگین ستون پر ہندی عبارت کے نیچے سنہ ۱۰۱۴ھ مین جہانگیر نے اپنا اور اپنے باپ دادا کا نام فارسی مین کندہ کرایا ہے، وہ انھیں کے ہاتھ کا کمال ہے (مفتاح التواریخ صفحہ ۱۹۷) تبریز کے رہنے والے، شاہ نعمت اللہ مشہور ولی کی اولاد سے تھے، دینی و دنیوی صوری و معنوی علوم مین پایہ بلند رکھتے تھے، "مشکین قلم" دربار جہانگیری سے خطاب ملا تھا، مختلف مقامات پر اکثر بادشاہی کتبے آپکے ہنر و جادو نگاری کی یادگار ہین، سنہ ۱۰۳۵ھ (سنہ ۱۶۲۵ء) مین رحلت فرمائی، فرزند صالح نے عالیشان مقبرہ آگرہ مین بنوایا تھا، ان کے خاندان مین خوشنویسی پشتہا پشت تک قائم رہی (حیات جلیل حصہ دوم صفحات ۲۰۲ و ۲۰۳ - نوٹ) [2] صفحہ ۳۳۳ [3] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۰۰، [4] جرنل مذکور بابتہ جولائی ۱۹۰۹ء، صفحہ ۷۴۲،

کا تختہ بھی ایک ڈال سنگ مرمر کا، سرھانے والے پتھر کے بالکل مشابہ اور ہمشکل ہے، اس پر بھی ویسی ہی نفیس بیلین اور باریک کام ہے، البتہ کچھ لکھا نہین ہے، یہ سنگ بالین کا ہر لحاظ سے پورا جواب ہے، اور خود لاجواب، یہان مرمرین دلھون اور تختون پر مختلف اقسام خصوصاً کنار کی بیلین، خوبصورت دوہری تہری ابھری ہوئی نگہ افروز ہین کہین کہین کچھ پتھر یا اس کا کوئی ریزہ اکھڑ بھی گیا ہے، مگر ان کے نشانات وداغ زیادہ نمایان نہین، کم ہین اور خفیف، قبہ، گنبد، مختصر وہندوانہ ہے، جینی وضع سے بہت ملتا جلتا ہوا، جہان ایوان کی دیوارون کی بلندی ختم ہوجاتی ہے یعنی عمارت کے چوکور حصہ سے پتھر کے تختے بڑھتے گھٹتے ہوئے لگاکر، بتدریج اٹھا اٹھا کر، چارون پہلوؤن کو اوپر لیجا کر ملا دیا ہے، حقیقۃً یہ کوئی برج نما (مدور) یا گنبد نہین ہے بلکہ ایک خاص وضع کی چیز ہے، اس پر کلس بھی اسی شان کا زرنگار وزر اندود مناسب حال چڑھایا گیا تھا، اب بے رونق ہوگیا ہے، اس طبقہ کا قبہ اس کا فرش، اس کے مرمرین تختے اور چٹائین، اس کے حسین ستون، ان سب پر نازک نقاشیان، غرضکہ اس کا ہر جزو وکل قابل ناز اور سلاطین تیمور کی عظمت ماضیہ اور صنعت کاملہ کا آئینہ دار ہے،

حکومتون کے انقلاب اور یار واغیار کی دست درازی و دست برد نے اس کے ساتھ جو کچھ ظلم کیا ہوگا کس کی زبان بتا سکتی ہے، لیکن امن وامان اور تہذیب وروشنی کے زمانہ مین یعنی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد عوام نے جو قدردانی کی اور سیاحون اور زائرین نے جس قدر ضرر پہنچایا، وہ بھی ناقابل تلافی ہے، فرش کے چمکتے ہوئے پتھرون پر بہت سے حضرات نے انگریزی، فارسی، ہندی اور عربی مین اپنے نام نامی اور دستخط گرامی نقش فرما دیئے ہین، کسی مسٹر جیمس نے اپنے نام کے ساتھ ۱۸۶۶ء بھی چاقو سے کھود دیا ہے، شاید یہی سب سے پہلا ظلم اور فتنہ برپا ہوا تھا، جس کی اور لوگون نے تقلید کی ہے،

اوپر کی دونون منزلون کی آپ سیر کر چکے اور اس سیر سے تمام باغ بلکہ حد نظر تک کا لطف اٹھا لیا، آیئے اب باقی ماندہ، پست ترین طبقہ کو بھی اندر سے دیکھ لیجئے، در اصل یہی منزل، منزل اول ہے زمین پر واقع ہے، مگر بہت وسیع، فراخ اور کافی روشن ہے، اس کے داخلہ کا دروازہ وہی ایک ہے، جس کا ذکر ابتدا

مین آچکا ہے، دروازہ مین قدم رکھتے ہی یہ تہ زمین یا بالائے زمین حصہ عمارت کا شروع ہوجاتا ہے، ایک لمبا چوڑا، چوکور کمرہ شاہ بیگم کا مدفن ہے، جس پر کسی قدر اٹھی ہوئی محدب چھت ہے، اس کمرہ کے اردگرد دوہری دوہری غلام گردشین، طواف کرنے کے لئے خوب لمبی چوڑی بنی ہین یعنی صدر دروازہ سے اندر آکر پوری وسعت وطوالت کا ایک لمبا سا کمرہ ملتا ہے، اس کے بعد دوسرا دروازہ ہے، اس دروازے کے بعد پھر ویسا ہی چوڑا چکلا گردگھما (مطاف) ہے، مگر یہ پہلے سے طول مین کم ہے، ان دونون دروازون سے گذر کر حجرۂ قبر مین پہنچتے ہین باقی تین طرف کوئی دروازہ نہین، لیکن روشنی کی شعاعین سنگ سرخ کی سادہ مگر قابل غور جالیون اور خانون سے ہوکر اندر آتی ہین، یون سمجھ لیجئے کہ پہلی دیوار سے جو تین فٹ سات انچ عریض ہے اور اس کے دروازہ سے اندر داخل ہونے کے بعد اس کنارہ سے اُس کنارہ تک آپ کو پانچ حصے یا کمرے ملین گے، پہلا دروازہ سے لیکر دوسری دیوار و دروازہ تک، یہ بارہ فٹ چوڑا ہے، اس کے بعد دوسری دیوار چار فٹ ساڑھے چار انچ موٹی ہے، پر دوسرا کمرہ سات فٹ ساڑھے چار انچ چوڑا، بعد ازان تیسری دیوار پونے چھ فٹ موٹی، بعد ازان حجرۂ قبر ہے، انیس فٹ مربع، گویا وسطی یا مرکزی کمرہ کے گرد ہر چار سمت دوہرے درجے ہین، دو داہنے دو بائین، دو سرھانے اور دو پائین، مرکزی حجرہ پر دوسری اور تیسری منزلین واقع ہین،

قبرون کا تہ خانہ مین بنانا تو ایک مدت دراز سے چلا آتا تھا، لیکن سلطنت مغلیہ کے عروج، یعنی اکبر اور جہانگیر کے عہد مین اسکو اور بھی ترقی ہوگئی تھی، بالخصوص بیگمات کی تدفین مین، پھر کچھ زمانہ بعد تو دولتمند اور صاحب مقدرت طبقون مین اسکا رواج عام اور دستور سا ہوگیا، چنانچہ شاہ بیگم کی ساس (اکبر کی پہلی ہندو بی بی، جہانگیر کی مان) ملکہ مریم زمانی[۵] آگرہ کے ایک ایسے ہی مقبرہ مین سو رہی ہے، اس سے بھی روشن اور شہرت یافتہ مثال ممتاز محل[۶] (روضۂ تاج) کی ہے، نیز شاہجہان کی ملکہ قندھاری بیگم کے مدفن کی اس گئی گذری

[۵] تاریخ آگرہ از مولوی سعید احمد مارہروی، صفحہ ۱۶۴ [۶] ر ایضاً، صفحات ۵۰ - ۱۴۳،

حالت مین بھی دہلی و آگرہ مین ایسی زیر زمین قبرین بہ تعداد کثیر موجود ہین،

شاہ بیگم کا جسد خاکی کسی سفید و تابندہ مرمر کے تابوت کے اندر دفن نہیں ہے بلکہ اسکی قبر اینٹ چونے کی سادہ و بے تکلف تعمیر ہے، قبر کے چبوترے کا طول دس فٹ عرض سات فٹ دو انچ ہے، قبر کا تابوت یعنی اونچا حصہ پانچ فٹ پانچ انچ لمبا، دو فٹ پانچ انچ چوڑا ہے، قبر کے چبوترہ کی بلندی ایک فٹ ایک انچ ہے، اور تعویذ کی ایک فٹ چار انچ، دونون کی ملاکر دو فٹ پانچ انچ ہوئی، اسکی چھت کسی قدر پست مگر محدب ہے، چارون دیوارون کے پہلوؤن کو کچھ کچھ اٹھا کر اوپر ملا کر پاٹ دیا گیا ہے، آپ چاہین تو اس کو نیم گنبد کہہ سکتے ہین، شاید ایک تہ خانہ یعنی زمین دوز حصہ عمارت کے لیے یہی مناسب و کافی تھا، اس پورے طبقۂ زیرین مین معمولی پتھر کے چوکون کا ہموار صاف ستھرا فرش ہے، کثرت استعمال و پامالی سے چکنا بھی ہوگیا ہے، ایک وسیع مسقف رقبہ مین ایسا فرش نہایت اچھا پیرون کے لیے آرام دہ اور آنکھون کیلئے راحت بخش ثابت ہوتا ہے، شاید یہ درجہ کبھی چارون طرف سے بند رہا ہوگا، جیسا کہ مسٹر بیل نے لکھا ہے[1] اور منافذ اور جھنجریون سے روشنی کا بقدر قلیل انتظام ہوگا، مفتاح التواریخ[2] کے الفاظ یہ ہین:- "اصل تربت او اندرون روضہ ہست و آن مسدود است از ہر چہار طرف" بظاہر اسکی تعبیر دشوار ہے، اور اگر آمد و رفت کے اعتبار سے بند ہونا مراد ہو تو چارون طرف سے مسدود ہونا کیا معنی رکھتا ہے، ایک دکن رخ تو دروازہ ضرور کھلا ہوا موجود ہے، بہرکیف اب کوئی بگڑی ہوئی کیفیت باقی نہین، غالباً اصلی حالت مین تبدیل کردیگئی ہے، ممکن ہے کہ یہان کبھی نقش و نگار یا رنگینیان رہی ہون، مگر اس وقت سفیدی اور چونے کی تہون کے سوا کچھ نظر نہین آتا، چھت کی استرکاری مین البتہ کچھ جدولین، اور دائرہ بناتے ہوئے جال در جال پیدا کردئیے گئے ہین، اور وہ خوشنما ہین،

بیگم کی گود جس طرح جیتے جی بھری پری رہی، اسی طرح آج بھی ہے، اُسکی آغوش یا دامانِ عاطفت مین کئی بچے کھیل رہے اور قبر کے پہلوؤن اور بغلی حصون کو آباد کئے ہوئے ہین، اس کی قبر کے پاس داہنے کو

[1] تاریخ آگرہ صفحات ۵۸ و ۹۰ و ۹۲ و ۹۴ و ۹۵، ۱۰۰ و ۱۶۴ و ۱۶۸ و ۱۷۳ [2] ص ۳۳۵

دوچھوٹی چھوٹی قبرین ہین، جس کے بعد اینٹ کی جالی سے ادھر کا دروازہ بند کردیا ہے، بائین طرف بھی
ہین، دوسرے درجے مین، اسی طرح پر بائین طرف دو قبرین چھوٹی چھوٹی برابر کو ہین، اور تین قبرین سی
ہٹ کر تیسرے درجہ مین ایک معمولی چبوترہ اینٹون کا نظر آتا ہے، جو تقریبًا ایک گز مربع اور ایک بالشت
"تجلدشد بیگم" سے ۱۰۱۲ عدد نکلتے ہین جو سنگ بالین پر مرقوم ہے، مسٹر بیل اپنی اورینٹل بیاگرفیکل ڈکشنری[1]
مین ۱۰۱۲ھ=۱۶۰۳ع لکھتے ہین، تزک[2] مین سال وفات ۱۰۱۳ھ چھپا ہے، ممکن ہے کہ ٹائپ کی غلطی ہو، مسٹر
کی رائے[3] ہے، کہ تزک کی مندرجہ تاریخ یعنی ۲۶ رماہ گذشتہ ۱۰۱۳ھ ۶ رمئی ۱۶۰۵ع کے مطابق ہوتی ہے
خود جہانگیر یا اس کے نقل کنندہ کاتب سے ایک سال بڑھ گیا ہے، صحیح تاریخ ۲۶ رذیحجہ ۱۰۱۲ھ یا ۱۶ رمئی ۱۶۰۴ع
ہے، اکبرنامہ سے بھی یہی سال پایا جاتا ہے،

ڈاکٹر فوہرر شاہ بیگم کا سالِ وفات ۱۰۱۴ھ لکھتے ہین[4]، وہ محکمۂ آثار قدیمہ کے سب سے بڑے افسر تھے، انکی کتاب یادگارہائے قدیم پر سرکاری استناد، سرکاری حکم اور سرکاری خرچ سے سرکاری مطبع مین چھپی، یہ مقبرہ اور اس کا کتبہ ان کی نگرانی اور سایۂ عاطفت مین تھا، ان سے ایسی غلطی کا سرزد ہونا تعجب سے خالی نہین،

کرنیل نیول ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید[5] مین ارقام فرماتے ہین، کہ کتبہ سے سالِ وفات ۱۶۲۱ معلوم ہوتا ہے، گزیٹیرون کے فاضل مولف بھی انسان ہین، باوجود وسعت نظر و تحقیق اور قابل معاونین کی ایک جماعت کے ان کا قلم بھی کبھی کبھی فاش غلط نگاریان کرجاتا ہے، ان کا یہ لکھنا کہ خسرو کی ماں کا سال وفات ۱۶۲۱ معلوم ہوتا ہے، ایک فاحش غلطی ہے، "معلوم ہوتا ہے" کے معمولی فلسفیانہ و ادیبانہ عذر کے لکھ دینے سے ان کی ذمہ داری و جوابدہی ان کو سبکدوش نہین کرتی، اس شاہزادی نے ۲۶ رذیحجہ ۱۰۱۲ھ کو وفات

---

[1] صفحہ ۱۵۲، [2] صفحہ ۲۶، [3] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۷ء، صفحہ ۶۰۳،
[4] آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا سلسلۂ جدید، جلد دوم، صنادید قدیمہ اور کتبے، صفحہ ۱۳۰،
[5] صفحہ ۱۹۹، گزیٹیر سابق، صفحہ ۲۰۳،

پائی تھی جو تمام تقادیم موجودہ ورائجہ کے حساب سے ۶ مئی ۱۹۰۴ء کے مطابق ہے، قطعۂ تاریخ اور اسکی نقل آپکے سامنے موجود تھی، ۱۰۱۲ھ یکم جون ۱۶۰۳ء سے شروع ہو کر ۱۹ مئی ۱۶۰۴ء کو ختم ہوا، ۱۶۲۱ء کا پہلا دن ۱۵ صفر ۱۰۳۰ھ کے مطابق تھا، پندرہ برس کا تفاوت! قیاس چاہتا ہے کہ غلطی سے مان کے سالِ وفات کے بجائے بیٹے کا لکھ گیا ہو، اس لئے کہ سلطان خسرو آخر جنوری یا شروع فروری ۱۶۲۲ء مین فوت ہوا تھا، اور ۱۰۳۱ھ کا آغاز ۱۲ نومبر ۱۶۲۱ء کو اور اختتام ۲۵ اکتوبر ۱۶۲۲ء کو ہوتا ہے، بعض اوقات ایک تقویم سے دوسری مین تحویل کرتے وقت مہینون یا دنون کا فرق ناگزیر یا ناقابل لحاظ سمجھا جاتا تھا،

صفحاتِ تاریخ بتاتے ہین کہ مغلون کے محلات مین آنے والی ہندوستانی شاہزادیون مین مان بائی (شاہ بیگم) سب سے پہلی رانی تھی جس نے حرم سرائے سلطانی مین جان دی اور اپنے شوہر پر نثار و تصدق ہو گئی، تیمور کے پوتے نے بھی نیازمندی و وفا کا حق ادا کیا اور اس کے جسدِ خاکی کی ابدی آسایش کے لئے دامنِ فردوس مین ایک قابلِ رشک نشیمن مہیا کر دیا، اسکا مقبرہ جس اہتمام و لطافت اور تعمیری و نسوانی رعایتون کے ساتھ اس سرسبز و سدابہار چمن کی آغوش مین تیار کرایا گیا، اس کے شایانِ شان تھا، مغلون کے بہت سے شاندار مقبرے اور مدفن مین نے آگرہ اور دہلی مین ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر دیکھے ہین، لیکن شاہ بیگم کے مقبرے کو بے تکلف و تامل اور بلا خوف تردید ان کے سلیقۂ تعمیر کا حسین ترین نمونہ اور خوشنمائی و نزاکت کا مجسمہ کہہ سکتا ہون، اس کی سادگی و نظر فریبی مسلم ہے، ساتھ ہی جدتِ وضع، اندازِ تعمیر اور مجموعی اختصار نے جو خوبی و رعنائی پیدا کر دی ہے، اسکی دادِ تحسین مجھ ناشناس کی آنکھین کیا دے سکتی ہین، مین نے ایک بالغ نظر کو اس وجہ خاص سے اسکو تاج پر بھی فوقیت و ترجیح دیتے دیکھا ہے،

ایک عورت کے روضہ کی تعمیر مین خصوصیت یا صفت اسکی نسوانیت کو ہونا چاہیئے، اگر اکبری دور کے تعمیرات کا سا مردانہ پن، استواری و استحکام کی نمایش اور اہتمام اس مین بھی کیا جاتا تو لطافت و نزاکت، دلکشی و دلربائی خواہ مخواہ مفقود یا نظرانداز ہو جاتی، یہ نسوانیت یہان ارادۃً پیدا کی گئی ہے اور بدرجۂ اتم زیب دے رہی ہے

یون کہئے کہ روضہ کی عمارت محض روضہ نہین بلکہ شاہ بیگم اپنی بہار حسن وجمال کے ساتھ اس رشک فردوس مقام پر جلوہ افروز ہے، پھر یہ اسکی انتہائی خوبی ہے کہ صبح درخشان ہو یا نیمروز تابان، شام کا دھندلکا ہو یا رات کی گھنگھور سیاہی، یہان رانی اپنی اترتی یا ڈھلتی ہوئی جوانی مین نہین، بلکہ چڑھتے ہوئے شباب مین رونق بخش نظر آتی ہے،

مین نے جب اپنی جوانی اور نئی عمر مین اس کو پہلے پہل دیکھا تھا تو اپنے نزدیک فیصلہ کر لیا تھا کہ جہانگیر نے یہ خوبصورت اور نازک یادگار بنا کر بیگم کی مہر ووفا کا صلہ یا حقیقۃً اپنا خراج عشق ادا کیا ہے اولوالعزم شاہجہان نے بلند حوصلگی کے ساتھ ممتاز محل کا روضہ بنوانے مین محض باپ کی تقلید یا پیروی کی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنے سپوت ہونے کا ثبوت دیا ہے،

نگارندۂ سطور، عبرت و وفا کا سبق حاصل کرنے شاہ بیگم کے مرقد پر بار ہا گیا، اور زبان حال سے کسی کی غفلت و بے خبری کا شکوہ سنج پایا ہے،

بر مزار ما غریبان نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

گجراتی زبان اور اوسکی تاریخ،

(ماخوذ از تاریخ گجرات زیر ترتیب مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی)

(۳)

گجراتی لٹریچر دو خاص عہدون مین تقسیم ہی، (۱) عہدِ جدید، (۲) عہدِ قدیم، عہدِ قدیم کا زمانہ پندرہوین صدی سے انیسوین صدی تک ہی، اور عہدِ جدید کی ابتدا، انیسوین صدی سے ہوتی ہے، عہدِ جدید کی خصوصیت یہ ہی کہ جو شاعر اس زمانہ مین گذرا، وہ ایک خاص مذہبی خیال کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا، جو طالب علم ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے، اوس کو چاہئے کہ سب سے پہلے وہ مختلف جماعتون کا مطالعہ کرے، اور اون کے مختلف عقائد کو سمجھے، ان شاعرون کا پوری طور سے مطالعہ اسوقت ممکن ہوسکتا ہی، جب ہم اون مختلف جماعتون سے پوری طور پر واقف ہوجائین، جن سے وہ متعلق تھے، اگر ہمارے پاس اس کے متعلق کامل معلومات نہ ہون تو ہم ان شاعرون مین سے کسی شاعر کے ساتھ انصاف نہین کرسکتے ہین، ہم اپنے قدیم شاعرون کا مناسب طریقہ سے مطالعہ اُسی وقت کرسکتے ہین، جب کہ ہم شاعر کو سمجھین، اور اوس کی جماعت کے عقائد پر احتراماً غور کرین، اگر ہم کسی تعصب کے ماتحت ایسا کام کرین، تو ہم ضرور اون کے ساتھ بے انصافی کرین گے، "نرسنہ" کو سمجھنے کے لئے یہ لازمی ہے، کہ وشنو جماعت کے متعلق واقفیت حاصل کرین، اور میران کی پیروی کرنے کے لئے ہمین میران جیسا بننا چاہئے،

عہدِ قدیم کا سب سے آخر شاعر اور گجرات کا ایک بہترین شاعر ہمارا رنگیلا دیارام شاعر تھا، دیارام کی زندگی کے متعلق مختلف روایات ہین بعض کہتے ہین، کہ وہ اخلاقاً کمزور تھا، اور اس کی شہادت اوس کی تصانیف سے ملتی ہے جنہین وہ عشق کے جذبات کو علانیہ بغیر اخلاق کے معمولی قواعد کی پابندی کے بیان کرتا ہے، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جوانی مین وہ بہت شریر تھا، وہ چاندود کا رہنے والا تھا، چاندود ہندؤون کی جاترا کی جگہ ہی، اور "نمادا" (؟) کے کنارے واقع ہے، دیارام کو اس سے خاص مسرت ہوتی تھی؛

کر وہ ان عورتوں پر جو تَمادا کے کنارے پانی لینے آتی تھیں، پتھر پھینکے اور شرارت کرے، ایک روز اوس نے ایک سنار کو چھیڑا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ اوسے تیر کر پاس کے گاؤں "کرنالی" میں بھاگ جانا پڑا، وہاں ایک سادھو کسوانند سے ملاقات اور وہ ایسے شریر اور بدمعاش کو اپنا چیلا نہیں بنانا چاہتا تھا، مگر آخر کار کسوانند نے اُسے اپنا چیلا بنالیا، دیارام اس سے خوش ہوا، اور اوس نے، یہ "پاڈا" گایا، "گرو بڑا ہے، گرو بڑا ہے"، دیارام فطری شاعر تھا، وہ بچپن ہی سے چھوٹی چھوٹی نظمیں لیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اوس نے اپنی جوانی کے زمانہ میں چند "پاڈے" نظم کئے تھے، جو اخلاق سے گرے ہوئے تھے، اس نے کبھی شادی نہ کی، اور بوڑھا ہو کر مجرد ہی حالت میں مر گیا، ہندوستان کے مقدس مقامات کی پیدل جا کر زیارت کی جس اوسے مختلف تجربات حاصل ہوئے، بنارس میں اوس نے کاشی وشویشور کی تعریف میں ایک کتاب لکھی، وہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی زبانوں سے واقف تھا، وہ بہت حسین اور دلفریب تھا، اوس کی آواز میں شیرینی تھی، وہ وشنو جما سے تعلق رکھتا تھا، اُس کے گربے "بہترین اور مقبول گربے" کا مضمون نسوانی جذبات کے ذریعہ شری کرشن کی پرارتھنا دیارام کے گربے میں عشق کے جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، لیکن چونکہ گربے کا مضمون عبادت ہے، اس لئے اسے لڑکی ماں کے سامنے بغیر روک ٹوک کے گا سکتی ہے، دیارام کے گربے مشہور و معروف ہیں، یہ دیکھنا مناسب نہیں ہے کہ اس کا چال چلن بے داغ تھا، یا نہیں، لیکن خدا کے ساتھ اس کا عقیدہ بہت زیادہ تھا، اس کا گرو اچھا کا رام بھٹ اُسے نرسنگھ کا دوسرا اوتار کہتا تھا، اس کی تصانیف کئی ہیں، اوس کی زبان شیریں اور دلفریب ہے، اس کا طرزِ تحریر بہت صاف ہے، وہ خود مختار اور صداقت شعار تھا، اس کی فطرت کی جھلک اس کی نظموں میں پائی جاتی ہے، وہ گجرات کا بائرن کہلاتا تھا اور عہدِ قدیم کا بہترین شاعر تھا،

عہدِ جدید کا آغاز دیارام کے بعد سے ہوتا ہے، اس عہد کے بعد برطانوی حکومت مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی تھی شوریدہ سر مرہٹے گجرات سے چلے گئے تھے، مغربی تعلیم کی ابتدا ہو رہی تھی بمبئی یونیورسٹی قائم کی گئی تھی، گجرات کے پایۂ تخت احمد آباد میں بھی تعلیم پھیل چلی تھی، بعض لٹریری ریسرچ (تحقیقات) بھی کی گئی تھی انگریز مشنریوں کی مدد سے گجراتی زبان کے قواعد لکھے گئے تھے، احمد آباد میں گجرات ورنیکلر سوسائٹی قائم کی گئی تھی، شاعر دلپت رام ڈایا بھائی اس سوسائٹی کا خاص تنظیم کرنے والا تھا، وہ

عہدِ جدید کا پہلا اور خاص شاعر ہے، مذہب جو شاعری کا مرکز تھا، بدل دیا گیا تھا، اب شاعری کے مضمون مین انسانی زندگی
کے تمام مختلف پہلو دکھائے جاتے تھے، نرمداشنکر جو دلپت رام کا ہمعصر تھا، سورت شہر مین ۱۸۳۳ء – ۱۸۸۶ء مین گذرا تھا، یہ
دونون شاعر لٹریچر کے میدان مین ایک دوسرے کے حریف تھے، اس کا لازمی نتیجہ ادبی مباحثے تھے، جو سائل اور ولبھ جیسے
تو نہ تھے، لیکن کچھ کچھ ویسے ہی تھے، ان بحث و مباحث سے سوسائٹی کو بہت فائدہ ہوا، دلپت رام پرانے سخت مذہبی
نظام سے تعلق رکھتا تھا، اور نرمداشنکر ایک نوجوان بت شکن اور سوسائٹی کی اصلاح کرنے والا تھا، اوس نے کچھ انگریزی
تعلیم حاصل کر لی تھی، نرمداشنکر کو ہر ایک پرانی چیز سے نفرت تھی، یہ دو برابر کے لیکن ایک دوسرے کی رقیب قوتین ایک
دوسرے سے جنگ کرتی تھین، ان شاعرون کے مزاج اور فطرت کا عکس ان کی تصانیف مین نمایان ہے، دلپت رام
ارتقاء پر عقیدہ رکھتا تھا، اور نرمداشنکر سوسائٹی کی اصلاح و بہبودی کے کام مین انقلابی خیال رکھتا تھا، اور چاہتا تھا
کہ ذات پات کے نظام کا ایک ہی وار مین کام تمام کر دے، دلپت رام اس بات کا سبق دیتا تھا، کہ سوسائٹی کی ترقی
کے کام کو آہستہ آہستہ اور بتدریج کرنا چاہیئے، اس ویرپا جنگ سے لٹریچر پر بہت فائدہ مند اثر ہوا،

نرمداشنکر اور دلپت رام گجراتی لٹریچر کے قابلِ احترام شاعر کہلائے جانے لگے، دلپت رام نے ہمارے لٹریچر
مین بہت کچھ اضافہ کیا ہے، اوس کی زبان سنجیدہ، متین، معمولی، ظریف، اور پُر معنی ہے، اس کے "دُہرے" اور "چاندرے"
اس بات کے ثبوت ہین، اوس نے ہمین "جنید گربے" بھی دئے ہین، اوس پر خدا کی طرف سے ایک عجیب بخشش تھی، کہ وہ "پاڈون"
کوئی البدیہہ کہہ لیا کرتا تھا، بہ حیثیت ایک آدمی کے وہ سادہ مزاج اور وفادار تھا، اور حکومت اور عوام دونون اوس سے
محبت کرتے تھے، نرمداشنکر خود سر، مضطرب اور تخیل رکھنے والا اور مصلح تھا، اور بحیثیت ایک شاعر کے نوجوان طبقہ اوسے
بہت پسند کرتا تھا، اوس کی شاعری مین زور ہے، اور اوس کے "ویر راس" مین شجاعت کے جذبات ہمین بہادر بناتے ہین،
اُس کا خیال تھا، کہ کام کو شروع کرنے کے بعد بہر حال اُسے ختم کرنا چاہیئے، نرمداشنکر ہی پہلا شخص ہے، جس نے گجراتی
لٹریچر مین نثر کی ابتدا کی، مادرِ وطن سے اوسے بہت محبت تھی، اوس کی نظم بہ عنوان "اے باوقار گجرات تیری فتح ہو" بطور
ایک قومی ترانہ کے پیش کیجا سکتی ہے، نرمداشنکر پہلا شخص تھا، جس نے گجراتی ڈکشنری (لغت) لکھی تھی، بھولاناتھ سارابائی

نے گجراتی لٹریچر مین ایشورنگتی (خدا کی عبادت) کی نظمین لکھنے کی پہلے پہل بنا ڈالی تھی.

کیا کوئی ایسا گجراتی ہے جس نے "لاٹھی" واقع (کاٹھیاواڑ) کے ٹھاکر صاحب شری سورسنگھ گوہی کا نام؟ صرف وہی ایک ایسی مثال ہے. جو بادشاہ بھی تھا اور شاعر بھی، اس کا تخلص "کلاپی" تھا؛ اس کی موسیقی آواز ایسی ہی شیرین تھی جیسے برسات کے موسم مین کسی مست اور بے رفیق طاؤس کی، اس کے زمانہ مین بہت نئے اور مختلف عناصر گجراتی لٹریچر مین داخل کئے جا رہے تھے، گجرات مین انگریزی تعلیم کے جاری ہو سے رفتہ رفتہ انگریزی زبان کی خصوصیات بھی ہمارے لٹریچر مین داخل ہوتے جاتے تھے، اب تک شاعری کا مضمون عشق الٰہی تھا، "کلاپی" نے اپنی نظمون مین دنیاوی عشق داخل کر دیا، کلاپی نوجوانون اور طالب علموں مقبول شاعر ہے، اس کی نظمین عشقیہ جذبات (پریم رس) سے پُر ہوتی ہین، ان خطوط مین جو اوس نے اپنے دوستون کو لکھے ہین، ادبی چاشنی ہے، اور وہ بہت اچھے ہین، وہ شاعر کے بہ نسبت عاشق مزاج زیادہ ہے. اوس کی نظمین تجربہ کے حسن سے رنگی ہوئی ہین، اس کی خوش قسمتی تھی، کہ اس کے حلقۂ احباب مین بہترین لٹریری اشخاص تھے، منی لال ناتھو بھائی، درویدی سامل داس کالج بھاؤنگر مین سنسکرت کا پروفیسر تھا، اوس نے بہت سے مضامین لکھے ہین، ان مین سے ایک مضمون جو اوس نے کیرکٹر پر لکھا ہے، قابل توجہ ہے، پرمانند کے تماشون کو چھوڑ کر ہم یہ کہہ سکتے ہین، کہ اب تک گجراتی مین ڈرامون کا لٹریچر نہ تھا، اس کا "ڈرامہ کانتا" گجراتی ڈرامون مین سے ہے، اوس نے بہت سے سنسکرت ڈرامون مثلاً "اُتر رام چرتر"، "شکونتلا" وغیرہ کا ترجمہ کیا ہے، اوس نے بہت سے فلسفیانہ مضامین بھی لکھے ہین، وہ گو سنسکرت کا پروفیسر تھا، لیکن اوس نے غزل لکھنے کا تتبع، فارسی الفاظ کو گجراتی الفاظ مین استعمال کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ کیا ہے: مثلاً "امید لاکھون ناکامیون کے اندر پوشیدہ ہے، رحم معشوق کے خنجر کے اندر چھپا ہوا ہے، مین نے جدائی کے ایام آہ و زاری اور اشک بہا بہا کر گذار دئے ہین، اگر میرے حلق پر خنجر بھی چل جائے، پھر بھی وصال کی تمنا مجھ سے جدا نہ ہوگی."

گوردھن مادھورام ترپاٹھی گجراتی لٹریری کانفرنس کا پہلا پریسیڈنٹ گجراتی مصنفون مین نہایت ممتاز جگہ رکھتا ہے، وہ ایل، ایل بی، اور نادیاد (نڑیاد) کا ناگر برہمن تھا، وہ گجراتی، سنسکرت اور انگریزی کا بہت ہی پُر شوق

طالبعلم تھا، اس وقت گجراتی زبان عجیب حالت مین سے گذر رہی تھی، تین اور عالم اشخاص کی تو یہ کوشش تھی، کہ گجراتی کو سنسکرت کے ساتھ ملا دیا جائے، اور نئے تعلیم یافتہ نوجوان اس بات کیلئے انتہائی کوشان تھے، کہ گجراتی کو انگریزی کے زیر اثر لے آئین، گوردھن نے اس رسہ کشی کو بہت کامیابی کے ساتھ طے کر دیا، اس نے خوبصورتی کے ساتھ تینون زبانون سنسکرت، انگلش، اور انگریزی کی خصوصیات کو اختیار کر کے اُن کو باہم ملا دیا، اُس کا آخری ناول "سرسوتی چندر" گجراتی لٹریچر مین بہترین تصنیف ہے، وہ چار حصّون مین شائع کی گئی ہے، گوردھن نے اپنے علم کے خزانہ کو اسی تصنیف مین ختم کر دیا ہے، اس کے کیرکٹر نہایت اعلیٰ ہین، وہ ایک بڑے متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ خاندان کا معاشرتی ناول ہے، ہم اس کے کمود، اور (ہیروین) "کسم" (اسکی بہن) اس کے سرسوتی چندر (ہیرو) وشنو داد، بدھی دان وغیرہ، کو اپنی باطنی نظر کے سامنے دیکھتے ہین، اس ناول کا گجراتی سوسائٹی پر بہت ہی اچھا اثر ہوا ہے، المختصر گجراتی سوسائٹی مثل سرسوتی چندر بن گئی ہے، اس نے گجراتی کے بڑے بڑے شاعرون کی زندگی پر انگریزی مین بعض مضامین لکھے ہین، علاوہ ازین اوس نے اپنی نظمون کا مجموعہ شائع کیا ہے، جس کا نام محبت کی انگشتری (سنہ مدرا) رکھا ہے، اس کے نثر کا تتبع بہت کیا جاتا ہے، سنہ ۱۹۰۶ع مین وہ مر گیا،

اب ہم اپنے زمانہ مین پہنچ گئے ہین، اس زمانہ کے موجودہ گجراتی شاعرون اور مصنفون کی نسبت اگر کچھ لکھا جائے تو شاید ہمارا مضمون قابل اعتراض بن جائے، اس لئے ہم ان کو آئندہ مؤرخ کے حوالہ کرتے ہین، تاہم ختم کرنے سے پہلے گجراتی لٹریچر کی موجودہ حالت کے متعلق مختصر طور پر ضرور کچھ کہین گے، گجراتی زبان کو بہت ترقی کر گئی ہے، کئی ماہواری رسالے شائع ہوتے ہین، کالجون مین بھی گجراتی پڑھائی جاتی ہے، گجراتی لٹریچر کے تمام شعبون پر کئی عالم لکھنے والے ہین، ناول بھی لکھے جاتے ہین، کنہیا لال منشی اور ترائن ٹھکر مہذب ناول لکھتے ہین، نثر کا لٹریچر بھی بہت صاف سادہ اور شایستہ ہے، آج زبان کی سادگی نے لٹریچر مین مستقل جگہ حاصل کر لی ہے، تصنع کے بجائے سادگی ہے، عدم تعاون کی تحریک نے بہت قابل لکھنے والے پیدا کر دیے ہین، یا دوسرے الفاظ مین یہ کہ اس تحریک نے ہمارے لٹریچر پر نئی روشنی ڈالی ہے، اس نئی طرز کے خاص لکھنے والے تحریک کے روح روان، ہمارے بزرگ اور محترم مہاتما گاندھی جی ہین، آجکل

کے نثر لکھنے والون مین یہ سب سے اوّل ہین، جس طرح اون کی زندگی پاک سادہ اور عبادت گذار ہے، اسی طرح ان کی زبان بھی پاک صاف سادہ اور شگفتہ ہے، اونھون نے گجراتی نثر مین ایک نئی شاخ لگائی ہے،

شاعری بھی اعلیٰ بلندی پر پہنچ گئی ہے، دلپت رام شاعر کا قابل فرزند نہنالال آج کل لٹریری آسمان کا چاند ہے جس سے بہت سے مُبتدی مُستفید ہوتے ہین، وہ بہترین شاعرون مین سے ہے اس کی نظمین چاندنی رات کے مانند حسین اور دلفریب ہین، اوس نے بھی شاعری مین نئی شاخ لگائی ہے، اسکی نظمون کی خصوصیات "بلینک ورس" ہے اسکے ڈرامے بھی اوسی طرز مین لکھے جاتے ہین، اس کے "گربے" گجرات مین بہت مشہور ہین،

اردشیر فرامجی خبردار ایک اور شاعر ہے[1]، جو گو پارسی ہے، مگر اس کی نظمین پاکیزہ اور ادبی ہوتی ہین، حب وطن پر اُس کی نظمون نے گجراتیون کے قلوب مین جگہ کرلی ہے، پروفیسر بلونت رائے، کلیان رائے، ٹھاکور کی عالمانہ اور فلسفیانہ نظمین اعلیٰ سوسائٹی مین پڑھی جاتی ہین، نرسنگھ راؤ، بھولا نتی، ڈی وے، ٹیاگو، جدید انگریزی کو گجراتی شاعری کے ساتھ مدغم کرنے مین کامیابی ہوئی ہے، اسکی وہ نظمین جو فطرت کی تعریف مین لکھی گئی ہین، بہت خوشی کے ساتھ پڑھی جاتی ہین، ان نامون کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شاعرون کی ایک کثیر تعداد گجرات کے گلستان مین چہل قدمی کررہی ہے تراجم سے بھی گجرات کے لٹریچر مین دوسری زبانون کی خصوصیات کا اضافہ ہورہا ہے، دیوان بہادر کیشولال، ہرشدلال دھروکے، "مُدرا راکشس" "شکونتل"، وغیرہ سنسکرت کے بعض عالمانہ تراجم ہین، پروفیسر دھروا ایک بہت بڑا نقاد اور فائیلولاجسٹ ہے، (بنارس ہندو یونیورسٹی کے) پروفیسر انند شنکر دھرو بھی سنسکرت کے ایک بڑے عالم ہین، وہ ادبی رسالہ "وسنت" کے مدیر اور مشہور نقاد ہین،

مختلف صوبون کی زبانون مثل بنگالی، مرہٹی وغیرہ کے مطالعہ کا رواج گجرات مین ہوچلا ہے ان زبانون کی خصوصیات بھی گجراتی مین داخل کیجارہی ہین، علاوہ سائنس اور تاریخ کے علوم مین بھی کافی تحقیقات اور جدوجہد کی گئی ہے، ابھی حال مین ایک انسائیکلوپیڈیا بھی لکھی جارہی ہے جس سے زبان کو بے انتہا فائدہ پہنچے گا۔

---

[1] عرف عام مین اس کا نام آردیشر اور تخلّص کبردار کہلاتا ہے،

مندرجہ ذیل شعرا گجراتی زبان کے پیدا ہوے، جنکو گجرات مین کافی مقبولیت ہوئی،

(۱) نرسنگھ مہتا، جوناگڈھی، متولد ۱۴۱۲ء،

(۲) میران بائی، (میواڑ) ۱۴۰۳ء ۱۴۷۰ء،

(۳) بھالنڑ ۱۴۳۹ء ۱۵۲۹ء،

(۴) اکھا ۱۶۱۵ء ۱۶۷۵ء،

(۵) پریمانند، بڑودہ کا باشندہ تھا، ۱۶۳۶ء مین پیدا ہوا، اور ۱۷۳۴ء مین فوت ہوا،

(۶) سامل، احمد آباد کا رہنےوالا تھا، ۱۶۷۵ء مین پیدا ہوا اور ۱۷۳۰ء مین انتقال کرگیا

(۷) دیارام، ڈبھوئی مین قیام رکھتا تھا، ۱۷۶۷ء مین پیدا ہوا، بڑا فاضل تھا، چودہ زبان کا عالم تھا، ۱۸۵۲ء مین فوت ہوا،

(۸) دلپت رام اصل وطن آبا و اجداد کا بھلیمان تھا، پھر کاٹھیاواڑ مین آکر بسے اس کے بعد احمد آباد چلے آئے، ۱۸۲۰ء مین پیدا ہوئے، اور ۱۸۹۸ء مین اس فانی دنیا کو خیرباد کہا، ان کا لڑکا بھی گجرات کا اسوقت بہترین شاعر ہے،

(۹) نرمدا شنکر ۱۸۳۳ء مین پیدا ہوا، سورت ان کا مسکن تھا، ۱۸۸۶ء مین چل بسے،

(۱۰) نند شنکر ۱۸۳۵ء مین اس جہان مین آئے اور ۱۹۰۵ء مین یہان سے کوچ کرگئے، یہ سورت کے باشندے تھے،

(۱۱) نول رام، اسکی ولادت سورت مین ہوئی ۱۸۳۶ء

(۱۲) رنچھوڑ بھائی ۱۸۳۷ء مین تولد ہوا اور ۱۹۲۳ء مین انتقال کیا،

(۱۳) بھگوان لال اندرجی ڈاکٹر ۱۸۳۹ء مین اسکی ولادت ہوئی ۱۸۸۸ء مین وفات پائی،

(۱۴) منسکھ رام، ۱۸۴۰ء مین اس باکمال نے دنیا مین قدم رکھا، یہ گجرات کا فردوسی ہے، اپنے اشعار مین غیرملکی زبان سے بے حد احتراز کرتا ہے، اور خالص گجرات کی زبان استعمال کرتا ہے، فارسی، عربی وغیرہ کے الفاظ مشکل سے اُس کے اشعار مین ملین گے، ۱۹۰۷ء مین اوس نے دنیا کو وداع کیا،

(۱۵) کے خسرو کابراجی، ۱۸۴۲ء مین پیدایش ہے، اور ۱۹۰۴ء کو راہی ملک عدم ہوئے،

(۱۶) واگ جی، ۱۸۵۰ء مین پیدا ہوئے، اور ۱۸۹۵ء مین وفات پائی،

(۱۷) ناراین ہیم چندر، ۱۸۵۵ء،

(۱۸) گوردھن رام، ۱۸۵۵ء مین پیدایش ہوئی، اپنے وقت کے اہل کمال مین ان کا شمار ہے، ۱۹۰۷ء مین اس جہان سے رخصت ہوئے،

(۱۹) ہری لال، متولد ۱۸۵۶ء، متوفی ۱۸۹۶ء،

(۲۰) منی لال نبھو بھائی ۱۸۵۸ء متوفی ۱۸۹۸ء،

(۲۱) بالا شنکر، ۱۸۵۹ء / ۱۸۹۸ء،

(۲۲) انبالال ساکرلال ۱۸۴۷ء،

(۲۳) نتھورام، ۱۸۶۲ء / ۱۹۲۳ء،

(۲۴) تری بھون داس ۱۸۶۳ء،

(۲۵) امرت لال، پڈھی یار، ۱۸۷۰ء،

(۲۶) بھوگندر راؤ، ۱۸۷۵ء / ۱۹۱۵ء،

(۲۷) رنجیت راؤ، —،

(۲۸) ڈاہیا بھائی، ناٹک لکھنے مین وقت صرف کیا، ۱۹۰۶ء،

(۲۹) تنا لال کوی ابن دلپت رام کوی، اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی ہوگی، گجراتی لکھنے مین آپ کو کمال ہے یا الہم آپنی، اور فارسی بھی آشنا ہین، انکے علاوہ اس عہد مین نرسی راؤ، بلونت راؤ، کلاپی، منی شنکر متوفی ۱۹۱۲ء اور بوٹا دکر وغیرہ بھی ذکر ہین سب سے آخر مین مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ مسلمان گجراتی شعراء کے نام اور حالات دستیاب نہین ہوئے حالانکہ کثرت سے مین نے طلب کئے، مگر نہ مل سکے، اگر کوئی صاحب اطلاع دین گے، تو بے حد شکر گذار ہون گا،

پدماوت کا مُصنِّف کون تھا؟

از

مولانا سعید انصاری صاحب رفیق دارالمصنفین

منشی برج بھوکن لال صاحب محب نے دریاباد (ضلع بارہ بنکی) کی ایک تاریخ لکھی ہی، جو ۱۹۲۵ء مین لکھنوٴ کے نامی پریس سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، اسمین قاسم شاہ صاحب کی ایک منظوم بھاشا تصنیف "ہنس جواہر" کا تذکرہ کرتے ہوے پدماوت سے اوس کا مقابلہ کرکے ترجیحی پہلو پیدا کیا گیا ہے، اس سلسلہ مین پدماوت کی نسبت "خلاصۃ التواریخ" کی حسبِ ذیل عبارت نقل کی گئی ہے،:-

"نسخہ پدماوت مشتمل بر حقیقت رائے رتن سین مرزبان چتور کہ بنا بر پدماوت زوجۂ خود با سلطان علاء الدین والی دہلی محاربہ نمودہ بود کہ مصر پدپادھر اسامی را بھاکا بخط ہندی نوشتہ آن را باہو رام خلاصہ مریدان گوشائین ولی رام بعبارتِ مرغوبہ بفارسی درآوردہ"

(تاریخ دریاباد ص ۱۰۹)

اور اس سے حسب ذیل تاریخی نتائج نکالے گئے ہین،:-

(۱) پدماوت کو اول مشر پدپادھر نے جو رائے رتن سین کے درباری رکن تھے، بزمانہ علاء الدین (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) والی دہلی بھاشا زبان مین تصنیف کیا،

۲ - بعد اوس کے باہو رام مرید گوشائین ولی رام کے ذریعہ اسے فارسی جامہ نصیب ہوا،

۳ - اور ہندی تصنیف کی مدد سے ایک مدت کے بعد شیر شاہ (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) کے عہد مین ملک محمد جائسی

کی کتاب پدماوت تالیف ہوئی،

۴۔ اورنگ زیب (۱۶۵۸ء - ۱۷۰۷ء) کے زمانہ تک نقاش اول کی دھوم رہی (یعنی پدمادھر پدماوت کے مصنف کی حیثیت سے مشہور رہا، کیونکہ خلاصۃ التواریخ اورنگ زیب کی عہد کی تصنیف ہے،) پھر نقش ثانی کا رواج ہوا، (یعنی ملک محمد جائسی کی پدماوت کا شہرہ ہوا، اور پدمادھر کی شہرت فنا ہوگئی،) جو اس وقت تک شہرت کے ساتھ قائم ہے،

۵۔ اس واقعہ سے ہنس جواہر (مصنفہ قاسم شاہ صاحب) کا درجہ ملک محمد جائسی کی کتاب پدماوت کے مقابلہ میں ممتاز نظر آتا ہے، کیونکہ یہ پدماوت مشر پدمادھر اور باہورام کی کتابوں کا ترجمہ ہے، اور ہنس جواہر قاسم شاہ کی طبع زاد تصنیف ہے،

لیکن ان نتائج میں متعدد غلط فہمیاں ہیں،

۱۔ مصر پدمادھر (صحیح پدمادھر) مصنف پدماوت کو راسے رتن سین والی چتوڑ کا درباری فرض کیا گیا ہے، اس کے لئے تاریخی سند کی ضرورت ہے، اور مصنف نے "خلاصۃ التواریخ" کی مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ (جو قابل بحث ہے) کوئی سند مہیا کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی ہے،

۲۔ چونکہ پدمادھر کا زمانہ قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں ہے، اسلئے پدماوت کا زمانہ تصنیف سلطان علاء الدین والیٔ دہلی کا عہد سلطنت (۱۲۹۶ء - ۱۳۱۶ء) بہ مشکل فرض کیا جا سکتا ہے،

۳۔ پدمادھر کی پدماوت کے کسی نسخہ کا کسی کتب خانہ میں مصنف نے وجود نہیں ثابت کیا ہے، اسلئے اوس کے فارسی ترجمہ (مصنفہ بناہورام) کے وجود کا یقین بھی آسانی کے ساتھ نہیں آسکتا

۴۔ پدمادھر کی پدماوت اور اس کا فارسی ترجمہ چونکہ "مشکوک الوجود" اور "مفقود الخبر" ہیں، اسلئے ایسی کتابوں کو قطعیت کے ساتھ ملک محمد جائسی کی پدماوت کا ماخذ قرار نہیں دیا جا سکتا،

۵۔ یہ بھی تسلیم کرنا مشکل ہے، کہ خلاصۃ التواریخ کے زمانۂ تصنیف تک جو اورنگ زیب کے عہد میں تھی، پدماوت کا مصنف پدمادھر ہی تسلیم کیا جاتا تھا، اور ملک محمد جائسی کی پدماوت گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی

۶- پدماوت اور نبا ہورام کی کتابون کا وجود ثابت ہونے سے پہلے یہ کیونکر مانا جا سکتا ہے، کہ ملک محمد جائسی کی پدماوت اون کا ترجمہ تھی، اور اس لئے ہنس جواہر (مصنفہ قاسم شاہ) اوس پر ترجیح رکھتی ہو،

حقیقت یہ ہو کہ مصنف کے پیش نظر خلاصۃ التواریخ کا جو مطبوعہ نسخہ تھا، اس مین عبارت غلط چھپی ہو، دارالمصنفین مین اوس کا قلمی نسخہ موجود ہے، اس کتاب کا مصنف سبحان سنگھ دہیر ساکن قصبہ پٹیالہ اپنی ماخذون کو گناتے ہوے پدماوت کے متعلق لکھتا ہو:-

"و نسخۂ پدماوت مشتمل بر حقیقت رائے رتن سین، مرزبان چتور، کہ بنا بر پدماوت زوجۂ خود با سلطان علاء الدین والی دہلی محاربہ نمودہ"

یہ عبارت یہین پر ختم ہو گئی ہے، اور اس سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہین،

۱- پدماوت مین راے رتن سین والی چتور کا قصہ لکھا ہے، جو اپنی بیوی پدماوت کی وجہ سے سلطان علاء الدین والی دہلی سے لڑا تھا،

۲- اسمین یہ تصریح نہین ہو، کہ پدماوت علاء الدین کے زمانہ مین تصنیف ہوئی تھی،

۳- نہ اس کا ذکر ہے کہ پدماوت کا مصنف کون تھا، ؟ اور کس زمانہ مین گذرا تھا، ؟

۴- نہ اس کا پتہ ہے، کہ پدماوت کا بھاشا سے فارسی مین ترجمہ ہوا تھا،

---

[1] کتبخانہ برٹش میوزیم اور بانکی پور کی فہرستون مین اس نام کے مختلف تلفظ لکھے ہین، مارلے، اور اسپرنگر نے (س ن ج ان)، ہیس اور الیٹ نے (س ب ح ان) گارسن دی تاسی نے (س ج ان) پڑھا ہے، بوڈلین لائبریری کی فہرست مین ایتھے نے (س ج ان راے) لکھا ہے، جو تاسی کے مطابق ہے، چونکہ آخری تلفظ مین "ہندوپن" ہے اس لئے وہی صحیح ہے، بانکی پور کی فہرست مین مصنف کو کھتری لکھا گیا ہے، اور اس کی تائید دار المصنفین کے قلمی نسخہ سے ہوتی ہے، کہ اس مین نام کا جزء سنگھ کا لفظ بھی ہے جو پنجاب کے اون کھتریون کے نام کے ساتھ شامل ہوتا ہے، جو سکھ مذہب کے پیرو ہوتے ہین،

اب آگے چلیئے، پدماوت کے ذکر کے بعد سجان سنگھ نے اپنی کتاب "خلاصۃ التواریخ" کے دو مہت اخذ کا تذکرہ کیا ہے، اور وہ یہ ہے:-

"و نسخہ راجاولی کہ مصر بدہا دھر[1] اسامی راجہا بخط ہندی نوشتہ، و آنرا نبا ہورام[2] خلاصہ مریدان گسائین ولی بعبارات مرغوبہ بفارسی در آوردہ"

اس ثابت ہوتا ہے، کہ:-

۱- راجاولی ہندی زبان میں ایک کتاب مصر بدہا دھر نے تصنیف کی تھی،

۲- نبا ہورام نے اسی راجہ ولی کو فارسی زبان میں لکھا تھا،

۳- راجاولی میں راجاؤن کے نام لکھے گئے تھے،

۴- بدہا دھر اور نبا ہورام کب اور کس زمانہ مین گذرے ہین،؟ اس کا کچھ ذکر نہین ہے،

دار المصنفین کے قلمی نسخہ سے ہم نے جو عبارتین نقل کی ہین، برٹش میوزیم اور بانکی پور کے نسخون مین بھی اُسی کے مطابق ہین،

اب حسب ذیل مسائل پر غور کرو،

۱- پدماوت اور راجاولی دو کتابین ہین،

۲- پدماوت مین رائے رتن سین کی رانی پدماوت کا قصہ ہے، اور راجاولی مین راجاؤن کے نام ہین، اسلئے دونون کے موضوع مین بڑا فرق ہے، جو دونون کے نامون سے ظاہر ہے،

۳- پدماوت کے مصنف کا نام نہین لکھا ہے، اور راجاولی کے مصنف کا نام بدہا دھر اور فارسی مترجم کا نام نبا ہورام بتایا گیا ہے، پھر بدہا دھر، پدماوت کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نبا ہورام کے پدماوت کے فارسی

---

[1] و [2] قلمی نسخہ مین یہ نام صاف نہین پڑھے گئے، کتبخانہ برٹش میوزیم اور بانکی پور کی فہرستون مین پہلا نام (ب دوہ ادھر) Bidhadhar اور دوسرا (ن ب اہ ؤ رام) Nibahuram لکھا ہے، اسلئے مصنف نے تاریخ دریاباد مین پدما دھر اور نبا ہورام جو نام لکھے ہین، غلط ہین،

ترجمہ کو کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے؟

۴۔ پدماوت، ملک محمد جائسی کی تصنیف ہے، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہو، جس کا انکار اب تک کسی نے نہین کیا ہے، خلاصہ تواریخ مین جو پدماوت کے مصنف کا نام نہین لیا گیا ہے، اوس کا سبب یہ نہ تھا، کہ پدماوت کسی اور شخص نے بھی لکھی تھی، بلکہ یہ سبب تھا، کہ پدماوت کا ملک محمد جائسی کی تصنیف ہونا ایک مشہور بات تھی،

۵۔ خلاصۂ تواریخ کے ماخذون کی فہرست مین متعدد نام ایسے بھی ملتے ہین، جن کے مصنفین کا ذکر نہین کیا گیا ہے، مثلاً گل افشان جو سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ تھا، اور جس مین بکرماجیت کے حالات تھے، تاریخ شہاب الدین غوری، تاریخ سلطان علاء الدین خلجی، تاریخ بہادر شاہی جس مین گجرات (احمد آباد) کے بادشاہون کے حالات تھے، تاریخ سلاطین جس مین ملتان، مالوہ، دولت آباد (دکن)، جونپور، بنگالہ، اوڑیسہ کے سلاطین کا تذکرہ تھا، توکیا ان سب کتابون کو بھی فرضی مصنفین کی طرف منسوب کر دیا جائے گا؟

لہ فہرست کتبخانۂ برٹش میوزیم بانکی پور،

تلخیص و تبصرہ

طریق معاش کا انتخاب

طریق معاش کا انتخاب اپنی اہمیت کے لحاظ سے جسقدر غور و تامل کا مستحق ہے، اسی قدر اُس مین غفلت و بے پروائی برتی جاتی ہے، ہر پیشہ کے لئے اختیار کرنے والے کی صلاحیت اور استعداد کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اور اسی اعتبار سے اوسکی تعلیم و تربیت ہونی چاہیے، لیکن عام طور پر طلبہ کی صلاحیت و استعداد پر کوئی توجہ نہین کی جاتی اور بغیر اس خیال کے کہ جس پیشہ کیلئے اونھین تیار کیا جا رہا ہے، اُس مین وہ کہان تک کامیاب ہو سکتے ہین، والدین اُنھین اپنی پسند یا مصلحت کے لحاظ سے تعلیم دیتے رہتے ہین، بہت کم والدین کا انتخاب طلبہ کی استعداد کے موافق ہوتا ہے، عموماً اون کے اندازہ و قیاس مین غلطی ہو جاتی ہے، جس کی پاداش طلبہ کو تمام عمر اپنی ناکام زندگی مین برداشت کرنی پڑتی ہے، اس غلطی سے بچنے کی غرض سے چند سالون سے یورپ کے بعض ملکون مین ایسے ادارے قائم کئے گئے ہین جنمین ابتدا ہی سے طلبہ کی صلاحیت اور استعداد کی جانچ ہوتی رہتی ہے، اور زمانہ تعلیم ہی مین اون کو بتا دیا جاتا ہے کہ وہ کن پیشون کیلئے زیادہ موزون ہین تاکہ اوسی لحاظ سے وہ اپنے آیندہ طریق معاش کا انتخاب کر کے اس کے لئے تیاری کرین اور زندگی مین کامیاب ہو سکین، انگلستان مین بھی اس قسم کا ایک ادارہ (Institute of Industrial Psychology) دس سال سے کام کر رہا ہے، اس کے صدر ڈاکٹر مایرس (Dr. C. S. Myers) نے اس موضوع پر حال مین ایک مقالہ مانچسٹر گارجین مین تحریر کیا تھا جسے اسٹیٹسمین نے نقل کیا ہے، اس کی تلخیص ہم سطور ذیل مین پیش کرتے ہین:-

اگر کسی شخص نے کوئی ایسا پیشہ اختیار کر لیا ہے، جس کے لئے وہ موزون نہین ہے، تو انفرادی حیثیت سے اس کی زندگی

ناکام اور دردناک ہے، اور اجتماعی حیثیت سے وہ ایک ایسے مسئلہ کو پیش کر رہا ہے، جو موجودہ زمانہ کے اہم مسائل مین سے ہے، غلط پیشہ اختیار کرنے کا نتیجہ غیر آسودگی، بے اطمینانی، ناشادگی، وناکامی، خوداعتمادی کا نقصان، اور انسانی قوتون کا حیرت انگیز اختلاف ہے، لیکن دانشمندی کے ساتھ صحیح پیشہ کا انتخاب کرنا بھی آسان نہین ہے، اُس کے لئے لڑکے یا لڑکی کی دماغی جسمانی اور مزاجی قابلیت اور استعداد کا ٹھیک اندازہ لگانا ضروری ہے اس کیلئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے، کہ مختلف پیشون کے لئے کس کس قسم کی اہلیت اور قابلیت درکار ہے، پیشون کے انتخاب مین اکثر وبیشتر اتفاق ہی کو دخل ہوتا ہے، محض اس لئے کہ بچون اور اُن کے والدین واساتذہ کو وہ معلومات حاصل نہین ہوتے جو ایک صحیح تر انتخاب کیلئے ضروری ہین، فلسفۂ نفسیات مین جو ترقی حال مین رونما ہوئی ہے، اوس نے خوش قسمتی سے اس مسئلہ کا حل بھی پیدا کر دیا ہے، ماہرین نفسیات سالون سے ایسے طریقے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہین، جن سے طلبہ کی ذہنی اہلیت اور مزاجی اور کرداری کیفیت کا صحیح اندازہ ہو سکے، اور وہ ایک بڑی حد تک اس کوشش مین کامیاب ہو گئے ہین، وہ اپنے طریقہ پر زید کی جانچ کر کے صرف یہی نہین بتا دیتے کہ وہ ایک ذہین لڑکا ہے، بلکہ یہ بھی بتا دیتے ہین، کہ یونیورسٹی کے جن طلبہ نے نمایان کامیابی کے ساتھ اعلیٰ ڈگریان حاصل کی ہین، زید اپنی ذہنی استعداد کے لحاظ سے ان سے کسی قدر بڑھا ہوا ہے، نیز اونھین یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اوس مین صنعت وحرفت کے پیشون مین کامیاب ہونیکی صلاحیت بہت کم ہے، اور انجینیری تعمیرات، دندان سازی، اور اسی قسم کے دوسرے پیشے اوس کے لئے موزون نہین ہین، نفسیاتی جانچ کے ذریعہ سے وہ معلوم کر لیتے ہین کہ زید مین خوداعتمادی، حاضر جوابی، احتیاط اور منطقی استدلال کی صفتین موجود ہین، اور اس سے زبانی گفتگو کر کے وہ اس خیال کی تصدیق کر لیتے ہین، کہ وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہو سکتا ہے، دریافت کرنے پر زید کبھی اس پیشہ کے متعلق اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا ہے، پھر اس کے اساتذہ بیان کرتے ہین کہ لاطینی اور انگریزی زبانون مین اسکی استعداد بہت اچھی ہے، اور انجمن مباحثہ کا وہ ایک سرگرم رکن ہے، آخر مین اوس کے باپ سے گفتگو کر کے یہ معلوم کر لیا جاتا ہے، کہ وہ زید کو بیرسٹری کی تعلیم دلانے کی استطاعت رکھتا ہے، اور تعلیم سے فراغت کے بعد ہی جب تک زید کی آمدنی قابلِ اطمینان نہ ہوجائے، اوس کی مالی امداد کرنے کیلئے آمادہ ہے، ان معلومات کے بعد زید کے لئے یہ پیشہ منتخب کیا جاتا ہے،

انگلستان مین اس قسم کی جانچ اور مشورہ کا کام ایک خاص ادارہ نفسیات (National Institute of Industrial Psychology) کے ہاتھ مین ہے، دس سال سے زائد سے اس ادارہ کے ارکان مختلف پیشون کے لئے طلبہ کی صلاحیت اور استعداد کی جانچ کے طریقے وضع کر رہے ہین، اور اونھون نے تفصیل کے ساتھ اُن ضروریات کا مطالعہ کیا ہے، جس کا لحاظ ہر پیشہ کے انتخاب کیلئے لازمی ہے، اونھون نے تین عنوانون کے ماتحت تمام پیشون کی تقسیم کی ہے (۱) وہ پیشے جن کا تعلق خاص طور پر اشخاص سے ہے مثلاً درس وتدریس، عملہ کی نگرانی وغیرہ، (۲) وہ پیشے جو خاص کر اشیاء سے متعلق ہین، مثلاً فن تعمیر چمن بندی وغیرہ (۳) وہ پیشے جو خصوصیت کے ساتھ مجرد خیالات اور علامات سے تعلق رکھتے ہین مثلاً روپیہ وغیرہ کا حساب کتاب یہ تقسیم اگرچہ ناقص ہے تاہم کارآمد ہے،

یہ ادارہ جن طلبہ کو کسی پیشہ کے انتخاب کی بابت مشورے دیتا ہے، اُن سے دریافت بھی کرتا رہتا ہے کہ وہ اپنے انتخاب مین کہان تک کامیاب ہوئے، اس دریافت کے جو جوابات موصول ہوئے ہین، وہ بہت امید افزا ہین، اور اون سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مشورے ادارہ نے دیے تھے، وہ عمومیت کے ساتھ صحیح اور کامیاب ثابت ہوئے چنانچہ جن لوگون نے ادارہ کے مشورون پر عمل نہین کیا، ان مین کامیابی اور ناکامی کا تناسب تقریبًا برابر رہا، لیکن جن لوگون نے اس کے مشورون پر عمل کیا، ان کی کامیابی ناکامی سے نوگنا زیادہ تھی،

یہ ادارہ جس کی شاخین انگلستان کے متعدد مدارس مین قائم ہوگئی ہین، اونچے درجون کے طلبہ مین سے ہر سال تقریبًا آٹھ سو طلبہ کو اُن کے آیندہ طریق معاش کے انتخاب کے متعلق مفید اور مناسب مشورے دیتا رہتا ہے، لیکن یہ قلیل تعداد اوس کثیر تعداد کے مقابلہ مین کچھ بھی نہین ہے، جو اس قسم کے مشورون سے محروم رہنے کے باعث زندگی مین عمومًا ناکام رہتی ہے، لہذا خیال یہ ہے کہ رفتہ رفتہ تمام مدارس مین ایسے اساتذہ مقرر کردیے جائین جن کا کام خاص طور پر وقتًا فوقتًا طلبہ اور طالبات کی صلاحیت اور استعداد کی جانچ کرنا ہو، اور یقینًا مفید ثابت ہوگا، یہ اساتذہ ادارہ نفسیات کے تعلیم یافتہ ہون گے، اور اوسی ادارہ کے طریقون پر عمل کرین گے،

یورپ میں اوسط پیدائش کے انحطاط کا اقتصادی اثر

پروفیسر ہرش (Hersch) جنیوا یونیورسٹی نے ان اثرات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو یورپ مین اوسط پیدائش کے انحطاط سے اقتصادی حالات پر پڑرہے ہین، جیسا کہ اسٹٹیسٹین راوی ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ انحطاط مستقل کساد بازاری کے پیدا کرنے کا ایک قوی باعث ہوگا، اور اس سے بے روزگاری کا مسئلہ حل نہ ہو سکے گا، پروفیسر موصوف بتاتے ہین کہ سیکڑون برس تک یورپ کے ملکون کا سالانہ اوسط پیدائش تقریباً (۴۰) فی ہزار تھا، انحطاط فرانس مین شروع ہوا، اور گذشتہ صدی کے دوران مین اس کی رفتار برابر جاری رہی، اس صدی کے آخری ربع مین یہ انحطاط ان ملکون مین بھی شروع ہو گیا، جہان جرمن نسل کے لوگ آباد ہین، اور وہان موجودہ صدی کی ابتداء مین اس انحطاط مین تیزی کے ساتھ ترقی ہوتی گئی، جنگ عظیم کے قریب اٹلی اور مغربی سلافی قومون (Western Slaven) مین کچھ انحطاط رونما ہونے لگا، فرانس مین اگرچہ اوسط پیدائش برابر گرتا جارہا تھا، تاہم ۱۹۳۱ء کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس سال دوسرے ممالک کا اوسط فرانس سے بھی کم تھا، فرانس کا اوسط پیدائش فی ہزار (۱۷٫۴) تھا، جرمنی کا (۱۶) سوئزرلینڈ اور ناروے کا، (۱۶٫۷) انگلستان کا (۱۵٫۸) اور سوئیڈن کا (۱۴٫۸) جنگ کے بعد ہی اسپین، پرتگال، پولینڈ، سوویٹ روس، اور ریاستہائے بلقان مین بھی اوسط پیدائش گرنے لگا، اونچے طبقون کی بہ نسبت صنعت و حرفت کے طبقون مین اوسط پیدائش زیادہ ہے، لیکن شہرون مین اس کا انحطاط دولتمندون سے زیادہ غربا مین نمایان ہے،

اوسط پیدائش کے انحطاط کا اثر ملک کی آبادی پر یہ پڑا کہ تمام یورپ اور خصوصاً اس کے شمالی اور مغربی ممالک مین بچون کی تعداد کا تناسب بہت گھٹ گیا، اور بڑون کا تناسب اس وقت بڑھا ہوا ہے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اوسط اموات مین کمی ہو گئی ہے، لیکن نوجوانون کی تعداد کے تناسب مین کمی شروع ہو گئی ہے، اور بوڑھون کا تناسب زیادہ ہو گیا ہے، یعنی جیسا کہ پروفیسر موصوف لکھتے ہین، "اگر اس وقت بچون کی تعداد کم ہے، اور بڑون اور بوڑھون کی زیادہ تو تھوڑے ہی دنون مین بچون اور کام کرنے کے قابل اشخاص کی تعداد اور بھی کم ہو جائے گی اور

بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ ہوجائے گا"شمالی اور وسط مغربی یورپ میں اوسط پیدائش اوسط اموات کے تقریبًا برابر ہی ہے، اور ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں یہ اوسط اموات سے نیچے گر جائے یعنی مغربی یورپ کی آبادیوں میں جمود کے آثار پائے جاتے ہیں۔

اس صورت حال کے اقتصادی اثرات کیا ہوں گے؟ پروفیسر ہرش اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پیدا کرنیوالوں کی بہ نسبت صرف کرنے والوں کی تعداد کم ہوجائے گی، کیونکہ معاشی نقطۂ نظر سے پیدا کرنے والوں کی تعداد تقریبًا تمامتر جوانوں اور پختہ عمر والوں پر مشتمل ہے، بچوں کا کام پیدا کرنا نہیں، بلکہ صرف کرنا ہے، اور ان کی تعداد کا انحطاط بوڑھوں کی تعداد کی افزائش سے زیادہ ہے" پیدا کرنے والوں کی تعداد کی مناسبت سے صرف کرنے والوں کی تعداد کا یہ مستقل انحطاط لازمی طور پر بے روزگاری کو ترقی دیتا رہے گا، اور یہ بے روزگاری کوئی وقتی اور موسمی بے روزگاری نہ ہوگی، بلکہ ایسی بے روزگاری ہوگی، جسے بجا طور پر ترکیبی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ یہ نتیجہ ہوگی آبادی کی ترکیب عمری کا"

اس بے روزگاری کو دور کرنے کیلئے پروفیسر موصوف یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ کام کے گھنٹوں میں تدریج تخفیف کردی جائے، جن کاموں کیلئے اجرت مقرر ہے۔ ان کے لئے عمر بتدریج محدود کردی جائے، طبقہ عوام کی قوت خریداری میں اضافہ ہوجائے، اور تنخواہوں میں تخفیف کرکے ملازمتوں کی تعداد بڑھائی جائے، لیکن اوسط پیدائش کے گر جانے سے جو ترقی پذیر کساد بازاری وجود میں آگئی ہے؛ اس کو رفع کرنے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ معاشی زندگی کے مختلف شعبوں میں آبادی اور سرمایہ کی تقسیم میں ایک تبدیلی پیدا کردی جائے تمام ضرورتیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتیں، ایک شخص کو اپنی بھوک اور پیاس بجھانے کیلئے غذا اور پانی کی ایک متعین مقدار چاہیے، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کسی صاحب علم کی تشفی کیلئے کتنی کتابوں کی ضرورت ہوگی یا تصویروں کی کونسی تعداد اس شخص کے ذوق کو پورا کردے گی، جو انھیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ غرض جو ضروریات خالص مادی اور زندگی کیلئے لازمی ہیں، وہ سامان کی ایک محدود مقدار سے پوری ہوسکتی ہیں، لیکن جو ضروریات جمالیاتی دماغی، فنی، اخلاقی یا اسی قسم کی ہیں وہ حقیقتًہ غیر محدود ہیں، اور ان کو پورا کرنے کا نتیجہ عمومًا یہ ہوتا ہے کہ ایک مزید ضرورت پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی قسم کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کوئی آبادی سامان کی جو مقدار استعمال کرسکتی ہے، اس کی تعیین خاص طور پر اس آبادی کی

مجموعی تعداد سے کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کی ضروریات کیلئے سامان کی جو مقدار درکار ہوتی ہے اس کا انحصار خصوصیت کے ساتھ اوس آبادی کے معیار حیات و تمدن اور اوس کی قوت خریداری پر ہوتا ہے" پروفیسر ہرش کا خیال ہے کہ پہلی قسم کے سامانون کا اوسط پیداوار کم کر دینا چاہئے، دوسری قسم کے سامانون کی طلب تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ بڑھتی ہی جائے گی، خواہ آبادی اپنی جگہ پر بدستور قائم رہے، "ع ز"

سرطان کے علاج مین ترقی

تین ہزار برس سے زیادہ ہوئے، جب کہ مصر کے قدیم پوجاریون نے سرطان کے بعض مریضون کو دیکھ کر اس مرض کے متعلق کچھ لکھا تھا اور اس کے علاج کے لئے ایک مرہم تجویز کیا تھا، جو دراصل بہت کم مفید ثابت ہوا، پھر اس کے بعد اب سے تقریباً ایک سو برس پہلے تک اس مرض کی نسبت بہت کم معلوم ہو سکا، ایک سو سال ہوئے، ماہرین حیوانات و نباتات اور اطبا نے خوردبین کے ذریعہ سے اس کا معائنہ شروع کیا اور تیس سال کے عرصہ مین یہ معلوم کر لیا کہ سرطان کی متعدد قسمین ہین، جو ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہین، جو سرطان جلد سے پیدا ہوتے ہین، وہ جلد کے چھوٹے چھوٹے خانون سے بنتے ہین، اور جو اندرونی اعضاء سے نکلتے ہین، وہ اُن خانون سے بنتے ہین جن سے ان اعضاء کی تعمیر ہوتی ہے؛ ہڈی کا سرطان جسم کے کسی اور حصہ کے سرطان سے مختلف ہوتا ہے، بتدریج ان سرطانون کی علٰحدہ علٰحدہ تقسیم قائم کی گئی، ان کے جداگانہ نام رکھے گئے، اور یہ قلمبند کر لیا گیا کہ بعض سرطان دوسرون دوسرون کی بہ نسبت بہت زیادہ خطرناک ہوتے ہین، تقریباً اسی زمانہ مین فن جراحی مین بھی ترقی رونما ہونے لگی اور بعض سرطانون پر عمل جراحی کیا بھی گیا، لیکن انیسوین صدی کے وسط تک جبتک کہ بے حس کرنے والی دواؤن کا استعمال عام نہین ہو گیا، سرطان کے بڑے آپریشن نہین کئے گئے، اور چونکہ تمام زخم پک جاتے تھے، اس لئے بہت کم غدود کاٹ کر نکالے جاتے تھے، پھر لسٹر (   ) کی عظیم الشان تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صفائی اور دافع تعدیہ اشیاء کے استعمال سے زخم کو پکنے اور خراب ہونے سے روکا جا سکتا ہے، اور اس انکشاف کے بعد سرطان کے نازک آپریشن بھی کئے جانے لگے، لیکن تندرست ہو جانے والے اشخاص کی تعداد پھر بھی کم ہی رہی،

۱۸۹۶ء مین رونٹجن (Roentgen) نے عکس ریز (اکس ریز) کو دریافت کیا اور ۱۸۹۸ء مین میڈم کیوری (Madam Curie) نے ریڈیم کو معلوم کیا۔ اُن دریافتون کے بعد سے سرطان کے علاج کا جدید طریقہ شروع ہوا، یعنی آپریشن کے ذریعہ سے نکال دینا یا ریڈیم کے ذریعہ سے فنا کر دینا، لیکن بہت سے سرطان ایسے ہین، جو آپریشن یا ریڈیم کسی طریقے سے اچھے نہین ہو سکتے،

۱۹۱۰ء کے قریب یہ معلوم کیا گیا، کہ سفید چوہون کو بھی انسان ہی جیسا سرطان ہوتا ہے۔ اور ایک جانور کے جسم سے نکال کر دوسرے جانور کے جسم مین منتقل کیا جا سکتا ہے،

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سرطان کسی جرثومہ (germ) کے سبب سے نہین ہوتا، لہذا یہ قدیم خیال بالکل غلط تھا، کہ سرطان کے مریض کا تعدیہ اس کے تیمار دارون پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، اسی طرح جانورون پر تجربہ کر کے یہ بھی دکھایا جا چکا ہے، کہ یہ مرض موروثی نہین ہوتا،

جانورون مین سرطان بعض معمولی کیمیاوی مواد (Chemicals) سے پیدا کیا جا سکتا ہے، بعض کیڑے بھی سرطان پیدا کرنے کا سبب ہو سکتے ہین، مصر مین ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے، جس کے کاٹنے سے سوزش پیدا ہوتی ہے، اور اُسی قسم کا سرطان پیدا ہو جاتا ہے، جیسا فراعنۂ مصر کے زمانہ مین وہان کے باشندون مین پایا جاتا تھا کیڑون کے کاٹنے سے جو سرطان پیدا ہوتا ہے، وہ بہ نسبت سرد ملکون کے مشرق بعید مین بہت زیادہ پایا جاتا ہے،

اس مین شبہ نہین کہ لوگ اگر حفظانِ صحت کے معمولی اصولون پر عمل کرنے لگین، تو بہت سے سرطانون سے نجات مل سکتی ہے، مثلاً منہ کے سرطان اکثر ایسے مصنوعی دانتون کے استعمال سے جو ٹھیک لگے نہین یا تیز دانتون کے زبان پر رگڑنے سے یا اسی قسم کے دوسرے اسباب سے جنھین دفع کیا جا سکتا ہے، پیدا ہو جاتے ہین، اسی طرح جو سرطان تارکول یا ایسے روغنون سے پیدا ہوتے ہین، جو مشینون مین استعمال کئے جاتے ہین، اُن سے بچنے کا بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ کثرت سے غسل کیا جائے تاکہ اس قسم کے روغن جسم سے صاف ہوتے رہین،

ع ۔ ذ

یونان کے بعض آثارِ قدیمہ

گذشتہ موسمِ گرما میں یونان کے دارالسلطنت ایتھنز میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے بہت سی نادر چیزیں کھود کر نکالی ہیں، ایتھنز کے قدیم بازار (The agora) میں بے شمار کنوے تھے، ان میں سے صرف ایک کنوے سے (۲۱۷) چیزیں برآمد کی گئی ہیں، یہ چیزیں چھٹی صدی قبل مسیح سے لیکر ۲۰۰ قبل مسیح تک کی ہیں اُن میں سب سے زیادہ قدیم چیز ایک خوبصورت برتن ہے جسمیں دو دستے لگے ہوئے ہیں، یہ ساتوین صدی قبل مسیح کے آخری دور کا ہے، اس کے علاوہ ایک اور نہایت قدیم گلدان ہے جس کی شکل ایک جھکے ہوئے لڑکے کے مانند ہے جس مقام پر یہ قدیم بازار واقع تھا، وہان اب جدید عمارتین بن گئی ہین، اوران آثارِ قدیمہ کے نکالنے کیلئے بہت سے جدید مکانات کو گرا دینا پڑا ہے، گذشتہ موسمِ گرما کی کھودائی مین کنوؤن کے علاوہ بالکل غیر متوقع طور پر ایک مقبرہ بھی برآمد ہوا ہے، اس مین تین انسانی ڈھانچے، ایک نیلے شیشے کا ہار اور چند ٹوٹے ہوئے گلدان ملے ہین، اسی کے قریب فتح کے پردار دیوتا کے دو مجسمے بھی برآمد ہوئے ہین، جو پانچوین صدی قبل مسیح کے بنے ہوئے ہین، ایک سنگ مرمر کا مجسمہ شہنشاہ ہیڈرین (دوسری صدی عیسوی) کا بھی نکلا ہے، اس کا سر ابتک نہین ملسکا ہے لیکن اور علامات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مجسمہ اسی شہنشاہ کا ہے، ایک اور سنگ مرمر کا مجسمہ چوتھی صدی قبل مسیح کا شاہکار ہے، یہ ایک نوجوان حسینہ کا مجسمہ ہے، جس کا لباس اس قدر باریک دکھایا گیا ہے کہ جسم کی خوبصورتی لباس کے اوپر سے بھی نمایان ہے، قریب تین سو قندیلین (لیمپ) برآمد ہوئی ہین، جو مختلف قسمون اور ساتوین صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک کے مختلف زمانون کی بنی ہوئی ہین تین سال کی کھودائی مین ایک ہزار سے زیادہ کتبے اور چوبیس ہزار سے زیادہ قدیم سکے ملے ہین، اس سلسلہ مین ایک دلچسپ چیز یہ ہاتھ آئی ہے، کہ یونان کے قدیم معمار پختہ عمارتون مین جو مسالہ دیتے تھے اس کا نسخہ مل گیا، ڈاکٹر لیسلی شیر (Dr. Leslie Shear) جنکی سرکردگی مین امریکہ کے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اُن مین سے

اکثر چیزیں برآمد کی ہیں، اپنے ساتھ پُرانی گچ کے کچھ ٹکڑے امریکہ لیتے آئے تھے جن کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اُن میں (۲) فی صدی بالو اور (۲۶) فی صدی چونا ہے، لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ تناسب اوس نسخہ سے مختلف ہے جو شہنشاہ اغسطس (پہلی صدی قبل مسیح) کے زمانہ کا معمار وٹروویس (Vitrouvius) چھوڑ گیا ہے،

قدیم اہل ایتھنز کی مذہبی زندگی سے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل ہوئے ہیں، یونان میں فرقہ ادریہ (Gnostic) دوسری صدی عیسوی کا ایک طاقتور فرقہ تھا، جس کے مذہب میں سحرکاری کے علاوہ یونانی، مصری، اور سامی مذاہب کے اجزا بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے پاس بعض ایسے جواہرات ہوتے تھے جن پر عجیب و غریب قسم کی تصویریں بنی ہوتی تھیں اور عجیب و غریب دیوتاؤں کے نام اور طلسمی عبارتیں کندہ ہوتی تھیں، چنانچہ جو پتھر برآمد ہوا ہے، وہ اس قسم کا ہے، جسے "ابراساکس" (Abraxax) کہتے ہیں، اس نام کے اعداد (۳۶۵) ہیں جو سال کے دنوں کی تعداد ہے، اس پتھر پر "ابراساکس" نامی ایک عجیب جانور کی تصویر بنی ہوئی ہے، جس کا سر مُرغ کا ہے، اور جس کی ٹانگوں کے بجائے دو سانپ ہیں،

ایتھنز کی قدیم عدالتی کارروائی سے متعلق بھی ایک دلچسپ چیز برآمد ہوئی ہے، جو شہری جیوری کے فرائض کے لائق سمجھے جاتے تھے، انھیں ایک کانسے کا ٹکٹ دیا جاتا تھا، جس پر اون کا نام، اُس شعبہ کا نام جس سے وہ متعلق ہوتے تھے، اور شہر کی مہر کندہ ہوتی تھی، مقدمہ کی سماعت کے وقت جیوری کے ہر رکن کو کانسے کے دو قرص دیئے جاتے تھے، ایک کا مرکزی حصہ کھوکھلا اور دوسرے کا ٹھوس ہوتا تھا، جس قرص کا مرکزی حصہ کھوکھلا ہوتا تھا، اوسے ملزم کی بریت کے لئے ووٹ دینے میں استعمال کرتے تھے اور جس کا ٹھوس ہوتا تھا اسے سزا کیلئے ووٹ دینے میں جیوری کا ہر رکن ووٹ دیتے وقت پوشیدہ طور پر ایک قرص کانسے کے ایک تتن میں ڈالدیتا، پھر ان سب قرصوں کو جمع کرکے جیوری کی رائے معلوم کر لی جاتی، اور اسی کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کیا جاتا، جو قرص برآمد ہوئے ہیں، وہ چوتھی صدی قبل مسیح کے ہیں، اور یہ اُسی زمانہ کے ہیں جس زمانہ کی عدالتی کارروائی کا بیان ارسطو نے اپنے "دستور ایتھنز" میں کیا ہے،

قدیم ایتھنز کے سیاسی قانون کے متعلق بھی ایک اہم چیز کا انکشاف ہوا ہے، پانچوین صدی قبل مسیح مین ایتھنز کے قانون مین جلاوطنی (Ostracism) کا رواج جگہ پا چکا تھا، اس قانون کے مطابق وہان کے شہری کسی قائد کو جو حد سے زیادہ قوت و اقتدار حاصل کرلے، دس سال کیلئے جلاوطن کرسکتے تھے، اس کا طریقہ یہ تھا، کہ اوس قائد کا نام مٹی کے ایک ٹکڑے پر جسے اوسٹراکون (Ostrakon) کہتے تھے، کندہ کردیا جاتا تھا، اور وہی اس کے خلاف ووٹ کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، پہلا مدبر جس کے خلاف یہ قانون جاری کیا گیا، ہپارکوس (Hipparchus) تھا، جو جنوری ۴۸۷ قبل مسیح مین جلاوطن کیا گیا، چنانچہ ایک اوسٹراکون جس پر اوس کے خلاف ووٹ دیا گیا تھا، گیارہ دوسرے اوسٹراکونون کے ساتھ برآمد ہوا ہے۔

"ع ز"

اخبارِ علمیہ

سائنس کی مختصر ترین تاریخ،

ڈاکٹر ہنری کرو، (امریکہ) نے سائنس کی ایک نہایت مختصر اور دلچسپ تاریخ لکھی ہے، جو حسب ذیل ہے

فیثا غورث نے "کل" کا نام "کائنات" (Cosmos) رکھا اقلیدس نے جیومیٹری کی تشکیل

کی، ارشمیدس (Archimedes) نے طبعیات کی،

زینوفانیس (Xenophanes) نے افلاک کو ایک دیکھا، کوپرنکس (Copernicus)

نے اس کا مرکز آفتاب کو ٹھہرایا،

اجسام طبعی کی حرکت میں گیلیلیو (Galileo) نے ایک قانون کا مشاہدہ کیا، اور اوسے

نیوٹن نے جاذبیت عامہ (Universal gravitation) کا اصول مرتب کیا،

دیمقراطیس (Democritus) نے ترکیب مادہ کے ذروی نظریہ (atomic

theory) کی ابتدا کی، ڈالٹن نے اس نظریہ کو مستقل و مستحکم کر دیا،

انیسویں صدی میں ڈاروِن (Darwin) اور لامارک (Lamarck)

نے ارتقائے عضوی کے مسئلہ کو باقاعدہ شکل میں پیش کیا،

ٹیکہ کے ذریعہ سے امراض سے محفوظ رکھنے کا طریقہ جینر (Jenner) اور پیسٹر (Pasteur)

نے دریافت کیا،

اورسٹڈ (Oersted) اور فیراڈے (Faraday) نے برقی مقناطیسیت کا نظریہ دریافت کیا، میکسول (maxwell) اور ہرٹز (Hertz) نے اوس سے ترقی دی۔ بکیرل (Becquerel) کریز (Curies) اور ٹامسن (Thomson) کی کوششون سے نازک ذرات اور برقیہ ذرات (Fragile atoms & electrons) کا مشاہدہ کیا گیا۔ آئنسٹائن (Einstein) کے نظریہ نسبیت سے سائنس کے ایک جدید باب کا افتتاح کیا ہے۔

جمہوریۂ ترکی مین بچّون کی نگہداشت

رسالہ مسلم ورلڈ (اکتوبر ۳۳ء) مین استنبول کے روزنامہ جمہوریہ (۱۰ر جنوری ۳۳ء) کا حسب ذیل اقتباس شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ دس سال کے عرصہ مین انجمن تحفظ اطفال ترکی نے غازی مصطفٰے کمال پاشا کے زیر نگرانی کن طریقون سے ملک کے (۸۰۴) مرکزون مین ترکی بچّون کی دیکھ بھال کی ہے:۔

اس انجمن نے (۱۱۸۰۳) بچّون کو اپنی نگرانی مین لیا ہے، (۷۲۴۷۵) بچّون کیلئے دودھ کا انتظام کیا ہے، (۱۷۴۱۴۹) بچّون کو جوتے تقسیم کئے ہین، (۷۳۸۵) بچّون کو ٹوپیان خریدی ہین، اور (۱۴۳۰۳) بچّون کیلئے مدرسہ کی ضروریات کا سامان فراہم کیا ہے، (۱۴۹۱۲۷) بچّون کا علاج ہوا ہے، (۱۰۷۵) بچّون کو مالی مدد دی گئی ہے، (۳۴۵۰۳) بچّون کو طبّی غسل دیا گیا ہے، (۲۶۳) بچّون کا ختنہ کیا گیا ہے، (۱۵۱۲) بچّون کی ولادت کے وقت دائیان موجود رکھی گئی ہین، (۵۴۵۶) بچّون کو مدرسون اور دوسرے ادارون مین داخل کیا گیا ہے، (۵۲۶۲۲) بچّون کو دوسرے مختلف طریقون سے مدد دی گئی ہے، بچّون کی مجموعی تعداد جنھون نے اس انجمن کے ذریعہ سے کسی طریقہ پر مدد پائی ہے (۶۰۰۵۸۰) ہے۔

قسطنطنیہ مین ابتدائی تعلیم کی ترقی

مسلم ورلڈ قسطنطنیہ مین ابتدائی تعلیم کے متعلق بھی جمہوریہ ۳ر جنوری ۳۳ء کا حسب ذیل اقتباس نقل کرتا ہے۔

"قسطنطنیہ مین ابتدائی تعلیم کا نصاب پوری کامیابی کے ساتھ جاری ہے، جہان تک ابتدائی تعلیم کا تعلق ہے، قسطنطنیہ اس معیار تک پہنچ چکا ہے، جو تمام دوسرے شہرون کے لئے بھی ہونا چاہئے، پہلے ابتدائی مدارس مین بچّون کی تعداد صرف تیس ہزار تھی، لیکن اب سخت کوششون کے باعث صرف ترکی

مدارس میں یہ تعداد اٹھاؤن ہزار ہوگئی ہے اگر اس تعداد میں اُن بچّوں کا شمار بھی کر لیا جائے جو غیر ملکی مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں، تو اندازہ یہ ہے کہ ابتدائی مدارس کے طلبہ کی تعداد شہر قسطنطنیہ کی آبادی کی دس فیصدی ہوجائیگی دستوری حکومت کے زمانہ میں ابتدائی مدارس کیلئے صرف پانچ عمارتیں بنائی گئی تھیں، لیکن جمہوری حکومت کے دور میں ایسی ۵۹ عمارتیں تعمیر ہوگئی ہیں، اور اب یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ بہت سے غریب بچے صبح سے دوپہر تک یا دوپہر سے شام تک مدرسوں میں پڑھتے ہیں، اور باقی اوقات میں اپنی معاش حاصل کرنے کیلئے اخبارات فروخت کرتے ہیں، جن بچّوں کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ہے، اُن کے لئے غلطہ میں میونسپلٹی کی طرف سے ایک جائے قیام کا انتظام کیا جائیگا، اور چند سال کے اندر قسطنطنیہ کے اُن تمام بچّوں کو جنکی عمریں ابتدائی مدارس میں تعلیم پانیکی ہیں، اور جو صبح سے شام تک دوکانوں میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں، پولیس کے ذریعہ سے مدرسوں میں جانے کیلئے مجبور کیا جائیگا،

قدیم مطبوعات کی قدردانی

اسٹیٹسمین مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں سونے سے تولی جانے والی کتابیں کے عنوان سے یورپ و امریکہ میں قدیم مطبوعہ کتابوں کی قدردانی کے دلچسپ حالات شائع ہوئے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ان مادہ پرست ممالک میں بھی سب سے قیمتی کتابیں آسمانی کتابیں ہی سمجھی جاتی ہیں، اور اون کے بعد انگریزی ادب کے ممتاز شاعر شکسپیر کی قدیم تصنیفات چنانچہ اس وقت تک مطبوعہ کتابوں میں سب سے قیمتی کتاب انجیل ہی کا ایک نسخہ ہے جسے گوٹن برگ نے شائع کیا تھا، یہ نسخہ آخری مرتبہ (۲۱۲۰۰) پونڈ میں فروخت ہوا ہے، اس کے بعد قیمت کے لحاظ سے دوسرا نمبر شکسپیر کی ایک نظم "وینس اینڈ اڈونس" (VENUS AND ADONIS) کا ہے، جو (۱۵۱۰۰) پونڈ میں فروخت ہوئی تھی، اور ابھی حال میں اسی شکسپیر ہی کے ڈراموں کا ایک نہایت قدیم نسخہ اپنی قیمت کے لحاظ سے دنیا کی مطبوعہ کتابوں میں تیسرے نمبر پر آیا ہے، یہ نسخہ ۱۶۲۳ء کا چھپا ہوا ہے، اشاعت کے وقت اس کی قیمت محض ایک پونڈ تھی، مگر آج (۱۴۵۰۰) پونڈ میں فروخت ہوا ہے، یہ نسخہ لارڈ روز بری کے کتب خانہ میں

محفوظ تھا، اور یہاں سے اب امریکہ لے جایا گیا، اور اول الذکر دونوں کتابوں کے خریدار بھی امریکی ہی ہیں۔ گوٹن برگ کی شائع کردہ ایک دوسری انجیل بھی ہے، جو تین جلدوں میں ہے، اور ان کی مجموعی قیمت (۱۱۴۴۷) پونڈ مل چکی ہے، ان جلدوں کے متعلق دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جو ٹائپ میں شائع ہوئی ہے، اس کا زمانہ طباعت آج سے (۴۷۰) سال پہلے ہے، اسکے ۴ مکمل نسخے اسوقت تک دنیا میں معلوم ہو سکے ہیں، اسی طرح انجیل کا ایک دوسرا نسخہ جو پہلے کارڈینل مئیزارن کے پاس تھا (۴۷۰۰) پونڈ میں فروخت ہوا، پھر اسکی (۱۲۰۰۰) پونڈ قیمت ملی، اہل یورپ مطبوعہ کتابوں کے مصنفوں کی دستی تحریروں کی بھی اسی طرح قدردانی کرتے ہیں، انگریزی ادبیات کی شہرۂ آفاق نظم "الائیس ان ونڈرلینڈ" (ALICE IN WONDERLAND) کا وہ قلمی مسودہ جو شاعر کے ہاتھ کا ہے، (۱۵۴۰۰) پونڈ میں فروخت ہوا، اور یہاں تک کہ ڈاکٹر جانسن کے زبان انگریزی کے اوس لغت کے پروفوں کی قیمت بھی ۳۲۵۰ پونڈ ملی، جو ۱۷۵۵ء میں شائع ہوا تھا، ان پروفوں میں ڈاکٹر جانسن کے ہاتھ کی بہت سی ایسی اصلاحیں درج ہیں، جو شائع شدہ نسخہ میں درج نہ ہو سکیں، نیز ان میں مصنف کے ہاتھ کے بہت سے اضافے بھی ہیں، یہ پروف مکمل تین جلدوں میں سمائے ہیں لیکن ان میں کتاب کا مکمل نسخہ موجود نہیں ہے۔

موسم کا اثر نشو و نما پر

ڈاکٹر ٹرنر (TURNER) نگران محکمہ حفظان صحت مساچیٹس (MASSACHUSETTS) (امریکہ) نے اپنے طویل تجربوں کے بعد بچوں کی نشو و نما کے متعلق ذیل کا بیان شائع کیا ہے:۔

تندرست بچوں کے جسم کے وزن بڑھنے کی رفتار اپریل، مئی اور جون کے مہینوں میں سست پڑ جاتی ہے، پھر ابتدائے موسم سرما سے وزن کے بڑھنے میں تیزی شروع ہوتی ہے، یہانتک کہ موسم سرما اور خزاں کے مہینوں میں یہ پوری تیزی سے بڑھتا ہے، اور برخلاف اس کے بچوں کا قد زیادہ تیزی سے اونھیں مہینوں میں بڑھتا ہے جنمیں وزن کی زیادتی سست رفتاری سے ہوتی ہے، لیکن یہ تعجب کے ساتھ سنا جائے گا کہ یہ دنیا کے شمالی نصف کرہ کے بچوں کی نشو و نما کے حالات ہیں جنوبی نصف کرہ کے بچوں کے وزن اور قد کے تیزی اور سستی کے ساتھ بڑھنے کا موسم شمالی نصف کرہ کے اس موسم کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

"ز ع"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مرادآبادی:

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے
جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے

عالم ہے کچھ ایسا کہ زماں ہے نہ زمیں ہے
میں ہوں، نہ دریاز نہ سجدہ، نہ جبیں ہے

جس دل میں تری یاد ہے تو صدر نشیں ہے
وہ دل بھی حسیں اوس کی محبت بھی حسیں ہے

زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے،
سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو ننگِ جبیں ہے

جس رنگ میں دیکھو اوسے وہ پردہ نشیں ہے
اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے

ہر ایک مکاں میں کوئی اس طرح مکیں ہے
پوچھو تو کہیں بھی نہیں۔ دیکھو تو یہیں ہے

نزدیک ہو یا دور، جہاں تم ہو وہیں ہے
عاشق وہی عاشق ہے جو مجبور نہیں ہے

وہ آئے ہیں اے دل ترے کہنے کا یقیں ہے
لیکن میں کروں کیا مجھے فرصت ہی نہیں ہے

قطعاتِ امجد

از حکیم الشعرا حضرت امجد حیدرآبادی،

آیا ہے زمانۂ ترقی۔
گندہ بندہ، خدا ہوا ہے،

ایمان سے دل کو صاف کر کے
امجد صوفی بنا ہوا ہے،

جہان کو ناز ہے ہستی پر اپنی، | مین اپنی نیستی پر مر رہا ہون،
ملا ہے جب سے لطف خاکساری، | تنزل مین ترقی کر رہا ہون،

ہے اور یقینی ہے، یہی سب کی صدا ہے | لیکن، نہین معلوم کہ وہ کون ہے کیا ہے
کیا کوئی کہے اوس کی حقیقت کہ وہ کیا ہے | ہاتھ آئے تو بت، ہاتھ نہ آئے تو خدا ہے

ہر گھڑی عمر کی کیا جلد گذر جاتی ہے، | جس طرح کوئی اُڑا جاتا ہو طیارے مین
جان اور جسم کی آغوش مین کیا حیرت ہے | زندگی جھولتی ہے موت کے گہوارے مین

رنگ حسرت،

از جناب جلیل قدوائی ایم اے علی گڈھ،

میرے نالون پہ اوس نے آہ نہ کی، | آہ کیا مجھ پہ اک نگاہ نہ کی،
مین نے کس شوق سے اوسے دیکھا | اوس نے میری طرف نگاہ نہ کی،
غلط انداز بھی نگہ مجھ پر، | تو نے اے شوخ کم نگاہ نہ کی،
میری آہون نے مجھ کو خاک کیا، | اوس ستمگر کے دل مین راہ نہ کی،
ہم نے ہنس ہنس کے عشق مین کاٹی | جان پر بھی بنی تو آہ نہ کی،
سچ ہے یہ آپ نے مجھے چاہا، | مین نے ہی آپ سے نباہ نہ کی،
تجھ کو دل دے کے وہ سبق سیکھا، | بھول کر پھر کسی سے چاہ نہ کی،
ہم اسیرون نے جب قفس چھوڑا، | مڑکے پھر اس طرف نگاہ نہ کی،
زندگی بھر ہم اس روش سے چلے | کہ تمیز گدا و شاہ نہ کی،

دولت عشق پاکے مین نے جلیل
ہوس مال و حب جاہ نہ کی،

مطبوعاتِ جدیدہ

جدید اردو شاعری از پروفیسر عبدالقادر سروری ایم اے، کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، دکن حجم ۲۴۷ صفحے مجلد تقطیع چھوٹی قیمت سے ؎ ناشر انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

ادھر چند سال میں اردو ادب اور شعر و شاعری کی تاریخ و تبصرہ پر بعض اچھی اچھی کتابیں نکلی ہیں، اون میں ایک اور اضافہ اس زیرِ تبصرہ کتاب "جدید اردو شاعری" سے ہوا ہے، جو غور و فکر اور اصابتِ رائے کے ساتھ لکھی گئی ہے، کتاب کا مبحث اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے اس میں دورِ جدید کی شاعری پر بامعانِ نظر بحث کی ہے، کتاب چند حصوں اور ہر حصہ چند بابوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں شعر کی ماہیت، تعریف، شاعری کی قسمیں، اور پھر اردو شاعری کی صنفیں بیان کی گئی ہیں، دوسرا حصہ گویا اصل موضوع پر مقدمۂ کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں مصنف نے جدید اردو شاعری کا آغاز انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد سے دکھایا ہے، اور اوسے "دورِ انقلاب" سے تعبیر کرکے بتایا ہے، کہ اس سے پہلے اردو شاعری دورِ انحطاط میں تھی، پھر اس کے تنزل کے اسباب بتائے ہیں اسکے بعد انقلاب کے اثرات دکھا کر آزاد اور حالی کو جدید اردو شاعری کا معمار بتایا ہے، اور جدید اردو شاعری کی پیدائش کا زمانہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۰ء تک میں متعین کیا ہے، اس کے بعد کتاب کا تیسرا حصہ آتا ہے، اور یہیں سے اصل موضوع بحث چھڑتا ہے، مصنف نے اس کو "عصرِ اصلاح" سے تعبیر کیا ہے، اس میں آزاد، حالی، نذیر احمد، شرر، شبلی، اور کیفی حیدرآبادی کو جگہ دی ہے، ان میں سے ہر ایک کے حالاتِ زندگی اس اسلوب میں لکھے ہیں، جس سے ان کی شاعری کی تدریجی ترقی نمایاں ہو، اور پھر ہر ایک کی شاعری کے کمالات و خدمات پر محققانہ تبصرہ کرکے باہم ایک دوسرے میں موازنہ کیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان معاصرین پر یکجا قلم اوٹھانے کے باوجود ذاتی رجحانات و عصبیت سے دامن بچا کر جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کی کوشش رکھنا مصنف کا لائقِ ستایش کارنامہ ہے، اس کے بعد درمیانی زمانہ

جسمین اسمٰعیل، اکبر، شوق قدوائی، اور نظم طباطبائی وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، پھر عصر حاضر آتا ہے جسمین اس عہد کے ممتاز شعرا اقبال، سیماب، سرور جہان آبادی، حسرت، فانی، چکبست، عظمت، جوش، اصغر، امجد، جگر، ریاض، صفی، جلیل، عزیز، اور رسوا وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور اوسی اسلوب و انداز مین ان کی شاعری پر ناقدانہ تبصرہ ہے، آخری باب شعرائے مستقبل" کے عنوان سے ہے جسمین ہمارے نوجوان شعراے اردو کو روشناس کیا گیا ہے،

مصنف کی رایون اور تنقیدون سے یون تمام و کمال اتفاق کرنا تو ممکن نہین، لیکن کم از کم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ رائین کامل غور و فکر اور کلام کے صحیح مطالعہ کے بعد قائم کی گئی ہین، البتہ حیدرآباد کے شعراے اردو کے متعلق مصنف کی رائین شاید اصول جرح و تعدیل کی حیثیت سے بھی مستند نہ سمجھی جائین، تاہم ان کے تذکرون مین بھی ایک حد تک اظہار حق کی کوشش کی گئی ہے، لیکن معلوم نہین مصنف نے ہمارے شہر کے زندہ شاعر اقبال سہیل کو "سہیل مرحوم" کے لقب سے کیون یاد کیا ہے، شاید یہ "تابش سہیل" کی آیندہ درخشانی کا تفاول یا پیش خیمہ ہو، جو کچھ دنون مین پریس سے نکلنے والی ہے، اور اس کی مستحق تھی کہ اس کتاب کے باب عصر حاضر مین پہلے سے موجود ہوتی،

انقلاب دہلی، مرتبہ جناب نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایون، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۴۰ صفحے، سرورق خوشنما، قیمت ۸؎،

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز انقلاب کے بعد ہندوستان کو جن سیاسی حالات سے دوچار ہونا پڑا، اونھین دیکھتے ہوئے اس عہد کے اردو شعرائے کلام مین دلی اور اسلامی ہند کی بربادی پر جو کچھ بھی مل جاتا ہے، وہ بساغنیمت ہے، کیونکہ مختلف سیاسی ماحول کی بنا پر اس عہد کے شعرائے اردو نے اگر اپنے مجروح جذبات و احساسات کو ظاہر کرنے کی جراُت بھی کی تو اوسی گل و بلبل اور روداد حسن کی داستان کا پردہ قائم رکھ کر، تاہم یہ بھی صحیح نہین کہ اردو شاعری دلی اور اسلامی ہند کی بربادی کے مرثیون سے کلیتہً خالی ہے، ہمین جناب نظامی بدایونی کا ممنون ہونا چاہئے کہ اونھون نے اس جانب توجہ کی، اور دلی کی بربادی کے اردو مرثیے ایک رسالہ کی شکل مین جمع کر دئے، جو رسالہ "انقلاب دہلی" معروف بہ "انقلاب دہلی" کے نام سے موسوم ہے، اس مین تقریباً ۵۰، ۶۰ اردو شعرا کے مرثیے ہین، رسالہ کی ترتیب شعرا کے نامون کے حروف تہجی پر ہے، ایک ایک دو دو سطرون مین شاعرون کا مختصر تعارف بھی درج ہے، ابتدا مین

خواجہ حسن نظامی صاحب مولف "غدر دہلی کے افسانے" نے ایک دیباچہ لکھا ہے۔

تہذیب عمل، از جناب ملک محمد باقر نسیم رضوانی متعلم ایم اے ناشر مہتمم دفتر تذکرہ گجرات پرنٹنگ پریس گجرات پنجاب، حجم ۹۰ صفحے، قیمت ۶ر

ملک محمد باقر صاحب نسیم رضوانی پنجاب کے ایک لائق اور ہونہار نوجوان ہیں اور دور طالب علمی سے مسائل و مباحث پر غور و فکر کی نظر رکھنے کی عادت ڈالی ہے زیر تبصرہ رسالہ تہذیب عمل ان کی تعلیمی و عملی زندگی کا پہلا ثمرہ ہے، اسمین اونھون نے اپنے ہمعمر نوجوانون کو اپنی عملی زندگی کو کامیاب بنانے اور صحیح اصول زندگی اور اچھے عادات اختیار کرنے کیلئے راہ ہدایت دکھائی ہے۔ رسالہ مین کوشش کی گئی ہے کہ ایک ایک مسئلہ یا اصول زندگی کو ایک ایک صفحہ مین پیش کیا جائے، اور جہان ضرورت ہوئی ہے، اوسی سابق موضوع کو نئے صفحہ پر نئے عنوان سے جگہ دی گئی ہے تقریباً ۹۰ عنوانات ہین، رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے دلچسپ اور ہمارے نوجوان طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے۔

فرانسیسی افسانے، از جناب عزیز احمد صاحب کلیہ جامعہ عثمانیہ ناشر مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن حجم چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۲ر

مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد کی جانب سے جناب عبدالقادر صاحب سروری کی ادارت مین دنیا کے "شاہکار افسانے" کی اشاعت کا جو سلسلہ جاری ہے، اوس کا چوتھا حصہ فرانسیسی افسانے کے نام سے شائع ہوا ہے، اس مین ۹۰، مختصر فرانسیسی افسانون کا ترجمہ ہے۔ دیباچہ مین فرانسیسی ادب پر سرسری تبصرہ کیا گیا ہے اور ہر فسانے کے ساتھ اوس کے فرانسیسی فسانہ نگار کی تصویر اور اوس کا مختصر تعارف درج ہے۔

تاج آفرینش، از جناب عبدالحمید صاحب نعمانی حجم ۸۰ صفحے قیمت ۸ر پتہ اجمل بکڈپو پرنس بلڈنگ بمبئی نمبر ۹۔

"تاج آفرینش" مصر کی ایک مصلح خاتون ملک حفنی ناصف عرف باحثۃ البادیہ کے چند مضامین کا اردو ترجمہ ہے۔ مضامین مین پردہ، تعدد ازدواج، معاشرت زن و شو، اور عورتون کی سسرال کی زندگی وغیرہ کے مباحث ہین، مضامین خصوصاً عورتون کے پڑھنے کے لائق ہین۔ ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے۔

پردہ اسلامی نقطہ نگاہ سے، از مولوی سید محمد ادریس صاحب تصحیح انتشار تاج گنج آگرہ۔ قیمت ۱ر

اس رسالہ مین مکالمہ کے طور پر اسلامی پردہ، اور عورتون کی اسلامی معاشرت کو بیان کیا گیا ہے،

گلدستۂ صد احادیث نبوی، مرتبہ مولٰنا احمد علی انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور خوبصورت مجلد چھوٹی تقطیع کے ۶۸ صفحے،

لاہور کی انجمن خدام الدین مفید دینی خدمت انجام دے رہی ہے، اس کی جانب سے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین کیلئے رسالے شائع ہوتے رہتے ہین، جو مفت یا برائے نام قیمت پر ملتے ہین، زیر نظر رسالہ "گلدستۂ صد احادیث نبوی" مین صحاح سے سو مفید حدیثین معہ ترجمہ کے ایک خوبصورت رسالہ کی شکل مین چھاپی گئی ہین، یہ رسالہ بلا جلد کے مفت اور مجلد ۲ کے ٹکٹ بھیجکر انجمن سے مل سکتا ہے،

مشکوٰۃ الصلوٰت، مؤلفہ مولوی محمد الیاس صاحب برنی، استاذ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

حجم ۱۴۲ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸، مؤلف سے بیت السلام حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے،

"مشکوٰۃ الصلوٰۃ" کا تذکرہ چند سال پہلے ان صفحات مین آچکا ہے، اس مین درود و سلام کی ۷ حزبین ورد و وظیفہ کیلئے مرتب کیگئی ہین، رسالہ مقبول ہوا اب اس کا طبع ثانی دوبارہ شائع ہوا ہے،

اسلامی عقائد، از مولٰنا اسلم جیراجپوری، شائع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، قیمت ۱ر

بچون کیلئے دینیات کی تیسری کتاب کے عنوان سے یہ رسالہ لکھا گیا ہے، رسالہ کا نام تو "عقائد اسلامی" ہے لیکن مباحث مین انبیائے کرام کے تاریخی حالات کا حصہ زیادہ ہے،

کتبخانۂ بانکی پور کی نئی فہرستین، مشرقی کتبخانہ بانکی پور کی ترتیب فہرست کا جو کام کئی سال سے جاری تھا، افسوس ہے کہ وہ حکومت بہار کی مالی دشواریون کے سبب سے بند ہو گیا تھا، تاہم فہرست مذکور کی جو جلدین مطبع مین زیر طبع تھین، ان کی چھپائی جاری ہے، چنانچہ اس کی حسب ذیل جلدین نئی چھپ کر شائع ہوئی ہین،

۱۔ جلد انیس ۱۹ حصہ اول عربی مخطوطات متعلقہ اصول فقہ، و فقہ، مرتبہ مولوی عبد الحمید صاحب مطبوعہ بہار گورنمنٹ پریس پٹنہ سنہ ۱۹۳۱ء

۲۔ جلد اٹھارہ ۱۸ حصہ دوم عربی مخطوطات متعلقہ علوم القرآن، مرتبہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی مطبوعہ مطبع مذکور سنہ ۱۹۳۲ء

۳۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی جلد اول مرتبہ خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب مطبوعہ مطبع مذکور سنہ ۱۹۳۲ء

۴۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی، جلد دوم، مرتبہ خان بہادر موصوف مطبوعہ مطبع مذکور سنہ ۱۹۳۳ء

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۵ صفحے، قیمت للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے مختصر حالات اور انکے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت صہ ، از مولانا سید عبد الحی صاحب مرحوم

مکاتیب شبلی، مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں عزیزوں اور شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جسمیں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی مباحث ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم، قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۱۲ر ضخامت حصہ اول ۴۹۳ صفحے دوم ۲۶۱ صفحے

موازنۂ انیس و دبیر، اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے قیمت ے ، ہے ،

کلیات شبلی (اردو)، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچاس سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت ۸ر

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم، افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ہے ، ضخامت ۲۰۵ صفحے

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی انقلابی تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے، ... بیکر طلب کریں،